

نگار

شمارہ ۱	جنوری سنہ ۱۹۲۳ء	جلد ۳

استقلال قومی کے عناصر ثلثہ

اور

جامعۂ ملیہ کی اہمیت

انگریزی کی ایک مشہور مثل ہے کہ "روم ایک دن میں بنکر طیار نہ ہوگیا تھا"، جس سے مقصود یہ ہے کہ زیادہ اہم مطالب میں تعجیل کا خیال بے سود ہے اور تمام ایسے کام جو اپنی وسعت کے لحاظ سے عامۃ الورود نہیں ہیں ہمیشہ تدریج کے ساتھ انجام پاتے ہیں، ہمیں نہیں معلوم کہ یہ ضرب المثل کب عالم وجود میں آئی اور کیونکر کس عہد میں یہ اصول مقرر کیا گیا، لیکن اب جبکہ دنیا کے اصول بدل گئے ہیں اور تعمیر روم تو کیا، ترقی اقوام کے درجات بھی "برق پیما" سے متعین کئے جاتے ہیں، اس پر کاربند ہونا ایسا ہی ہے جیسے طیاروں پر سفر کرنے والوں کے سامنے الف لیلہ کے سندباد کا قصہ پڑھنا۔

آج جس وقت قومی ترقی کا مسئلہ پیش ہوتا ہے تو اکثر سرد دماغ رکھنے والے حضرات (جنھیں اعتدالیین کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے) اپنے چہروں پر حد درجہ تدبر و فراست ظاہر کرنیوالی شکنیں پیدا کرتے ہوئے وہی تعمیر روم والا مقولہ پیش کر دیتے ہیں اور ترقی کا ذریعہ صرف "تدریج" ہی کو قرار دیتے ہیں یعنی آہستہ خرامی کی تعلیم دیتے ہیں اور اس سے آگاہ نہیں کہ اس درس کے بعد ہی "خرام" کی طرف فوراً ہمارا ذہن منتقل ہو جاتا ہے، حالانکہ اب ضرورت ہے "ہمرگش بگیر" کی تا کہ عمل کی حد درجہ انحطاطی صورت بھی "تپ" کے درجہ سے نہ گرنے پائے، دنیا کا کوئی کام بغیر جوش کے تکمیل کی حد تک نہیں پہونچتا، جنگ کا فیصلہ خندقوں میں بیٹھ کر نہیں ہوتا

اور لطفِ حیات کا راز صرف "جرأتِ رندانہ" میں تلاش کرنے سے مل سکتا ہے۔

آج مشرقی ممالک میں کوئی ملک جس پر غیر اقوام لوگ قابض ہوں، ایسا نہیں ہے، جہاں آزادی و استقلال کا خیال موج زن نظر نہ آتا ہو مصر، شام، عراق، ہندوستان، ترکستان، ہر جگہ سیاسات کا مفہوم صرف حریت و آزادی قرار دے دیا گیا ہے اور کم و بیش ہر مقام پر حریّت کا مدعا یہی سمجھا جاتا ہے کہ اپنے اوپر حکومت کرنے والے "ہم" ہوں اور ترقی کے میدان میں ہم بھی دوسری ترقی یافتہ قوموں کے دوش بدوش نظر آئیں، لیکن اس وقت تک اس کی کوشش نہیں کی گئی کہ تمام مشرقی ممالک اپنی ایک لیگ جداگانہ قائم کرکے کوئی لائحۂ عمل مرتب کریں اور اس "تدریج" کے لفظ کو اپنی لغت سے کلیۃً خارج کردیں، جس کے معنی کم از کم ایک صدی کے ہیں۔

اگر اصولاً اس مسئلہ پر گفتگو کی جائے تو سب سے پہلے غور کرنا چاہئے کہ مشرق میں یہ احساس کیونکر پیدا ہوا لیکن ہم اس پر فضول وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ یہ حقیقت اب بالکل بے نقاب ہو چکی ہے کہ خود مغرب کا سلوک اس باب میں ہمارا دلیل راہ ہوا، یعنی اگر وہ غلامی کے آخری حدود سے ہمیں آشنا نہ کرتے تو حرّیت کے مفہوم سے ہم آگاہ نہ ہوتے، اس لئے ہم کو اس سے قطع نظر کرکے صرف اسپر غور کرنا چاہئے کہ ہم اپنا مقصود کیونکر حاصل کرسکتے ہیں اور اسکے لئے کس قدر زمانہ درکار ہے۔

مسٹر بینا من کڈ (ایک مشہور اجتماعی) کا قول ہے کہ "اس سے زیادہ غلطی اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ ہم تمدن کو سست رفتار خیال کریں اور ارتقاءِ قومی کو صدیوں پر منحصر کردیں، بعض اوقات نہایت قلیل مدت میں عظیم انقلاب پیدا ہوجاتا ہے اور کبھی ایک نسل طبیعت بشری کو بالکل بدل دیتی ہے۔ پھر یہی نہیں ہے کہ اس نوع کے انقلابات کے اسباب بہت کم نظر آتے ہوں بلکہ وہ دنیا میں ہر وقت پیدا ہوسکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انسان نے ہنوز اُن کا احاطہ نہیں کیا ہے ورنہ چند سال کے اندر وہ وہ انقلابات پیدا کرسکتا ہے جو طبعی رفتار سے صدیوں میں پورے ہوسکتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ہم سے اس نوع کے انقلاب کی مثال دریافت کریگا تو ہم بلا تامل جرمنی اور جاپان کو پیش کردینگے جنہوں نے نہایت قلیل مدت میں اپنے نظامِ ملی کو ترقی کے اُس نقطہ پر پہونچا دیا، جہانتک پہونچنے کے لئے دوسرے ممالک نے صدیاں صرف کردی ہیں۔

اگر جرمنی کی تاریخ پر نظر غائر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کی تکوین قومی کا انحصار صرف اس کے نظام تعلیم پر تھا۔ اس نے اپنی ساری توجہ پہلے مدارس پر مبذول کردی اور ابتدائی مدارس سے لے کر کالجوں تک اساتذہ کا فرض صرف یہ قرار دیدیا کہ وہ نوجوانوں کے دماغوں میں محبت وطن راسخ کردیں، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو طالب علم تعلیم سے فارغ ہوکر نکلتا ہے، وطن کی محبت میں سرشار نکلتا ہے اور اپنی زندگی کا صرف یہ مقصد قرار دیتا ہے کہ اپنی قوم کو ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہونچادے۔

عام قاعدہ ہے کہ پہلے دماغ انسانی میں کسی غائت کا تصور ہوتا ہے اور جب وہ تصور زیادہ قوی ہوجاتا ہے تو انسان ذہنی حالت سے اُسے خارجی صورت میں لانے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے جب آپ طلبہ میں حب وطن، حریت اور فدویت کے جذبات پیدا کرینگے تو اس کا کھُلا ہوا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مدارس سے نکل کر اپنے وطن کو ذلت و غلامی کی حالت میں دیکھنا پسند نہ کرینگے، لیکن یہ آرزو اُسی وقت پوری ہوسکتی ہے جب خود حکومت اس قسم کا نظام تعلیم قائم کرے، یا خود رعایا اس تجویز کو کامیاب بنانے میں ایثار و قربانی کی غیر معمولی مثالیں پیش کرے۔

جاپان، جس نے پچاس سال کے اندر غیر معمولی ترقی کرکے اپنے زرد خطرہ سے مغرب کے تمام سفید اقوام کو فکرمند بنا رکھا ہے، سب سے پہلے جس چیز کی طرف متوجہ ہوا تعلیم و تربیت کا مسئلہ تھا۔ جس نے چند سالوں میں وہاں کی دماغی، اخلاقی اجتماعی اور معاشرتی حالت کو بالکل بدل دیا، لیکن یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اس مسئلہ میں سب سے پہلے حکومت کا فرض ہے کہ وہ اہل ملک کے لئے آسانیاں فراہم کرے اسلئے نظام تعلیم قائم کرنے سے پہلے ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت اپنی قائم کی جائے یا حکومت پر اس قدر اقتدار پیدا کیا جائے کہ وہ ہماری قومی و تعلیمی ضروریات پورا کرنیکے لئے مجبور کی جاسکے۔

یوروپین اقوام جو مشرق میں غاصبانہ طریقہ پر داخل ہوئی ہیں وہ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتی رہتی ہیں کہ رعایا کی قومی روح فنا کردی جائے، جنھوں نے مصر میں حکومت برطانیہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، انھیں معلوم ہے کہ بمقابلہ عہد اسمٰعیل پاشا کے دور برطانیہ میں وہاں کی تعلیم بہت پیچھے ہٹ گئی تھی، نصاب ضعیف کردیا گیا تھا، طلبہ کی تعداد بہت کم ہوگئی تھی اور مصر کی قومیت اس وقت سے شروع ہوئی جب محمد علی پاشا نے علوم و فنون کو رواج دیا، ملک میں مدارس جاری کئے اور لوگوں میں جذبات وطن پرستی پیدا کرنے کی

کوشش کی۔

الغرض قومی اور ملی ترقی میں نظام تعلیم و تربیت کا بڑا حصہ ہے کیونکہ ہر ترقی کا دروازہ مدرسہ ہے جہاں سے تمام خیالات ہیئت اجتماعی کے متعلق ملک میں منتشر ہوتے ہیں پھر جس طرح لڑکوں کے مدارس اور نصاب مدارس کی اصلاح ضروری ہے اسی طرح لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام بھی فرض ہے کیونکہ انسان کی ابتدائی تعلیم عورت ہی کے آغوش میں ہوتی ہے اور عہد طفلی میں جو جذبات و خیالات دماغ میں مرتسم ہوجاتے ہیں وہ طبیعت کا جزو ہو کر رہ جاتے ہیں اور سارا مستقبل اُن سے متاثر ہوتا ہے۔

حکومت و تعلیم کے ساتھ تیسری چیز جو ترقی کے لئے ضروری ہے وہ ملک کی صحافت اور ادبیات ہے، تاریخ شاہد ہے کہ نہضت قومی و نہضت ادبی بالکل لازم و ملزوم ہیں اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ ادبی ترقی قوم کی بیداری کا باعث ہوئی، ہندوستان کی حالت اس لحاظ سے بہت پیچھے ہے، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہوسکتا کہ یہاں کی بیداری کے جہاں اور اسباب ہیں انھیں میں سے ایک یہاں کی صحافت بھی ہے خواہ وکتنی ہی معمولی درجہ کی کیوں نہو۔ اسی طرح مصر کی تاریخ بیداری میں وہاں کے جرائد و رسائل کو (جن میں مصطفےٰ کامل کے اللواء کو خاص امتیاز حاصل ہے) کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اس لئے ہر وہ ملک جو ترقی کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ادبیات بھی انھیں جذبات سے لبریز ہوں، تاکہ تمام مدارس کا نصاب جسے ایک ملک کے اہل قلم ہی مرتب کرتے ہیں اسی رنگ میں رنگا ہوا ہو اب ان تینوں کو پیش نظر رکھ کر ہندوستان کی حالت پر غور کیجئے کہ اس نے اس کے حصول کیلئے کیا کوشش کی ہے اور وہ کیونکر اس میں کامیاب ہوسکتا ہے۔

ترقی کی پہلی شرط حکومت وہ تو بالکل مفقود ہے، ہرچند اس میں شک نہیں کہ اگر ہم چاہیں تو اپنے ہمنوائی و ہم آہنگی اتفاق و اتحاد، اجتماع آراء و خیال و قوت احتجاج و مرکزیت سے حکومت کو مجبور کرسکتے ہیں کہ وہ ہماری ترقی کے لئے تمام وہ اسباب فراہم کرے، جن کا مہیا ہونا ضروری ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی صحیح ہے کہ ہندوستان کی حکومت کو جتنی مدت میں ہم اس امر پر مجبور کرسکیں گے، اس وقت تک ہماری ضروریات خدا جانے کس حد تک اور بڑھ جائینگی۔ اس لئے بہترین طریقہ یہی ہے کہ بجائے حکومت کو مجبور کرنے کے خود اپنے قوائے عملیہ کو ایک مرکز پر لے آئیں خود ایسے قومی مدارس قائم کریں، جہاں کا نصاب طلبہ کو

کلرک نہ بنائے بلکہ اُن میں وطن پرستی کا جذبہ پیدا کرے۔ موجودہ سیاسیات ہند میں، سودیشی اشیا کا استعمال اور مدارس حکومت کا بائیکاٹ یہی دو اصول تھے جو سب سے زیادہ اہم تھے اور افسوس ہے کہ انھیں کی طرف کم اعتنا کیا گیا یہ بالکل صحیح ہے کہ ہندوستان میں مختلف قومیں آباد ہیں اور ان سب کو ملانے کی کوشش کرنا گویا مختلف و متضاد عناصر کو ایک مرکز پر لانا ہے، لیکن میرے نزدیک اصولی غلطی یہی ہے کہ پہلے اس اشکال کے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور عمل کو اس اتفاق اور اتحاد پر منحصر کر دیا جاتا ہے، جب اصولاً تمام لوگ متفق ہیں تو یہ ضرورت نہیں کہ مسلمان اسی وقت کسی کام کی ابتدا کریں، جب ہندو اُن کا ساتھ دیں اور ہندو اس وقت عمل شروع کریں، جب مسلمان گاؤکشی ترک کر دیں، مثلاً اگر ہندو تعلیم کے مسئلہ میں مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیتے تو کچھ پرواہ نہیں، ہمیں خود اس کی کوشش کرنا چاہئے اور اپنے تعلیمی مسئلہ کو خود اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہئے، اسی لئے میرے نزدیک اس وقت ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ جامعہ ملیہ علی گڑھ کو ترقی دینے کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس کے نظام کو اس قدر وسیع بنایا جائے کہ اس کو ہندوستان کی تمام مسلم آبادی کا تعلیمی مرکز تسلیم کرنے میں کسی کو عذر باقی نہ رہے۔

میں نے جامعہ ملیہ کو دیکھا ہے، وہاں کے طلبہ سے گفتگو کی ہے، وہاں کے اساتذہ کی حالت دیکھی ہے، وہاں کے کارکنوں کا جوش میں نے محسوس کیا ہے اور اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر آج تمام مسلمان اس کی طرف اس قدر توجہ کریں جتنی وہ عید قرباں کے وقت انسداد گاؤکشی کے لئے کرتے ہیں، تو بہت جلد وہ اپنی اہمیت کو اس حد تک ثابت کر سکتا ہے کہ ہمارے بہت سے مدرکات قومی اس سے وابستہ ہو جائیں، میں اس سلسلہ میں مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا حالانکہ تعرف الاشیاء باضدادھا کا اقتضا یہی تھا۔

ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ اس وقت تک جامعہ ملیہ کی بنیاد اس قدر مستحکم نہیں ہوئی ہے کہ لوگ اپنے بچوں کی تعلیم اس کے سپرد کر دینے میں پس و پیش نہ کریں، لیکن میں کہتا ہوں کہ اس وقت تک لوگوں نے اپنے بچوں کی تعلیم اسکے سپرد کرنے میں کیا کم پس و پیش سے کام لیا ہے کہ اُسکی بنیاد مستحکم ہو۔

آج اگر ہم فیصلہ کر لیں کہ ہمارے لئے ایک قومی جامعہ کا پایا جانا ضروری ہے اور اس بات کا عزم کر لیں کہ ہم اپنے بچوں کی تعلیم میں حکومت یا کاسہ لیساں حکومت کا احسان نہ اُٹھائینگے تو جامعہ ملیہ کے قیام و بقا، وسعت و ترقی کا مسئلہ آج طے ہوا جاتا ہے، اور صرف چند سال کے اندر آپ برائے العین معلوم کر سکتے ہیں کہ غیرتمندانہ زندگی کے برکات کسقدر غیر متناہی ہیں اور ہمارے مقاصد صرف خودداری اور استغنائے نفس سے کس درجہ پورے ہو سکتے ہیں۔

نتیجۂ فکر حضرت شاد صوفی مدظلہ

اس چشم سرگیں سے میں سرمہ در گلو ہوں
دل میں ہیں آرزوئیں جا سوں گفتگو ہوں

اک مدعائے نایاب آوارہ کر رہا ہے
جسکی طلب میں ہر دم سرگرم جستجو ہوں

غفلت سے کس بلا کی اتنی خبر نہیں ہے
کھویا ہے کس کو میں نے کیوں محو جستجو ہوں

اپنا ہوں آپ عاشق معشوق بھی ہوں اپنا
کس کو طلب کروں میں اپنی ہی آرزو ہوں

اقرب ہے شاہ رگ سے ہے دور ہر مکاں سے
ڈھونڈوں کہاں میں اسکو مایوس جستجو ہوں

ہوں بخت نارسا سے حرماں نصیب ایسا
پاتا نہیں ہوں اس کو گو محو جستجو ہوں

دونوں جہاں ہیں مجھ میں نیرنگیاں ہیں مجھ میں
عالم کا ہوں تماشا عالم کی آرزو ہوں

نغمے بھرے ہیں مجھ میں اسرار قدرتی کے
تار نفس سے ہر دم اک ساز گفتگو ہوں

کیا حال دل سناؤں دل سوختہ ہوں ایسا
دود نفس سے اپنے میں سرمہ در گلو ہوں

بدلی ہے انکی تیوری - گرم عتاب ہیں وہ
کہتا ہے حسن ان کا میں تیری آرزو ہوں

جلوے دکھا رہے ہیں - ہیں سامنے نظر میں ہر دم
حیرت مجھے بتا پھر کیوں محو جستجو ہوں

اس گلشن جہاں میں لو مجھ سے درس عبرت
خاموش مثل غنچہ ہنگام گفتگو ہوں

ہے کون دوست میرا - دشمن ہے کون میرا
ہوں دوست **شاد** اپنا - اپنا ہی میں عدو ہوں

محبت

نئی محبت کی رونق ایک پھول کی طرح ہے، لیکن سریع الزوال۔

محبت کی ابتدا میں جب محب و محبوب یکجا ہوتے ہیں تو ایک کو دوسرے کے متعلق بہت شکوک ہوتے ہیں۔

محبت بلند ترین صفت انسانی ہے اگر اس سے جاں نثاری اور نفس کی قربانی مقصود ہو، لیکن اگر اس سے مراد کسی چیز کا حاصل کرنا ہے تو اس سے بڑھ کر ذلیل کوئی شے نہیں ہو سکتی۔ (شریڈان)

مرد اس عورت سے محبت نہیں کرتا، جو اس کے مشابہ بننے کی کوشش کرتی ہے، کیونکہ اس طرح وہ اک چیز کی تلاش میں ہے جو اس کی طبیعت کے برعکس ہے۔ (رینان)

ملکوتی رومان

دنیا کی ابتدا تھی اور ستارے اپنے بچپن کے دور میں تھے، طلوعِ فطرت کی سحر سے ابھی صباحت جھلک رہی تھی، اور اس کی روشنی میں آسمان و زمین کی مخلوق کوہساروں کے منظرِ لطیف اور وادیوں کے لبریزِ تبسم گوشوں میں باہم ملتے اور ہم جلیسی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ الغرض یہ وہ عہدِ معصوم تھا جب معصیت والم کے دنیا میں بار پاکر مکینانِ عرش اور ساکنانِ زمین کے درمیان غیریت کا پردہ حائل نہ کر دیا تھا۔

اس عہدِ جرم و عصیاں کی بہ نسبت اُس وقت کی دنیا، آسمانوں سے قریب تر تھی اور انسان فضائے بسیط میں فرشتوں کی آمد و رفت کو دیکھتے اور ذرا متحیر نہ ہوتے تھے۔ لیکن حیف کہ صبحِ فطرت کا یہ لطیف منظر بھی ہوا و ہوس سے آلودہ ہو گیا! یعنی داغِ معصیت سے، ساکنانِ ملاءِ اعلیٰ بھی محفوظ نہ رہ سکے؛ اور اس سے زیادہ افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ اس داغِ معصیت کا باعث عورت کی محبت ہوئی!

دنیا کے عالمِ عنفوان میں ایک شام کو، اس وقت جب غروبِ آفتاب کی شعاعیں آغوشِ نکہت میں سو جانا چاہتی تھیں۔ ایک پہاڑی کے دامن میں اعجازِ برنائی کے تین مجسمے، شباب و تجمل کے تین پیکر، فطرتِ لطیف کی آغوشِ راحت میں پڑے لطفِ بذلہ سنجی میں محو تھے۔ اُن کی نگاہیں رہ رہ کر سقفِ بلند کی جانب اُٹھ جاتی تھیں، جہاں کبھی اُنکی روشنی نے اپنے تابناک بازو پھیلا دئے تھے؛ وہ اوپر کی سمت دیکھتے اور عالمِ بالا کی نورانی مخلوق فضائے عرش میں اُنھیں اس طرح متحرک نظر آتی، جس طرح شعاعِ آفتاب کے اندر ذرات بیتاب رہتے ہیں۔ ملائکہ کی صفیں ہر وقت خالقِ کل کے پُر عظمت و جلال نام کی تسبیح میں مشغول نظر آئیں، اس نظارہ نے اُن کی گفتگو کو آسمانی تذکروں میں تبدیل کر دیا اور پھر اس بحث سے گذر کر انھوں نے اُن حسین آنکھوں کا ذکر شروع کیا، جو اُن کو اس عالمِ طمانیت و سکوں سے باہر کھینچ لانے کا سبب بنگئی تھیں۔ ہوادِ شام کی

اثر آفرینی اُن کی احساسِ قلب پر مسلط ہوگئی، پھولوں کے خاموش تنفس اور فضا کے نورِ رقیق کی بارش نے اُن کو بیخود سا کر دیا اور وہ شوق پرور ساعت جو آسمان سے اُن کے اخراج کا باعث ہوئی تھی، اُن کے پیشِ نظر ہوگئی۔

ہر ایک نے اپنا اپنا افسانۂ محبت سنایا اور بتایا کہ کسی کی چشمِ ساحری فن نے اُسے کس طرح محو کر لیا تھا، کیونکہ ان تینوں کا ملکوتی مرتبہ عورت ہی کے جلوۂ تبسم پر قربان ہوا تھا۔

سب سے پہلے جس نے اپنا داستانِ عشق دہرایا اُس کا نام ماخیل تھا۔ ماخیل تینوں میں سب سے زیادہ ملکوتی نژاد معلوم ہوتا تھا، اس کے قالبِ نوری پر ابھی نقوشِ بہشت نہایت گہرے قائم تھے اگرچہ وہ عالمِ بالا میں بھی کسی مقرب ترین جماعت میں شامل نہ تھا بلکہ بعید ترین مقام کی ایک ایسی جماعت سے متعلق تھا جس تک نورِ ابدی کی شعاعیں نہایت ہلکی ہو کر پہنچتی ہیں، لیکن با ایں ہمہ ابھی نوجوانوں میں وہ نہایت جمیل اور حد درجہ درخشاں نظر آتا تھا۔ اگرچہ اس کی روشنی کی حقیقت اب ایک دھند میں تبدیل ہوگئی تھی لیکن ہنوز اس میں اتنی نورانیت باقی تھی کہ زمین کی مخلوق سے ممتاز نظر آتا تھا۔ اس کی پیشانی پر افسردگیٔ محبت کے آثار پیدا تھے اور اس کا چہرہ معدوم ہو جانے والی دنیاوی مسرتوں کے نقوش کا حامل تھا۔ ایک طویل آہِ سرد کے ساتھ اس کا حافظہ گذشتہ مسرتوں پر سے غلاف ہٹانے لگا اور اس نے اپنی داستانِ غم کی یوں ابتدا کی:۔

ماخیل کا افسانۂ محبت

مشرقِ زرپاش کے اُس حصۂ بعید میں، جہاں مجبوراً فطرت کو اپنے آفتاب کا سا نقرۂ صحبت حاصل کرنے کے لئے رات کے وقفۂ تاریک کا زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑتا، اُس گوشۂ ارض میں جو تعالیٔ آسمان کے باعث آسمانوں کا سا نقشہ معلوم ہوتا ہے، ایک صبح میرے لئے حکمِ مفارقت نازل ہوا۔ میں نے ابھی نصف نشیب طے کیا تھا کہ مجھے اپنے اُترنے کے لئے انتخابِ مقام کا خیال پیدا ہوا، اور یہی خیال سے میری نگاہیں زمین کی جانب جھک گئیں۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ فضائے لاجوردیں سے میری آنکھوں نے کون سا تماشائے ارض دیکھا؟ میری آنکھیں جو انوارِ سماوی کی عادی تھیں، کس طرح زمین کی آئینہ سامانی میں غرقِ تحیر ہوگئیں؟ نہیں، ہر چند کہ آپ ملکوتی نژاد ہیں، لیکن اُس حالت، اُس کیفیت کا اندازہ آپ کے لئے بھی مشکل ہے۔ میں نے بہارِ حسن کا ایک غنچۂ تبسم، ایک گلِ شگفتہ دیکھا! میں نے دیکھا کہ ایک مصفا چشمے کے اندر ایک دوشیزہ نہا رہی تھی، یعنی بلورِ رقیق کے اس چشمے نے اپنے

آغوشِ نزہت و صباحت کی اس دیوی کو چھپا لیا تھا، تاہم چشمے کا یہ حباب اس کی نمو فشانیوں کو اور بھی تابدار بنائے ہوئے تھا اور وہ اک ایسی آسمانی روح نظر آتی تھی، جو کبھی کبھی خواب کے دھندلکے میں نظر آجاتی ہے۔

تحیر کی فراوانی میرے بازوؤں کی تکان و معذوری ہو کر رہ گئی اور ذرا سنبھلنے کے بعد میں نے پھر جو غور کی نظر ڈالی اور دیکھا کہ وہ اپنی مہوش نعلیوں سے پانی کی موجوں کو پاش پاش کر رہی تھی، تو ایسا معلوم ہوا کہ الماس کی قلمیں ماہتاب کی روشنی میں ریزہ ریزہ کی جا رہی ہیں۔ جب وہ حرکت کرتی تو معلوم ہوتا کہ وہ ایک موج کے اندر تیر رہی ہے، جو خود اس کے جسم سے پیدا ہے۔ غرض میں، اس لئے کہ اس سحرِ مجسم کو قریب سے دیکھ سکوں بکمال احتیاط و خاموشی کے ساتھ نیچے اترا، لیکن جب میں اس سے قریب تر ہوا، تو میرے بال و پر تھرتھرانے لگے اور میں نے اپنے اندر ایک کہربائی اہتزاز محسوس کیا۔ میری اس حالتِ اضطراب و حرکتِ غیر طوعی سے دفعتاً کا آئینہ شکستہ ہوا اور وہ برقِ تپاں نور، خائف ہو کر کنارے پر آگئی لیکن جوبار کی آغوشِ رقیق اس کے عکس سے ہنوز لبریز تھی۔ وہ اس وقت ایک ایسی نیم زنگ معلوم ہوتی تھی جس کے اندر غروبِ آفتاب کی تیز تر رنگینیں سرایت کر گئی ہوں۔ آہ وہ اس کی آنکھیں اور ان آنکھوں کی وحشت اس وقت تک میرے دل میں گڑے ہوئے ہے! اس نے مجھے اپنی نیم نگاہی سے دیکھا، اس حال میں کہ اس کی حیا پرور آنکھیں داستانِ تحیر آلت کی ورق اور کا صحیفۂ رخ، روایاتِ عصمت کی تفسیر، میں نے اسے دیکھا! اور وفورِ حیرت نے اسے بھی ایک خیالِ متشکل، ایک نگاہِ منجمد بنا دیا، گویا کہ وہ کنارِ آب کوئی سورج مکھی کا درخت تھی۔

ہر چند اس تماشہ کا ختم کر دینا میرے لیے سخت دلشکن تھا، لیکن میں اس کی حیرت کی تکلیف کو برداشت نہ کر سکا اور اپنے کشادہ بازوؤں کے سایہ میں نیچے کی جانب جھکا۔ اس کی گرمیِ نگاہ، شدت کے ساتھ میرے سارے جسم میں حرارت پیدا کر رہی تھی، لیکن اس سے قبل کہ میری آنکھیں جھپک کر دوبارہ کھلیں اور میں اس پر ایک اچٹتی ہوئی نظر بھی ڈال سکوں، وہ پری زاد نظروں سے غائب ہو گئی، جس طرح بادل اپنی خاکستری آغوش میں چاند کو چھپا لیتا ہے، شائستہ کا یہ بدرِ کامل بھی جنگل میں پنہاں ہو گیا! اس گھڑی کے بعد میں جذبہ کا محکوم ہو گیا جس کی تشریح ممکن نہیں۔ میں نے اس نواح کا چپہ چپہ چھان مارا، شب و روز کے لمحات میری تلاش کے ہم نوا نہ ہو سکتے تھے اور اس نور کی جستجو میں میرا فرضِ منصبی، میری سفارتِ سماوی، میرے ذہن سے بالکل محو ہو گئی تھی۔ اس کے بعد جو کچھ میں دیکھ سکا وہ صرف ایک خواب کی تکرار تھی۔ یہ خواب اس کا خواب تھا جس میں اس آبدار چشمے

کے پانی میں ڈھونڈھتا رہتا تھا۔

لیکن جب میں نے اپنے لمحاتِ خوشی، اپنے ایامِ شادکام کو اس کے پہلو میں پا لیا تو وہ دورِ جستجو ایک لمحہ سے بھی کم معلوم ہوتا تھا۔ اسکے سوادِ چشم میں اس کی ان آنکھوں میں، جو رات کی سیاہی اور سیارے کے ایک خوشگوار امتزاج سے بنی تھیں، اور جو آئینہ حاجب پرستی ناہیدہ تاگن کا مفہوم تھیں، میں نے اس سماویت کو دیکھا جو ہماری سماویت سے زیادہ قابلِ پرستش تھی۔

پھر ایسی حالت میں کہ میں اس کی آنکھوں میں ڈوب جا سکتا تھا، اس کی آواز میں تحلیل ہو جا سکتا تھا، آسمان کی حقیقت میری نظروں میں کیا ہو سکتی تھی؟ ہرچند کہ زمین کی کیفیت نہ اسیر قفس تھی لیکن وہ بھی پاکیزہ تھی کیونکہ اس میں اس کی سانس بھی شامل تھی۔ اگرچہ دنیا کے پھول بدرنگ تھے، آسمان دھندلا تھا، لیکن اس کا تبسم محبت کی روشنیوں سے انھیں چمکا دیتا تھا، منور کر دیتا تھا۔ میں نے ساری کائنات کو دو عالموں میں تقسیم کر دیا۔ دو ایسے عالم عالموں میں، ایک تو وہ تھا جو محبوب و مظہر تمام جہاں وہ ہوتی، دوسرا وہ مجہول و بیکار عالم، جہاں وہ نہ ہوتی۔

لیکن میری اتنا ہیں بے معنی تھیں، میری دیوانگی کا کوئی مفہوم نہ تھا اور اگرچہ میں اس کی نیم نگاہی پر تمام آسمان قربان کر چکا تھا اپنی ایک آرزوئے آوارہ کو کامران بنانے کے لئے اپنے ملکوتی شہپروں کو نوچ کر اس شعلہ کو زرد کر چکا تھا، جس کے نام سے بھی مکینانِ سماء آشنا نہیں، لیکن میری اس خواہش کی پذیرائی کیلئے میری کوئی امید آمادہ نہ تھی۔ کیونکہ وہ میرے داعیات کی ہمراز نہ تھی جس طرح باغ میں پاکیزہ نرگس بے حس و تنہا کھڑی ہوئی نورِ آفتاب میں اور زیادہ صحیح نظر آنے لگتی ہے، اسی طرح وہ میرے سامنے ہوتی تھی۔ باوجودیکہ اسے میرے ساتھ محبت اور شدید محبت تھی مگر وہ محبت بشری نہ تھی؛ نہیں، اس محبت کی ترکیب میں کوئی دنیاوی جزو شامل نہ تھا، وہ میرے ساتھ ایک ملائک نژاد کی طرح محبت کر رہی تھی۔

جس بارگاہِ عالی، جس جنابِ رفیع میں وہ اپنی عبادتِ صبحگاہی پیش کیا کرتی تھی اور جس کی روشنیاں شام کے اوقات میں اس کی آنکھوں کے اندر سما جایا کرتی تھیں، اُس کے خواب بار بار اس مرجع تجلی کے خیال سے منور ہو جاتے، اور اس لئے کہ وہ اس عالمِ اسفل کی بندشوں سے آزاد ہو کر، اس کی تاریکیوں سے نکلکر اُس مقامِ عظمت و جلال کی فضا میں پہونچ سکے، وہ ہمیشہ سے آرزومند شہپر تھی۔

ایک روز شام کے وقت شفق پھول رہی تھی اور ہم دونوں بیٹھے ہوئے اسکی ارغوانی موجوں میں ڈوب رہے تھے

کہ ناگہاں اُس کی نگاہ ایک ستارے پر پڑی جو اس طرح نظر آرہا تھا جیسے کوئی عروس یک شبی بستر عروسی میں پڑی ہوئی جھانک رہی ہو، وہ اس ستارے کو دیکھ کر متاثر ہوئی اور پکار کر کہنے لگی " اے ستارۂ حسین کاش میں تیرا فرشتہ ہوتی اور تیری پاکیزہ فضائے تنہا میں جس طرح اور چمکنے والی تمام ہستیاں رہتی ہیں میں بھی رہا کرتی، میں اپنی روح کو تابندگی اور تسبیح و تہلیل میں صرف کرتی، میں بھی اپنا عُود دان، آفتاب سے روشن کرسکتی اور اس کے شعلوں کو اس معبود کی ضیا میں پیش کرسکتی جو عرش کا مکیں اور ابدی ہے!"

وائے بدقسمتی! یہ میری تقصیر تھی، یہ میرا جرم تھا، کہ میں ایک ایسی دوشیزہ کی محبت میں مبتلا ہوگیا اور اس کے شعلوں میں جلنے لگا، جس کے سامنے دنیا کی آگ خنک تھی، مجھے اس سے عشق ہوگیا، جو اس قدر معصوم تھی اور جس کی روح رنگ بشریت سے اس درجہ منزہ! اس کی وہ حالت و کیفیت دیکھنے کے قابل تھی، جب میرے دیوانۂ شوق لبوں نے پہلی بار جذبات عشق اس سے کہہ دئے۔ وہ سُن کر برہم نہیں ہوئی، اس کے محسوسات غصہ سے پاک تھے، لیکن اگر ایک طرف اس کی شکل سے بیزاری نمایاں تھی، تو دوسری طرف وہ حد درجہ ملول و غمگین بھی تھی، وہ ایک رنج میں مبتلا ہوگئی، جو بے حد عمیق ہونے کے ساتھ پُرسکون بھی تھا۔ اُس کا دل اس درجہ لبریز غم تھا کہ وہ آنسو بھی نہ بہا سکی وہ اس خیال سے، کہ ایک سماوی مخلوق، جس کی محبت کو اس نے اپنے مقصود کیلئے ایک سہارا سمجھ لیا تھا، جس کی محبت کو وہ عرش تک پہونچنے کا ذریعہ سمجھتی تھی پاکیزگی کی بلندیوں سے اعماق معصیت میں اس طرح منہ کے بل گر پڑے، ایک بت کی طرح ساکت و متحیر ہوکر رہ گئی۔

جس شب کا یہ واقعہ ہے، اُس رات میرا دل اندرونی سوز و تپش سے بے تاب تھا، کیونکہ میرا عہد سفارت ختم ہوچکا تھا اور عرش کے پاسبان فرشتے میرے منتظر تھے اور ہر شہاب ثاقب کو میرے بازوؤں کی جھلک سمجھ کر دیکھنے لگتے تھے، اس ساعت جاں گسل میں وہ مقدس الفاظ جن کے اثر سے ہم لوگ پرواز کرسکتے ہیں، واپسی فلک کے لئے بار بار میری زبان تک آکر رُک جاتے تھے، ایک مرتبہ تو تقریباً ادا ہوچکے اور میرے آمادۂ پرواز شہپر نور سماوی میں متحرک ہونا چاہتے تھے کہ میرا دل بیٹھنے لگا، میں اس دعا کو پورا نہ کرسکا اور ارادۂ جنبش باندھ کر پھر مفلوج ہوکر رہ گئے۔ اس دنیا کو جو اب میرے لئے سب کچھ تھی میرا چھوڑ کر چلا جانا کیونکر ممکن تھا؟ اسوقت تک کہ وہ وہاں سانس لیتی ہو متحرک ہو، مجھے اس کی کیا پروا ہوسکتی تھی کہ میرا کہاں بدل؟ غم تباہی، موت اور میرے لئے تمام آسمانی مسرتوں کے مقابلہ میں شیریں تر تھے، بشرطیکہ وہ مجھ سے جدا نہ ہو۔

اسی رات ایک جشن منعقد ہوا اور اس دنیا سے روشن کی پرشباب و حسین ہستیاں اس طرح جمع ہوئیں جس طرح نسیم پھولوں کے انبار لگا دیتی ہے۔ وہ بھی اس اجتماع شباب و حسن میں موجود تھی [illegible] تابش کی مشتری بنی ہوئی تھی، اس کی طرح جیسے پردہ ظلمت [illegible] کر دیا تھا اور یہی پہلی تاریکی تھی جو اس کی [illegible] نمایاں ہوئی۔

میرا دل دیوانہ تھا، میں نے اپنے تئیں اس سیل عشرت کے [illegible] جنون خیز میں غرق ہو گیا جو ایک ناشکیبا کی خواہش کا نتیجہ ہوتا ہے، لیکن یہ لوگ محسوس نہیں [illegible] کی عینائی کا ایک پہلو یہی ہوا ہے۔ وہ [illegible] حقیقت [illegible] سمجھ لیتے ہیں اور وہ نہیں جانتے [illegible] ایک تمثیل ہے اور تمثیل بھی الخیر اور اس میں جو کبھی بھی پوشیدہ نظر آتی ہے [illegible] جیسے میدان [illegible] کے ملنے سے برق پاشیاں ہونے لگتی ہیں۔

حیف! یہی وہ پہلا موقع تھا [illegible] میرے کام و دہن کی لذت [illegible] لئے برکت [illegible] قطرے قطرات قوس قزح کی طرح [illegible] انسانی [illegible] جو تمام [illegible] کر دیتے ہیں جو سارے نظام شمسی کی حرکت کو تھوڑی دیر کیلئے روک دیتے ہیں [illegible] قطرہ [illegible] جب میرے حلق سے نیچے اتری تو میری روح کی باقیماندہ روشنی ان خواہشات [illegible] سے معمور ہو گئی جو صرف زیر عرش سے علیحدہ ہونے کی صورت میں ہمارے اوپر مستولی ہو سکتی ہیں۔

سننے اور [illegible] توجہ سے سنئے کہ میری زندگی کا بدترین لمحہ کس حسرتناک اور جگر خراش طریق پر ختم ہوا۔ میں اس کی تلاش میں اس [illegible] میں پہونچا جو ہمارا وعدہ گاہ تھا، اور جہاں آفتاب کو رخصت کر دینے اور دنیا کے سامنے آجانے کے بعد ہم ہمیشہ ملا کرتے اور دیر تک بیٹھے رہتے تھے۔ میں نے وہاں پہونچکر کیا دیکھا؟ آہ یہ کیونکر بتاؤں [illegible] کس لفظوں میں ادا کروں کہ میں نے اسے اس وقت کس درجہ حسین پایا! افسوس ہم فرشتوں کو باوجود مجبوری یہ بصارت کیوں دی گئی؟ یا اگر ایسا تھا تو آسمان رفیع پر ایسے حسین نقشے کیوں نہ پیدا ہوئے جن کو دیکھکر ہم اپنی اس خلش کو مٹا سکتے جو عورت کے دیکھنے سے ہمارے قلب میں پیدا ہو جاتی ہے اور پھر آدمی کے مٹائے مٹ سکتی ہے؟ غرض میں نے دیکھا کہ وہ [illegible] قلب ہی

ہوسکتا ہے اُسی ستارے پر قائم تھیں جو اس وقت نسبتاً زیادہ پاکیزہ روشنی سے جھلملا رہا تھا۔ اس ساعت میں پاکیزگی کا نزول ہو رہا تھا، اس منظر میں نیکی شامل تھی، اور اگر میرا دماغ اس طرح دیوانہ و مسموم نہ ہوتا تو یقیناً میں بھی اتنا مبہوت ہو جاتا، جتنی بیہوشی عرشِ الٰہی کے سامنے کھڑے ہونے سے طاری ہو جاتی ہے، لیکن میری تو یہ حالت تھی کہ میری جان نچڑی جا رہی تھی، ہونٹھ آتشِ تنفس سے خاکستر ہوئے جا رہے تھے۔ اس وقت میرا خیال عذرا کی یاد سے بھر گیا

ہر چند میری نگاہ نے اس پر ثابت کر دیا تھا کہ میرے مقدس جذبات محبت میں ذرہ بھر الوہیت شامل نہ تھی، ایک شمہ بھی نہ تھا جو اس پاک دیوی کے شوالے پر چڑھایا جا سکے، لیکن اس نے محسوس کر لیا تھا، آہ اس کے اس احساس کا خیال ہی میرے لئے حد درجہ اطمینان بخش ثابت ہوا کہ میری فناوگی [illegible] تھی، میرے جذبہ کی صداقت میں فنا نہ تھی اور اس کی محبت میرے دل میں از بس عمیق تھی۔ اس آفریدۂ رضی نے جسے محبت حقیقی کی برکات نے مخلوق سماوی سے بلند مرتبہ کر دیا تھا، محسوس کر لیا تھا کہ میری محبت کی نیاز مندیاں میری روح کا جزو خاص تھیں، اس نے میری کیفیت اور بشدت دیوانگی کو ضبط کرنے کی کیفیت کو جو اس وقت بھی میرے اندر مصروف کار تھی، پوری طرح محسوس کر لیا تھا!

اس کے اثر و نفوذ کی شدت سے رنج و غم کے جو جذبات میرے اندر موجزن تھے میں نے اُن کو پوری قوت کے ساتھ اپنے لہجہ میں منتقل کر کے کہا:۔

"میرے مستقر سماوی سے یہ کہ میں مایوسِ آرزو، رنجور و مردودِ محبت ہو کر آسمان کی طرف جاؤں اور وہاں کی تنہائی کے لئے میں اپنے ہمراہ یہاں کی ایک ایسی یاد بھی نہ لے جا سکوں، جو میرے سوز و طپش کا مرہم ہو سکے، لیکن کیا میں تیری ایک ایسی نگاہ بھی حاصل کرنے کا اہل نہیں جو کسی دیوانۂ محبت پر جس کے ارمانوں سے دنیا کی داستانیں لبریز ہوں، اُس کی بہار پاشیوں کے صلے میں صرف کی جاتی ہے؟ ممکن ہے کہ یہی ایک نگاہ وہ چیز ہو جس کی یاد آسمانوں میں میرے لئے راحت و برکت کا سبب ہو سکے۔

میں آرزو رکھتا ہوں کہ اپنے تھرتھراتے ہوئے بازوؤں پر تیری شب آفریں گیسوؤں کی آشفتگی ایک بار دیکھ لوں، تیری آنکھوں سے سحر آگیں نگاہوں کو آتا ہوا ایک دفعہ محسوس کر لوں۔ اور تیرے لبوں کے عقیق ذی حیات کو ایک دفعہ اپنے ہونٹوں سے متصل کر کے اپنی داستانِ شوق کہہ دوں۔ آہ اگر میری یہ خواہش بہت زیادہ بلند ہے

تو کم از کم اپنی نکہت ہی کو مجھ سے قریب کر دے!

اے رم الفت، اے نگاہِ غیر ملتفت، تجھ سے صرف ایک حرف اختلاط کی آرزو رکھتا ہوں، دیکھ، میرے بالوں پر میں حرکت پیدا ہو رہی ہے۔ آ، میرے قریب آ جا کہ وقتِ وداع ہمیں ایک دوسرے کے سامنے ہو جانا چاہیے۔ آہ، ایک لمحہ کی لغزش کوئی ایسی بڑی خطا نہیں کہ معاف ہی نہ ہو سکے۔ کیونکہ تو بہت جلد میری زبان سے وہ دعا سننے والی ہے جس کے اثر سے میرے بازو جو سما میں صعود کرتے نظر آئیں گے!"

میں اپنے عجز و شوق کے جذبات کا یہ طوفان پیش کر رہا تھا اور وہ نا ہید یکا جمال تصویرِ احتراز بنی ہوئی تھی مجھ سے ڈر رہی تھی، اور شاید اپنے آپ سے بھی، وہ جنوبی ہوا کے نفسِ سوزاں کے اندر ایک پھول کی طرح سمٹ کر رہ گئی تھی۔ میرے ہونٹوں سے وہ اسمِ اعظم ادا ہونا شروع ہوا۔ افسوس، اگرچہ میں اس وقت قطعاً بیگانہ حواس تھا، لیکن اس وقت کی یاد میرے ذہن میں اب بھی تازہ ہے، میری آواز ان طلسمی الفاظ کو دہرے کر نکلی اور اس کے ساتھ ہی اس کی بھویں تنتی ہوئی نظر آئیں، اس کی نگاہیں پھر مجھ پر شرر فشانی کرنے لگیں، اس کی ہنسی پر ایک آنی روشنی کی طرح چھا گئی اور اس نے جوش و اضطراب سے متاثر ہو کر کہا: —

"ہاں اسی دعا کو پڑھو، میں تمھاری آرزو پوری کرونگی!"

میں بالکل بے خبر تھا کہ میں نے کیا کہا، میرے جسم میں پہلے ہی سے ایک آگ سی پھنک رہی تھی، جیسے ہی اس کے لبوں پر ارتعاشِ گفتگو آیا، اس کے دہن شیریں سے یہ جملہ ادا ہوا میں نے بیتاب ہو کر اس کا بوسہ لے لیا۔ ایک شعلہ ناک بوسہ لیا اور پھر اس اسمِ اعظم کو دہرایا، یہ وہ پر اسرار و مقدس الفاظ تھے، جو اس وقت تک کسی انسانی ہستی نے نہ سنے تھے، میں مشکل اس دعا کو ختم کر سکا تھا کہ سرعتِ برق کے ساتھ یہ صدائے مقدس اس کے لبوں میں منتقل ہو گئی، اس کا چہرہ آسمان کی طرف اٹھ گیا۔ اور اس نے تین بار اسمِ اعظم کی تکرار کی۔

ایمان و اعتقاد جب وسوسے سے پاک ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں ایک بندے کے چہرہ پر جو رنگ کامیابی آ جاتا ہے وہ رنگ اس کی ساری ہستی پر چڑھ گیا، آن واحد میں اس کا پیکر یکسر نور بن گیا، اور پھر میں نے اس کے شانوں پر دو حسین و شاندار پر پیدا ہوتے دیکھے، جو بالکل ملائکہ عرش کے پروں کی طرح تھے۔ جب وہ فرشِ زمین سے بلند ہوئی، تو چاند کی کرنیں اس کے بال و پر میں منعکس ہو رہی تھیں، وہ یکسر نزہت و پاکیزگی تھی اور عزازیل کے مردود ہونے کے دن سے جب وہ سیارگانِ ضوفشاں کے نور کا ایک ثلث حصہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، میں نے کبھی ایسی روشنی نہیں

دیکھی تھی، وہ برق مجسم اپنے تمام حسن ارضی کے ساتھ آسمانوں میں جو جگہ خالی رہ گئی تھی اس کے پُر کرنے کے لیے چلی گئی!

لیکن کیا آپ کا خیال ہے کہ میں مایوسانہ اس کی پرواز و صعود کو دیکھتا رہا؟ نہیں۔ بلکہ میں نے بھی اُن بابرکت کلمات کو تین بار دہرایا "تاکہ میں پھر اسی رات میں اس تسکین و مسرت کو پاؤں جو ملاءِ اعلیٰ میں بھی لاثانی ہے" اور جنت میں ہو کر پھر ایک مرتبہ اس کی نگاہوں کے سامنے، اس کی روح کے پہلو بہ پہلو ہو جاؤں۔ لیکن وائے نصیب میں نے ان حروف کی تین ہی نہیں بلکہ بار بار تکرار کی مگر سب بے اثر، میں نے دعائیں مانگیں آنسو بہائے لیکن سب بے معنی، کیونکہ اب میرے لئے ان لفظوں کا اثر زائل ہو چکا تھا، اور اب میں اپنے تئیں کسی کثیف زنجیر میں جکڑا ہوا پاتا تھا، میں اڑنے کے لیے جتنی زیادہ سعی کرتا تھا۔ اسی قدر اپنے بازوؤں کو زیادہ مضمحل پاتا تھا، میری ہر وحشیانہ کوشش اس حلقے کی بندش کو تنگ کرتی جاتی تھی اور میرے شہپر حرکت سے معرا معلوم ہوتے تھے۔

میں اسے برابر دیکھتا رہا اور وہ، جو ستارہ چمک رہا ہے، اُس ستارہ تک پہونچ گئی اور اس جزیرۂ زرین کی ملکہ بن گئی، جس کا خیال اسے کبھی فراموش نہ ہوتا تھا!

ممکن ہے کہ یہ صرف میرا واہمہ ہو، لیکن مجھے خیال ہے کہ اس نے اپنی پرواز میں، جب وہ فضائے لطیف میں تیر رہی تھی، اپنی نئی پیدا ہونے والی تابش کے ساتھ، مجھے جو سطح ارض کی تیرگی میں گھرا ہوا کھڑا تھا، ایک نگاہِ رحم سے دیکھا تھا، اور اگر رحم آسمانوں میں جگہ پا سکتا ہے، تو میں اب بھی اس کے جذبۂ ترحم کا مرکز بنا ہوا ہوں اور جب بھی وہ اس کثیف عالم پر نظر ڈالتی ہے مجھے یاد کر لیتی ہے۔ وہ بلند سے بلند تر ہو کر، عروس سما کے ذرۂ افشاں کی طرح، ایک نقطۂ درخشاں بن گئی، اور جب میری خستہ نگاہوں نے اس کی آخری تابش کو دیکھا تو اس لمحہ سے میری روح اور محبت کی روشنی زائل ہو گئی اور میں اپنا وطن اپنی نسل غرض اپنا سب کچھ بھول گیا۔ میرا نفس مرتد ہو گیا، میری پیشانی ذلیل ہو گئی اور میں دریناوی رنگ و بو میں وہ کچھ ہو گیا جو اس وقت نظر آ رہا ہوں!

ماخیل نے ندامت، ایک ایسی ندامت سے سر جھکا لیا کہ وہ بجائے خود ایک داستان تاسف تھی۔ اس دوران میں کہ اس نے اپنی واردات حیات بیان کی، ایک مرتبہ اس کی آنکھیں اس خرم و تاباں ستارہ کو دیکھنے کیلئے اٹھی تھیں، جہاں اس کی محبوبہ اپنے جلوۂ نور و پاکیزگی میں متمکن تھی۔ ایک لمحہ دیکھتے رہنے کے بعد اس نے سر جھکا لیا، گویا اس کے اس نور کی کرنیں زہر آلود تیر تھے، جو اس کے دل و دماغ میں پیوست ہو رہے تھے۔ اس نے پھر اس طرف نہ دیکھا۔

(باقی)

ل - احمد

انقلاب و دستوریت ایران

پر
ایک اجمالی نظر

دُولِ اسلامیہ میں دولت عثمانیہ کو یہ فخر اولیت حاصل ہے کہ اس نے سنہ ۱۸۷۶ء میں سب سے پہلے دستوریت کا اعلان کیا اسکے بعد دوسرا درجہ ایران کی حکومت کا ہے جس نے سنہ ۱۹۰۶ء میں اپنے یہاں دستوریت کا اعلان کیا، لیکن ان دونوں میں یہ عجیب و غریب مماثلت پائی جاتی ہے کہ جس طرح اس زمانہ میں کچھ ہی دنوں کے بعد قسطنطنیہ کی دستوریت معطل کردی گئی، اسیطرح کم و بیش اتنے ہی مدت کے بعد ایران کی دستوریت کا بھی خاتمہ کردیا گیا۔ ایران میں انقلاب کے ابتدائی آثار آج سے کم و بیش چالیس برس پہلے ظاہر ہوئے تھے، گویا یہ بھی دستوریت عثمانی کے شعلہ کی کوئی چنگاری تھی جو ایران کے خرمن استبداد کو آ لگی، اسی زمانہ سے ایران میں کچھ لوگ اصلاح، مساوات اور حریت و آزادی کے الفاظ زبان سے نکالنے لگے، تمام ایرانی اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ اس نئی روح کو سب سے پہلے پیدا کرنے اور ترقی دینے کا فخر مرحوم سید جمال الدین افغانی کو ہے جنہوں نے سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف ایران بلکہ مصر، عرب، قسطنطنیہ اور تمام عالم اسلامی میں اس کو پیدا کرنے کی ایک بے نظیر جد و جہد کی تھی اور وہ یقیناً اپنے اس عظیم الشان مقصد میں کامیاب ہوگئے۔

ایران میں بیداری و احساس کی پہلی علامت مسئلہ تنباکو میں حکومت کے طرز عمل کے خلاف ایرانیوں کا موثر احتجاج، غیر معمولی استقلال اور کامیاب اعتراض و اختلاف تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ سنہ ۱۸۹۰ ع میں ناصر الدین شاہ نے ایک انگریزی کمپنی سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ کمپنی ایران میں جس قدر تنباکو پیدا ہو سب کو خرید لے اور پھر جس قیمت پر چاہے فروخت کرے۔ کمپنی کو یہ توقع تھی کہ پانچ لاکھ پونڈ سالانہ اسکو نفع ہوگا، اسمیں سے ایک چوتھائی از روئے معاہدہ شاہ ایران کا حصہ تھا، اور بقیہ کمپنی کے مالکوں کا۔ ایرانیوں کو جب اس معاہدہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے اسکو ملک فروشی سے تعبیر کیا اور اس معاہدہ کو کالعدم کردینے کے درپے ہوئے۔ جب یہ معاملہ طول کھینچا، حکومت اپنی ضد سے باز نہ آئی، اس نے اہل ملک کی مخالفت و ناراضگی کا کوئی لحاظ نہ کیا اور انکے خلاف مرضی معاہدہ کو عملی صورت میں لانا چاہا تو وہاں کے علماء نے سنہ ۱۸۹۱ء میں ایک فتوی جاری کیا، جسمیں تنباکو کا استعمال

اور اسکی خرید و فروخت سب کچھ حرام قرار دیا علما نے جو فتوی دیا، اسکی عبارت نہایت مختصر اور الفاظ بہت کم تھے یعنی یہ کہ

الیوم استعمال تنباکو و تتن بای نحو کان در حکم محاربہ با امام زمان عجل اللہ فرجہ است

لیکن نہ معلوم ان الفاظ میں کیا تاثیر تھی کہ شائع ہوتے ہی تمام تنباکو فروشوں نے اپنی دکانیں بند کردیں تنباکو کی کثیر مقدار میں آگ لگا دیگئی، لوگوں نے اپنے گھروں سے اس کو نکال نکال کر سڑکوں اور گلیوں میں پھینکدیا ہر شخص نے اپنے قلیاں اور پیچوان توڑ ڈالے اور نہایت حیرتناک یہ ہے کہ ایک قلیل عرصہ میں تمام ملک نے تنباکو کے استعمال کو ہر طرح ترک کردیا، غیر ملکی سفارتخانوں میں جو ایرانی نوکر تھے انہوں نے تنباکو کو ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا خود شاہ ایران کے نوکروں نے بھی شاہ کے رو برو اسی فتوی کی بنا پر اس خدمت کی بجا آوری سے معذوری ظاہر کی لیکن ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے فتوی کی تعمیل صرف مسلمانوں نے نہیں بلکہ غیر مسلموں نے بھی انہیں کیطرح کی، چنانچہ اس بارہ میں مصنف تاریخ بیداری ایرانیاں لکھتا ہے،

"دیگر معلوم شد کہ با این اختلاف مذہبی بین ملت ایران ممکن است ہمگی در
امرے متفق شوند چنانکہ از انتشار حکم مذبور در ہمہ بلدان ایران عموم مردم بہ نہجیکہ
بودند متفق شدہ قلیان و چپوق و سیگار را ترک کردند، مردم بدست خود غلیانہا را
شکستہ و بسیارے از تنباکوہا را آتش زدند"

غرض اس ترشی نے حکومت کا نشۂ اقتدار اتار دیا، رعایا کی قوت کے مقابلہ میں اس نے شکست کھائی اور مجبور ہو کر اسکے مطالبات کے آگے سر تسلیم خم کر دیا، ناصر الدین شاہ نے اس معاہدہ کو منسوخ کیا، لیکن اس کے لئے مالکان کمپنی کو پانچ لاکھ گنی کی رقم بطور تاوان ادا کرنا پڑی، یہ رقم ۶ فیصدی سود کی شرح پر "ایرانی بینک" سے لیگئی اور اسطرح حکومت ایران کو مقروض ہوجانیکے علاوہ تیس ہزار گنی سالانہ کا سود ادا کرنا پڑا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ایران میں حقوق حاصل کرنے اور اپنے دائرۂ اقتدار کو وسعت دینے کیلئے روس و انگلستان دونوں حکومتیں کوشاں تھیں۔ مسئلہ تنباکو نے ایرانیوں کو عام طور پر انگریزوں کی طرف سے متنفر کر دیا تھا، اسپر مزید یہ کہ حکومت ایران نے ایرانی بینک سے روپیہ قرض لئے تھے اور سالانہ ایک بڑی رقم اس بنک کو سود میں ادا کرتی تھی۔ یہ بنک بھی انگریزی ہی تھا اس لئے ایرانی عام طور پر انگریزوں ہی کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ ان حالات نے روس کو بہت زیادہ ایران میں اپنا اثر قائم کر لینے کا موقع دیا پھر بھی روس کی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت ایران کا صدر اعظم

امین السلطان تھا جو علانیہ روسیوں کا طرفدار اور انگریزوں کا مخالف تھا۔ اسمیں شبہہ نہیں کہ امین السلطان قوی الفطرت شخص تھا۔ اسمیں کافی سیاسی ذہانت وفراست موجود تھی۔ افسوس ہے کہ اس نے اپنی ذہانت کو ملک وقوم کی خیراندیشی میں صرف نہیں کیا، وہ کافی مدت تک صدر اعظم رہا لیکن اس کے عہد صدارت میں ملک کا قدم تباہی و بربادی کی راہ میں آگے ہی بڑھتا رہا۔

شورش تنباکو کے سلسلہ کی آخری کڑی ناصر الدین شاہ کا واقعۂ قتل ہے جو مرزا احمد رضا کرمانی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ سنہ ۱۸۹۶ء میں مظفر الدین شاہ نے مرحوم شاہ کی جگہ لی۔ یہ کم وبیش گیارہ برس تک حکمراں رہے، لیکن انکے زمانہ میں ایران ہمیشہ انقلابات کا میدان بنا رہا اور حکومت قرضوں کے بار سے دبتی گئی۔ مظفر الدین شاہ نے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ امین السلطان کو منصب صدارت عظمیٰ سے معزول کر دیا اور اسکی جگہ پر امین الدولہ کو مقرر کیا جو محب وطن اور خیر اندیش ملک وملت تھا، اور مالیات کی نظارت ناصر الملک کے سپرد کی جو اصلاح طرز حکومت کے حامی تھے، لیکن ایران کی بدقسمتی کہ ان لوگوں کو اسکی کوئی خدمت کرنیکا موقع نہ ملا۔ ان کے برسراقتدار ہوتے ہی شاہ کی صحت خراب ہوگئی اور اطبا نے سفر یورپ اور وہاں کے معدنی چشموں میں غسل کرنیکا مشورہ دیا، ادھر حکومت کا خزانہ خالی تھا، اس لئے اس غیر معمولی موقع پر قرض لینے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ امین الدولہ نے لندن سے ایک ملین گینی قرض حاصل کرنیکی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا اسلئے اسکو اپنی عہدہ سے مستعفی ہوجانا پڑا اور اب پھر اسکا حریف امین السلطان صدر اعظم ہوا یہ سنہ ۱۸۹۸ء کا واقعہ ہے۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں امین السلطان نے روس سے بائیس ملین روبل (روسی سکہ) جو بیس لاکھ گینی کا قرض حاصل کیا اور اس قرض کی ضمانت میں صوبہ فارس اور خلیج عجم کے سوا تمام محاصل ایران کا محکمۂ چنگی اسکے حوالہ کر دیا، اس قرض کا سود پانچ فیصدی کی شرح سے طے پایا اور اس معاہدۂ قرض کی ضروری شرطیں یہ تھیں :۔

(۱) یہ رقم قرض پچہتر برس کی مدت میں دولت روس کو ادا کیجائیگی۔

(۲) اسی رقم قرض میں سے ایرانی حکومت ایرانی بنک کا وہ قرض بھی ادا کریگی جو اس نے خسارت مسئلہ تنباکو کے موقع پر لیا تھا۔

اب اس قرض اور اسکی شرطوں کے معنی صاف ظاہر ہیں محکمۂ چنگی کے ذریعہ سے روس، ایران کی حکومت میں شریک وسہیم ہوگیا، اور انگریزی قرض واپس دلاکر اس نے اپنے حریف برطانیہ کے اثر و اقتدار کو فنا کر دیا، اور اسطرح

وہ ایران کی حکومت و سیاست میں تنہا با اثر و اقتدار رہ گیا گو ۱۹۰۱ء میں حکومت برطانیہ روس کے مقصد کو اچھی طرح سمجھ چکی تھی، لیکن وہ اسوقت جنوبی افریقہ کی جنگ میں اسقدر منہمک تھی کہ اسطرف اپنی کافی توجہ منعطف نہ کر سکی۔ ۱۹۰۲ء میں حکومت ایران نے ایک بیس (۱۰ لاکھ) گینی کا دوسرا قرض چار فیصدی شرح سود پر حکومت روس سے لینا چاہا، چنانچہ اس بارہ میں گفت شنید ہوئی اور روس نے اس شرط پر یہ رقم قرض بھی دی کہ اسکو تبریز ہو کر خلفا سے قزوین تک ریل بنانیکی اجازت دیجائے۔

اس معاہدہ نے دوسری مرتبہ حکومت برطانیہ کو مسئلہ ایران کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کیا۔ روس کے تجارتی معاہدہ نے برطانوی تجارت کو ایران میں سخت نقصان پہنچایا تھا۔ اسکے دفعیہ کے نام سے برطانیہ نے اپنے کام کو تجارتی معاہدہ کے پردہ میں شروع کیا، اور ۱۹۰۳ء کے آغاز میں اس نے وائیکانٹ ڈاون کی ریاست میں شاہ ایران کیلئے تمغہ و نشانات اعزاز کا ہدیہ لیکر ایک وفد روانہ کیا، یہ وفد کامیاب لوٹا اور ایک تجارتی معاہدہ برطانیہ اور دولت ایران کے درمیان وجود میں آیا۔ اسی سال لارڈ کرزن نے خلیج فارس کی مشہور و معروف سیاسی سیاحت بھی کی، اور یہ پہلا موقع تھا، کہ ایشیا کے سیاسی جغرافیہ میں خلیج فارس کو ہندوستان کی سرحد قرار دیا گیا، چنانچہ مسئلہ خلیج فارس کے متعلق لارڈ کرزن نے اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کئے تھے:-

"خلیج فارس میں برطانیہ کے اقتدار کی بنا صرف وہ معاہدے نہیں ہیں جو برطانیہ کے ساتھ ہوئے ہیں بلکہ اسکی بنا اور ہی کچھ ہے۔ خلیج فارس میں بلاشرکت غیرے ہماری ہی تجارت ہے، سو برس سے ہم وہاں کیلئے اپنی جانیں لڑا رہے ہیں ہم نے لاکھوں روپیہ کا سرمایہ وہاں لگا دیا ہے اور ہم اپنی بحری قوت وہاں قائم رکھنا چاہتے ہیں اسکے علاوہ ہمیں وہاں ہر طرح کا تمدنی تفوق حاصل ہے اور جو چیز سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ خلیج فارس ہندوستان کی بحری سرحد ہے جسکی حفاظت گویا ہندوستان کی حفاظت ہے۔"

یہاں تک تو ایران کی کمزور حالت اور روس و برطانیہ کی مداخلت و کشمکش کا ایک اجمالی تھا، اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اہل ایران نے ان واقعات سے کیا اثر لیا اور انہوں نے انکے برے نتائج کی روک تھام کیلئے کیا طرز عمل اختیار کیا ۱۹۰۳ء میں امین السلطان صدر اعظم اور امین الملک شاہ کے طبیب خاص میں سخت اختلافات پیدا

ہوئے - امین الملک لائق عقلمند محب وطن، اور خیر خواہ قوم شخص تھے، انکی انہیں خوبیوں نے انکو امین السلطان کے طرز عمل کا مخالف بنا دیا، اور اس سخت اختلاف کا خاتمہ امین الملک مرحوم کی افسوسناک موت پر ہوا، یہ موت طبعی طور پر واقع ہوئی یا کسطرح؟ اسکا صحیح علم خدا کو ہے لیکن عام طور پر یہ خیال کیا گیا کہ امین السلطان نے انکو زہر کھلوا دیا اس بنا پر تمام علما فقہا اس کے مخالف ہو گئے، اور نجف اشرف و کربلائے معلی میں سخت ہیجان پیدا ہوا امین السلطان پر کفر کا الزام لگایا گیا، یہانتک کہ ان نازک حالات کے نتائج و عواقب سے بچنے کیلئے اسکو ایران چھوڑکر روس کی طرف بھاگجانا پڑا -

اب امین السلطان کی جگہ پر عین الدولہ کو صدارت نصیب ہوئی - عین الدولہ مغرور، خر دماغ، اور جاہل شخص تھا لیکن یہ ایران کی بدقسمتی تھی کہ صدارت عظمیٰ اور وزارت داخلہ جیسے دو اہم مناصب اسی کی قسمت میں آئے عین الدولہ نے موسیو نوز باشندہ بلجیم کو محکمہ چنگی کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا - ایرانی خود اپنے ملکی حکام کے مظالم سے کچھ کم پریشان حال نہ تھے، اسوقت ایران میں ظلم و سفاکی روزمرہ کے معمولی واقعات تھے، تمام صوبوں میں نہایت سخت اور ظالمانہ حکومت جاری تھی، صوبہ فارس کی حالت یہ تھی کہ وہاں شاہ کے فرزند شعاع السلطنۃ کی حکومت تھی - عوام اس سے بے انتہا نفرت کرتے تھے، اس زمانہ میں لوگوں نے جبراً ہنگاموں اور بلووں کے ذریعہ سے اسکو فارس سے نکلجانے پر مجبور کیا، لیکن پھر وہ دوبارہ فوجی طاقت کی مدد سے اس پر فرمانروا بن گیا تھا، اور بے انتہا مظالم کیے تھے۔ ان مظالم کا اندازہ ہر شخص اسطرح کر سکتا ہی کہ جن لوگوں نے اسکو تخت سے اتر جانے پر مجبور کیا، اور وہ پھر دوبارہ ان پر کامیاب ہوا، تو اس وقت انکے خلاف اسکے جذبات انتقام کسقدر تیز اور مشتعل نہ ہونگے؟ مشہد میں آصف الدولہ نے جو مظالم کئے وہ بالکل ناقابل بیان ہیں، اس نے سوسائٹی، اخلاق، قانون اور مذہب غرض ہر چیز کی ضروری پابندیوں کی طرف سے قطع نظر کرلی تھی، وہ صرف ظلم و انتقام سے آشنا تھا، ایک مرتبہ مشہد کے لوگوں نے اس کے طرز عمل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، اس نے ان پر ظلم کا ہاتھ ڈالنا چاہا بیچارہ عوام نے مسجد میں پناہ لی کہ یہ خدا کا گھر تھا، لیکن اس نے خدا کے گھر کا بھی احترام نہ کیا، اور ان پر گولیاں برسانیکا حکم دیدیا ظفر السلطنۃ نے کرمان کے بڑے بڑے مقتدر مجتہدین سے انکے منصب فروتر خدمتیں لیں، وزیر اکرم نے ایک فقیہہ اور چودہ پندرہ بڑے بڑے تاجروں کو کوڑے لگوائے لیکن بہرحال یہ جو کچھ تھا، اپنے بھائیوں کی طرف سے تھا، جنکے متعلق ان کے جذبات اور حسیات بالکل جداگانہ تھے عین الدولہ نے یہ اضافہ کیا، کہ موسیو نوز کو با اقتدار حاکم بنا کر اہل ایران کو ملکی تو ملکی غیر ملکی اقتدار کا جوا اٹھانے پر مجبور کیا - لوگ

عموماً موسیو نوز کی سخت گیریوں سے نالاں تھے، ایران کی حکومت میں اسکو اتنا اثر و اقتدار حاصل ہوگیا تھا، متعدد وزارتوں کی خدمتیں اسکے سپرد تھیں، ملک کے تمام اہم مقامات اس کے قبضۂ اقتدار میں تھے، ایرانی ان حالات کو دیکھ دیکھ کر اس کی طرف سے اور زیادہ پریشان و بدگمان ہو گئے تھے۔ اسی زمانہ میں موسیو نوز نے اپنا ایک فوٹو کھنچوایا جسمیں وہ فقہا کا لباس پہنے اور سر پر عمامہ لپیٹے ہوئے تھا۔ اس فوٹو نے عام لوگوں میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ اس نے اسطرح انکی مذہبی توہین کی ہے، اب علما سے دینی اور مذہبی اشخاص کے حلقوں میں بھی گرمی پیدا ہوئی اور سب نے متفق ہو کر اسکے خلاف صدائے احتجاج بلند کی!

موسیو نوز، عین الدولہ کی معزولی اور اجرار عدالت کا متحدہ مطالبہ

ان واقعات نے ایرانی قوم کو بیدار کر دیا! اور وہ اپنے حقوق کی حفاظت و مدافعت کیلئے سرگرم کار ہوگئی انمیں بڑے بڑے خطیب و داعی اصلاح پیدا ہوئے چنانچہ علما میں آقا سید عبداللہ بہبہانی اور آقا سید محمد طباطبائی کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا یہ حامیان دستوریت کی صف اولین میں تھے۔ فقہا کی جماعت میں سید جمال الدین خطیب اصفہانی نے خاص طور پر شہرت حاصل کی! یہ قومی تحریکات کے بڑے انتہا حامی اور عنوان اصلاح و دستوریت پر بہت بڑے خطیب گذرے ہیں۔ عین الدولہ اور موسیو نوز کی سخت گیر پالیسی اور واقعۂ تصویر نے عام لوگوں میں سخت بے چینی پیدا کر دی تھی، خاص پایۂ تخت طہران میں ہنگامہ و فساد پیدا ہوگیا۔ مسجد شاہ واقع طہران میں علما، فقہا، تجار اور عوام کی مجلسیں منعقد ہوئیں، اس مجلس کے مطالبات صرف دو تھے۔

۱۔ چونکہ علاؤالدولہ نے باوقار تجار ایران کی توہین کی ہے، اسلئے اس کی پاداش میں اسکو طہران کی حکومت سے معزول کر دیا جائے۔

۲۔ بادشاہ ایک مجلس منعقد کریں کہ اور دوسرے مظلومین کی فریاد سنی جائے اور دادرسی کیجائے۔

اس مجلس میں امام صاحب مسجد شاہ کی سازش کیوجہ سے سخت ہنگامہ برپا ہوا! یہ امام صاحب درپردہ عین الدولہ سے ملے ہوئے اور اسکے وظیفہ خوار حامی تھے بہرحال مجلس منتشر ہوئی، اور اصلاح طلب جماعت کا مخفی اجتماع آقا سید طباطبائی کے گھر میں ہوا، اور یہ طے پایا، کہ تمام ممتاز اشخاص شہر سے درگاہ حضرت عبدالعظیم میں جا کر پناہ لیں، چنانچہ تمام علمار نے شہر چھوڑ کر درگاہ میں پناہ لی یہ ۱۹۰۵ء کا واقعہ ہے، اور اس کو ایرانی "ہجرت صغریٰ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

علمار مجتہدین، فقہا، تجار اور طلبار کی اسطرح علیحدگی، بجائے خود ایک موثر چیز تھی؛ ادھر روز بروز پناہگیروں کا مجمع بڑھتا جاتا تھا، ان پناہ گزینوں کے پاس مختلف ذرائع سے کافی روپیہ جمع ہوگئے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ خود امین السلطان سابق وزیر اعظم نے چھ ہزار گینی ان پر صرف کیا۔ ان حالات نے حکومت کو مجبور کیا کہ وہ جسطرح بھی ممکن ہو انکو شہر میں لانیکی کوشش کرے عین الدولہ بلکہ شاہ نے بھی کوششیں کیں، لیکن مجتہدین و تجار نے صاف صاف کہدیا، کہ جب تک ہمارے مطالبات قطعی طور پر منظور نہ کرلئے جائیں گے، موجودہ حالت میں کوئی فرق نہیں آسکتا، اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ ان مطالبات کی اہم دفعات کی بھی تصریح کردیجائے جو مہاجرین نے پیش کئے تھے۔

مہاجرین کے اہم مطالبات

۱- حاجی مرزا محمد رضا کرمانی کو جو رفسنجان کی طرف جلا وطن کردئے گئے تھے، اعزاز و احترام کیساتھ کرمان لایاجائے
۲- ملک کے ہر مرکزی شہر اور اہم مقامات میں عدالتخانے قائم کئے جائیں، جہاں عدل و مساوات کے ساتھ فیصلے صادر ہوں۔
۳- بغیر کسی بڑے یا چھوٹے، امیر یا غریب یا نادار یا کم حیثیت کے لحاظ و خیال کے ہر شخص کے ساتھ قانون اسلام کے مطابق عملدرآمد کیا جائے۔
۴- موسیو نوز کو جنگی، مالیات اور ڈاکخانوں کی ریاست و ارادت سے معزول کردیا جائے۔
۵- علاء الدولہ کو طہران کی حکومت سے معزول کردیا جائے۔

اس میں تین دفعات اور ہیں مگر ان کا تعلق خاص خاص واقعات اور مقامی حالات سے ہے، اسلئے انکو قلم انداز کردیا گیا عین الدولہ اور شاہ کی کوششوں کو جب مہاجرین نے ناکام کردیا، تو پہلے کچھ دنوں تک شاہ نے بھی بے اعتنائی سے کام لیا، اور حضرت عبدالعظیم کے لوگوں کو یہ ممانعت کردی کہ کوئی ان مہاجرین سے تعلقات نہ رکھے نہ ان کے پاس آئے جائے، اور نہ انکی کسیطرح مدد کرے، مگر اقتدار کا یہ غرور زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا اور بالآخر شاہ نے رؤسار مہاجرین کے نام اپنے دستخط خاص سے ایک خط لکھا، جسمیں قیام عدالت کا صریح وعدہ کیا، اس موقع پر مظفرالدین شاہ کے دو خطوں کا درج کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، انمیں سے ایک مہاجر علمائے عظام کے نام ہے جسمیں انکے مطالبات پورے کرنے کا وعدہ ہے۔ اور دوسرا خط اتابک اعظم کے نام ہے جسمیں عدالتخانوں کے

قیام کا حکم ہے۔

دستخط شاہ بعلماء اعلام

جنابان مستطابان شریعتمداران علمائے عظام سلمہم اللہ تعالیٰ، جنابان آقا میرزا مصطفیٰ و آقا میرزا ابوالقاسم و آقا میرزا محسن و اعتماد الاسلام را کہ برائے اظہار مطالب خودتان نزد جناب اشرف اتابک اعظم فرستادہ بودید از شرح پیغامات شما مطلع شدیم این مسئلہ را باید عموم علمائے عظام بدانند کہ رافت و معدلت ما ہمیشہ بہ افراد رعیت شامل بودہ خصوصاً نسبت بعلمائے اعلام کہ دعاگوی دولت و خیرخواہ شخص سلطنت ہستند کمال اعتماد و التفات داشتہ در مقاصد حقہ آنہا ہمیشہ نہایت توجہ کردہ ایم حالا ہم کہ شرح اظہارات شما را جناب اشرف آتابک اعظم عرض کرد، در صدر عریضۂ او دستخطے صادر شدہ است کہ برائے شما خواہند فرستاد و باکمال امیدواری بشہر آمدہ بہ اتفاق جناب اشرف آتابک اعظم شرفیاب شوید، کہ حسن ظن و کمال رافت و عقیدت خود ماں را شفاہتہً نیز بآن جنابان ابلاغ و اظہار کنیم، و با نہایت آسودگی، و امیدواری بدعائے دولت و مزید تائیدات و توفیقات ما اشتغال ورزید"، شہر ذی القعدہ ئیلان ئیل ۱۳۲۴ھ ایلہ" دستخط شاہ با تابک اعظم

جناب اشرف اتابک اعظم۔ چنانچہ مکرر این نیت خود ماں را اظہار فرمودہ ایم ترتیب و تاسیس عدالتخانہ دولتی برائے اجراء احکام شرع مطاع و آسائش رعیت از ہر مقصود مہمے واجب تر است و این است بالصراحۃ مقرر میفرمائیم برائے اجراء این نیت مقدس قانون معدلت اسلامیہ کہ عبارت از تعیین حدود و اجرائے احکام شریعت مطہرہ است باید در تمام ممالک محروسہ ایران عاجلاً دائر شود۔ بروجہی کہ میان ہیچک از طبقات رعیت مطلقاً فرقے گذاشتہ نشود و در عدل و سیاسات بطوریکہ در نظامنامۂ این قانون اشارہ خواہیم کرد۔ ملاحظۂ اشخاص و طرفداریہا بے وجہ قطعاً جداً ممنوع باشد البتہ ہمیں ترتیب کتابچہ نوشتہ مطابق قوانین شرع مطاع فصول آن را مراتب بعرض برسانید تا در تمام ولایات دائر و ترتیبات مجلس آنہم بروجہ صحیح دادہ شود و البتہ این قبیل مستدعیات علماء اعلام کہ باعث مزید دعاگوئی ماست ہمہ وقت مقبول خواہد بود ہمیں دستخط ما را ہم بعموم ولایات ابلاغ کنید"

شہر ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ

مہاجرین کے مطالبات میں اہم شرطیں موسیو نوز اور علاء الدولہ کی معزولی کی تھیں، جبکہ شاہ کے خطوں میں کوئی تذکرہ نہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ اتابک اعظم نے مفاہمت کے سلسلہ میں جو عریضہ شاہ کی خدمت میں بھیجا تھا اسمیں بالقصد علماء و مہاجرین کے ان مطالبات کو قلم انداز کردیا تھا، اسلئے بادشاہ کے ان خطوں میں جو

جو مہاجرین اور اس فرمان میں جو اتابک اعظم کو بھیجا گیا، صرف قیام عدالتخانہ کا تذکرہ ہے۔

بہرحال بادشاہ کا یہ وعدہ نامہ پاکر مہاجرین نے شہر کا رخ کیا، اور طہران چلے آئے۔ عوام الناس اکابر شہر وزراء دولت بلکہ خود بادشاہ نے ان کا استقبال کیا۔ اب حالات بدلے، ہیجان رفع ہوا، اور چند دنوں کے لئے شہر میں سکون کی حالت پیدا ہوگئی، تمام لوگ خصوصاً مہاجرین منتظر تھے کہ بادشاہ اپنا عہد پورا کریں گے لیکن یہ انتظار ختم نہ ہوا، اور ایفائے عہد کی امید غلط ثابت ہوئی، بلکہ اس کے بالکل برعکس سختیاں شروع ہوگئیں شہر میں کثرت سے جاسوس اور مخبر متعین کئے گئے جو احرار کے متعلق ہر طرح کی خبریں اور انکی نقل و حرکت کی اطلاعیں وزراء و حکام کو پہنچاتے تھے، قزاق فوج کے دستے جا بجا شہر میں مقرر کئے گئے تمام لوگوں کو سرشام سے صبح تک گھروں سے باہر نکلنے کی ممانعت کر دی گئی، شہر کو فوجی قوانین کے ماتحت کر دیا گیا، اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ جمعیت احرار کے بعض ارکان مثلاً مرزا حسن رشدیہ مرزا آقا اصفہانی اور مجد الاسلام کرمانی کو گرفتار اور شہر بدر کر دیا گیا۔

انہی واقعات کے ساتھ ساتھ آخر ماہ فروری ۱۹۰۶ء میں محرم الحرام کا آغاز ہوا۔ ایران کیلئے یہ مہینہ خاص طور پر اہم ہے جسمیں بکثرت مذہبی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں احرار نے اس موقع کو غنیمت خیال کیا، اور محرم کی مجلسوں میں واقعات کربلا کے ساتھ ساتھ موجودہ ظالم حکومت کے واقعات ظلم و استبداد کو بیان کرنا شروع کیا۔ عین الدولہ نے ان حالات کا سختی سے مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ خطیب الحریت جمال الدین اصفہانی کو طہران چھوڑ کر قم چلے جانے پر مجبور کیا، وہ چلے گئے، مگر اس سے کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ دوسرے اصحاب بدستور اپنے کاموں میں مشغول رہے۔ اب عین الدولہ نے شیخ محمد واعظ کو گرفتار کرنا چاہا، اس گرفتاری کے موقع پر احرار اور حکام فوج میں بڑی کشاکش پیدا ہوگئی، یہاں تک کہ فوج کو گولیاں چلانا پڑیں، ایک گولی فقیہہ سید حسین کو آ لگی، اور اسی مجمع کے روبرو اس پیکر حریت کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور احرار اور عوام نے اس لاشۂ بیجان کو اٹھا لیا، اور شہر کی ہر گلی کوچہ کا چکر لگایا، آگے آگے لاش تھی، اسکے پیچھے پیچھے علماء مجتہدین، فقہا اور عوام کا مجمع، گریہ و زاری ماتم و فغاں، اور سینہ کوبی کرتا جاتا تھا، پولیس نے پھر اس مجمع کو منتشر کر دینا چاہا، اور اسکے لئے گولیاں چلانا پڑیں چنانچہ اس آتش فشانی میں ایک اور حریت پرست ملا سید عبدالحمید کی جان نذر استبداد ہوئی۔ اب عوام منتشر ہوگئے مجمع چھٹ گیا، بازار خالی ہوگئے، جسکو فوج نے جیلکر پھر دیا اکابر رجال حریت نے مسجد جامع میں پناہ لی لیکن انکا وہاں محاصرہ کر لیا گیا، اور تین دن کے بعد اس شرط پر وہاں سے نکلنے کا موقع دیا گیا، کہ طہران میں نہ رہیں بلکہ سیدھے قم چلے جائیں۔ محصوروں نے

اس شرط کو قبول کیا، اور ایک مرتبہ پھر علما، مجتہدین، فقہا، تجار اور دوسرے شیدائیان حریت کا مجمع امادۂ ہجرت ہوا، اس واقعۂ ہجرت کو تاریخ انقلاب ایران میں ''ہجرت کبریٰ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ شہر کی یہ حالت کہ تمام دُکانیں بند تھیں، اور کئی روز مسلسل بند رہیں۔ عین الدولہ نے ان کے کھولنے کا حکم جاری کیا، اور یہ تہدید کی کہ اگر دُکانیں نہ کھولی گئیں تو بہت جلد ان کے لوٹ لینے کا فوج کو حکم دیدیا جائیگا، یہ جون ۱۹۰۶ء کے واقعات ہیں۔

اب ایران دستوریت کا مطالبہ کرتا ہے

آخران واقعات نے ایرانی قوم کو دستوریت کے مطالبہ پر مجبور کر دیا اور اب اسکی تمام تر قوت دستوریت کے حصول کیطرف متوجہ ہوگئی، ہم یہاں ان واقعات کو بخوف طوالت انتصار ہی کے ساتھ لکھیں گے۔ اول اول حریت طلبوں کی ایک جماعت جو اکابر احرار اور با اثر تجار ایران کیطرف سے نائب بنا کر بھیجی گئی تھی قلہک کے مقام پر وکیل انگلستان سے ملی، اور اس سے یہ دریافت کیا کہ اگر ہم لوگوں کو حصول دستوریت کے سلسلہ میں کبھی امداد و حمایت کی ضرورت پڑی تو کیا ہماری امداد و حمایت کیجائیگی؟ وکالت نے اس کو قبول کیا، اور پناہ گزینوں کیلئے ہر طرح کی اعانت و امداد کا وعدہ کیا، اسطرف سے اطمینان کر کے احرار نے اپنا کام شروع کیا، اور آہستہ آہستہ انکی جماعت وکالت انگلستان کے زیر حمایت بڑھتی گئی، یہاں تک کہ صرف طہران کے برطانوی سفارتخانہ میں پندرہ ہزار حریت طلب جمع ہوگئے، ان سبھوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنالی تھیں ہر ٹولی کے خیمہ و خرگاہ علیحدہ تھے، انہوں نے اپنے جھنڈوں اور خیموں کے پردوں کو آیات احادیث اور اشعار سے مزین کر رکھا تھا، اس وقت ایرانیوں میں پھر انگریزوں کی طرف سے غایت شدید حسن ظن پیدا ہو گیا تھا، اور وہ انکو اپنا ناصر و حامی سمجھنے لگے تھے۔ اسی سلسلہ میں جمعیت احرار کے منتخب اشخاص انگریز اجزا سفارت سے مجلس (پارلیمنٹ) کی حقیقت، وہ کیونکر ترتیب دیجاتی ہے اس کے حقوق و فرائض کیا ہوتے ہیں، اور نائندوں کا انتخاب کیونکر عمل میں آتا ہے؛ یہ اور اسی قسم کے بہت سے معلومات حاصل کرتے رہتے تھے۔ اسوقت ایرانیوں نے علی العموم دستوریت کے مطالبہ کا اعلان کر دیا تھا، اور بہت کچھ رد و بدل اور مراسلت و مخابرت کے بعد بادشاہ کو بھی ناچار قوم کی آواز سننا پڑی، چنانچہ مظفرالدین شاہ نے ۵ راگست ۱۹۰۶ء کو دستوریت کی منظوری کا فرمان جاری کیا۔ اب برطانوی سفارتخانہ کے پناہ گزیں احرار میں سے چند اشخاص کے سوا تمام لوگ باہر نکل آئے اور جو علما و فقہا قم میں نظر بند کر دئے گئے تھے، وہ بھی طہران واپس آئے۔

سب سے پہلا کام زعمائے اصلاح کیلئے یہ تھا کہ قانون انتخاب مرتب کیا جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے ایک مجلس مرتب کی گئی جس نے چھتیس ۳۶ دن کے غور و فکر اور بحث و مباحثہ کے بعد قانون مرتب کیا۔ شاہ نے بھی اسکی تصدیق کی، اور پچاس ہزار نسخے اس قانون انتخاب کے چھپوا کر عوام الناس میں تقسیم کئے گئے۔ ۷ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء کو انتخاب ختم ہوا۔

ایرانیوں میں اہل تبریز سب سے زیادہ دستوریت کے حامی و خواہاں تھے، اور وہ اس زمانہ میں ایک ظالم حاکم یعنی ولیعہد کے زیر حکومت ظلم و استبداد کی کڑیاں جھیل رہے تھے، اس نے ان کو ہر طرح مجبور و مقہور کر رکھا تھا، وہاں جاسوسوں کی ہر طرف کثرت تھی اسلئے ذرہ ذرہ سی بات کی خبر انکو ملجاتی تھی، اور وہ بے انتہا مظالم لوگوں پر کرتا تھا۔ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء میں (یعنی طہران میں اعلان دستوریت کے ایک مہینہ بعد) وہاں ایک سخت ہنگامہ ہوا جسمیں حریت طلب شخص صرف برطانوی سفارتخانہ تبریز میں جا کر پناہ لی، وہاں سے سخت صدائے احتجاج بلند کی، ولیعہد کے خلاف اپنے جذبات کا علانیہ اظہار کیا، اور حکومت دستوری کا مطالبہ کیا، جب ان حالات کی خبر طہران پہنچی، تو یہاں سے باقاعدہ سفیر انگلستان کے توسط سے یہ اطلاع بھیجی گئی کہ شاہ ایران نے دستوری حکومت کا اعلان کر دیا ہے، اس کے بعد پناہ گزیں احرار سفارتخانہ برطانیہ سے نکلے اور انہوں نے فوراً ایک مجلس بنام جمعیۃ النظار مرتب کی تاکہ انتخاب کی باقاعدہ نگرانی کیجائے، ۱۶ نومبر سنہ ۱۹۰۶ء کو نائبوں کا انتخاب ہوا یہاں کے نمایندوں میں سید حسن بن تقی معروف بہ تقی زادہ بھی تھے جن کو تاریخ دستوریت ایران میں بلند مرتبہ حاصل ہے۔

مجلس (پارلیمنٹ) کا آغاز

آخر اب ایران کی تاریخ کا وہ مبارک دن آیا، جس کو ہم اسکا نوروز دستوریت کہہ سکتے ہیں۔ طہران میں سب سے پہلی مرتبہ جب مجلس کا اجتماع ہوا تو نمایندوں نے سب سے پہلے یہ کام کیا، کہ ان لوگوں کو اس عید مسرت میں شریک ہونے کے لئے طلب کیا، جو دستوریت کی ہواخواہی و حمایت کی پاداش میں جلاوطنی و قید کی مصیبتیں برداشت کر رہے تھے، چنانچہ سعد الدولہ یزد سے مرزا آقا اصفہان سے حاجی مرزا حسن رشدیہ اور مجد الاسلام قلعہ نادری سے بلوا کر شریک مسرت کئے گئے۔

مجلس کے سامنے سب سے پہلا اور ضروری کام یہ تھا کہ دستوریت کے قوانین اساسی مرتب کئے جائیں، چنانچہ وہ اسی کی طرف متوجہ ہوئی اور ساتھ ہی ملک کی مالی کمزوریوں کیوجہ سے ایک ملکی بنک کے قیام کی طرف بھی توجہ کی،

قانون اساسی دستوریت جب مرتب ہوچکا، تو ۱۹۰۶ء کے خاتمہ پر بادشاہ نے اسکی تصدیق کردی اور ولیعہد نے بھی اسپر اپنے دستخط ثبت کئے۔ بینک کے متعلق یہ طریق عمل اختیار کیا، کہ چھ ملیں (۶۰ لاکھ) تومان راس المال قرار دیکر اسکے دستاویزات شرکت و قرض اور پرامیسری نوٹ جاری کئے اس رقم کی فراہمی میں ایرانی قوم نے غیر معمولی جوش اور سرگرمی دکھائی، ہر طبقہ نے کثرت سے حصے اور دستاویزات خریدے غربا و فقرا تک نے اسمیں شرکت کی یہاں تک کہ عورتوں نے اپنے زیورات، اور طلبا نے اپنی کتابیں بیچکر یہ رقم فراہم کرنے میں ملک کی مدد کی۔ صرف شہر طہران سے ایک ملیں (۱۰ لاکھ) تومان کی رقم جمع ہوئی اور اسیقدر رقم کی فراہمی کا وعدہ تبریز و آذربائیجان نے بھی کیا۔ ادھر ملک تو اس ایثار و قربانی میں مصروف تھا، ادھر استبداد پرست وزراء سلطنت اور شاہ نے اس بینک کی تصدیق و اجازت کیلئے یہ شرط لگائی، کہ اسمیں سے بیس لاکھ تومان کی رقم انکو بطور قرض دیجائے، ساتھ ہی روس و انگلستان نے بھی اس بینک کے قیام کی راہ میں علائق و موانع پیدا کرنا شروع کردئے اسلئے کہ اس قسم کے بینک کا وجود ایران میں انکی آیندہ کارروائیوں کا سدباب کردیتا، کیونکہ ان کو اب تک جو کچھ مواقع دستبرد ملے تھے، ان کا ذریعہ ہی قرض اور مالی معاملات تھے۔

محمد علی شاہ کیطرف سے دستوریت کی مخالفت

۴ جنوری ۱۹۰۷ء کو مظفر الدین شاہ نے انتقال کیا، اور ولیعہد محمد علی نے اسکی جگہ لی۔ محمد علی اپنی دماغی و اخلاقی حیثیتوں سے ایک پست درجہ شخص تھا وہ دستوریت کا شدید ترین دشمن و مخالف تھا۔ تبریز میں اس نے مخالفتوں کا نہایت ہولناک تماشا احرار کو بارہا دکھایا تھا، اب وہ بادشاہ ہوکر زیادہ آزاد، زیادہ قوی اور زیادہ وسیع الاختیار ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے ابتدائی طرز عمل ہی سے دستوریت کی ناپسندیدگی کا اعلان کردیا، چنانچہ اس نے جشن تاجپوشی میں مجلس کے ارکان کو مدعو نہیں کیا۔ ارکان مجلس اسکے اس طرز عمل سے اسکے تیور پہچان گئے۔ لیکن اس سے زیادہ جس واقعہ کا مجلس پر ناگوار اثر پڑا وہ استبداد پرست وزراء سلطنت کے شرکت مجلس سے کنارہ کش ہوجانے کا واقعہ تھا۔ اب یہ مسئلہ واضح ہوگیا، کہ بادشاہ، وزراء اور خوشامد پرست طبقہ ایک طرف ہے اور مجلس اور احرار و اصلاح طلب جماعت دوسری طرف۔ اسی زمانہ میں مجلس نے چند تجویزیں مرتب کیں اور ان کی تصدیق کے لئے ان کو بادشاہ کیخدمت میں بھیجا اس تجویز نامہ کی دفعات یہ تھیں:-

۱۔ قانون اساسی کا ایک ضمیمہ مرتب کیا جائے۔

۲۔ ایران کی حکومت دستوری کا شاہی اعلان کیا جائے۔

۳۔ موسیو نوز کو معزول کر دیا جائے۔

۴۔ آیندہ غیر ملکیوں کو وزارت کا کوئی عہدہ تفویض نہ کیا جائے۔

اس تجویز نامہ کو محمد علی شاہ نے رکھ چھوڑا اور جواب میں تاخیر کی، بالآخر کافی انتظار کے بعد مجلس نے یاددہانی کی اور پانچ روز کے اندر اندر اسکی تصدیق چاہی محمد علی شاہ نے اب اسکی تصدیق کر دی، موسیو نوز ۱۰ فروری سنہ ۱۹۰۷ء کو معزول کر دیا گیا، اور ایک جمعیۃ ضمیمۂ قانون اساسی کی ترتیب کے لئے منتخب کیگئی، جس کے ارکان سعد الدولہ امین الضرب، سید نصر اللہ، سید تقی زادہ اور مستشار الدولہ تھے۔

مارچ سنہ ۱۹۰۷ء میں صدارت عظمی کا منصب توڑ دیا گیا، اور جدا جدا وزارتیں مرتب کیگئیں۔ ایک عہدہ رئیس الوزرا کا قائم کیا گیا، جس پر سلطان علی خاں وزیر افخم کا انتخاب ہوا اور وزرا کے القاب و مناصب و فرائض حسب ذیل تھے۔

(۱) فرمانفرما (وزیر عدلیہ) (۲) علاء السلطنۃ (وزیر خارجہ) (۳) نائب السلطنۃ (وزیر حربیہ) -
(۴) ناصر الملک (وزیر مالیہ) (۵) مہندس الملک (وزیر امور نافعہ)

وزرا کے باہم حقوق و فرائض اور اختیارات الگ الگ کر دئے گئے اور ہر وزیر اپنے متعلقہ فرائض کا ذمہ دار و مسئول قرار پایا، قیام مجلس کے بعد ابتدائی دو مہینوں تک مجلس جن مسائل کی طرف متوجہ اور منہمک رہی انکی تفصیل یہ ہے :-

(۱) پوری مملکت ایران کی پیمائش (۲) ملکی بینک کا قیام (۳) میونسپلٹیوں کا قیام و انتظام اور انکے قوانین کی ترتیب (۴) صوبہ کے مقامی مجلسوں اور حلقوں کے قیام اور ان کے قوانین کی ترتیب (۵) قانون مطبوعات (۶) صوبہ کے والیوں اور دوسرے حاکموں کے فرائض و اختیارات کی تعیین و تجدید۔

اب ہم اس موقع پر مجلس کی مزید کارروائیوں کی تفصیلات کو چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے ضروری حوادث کا تذکرہ کر دینا مناسب سمجھتے ہیں، تاکہ پڑھنے والوں کو آیندہ واقعات اور ایران کی مجلس کی شکست کے اسباب کو سمجھ لینے میں زیادہ غور و فکر اور پریشانی سے سابقہ نہو۔ حالت یہ تھی کہ ادھر ملک کے ہواخواہ مجلس میں ضروری اصلاحات کی طرف جلد جلد اور تیزی کے ساتھ قدم بڑھا رہے تھے، ادھر شاہ اور اس کے حامی و خوشامد پرست، امراء و حکام، اسکی بربادی و شکست کا انتظام کرنا چاہتے تھے۔ مارچ سنہ ۱۹۰۸ء تک اہم حوادث و مصائب میں قابل ذکر وہ حوادث ہیں جو فارس، عراق، اور اصفہان کے صوبہ داروں کے انکار و اختلاف دستوریت کے باعث پیدا ہوئے۔ ان لوگوں نے دستوری نظام کو توڑ دینے کی پیہم کوششیں کیں، اس کے قوانین و احکام کی علانیہ نافرمانی و سرتابی کی، اسی اثنا میں

چند شکم پرور ملاؤں اور روضہ خوانوں نے بھی نظام دستوری سے اختلاف کا اظہار کیا۔ مارچ کے آخری ہفتہ میں سب سے زیادہ حیرتناک جو واقعہ پیش آیا، وہ یہ تھا کہ اہل تبریز نے دس ہزار روسی بندوقیں اور اس کے ضروری سروسامان گرفتار کئے۔ تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ محمد علی شاہ نے یہ بندوقیں مخفی طور پر منگوائی ہیں، اور وہ دو چار ہی دن میں تبریز سے طہران جانیوالی تھیں۔ اس واقعہ نے مجلس کو آیندہ خطرات اور شاہ کے منصوبوں سے خبردار کر دیا۔ شاہ نے اپنے مقصد برآری کے لئے ایک دوسری تدبیر کی کہ امین السلطان سابق صدر اعظم کو جو اب تک ملک بدر تھا، طلب کیا، اور وہ شاہ کی طلب پر رشت آیا وہ جب رشت سے طہران کیلئے روانہ ہونے لگا تو وہاں کے لوگوں نے اس کے گذشتہ اعمال کی بنا پر اسکو روک دینا چاہا، لیکن مجلس نے شاہ کی مخالفت و معاندت کے خوف سے اس کے آنے کی اجازت دیدی جب وہ طہران آیا تو شاہ نے مجلس بلکہ ساری قوم کے جذبات کے خلاف اسکو وزارت کا رئیس مقرر کیا، اور اسکی ریاست وزارت کے لئے بے انتہا اصرار کیا، بلکہ کھلم کھلا دھمکیاں تک دیں ان تمام حالات کے ساتھ مئی کے آخر میں وہاں یہ مشہور ہوا، کہ شاہ، سردار رحیم خاں کے زیر قیادت دس ہزار لشکر تبریز بھیجنے والے ہیں، تاکہ وہاں کی دستوریت کا بزور شمشیر خاتمہ کر دے۔ جون میں کرمان شاہ، تبریز اور ماکو و خوے کے علاقوں میں سخت ہنگامے برپا ہوئے۔

غرض اسطرح ملک کے مختلف حصوں میں مخالفت اور ہیجینی کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ تاہم مجلس اور احرار اپنے کاموں میں منہمک تھے، اور وہ آہستہ آہستہ اپنے بعض مقاصد میں کامیاب بھی ہوگئے تھے، مثلاً مسیو نوز کی معزولی عمل میں آچکی تھی، صدر اعظم کا عہدہ ٹوٹ کر وزارت قائم ہوئی، متعدد صوبہ داروں کو معزول کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی تھی، مثلاً آصف الدولہ کو خراسان کی صوبہ داری سے اور ظل السلطان، شاہ کے چچا کو اصفہان کی صوبہ داری سے، انہوں نے رحیم خاں اور شاہ کے بھائی سالارالدولہ کو گرفتار کر لیا تھا۔

جولائی ۱۹۰۷ء میں مجلس نے اپنی زندگی کا پہلا سال خاصی کامیابی کے ساتھ ختم کیا، ارکان مجلس نے ۲۵ جولائی کو اسکی سالگرہ کی بزم مسرت منعقد کی انتہائی جوش و خروش کے ساتھ ملک نے اس عید حریت میں حصہ لیا۔ اس موقع پر مجلس کیطرف سے جو جلسہ منعقد کیا گیا، اسمیں ایک لاکھ سے کچھ زیادہ ہی اشخاص شریک ہوئے مجلس میں پُرزور تقریریں کی گئیں، نعرہائے مسرت بلند ہوئے، لیکن یہ کسقدر مخالفانہ طرز عمل تھا، کہ ملک کے اس عام مسرت میں شاہ نے کوئی حصہ نہ لیا، اور مجلس میں شرکت بھی نہ کی۔

اگست ۱۹۰۷ء میں روس کیطرف سے ایک مراسلہ مجلس کو موصول ہوا، جسمیں ایران کی ہیجینیوں کا تذکرہ اور

یہ دھمکی تھی کہ اگر جلد سے جلد امن و امان قائم نہ کیا گیا تو ناچار امن عام کے خیال سے مداخلت کیجائیگی، اور روسی حکومت قیام امن کا مقدس فرض ادا کرنے پر مجبور ہوگی ۔ مراسلہ مجلس میں پیش ہوا، لیکن باخبر ارکان مجلس نے اسکی طرف کچھ زیادہ توجہ نہ کی، اور ان الفاظ کے مفہوم و معنی کی کوئی پروا نہ کی، کیونکہ وہ اس مقدس فرض اور روسی حکومت کی تاریخ و سیاست سے واقف ہو چکے تھے ۔

ماہ اگست کے خاتمہ تک دو نہایت اہم واقعے پیش آئے ایک امین السلطان کا قتل، دوسرا روسی و برطانوی معاہدۂ اتفاق ۔ امین السلطان کی نسبت اتنا معلوم ہو چکا ہے کہ ایرانی اس سے عام طور پر ناراض تھے ۔ محمد علی شاہ نے تمام ملک کے خلاف توقع اسکو رئیس الوزراء کا منصب عطا کیا تھا ۔ اس نے اس مرتبہ بھی آتے ہی وہی پرانے روسی قرض اور ملک فروشی کا کام شروع کیا ۔ وہ اپنی کوشش میں کامیابی سے بہت قریب ہو گیا تھا اور روسی قرض حاصل کرنا ہی چاہتا تھا، کہ ۳۱ اگست ۱۹۰۷ء کو ایک فدائی کے ہاتھوں قتل ہوا، یہ قتل عباس آقا تبریزی کے ہاتھوں عمل میں آیا ۔ عباس آقا نے ٹھیک اس وقت اس کو قتل کیا، جب وہ آقا سید عبداللہ کی معیت میں مجلس سے باہر آرہا تھا ۔ عباس آقا نے اسکو ریوالور سے ہلاک کیا، اور ساتھ ہی اسی وقت اپنے کو بھی ہلاک کر لیا، عباس آقا کے کپڑوں کی دیکھ بھال کیگئی، تو اسمیں سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکلا، جس پر نمبر ۴۱ لکھا ہوا تھا، اور زہر کی کافی مقدار بھی برآمد ہوئی ۔ عباس آقا کچھ پہلے سے اس قتل کی فکر میں تھا ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ واقعۂ قتل سے چند روز پہلے وہ ایک فوٹو گرافر کے پاس گیا، اور اپنی تصویر کھچوا کر اس سے کہا کہ اسکو محفوظ رکھو، چند روز کے بعد بکثرت یہ تصویر تم سے مانگی جائیگی ۔ اس قتل میں اس کا بھائی حسن آقا بھی معاون و شریک تھا ۔ قتل کے بعد یہ طہران سے تبریز بھاگ گیا ۔ لیکن یہاں بھی پناہ کی صورت جب نظر نہ آئی تو اس نے بھی اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا ۔ (باقی)

ابوالحسنات ندوی

نوائے دلگیر

کوئے جاناں سے ہو کے آئے ہیں — ہوش سب اپنے کھو کے آئے ہیں
تیری محفل میں جب گئے ہیں ہم — رو کے آئے ہیں، سو کے آئے ہیں
اُس طرف اب نہ دیکھنا دلگیر
چشم بد دور، سو کے آئے ہیں

شاہ دلگیر

کلام آسی

(بہ سلسلۂ اشاعت گذشتہ)

[illegible] بیوں کی لطافت یہ واقعہ ہے کہ اگر زبان میں ترنم نہ ہو، تو اچھے سے اچھا خیال پھیکا معلوم ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ شعر بہت سی چیزوں سے ملکر شعر ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک زبان کا ترنم ہے۔ یعنی ایسے متناسب الفاظ کا استعمال جس کے مجموعہ میں خود بخود موسیقیت پیدا ہوجائے۔ یہ بات ایک تو اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ جو لفظ استعمال کیا جائے وہ قبل و بعد کے لفظوں پر بھاری یا ہلکے پن کے متناسب واقع ہو، یعنی اگر قبل و بعد کے الفاظ ہلکے ہوں تو یہ بھی ہلکا ہو، اور اگر وہ بھاری ہوں تو یہ بھی بھاری۔ غرضکہ ہر لفظ اگر دوسرے لفظ کے متناسب ہو تو خود بخود موسیقیت پیدا ہوجاتی ہے دوسرا طریق یہ ہے کہ دلکش و لطیف تراکیب سے زبان میں دلاویزی پیدا کی جائے۔ فارسی اور اُردو کی یہ بڑی خصوصیت ہے کہ وسیع تر مفہوم و خیال کو اضافت الفاظ کے ذریعہ سے کمال اختصار اور دلکشی و دلاویزی کے ساتھ ادا کیا جاسکتا ہے، مگر اس میں بھی اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ ثقیل اور بھدی یا بہت زیادہ طویل ترکیبوں کا استعمال نہ کیا جائے۔ بلکہ شعرائے لکھنؤ نے تو بالکل ترک کردیا تھا یا زیادہ سے زیادہ صرف لفظوں تک محدود کردیا تھا مثلاً "دیدۂ تر" دل زار اور زخم جگر وغیرہ۔ مگر اساتذۂ دہلی نے شروع سے اس کو اختیار کرلیا تھا۔ آخر میں غالب و مومن نے ان ہی ترکیبی الفاظ کے ذریعہ سے معنی آفرینی کو معراج کمال تک پہونچا دیا۔ مومن خاں کے سلسلہ کے لوگ اب تک کمال خوبی کے ساتھ اس خصوصیت کو قائم رکھے ہوئے ہیں اور عام طور پر عہد حاضر کے شعرا ان دونوں اساتذہ کی تقلید کو باعث فخر خیال کرتے ہیں۔

بہرحال اِن ترکیبوں سے اس کے علاوہ کہ کلام کی خوبی میں اضافہ ہوتا ہے، زبان میں بھی وسعت ہوتی ہے اور ادائے مفہوم کے نئے نئے اسلوب پیدا ہوتے ہیں۔

حضرۃ آسی کے کلام میں دونوں باتیں موجود ہیں اور کمال خوبی کے ساتھ وہ وسیع ترین مفہوم کو مختصر ترکیبیں ادا کردیتے ہیں اور اکثر یہی ترکیبیں اُن کے کلام کی رنگینی و شگفتگی میں اضافہ کردیتی ہیں اور شعر کا حسن دوبالا ہوجاتا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

ہائے وہ جلوہ وہ انداز ہجوم اہل دید — ایک موسیٰ زار گویا دل کے ہر روزن میں تھا

"موسیٰ زار" کی ترکیب نے شعر میں کس قدر کیفیت پیدا کر دیا ہے اور ترکیب کے اندر جو وسعت اور لطافتیں پنہاں ہیں وہ شائد چند سطروں میں بھی نہیں ادا ہو سکتیں۔

شایانِ درگذر ہے اگر اضطراب میں — جرم وہ از دستیِ ذوقِ دعا ہو
رہ گذار صد امید و یاس تھا ہر گوشہ دل — داغِ غم وہ دل میں تھا یا نقشِ پائے جادہ تھا

دوسرے مصرعہ کی ترکیب ملاحظہ فرمائیے کہ ایک سادہ خیال میں کتنی رنگینی پیدا ہو گئی ہے۔

واہ واحسن مذاقِ تلخ کامِ عشق واہ — لذت افزا زار نالی، راحت افزا اضطراب
اگر قبول کرد جائے بے محابا غم — دکھاؤں محشرِ ہنگامہ تمنا کو

پہلے شعر کی ترکیب میں گو ایک قسم کی ثقالت ہے مگر پھر بھی ایک لطف پایا جاتا ہے۔

لب پہ لب ہے آج تجھ سے تیرے مستانے کی خاک — خوب پہچان اور بت مینوشِ پیمانے کی خاک
اک ذرا دامن اٹھا لے اے نگار شمع رو — شعلہ زار سوز غم ہے تیرے پروانے کی خاک
گردشِ صد جامِ وحشت ایک اک ذرہ میں ہے — بزم صہبائے جنون ہے تیرے دیوانے کی خاک
اے کہ گوئی تابشِ ہر ذرہ از تابِ تو ہست — مطلعِ نورِ خدا ہے ہر صنم خانے کی خاک
ایک اک ذرہ ہے فردِ دفترِ صد سوزِ غم — داستان سنجِ دلِ عاشق ہے پروانے کی خاک
تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے او بادِ صبا — یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

یہ تمام اشعار زبان کے ترنم اور ترکیبوں کے دلاویزی و لطافت کی بے مثل مثالیں ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ان شعروں کے مضامین کی شگفتگی و تازگی، جذبات کی پاکیزگی، اندازِ بیان کی صفائی و روانی بھی غور طلب ہے جو آسی کے کلام کی عام خصوصیت ہے۔

اندازِ بیان کی جدت — اندازِ بیان کی جدت یہ ایک ایسی خوبی ہے جو کلام کی دلکشی میں لازمی طور سے اضافہ کر دیتی ہے اور سادہ سے سادہ مضمون میں ایک شانِ دلپذیری پیدا ہو جاتی ہے۔

آسی مرحوم کا کلام اندازِ بیان کی جدت اور طرزِ ادا کی خوبیوں سے مالا مال ہے مثلاً۔

تو نے دعوائے خدائی نہ کیا خوب کیا ہو — اے صنم ہم ترے دیدار کو ترسا کرتے
دل بیمار سے دعویٰ ہے مسیحائی کا — چشمِ بیمار کو اپنے نہیں اچھا کرتے

اس شعر کے انداز بیان کی خوبی ملاحظہ فرمایئے کہ بظاہر تو شاعر کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جلوہ دیدار کا اس قدر تمنائی ہے کہ اپنے محبوب کا خدا ہو جانا بھی گوارا نہیں کرتا کیونکہ اس صورت میں وہ اس کے دیدار سے محروم ہو جائیگا لیکن طرز ادا کی یہ خوبی ہے کہ ناوانستہ اور بے قصدی کے طور پر حسن یار کے کمال و تکمیل کی صفت بھی لطیف کنایہ موجود ہے یعنی یہ کہ حسن یار اس قدر مکمل ہے کہ دعوائے خدائی کا بھی امکان موجود تھا۔

داغِ دل، دلبر نہیں سینہ سے پھر لپٹا ہوں کیوں | ہیں دلِ دشمن نہیں پھر یوں جلا جاتا ہوں کیوں
رات اتنا کہہ کے پھر عاشق ترا غش کر گیا | جب وہ جی آتے نہیں میں ہوش میں آتا ہوں کیوں

اسی انداز کو دوسرے انداز میں کہتے ہیں :—

جھوٹ کیوں کہتا ہے قاصد کہ وہ آتے نہیں | وہ اگر آتے نہیں ہم ہوش میں آتے ہیں کیوں

دیکھئے انداز بیان کی خوبیاں آپ کو سب شعروں میں ملینگی۔ بیہوشی سے ہوش میں آنے کو محبوب کی آمد پر محمول کر دینے سے شعر میں ایک خاص لطف پیدا ہو گیا ہے۔

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں کھوئے ہوئے دل کو اپنے | ہم نے جس دن سے سنا گھر ہے تمہارا دل میں
نہ تڑپ اسقدر اے عاشق مضطر نہ تڑپ | دھیان اس کا نہ کہیں ہو تہ و بالا دل میں

وہ کہتے ہیں میں زندگانی ہوں تیری | یہ سچ ہے تو اس کا بھروسہ نہیں ہے
کمی نہ جوشِ جنوں میں نہ پاؤں میں طاقت | کوئی نہیں جو اٹھا لائے گھر میں صحرا کو

گو یہ سب شعر انداز بیان کے خوبی کی بہترین مثال کے طور پر نہیں پیش کئے جا سکتے، مگر اس میں شک نہیں کہ طرز ادا کی خوبی سے بالکل قطع نظر بھی آپ نہیں کر سکتے اور ہر ایک شعر میں جدت بیان کی دلکشی کسی نہ کسی حد تک موجود ہے۔

خیال آفرینی اور مبالغہ وغیرہ | اس عنوان کے علیحدہ قائم کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ فی الحقیقت دیگر عنوانات کے ماتحت بکثرت ایسے شعر درج کئے جا چکے ہیں جو اس عنوان کے ماتحت آ سکتے تھے، مگر ہم یہاں پر بھی شعر مثالاً درج کرتے ہیں

ہمارے خانۂ دل کو اگر کیا برباد | کہیں جگہ نہ ملے گی تری تمنا کو
یہ بیہوشی کہاں کی اے شبِ غم صورتِ موسیٰ | مگر کیف مئے دیدار ہے دردِ جدائی میں
وسعت ہے ذوقِ مستی بلبل کیواسطے | لبریز، رنگِ بادہ سے ہے جامِ بوئے گل

سمجھو ہمارے عشق کی حد اپنے حسن سے — آئینہ دار حالتِ بلبل ہے روئے گل
جز عشق کس میں قوۃ ادراکِ نازِ حسن — بلبل کے اشکِ غم سے بڑھی آبروئے گل

ان شعروں سے معنی آفرینی کی شان ہویدا ہے۔ گو بلند معیار نہ ہو۔
مشرقی شاعری کا ایک جزو مبالغہ بھی ہے اور کسی حد تک جائز بھی رکھا گیا ہے

اسی خط سے سمجھ لو کیسی ظلمت ہے جدائی میں — سوادِ دردِ فرقت ہے، جو حل ہے روشنائی میں
بندھا ہے جس میں کچھ مضمون اپنی ناتوانی کا — بہ مشکل قافیہ اس شعر کا پہلو بدلتا ہے

پہلے شعر میں ایک قسم کی کیفیت پائی جاتی ہے، مگر دوسرا شعر تو بالکل لکھنؤ کی انداز کا ہے، جس میں مطلق کوئی کیف نہیں۔

استعارہ | میخانہ میں وہ آئے جو اُترے فنا کے گھاٹ — شمشیرِ موج بادہ بہت آبدار ہے
یاں تک پہونچا تو سہی لیکن فنا ہونے کے بعد — جادۂ راہِ طلب تھا یا دمِ شمشیر تھا

استعارات و تشبیہات کی خوبیاں آسی کے کلام میں کم پائی جاتی ہیں مگر بالکل مفقود نہیں ہیں

روانی و صفائی | کلامِ آسی اس حیثیت سے بہت ممتاز ہے کہ اس میں روانی و صفائی خاص طور سے پائی جاتی ہے اور یہ ایسی صفت ہے جو آسی کے یہاں عام ہے۔ بہت کم شعرِ آسی کے یہاں آپ کو ایسے ملیں گے جن میں ثقالت و افسردگی پائی جاتی ہو اور یہ ایک ایسی صفت ہے جو شعر کی دلکشی اور دل پذیری و شگفتگی میں پسندیدہ اضافہ کر دیتی ہے ملاحظہ فرمائیے :-

اے پیرِ مغاں خون کی بو ساغر سے ہے — توڑا جسے ساقی نے وہ پیمانۂ دل تھا
ذوقِ غم و اندوہِ محبت کے ہیں صدمے — جو داغ دیا تم نے وہ جانۂ دل تھا
اسرار ترے معدنِ انوار تھے جس میں — کعبے میں بھی دور رہے میخانۂ دل تھا
ہر موجِ نفس سینے میں اک قلزمِ خوں ہے — کیا میرے تصور میں کچھ افسانۂ دل تھا
آسی نے بجز تیرے جہاں کچھ بھی نہ دیکھا — وہ عالمِ ہو گوشۂ ویرانۂ دل تھا
ہاں پھر اے واعظِ مشفق مری تقصیر معاف — دھیان دور سے گل رنگ و مزامیر میں تھا
دنیا میں اٹھا لاتی ہے فردوس بریں کو — بدمستی صہبا و مزامیر ہماری

آخری دو شعر علاوہ روانی و صفائی کا عمدہ نمونہ ہونے کے شوخی کی بہترین مثال ہیں۔

تجنیس لفظی | صنائع اور بدائع کی طویل، بے مزہ فہرست میں تجنیس لفظی کی طلسم بندی بھی شامل ہے یعنی کسی ایک لفظ کو لے کر اس کے ہم معنی یا ہم صورت دوسرے لفظ کے وہی معنی فرض کرکے بالکل برعکس ایک ایسا خیال پیدا کر لینا، جسکی کوئی واقعیت نہ ہو مگر عاشق بھولے بھالے دل کی طفل تسلی کا سامان بہم پہونچاتا ہو۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ سامان تسلی بھی اس کے اندر ہو بلکہ صحیح تعریف اس کی شاید "مغالطہ دہی" کے لفظ سے ہو سکے۔ شعرائے دہلی اس خبط میں کبھی نہیں پڑے، البتہ لکھنؤ کے مذاق کی یہ خاص چیز تھی، چنانچہ اساتذہ لکھنؤ کے یہاں آپ کو اس قسم کی بے کیف صنعت گری ضرور ملیگی۔

آسی بھی، کبھی کبھی اپنی جولانی طبع دکھلا جاتے ہیں اور شاید قدرت کلام کے اظہار کے طور پر چند شعر مذکورہ بالا قسم کے بھی لکھدیے ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

نہ جائے گا بھلا کوئی بھی مرنا اپنے دشمن کا — بہت خوش ہوں جو سنتا ہوں کہ تیرے غیر مرتے ہیں

دل دہی غیر کی اور آپ یہ سچ ہے کہ غلط — آپ معشوق ہیں کیا جانیں بھلا دل دینا

عدو کو بھی ہماری طرح وہ بیدل کریں یارب — خدا نا کردہ کیوں فرق آئے ان کی دلربائی میں

بھلا یار دلسوز ملتا ہے کس کو — جلایا دل اس نے تو شکوہ نہیں ہے

ان چار شعروں میں الفاظ کی ہم جنسیت سے کیسا گورکھ دھندا طیار کیا گیا ہے۔

لکھنویت | اگرچہ حضرۃ آسی کا کلام تمام تر اسی سلیم المذاقی پر مبنی ہے، جو اساتذۂ دہلی کی تنہا میراث ہے اور ان کا عام رنگ تغزل دہلی کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے، جو وجدان صحیح کے لئے سرمایہ کیف و سرور ہے مگر یہ بے انصافی ہوگی اگر ہم آسی کے ان اشعار کا انتخاب نہ پیش کریں جو انھوں نے لکھنؤ کے رنگ میں کہے ہیں، لیکن ہمارا خیال ہے کہ کلام آسی میں جو لکھنویت کی جھلک کہیں کہیں نظر آجاتی ہے وہ ان کا اصلی رنگ نہیں ہے اور نہ ان کا پاکیزہ مذاق شعر لکھنؤ کے اس بے مزہ، بار تصنع اور رعایات لفظی کے بے کیف الجھنوں کا متحمل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سارے دیوان میں مشکل سے بیس پچیس شعر آپ ایسے تلاش کر سکیں گے جن پر لکھنویت کا اطلاق ہو سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر ایک آدھ شعر کہہ جایا کرتے تھے، جس کی غرض غالباً اس کے سوا کچھ نہ ہوگی کہ آسی کی طبع رسا اس راستہ پر بھی بہ آسانی چل سکتی ہے۔ اب ذرا چند شعر سن لیجیے۔

وعدہ کی شب بھیجدیتے ہیں تصویر مانگ کا — جب انھیں آنا نہیں تو راہ دکھلاتے ہیں کیوں

میرے بینوش نے اک روز کلی منہ سے چھینکی تھی — حباب بحر جام بادہ بن بن کر ابھرتے ہیں
عداوت ہے سیہ چشموں کو ہم سے بعد مردن بھی — لحد پر جو اُگا سبزہ ہرن آ آ کے چرتے ہیں
غم دنداں میں اشک ابر نیساں ہیں مری آنکھیں — دُر نایاب بن جاتا ہے جو آنسو نکلتا ہے
ان آنکھوں کی قسم کچھ گرمی دل کم نہیں ہوتی — خیال جنبش مژگاں اگر پنکھا بھی جھلتا ہے
مرے آنسو بھی پونچھے یار نے دھانی دوپٹے سے — ہوا سرسبز آخر اشک بے تاثیر کا دانہ
بال زلفوں کے نہیں عشاق سیہ بخت نہیں — جب نہ تب سامنے سے اُن کو ہٹاتے کیوں ہو
مفت ملتا ہے جو پیر دو گے تو پچھتاؤ گے — ایک بوسے سے زیادہ نہیں قیمت دل کی

حقیقت یہ ہے کہ آسی کے دامن سخن سنجی پر یہ ایک بدنما دھبہ ہے اور مذاق سلیم ایک لمحہ کے لئے اس انداز سخن طرازی کو گوارا نہیں کرتا، لیکن اس رنگ کے جو چند شعر دیوان آسی میں پائے جاتے ہیں۔ وہ آسی کے اصل رنگ کو اور بھی نمایاں کر کے دکھاتے ہیں جس طرح چاند جب تاریک بادلوں کا پردہ چاک کر کے نکلتا ہے تو اس کی دلکشی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

خلاصہ اب ہم دیوان آسی سے کچھ تھوڑا سا کلام درج کر کے اس مضمون کو (جو امید سے زیادہ طویل ہو گیا ہے مگر کیا کیجئے کہ لطیف بود حکایت دراز تر گفتم) ختم کرنا چاہتے ہیں، مگر اس سے قبل یہ کہہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کلام آسی، کمزوریوں اور فرو گذاشتوں سے پاک نہیں ہے، حروف علت کا سقوط وہ عام طور پر جائز رکھتے ہیں، بعض ایسی تشبیہیں بھی اُن کے یہاں موجود ہیں جن کی صحت میں کلام ہے۔ حشو اور بے ضرورت الفاظ کا بھی استعمال کر جاتے ہیں۔ جو صرف شعر پورا کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ بعض جگہ ترکیبیں بھی نہایت ثقیل اور بے مزہ پائی جاتی ہیں اور کبھی کبھی غلط محاورہ بھی استعمال کر جاتے ہیں، تعقید و ایطا کی بھی مثالیں موجود ہیں اور ایک دو جگہ مضمون کی بے ربطی و ناہمواری بھی چشمک زنی کر رہی ہے اور وہ باتیں جن کو حضرات لکھنؤ عام طور پر معیوب سمجھتے ہیں بالخصوص خاندان ناسخ جن باتوں پر قلم نسخ کھینچ کر منسوخ قرار دے چکا ہے۔ آسی اساتذہ دہلی بالخصوص حکیم مومن کی طرح ان کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ متروکات کے استعمال پر بھی جری معلوم ہوتے ہیں مگر اس معاملہ میں مذاق سلیم کو قرار دے کر ایسی جرأت کرتے ہیں، جیسا کہ عہد حاضر میں اور بھی سخن سنج حضرات مثلاً مولانا حسرت موہانی۔

لیکن اس قسم کی فرو گذاشتیں برائے نام پائی جاتی ہیں اور باوجود ان کوتاہیوں کے مجموعی حیثیت سے آسی کا دیوان سدا بہار پھولوں کا ایک ایسا گلدستہ ہے، جس کی عطر بیزی مشام جان کو معطر کرتی ہے واقعہ یہ ہے کہ دیوان

آسی کے اندر روحِ ادب کی کیف پروری کا اس قدر ساماں موجود ہے کہ جو چند فروگذاشتیں پائی جاتی ہیں اُن پر نظر ہی نہیں پڑتی۔

ذیل میں ہم دیوانِ آسی میں سے ایسا انتخاب درج کرتے ہیں جس سے اُن کے عام مذاقِ سخن سنجی کا اچھی طرح اندازہ ہو جائیگا:-

کچھ کہوں، کہنا جو میرا کیجئے
چاہنے والوں کو چاہا کیجئے

کس کو دیکھا اُن کی صورت دیکھ کر
جی میں آتا ہے کہ سجدہ کیجئے

فتنے سب برپا کئے ہیں حسن نے
میری الفت کو نہ رسوا کیجئے

ہو مسلم وسعتِ ذوقِ نظر
قطرے میں جب سیرِ دریا کیجئے

دیکھتے کعبہ ابرو کو تو سجدہ کرتے
پاتے اس مصحفِ عارض کو تو چوما کرتے

عالم اِک آئینہ خانہ ہے ترے جلوے کا
ہم جدھر دیکھتے آخر تجھے دیکھا کرتے

دل ملا ہم کو ازل میں تو کسی نے نہ کہا
روگ ہے یہ اسے چھاتی سے لگاتے کیوں ہو

پھونک دو نخلِ دلِ زار کو جڑ روگ کی ہے
شجرِ وادیٔ ایمن کو جلاتے کیوں ہو

بدمست پڑا ہے محتسب بھی
اے موسمِ گل ترا بھلا ہو

تدبیرِ خدنگِ جلوہ کیا ہے
دل تھامے ہوے پڑے کھڑا ہو

راہ وہ چلئے کہ غیرِ جذبِ کامل سر نہو
نقشِ پا تک گم ہو میل راہ بھی رہبر نہو

ہونٹھ سوکھے اور آنکھیں تر ہیں چہرہ زرد ہے
تہمتِ عشق اس بڑھاپے میں کہیں مجھ پر نہو

وہ طریق پیرِ میخانہ سے ہے بہکا ہوا
جادۂ راہِ فنا جس کو خطِ ساغر نہو

کیجئے پیدا لطافت ہے اگر شوقِ عروج
طائرِ جاں اڑنے میں محتاجِ بال و پر نہو

آنسو آنکھوں میں بھر آئے سن کے آسی کا کلام
درد ہو دل میں تو باتوں میں اثر کیوں کر نہو

ہے عشق[۱] وہ شعلہ کہ پھنکا جاتا ہے تن من
اس آگ کو بھڑکا کے خودی میری جلا دو

موسیٰ کی طرح گر پڑے غش کھا کے خدا لی
برقعِ رُخِ روشن سے ذرا سا جو ہٹا دو

سوتا ہے اُسی نیند میں غافل ابھی آسی
اپنے قدمِ پاک کی ٹھوکر سے جگا دو

---

[۱] یہ تینوں شعر صغر سنی کے ہیں

[redacted]

نہیں ممکن ہے لٹیروں سے حفاظت دل کی
پھر آؤں انھیں چل کریں امانت دل کی

کعبہ ہوا بردوں کا اور محبت کی نماز
اقتدا عاشق بے دل کی امامت دل کی

وہ اور رجوع ہم سے یہ تقدیر ہماری
کچھ اُن کی خطا اس میں نہ تقصیر ہماری

شاگرد ہے کس کا فلک پیر ستم میں
گردش میں تو اُستاد ہے تقدیر ہماری

دنیا میں اُٹھا لاتی ہے فردوس بریں کو
بدمستی صہبا ہے مزا میر ہماری

آنکھیں پائی ہیں غم فرقت میں رونے کے لیے
آستینیں ہاتھ آئی ہیں بھگونے کے لیے

قطرہ ہائے اشک حسرت کو نہ لا حاصل کہو
مزرع امید میں دانے ہیں بونے کے لیے

قافلہ منزل کو جا پہونچا مگر مثل غبار
رہ گئے ہیں ایک ہم برباد ہونے کے لیے

صبح دم دم توڑتی تھی اور یہ کہتی تھی شمع
ہائے اس محفل میں ہم آئے ہیں رونے کے لیے

رنج و غم کے واسطے اسباب کی حاجت نہیں
آنکھ کب درکار ہے شبنم کو رونے کے لیے

سارے عالم میں تری خوشبو ہے
اے مرے رشک گل کہاں تو ہے

نظم عالم کہ لاجواب ہے
فرد اس میں وہ بیت ابرو ہے

ایک دم میں ہزار دفتر طے
چشم حسرت غضب سخنگو ہے

تجھکو دیکھے پھر آپ میں رہ جائے
دل پر اتنا کسی کو قابو ہے

وصل ہے پر دل میں اب تک ذوق غم پیچیدہ ہے
بلبلا ہے عین دریا میں مگر نم دیدہ ہے

بے حجابی یہ کہ ہر صورت میں جلوہ آشکار
گھونگھٹ اس پردہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

دل کی وہ وسعت کہ نقطے سے بھی کم ہیں آسمان
جسم یہ لاغر خط وہمی ہے جو کاہیدہ ہے

فتنہ زار حشر سب سمجھے ہیں پیدا ان کو ہو
دامن ناز نگہ کا گوشہ جنبیدہ ہے

دیجئے کس چیز سے تشبیہہ ترے حسن کو
ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوا نادیدہ ہے

دم بخود رہے ود کیوں رسوا ہو مجھکو چھیڑ کر
غیر دریا بلبلے میں اور کیا پوشیدہ ہے

اتنے بت خانوں میں سجدے ایک کعبہ کی عوض
کفر تو اسلام سے بڑھ کر ترا گرویدہ ہے

حشر میں منہ پھیر کر کہنا کسی کا ہائے ہائے
آسی گستاخ کا ہر جرم نابخشیدہ ہے

دیکھئے حوریں دکھائی جاتی ہیں
امتحان عاشق بیتاب ہے

میری آنکھیں اور دیدار آپ کا ۔۔۔ یا قیامت آگئی یا خواب ہے

دلِ عاشق میں قلق حد سے سوا ہوتا ہے ۔۔۔ ذکرِ محبوب بھی اندوہ فزا ہوتا ہے

حُسن کی چارہ گری کا ہے بڑا شور مگر ۔۔۔ دردِ الفت کہیں محتاجِ دوا ہوتا ہے

دلربائی تری ہر بار نرالی نکلی ۔۔۔ واہ رے حُسن کہ ہر جلوہ نیا ہوتا ہے

دل جو تھا خاص گھر اس کا نہ بنایا افسوس ۔۔۔ مسجد و دیر بنایا کرو کیا ہوتا ہے

زخمِ دل ہم دکھا نہیں سکتے ۔۔۔ دل کسی کا دکھا نہیں سکتے

ہاں وہ صورت دکھا نہیں سکتے ۔۔۔ کیا صدا بھی سُنا نہیں سکتے

لذت اک گو نہ چاہیے مجھ کو ۔۔۔ کیا وہ دل بھی دُکھا نہیں سکتے

اُن کو گھونگٹ اُٹھانے میں کیا عذر ۔۔۔ ہوش میں ہم جو آ نہیں سکتے

مانگتے موت کی دعا لیکن ۔۔۔ ہاتھ دل سے اُٹھا نہیں سکتے

میرے سر شوریدہ کو محرم نہ رکھنا ۔۔۔ سُنتا ہوں کہ چوکھٹ تری ماوائے جہاں ہے

پھر مزاج اس رند کا کیونکر ملے ۔۔۔ جس کو اسکے ہاتھ سے ساغر ملے

یہ بھی ملنا ہے کہ بعد از صد تلاش ۔۔۔ حدِ وہم و فہم سے باہر ملے

میری آنکھیں اور اس کی خاکِ پا ۔۔۔ تیرے کوچہ کا اگر رہبر ملے

کعبہ، بتخانہ، کلیسا، صومعہ ۔۔۔ پھرتے ہیں در در کہ تیرا در ملے

ملنے سے پہلے فنا ہونا ضرور ۔۔۔ پھر فنا جو ہو گیا کیونکر ملے

آسی گریاں ملا محبوب سے ۔۔۔ گل سے شبنم جس طرح رو کر ملے

بعد مردن ہو تو ہو اسے پسند گو یہ تجربہ ۔۔۔ عشق بازوں کا سکوں اچھا کہ اچھا اضطراب

غمزے ہیں جس میں حُسن کے عشق ہے اس نگار کا ۔۔۔ چوٹ ہے جس میں عشق کی حُسن ہے میرے یار کا

لاکھ گلے لگائیں وہ رنگ نہیں ہے قرار کا ۔۔۔ موجۂ بوئے گل ہوں میں اُنکے گلے کے ہار کا

اوپر جو انتخاب دیا گیا ہے اس میں کوشش کیگئی ہے کہ ہر رنگ کا کلام کچھ کچھ قارئینِ نگار کے نظروں سے گذر جائے دیوانِ آسی میں چند خمسے اور رباعیاں بھی ہیں، رباعیاں معمولی درجہ کی ہیں، اور خمسے بھی ایسے ہی ہیں ۔

۱۱۲

نقوش مانی

ہے بحث تو یہ کہ دل حریفِ بلائے الفت ہے یا نہیں ہے
نہ یہ کہ الفت مری تقضا ہے تمھاری تیغِ ادا نہیں ہے

کبھی نہ بولوں گا، یہ تو میرے سکوت کا مدعا نہیں ہے
ترا یہ شیوہ ہے ناز بیجا، میں کیا کہوں کہ روزِ جزا نہیں ہے

عبث بلا اپنے سر پہ لیتے ہو پائے زنجیر کر کے مجھ کو
ادب سے لگ جاؤ ننگ کہتے ہیں کہ ننگ ملکِ غدا نہیں ہے

گدا کو دم بھر میں یا الٰہی تو بخش دیتا ہے تاجِ شاہی
مجھے دو عالم عطا کر، ترے خزانہ میں کیا نہیں ہے

نہیں، نہ سمجھو کہ میں بھی ہوں ان تمھاری بربادیوں پہ نازاں
مگر کہاں جاؤں تیغ تم سے کہیں راستہ نہیں ہے

اجل تو تھی ہی، مگر تقاضا ہے روحِ وصل و فرقت کی جاں وہی ہیں
تم آگئے بس یہی تمنا تھی، اب کوئی مدعا نہیں ہے

نہیں ہو تم ملتفت ابھی اس لئے ہے دعوائے پاکبازی
وفا جسے کہہ رہا ہے مانیؔ، فریب ہے، یہ وفا نہیں ہے

کلام شاد عظیم آبادی

دل اپنی طلب میں صادق تھا گھبرا کے سوئے مطلوب گیا
دریا سے یہ موتی نکلا تھا، دریا ہی جو کر ڈوب گیا

پیری میں جوانی کا قصہ، کس منہ سے کہوں شرم آتی ہے
وہ جوش گیا، وہ آن گئی، انداز گیا، اسلوب گیا

بے راحلہ و بے زادِ سفر، رحمت پہ بھروسہ کر کے فقط
دنیا کی سرا سے جو اٹھ کر اس طرح گیا وہ خوب گیا

طاقت جو نہیں اب حیرت سے تصویر کا عالم رہتا ہے
وہ آخرِ شب کی آہ گئی، وہ نعرۂ یا محبوب گیا

کوچے میں ترے اب شادؔ نہیں، الحمد کہ کر دی پاک زمیں
صد شکر سرائے فانی سے آخر وہ سگِ معیوب گیا

جذبات خالد

سکوتِ نبض کا، ہاں، انتظار باقی ہے
نہ کھینچو تیر ابھی جانِ زار باقی ہے

بلاکشانِ محبت کی پوچھتے کیا ہو
ہنوز ذوقِ رسن، شوقِ دار باقی ہے

سرِ لحد یہ قیامت کی دی صدا کس نے
اٹھو اٹھو ستمِ روزگار باقی ہے

کسی کے ظلم کا یہ معجزہ ہے یا دھوکا
مٹے ہوؤں کا نشانِ مزار باقی ہے

نہ سوؤ خالدؔ ابھی، ہے صدائے عالمِ غیب
کہ صبر صبر، شبِ انتظار باقی ہے

حرکت کے کرشمے

عالم جمادات، حیوانات و اجتماعیات میں

(۲)

حرکت دوری کا عموم اگلے بیان سے واضح ہو چکا ہے کہ ہر جسم متحرک کم از کم دو مختلف قوتوں کے زیر اثر متحرک ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی حرکت، دوری ہو، عام اس سے کہ یہ دوری حرکت دائرے میں ہو یا رقاص کی طرح صعود و ہبوط کے طریقے پر

اگر دوری حرکت پر باقاعدہ قوتوں کا اثر ہوتا ہے تو حرکت بھی باقاعدہ اور ایک نظام کے ماتحت ہوتی ہے ورنہ بے قاعدہ اور غیر نظامی۔

اجرام سماوی اپنے مدارات پر باقاعدہ اور ایک نظام کے تحت میں حرکت کرتے ہیں اور اجرام سماوی کی دوری حرکتیں زمین پر تمام دوری حرکات کا سبب ہوتی ہیں فصول اربعہ کا ... زمین کی حرکت دوری کا نتیجہ ہے جو نور و حرارت کے انفعال اور جاذبیت کے باہمی تبادلے سے پیدا ہوتی ہے۔

سمندر کا پانی حرارت شمسی سے معین اوقات میں بخارات بنکر مرتفع ہوتا ہے پھر پانی بنکر مخصوص موسم میں ... زمین پر بہتا ہوا سمندر میں چلا جاتا ہے۔

ہوائیں عام طور پر زمین سے خط استوا کی طرف اور ہوا کے بلند طبقات میں خط استوا سے قطبین کی طرف چلتی ہیں، یہ بھی ایک دوری حرکت ہے جو عام حرکت دوری سے پیدا ہوتی ہے۔

سطح زمین کے نباتی اور حیوانی مظاہر حیات، یہ بھی دوری حرکتیں ہیں جو تولد، نمو، تولید اور موت سے ظاہر ہوتی ہیں

عالم حیوان کی تمام حرکات، دورہ خون، ضربات قلب، حرکات تنفس، حرکات عصبی وغیرہ تمام حرکات دوری ہیں۔

یہی حال عالم نباتات کا ہے۔ موالید ثلثہ کے علاوہ سیاسی اور اقتصادی حرکات جو اجتماع بشری میں ہوتی رہتی ہیں یہ بھی دوری حرکات ہیں، جن کا نتیجہ انقلابات حکومت، تغیرات قوانین و احکام اور تجارتی منڈیوں کے اترنے اور چڑھنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے

میکانیکی حرکات بھی حرکات دوری کے اصول پر منطبق ہیں، میکانک آلات کی تمام حرکتیں دوری ہوتی ہیں۔

قوت برقی جو اکثر میکانک آلات کو حرکت دیتی ہے اس کی رو بھی حرکت دوری ہے

گذشتہ تمام مثالوں سے واضح ہوگیا ہوگا کہ جس قدر حرکات ہمارے احاطۂ احساس میں واقع ہوئی ہیں وہ سب دَوری ہیں۔

حرارت اور نور کا ذریعہ | قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آفتاب جو زمین سے ۹ کروڑ میل سے زیادہ دور ہے کس واسطے ہم تک حرارت پہونچاتا ہے۔ یعنی ہمارے اور آفتاب کے درمیان وہ کونسی چیز ہے جو حرارت کو ہم تک پہونچا دیتی ہے، چونکہ حرارت میں ایک قسم کی حرکت ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے اور آفتاب کے درمیان ایک واسطہ ہونا چاہئے جو آفتاب کی حرارت کو زمین تک پہونچائے۔

فضائے عالم میں حرارت و نور کے انتقال کے لئے علمار نے ایک ایسے مادہ کو تسلیم کر لیا ہے جو ہوا سے صدہا درجہ لطیف ہے۔ اس مادہ کو اثیر یا ایتھر کہتے ہیں تمام اجزا فلکی ایتھر میں ڈوبے ہوئے ہیں یہی مادہ لطیفہ حرارت اور نور پہونچانے کا ذریعہ ہے چونکہ علی الاطلاق کائنات میں صرف دوری حرکات ہوتی ہیں اس لئے یہ واسطہ بھی دوری حرکت کرتا ہوا روشنی اور نور کو منتقل کرتا ہے، ایتھر کی حرکت دوری، امواج کی شکل میں ہوتی ہے، چونکہ نور حرارت سے بہت زیادہ سریع حرکت کرتا ہے (یعنی ایک سکنڈ میں ۱۸۶۰۰۰ میل) اس لئے امواج نور کی بمقابلہ حرارت کے زیادہ سریع ہوتی ہے اور وہ ہم تک پہلے پہونچتی ہے

فضائے عالم میں ایتھر کا فرض کرنا علمار کا ایک نظریہ ہے جس پر اُس وقت تک عمل رہیگا جب تک کوئی دوسرا نظریہ اس کے خلاف ثابت نہ ہو۔

لیکن اس سے زیادہ متعجب خیز بات یہ ہے کہ ایتھر کی امواج زمین تک صرف روشنی اور حرارت ہی کو نہیں پہونچاتیں، بلکہ تمام ارضی حرکات وانقلابات پر بھی ان کا زبردست اثر پڑتا ہے اور نور و حرارت سے مختلف قسم کی حرکتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے:-

ایتھر کی موجیں، زمین کے ذرہ ذرہ سے آکر ٹکراتی ہیں اور اس میں مختلف کیفیات پیدا کرتی ہیں، بعض عناصر کو بعض سے ملاتی ہیں اور بعض کو آپس میں تحلیل کرتی ہیں۔ بعض مادی مرکبات میں خاص قسم کی قوت پیدا کرتی ہیں اور بعض سے قوت کو سلب کر لیتی ہیں اور ان اثرات کی ہمہ گیری یہاں تک ہے کہ کائنات کا کوئی ذرہ اس سے خالی نہیں ہے تمام عالم ارضی اس کی وجہ سے ایک دائمی حرکت میں ہے۔ جس کی کیفیت کے ادراک تک عقول بشری نہیں پہونچ سکتیں، ذیل میں ہم ان تموجات کی حتی الامکان تفصیل پیش کرتے ہیں۔

حرکت دوری کا انتقال ہوا میں | اس بحث کے سمجھنے کے لئے ہم امواج ہوا اور اس کی تاثیرات کا ذکر کرتے ہیں،

جو خاص خاص اجسام پر ہوتی ہیں۔ لہذا ہم کو پہلے تار کے اہتزازت کو سمجھنا چاہیئے۔ تار کا قاعدہ ہے کہ اسکی آواز کی بلندی اور پستی تار کے اہتزازات کی نسبت سے ہوتی ہے، یعنی ایک سکنڈ میں جس قدر سرعت سے تار میں اہتزازات ہوتے ہیں اسی قدر آواز بلند ہوتی ہے اور اہتزازات کی سرعت تار کے طول اور اس کی دبازت اور تناؤ پر موقوف ہے، چنانچہ ستار کے تاروں سے یہ تمام باتیں بخوبی سمجھ میں آسکتی ہیں۔

ماہرینِ اصوات نے ہر نغمہ کے اہتزازت کو شمار کرلیا ہے اور وہ بتا سکتے ہیں کہ ایک نغمہ کو دوسرے نغمہ کے ساتھ باعتبار اعداد کے کون سی نسبت ہے، لندن کی مجلسِ موسیقی نے اہتزازات کا قیاس کرنے کے لئے ایک خاص معدنی کانٹے کو معیار مقرر کیا ہے اور اسی کی نسبت سے تمام نغمات کی نسبت معلوم کرتے ہیں۔

موسیقی کے بولوں کی باہمی نسبت اور فی ثانیہ ان کی تعداد ذیل کے جدول سے معلوم ہوگی۔

بولوں کے نام	=	سا	رے	گا	ما	پا	دھا	نی	سا
اہتزازات فی ثانیہ	=	۲۶۴	۲۹۷	۳۳۰	۳۵۲	۳۹۶	۴۴۰	۴۹۵	۵۲۸
سب سے کم درجہ کی نسبت	=	۲۴	۲۷	۳۰	۳۲	۳۶	۴۰	۴۵	۴۸
نسبت کسری	=	۱	$\frac{9}{8}$	$\frac{5}{4}$	$\frac{4}{3}$	$\frac{3}{2}$	$\frac{5}{3}$	$\frac{15}{8}$	۲

اس جدول کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اگر تم ہر نغمہ کے اہتزازات کو ۱۱ پر تقسیم کروگے تو دوسری سطر کے ہندسے حاصل ہونگے اور اگر سا اول اور سا ثانی کی نسبت کو دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ ثانی سا کے اہتزازات اول سے دوچند ہیں اور تیسری سطر سے سب سے کم درجہ کی وہ باہمی نسبت معلوم ہوگی جب کہ سا اول کو ایک فرض کیا جائے۔

محاکاتِ موسیقی اہتزازات کی باہمی نسبتوں کے ذہن نشین کرنے کے بعد ہم یہ بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ستار کے ایک تار کو حرکت دی جائے اور باقی تار ساکن چھوڑ دئے جائیں تو ان میں کیونکر جوابی نغمات پیدا ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ تار کے اہتزاز سے ہوا میں موج پیدا ہوتی ہے اور ایک تار میں جس قدر اہتزازات پیدا ہوں گے اسی قدر ہوا میں موجیں پیدا ہونگی، مثلاً جس تار میں ۲۶۴ اہتزاز ہوتے ہیں وہ ہوا میں ۲۶۴ موجیں پیدا کریگا اور اہتزازات میں جس تناسب سے اختلاف ہوگا وہی تناسب امواج میں بھی محفوظ رہے گا۔ اگر تم تار پر ضرب دو تو اس کی موجیں تمام تاروں سے متصادم ہونگی اور وہی اہتزازات اور آواز پیدا کرینگے اور جس قدر شدت سے تار پر ضرب لگائی جائیگی، اسی قدر دوسرے تاروں کے اہتزازات اور نغمات آسانی سے محسوس ہوسکیں گے۔

الحاصل ایک تار اپنے اہتزازات اور امواج کا اثر دوسرے تار میں پیدا کرسکتا ہے اور اس انتقال اہتزازات

[redacted]

میں اہتزاز کے اعداد اور ان کی نسبت باہمی محفوظ رہتی ہے۔ یہ انتقال کیا چیز ہے؟ یہ دوری حرکت کا انتقال ہے جو بذریعہ ہوا ایک تار سے دوسرے تار میں منتقل ہوتا ہے۔

قانون محاکات کا عموم | جب مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ ہر جسم جو دوری حرکت کرتا ہے وہ دوسرے جسم میں بھی ویسی ہی حرکت پیدا کر دے سکتا ہے، تو ظاہر ہے کہ ایک گھڑی کا رقاص دوسری گھڑی کے رقاص کو حرکت دے سکتا ہے، بشرطیکہ وہ ہوائی موج جو حرکت رقاص سے پیدا ہوتی ہے، ساکن رقاص کو بھی متحرک کر سکتی، مگر وہ اتنی شدید نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ پیدا ہو سکتا، مگر کم از کم یہ ضرور ہوتا ہے کہ جب دو رقاص قریب قریب ایک دوسرے کے مخالف حرکت کر رہے ہوں تو ہوائی موج دونوں کی حرکت کو موافق کر سکتی ہے، چنانچہ امتحان کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے۔

محاکات حرکت دوری (امواج ہوائی) کے ذریعہ سے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتی ہے۔ اس کا انتقال بھی امواج ایتھر ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے جس طرح امواج ہوائی حرکت دوری ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل کرتی ہے اسی طرح امواج ایتھر روشنی اور حرارت کو ایک جسم سے دوسرے میں لے جاتی ہیں، البتہ تمام اجسام میں یہ قابلیت نہیں ہے کہ وہ مساوی طریقہ سے نور و حرارت کو قبول کریں، اس لئے اگر ایک جسم ایتھر کی امواج نور و حرارت سے متاثر ہوتا ہے، تو اس کے قریب والا جسم اگر قبول نور یا حرارت کی قابلیت رکھتا ہے، نور روشنی و حرارت امواج ایتھر کے واسطے سے اس دوسرے جسم میں بھی منتقل ہو جاتی ہے۔

بعض آمریجات: ماں کا خزانہ، گھر کا مسند حکمراں، صبح کا تارا، دوپہر کا سیاح اور آدھی رات کی خوشنمائی ہے۔

انسانیت کی تازہ ترین اشاعت، جس سے بہتر ہالڈین کی نگاہ میں اور کوئی اشاعت نہیں ہو سکتی، ہر ملک کا باشندہ، مگر زبان کسی کی نہیں جانتا۔

عجوں عالم، بیچ بیلا ارتقاریوں کا ایک پشت مجموعہ

دو دھیر تنے ہوئے ننھا سا اجنبی جس کے پاس دلوں کی بہترین پیشت حاصل کر لینے کا پاس ہے

سید ہادی علی خاں　　　　(ماخوذ)

اسلام میں سلطنت کا مفہوم

(بسلسلۂ اشاعت گزشتہ)

زمانۂ راشدہ کے خلفاء کے لئے "بہترین تزئین" یا لقب کافی سمجھا جاتا تھا، حضرت ابوبکرؓ تو یہ خطاب بھی قبول کرنے پر رضامند نہیں ہوئے تھے، لیکن بنوعباس نے اپنے آپ کو ایسے خطابات سے یاد کئے جانے کی اجازت دیدی تھی، جس کا اسوقت تک صرف پیغمبر صلعم کی ذات پاک پر اطلاق ہوتا تھا یعنی "اشرف المخلوقات" خلفائے بنوعباس کو ناز تھا کہ خدا تعالیٰ نے اُن کو حکمرانی کے لئے پیدا کیا ہے، آٹھویں صدی ہجری تک مصر کا نقلی خلیفہ جسکو مملوک نے تخت پر بٹھا رکھا تھا دستاویزات میں "نائب اللہ فی ارضہ" لکھا جاتا تھا سلطنت اسلامیہ کی توسیع کے ساتھ مرکزی دار الحکومت (بغداد) سے دور کے صوبوں پر حکمرانی کرنے کی مشکلات میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور وہ مذہبی جوش جس نے یکجہتی پیدا کرکے قبائل عرب کو متحد بنا دیا تھا، کم ہونے لگا اور جوں جوں اجنبی لوگ زیادہ تعداد میں حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے گئے، خلافت کی وہ قومی عرب حیثیت معدوم ہو گئی غیر اقوام کے وردوست جن کی عادات و روایات متباین تھیں، آپس میں رشک و حسد کی آگ مشتعل ہو گئی اور مشرق میں ایرانی اور مغرب میں بربری اقوام کے لوگ جو حکومت خلافت کی طرف سے بیزار تھے، مطلق العنان خاندانوں کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔

اب تک عربوں کی طاقت کا انحصار صرف اُن کے قومی احساس پر تھا، لیکن جب اُنکی وہ اصلی طاقت اور روحانیت جاتی رہی اور خلیفہ ایسے اجنبی لوگوں کی امداد کا طالب ہوا، جن کو بجز اپنے ذاتی مفاد کے اور کچھ مد نظر نہ تھا۔ اور جن کو مطلق اس بات کی پرواہ تھی کہ وہ کس جانب سے لڑ رہے ہیں تو تخت اور عصائے شاہی کی وہ شان بھی جاتی رہی۔ مرکزی حکومت کی کمزوری، سلطنت کی وسعت، جس کا پورا انتظام نہ ہوسکتا تھا اور عرب مسلمانوں کے اندر قومی احساس کے ترقی پا جانے سے خلافت گھٹ کر عشر عشیر رہ گئی تھی، جن صوبوں نے خلافت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خودمختار حکومتیں قائم کرلیں اُن میں سے خاص خاص یہ ہیں

نام خاندان	نام صوبہ	مدت خاندان	نام بانی
طاہریہ	خراسان	۲۰۵ھ تا ۲۵۹ھ	طاہر ابن الحسن
صفاریہ	فارس	۲۵۴ھ تا ۲۹۰ھ	یعقوب ابن لیث

سامانی	ماوراء النہر	۲۶۱ھ تا ۲۸۹ھ	نصر ابن احمد
ساجی	آذربائیجان	۲۶۶ھ تا ۳۱۸ھ	ابو الساج
زیاری		۳۱۶ھ تا ۴۳۴ھ	مرداویج بن زیار

ترکوں کی باجگذار ریاستیں

طولونیہ	مصر	۲۵۴ھ تا ۲۹۲ھ	احمد ابن طولون
ایلک خانیہ	ترکستان	۳۲۲ھ تا ۵۶۰ھ	عبد الکریم
اخشیدیہ	مصر	۳۲۳ھ تا ۳۵۸ھ	محمد الاخشید
غزنویہ	افغانستان و ہندوستان	۳۵۱ھ تا ۵۸۲ھ	الپتگین

ہر چند خلافت کے اخیر سالوں میں خلیفہ کے پاس اس کے وسیع اختیارات شاہی میں سے بجز اس کے اور کچھ باقی نہ رہا تھا کہ سکوں پر اس کا نام کندہ ہوتا تھا اور منبر پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا "السکۃ والخطبۃ" ایک مقولہ بن گیا تھا اور مضحکہ خیز رسمیات اور بے معنی شان و شوکت ظاہر کرنے کے لئے لوگوں کا تکیہ کلام ہو گیا تھا۔

ہلاکو خاں کی بغداد پر چڑھائی کرنے کا قصہ جامع التواریخ رشید الدین میں حسب ذیل درج ہے:۔

بغداد کو روانہ ہونے سے قبل ہلاکو نے بڑے بڑے امراء اعیان سلطنت سے مشورہ کیا۔ ہر ایک نے اپنے علم و فہم کے مطابق رائے دی۔ بالآخر ہلاکو خاں نے حسام الدین نجومی سے کوئی ایک ساعت مقرر کرنے کے لئے استدعا کی۔ منجم مذکور نے جس کا دربار میں حوصلہ بڑھا ہوا تھا یونہی معمولی طور پر جواب دیدیا کہ ایسی مہم جس سے خلیفہ کے خاندان پر حملہ کرنا اور بغداد پر چڑھائی کرنا مقصود ہے کبھی سعد نہیں ہو سکتی اس نے کہا حقیقتاً جس بادشاہ نے بغداد اور بنی عباس پر چڑھائی کی ہے اس کا نہ تخت قائم رہا ہے اور نہ وہ خود زندہ رہا ہے، اس نے یہ بھی کہا کہ اگر بادشاہ سلامت میرے مشورہ پر عمل نہ کرینگے اور بدستور اپنے ارادہ میں مصر رہیں گے تو اس صورت میں چند سخت مصیبتوں کا سامنا ہوگا یعنی (۱) تمام گھوڑے مر جائیں گے اور سپاہ سخت امراض میں مبتلا ہو جائیگی۔ (۲) آفتاب طلوع نہ ہوگا (۳) بارش نہ ہوگی (۴) تیز آندھیاں چلینگی (۵) زمینوں پر درخت اُگنے بند ہو جائیں گے اور (۶) بادشاہ سال کے اندر ہی اندر مر جائیگا برخلاف اسکے بخشیوں یعنی طاؤنں نے کہا کہ بغداد پر یورش کرنا بالکل ناجائز ہے، زاں بعد ہلاکو نے نصیر الدین طوسی کو طلب کیا اور اس کی رائے دریافت کی، نصیر الدین پر خوف طاری ہو گیا اور اس نے اس خیال سے کہ یہ اس کی وفاداری کا امتحان ہے جواب

دیا "جن آفات ومصائب کی پیشگوئی کی گئی ہے ان میں سے کوئی بھی واقع نہ ہوگی، مزید برآں اس نے یہ بھی کہا "بادشاہ خلیفہ کے محلسرا میں مسند آرا ہونگے، لہٰذا اس پھر حسام الدین کو بلایا گیا تاکہ وہ خواجہ نصیرالدین سے اگر اس معاملہ میں بحث کرے، تب خواجہ نے یہ کہا کہ "مسلمانوں کا ان روایات کے بارہ میں اتفاق ہے کہ پیغمبر صلعم کے کئی اصحاب کبار اپنے مذہب کی حمایت میں جان بحق ہوئے تاہم کوئی آفت یا مصیبت نازل نہ ہوئی، اگر یہ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کو خاص استحقاق حاصل ہے تو اس بارہ میں میرا یہ جواب ہے کہ طاہر بہ تعمیل حکم خلیفہ مامون خراسان سے روانہ ہوا اور اس کے بھائی امین کو قتل کر ڈالا، خلیفہ متوکل کو امرا کے مشورہ سے خود اس کے بیٹے نے مار ڈالا اسی طرح خلیفہ مستنصر اور معتز کو امرا اور غلاموں نے قتل کیا اور کئی خلیفہ اسی طرح قتل کئے گئے اور کسی طرح کی ابتری یا بدامنی واقع نہیں ہوئی" اس سے کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ خلیفہ کو لوگ کس عزت اور ادب کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان پر اس کا کیا رعب غالب تھا۔

اب ہم ان نظریات پر غور کرتے ہیں جو اسلامی فقہا نے قائم کئے ہیں۔ فقہ اسلام میں ہم کو قانون روما کا پتہ چلتا ہے اسی طرح ان کے تخیلات میں فلسفۂ یونان اور علم سیاست کی ایسی علامات پائی جاتی ہیں کہ انہیں مغالطہ کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ بنی عباس کے عہد میں فلسفہ یونان کا مطالعہ عربی تراجم کے ذریعہ سے کیا جاتا تھا اور یونانی تصانیف سے یا کم از کم ان میں بعض سے اہل عرب کافی طور پر آشنا تھے پروفیسر [illegible] کی کوششوں کا نتیجہ آج ہمارے پاس الفارابی کی اس کتاب کی صورت میں موجود ہے جس میں اس نے اصلی ریاست کا نہایت اعلیٰ خاکہ کھینچا ہے اور یہ کتاب کم و بیش فلاطون کی کتاب موسومہ "جمہوریت" کی تقلید میں لکھی گئی ہے، یہ امر کہ الفارابی کو یونانی اصلی تصانیف کے مطالعہ کا موقع ملا مشتبہ ہے، لیکن یہ بات کافی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ اس نے ایک ایک نصرانی علامہ ابوالبشر کی وساطت سے ارسطو اور فلاطون کی تصانیف کا ضرور کچھ علم حاصل کیا ہوگا۔ علامہ مذکور نے جن تصانیف ارسطو کا عربی زبان میں ترجمہ کیا ہے وہ آج بھی پائی جاتی ہیں لیکن ان مصنفین میں جنھوں نے علم سیاست پر خامہ فرسائی کی ہے ماوردی، ابن حزم، ابن جامع، ابن خلدون اور ابن طباطبا قابل ذکر ہیں، شاید ان میں سب سے مشہور ماوردی ہے جس کی تصنیف احکام السلطانیہ بیس ابواب پر منقسم ہے اور اس کا مطبوعہ نسخہ اب بھی دستیاب ہو سکتا ہے۔ اس نے کئی سال تک بغداد اور بصرہ میں علم فقہ پر لکچر دئے۔ اس کے سامنے کئی شہروں کا عہدۂ قضاۃ پیش کیا گیا لیکن اس نے انکار کر دیا۔

ابنِ جامع بہت بعد کا مصنف ہے یہ ۶۳۹ھ مطابق ۱۲۴۱ء میں پیدا ہوا اور ۷۳۳ھ مطابق ۱۳۷۱ء میں انتقال کر گیا۔

اور موردی تمام قوموں کو دو جماعتوں میں تقسیم کرتا ہے، پہلے درجہ میں وہ لوگ شامل ہیں جن کو اختیارات انتخابی حاصل ہے اور دوسرے درجہ میں وہ لوگ ہیں جو دعویدار سلطنت تھے، موردی محض قیاسات سے اس موضوع پر بحث کرتا ہے وہ اس امر کو ملحوظ نہیں رکھتا کہ اس زمانہ کی سیاسی حالت کیا تھی وہ خلافت کو انتخاب سلطنت سمجھتا ہے اور انتخاب کنندگان اور دعویداران خلافت کیلئے جو ضروری قابلیتیں ہونی چاہئیں اُنکی تشریح کرتا ہے۔ وان کریمر لکھتے ہیں ماوردی نے دو شرطیں حذف کر دی ہیں جن کو زمانہ مابعد کے فقہا نے بڑھایا ہے یعنی سنِ بلوغ اور مرد ہونا۔

موردی بادشاہ و رعایا کے باہمی رشتہ کو بطور رشتۂ عقد تصور کرتا ہے یعنی بالفاظ دیگر وہ بادشاہ کی ذات پر خاص خاص فرائض عائد کرتا ہے جس سے وہ رعایا کے عہد متابعت اور فرمانبرداری کا مستحق خیال کیا جائے فلاسفہ کا زمانۂ قدیم ہی سے مسئلہ آغاز قانون و حکومت کے متعلق اختلاف رہا ہے۔

فقہائے عرب انتخاب کے ساتھ ایک اور طریقۂ سلطنت کو بھی تسلیم کرتے تھے یعنی یہ کہ جب ایک فرمانروا کسی کو اپنا جانشین نامزد کر دیتا تھا تو وہ اسے بھی مانتے تھے۔ یہ خیال خلفائے اولین کی تاریخی نظائر پر مبنی تھا مزید برآں یہ بات بھی مسلم تھی کہ حکمراں خلیفہ دو یا تین جانشین نامزد کر سکتا تھا جو یکے بعد دیگرے تخت پر متمکن ہوتے تھے، اس طرح پر ہارون نے اپنے تین بیٹوں کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔

ہم کو اس امر پر زور دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان دونوں طریق جانشینی میں ظاہراً بہت اختلاف تھا سردار قبیلہ کا جب تقرر ہوتا تھا تو بذریعہ انتخاب کیا جاتا تھا۔ عرب کے اس قدیم رواج انتخاب کی وجہ سے جانشین خلافت یا سلطنت کے تقرر میں بھی یہی طریقۂ انتخاب عمل میں آنے لگا۔ وصیت کے ذریعہ سے جانشینی کی نظائر خلفائے اولین بنی اُمیہ و بنی عباس میں ملتی ہیں، لیکن حکمراں بادشاہ اپنا جانشین مقرر کر بھی دیتا تھا تو بھی جمہور سے اس کے توثیق کی ضرورت ہوتی تھی اور خلیفہ اپنے بیٹے یا کسی رشتہ دار کو اپنا جانشین مقرر کر دیتا تھا تو وہ بیعت لینے کے مسئلہ کو کبھی نظرانداز نہ کر سکتا تھا۔

فقہائے متاخرین ہم کو بتاتے ہیں کہ سلطنت کے حاصل کرنیکا ایک تیسرا طریقہ تھا یعنی انتخاب بذریعہ قوت (البیعة القاھریہ) یعنی جب بدامنی پھیل جاتی تھی یا جب کوئی ایسا بادشاہ حکمراں نہ ہوتا تھا جو جمہور کی مرضی

جائز طور پر مقرر کیا گیا ہو تو کوئی دلیر پارٹی کا لیڈر جبراً تخت پر قابض ہو بیٹھتا تھا اور اہل فوج بلا کسی انتخاب اور لوگوں کی بیعت اور بلا کسی وصیت نامہ کے جماعت اسلامیہ سے اس امر کی استدعا کرتے تھے کہ اسکی اطاعت کریں تاکہ بدامنی اور خانہ جنگی نہ ہونے پائے۔

فقہ اسلام نے اپنی آخری منزل میں زیادہ طاقتور آدمی کے حق کیلئے غیر مشروط منظوری دیدی تھی پس یہ تھے وہ تین طریقے جو ایک دوسرے سے بالکل مخالف تھے، لیکن فقہائے اسلام کے قول کے بموجب ان ہی تین طریقوں سے سلطنت حاصل کی جاتی تھی۔ اب ہم اندریں باب ابن حزم کا قول درج کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ

"اہل السنت والجماعت، مرجیہ، شیعہ و خوارج جملہ فرقے امام کی ضرورت پر متفق ہیں اور قوم کی جانب سے اس کی تابعت ضروری سمجھتے ہیں، سوائے فرقہ نجدیہ کے جو امام کی ضرورت سے منکر تھا اس کا یہ اعتقاد تھا کہ لوگوں کو آپس میں انصاف کا برتاؤ کرنا چاہئے۔

جوں جوں جماعت ہائے سیاسیہ تبدریج بنتی گئیں، اسی قدر سیاسات کے اہم مسائل پر اختلاف آرا بڑھتا گیا، منجملہ اُن کے سب سے پہلا اور مقدم مسئلہ انتخاب اور جانشینی کا مسئلہ تھا۔ اُس جماعت کے لوگ جو معاملات کو اُن کی حالت پر چھوڑ دیتے تھے ہمیشہ کثیر تعداد میں ہوتے تھے اور یہ گروہ اہل سنت الجماعت کے نام سے موسوم تھا یہ ہمیشہ اُن واقعات کو جو پایہ تکمیل کو پہونچ جاتے تھے، تسلیم کرنے کیلئے طیار رہتے تھے اور اسی خلیفہ کو جائز طور پر منتخب شدہ تسلیم کرتے تھے جو دارالخلافت کے نہایت بارسوخ اشخاص کے ذریعہ منتخب کیا جاتا تھا، برخلاف اسکے ایک گروہ اہل تشیع کا تھا جو صرف حضرت علی کی اولاد کو خلافت کا مستحق سمجھتا تھا، پھر خوارج کا گروہ میدان میں آیا۔ یہ لوگ جمہوری خیالات کے مظہر تھے اور نہایت متضاد عقائد کے حامی۔ انکا یہ اعتقاد تھا کہ ہر ایک مسلمان بشرطیکہ وہ پرہیزگار اور خداترس ہو، جماعت اسلامی کا خلیفہ منتخب ہو سکتا ہے اور خوارج کا جو سب سے ممتاز گروہ تھا وہ اس بات کا مدعی تھا کہ خلیفہ یا بادشاہ کی ضرورت ہی نہیں۔ اور بجز انتہا پسندوں کے اور فرقوں کا یہ اعتقاد تھا کہ ایسے معاملات میں بہترین سند اجماع امت کی ہے، لیکن فقہ حال میں صاحب اختیار شاہی سے مراد وہ شخص یا جماعت اشخاص ہے جسکو قانوناً طاقت تفویض کیگئی ہو یعنی جو شخص بطور حق عام قواعد کی تشریح کرنے اور احکام شاہی نافذ کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

اس نقطۂ نظر سے جانچا جائے تو اسلامی بادشاہت بیشک ناقص تھی، کیونکہ بادشاہ کو فقہ اسلام میں پس انداز کرنے یا اس کے اندر تغیر و تبدل کرنے کا کوئی حق یا اختیار نہ ہوتا تھا۔ اور نہ فقہاء اسلام بادشاہت کا وہ

وسیع مفہوم سمجھتے تھے، جیسا یورپ کے لوگ سمجھتے ہیں۔

مذہب اور سیاست کا اتحاد گو حیات قومی کی ابتدائی منزلوں میں فائدہ رساں ہوتا ہے تاہم جوں جوں قومی مطمح نظر وسعت پاتا جاتا ہے، جادۂ ترقی میں موانع پیدا ہوتے ہیں اور سوسائٹی میں جمود کا مادہ سرایت کر جاتا ہے۔ زمانہ حاضرہ کے ارباب تخیل میں سب سے بڑا شخص Walter Bagehot ہے۔ اس نے نہایت عمدہ طریقہ سے صورت حال کو واضح کر دیا ہے۔ یہاں اس کا اقتباس بے محل نہ ہوگا۔ وہ لکھتا ہے۔

"لوگوں سے اطاعت کرانے کا مسئلہ دشوار ہے۔ متابعت کے حاصل کرنے کے لئے ابتدائی شرط یکسانیت ہے نہ کہ وحدانیت۔ اور یکسانیت بھی اس چیز کی جس کو ہم church (مذہب) اور State (سلطنت) کہتے ہیں۔ ڈاکٹر آرنلڈ یونانی تخیل اور تاریخ روم کے مطالعہ سے فارغ ہونے کے بعد یہ تلقین کیا کرتا تھا کہ یکسانیت زمانہ حاضرہ کے گمراہ لوگوں کا بڑا علاج ہے۔ یعنی وہ یہ تلقین ان گمراہ لوگوں کے سامنے کرتا تھا جن کے کان دوسرے خیالات سے معمور تھے۔ اور وہ مشکل سے اس کے نقطہ نظر کو سمجھتے تھے۔ یہ تلقین زمانہ حاضرہ کے لئے جس پر اس کا اطلاق کیا جاتا تھا غلط تھی، لیکن پرانی دنیا کے لئے جس سے وہ تحصیل کی گئی تھی بہت عمدہ تھی۔

اگر ضرورت ہے تو صرف ایک حکومت کی۔ خواہ تم اسے مذہب کہو یا سلطنت۔ طاقت کا منقسم کرنا خالی از خطرہ نہیں ہے۔ بادشاہ کو پیشوائے مذہب ہونا چاہئے اور پیغمبر و بادشاہ دونوں کے اقوال ایک ہی ہونے چاہئیں۔ کیونکہ وہ ایک ہی ہیں۔ تعزیر روحانی اور شرع کے مابین تفاوت کے خیال کو کبھی بیدار نہیں کرنا چاہئے۔"

بیشک اسلام میں بادشاہ اور پیشوائے دین کے فرائض ایک دوسرے سے ایسے ہی وابستہ تھے اور دونوں کے جدا کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی اور نہ کبھی کہ اس کوشش میں کامیابی ہو سکتی۔ کیونکہ مذہب وسیاست ایک دوسرے کے ساتھ منسلک تھے۔ اسلام کا بادشاہ ہمیشہ سے بحیثیت پیغمبر صلعم کا قائم مقام تصور کیا جاتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ باوجود عیوب و نقائص کے خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں بھی ان کا مذہبی اقتدار ان سے دور نہیں ہوا۔

سید وزارت علی

ملاءِ اعلیٰ کا سیاح

باب ثانی

(۱)

مرکری اور گنی میڈ اولمپس کے کمرے میں کوچ پر پڑے انگڑائیاں لے رہے تھے۔

"سخت حیرت کی بات ہے" اپالو کے بیٹے نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"مگر اس پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا" جوپیٹر کے ساقی نے ذرا اپنے پیروں کو پھیلاتے ہوئے جواب دیا۔

"ایک بدبخت انسان" دیوتا نے اپنے ابروں میں بل ڈالکر کہا۔

"محض ایک اوباش!" قریب ہی کی حسین عورت نے شانوں کو ایک جھٹکا دیکر کہا۔

"ابھی تین دن نہیں ہوئے کہ وہ خود اپنی ملعون جنس کے اندر بھی مردود تھا"

"اور آج آسمانوں میں ہر شخص پر حکومت کرتا ہے!"

"لیکن اسکی حکومت مجھ پر نہیں چل سکتی" مرکری کہنے لگا۔

"کیوں؟" گنی میڈ نے جواب میں کہا "آخر تمھارا کیا خیال ہے کیوں ایسا ہوگا؟ کل رات ہی کو خبر دار، وہ یہیں آرہے ہے"

دونوں اپنی اپنی جگہ چھوڑکر کھڑے ہوگئے اور ابھی یہی مُنہی سنائی دی جبکہ دروازہ کھول دیا گیا اور ایکزیان اندر داخل ہوا۔ وہ بہت زیادہ غصہ میں تھا۔ فراخ وکشادہ لباس پہنے ہوئے تھا اس نے ایک سلیپر کو ٹھوکر مار کر پھینکدیا۔

"اوہو! محض ...، دوشیزہ نے کہا "دیکھی دونوں جیکی مجھے ضرورت تھی۔ گنی میڈ، میرے لئے تھوڑا آب نشاط لاؤ اور مرکری تم دوڑ کر جونو کو اطلاع کردو کہ آج شام کا کھانا میں گھر میں نہ کھاؤنگا"

دونوں بیٹا پرہیزی اور آپلو سے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ ہوا جس میں اضطراب میز نفرت شامل تھی۔

"تم لوگ کس بات کے منتظر ہو؟" آئینہ کے سامنے کاکلیں درست کرتے کرتے ایکزیان نے ان کی طرف دیکھ کر کہا، اور ساقی و پیامبر نظروں سے غائب ہوگئے۔

"ہوں! یہی آسمان ہے! جگہ تو نہایت وحشتناک ہے مگر ان قابل دیوتاؤں کو اس بات کی ضرورت تھی کہ ذرا اُن کے ذہن و دماغ میں وسعت پیدا کی جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے ان کے دماغوں کو شگاف دے کر کافی کشادہ کردیا ہے۔ وہ اپنی قدیم متروک وضع کی بنا پر مجھے ذلیل کرکے رکھنا چاہتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے اُن کے محاسن میں تبدیلی پیدا کردی ہے۔ آسمانوں میں اقتدار قائم رکھنے کے لئے حکومت کی ضرورت ہے۔ جوپیٹر حقیقت میں اپنی ذات سے نہایت خوب مرد بزرگ ہے، لیکن کچھ تخیل پرور بھی ہے۔ وہ مجھے بہترین منظورِ نظر اور مقرب سمجھتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ میرے مقابلہ میں کسی شخص کا کسی موضوع پر دعوائے مہارت، بالکل لغو اور ناقابل قبول ہے، خواہ وہ صنف جمیل کی خصوصیات سے بحث ہو یا دوڑ کے گھوڑوں کے علم الانساب

سے، لباس کی قطع و وضع کا مسئلہ ہو یا کسی کھانے کے ذائقہ کی بحث۔"

"شکریہ، گنی میڈ! شاہ تھسلی نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا، جو اسکے لیے آبِ نشاط کا گلاس لا رہا تھا "میں تیری کامرانی و خوش بختی کا جام [illegible] پیتا ہوں۔ واہ، نہایت لذیذ ہے۔ اس آبِ نشاط کے پینے [illegible] میں غیر فانی محسوس کرنے لگتا ہوں۔ یہ [illegible] صدائیں پہونچ رہی ہیں، ایوان [illegible]"

"سرکار! یہ دیویاں وہی ہیں اور یہ [illegible] (Muses [illegible]) کی ایک نئی راگنی کی مشق کر رہی ہیں۔ بول اپالو کے ہیں"

"نہایت پیاری راگنی ہے۔ یقیناً یہ بہت مقبول ہوگی کیونکہ اس کا موضوعِ کلام، شباب اور محبت جیسی [illegible]"

"میں بھی اسے پسند کرتا ہوں۔"

"آپ کو بھی شعر و سخن سے ذوق ہے؟" گنی میڈ نے دریافت کیا۔

"بالکل نہیں" ایکزیان نے جواب دیا۔

"اپالو" ساقیِ سماء نے پھر کہا "بہت ذہین ہے اگرچہ مرسیاس کا خیال ہے کہ وہ شاعر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ایک دیوتا ہے اور اس کے پاس دل نہیں ہے۔ کیا آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ ایک شاعر کو صاحبِ دل ہونا ضروری ہے؟"

"دراصل میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے یاد ہے کہ میری بیوی نے ہمیشہ یہی کہا کہ میرا دل ناقص اور دماغ ناقص تر ہے۔

لیکن اس کے کہنے سے اس کا کیا مقصود تھا، میں کبھی نہ سمجھ سکا۔"

"ضرور، ضرور، خواہش کریگی کہ آپ اُس کے البم میں کچھ تحریر فرمائیں۔"

"کیا واقعی؟ مجھے تو یہ سنکر ملال ہوا، کیونکہ میں اپنا نام بھی بمشکل لکھ سکتا ہوں، میرا تو یقین ہے کہ خود جوو بھی ان تمام بیہودگیوں کی پروا نہ کرتا ہوگا۔"

"جوو کی [illegible] واقع ہوئی ہے، اپالو کی نظموں [illegible] سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، وہ متقدمین کا مسلک رکھتا ہے، ورنہ غزلیات بہت [illegible] بشرطیکہ [illegible] دیوتاؤں اور بادشاہوں کی تلمیح صرف نہ کی گئی ہو۔"

"بالکل درست، مجھے اس سے کامل اتفاق ہے۔ مجھے یاد ہے ہمارے یہاں لارسیا میں بھی ایک شاعر تھا جس نے میرے خاندان کو طوفان سے بھی زیادہ قدیم ثابت کردیا تھا اور پھر وظیفہ کی درخواست کی تھی، میں نے اسکی التجا مسترد کردی اس پر اس نے ہجو لکھی اور کہا کہ میں ڈیوکیلین[1] Deucalion اور پیرا[2] Phyrra کے پتھر پھینکنے سے پیدا ہوا، جب وہ دنیا کو پھر آباد کر رہے تھے اور میرے اپنے آباؤ اجداد کی تمام خصوصیات مجھ میں موجود ہیں۔"

"اوہو سنئے، گرج کی صدا آرہی ہے، جوو کے یہاں میری طلبی ہے، مجھے اب جانا چاہئیے۔"

"اور میں ذرا ان موسیقی نوازوں کو دیکھنا چاہتا ہوں غالباً

---

۱ میوزز (Muses) [illegible] کی دیوی۔

۱ یونان کا ایک بادشاہ جسکے عہد میں انسانی فسق و فجور کے باعث دنیا تباہ ہوگئی، اور اس نے اپنی بیوی کے ساتھ پتھر پھینکے، اسکے پتھروں سے مرد اور اسکی بیوی کے پتھروں سے عورتیں پیدا ہوئیں۔ ۲ ڈیوکلیان کی بیوی۔

نہیں راستہ ہے؟"

"عقیق احمر کا زینہ چڑھ کر داہنی جانب مڑ جائیگا وہاں نیلمی گنبد کے نیچے ہی ایوان نغمہ ہے الوداع!"

(۲)

شاہ تھسلی، ایوان نغمہ میں جسکی طلائی دیواروں پر ایک بلوری گنبد قائم تھا داخل ہوا۔ ملکہ سماوات ایک آرام کرسی میں پڑی آرام کر رہی تھی، اور خط کے کاغذ پر کچھ نقوش بنا رہی تھی، منروا کتیوں کے کسی مسودہ پر پنسل سے کچھ نوٹ کرتی جاتی تھی، اپالو نہایت توجہ کے ساتھ اسکی تعریف آمیز تنقید کو سن رہا تھا۔ ایک اور سماوی خاتون یوٹرپی کے پاس کھڑی تھی جو بربط کے قریب بیٹھا تھا۔ ایگزیان کے داخل ہوتے ہی سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

زہرہ کا ترحم و پر جمال چہرہ اور اس کی آنکھوں سے نکلنے والی وحشی و رقیق نگاہیں اس کے البتہ اجمال ہو یکی غمازی کیں! جونو نے نہایت متکبرانہ انداز میں ایک اشارۂ سر سے ایگزیان کو دیکھ لینے کا اعتراف کیا اور پھر اپنے شغل میں مصروف ہو گئی منروا نے اپنی اصطلاحات کے متعلق اسکی رائے دریافت کی جسے اُسنے نہایت پسند کیا، وینس نے اس کی آسمانوں میں تشریف آوری پر خیر مقدم اور اس سے متعارف ہونے پر اظہار مسرت کیا۔

"آسمانوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟" وینس نے نہایت نرم اور دھیمی آواز میں گرمیوں میں تابش برق کیطرح متبسم ہو کر دریافت کیا "میں نے انہیں اس سے زیادہ مسحور کن کبھی نہ پایا، جتنے وہ اسوقت معلوم ہو رہے ہیں" ایگزیان نے جواب دیا۔ "مگر سنسان ضرور پایا ہوگا!

میں خود اپنا بیشتر وقت کینڈوس[۵۱] (Gnidos) میں گذارتی ہوں۔" "آپ کو وہاں اگر مجھ سے ایک مرتبہ ضرور ملنا چاہئے، تمام عالم میں اس سے زیادہ دلکش مقام کوئی نہیں ہے۔ آپ جانتے ہونگے کہا جاتا ہے کہ ہمارے یہاں کی پیاز دوسری جگہ کے گلاب کے مانند ہوتی ہے، یہاں آپ اپنی بیوی سے محفوظ رہیں گے۔ اس کے ہم ذمہ دار ہیں۔"

"مجھے اُس سے کچھ اندیشہ نہیں ہے کیونکہ وہ ہمیشہ گھر ہی میں رہتی ہے اور مشاغل خانہ داری میں (جسکے معنی صرف اچار مربے طیار کرنے اور اپنے شوہر سے جھگڑنے کے ہیں) اپنے آپکو مکمل خیال کرکے فخر کرتی ہے۔"

"اہا! میں اب سمجھی آپ مستورے بھی واقع ہوئے ہیں، یہ تو نہایت خوب بات ہے۔ جہاں تک میری طبیعت کا تعلق ہے مجھے کنار آب کی زندگی بے حد پسند ہے، کینڈوس سٹھرا یا پافوس[۵۲] آپ مجھے باستثناء ان مقامات کے کہیں نہ کہیں پائیںگے۔ مجھے ایک ہستی کی آسان تباہی، اور اسکا اضطرار و جنون بہت پسند ہے، لیکن یہ نہیں چاہتی کہ اسکے آثار و علائم نمایاں ہو جائیں۔ ہاں مجھے اس پر بھی فخر ہے کہ میں نیکبختی کی بھی دیوی ہوں، آپ ایکبار کینڈوس ضرور آئیے"

"اس نوع کی نوید ممنون تکرار کیوں ہو، کینڈوس آپکا نہایت مقبول مقام ہے"

"ہاں وہ میرا محبوب مسکن رہ چکا ہے، مگر کچھ دنوں سے وہاں ایشیا اور بالخصوص ایران کے مریضوں نے کثرت سے آنا شروع کر دیا ہے، اور وہاں کا دلفریب نظارہ مشکل اُن کے زرد چہرں اور رعشہ ناک فضا

---

۵۱ یونان کا ایک مقام جہاں وینس کا نہایت حسین مندر تھا۔
۵۲ سائپرس کا ایک شہر جہاں وینس ہی کی عبادت کی جاتی تھی۔

کے منظر کا نعم البدل ہوسکتا ہے؟ اب میرا مقبولِ خاطر اور محبوبِ دل مقام پاتوس ہے "

"میں نے اسکی پرتجمل عشرت آگینی کے تذکرے سنے ہیں "

"حقیقتاً پاتوس نہایت پیاری جگہ ہے، دیہاتی زندگی کے متعلق میرے افکار کی صحیح ترین شکل ہے، درخت وہاں ایک بھی نہیں سائپرس کی گرمی جب برداشت کی حد سے تجاوز کر جائے تو آپ بحری ہوا کا لطف حاصل کرنے کے لئے پاتوس آئے وہ ایک ایسا مقام ہے جہاں ممکن نہیں کہ آپ ان سب لوگوں سے ملاقات نہ کرسکیں، جن کی موجودگی کی آرزو ہوسکتی ہے۔ جسقدر رنا خشکو اعنصر ہے وہ علیحدہ ایک گوشہ میں پڑا بستا ہے۔

"مجھے اپنی شادی کا واقعہ یاد آگیا۔ ہم نے اپنا عہدِ دوستی ستیھرا میں گزارنے کا قصد کر لیا تھا لیکن ڈیانے اپنی خادمہ اور جامہ دان کو بحر کے وسط میں اپنے اور میرے درمیان بگڑو تی اس لئے ایک منزل کے بعد ہی تاتش ہو کر واپس چلا آیا "

آپ نے نہایت مناسب بات کی۔ ایسا کرنے میں آپ بالکل حق بجانب تھے۔ مجھے جامہ دان وغیرہ سے سخت نفرت ہے"

یہ چیزیں ہمیشہ وقت و پریشانیوں کا باعث اور حارج ہوتی ہیں۔ آپ ستیھرا کو نہایت پسند کرتے بشرطیکہ آپ کے دل میں ایک خفیف شعلہ محبت بھی فروزاں ہوتا، بلند چٹانیں، سرسبز چوٹیاں، سنسان دشت زار، پرپیچ و خم راستے اور حیرت فزا مناظرِ غروب، یہ سب نہایت دلکش چیزیں ہیں، ماضی قریب میں میرا رہنا وہاں زیادہ نہیں ہوا حسن و محبت کی دیوی گو نہ رنجیدہ و ملول نظر آتے ہوئے کہتی رہی "جب سے میں لیکن مجھے آپ کی موجودگی میں ایسی گفتگو نہ کرنی چاہئے جس کا تعلق وجدان و انعطاف سے ہو "

"شاید آپ صحیح ہوں کیونکہ ہم لوگ یعنی انسان آخر آخر حسن کو سمجھنے لگے ہیں"

"میرے علم میں بھی یہی ہے، مگر کتنی انوکھی بات ہے" یہ کہکر وینس نے مڑ کر جو اسی وقت داخلِ ایوان ہورہا تھا مزاج پرسی کی اور جلدی ایگزیان حربی ہیرو سے متعارف کرایا گیا، جس کی خشونت اس کے ترنعیم سے خلاف تھی شاہ تھسلی بھی اپنی جگہ آبیٹھا اور منروا نے اپنا البم پیش کر دیا اور درخواست کی کہ وہ اپنے ہاتھ سے کچھ اشعار درج کرے "وہ عقل و دانش کی دیوی" ۔ شاہ نے کہا "تا وقتیکہ آپ ہی کچھ کلمات تجویز طاری کر دیں، یہ بہترین تا صفحہ آپ ہی کی طرح پاک و صاف رہے، تو وثیقہ میں تو کسی زبان میں بھی بمشکل دستخط کرسکتا ہوں"

یہ الفاظ ایگزیان شاہِ تھسلی کے منہ سے تو اچھے معلوم نہیں ہوتے تھسلی کا وہ بادشاہ جسکا مشاہدہ عمیق اور اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو جسکے محسوسات و خیالات مسلم ہیں! میں بآسانی تسلیم کرسکتی ہوں کہ ایک ہستی کو اپنے حرکات و اعمال عوام کے سامنے پیش کرنے سے بجا طور پر احتراز ہوسکتا ہے لیکن از راہِ کرم منروا کی درخواست کو تو اسکی توقع پورا کرنے کے خیال سے سرفراز فرمایئے کیونکہ وہ اُن میں سے نہیں ہے جنکے لئے یہ کلیہ وضع ہوا ہے "

"بانکے کی موسیقی میرے کانوں میں ابھی تک ہولی معلوم ہورہی ہے ایکم قلم تو مرحمت فرمایئے"۔ منروا نے قلم دیتے ہوئے کہا یہ یوم مقدس کے برکا قلم ہے "اچھا لیجئے میں لکھے دیتا ہوں ۔ یہ لیجئے اتنا کافی ہوگا۔

منروا نے اس تحریر کو پڑھا ؟ :-

"میں نے دنیا کی سیر کی ہے اور دنیا سے بھی کچھ زیادہ دیکھا ہے

میں نے قلبِ انسانی کا مطالعہ کیا ہے۔ اور اب میں غیر فانی ہستیوں کی صحبت اٹھا رہا ہوں، اپنے نخلِ علم کا جو ثمر میں نے توڑا ہے یہ ہے:-

"دل و دماغ اسکے لئے ہیں جو انکی تلاش کرے"

(بقلم ایکزیان، مقیم سماوات)

"ہر چند نہایت مختصر،" منرو نے مزاحاً کہا "مگر نہایت بلیغ، آپ کا دل نہایت جری اور دماغ نہایت مالامال ہے"

"میں نے حقیقتاً نہایت جراءت کی ہے، مجھ سے جو ہو جائے تھوڑا ہے؟"

"مجھے جوتو کے پاس بغرض مشورہ جانا ضروری ہے" منرو نے کہا "پھر ملاقات ہوگی۔ الوداع!"

شاہ تھسلی باقی ساتھیوں سے علیحدہ بغل میں ہاتھ دئے ہوئے ایک ستون سے ٹیک لگا کر جیسے [illegible] کے بار لئے ہوئے تھے متاملانہ کھڑا تھا، مریخ، شوق سے [illegible] کا سراپا بنا ہوا وینس کی باتیں سُن رہا تھا، پوڑبل نے برطانیہ کے نام آور شعروں کو انکی باتوں سے ہم آہنگ کر دیا، ملکۂ سماوات اُسی طرح اپنے کاغذی طاؤس میں محو تھی۔

ایکزیان بڑھ کر جوتو کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا، اس وقت اسکے انداز و آداب میں ادائے استغنا اور بے پروا سکون خرامی جو اسکی شخصیت کے نمایاں خط و خال تھے موجود نہ تھے، بلکہ وہ کسیقدر پریشان و متفکر تھا اسکا ہمہ وقت آمادۂ گفتگو رہنا رخصت ہو گیا تھا، بالآخر اس نے جوتو سے مخاطبہ کیا۔

"آپ نے کبھی ملکۂ بیسوپیٹمیا کے طاؤس کے متعلق بھی کچھ سنا ہے؟"

"نہیں!" جوتو نے شاہانہ انداز میں جواب دیا اور پھر ایک بے تعلق سے شوقِ تحقیق کے ساتھ کہنے لگی "کیا وہ قابلِ ذکر ہے؟"

"جی ہاں، اسکا پوتا نقرئی ہے، بازو طلائی ہیں، آنکھیں لعلِ شب چراغ کی ہیں اور پنجے نیلم کے ہیں"

"اور اسکی دُم؟" جوتو نے نہایت شوق کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ ایک راز ہے" ایکزیان نے جواب میں کہا "اسکی دُم ان سب چیزوں سے زیادہ پُر حیرت اور تعجب خیز ہے"

"اوہ! بتلائیے! مہربانی فرما کر بتائیے"

"مجھے یاد نہیں رہا"

"نہیں نہیں، یہ محال ہے" جوتو نے کہا "میں منت کرتی ہوں اب تو بتا دیجئے!"

"اسکی ایک وجہ ہے جو مانع ہو رہی ہے"

"وہ وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ کسقدر نرالی بات ہے! کون سی ایسی ممکن وجہ ہو سکتی ہے؟ بتائیے میرے اوپر خاص عنایت فرما کر بتا دیجئے! میں التجا کرتی ہوں بتا دیجئے!"

"کون سی چیز بتاؤں، دُم یا اُسکے نہ بتانے کی وجہ؟ دُم حیرت خیز ہے لیکن اُسکے نہ بتانے کی وجہ اس سے زیادہ پُر حیرت میں دونوں میں سے ایک بات بتا سکتا ہوں، فرمائیے دُم کا قصہ سناؤں یا اُسکے نہ بتانے کی وجہ بیان کروں؟"

"یہ انسان بھی کسقدر جلد اشتعال آفریں ہوتے ہیں۔ دُم عجیب و غریب ہے مگر وہ وجہ اس سے زیادہ حیرتناک ہے؟ اچھا تو وجہ نہیں دُم کا حال سنائیے۔ نہیں ٹھیریئے، ایک مخصوص ترین عنایت کے طور پر، دونوں باتیں بتائیے! دُم کس چیز کی بنی ہوئی ہے اور وہ وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ میں فی المعنی شوقِ تحقیق سے مری جا رہی ہوں"

"آپ نے یہ طاؤس تو غلط بنایا ہے" ایگزیان نے نہایت اطمینان کے ساتھ کہا" یہ تو زیادہ تر منروا کے بوم سے ملتا جلتا ہے"

"آہا! کاغذی طاؤس کا کسی کو خیال بھی کیا ہو سکتا ہے، جبکہ ملکۂ میسوپٹیمیا کے پاس ایک ایسا معجزہ موجود ہے"

جونو نے یہ کہہ کر اپنے تمام دن کی محنت یعنی اس کاغذی طائر کو پھاڑ کر غصہ سے پھینک دیا "اگر آپ کو ذرہ برابر بھی میرا پاس و لحاظ ہے تو آپ ایک لمحہ کی دیر نہ کیجئے اور بتا دیجئے کہ دُم کس چیز کی بنی ہوئی ہے"

"اور آپ اسکی وجہ نہیں سننا چاہتیں؟"

"اُسے بعد میں بیان کیجئے گا، ہاں میں ہمہ تن سماعت ہوں"

ٹھیک اسی حالت میں گنی میڈ داخل ہوا اور جونو کے کان میں کچھ سرگوشی کی، جس کے بعد وہ کچھ پریشان سی ہو کر فوراً اٹھ کھڑی ہو گئی اور جوو کے دربار کو چلی گئی۔

(۳)

تھسلی کا بادشاہ بھی ایوان فلک سے کچھ متاثر ہوا اور اٹھ کر چلا گیا، تاہم اسکے جذبات ہنوز بے قابو و بے اختیار ہو گئے تھے۔ وہ اڈمیٹس کے باغ میں ٹہلتا رہا اور ایک ایسے مقام پر پہونچا جہاں ایک سرسبز اور نہایت حسین کنج تھا اور بے شمار صنوبروں سے گھرا ہوا تھا، صنوبر کے یہ درخت اپنی عمر کے لحاظ سے کائنات کے ہم عصر معلوم ہوتے تھے اور یہ قطعہ سرسبز و شاداب تھا گویا اولین شبستان بہار نے جسم اختیار کر لیا ہے۔ فرش سبزہ مخمل سے زیادہ نرم و نازک اور بہت معطر تھا۔ ایگزیان نے بے قابو ہو کر اپنے تئیں اس سبزہ پر ڈال دیا اور ایک ہاتھ کا تکیہ بنا کر کسی گہرے خیال میں محو ہو گیا۔

اس حالت میں ساعتیں گذر گئیں، آفتاب کی طرح تجلی سے منور رہنے والے میدانوں پر جو فاصلے پر نظر آ رہے تھے ایک پر لطف اور پُر اسرار سایہ محیط ہو گیا۔

"ایگزیان! کیسا مزاج ہے" ایک آواز نے دریافت کیا جو چڑیوں کی آواز کی طرح شیریں اور دلنشین تھی۔ شاہ تھسلی چونک پڑا اس شخص کی حیرانی کی طرح جو کسی خواب سے دفعتاً بیدار ہو جائے یا ایسی حالت انتشار کے ساتھ جو متین اور حلیم شخص میں کسی عجیب راز کے غور و فکر میں پیدا ہو جاتی ہیں ادھر اُدھر دیکھنے لگا، اس کا چہرہ تمتما اٹھا، سیاہ آنکھیں [illegible] ہو کر روشن ہو گئیں، اس کی ابروؤں میں لرزش تھی اور اسی کے ساتھ ہوا کے جھونکے اسکے کاکلوں کو منتشر کر رہے تھے، اسکی نگاہیں جہاں پہونچکر قائم ہو گئیں وہ ایک شباب حسن آفریں تھا۔

اس نے منزل بلوغ میں ابھی قدم رکھا تھا، اسکا قد بہ لحاظ عمر کسیقدر [illegible] تھا [illegible] انتہا [illegible] تھا، رنگ نکھرا ہوا تھا اور بہ تناسب جسم [illegible] نہایت لطیف مگر مکمل [illegible] تھی۔ گویا شفقی روش میں کھلنے والے دو گلاب تھے، اسکی بڑی بڑی آنکھیں جن کے انعکاس سے آسمان اور سمندروں میں یہ رنگ پیدا ہو گیا۔ نشاط خرمی سے جھلک رہی تھیں، اور نہ چھپنے والا [illegible] تبسم زار اسکے لبوں کی حرکت بن گیا تھا۔ اسکی ہلکی سنہری کاکلیں بلورین پیشانی پر پڑی ہوئی تھیں اور گردن اور رخساروں پر سیل شعاع کی طرح پھیل گئی تھیں، اس شباب حسن پرور عشق افزا کے شانوں پر دو حسین و دلفریب شہپر دوار تعاش اندوز بازو، جو رنگ شفق کے تمام پردوں [illegible] معلوم ہو رہے تھے، پھڑک رہے تھے

انکی رنگینیاں اسقدر بدیع، اتنی روشن اور اسدرجہ عجیب تھیں کہ ان کا کوئی نام نہیں رکھا جاسکتا، یہ ارغوانی و قرمزی طلائی و آسمانی خطوط کا کچھ ایسا امتزاج تھا کہ خیال مشکل سے انکے حسن کا اندازہ کرسکتا تھا، لعلین و زبرجدی انجم سے دیکھو یہ گوشت الوان کا شعلہ زن معلوم ہوتا تھا۔ اسکے شانہ پر ایک خوبصورت ترکش تھا اور وہ خود ایک حسین کمان کا سہارا دئے کھڑا تھا!

خداوندا! کیونکہ تم دیوتا ضرور ہو!" بالآخر حیرت زدہ ایکزیان سے ضبط نہ ہوسکا اور وہ پکار اٹھا "کیا میں خدائے عشق کے حضور میں ہوں!"

"ہاں میں فی الواقعی کیوپڈ ہوں!" جوان نے کہا "اور یہ معلوم کرنے کا مشتاق ہوں کہ ایکزیان اس وقت کس سوچ میں ہے؟"

"لیکن خیال نطق کے مقابلہ میں زیادہ پرحوصلہ و جری ہوتا ہے"

"اگرچہ ایک فانی انسان، مگر سنجیدہ و ذی شعور! کیوپڈ پر اعتماد کرنے میں اندیشہ نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ بلا میری استعانت تمھارا کام نہ چلیگا۔ فرش سبزہ پر وسیع سایہ اشجار میں محو تمثیل ہوجاے، اور اسے کیوپڈ کے امداد کی ضرورت نہ ہو! ایسا بھی کوئی انسان سنا ہے؟ چلو اب بے تکلف ہوجاؤ اور بتاؤ وہ ہیروئین کون ہے؟ دنیا کے کسی دور دراز مقام پر کون دلگرفتہ کنواری ہے یا کوئی مشتاق ستمگر معشوقہ جسکی کمزوریاں اسکی دلفریبیوں کے مقابلہ میں آسانی کے ساتھ نظر انداز کردی جاسکتی ہیں؟

"یہ سچ ہے کہ یہ صورت ایک دردناک حالت ہے بہر نوع وہ تمھاری بیوی تو ہو نہیں سکتی!"

"بیشک وہ نہیں ہے" ایکزیان نے مغلوب جذبات ہوکر جواب دیا

"کسی اور کی بیوی؟"

"نہیں!"

"تو کیا کوئی سنگدل دوشیزہ ہے؟"

بادشاہ نے اپنے سر کو جنبش دی۔

"تو پھر کوئی بیوہ ہوگی!" کیوپڈ نے کہا "ایک بیوہ کے ساتھ تو ایسا پر استغنا طرز عمل کبھی منسوب نہیں کیا گیا۔"

"کیوپڈ کے عجیب و جلال! میرے اوپر رحم فرما!" شاہ تسلی یہ کہتا ہوا زمین سے اٹھا اور کیوپڈ کے سامنے دو زانو ہوگیا۔

"تو سارے عالم میں انسان کا رفیق و ہمدم ہے اور تیرے قربانگاہ پر انسان کی نذریں خواہ وہ کسی حصہ زمین اور کسی قوم و نسل سے متعلق ہوں ایک ہی جذبہ کے تحت میں پڑھائی جاتی ہیں! میں محبت میں مبتلا ہوں، مجنونانہ، بے خوف و بلا تامل تقدیر کے ہاتھوں تمہارے عشق ہوگیا ہوں! میرا موضوع محبت نہ تو خود میری بیوی ہے اور نہ کسی اور کی، باوجود ان تمام باتوں کے جو مجھ سے منسوب کیگئیں اور جن کا یقین دلایا گیا ہے، میں سوسائٹی کا ایک با اخلاق فرد ہوں، جس سے مجھے عشق ہے وہ نہ تو ایک دوشیزہ ہے اور نہ کوئی بیوہ، وہ"

"کون؟ کون؟" کیوپڈ نے بے قرار ہوکر دریافت کیا۔

"ایک دیوی!" بادشاہ نے جواب دیا۔

"فرررر!" کیوپڈ نے سیٹی بجائی "کون؟ کیا میری فتنہ پرداز ماں، اپنی معصوم چونچلے بازیوں سے تمھارے ساتھ اختلاط کرتی رہی ہے؟"

"یہ تو صحیح ہے لیکن اسکا میرے اوپر کوئی اثر نہیں ہوسکا"

"کیا وہ عجیب ہے؟ ڈرانا تو ہو نہیں سکتی، کیونکہ وہ ازحد سرد مہر ہے، یا کوئی میوز ہے یا گریسوں میں سے کوئی ہے؟"

ایکریان نے پھر سر ہلا دیا۔

"تو پھر ان بتائیے نا!" کیوپڈ نے نہایت معتمدانہ لہجہ میں کہا "جو کچھ آپ کہہ چکے ہیں اسکے بعد کچھ پوشیدہ رکھنے کی سعی ایک فضول بات ہے۔ اپنے دل کو تسکین و تسلی دو اگر میں تمہاری کوئی امداد کرسکتا ہوں تو میری کارفرمائیوں پر بھروسہ کرو۔"

"خداوند پیغمبرساں!" ایکریان نے کہا "اگر میں کبھی تمہارا بسا واپس ہو جاتا تو یونان میں روشن ترین قربانگاہ تیری ہی ہوگی اپنے تمام اعتماد آمیز سادگی و پاکیزگی کے ساتھ جو ایک پرجوش پجاری میں پائی جاسکتی ہے تیری خدمت میں ملتجی بنا ہوا ہوں اور بتاتا ہوں کہ میرا مقصود خود ملکۂ سماوات ہے!"

"جونو! قسم ہے تمام مقدس چیزوں کی!" کیوپڈ اچھل پڑا "میں حاضر ہوں" شاہانہ انداز کے ساتھ جواب ملا۔

ملکۂ سماوات کا قامت دراز، شاہانہ انداز کے ساتھ ایک کنج سے نکل کر آگے بڑھا۔ ایکریان خاموش کھڑا ہوا تھا، اس حال میں کہ اسکی آنکھیں زمین پر گڑی ہوئی تھیں، اسکا دل دھڑک رہا تھا اور رخسارے سرخ ہو رہے تھے۔ عشق کا شریر دیوتا ایک قہقہہ مار کر ہنسا۔

"ایک خوبصورت اجتماع!" کیوپڈ کہنے لگا۔ "اور ان دونوں کے درمیان چہلیں کرتا اور انکو دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا "یقیناً ایک قران حسین!" "اب میں حارج و مخل ہوں؟ الوداع!" یہ کہتے ہوئے اپنے ترکش سے دو تیر نکالے اور برق کی سرعت کے ساتھ ایک کو ملکۂ سماوات اور دوسرے کو شاہ تھسلی کے پہلو میں پیوست کر دیا

(۴)

اولمپس کی شفق نہیں غائب ہو چکی تھی، گونا گوں رنگوں میں ڈوبے ہوئے ستارے ضیاریز تھے۔ ایکریان اور جونو قصر کی جانب لوٹے اس شکل میں کہ جونو نے اپنے دلکش وجود کا سارا بار ایکریان کے بازوؤں پر ڈال رکھا تھا اور خجل و منفعل نگاہوں کی بار سے آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ یہ دونوں قصر کے قریب پہنچ گئے۔ لیکن اسکی زبان سے ایک حرف نہ نکلا [illegible] خاموش اور محویت کے ساتھ نیلے آسمان کو دیکھ رہا تھا

جب قصر زریں سو قدم کے فاصلہ پر رہ گیا تو جونو دفعۃً رک گئی اور ایک تبسم کے ساتھ اسکے چہرے کو دیکھنے لگی اور پھر کہا "میں یقین کرتی ہوں کہ اب تو تمھیں یہ بتانے سے انکار نہ ہوگا کہ ملکہ میسوپٹیمیا کے طاؤس کی دم کس چیز کی ہے؟"

"اب انکار کیونکر ممکن ہے!" ایکریان نے جواب دیا "اچھا تو سنو، ملکہ میسوپٹیمیا نے اپنے طاؤس کی دم ان پروں سے بنائی ہے جو اس نے کیوپڈ کے بازوؤں میں سے چرائے تھے۔"

"اور وہ وجہ کیا تھی جس نے تمھیں یہ راز اس وقت بتانے سے باز رکھا؟"

"حسین جونو، وہ یہ ہے کہ میں محتاط ترین آدمی ہوں اور ایک خاتون کے راز کی عزت کرتا ہوں خواہ وہ کیسا ہی معمولی کیوں نہ ہو"

"میں یہ سن کر نہایت خوش ہوئی" جونو نے جواب میں کہا اور دونوں قصر خداوندی کے اندر داخل ہو گئے۔ مرکزی محراب جو جونو اور ایکریان کو اس محراب میں ملا جس کے اندر ہو کر دیوان جشن عشرت کو راستہ جاتا تھا۔

"میں تو آپ ہی کو تلاش کر رہا تھا!" مرکری نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا "جوو نہایت غصہ میں ہے کامل ایک گھنٹہ سے کھانا تیار ہے۔ شاہ تھسلی اور ملکہ سماوات نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہا اور صالوں میں داخل ہو گئے۔

جوو نے نگاہ برق سے دیکھا لیکن خیریت گذری کہ اس نے اپنی نگاہوں کے ساتھ حرارت و تابش کو نہ جانے دیا اس نے اوپر نیچے نظر ڈالی، سارا اولمپس لرز گیا، اور جوو نے اپنا شوربہ پینا شروع کر دیا۔ تمام اہل دسترخوان خوف زدہ تھے اور کیوپڈ کے علاوہ سب متاط۔ شریر کیوپڈ نے معاً جوو کو مخاطب کر کے کہا:۔

"عظمت پناہ کو دیر ہو گئی۔"

"ایک گنج اپالو کی تازہ نظم پڑھتے ہی پڑھتے سو گئی تھی"، جوو نے جواب دیا "تاہم خوش قسمتی تھی کہ اس غفلت میں ایک ندیم ہو پہنچ گیا۔ ایکزیان تم ادھر کہاں گئے تھے؟"

"ملکہ آپ اب فشاط کا ایک گلاس ضرور پئیں" شرارتناک نگاہیں ڈالتے ہوئے کیوپڈ نے کہا "غالباً ایکزیان ہمارے ساتھ شرکت کریگا۔

یہ جشن اولمپس کا سنجیدہ ترین جشن تھا، ہر شخص کا مزاج بدلا ہوا تھا اور سب کی روحیں پرسکون معلوم ہو رہی تھیں جو پیشتر ضبط کردہ غصہ کی حالت میں جو کچھ کہتا، الفاظ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ادا ہوتے تھے اور رعد بعید کے مانند صدا پیدا کرتے تھے۔ اپالو، منروا کے ساتھ سرگوشی میں مصروف تھا۔ مرکری کے ہونٹوں کو جنبش تک نہ ہوتی تھی۔ لیکن کبھی کبھی گنی میڈ سے تبادلہ نظر ہو جاتا تھا۔ کیوپڈ نے اپنے تئیں ناخوشگوار سوالات کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ آخر الامر تمام دیویاں دوسرے کمرے میں اٹھ گئیں۔ مرکری نے جوو کو شگفتہ خاطر کرنیکی کوشش کی لیکن صاحب رعد و برق کو اسکے بہترین لطیفے بھی آمادۂ تبسم نہ کر سکے۔ اپالو اپنی انگوٹھیوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور ایکزیان عمیق تخیل میں غرق تھا۔

(۵)

گنی میڈ نے اس صالوں میں آنیکا اذن دیا، جہاں کھانے سے فارغ ہو کر تمام دیویاں چلی گئی تھیں۔ اس سے سب کو اطمینان ہوا۔

"میں نے آپ کی اس تحریر پر ایک حاشیہ لکھا ہے" منروا نے ایکزیان کو مخاطب کر کے کہا۔ "اور مجھے شیتاق ہے کہ اسکے متعلق آپ کی رائے معلوم کروں"

"میں ایک کامیاب نقاد ہوں" تھسلی کے بادشاہ نے اسکے پاس سے جاتے ہوئے کہا۔ جوو نے اسے دور سے دیکھکر تبسم کیا "ایکزیان"، وینس نے جب وہ اسکے پاس سے گزر رہا تھا کہا "آؤ کچھ باتیں کرو"

دلبرا ایکزیان کے چہرہ پر رنگ انفعال لوٹنے لگا۔ اسنے ایک بے معنی سا عذر کیا، اور "سلیم الطبع" لیکن حیرت زدہ حسن کی دیوی کے پاس سے گزرتا ہوا، جوو کے برابر بیٹھ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اسکا مغموم و متفکر چہرہ دفعۃً روشن و تابناک ہو گیا۔

"اچھا! یہ معاملہ ہے!" وینس نے آہستہ سے کہا۔

"ہوں ں!" منروا بولی۔

"ہا ہا ہا!" کیوپڈ ہنسا۔

"جوو پھر مرکری کے ساتھ تاش کھیلنے میں مصروف ہو گیا۔

"ہر کام آج غلط ہو رہا ہے!" شاہنشاہ سماوات نے کہا "دیکھئے ذیل

"کیا وہ حبیب ہے؟ وہ اتنا تو ہو نہیں سکتی، کیونکہ وہ از حد سرد مہر ہے، یا کوئی میوز ہے یا گریسوں میں سے کوئی ہے؟"

ایکزیان نے پھر سر ہلا دیا۔

"تو پھر آپ بتائیے نا!" کیوپڈ نے نہایت معتمدانہ لہجہ میں کہا "جو کچھ آپ کہہ چکے ہیں اسکے بعد کچھ پوشیدہ رکھنے کی تو ایک فضول سی بات ہے۔ اپنے دل کو تسکین و تسلی دو اگر میں تمہاری کوئی امداد کرسکتا ہوں تو میری کارفرمائیوں پر بھروسہ کرو۔"

"خداوند پیغمبر ساں!" ایکزیان نے کہا "اگر میں کبھی تو یہاں واپس ہوگیا تو یونان میں روشن ترین قربانگاہ تیری ہی ہوگی۔ میں اپنے تمام اعتماد آمیز سادگی و پاکیزگی کے ساتھ جو ایک پرجوش بچاری میں پائی جاسکتی ہے تیری خدمت میں ملتجی بنا ہوا ہوں اور بتاتا ہوں کہ میرا مقصود خود ملکۂ سماوات ہے!"

"جونو! قسم ہے تمام مقدس چیزوں کی!" کیوپڈ اچھل پڑا

"میں حاضر ہوں" شاہانہ انداز کے ساتھ جواب ملا۔

ملکۂ سماوات کا قامت دراز، شاہانہ انداز کے ساتھ ایک کنج سے نکل کر آگے بڑھا۔ ایکزیان خاموش کھڑا ہوا تھا، اس حال میں کہ اسکی آنکھیں زمین پر گڑی ہوئی تھیں، اسکا دل دھڑک رہا تھا اور رخسارے سرخ ہو رہے تھے۔ عشق کا شریر دیوتا ایک قہقہہ مار کر ہنسا۔

"ایک خوبصورت اجتماع!" کیوپڈ کہنے لگا۔ اور ان دونوں کے درمیان چہلیں کرتا اور انکو دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا، "یقیناً ایک قرآن حسین!" "اہا میں بیچ و مخل ہوں؟! الوداع!" یہ کہتے ہوئے اپنے ترکش سے دو تیر نکالے اور برق کی سرعت کے ساتھ ایک کو ملکۂ سماوات اور دوسرے کو شاہ تھسلی کے پہلو میں پیوست کر دیا

(۴)

آفتاب کی شفق نیلمیں غائب ہو چکی تھی؛ گوناگوں رنگوں میں ڈوبے ہوئے ستارے ضیا ریز تھے؛ ایکزیان اور جونو قصر کی جانب لوٹے، اس شکل میں کہ جونو نے اپنے دلکش وجود کا سارا بار ایکزیان کے بازوؤں پر ڈال رکھا تھا اور خجل و منفعل نگاہوں کے بار سے آنکھیں جھکی ہوئی تھیں، یہاں تک کہ یہ دونوں قصر کے قریب پہنچ گئے، لیکن انکی زبان سے ایک حرف نہ نکلا۔ ایکزیان بھی خاموش اور محویت کے ساتھ منور آسمان کو دیکھ رہا تھا

جب قصر زریں سو قدم کے فاصلہ پر رہ گیا تو جونو دفعۃً رک گئی اور ایک تبسم کے ساتھ اسکے چہرے کو دیکھنے لگی، اور پھر کہا "میں یقین کرتی ہوں کہ اب تو تمہیں یہ بتانے سے انکار نہ ہوگا کہ ملکہ میسوپٹیمیا کے طاؤس کی دم کس چیز کی ہے؟"

"اب انکار کیونکر ممکن ہے!" ایکزیان نے جواب دیا "سنو، ملکہ میسوپٹیمیا نے اپنے طاؤس کی دم ان پروں سے بنائی ہے جو اس نے کیوپڈ کے بازوؤں میں سے چرائے تھے۔"

"اور وہ وجہ کیا تھی جس نے تمہیں یہ راز اس وقت تک بتانے سے باز رکھا؟"

"حسین جونو، وہ یہ ہے کہ میں محتاط ترین آدمی ہوں اور ایک خاتون کے راز کی عزت کرتا ہوں خواہ وہ کیسا ہی معمولی کیوں نہ ہو"

"میں یہ سن کر نہایت خوش ہوئی" جونو نے جواب میں کہا اور دونوں قصر خداوندی کے اندر داخل ہوگئے۔ مرکزی، جونو اور ایکزیان کو اس محراب میں لا جس کے اندر ہو کر دیوان جشن عشرت کو راستہ جاتا تھا۔

"میں تو آپ ہی کو تلاش کر رہا تھا!" مرکری نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا "جوو نہایت غصہ میں ہے کامل ایک گھنٹہ سے کھانا تیار ہے۔ شاہ تھسلی اور ملکہ سماوات نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہا اور صالوں میں داخل ہو گئے۔

جوو نے نگاہ برق سے دیکھا لیکن خیریت گذری کہ اس نے اپنی نگاہوں کے ساتھ حرارت و تابش کو نہ جانے دیا اس نے ادھر نیچے نظر ڈالی، سارا اولمپس لرز گیا، اور جوو نے اپنا شوربہ پینا شروع کر دیا۔ تمام اہل دسترخوان خوف زدہ تھے اور کیوپڈ کے علاوہ سب خاموش تھے۔ شریر کیوپڈ نے جونو کو مخاطب کرکے کہا:۔

"عظمت پناہ کو دیر ہو گئی"

"ایک کنج ایالوکی تازہ نظم پڑھتے ہی پڑھتے سو گئی تھی" جونو نے جواب دیا "تاہم خوش قسمتی تھی کہ اس غفلت میں ایک ندیم پہونچ گیا۔ ایکزیان تم ادھر کہاں گئے تھے؟"

"ملکہ آپ اب نشاط کا ایک گلاس ضرور پئیں" شرارتناک نگاہیں ڈالتے ہوئے کیوپڈ نے کہا "غالباً ایکزیان ہمارے ساتھ شرکت کریگا۔

یہ جشن اولمپس کا سنجیدہ ترین جشن تھا، ہر شخص کا مزاج بدلا ہوا تھا اور سب کی روحیں پرسکون معلوم ہو رہی تھیں جوپیٹر ضبط کردہ غصہ کی حالت میں جو کچھ کہتا، الفاظ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ادا ہوتے تھے اور رعد بعید کے مانند صدا پیدا کرتے تھے۔ اپالو، منروا کے ساتھ سرگوشی میں مصروف تھا۔ مرکری کے ہونٹوں کو جنبش تک نہ ہوتی تھی۔ لیکن کبھی کبھی گنی میڈ سے تبادلہ نظر ہو جاتا تھا۔ کیوپڈ نے اپنے تئیں ناخوشگوار سوالات کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ آخرالامر تمام دیویاں دوسرے کمرے میں اٹھ گئیں۔ مرکری نے جوو کو شگفتہ خاطر کرنیکی کوشش کی لیکن صاحب رعد و برق کو اسکے بہترین لطیفے بھی آمادہ تبسم نہ کرسکے۔ اپالو اپنی انگوٹھیوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور ایکزیان عمیق تخیل میں غرق تھا۔

(۵)

گنی میڈ نے اس صالوں میں آنیکا اذن دیا، جہاں کھانے سے فارغ ہو کر تمام دیویاں چلی گئی تھیں۔ اس سے سب کو اطمینان ہوا۔

"مینے آپ کی اس تحریر پر ایک حاشیہ لکھا ہے" منروا نے ایکزیان کو مخاطب کرکے کہا "اور مجھے اشتیاق ہے کہ اسکے متعلق آپ کی رائے معلوم کروں"

"میں ایک کامیاب نقاد ہوں" تھسلی کے بادشاہ نے اسکے پاس سے جاتے ہوئے کہا۔ جونو نے اسے دور سے دیکھکر تبسم کیا "ایکزیان"، وینس نے جب وہ اسکے پاس سے گزر رہا تھا کہا "آؤ کچھ باتیں کرو"

دلبر ایکزیان کے چہرہ پر رنگ انفعال لوٹنے لگا۔ اسنے ایک بے معنی سا عذر کیا، اور سلیم الطبع، لیکن حیرت زدہ حسن کی دیوی کے پاس سے گزرتا ہوا، جونو کے برابر بیٹھ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اسکا مغموم و متفکر چہرہ دفعۃً روشن و تابناک ہو گیا۔

"اچھا! یہ معاملہ ہے!" وینس نے آہستہ سے کہا۔

"ہوں ں!" منروا بولی۔

"ہا ہا ہا!" کیوپڈ ہنسا۔

"جوپیٹر مرکری کے ساتھ تاش کھیلنے میں مصروف ہو گیا۔

"ہر کام آج غلط ہو رہا ہے!" شاہنشاہ سماوات نے کہا "وہ کیسے ذلیل

تاش آرہے ہیں!" کھانے پر اسقدر انتظار کرو یرا! - اور ایک فانی انسان کے لئے!"

"عظمت پناہ کو اسپر متعجب ہونا چاہئے" سلیم المزاج مرکری نے جو ایگزیان کو مطلق پسند نہ کرتا تھا نہ کیا۔" یہ خیال آتے ہوئے کہ وہ کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟ عظمت پناہ کو اسکے طرز عمل پر بیشک متعجب ہونا چاہئے۔ میں اسپر حیران ہوں کہ اسکا دماغ اس سے زیادہ کیوں نہیں پھر گیا، جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے؟ ایک انسان! جسکا خمیر مٹی سے ہوا، اور آسمانوں میں! حضور غور تو فرمائیں! کیا ایک زمینی آب و گل کے دماغ کو مشتعل کر دینے کیلئے یہ کافی نہیں ہے؟ عظمت پناہ کو کھانے پر منتظر رکھنا آسمانی حکومت میں یقیناً بغاوت و غداری سے کچھ ہی کم ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ میں بھی اس امر کی کبھی توقع نہ کر سکتا تھا۔ مجھپر حکمرانی کرنا، گنی میڈ کے ساتھ اپنے خدمتگار کا سا برتاؤ کرتا، مختصر یہ کہ سارے عملہ پر حکومت جتانا، یہ سب کچھ ایک ایسے شخص سے اور ان حالات کے درمیان متوقع ہو سکتا ہے، لیکن میں نے محسوس کیا ہے اور میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اُسکے دل میں خود عظمت پناہ کی بھی کوئی وقعت نہیں ہے!"

"اور وہ تم پر ہی حکم چلاتا ہے! کیوں؟" جوو نے دریافت کیا۔ "تیرے پاس حکم ہے۔"

"مگر میں اسکی حرکتوں کو محض کھیل سمجھتا ہوں" مایا کے بیٹے نے جواب دیا۔ "خود عظمت پناہ بھی مجھسے کوئی ایسی خدمت لینے کی توقع نہ رکھتے ہونگے، جو یہ بدتمیز دنیا والا مجھسے روزانہ لینا چاہتا ہے۔"

"اور گنی میڈ، تمسے بھی اسکا یہی سلوک ہے۔"

"حضور یقین فرمائیں، اسکا برتاؤ سخت نفرت انگیز ہے" ساقی حسین نے جو ایک سرچڑھے نوکر کیطرح، جوو کی کرسی پر جھکا کھڑا تھا، کہا۔ "سچ تو یہ ہے کہ اگر ایگزیان کا طرز سلوک یہی رہا تو ہم دونوں میں سے ایک کو یہاں سے چلا جانا پڑیگا۔"

"کیا یہ ممکن ہے؟" جوپیٹر نے کہا۔ "لیکن میں اس شخص کے متعلق جو مجھے کھانے پر منتظر رکھتا ہے ہر بات باور کر سکتا ہوں۔"

"حضور خود ملکہ سماوات نے اُسکی جرأتوں کو اسقدر گستاخ کر دیا ہے۔"

"کیا جونو اُسکو جرات دلاتی ہے؟" جوو نے سوال کیا۔

"ہر کس سے چھپا ہوا ہے" گنی میڈ نے جواب دیا۔

"درحقیقت" ایسا دکھائی تو دیا ہے، مگر کہیں" مرکری نے کہا۔

"ایسے شخص کو جونو کے ساتھ بات کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟" جوو نے کہا۔ "محض ایک فنا پذیر ہستی، ایک بدنصیب انسان، آہ! جیت گئے۔ مجھے اس شخص کے متعلق کتنا دھوکا ہوا ہے! میرے تمام نیاز مندانہ برتاؤ کے بعد بھی وہ مجھے کھانے پر منتظر رکھے گا، کسکو یہ خیال ہو سکتا تھا!"

"وہ اسوقت جونو کے ساتھ سیر میں مشغول تھا" گنی میڈ نے کہا۔ "انکا یہ کہنا کہ وہ دونوں اتفاقیہ ملگئے تھے، سب حیلہ جوئی تھی۔ خود کیوپڈ نے دونوں کو ساتھ دیکھا تھا۔"

"ہاں؟" جوپیٹر نے کہا اور اسکا رنگ فق ہو گیا۔ "کیا تم سچ کہتے ہو؟ یہ خلال ہوئی چونکہ میں ایک دیوتا ہوں، میری بازی ہوئی۔ ملکہ کہاں ہے؟"

"ایگزیان سے باتیں کر رہی ہے" مرکری نے کہا۔ "او ہو، معاف فرمایئے، میں یہ سمجھتا تھا کہ انکا مدعا اینٹ کی ملکہ سے تھا۔"

"کچھ مضائقہ نہیں۔ خلال میری ہوئی۔ اور مجھے کھانے پر منتظر رکھا گیا ہے، ایسے دن پر بھی لعنت! کیا اُدھر یا ادھر کبھی جیل کے

ساتھ باتیں کر رہا ہے ؟ یہ برداشت سے باہر ہے۔"

"جونو کہاں ہے ؟" جوپیٹر نے پھر دریافت کیا۔

"میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ کہاں ہے" وینس نے ایک معنی خیز تبسم کے ساتھ جواب دیا۔

"میں بھی نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے" منروا طعن آمیز لہجہ میں بولی۔

"ایکڑیاں کدھر گیا؟" کیوپڈ نے کہا اور ایک سخت قہقہہ مارا۔

"مرکری! اگنی میڈ! ملکہ کو فوراً تلاش کر کے لاؤ" آقائے خداوندانِ دعا میاں کی رعد آسا آواز صادر ہوئی۔

"آسمانی قاصد اور بہشتی خادم جداگانہ راستوں سے باہر نکل گئے۔ ایوان میں ایک ہیبت ناک اور غیر یقینی سکوت طاری تھا۔ جس طرح طوفان فراز کوہ سے نشیب اختیار کر لیتا ہے جوو کی پیشانی سے آثارِ غضب ترنا شروع ہو گئے۔ وینس اور کیوپڈ پس پشت اپنی ہنسی کو ضبط کرنے کی سعی میں مصروف تھے۔ قاصد واپس آ گئے مرکری نہایت تیز بنا ہوا تھا اور گنی میڈ نہایت جھلایا ہوا۔

"کیوں؟" جوو نے سوال کیا، اور تمام اہل اولمپس تھرا گئے۔ مرکری نے سر ہلا دیا۔

"ملکۂ عظمت پناہ، چاندنی پر شاہ تسلی کے ساتھ چہل قدمی کر رہی ہیں۔ گنی میڈ نے جواب دیا کہ وہ اب کہاں ہیں، جناب!" جوپیٹر نے حکم دیا۔

"مرکری نے اپنے شانوں کو جھٹکا دیا۔

"ملکۂ عظمت پناہ، کیوپڈ کی بارہ دری میں شاہ اُلی کے ساتھ محو خواب ہیں"، گنی میڈ نے جواب میں کہا۔

"تباہ ہوں یہ!" آقائے خداوندانِ دعالمیان چلا اٹھا،

تلاش پھونک دئے اور کھڑا ہو کر میز پر سے ایک شمع اٹھا لی۔ ہر متنفس حاضر تھا منروا، وینس، مریخ، اپالو، مرکری، گنی میڈ، میوز، زہرا اور گریسیں اور تمام بازوؤں والے جنات۔ ہر شخص کے ہاتھ میں ایک شمع تھی، اور یہ شمعدانوں سے مسلح جماعت جوپیٹر کے پیچھے پیچھے تھی۔

"یہ راستہ ہے" مرکری نے بتایا۔

"اس راستے سے" گنی میڈ نے کہا۔

"اس راستے سے، اس راستے سے" سارے گروہ نے دہرایا۔

"شرارت!" کیوپڈ نے خود ہی کہا "مجھے اب اپنے شکار کو بچانا فرض ہے" سب لوگ چاندنی پر پہنچے۔ آقائے خداوندانِ عالمیان، ہر چند طیش اور عجلت میں تھا، لیکن قدم نہایت وقار کے ساتھ اٹھا رہا تھا۔ رات نہایت صاف تھی، آسمانوں میں یہ ایک معمولی سی بات ہے۔ چونکہ ڈائنا یا تو کچھ علیل تھی یا کسی اور کام میں مصروف تھی اسلئے چاند نمودار نہ تھا۔ یہ مجمع بارہ دری کے سامنے پہنچ گیا۔

"تم کیا ہو؟" کیوپڈ نے ایک جن سے دریافت کیا، جسکی شمع اتفاقیہ گل ہو گئی تھی۔

"میں ایک سحاب ہوں" بازوؤں والے جن نے جواب دیا۔

"ایک سحاب! واہ وا! اسی کی تو ضرورت تھی۔ بات یہ ہے کہ تم میری خاطر ایک دانشمندی کا کام کر دو، اور کیوپڈ ہمیشہ تمہارا ممنونِ کش رہیگا۔ اچھے سحاب! فوراً اڑ کر جاؤ اور سامنے والی بارہ دری کو بالکل ڈھک لو۔ گئے! سوال نہ کرو۔ تیز! بس یہی میرا کہنا ہے"

"بارہ دری پر تو مجھے کچھ کہر سا نظر آ رہا ہے" وینس کہنے لگی۔

"آسمانوں میں کہر اور شام کے وقت!" منروا نے تعجب کیا۔

"نرکس (Nox) کہاں ہے؟" جوو نے پوچھا ہر کام غلط

ہو رہا ہے۔ آسمانوں میں کھر کسی نے سُنا ہے؟

"مری شمع گُل ہوگئی!" اپالو پکارا۔

"مری بھی گئی!" مریخ نے فوراً ہی کہا۔

"اور مری بھی۔ مری بھی۔ مری بھی" مرکری، گینی میڈ، میوزیز اور گریسوں نے کہا۔

"سب شمعیں گُل ہوگئیں؟" کیوپڈ کہنے لگا۔ "کہرا بھی خاصہ ہے۔ مجھے تو بارہ دری نظر نہیں آتی ہے حالانکہ اُسے ہونا تو یہیں کہیں چاہئے" اور پھر اپنے خود ہی کہا "ہاں، ہاں، اب مجھے اپنے کاشانہ پر ہونا چاہئے۔ مجھے اندھیرے میں آنے جانے کی عادت بھی ہے۔ کسی کے پاؤں کے چاپ سُنائی دے رہی ہے یہ یقیناً یہی قفل ہے۔ دروازہ تو کُھل گیا مگر سحاب مجھ سے پہلے داخل ہوگیا۔ جونو! جونو!!" خدائے عشق آہستہ سے پکارا۔ "ہم سب پہنچ گئے ہیں۔ اب سحاب کے پردے میں اپنی آبرو بچا کر نکل جانے پر قناعت کرو! جس طرح اکثر معصوم خواتین کرتی آئی ہیں: کہرا عنقریب صاف ہوجائے گا۔ دیکھو سطح صاف ہو رہا ہے"

یہ غالباً ہماری ہی شمعوں کے ابخرات ہوں گے" وینس کہنے لگی۔ کیونکہ کہرا صاف ہوگیا ہے۔ بارہ دری تو یہ رہی!" گنی میڈ سب سے پہلے دوڑا، اور دروازہ کو دھکا دے کر کھول دیا۔ وہاں اکزیان تنہا سو رہا تھا۔ "اُسے گرفتار کر دو!" جونو نے حکم دیا۔

"جونو یہاں نہیں ہے" مرکری نے خوشامدانہ تمنیت کے طور پر لیکن مایوسانہ لہجہ میں کہا۔ "کچھ پروا نہیں" جونو نے مکرر حکم دیا۔

"اسکو پکڑ لو، اسنے مجھے کھانے پر منتظر رکھا"

"ایجیشیس! کیا یہی آپ کی تواضع ہے؟"

اکزیان نے معصومانہ تحریف آمیز لہجہ میں کہا" میں اپنی حفاظت کروں گا۔

"اس کو پکڑو! اس کو پکڑو!!" جوپیٹر پکارا۔ "تم لوگ جھجکتے کیوں ہو؟ کیا تم فانی انسان سے ڈرتے ہو؟"

"اور ایک فصیل والے سے؟" گنی میڈ نے شہ دی۔ کوئی آگے نہ بڑھا!

"ہرقلس کو بلاؤ!" جونو نے حکم دیا۔

"ابھی لایا" گنی میڈ نے جواب دیا۔

"مجھے اس پر اعتراض ہے" تحسلی کا بادشاہ کہنے لگا "مقدس ترین حقوق میں اس دخل دہی کے خلاف میں احتجاج کرتا ہوں"

"کھانیکو ساعت؟" جونو پکارا۔

"اکزیان سے وجدانی گفتگو بیکار ہے" وینس بولی "انسان فاقدالحس ہوتے ہیں"

"وا۔ رات اُسی لئے ہے جو اُسکی تلاش کرے!" منروا نے کہا۔

"ہرقلس آگیا! ہرقلس آگیا!"

"اسکو پکڑ لو!" جونو نے ہرقلس کو حکم دیا۔ "اس آدمی کو پکڑ لو!"

اکزیان کی کوشش بیکار تھی۔ کیونکہ دیوتا ناقابل مقاومت اندفاع تھا۔

"جونو اعظم! کیا میں آپکے بعد برق کو بھی بلا لاؤں؟" گنی میڈ نے دریافت کیا۔

"تعزیر دوام سے کم سزا دینا ایک دیوتا کے لئے غیر موزوں ہے" جوپیٹر نے انتہائے تنجتر کے ساتھ کہا "اپالو اپنی گاڑی کا ایک پہیہ لاؤ"

"مگر میں کل صبح کیا کرونگا" آفتاب کے دیوتا نے سوال کیا۔

"ایک اکلیل کا حکم جاری کر دو" جوو نے جواب میں کہا "اس گستاخ کو پہیہ سے باندھ دو اور برزخ تک اسیطرح لیجاؤ۔ اس کا دور دوامی ہوگا"

"کر باندھوں کس چیز سے" ہرقلس نے سوال کیا۔

"وینس کے کمر بند سے" صاحب رعد و برق نے جواب دیا۔

"آخر یہ کیا معاملہ ہے" جوو نے بڑھ کر دریافت کیا۔

"میرے ہمراہ آؤ تو خود دیکھ لوگی" جوپیٹر نے جواب میں کہا۔

سب اُسکے پیچھے ہو لئے — تمام دیوتا دیویاں جنات اور ان سب کے درمیان ہیبت کا شوہر پہیہ سے بندھے ہوئے اکزیاں کو اٹھائے لئے جا رہا تھا۔ لاجوردی زینہ سے اُتر کر جب یہ ہجوم چاندنی پر پہونچ گیا اور ہرقلس اپنے بار کو اُٹھائے ہوئے تیار تھا کہ اک اشارۂ ابرو کے ساتھ، بیکس مگر بیباک انسان کو خلاء بسیط کی راہ سے عالم برزخ میں پھینکدے۔ ساری آسمانی آبادی اُسے گھیرے ہوئے جھانک رہی تھی تاکہ اسکا تماشہ دیکھ سکے۔ یہ ایک عمدہ اخلاقی نتیجہ تھا اور غیر سادی تعلقات سے پیدا ہونیوالی مصیبت و شامت کا عمدہ منظر۔

"سلام تجھ پر مستبد!" اکزیاں بولا۔

وہ ستم کی لمحہ میں جیسے ہی انہوں نے اپنے شکار کے آخری لفظ سُنے تمام آسمانی زیر خاموش تھیں۔ جو نوازش لطف پاس، وینس اور منروا کے ساتھ پہنچا دی گئی تھی

"سلام تجھ پر مستبد!" اکزیاں نے پھر کہا "میں تیری بیرحمی کا ہمیشہ مقابلہ کرونگا کیونکہ میرا محافظ تیرے ظلم کیطرح غیر فانی ہے۔ وہی میرا سہارا ہوگا"

ل۔ احمد

(ماخوذ)

غزل

بیکار تجھ کو اپنی عبادت پہ ناز ہے — اے شیخ بندگی سے خدا بے نیاز ہے

ہر ایک کو دیکھتا ہوں کہ شاید وہی ہو تو — کیا شوق دید پیکر ہنگامہ ساز ہے

تفسیر حسن و عشق نگاہوں میں پھر گئی — یوں چشم نیم باز فسانہ طراز ہے

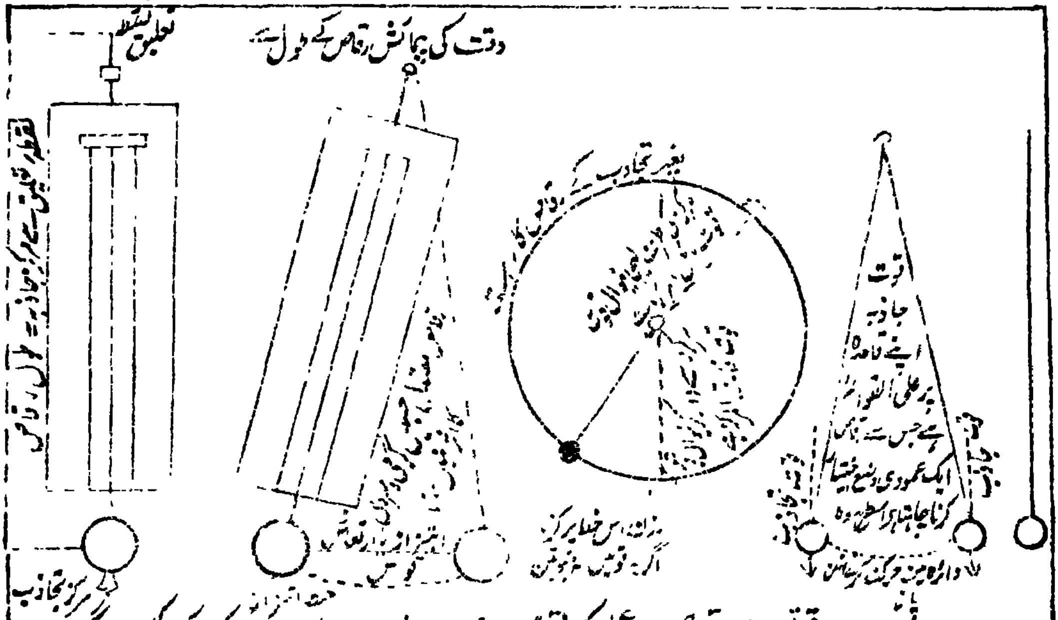
نظارہ کی ہوس ہے جو زاہد تو دیر چل — کعبہ میں تیرے صرف در توبہ باز ہے

بحر کرم سے گوہر مقصود کر عطا
ہم سن کے آئے ہیں کہ تو بندہ نواز ہے

بشیر احمد ہاشمی ایم اے

مسائل علمیہ

گھڑی وقت کیوں بتاتی ہے



وہ قوتیں جو رقاص پر عمل کرتی ہیں : بغیر ان قوتوں کے رقاص کی حرکت کیسی ہوگی

کیا کوئی گھڑیال یا گھڑی اس لئے وقت بتاتی ہے کہ اسمیں ایک کمانی ہوتی ہے، جسکو ایک خاص وقت کے بعد ایک خاص طریقہ پر کوکنا پڑتا ہے یا اسکا سبب یہ ہے کہ اسمیں ایک Regulator ہوتا ہے جس سے یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ اسکو تیز یا سست کی جانب حرکت دینے سے زیادہ صحیح نتیجہ پیدا ہوسکتا ہے یا یہ سبب ہے کہ گھڑیال میں ایک لنگر (رقاص) اور گھڑی میں ایک بال کمانی ہوتی ہے یا اسکا باعث وہ سوئی ہے جو ٹک ٹک کرتی ہے اور گھڑی کے گول رُخ پر ایک لاطائل سفر کرتی رہتی ہے؟ یقیناً ایسا کوئی عقلمند اور دانشور نہ ہوگا جسکو اچھی بڑی اور معمولی گھڑیوں سے سابقہ پڑا ہو اور وہ اس امر کا دعویٰ کرے کہ کسی گھڑیال یا گھڑی میں کوئی ایسی مرئی شے خواہ متحرک ہو یا ساکن موجود ہے جو براہ راست وقت تبلانے کا باعث ہے۔

گھڑی کا ہر وہ حصہ جسکا ہم نے نام لیا اور ہر وہ حصہ جسکا ذکر ہم نے نہیں کیا دونوں کو ہم نے بارہا اپنی اپنی جگہ اپنا اپنا مفوضہ کام انجام دیتے پایا ہے، اس پر بھی گھڑی صحیح وقت نہیں تباتی بہت سی ایسی مثالیں ہیں کہ ایسی سرکش گھڑیاں ماہرین فن کے

پاس بھیجی گئیں کہ ان کی سرکشی کا علاج ہو جائے اور ماہرین نے اُن پر تصرف بھی کیا، لیکن نتیجہ یہی نکلا کہ جب وہ اپنے مالکوں کے پاس واپس آئیں تو ان پر اعتبار اور اعتماد بجائے زیادہ ہونے کے کم ہی ہوگیا۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ ایک گھڑی کی ساخت بہت ہی نازک ہوتی ہے اور اکثر اس بات کے اقرار پر آمادہ نظر آئیں کہ واقعی گھڑی ایک بہت ہی نازک آلہ ہے۔

باوجود یکہ وقت بتلانے کے لیے گھڑی اس قدر محنت اور خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے، تاہم ہم میں سے بہت کم ایسے لوگ نکلیں گے جو گھڑی کی صحیح نزاکت کا اندازہ رکھتے ہوں، یا جن گھڑی کی ساخت کا اصول معلوم ہو یا جو اس امر سے واقف ہوں کہ گھڑی کا اصلی کام کیا ہے۔

ثانیوں، دقیقوں، ساعتوں، دنوں اور برسوں کا حساب و شمار ایک مصنوعی آلہ نہیں رکھ سکتا اور مثل دیگر معاملات کے وقت کے معاملہ میں بھی قوانین فطرت کی اطاعت سے چارہ نہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک آدمی زمین کے چاروں طرف گھڑیاں برابر برابر رکھے تو اسے ہر گھڑی کو مختلف وقت پر رکھنا ہوگا، تاکہ اس حصۂ زمین کے لیے جو ایک گھڑی کے نیچے آجاتا ہے وہ گھڑی قریب قریب صحیح وقت بتلا سکے۔ ہم نے "قریب قریب" کا استعمال قصداً کیا کیونکہ اگر ہم صحت مطلق کا لحاظ رکھیں جو یقیناً محال ہے، تو ہم کو گھڑی کے رُخ کو سوئی کی نوک جیسے نقطوں میں تقسیم کرنا پڑیگا اور سورج کی حرکت کا حساب لگانے کے لیے یہ نقطہ گویا معدل النہار ہوگا۔

اسی نقطۂ معدل النہار کا شمار اس امر کا باعث ہے کہ پیرس، لندن، شکاگو، کلکتہ اور زمین کے چاروں طرف مختلف میں گھنٹوں کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ سورج، وقت کو دنوں، مہینوں اور برسوں میں تقسیم کرتا ہے اور انسان کی یہ کوشش رہتی ہے کہ دنوں کو گھنٹوں، دقیقوں اور ثانیوں پر تقسیم کرے۔ یہ مہم ایسی سخت ثابت ہوئی کہ انسان کو اس میں کبھی کامیابی نصیب نہیں ہوئی، سبب صرف یہ کہ دن اور مہینے اور سال بھی مختلف طول کے ہوتے ہیں۔ صدی گھڑیاں ایک معیّن معدل النہار پر رکھی ہوتی ہیں اور اس معدل النہار پر سورج کی حرکت اسکو روزانہ درست کرتی رہتی ہے، ایک حد تک ایسی گھڑیاں، مقامی رقبوں اور آس پاس کے عرض البلد کے لیے معیار وقت ہوتی ہیں، لیکن، صدی حساب اور برقی صنعتوں کے استعمال سے ایک گھڑی خود بخود ایک ہی معدل النہار میں تمام گھڑیوں کو درست رکھ سکتی ہے۔ چنانچہ نیویارک میں گھڑیاں ٹھیک بارہ بجے دوپہر کو واشنگٹن سے درست ہوتی ہیں۔

جب کوئی گھڑی بگڑ جاتی ہے تو ہم اسکو ایک گھڑی ساز کے پاس لے جاتے ہیں اور پہلا کام وہ یہ کرتا ہے کہ اسکو چالو کر دے پھر بہت غور سے اسکی ٹک ٹک کی آواز سنتا ہے اور اسکو سننا بھی چاہیے کیونکہ کسی گھڑی میں خواہ کیسے ہی بیش بہا جواہرات کیوں

نہ لگے ہوں، وہ بہ حیثیت آلۂ وقت کے بیکار ہے جب تک اسکی یہ ٹک ٹک صحیح نہ ہو، ہر پہیہ، پیچ، پیرم، کمانی یا اور کوئی حصہ جو اس میں موجود رہتا ہے ان سب کا منشا یہ ہے کہ یہ ٹک ٹک یکساں اور صحیح رہے پس یہ ٹک ٹک کا نتیجہ ہے کہ گھڑی وقت بتلاتی ہے، بال کمانی کا ادھر اُدھر حرکت کرنا دو قوتوں کا پتہ دیتا ہے، ایک تو قوت تجاذب اور دوسری قوت فارق المرکز، بغیر انکے گھڑی چل ہی نہیں سکتی۔

ٹک ٹک وہ آواز ہے جو لنگر یا رقاص کی گرفت کے Escapement (پہیے) کے ہٹ جانے سے پیدا ہوتی ہے لیکن اسکا سبب دراصل اجسام معلقہ کی طبعی اہتزازی حرکت ہے۔ جامعہ قرطبہ کے علامہ ابن یونس کو اس اہتزازی حرکت کا علم تھا۔ چنانچہ اسکی توضیح کے لئے انھوں نے ۱۰۰۰ء میں پہلا آلہ ایجاد کیا، اسی آلہ کا نام رقاص ہے، اسی کی ادھر کی حرکت کو ارتعاش یا اہتزاز کہتے ہیں، گربرٹ جو علامہ کا رفیق تھا اس نے رقاص کو حرکت میں رکھنے کے لئے سب سے پہلا (پہیہ) ایجاد کیا، اس صورت میں اس آلہ کو صرف معلق جسم کی طبعی ارتعاشی حرکت کی توضیح کیلئے استعمال کیا جاتا تھا جب گیلیلیو نامی ایک نوجوان نے پیسا کے جامعہ میں یہ مشاہدہ کیا کہ معبد کی ہنڈی ان قوسوں پر جنپر وہ ارتعاشات سے معلوم ہو سکتی ہے جو اس میں مختلف ارتفاع پر واقع ہوتی تھی، اس وقت لوگوں کے ذہن میں یہ شبہہ گذرا کہ رقاص بھی پیمائش کرنیکی ایک خاص قابلیت رکھتا ہے۔ چنانچہ گیلیلیو نے خود ہی ۱۵۸۱ء میں۔ رقاص کو صحیح آلۂ پیمائش قرار دیا، گھڑیالوں میں تو اس کا استعمال ۱۳۶۴ء سے جاری تھا لیکن معلوم ہوتا تھا کہ اس کی اصلی اہمیت سے لوگ واقف نہ تھے، لیکن ۱۶۱۲ء میں اسکا استعمال پہیوں کے ساتھ ہوا۔ چنانچہ اس وقت سے آج تک اسی پر عمل ہے۔

وقت پیمائی میں تو فی زماننا رقاص بہترین اور کامل ترین آلہ ہے، یہی گھڑیال کا وہ جزو ہے جو وقت کی پیمائش کرتا ہے گھڑیال کے جتنے بقیہ اجزا ہیں وہ یا تو اس کی حرکت کو قائم رکھنے کیلئے ہیں یا ایک سفید لوح پر اس کے ارتعاش کی تعداد بتلانے کے لئے، وہ ایک منٹ میں تیس مرتبہ ادھر اُدھر ایک پوری قوس میں حرکت کرتا ہے، لیکن ہر دو اہتزاز کے ختم پر scape wheel کو ایک ہی دندانہ بڑھنے دیتا ہے۔ اور اس طرح لوح پر ثانیہ کی سوئی کے ذریعہ سے ۶۰ ثانیہ بتلاتا ہے اس سے پھر منٹ پیدا ہوتے ہیں اور اس سے گھنٹے اور اسی طرح گھڑی اپنا سفر طے کرتی رہتی ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ

ایک پونڈ کی اہلیت کے عنوان سے جو مضمون نومبر کے نگار میں شائع ہوا ہے اسمیں ایک شبہہ پیدا ہو سکتا ہے جسے میں دور کرنا چاہتا ہوں۔ وہ شبہہ یہ ہے:- مضمون میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ کلیۂ تجاذب کی رو سے دو اجسام میں قوت تجاذب (اور اسلئے وزن بھی) دونوں جسموں کے درمیانی فاصلے

کے مربع کے بالعکس متناسب ہوتا ہے، وزن کی حالت میں فاصلہ سے مراد وہ فاصلہ ہے جو مرکز زمین اور جسم کے درمیان پایا جاتا ہے، مضمون میں یہ بھی ذکر ہے کہ مرکز زمین پر وزن کچھ نہ رہے گا اور اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ جیسے جیسے ہم زمین کی طرف بڑھتے جائیں گے اور زمین کا حصہ چھوڑتے جائینگے اسی لحاظ سے وزن کم ہوتا جائیگا - بادی النظر میں یہ بات بدیہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ جیسے جیسے ہم مرکز زمین سے نزدیک ہوتے جاتے ہیں ہم اپنے پیچھے بہت کچھ زمین چھوڑتے بھی جاتے ہیں اور اس حصہ زمین کی کشش ہمارے ... الی بقیہ زمین کی کشش ... پس مرکز کے قریب وزن کم ہونا چاہئے اور سطح زمین پر سب سے زیادہ، حالانکہ یہ کلیہ کے خلاف ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ یہ شبہہ اس وقت زائل ہو جاتا ہے جب ہم کلیہ تجاذب کو صحیح صحیح اور پورا پورا بیان کریں. کلیہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ تجاذب، درمیانی فصل کے مربع کے بالعکس متناسب ہے، اس تناسب کو ہر حالت میں صحیح تصور کیا جاتا ہے حالانکہ یہ صرف اس حالت کے لئے ہے اور اسی حالت کا اس میں لحاظ بھی رکھا جاتا ہے جبکہ ہر دو جسم ایک دوسرے سے خارج ہوں، کلیہ تجاذب کے بیان کرنے میں اگر اس کا لحاظ رکھا جائے تو شبہہ پیدا ہونے کا احتمال نہیں رہتا۔

اصل یہ ہے کہ اس کلیہ کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ کسی جسم کا تجاذبی اثر اس کے لئے بے شمار ذرات کے اثرات کا مجموعہ ہے اس میں ایک اور مفروضہ ہے وہ یہ کہ ان سب ذرات کا اثر ایسا ہی ہے جیسے کہ سب ذرات کو ملاکر ایک بڑا ذرہ بنالیا ہو اور اس کو مرکز پر رکھدیا ہو- ایسی صورت میں کلیہ تجاذب عیاں ہے لیکن جب ایک جسم دوسرے کے اندر ہو تو مذکورۂ بالا دوسرا مفروضہ نہیں مانا جاسکتا- ایسی صورت میں مختلف ذرات کے اثرات کا مجموعہ اس اثر سے مختلف ہوگا جو مرکز پر رکھے ہوئے ذرہ کا ہے -

جو جسم ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہیں ان کے لئے تو تجاذب فاصلہ کے مربع کا بالعکس متناسب ہے لیکن جب ایک جسم دوسرے کے اندر ہو تو تجاذب فاصلہ کے ساتھ بجائے گھٹنے کے بڑھتا ہے اس کا ثبوت حساب (Calculus)[1] کے ذریعہ سے بہت آسان ہے اور یہ دکھلایا جاسکتا ہے کہ ایسی صورت میں تجاذب ہر دو اجسام کے مراکزوں کے فاصلہ کے متناسب ہوتا ہے، کلیہ تجاذب کو تمام و کمال بیان کرنے کے لئے ان ہر دو صورتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے اور پھر اس حالت میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا -

نصیر احمد عثمانی - ایم اے

نذر نگار

ہوش و حواس کھو دے سرگرم ناز ہو جا
او بے نیاز ہستی، ہستی نواز ہو جا

پنہاں رہیگا کب تک اے ناشنیدہ نغمے
عالم کو مرتعش کر، ہیجان ساز ہو جا

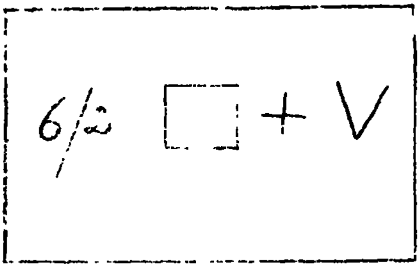
مجنون

---

[1] ریاضی کی ایک اعلیٰ شاخ ہے، جسے عربی میں "التفاضل والتکامل" کہتے ہیں - - - - - - (اڈیٹر)

مجرموں کی اصطلاحات

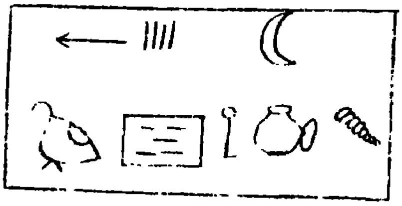
ایک دن صبح کو کوئی جوان عمر کا آدمی آہستہ آہستہ تبولی کارلو کی سڑک پر ٹہل رہا تھا کہ ایک ہوٹل کی دیوار پر اس نے یہ نشانات دیکھے :-



اس شخص نے اسی وقت پولیس کے سپاہی کو طلب کیا اور پوچھا کہ اِن نشانات کا کیا مفہوم ہے۔ سپاہی نے حیرت سے اپنے شانوں کو جنبش دی گویا وہ خود چاہتا ہے کہ کوئی اس کا مطلب بتا دے۔ نوجوان نے کہا کہ "تم اس شہر کے محافظ ہو جہاں بڑے بڑے مجرم آتے جاتے رہتے ہیں اور تمھیں خبر نہیں کہ ان علامات کا کیا مطلب ہے۔ تعجب ہے"۔ جب سپاہی نے التجا کی تو اس نے بتایا کہ یہ نشانات مجرموں کے ہیں۔ 6/2 سے مراد یہ ہے کہ (6) کو دو بار لکھا ہوا سمجھو یعنی (66)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوٹل کے کمرہ نمبر (66) میں کوئی جرم کیا گیا ہے اور اُس جرم کی نوعیت مربع کے نشان □ سے معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ نوٹ چرائے گئے ہیں۔ صلیب + سے اس وقت و اشکال ظاہر کیا گیا ہے جو لوٹوں کے حصول میں لاحق ہوئیں اور یہ نشان V دستخط ہیں اس چور کے جس نے یہ جرم کیا ہے۔

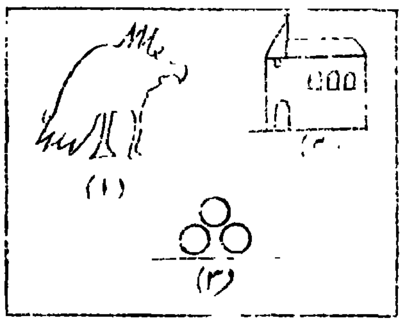
پولیس کا آدمی یہ سنکر گھبرا گیا اور فوراً اپنے چند ساتھیوں کو لیکر کمرہ نمبر (66) میں گیا۔ یہاں امریکہ کے دو سیاح ٹھیرے ہوئے تھے، جو پولیس والوں کو دیکھ کر سخت متحیر ہوئے۔ لیکن جب اُنھیں پوری تفصیل معلوم ہوئی اور انھوں نے اپنے صندوقوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ واقعی نوٹ غائب تھے اور قفل ٹوٹا ہوا تھا۔

قرونِ وسطے میں بھی مجرموں کے خاص نشانات مقرر تھے اور رفتہ رفتہ یہ رموز اسقدر فراہم ہو گئے کہ اب انکا پورا ایک لغت تیار ہو سکتا ہے۔ پندرھویں صدی میں ایک کلیسہ کی دیوار پر یہ نشانات دیکھے گئے :-



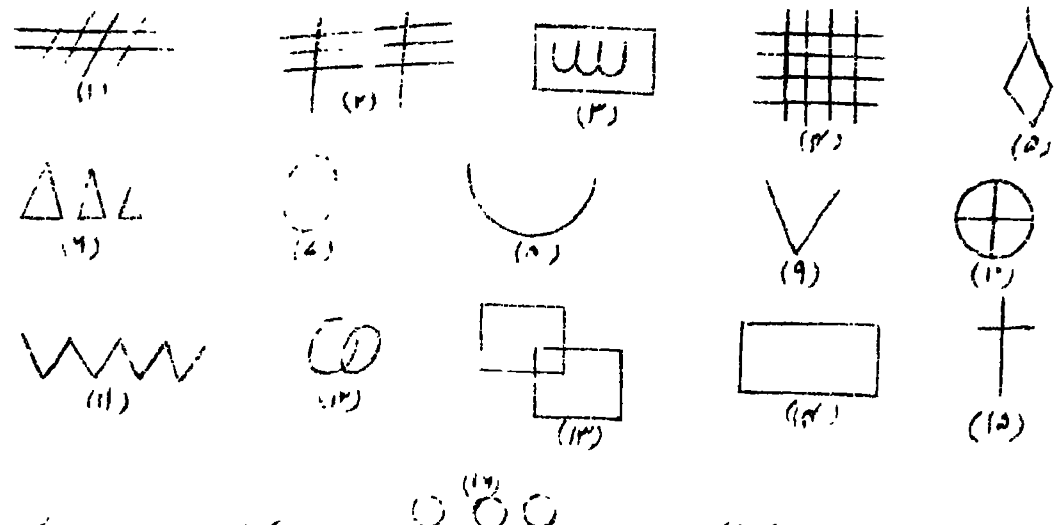
پہلی سطر کا مقصود یہ تھا کہ جب چاند مہینہ کے چوتھے حصہ میں آجائے تو تیر کی سمت میں کلیسہ سے چوتھا مکان شمار کرکے اس میں چوری کی جائے۔ گویا مجرموں کے لئے اعلان تھا کہ جس کا جی چاہے ایسا کرے۔ چنانچہ مختلف چوروں نے اس پر عمل کیا اور اپنی اپنی جماعت کے نشانات اس کے نیچے بنا دئے۔

فرانس میں مجرموں کا ایک گروہ تھا جو "سفید بھیڑیئے" کے نام سے موسوم تھا اور کلیساؤں میں چوری کیا کرتا تھا۔ ایک دن کسی گانوں میں پولیس کو یہ نشانات نظر آئے:-



اس کا فوٹو لیا گیا اور اصطلاحات مجرمین جاننے والوں کے پاس بھیجا گیا۔ ان میں سے ایک نے بتایا کہ شکل نمبر (۱) توتے کی ہے، جو ایک مخصوص جماعت سارقین کے سردار کا نشانِ فرمان ہے۔ شکل نمبر (۲) کلیسہ کی ہے، جس سے یہ مقصود یہ حکم دینا ہے کہ یہاں چوری کی جائے۔ شکل نمبر (۳) میں تین پتھر یکجا رکھ کر ظاہر کیا گیا ہے کہ چوری اس دن کی جائے جب قدیس اسطفانوس پر پتھر پھینکے گئے تھے اور وہ دن ۲۶ دسمبر کا تھا۔

امریکہ میں فقیروں اور سائلوں کے اس قدر کثیر علامات و اشارات ہیں کہ انکی ایک کتاب مرتب ہوسکتی ہے۔ بھیک مانگنے والوں کی یہ جماعت اپنے تمام افراد کی بڑی اعانت کرتی ہے اور مختلف مکانوں پر اس جماعت کے افراد اپنے تجربات کے لحاظ سے مخصوص نشانات بنا دیتے ہیں تاکہ انکی جماعت کا دوسرا شخص جو اس طرف سے گزرے پورے حال سے آگاہ ہو جائے اور معلوم کرلے کہ کہاں کامیابی ہوسکتی ہے اور کہاں نہیں۔ ذیل میں چند نشانات درج کئے جاتے ہیں:-

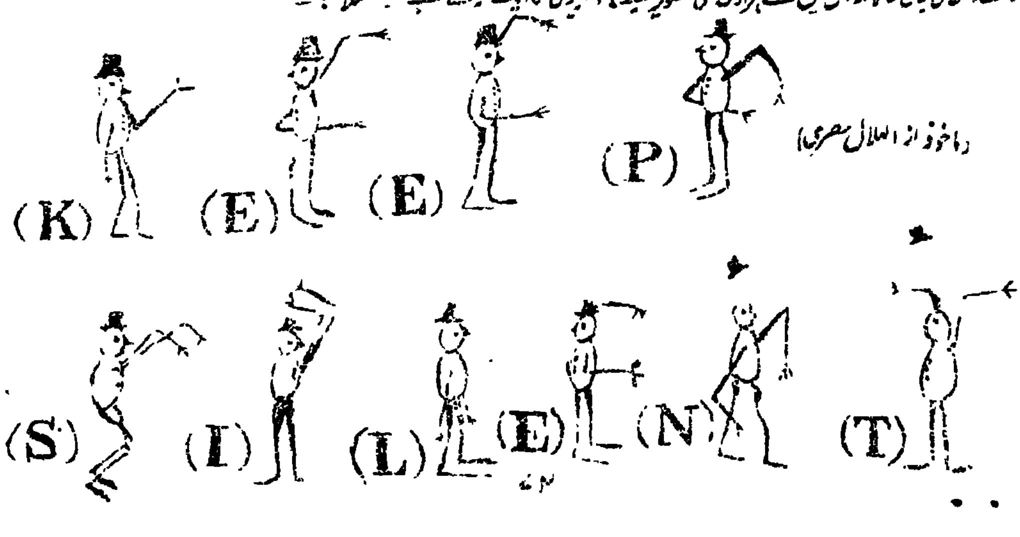


ان کا مطلب ترتیب وار یہ ہے۔ (۱) یہاں کوئی جرم وقوع میں آیا ہے (۲) یہاں پولیس رہتی ہے (۳) یہاں کے لوگ نہایت سخت ہیں اور ان کے پاس کتا بھی رہتا ہے (۴) ... (۵) یہاں جانے سے احتراز کرو (۶) یہاں صرف ایک عورت ہے ... کے رحم ... ہے (۷) یہاں فائدہ کی کوئی توقع نہیں (۸) یہاں سونا ممکن ہے (۹) یہاں کے آدمی فقیروں پر احسان کرتے ہیں (۱۰) یہاں کھانا ملجاتا ہے (۱۱) یہاں کتا رہتا ہے (۱۲) ... مانگو (۱۳) مکان والوں کو آسانی سے ڈرا سکتے ہیں (۱۴) یہاں کے لوگ سخت ہیں (۱۵) ... (۱۶) یہاں مال ملتا ہے۔

یورپ میں قبیلوں اقوام کی بھی خاص خاص علامات ہیں لیکن انکا تعلق تحریر سے نہیں ہے مثلاً اگر ان میں سے کوئی شخص اپنی گاڑی کے آگے درخت کی خشک شاخ ڈالدیگا تو معلوم ہوگا کہ اس کے ہاں کوئی بیمار ہے۔ گر شاخ جلی ہوئی ہو تو موت کا اظہار ہوگا اور سبز شاخ ولادت کو ظاہر کریگی۔ اگر برادری کو دعوت دینا مقصود ہوگی تو کھال کا ایک ٹکڑا راستہ میں ڈالدینگے اور دعوت کی تعداد متعین کرنے کے لئے ... کو ... سوراخ کردیں گے جس سے معلوم ہو سکے گا کہ اتنے شہروں کے بعد وہ گاؤں ملیگا جہاں دعوت کیجائے گی۔ اگر یہ سوراخ گول ہوں ... تو بیچ میں آنیوالے ... کا شمار ہوگا۔

ان کا قافلہ جب کسی طرف سے گزرتا ہے تو پیچھے آنے والے قافلہ کے لئے راستہ میں کچھ نشانات چھوڑ جاتا ہے، جس سے سمت سفر معلوم ہو جاتی ہے۔

یورپ کے مشہور ناول نویس کینن ڈائل نے بھی بعض مقامات پر جرمیں کے رموز بنائے ہیں، جن میں زیادہ دلچسپ وہ ہیں جن میں رقص کرتے ہوئے آدمیوں کی حالت دکھائی جاتی تھی حالانکہ ان میں سے ہر آدمی کی تصویر حقیقتاً انگریزی کا ایک حرف ہے۔ مثلاً:-



استفسار و جواب

(۱)

(زبیر احمد - آگرہ)

ادبی مضامین سے کس قسم کے مضامین مراد ہیں ایسے مضامین سے سوسایٹی کے کن مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے اور انکا اثر اخلاق پر کیسا پڑتا ہے -

(نگار) ادبی مضامین سے صرف وہ مضامین مراد ہیں جو بواسطہ یا بلا واسطہ صرف لٹریچر (زبان) میں کوئی اضافہ کرسکیں۔ اسلئے اگر منفعت ادبی اور منفعت قومی لازم و ملزوم ہیں جیسا کہ آجکل اکثر اجتماعیین کا دعوے ہے تو پھر سوسایٹی کا وہ کونسا مقصد ہے جو ایسے مضامین سے پورا نہیں ہوسکتا رہا انکا اثر اخلاق پر، سو اسکے جواب میں آسکر وایلڈ کے اس قول کو پیش کرتا ہوں کہ کسی کتاب کے متعلق یہ کہنا کہ وہ مفید اخلاق ہے یا مخرب اخلاق، الغو سی بات ہے جسکی نسبت صرف یہ تنقید ہونی چاہئے کہ وہ اچھی لکھی گئی ہے یا بری'

(۲)

(محمد مبارک شاہ جیلانی - بہاولپور)

نگار میں ایک بسیط مضمون فنون لطیفہ کے متعلق تحریر فرمایئے اور ہر ممکن طریق پر اسکے تمام اصناف سے بحث کرکے (اگر ہوسکے تو اعلیٰ تصاویر سے مزین کیجیے) کیونکہ ہم جیسے بعض اصحاب ایسے ہیں جو اس فن میں کچھ معلومات رکھتے ہیں -

(نگار) آپ کی فرمائش سقدر سخت لیکن اسی کے ساتھ اسدرجہ دلچسپ ہے کہ بقول غالب "گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل" کا عذر پیش کرنے پر مجبور ہوتا ہوں - "فنون لطیفہ" اسقدر وسیع المطالب و متنوع المسایل موضوع ہے کہ نگار کے صفحات اسکے مقابلہ میں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو حیثیت "حسن بسیار" کے روبرو "تنگی داماں" کو حاصل ہے، تاہم یہ اہم مقصد ہمارے پیش نظر ہے، اور انشاء اللہ ایک وقت ایسا آئیگا کہ آپکی (بلکہ خود اپنی) یہ خواہش پوری ہوسکے گی - آپ اپنی نسبت "کچھ" معلومات اس فن کے متعلق رکھنا ظاہر کرتے ہیں - میرے خیال میں آپ انکسار سے کام لیکر ایسا فرماتے ہونگے، پھر کیوں نہیں آپ ہی اسکی ابتدا فرماتے؟ جب انسان کو اپنے اوپر اعتماد ہو تو غیر کا آزمانا غالب کے فلسفہ میں ممنوع آیا ہے - آپ کو شاید معلوم نہیں -

(۳)

(شیخ جی طاہر - دھولیہ مغربی خاندیس)

براہ کرم مطلع فرمایئے کہ فی زمانہ دنیا میں بیسیوں طرح کی بولیاں بولی جاتی ہیں - حضرت آدم تو ایک ہی زبان استعمال کرتے تھے، پھر کیوں تمام عالم میں ایک ہی زبان نہ رہی -

(نگار) معلوم نہیں آپنے ان بیسیوں طرح کی بولیوں میں طیور و حیوانات کا بھی لحاظ رکھا ہے یا نہیں - غالباً آپکا خیال ان غریبوں کی طرف مبذول نہیں ہوا ورنہ بجائے بیسیوں کے آپ سیکڑوں ہزاروں تحریر فرماتے - بہرحال آپ کا سوال اس حد تک یقیناً اہم ہے کہ میں اسکو نگار میں درج کئے دیتا ہوں، خواہ اسکا جواب مجھ سے دیا جاسکے یا نہ دیا جاسکے -

زیادہ مناسب ہوتا اگر آپ یہ بھی تعیین فرمادیتے کہ حضرت آدم کونسی زبان استعمال کرتے تھے اور وہ کیونکر عالم وجود میں آئی تاکہ جو اسباب اُس زبان کے پیدا ہونے کے آپ ظاہر فرماتے، وہی اور تمام زبانوں کی تخلیق کا باعث قرار دیدیے جاتے -

(۴)

(سید مبارک علی - حیدر آباد)

ترا نہ تکمہ لعل است در لباس حریر ٭ شدست قطرۂ خون منت گریباں گیر

اس شعر کے متعلق (منجملہ دیگر اشعار کے) بعض لوگوں نے اور شاید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی نے بھی اپنی کتاب بدیہہ گوئی میں تحریر کیا ہے،

کہ نورجہاں کا ہے، جس نے ایک دن جہانگیر کو حریر کے لباس میں لال کے تکمے لگائے ہوئے دیکھ کر بیساختہ موزوں کر دیا تھا۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

(نگار) اس وقت میرے سامنے ہوش صاحب کی کتاب موجود نہیں ہے تاہم وہ ہوش صاحب ہوں یا کوئی اور، اگر اس شعر کو نورجہاں سے منسوب کرتے ہیں تو سخت غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ شعر بنائی ہروی کا ہے جو عہد سلطان احمد میرزا کا مدح گو تھا۔ اسکے زمانہ کو نورجہان کے زمانہ سے کیا نسبت؟ اس شاعر کو اس نوع کی تشبیہ دینے کا خاص ذوق حاصل تھا، چنانچہ اس کا ایک شعر اسی قسم کا ہے:-

درچمن گریہ کناں بے گل رویت بودم ٭ ماند در سینہ چو گل ناخن خون آلودم

بعض بعض شعراء نے معاملات کے بھی اچھے لکھے ہیں مثلاً

سخنے سازم و رو جانب کویش نگنم ٭ تا بتقریب سخن چشم بر ویش فگنم

(۵)

(سید وصی الحسن۔ مبارک پور)

فن کاغذسازی کس ملک کی ایجاد ہے، دنیا میں کب سے اسکا رواج ہوا اور کیونکر موجودہ دور انقلاب تک پہونچا۔ میرے ایک مغرب پرست دوست کا خیال ہے کہ کاغذ بھی یورپ ہی کی اختراع ہے، لیکن چونکہ مجھے اس کی تاریخ سے آگاہی نہیں ہے، اس لئے انھیں کوئی مسکت جواب نہیں دے سکتا۔ کیا آپ براہ کرم اس باب میں میری مدد فرما سکتے ہیں۔ خدا کرے کہیں آپ بھی یہی نہ کہ دیں کہ ہاں یورپ ہی نے اس کو ایجاد کیا ہے۔

(نگار) نہیں، آپ مطمئن رہئے، میں یہ کبھی نہ کہونگا کہ یورپ کو اس فن کے ایجاد کا فخر حاصل ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ موضوع تفصیل کا محتاج ہے اور استفسار و جواب کے سلسلہ میں شاید میں پوری تسکین آپ کی نہیں کر سکتا۔ تاہم تعمیل ارشاد میں ایک نہایت ہی اجمالی نظر اس مسئلہ پر ڈالتا ہوں:-

یہ امر تو بالکل یقینی ہے کہ کاغذسازی مشرق کی اختراع ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ مشرق کے کس ملک یا کس قوم کو اولیت کا فخر حاصل ہے۔ اہل چین مدعی ہیں کہ اس کے مخترع ہیں، اہل عرب کا دعوے ہے کہ یہ اُن کی ایجاد ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ اس باب میں چینیوں کو تفوق حاصل ہے۔

چین میں نہایت قدیم زمانہ سے یہ صنعت رائج تھی اور وہاں سے منتقل ہو کر سمرقند میں گئی۔ جب مسلمانوں نے سمرقند کو فتح کیا تو اسیران جنگ میں سے بعض چینی لوگ بھی تھے جو فن کاغذسازی سے واقف تھے اور اس طرح اول اول مسلمانوں نے کاغذ بنانا سیکھا۔ اس وقت تک تمام بلاد یورپ میں چمڑے پر لکھنے کا رواج پایا جاتا تھا اور عرب میں بھی یہی کیفیت تھی، لیکن جب اہل عرب نے کاغذ بنانا سیکھ لیا تو انھوں نے چمڑے پر لکھنا ترک کر دیا اور اس بات میں یقیناً عربوں کو امتیاز حاصل ہے۔

جس وقت اسلامی تہذیب ترقی پر تھی، اس وقت تمام بلاد اسلامی (مثلاً اندلس، عراق، بغداد، قاہرہ، دمشق) میں بڑے بڑے کارخانے کاغذسازی کے قائم تھے اور نہایت نفیس کاغذ طیار ہو کر تمام اطراف میں جاتا تھا، حتے کہ مصر میں تو ایسا کاغذ بنتا تھا جیسا اس وقت باریک جھلی کی طرح چیزوں کے لپیٹنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یورپ میں بھی یہی کاغذ رائج تھا چنانچہ [illegible] (یعنی کاغذ دمشق) کا لفظ انکی زبان میں کافی ثبوت اس امر کا ہے۔ یورپ میں کاغذسازی کا رواج بارہویں صدی عیسوی سے شروع ہوا، اور وہاں یہ فن اندلس سے گیا

جہاں شاطبہ، بلنسیہ، طلیطلہ وغیرہ میں بڑے بڑے کارخانے کاغذ کے قائم تھے۔

(٦)

(مشتاق الحسن خاں - اجمیر)

میرے پاس ایک تصویری کارڈ ہے، جسمیں تصویر کے نیچے Slave Market of Arabia (عرب کا بازار بردہ فروشی) درج ہے۔ اسمیں دو عریاں کنیزیں شرم آلود ادا کے ساتھ کھڑی ہیں۔ بیچنے والا انکے ہاتھ پکڑے ہوئے خریدار کو انکے حسین اعضاء دکھا رہا ہے اور مول لینے والے نہایت حریص نگاہوں سے انکی برہنگی کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ چونکہ اسمیں تمام تصویریں مسلمانوں کی معلوم ہوتی ہیں، اسلئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی یورپ کی شرارت ہے، جو مسلمانوں کی طرز معاشرت کو اسطرح رسوا کرنا چاہتا ہے۔ کیا آپکے نزدیک اسمیں کچھ واقعیت ہے، اور کیا ان تصویروں کو بالکل مصنوعی و فرضی نہیں کہہ سکتے؟

نگار - تصویریں تو یقیناً فرضی و غیر حقیقی ہیں، لیکن جس منظر کو پیش کیا گیا ہے اسکے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ آپکے سوال کا جواب تو ختم ہو گیا، لیکن چونکہ میرا جواب آپکے یقین و اعتقاد کے مخالف ہے، اسلئے آپ کی تسکین کے لئے ذرا تفصیل سے کلام لیتا ہوں۔

غلامی کا رواج اسقدر قدیم ہے کہ اگر اسکی ابتدا آغاز عہد انسانی سے قرار دی جائے تو درست ہے، کیونکہ غلامی کی بنیاد، قوی کا اپنی قوت محسوس کرنا ہے ضعیف کے مقابلہ میں، اور اس احساس کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ عرب کے ایام جاہلیت میں غلام دو طرح کے ہوا کرتے تھے، ایک تو وہ جو جنگ میں ہاتھ آتے تھے اور دوسرے وہ جنھیں وہ جوار کے بلاد سے خرید کرتے تھے۔ عرب کے بازاروں میں دوسری جنس کی طرح غلاموں کی بھی خرید و فروخت ہوتی تھی، قماربازی کے سلسلہ میں بعض لوگ دوسرے کے غلام ہو جاتے تھے اور بعض صورتوں میں مدیون بھی اپنی آزادی سے دست بردار ہو جاتا تھا۔ جب ظہور رسالت ہوا تو غلاموں کے ساتھ وہ مستبدانہ سلوک یک قلم موقوف ہو گیا اور انکی سطح اسقدر بلند کر دی گئی کہ انکے ساتھ نکاح کر لینا بھی معیوب نہ رہا۔ پھر اسی کے ساتھ یہ بھی حکم نافذ کیا گیا کہ صرف وہی لوگ غلام تصور کئے جائیں جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں یعنی نہ جزیہ دینا قبول کرتے ہیں اور نہ مسلمان ہوتے ہیں، اور لونڈیوں کے ساتھ حسن سلوک کی سخت ہدایت کیگئی۔ الغرض اسلام نے انتہائی کوشش کی کہ غلامی کا رواج معدوم ہو جائے، اور عملاً اسمیں کامیابی بھی ہوئی کیونکہ غلاموں کے آزاد کرنیکا اجر بہت بڑا ظاہر کیا گیا تھا اور لوگ کثرت سے یہ اجر حاصل کرتے تھے چنانچہ تاریخ میں کثرت سے اسکی مثالیں موجود ہیں، جنکے اظہار کا یہ موقع نہیں۔

جب عرب سیادت اور خلافت راشدہ کے بعد وسعت حکومت کے ساتھ عیش و تنعم میں اضافہ ہوا، تو لونڈیوں یا کنیزوں کا مسئلہ زیادہ مہتم بالشان ہو گیا اور اس نے اسوقت کی سیاسات کو بہت متاثر کیا۔ عہد بنی امیہ و بنی عباس میں جب تمدن و حضارت اپنے انتہائی نقطۂ عروج پر پہونچ گئے، تو اکثر لوگوں نے اپنے رسوخ کا ذریعہ کنیزوں ہی کو بنایا اور خلفاء سے لیکر معمولی امرا تک کا مکان حسین و مغنیہ کنیزوں سے بھر گیا، چنانچہ خلیفہ متوکل کے پاس چار ہزار کنیزیں تھیں اور ہارون الرشید کے پاس دو ہزار جن میں تین سو موسیقی کی ماہر تھیں۔

ملک کے تاجر اور دوسرے لوگ کنیزوں کی تعلیم و تربیت میں ہزاروں روپیہ صرف کرتے تھے اور پھر لاکھوں کماتے تھے، چنانچہ بعض کنیزوں کی قیمت ایک ایک لاکھ اشرفی تک پہونچ جاتی تھی۔ سلیمان بن عبدالملک (اموی) نے ایک کنیز کو جسکا نام زلفار تھا ستر ہزار دینار میں مول لیا۔ جعفر برمکی نے ایک لونڈی کو چالیس ہزار دینار میں خریدا۔ امین نے جعفر بن ہادی سے کہا کہ اپنی کنیز جسکا نام بذل تھا بیچ دے، اسنے انکار کیا، امین نے پھر اصرار کیا اور آخرکار دو کروڑ درہم میں مول لے لیا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس عہد میں کنیزوں کی کسقدر وقعت تھی اور نہ صرف بلحاظ حسن و جمال بلکہ باعتبار اپنی سیرت کے وہ کسدرجہ مکمل ہوتی تھیں۔ موسیقی، نے نوازی، شعرگوئی تو نہایت معمولی صفت تھی، بلکہ اس سے بھی بڑھکر وہ بمثل ادیب، بےنظیر نحوی و صرفی اور بلے انتہا ماہر سیاست و تدبیر منزل ہوتی تھیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ انھیں تو شعرا اور متعدد ایسے خلفاء کی ماں بننے کا فخر حاصل ہوا -
چونکہ کنیزوں کی تجارت کرنا اسوقت کوئی عیب نہ تھا اور بہی کے ساتھ بے انتہا نفع کی بھی توقع ہوتی تھی، اسلئے تمام ممالک کی لونڈیاں بغداد کے بازار میں آتی تھیں اور علی الاعلان انکی خرید و فروخت ہوتی تھی، یہانتک کہ اسکی تجارت ایک مستقل فن بن گیا اور اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئیں - ان لوگوں میں مشہور تھا کہ بلحاظ شرافت و نجابت کے فارس کی کنیزیں، خدمت کی غرض سے روم کی عورتیں، بکانے کیلئے حبش کی اور تربیت اطفال کیواسطے آرمینیا کی لونڈیاں مخصوص ہیں - حسن کے باب میں انکا قول تھا کہ "الوجوہ فی الترک والاجسام فی الروم والعیون فی الحجاز والنحور فی الیمن"، صورت ترکوں کی، بدن روم والیوں کے، آنکھیں حجاز کی عورتوں کی اور کمر یمن کی لڑکیوں کی -

تاجر انھیں بازار میں جاتے تھے تو عریاں کر دیتے تھے اور جب خریدار جمع ہو جاتے تو وہ کنیز کی تعریف میں ایک خطبہ دیتا کہ یہ ایسی حسین ہے اور یہ ایسی فاضل ہے اور پھر اسی کے ساتھ آواز لگاتا کہ ہے کوئی جو اس دُرِ نایاب کی خواہش کرے، یہ سنکر کسی طرف سے آواز آتی چار ہزار دینار، دوسرا کہتا پانچ ہزار، یہانتک کہ وہ اسی وقت بیش بہا رقم پر فروخت ہو جاتی - قدیم روم کیطرح یہ بھی ہوتا کہ کنیز کو کسی بلند مقام یا پتھر پر عریاں کھڑا کر دیتے اور لوگوں کو عام اجازت ہوتی کہ وہ اسے دیکھیں، اپنے ہاتھ سے اسکے جسم کو مس کریں اس سے گفتگو کر کے ہر طرح اپنا اطمینان کر لیں -
عرب میں بردہ فروشی کا رواج ترکوں کے زمانہ میں بھی پایا جاتا تھا، لیکن جس وقت سے بین الاقوامی مفاہمت کی بنا پر اس کو ترک کر دیا گیا ہے، اسوقت سے بازاروں میں علانیہ کنیزوں کو لانا متروک ہو گیا ہے، لیکن خفیہ طور پر اب بھی انکی خرید و فروخت ہوتی ہے اور اسی عریانی کے ساتھ جس طرح پہلے کبھی پائی جاتی تھی - البتہ فرق یہ ہے کہ پہلے کنیزیں عموماً دیسر تا ایک چیز ہوتی تھیں اور اسی اعتبار سے انکی قیمتیں زیادہ ہوتی تھیں، لیکن اب ان کمل صفات کی لونڈیاں معدوم ہیں اور اسی لحاظ سے اُن کی قیمت مقرر ہوتی ہے

(۷)

(احمد اسماعیل - رنگ پور - بنگال)

کیا ہمارے نظام شمسی کا آفتاب تمام اجرام سماوی سے بڑا ہے؟ اگر دوسرے اجرام اس سے بڑے ہیں تو کتنے اور وہ اسوقت کس حالت میں کہاں پائے جاتے ہیں؟

(نگار) آپنے کائنات عالم کو اسقدر مختصر سمجھ لیا ہے کہ آفتاب سے زیادہ بڑا کرہ پایا جانا آپکو مستبعد نظر آتا ہے - خدا کی خدائی تو اسقدر وسیع ہے کہ اگر ہمارے نظام شمسی جیسے کروڑ نظام فنا ہو جائیں تو بھی اسکی آبادی میں کوئی کمی پیدا نہیں ہو سکتی - اسمیں شک نہیں کہ ہمارا آفتاب بہ قدرت خالق زندگی کا معمولی منبع نہیں ہے، لیکن دیگر اجرام سماوی کے مقابلہ میں وہ بہت حقیر ہے -
مونٹ ولسن کی رصدگاہ میں ایک نہایت قوی دوربین کے ذریعہ سے حال ہی میں مسٹر پیز نے فضاء عالم کے اندر منکب جبیس Betelgeuse اور انٹارس (Antares) دو آفتاب اور دریافت کئے ہیں جنکا قطر علی الترتیب اکیس کروڑ پچاس لاکھ اور اکیس کروڑ میل ہے - پھر بتائیے کہ آپکا آفتاب جسکا قطر صرف آٹھ لاکھ ۶۵ ہزار میل ہے اُن قاہر و قہار آفتابوں کے سامنے کیا حقیقت رکھتا ہے - انکے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت ہی لطیف گیس کی صورت میں پائے جاتے ہیں، اسقدر لطیف کہ اگر ہم چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں ہے - لیکن اس پر کچھ نہیں، کہ عظیم الشان مجموعہ کا یہ حال ہے کہ اگر اسکی روشنی ہماری زمین تک سفر کرنا شروع کرے، تو باوجود ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سکنڈ (سکنڈ!) رفتار رکھنے کے، دو سو برس سال کے بعد ہم تک پہونچ سکے گی - واقعہ یہ ہے کہ خدا کی عظمت و جبروت کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے اور اگر ہم اس کا علم کسی طرح حاصل کر سکتے ہیں تو صرف اپنے اعتراف عجز سے کہ ہمارے لئے اس سے زیادہ کھلی ہوئی حقیقت ثابتہ اور کوئی نہیں ہو سکتی -

معلومات

دھوکا دینے کا اک نیا طریقہ | ولایت میں چند قمار باز کسی جگہ بیٹھے ہوئے جوا کھیل رہے تھے، اسی دوران میں ایک شخص نے اپنی جیب سے انگوٹھی نکالی، جسمیں نہایت قیمتی بڑا الماس جڑا ہوا تھا، لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا تو اسنے کہا کہ یہ الماس مصنوعی ہے مگر انہوں نے کہا یہ غلط ہے ہم اسقدر نادان نہیں ہیں کہ اصلی اور نقلی الماس کو نہ پہچان سکیں، اس کی قیمت کم از کم چالیس ہزار فرانک ہے۔ انگوٹھی کے مالک نے کہا تم لوگ غلطی پر ہو، مجھ سے زیادہ تم اس انگوٹھی کے حال سے واقف نہیں ہوسکتے، یہ صرف بلور ہے۔ اسی اثنا میں کوئی بڑا دولت مند تاجر آگیا اور اسنے کہا کہ میں کسی جوہری کو دکھا کے بعد چالیس ہزار فرانک میں خرید لونگا۔ چنانچہ وہ انگوٹھی لیکر چلا گیا اور جوہری کو دکھانے کے بعد خریداری کا عزم کرلیا۔

جب وہ قیمت ادا کرنے لگا تو انگوٹھی کے مالک نے کہا کہ مجھے اسکے اندر سے وہ بال نکال لینے دو، جنہیں شلبر یا گار میں نے اسمیں محفوظ کردیا تھا۔ دوسرے دن خریدار نے یہ انگوٹھی دوسرے جوہری کو دکھائی تو اسنے کہا کہ یہ الماس نہیں ہے بلکہ بلور ہے غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جب بال نکالنے کے بہانہ سے اسنے اس انگوٹھی کو لیا تھا اسی وقت دوسری انگوٹھی بجائے پہلی کے بدل دی تھی۔ لیکن امیر دعوے نہ کرسکتا تھا کیونکہ اسنے بار بار صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ اسکا نگ مصنوعی ہے۔

دنیا میں موٹروں کی تعداد | اس وقت تمام دنیا میں (سوائے ایشیا کے) موٹروں کی تعداد حسب ذیل ہے:-

امریکہ	۱۰۵۰۵۶۶۰	ارجنٹائن	۷۵۰۰۰
انگلستان	۴-۹۷۵۸۲	اٹلی	۵۳۰۰۰
کناڈا	۴۶۳۴۴۸	اسپین	۳۷۰۰۰
فرانس	۲۳۶،۱۴۶	روس	۲۵۰۰۰
جرمنی	۹۱۳۸۴		

نقشہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ کے پاس سب سے زیادہ موٹر ہیں یعنی فی صدی ۸۴ موٹر اس کے پاس ہیں۔

منجمد مٹی کا تیل | ڈاکٹر ہرین ہولڈ نے کسی کیمیائی طریقہ سے مٹی کے تیل کو اس طرح منجمد کردیا ہے کہ آسانی سے اس کے ٹکڑے جیب میں رکھے جاسکتے ہیں۔ پھر اختیار ہے کہ اسکو رقیق کرکے لیمپ میں بھر دیا جائے یا خود اس ٹکڑے کو دیا سلائی سے روشن کردیا جائے اس صورت میں اس کی حدت بمقدار $\frac{1}{3}$ کے زیادہ ہوتی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ موم بتیوں کا رواج اب کم ہوجائے گا اور عام طور سے اسی منجمد تیل کا استعمال ہونے لگیگا۔

مصر میں ایک جدید انکشاف اثری سرزمین مصر اور ارض بابل، زمانۂ دراز سے علمائے آثار قدیمہ کی کوششوں کا جولانگاہ بنی ہوئی ہیں اور حقیقت سے انکار ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے مساعی کامیاب نہیں ہوئے۔ اسوقت تک قدیم تاریخ، مصر و بابل کی جسقدر معلوم ہوئی ہے وہ انھیں شائقین علم کی کاوشوں کی ممنون ہے اور عجب نہیں وہ زمانہ قریب ہو جب مشرق قریب کا تمام تاریک حصۂ تاریخ، علم کی پوری روشنی میں لے آیا جائے۔

لارڈ کارنارون اور مسٹر ہاورڈ کارٹر نے اپنی گزشتہ سولہ سال کی اثری زندگی کا نتیجہ حال ہی میں ایک ایسے غیر منکشف مکان کی دریافت سے پیش کیا ہے، جسے اس صدی کا بہترین اثری انکشاف کہہ سکتے ہیں۔ یہ مکان یا کمرہ قدیم سبا کی سرزمین میں رامسیس چہارم (چوتھا فرعون) کے مقبرہ کے نیچے دریافت ہوا ہے جو اب سے تین ہزار سال قبل تعمیر کیا گیا تھا اور جہاں شاہانہ شوکت و جبروت کی بہت سی علامتیں اب بھی پائی جاتی ہیں۔

اس مکان کے اندر متعدد کوچ جن پر ہاتھی دانت اور جواہرات کا کام بنا ہے رکھے ہوئے ہیں اور کثرت سے ایسے صندوق پائے جاتے ہیں جن پر مناظر شکار کی تصویریں منقوش ہیں۔ علاوہ انکے ایک عجیب و غریب تخت بھی یہاں موجود ہے اور ایک شاہی کرسی بھی ہے جس پر مرصع چتر قائم ہے۔ اسوقت تک اشیاء کی پوری تفصیل معلوم نہیں ہوسکی ہے، لیکن فہرست مرتب ہو رہی ہے ممکن ہے کہ اسی سلسلہ میں بعض تحریرات یا نقوش ایسے بھی مل جائیں جو تاریخی حیثیت سے بے انتہا قابل قدر ہوں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مقبرہ مصر کے اٹھارویں حکمراں خاندان میں سے کسی بادشاہ کا ہے جس کی حکومت ملک سبا میں مابین سنہ ۱۵۸۰ و سنہ ۱۳۵۰ ق م پائی جاتی تھی۔

اعادۂ جوانی کا امکان ایک زمانہ وہ تھا جب سکندر سا اولوالعزم بادشاہ باوجود خضر کی رہنمائی کے بھی آب حیات کا ایک گھونٹ کو ترستا ہوا چلا گیا اور دنیائے عشق و حسن میں ہمیشہ مرنے والے نے یہی شکایت کی کہ ؎ تھے بہت ایفائے عہد تک جیتے عمر نے ہم سے بیوفائی کی، یا اک زمانہ اب ہے کہ بے تکلف جی چاہے گناہ کیجئے، ہر ممکن صورت سے جوانی کو خراب کیجئے اور پھر زندگی کا وہی ورق الٹ لیجئے جہاں سے آپ نے اپنی پُر لذت زندگی شروع کی تھی۔ گویا گلستان حیات سے سوائے باب پنجم کے اور تمام ابواب محو کر دینے کی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ ہندوستان کے قدیم ویدک طریقہ علاج میں کایا پلٹ بوٹی کے فسانے سنا کرتے تھے کہ کسی نے اتفاقاً جنگل کے کسی درخت کا پھل یا پھول کھا لیا اور اسکا بدن پھٹ کر ایک نہایت حسین نوجوان جسم اندر سے نمودار ہو گیا۔ لیکن اب یورپ نے ان تمام افسانوں کو حقیقت کر کے دکھایا ہے اور ثابت ہو گیا ہے کہ آب حیوان کے جس چشمہ تک پہونچنے کیلئے عہد قدیم میں تعلب شمالی طرف حریص و طامع اکا دکا جاتے تھے وہ بندر کی تیلنٹی میں موجود ہے، البتہ فرق یہ ہے کہ ڈاکٹروں نے اسکا نام بدل کر تھارائیڈ گلانڈ (ایک قسم غدود کی) رکھدیا ہے۔

چند ماہ ہوئے جب اخبارات و رسائل میں یہ خبر دیکھی گئی تھی کہ فرانس کے کسی ڈاکٹر نے دعوے کیا ہے کہ انسان کی ضعیفی نام ہے صرف اسکے تھایرایڈ گلانڈز کے مضمحل ہو جانے کا، اس لئے اگر یہ غدّہ بدلا یا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان پھر از سر نو جوان نہ ہو جائے چنانچہ وہ اسی خیال کو لیکر امریکہ گیا اور وہاں شاید چمپینزی (بندر) کے غدود بعض ضعیف و معمر لوگوں کی کنپٹی میں داخل بھی کئے، لیکن اسکے بعد پھر کوئی خبر نہیں آئی کہ نتیجہ کیا ہوا۔

اب فرانس کے ایک ڈاکٹر ورناف ([illegible]) نے اس مسئلہ کو زیادہ یقین کی حد تک پہونچا دیا ہے اور یورپ کی جدت پسندی آبادی میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ اس ڈاکٹر نے لندن کے کسی باشندے پر یہی عمل کیا اور اس کے نتائج حیرتناک ثابت ہوئے۔ یہ شخص جسپر عمل جراحی کیا گیا حد درجہ ضعیف و ناتوان، بیکار و مضمحل تھا، لیکن اب وہ جوان ہے قوی ہے اور اپنی زندگی کو جو ستر اسی سال تک پہونچ چکی تھی، کھینچکر پھر بیس سال تک لے آیا ہے۔

فرانس کے ڈاکٹروں کی ایک جماعت نے اس طریق علاج اور اس شخص کا نہایت غایر مطالعہ کیا اور وہ بھی بالکل مطمئن ہیں کہ واقعی یہ جوانی عارضی نہیں ہے بلکہ تمام برکات کے لحاظ سے اُسے حقیقی شباب کہہ سکتے ہیں۔ منشی امیر احمد امیر مینائی نے بڑی کاوش سے یہ مصرعہ پیدا کیا تھا کہ "چودہ برس کے سن میں وہ لاکھوں برس رہے" گویا خیالی دنیا میں بھی انھوں نے اپنے پندار کے مطابق بڑی نئی بات پیدا کی تھی۔ یہاں علمی و مادی دنیا میں بھی اسکا وقوع سب نے دیکھ لیا۔

قوتِ عمل کی پیمایش | برلن کے ایک ڈاکٹر نے جس کا نام ڈیر ہے ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک انسان میں کسقدر عملی قوت پائی جاتی ہے۔ یہ آلہ جن اصول پر وضع کیا گیا ہے وہ نہایت آسانی سے سمجھ میں آ سکتے ہیں کیونکہ انسان کی عملی قوت خون کی حرکت پر موقوف ہے یعنی جس شخص میں قوت عمل زیادہ ہوتی ہے اسکا قلب کثیر مقدار میں خون کو تمام عروق و شرائین کی طرف منتقل کرتا ہے اور جس کی یہ قوت ضعیف ہوتی ہے اس میں خون کا دوران بھی کم اور مضمحل ہوتا ہے جس شخص کا امتحان کرنا مقصود ہوتا ہے اس کا ہاتھ اس کے اندر ڈالدیا جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد آلہ قوت پیما سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس شخص کا دورانِ خون کس حد تک سریع ہے اور وہ دنیا میں اپنی قوت عمل کے لحاظ سے کسقدر کامیاب ہو سکتا ہے۔

جرمنی کی علمی ترقیاں | کسقدر حیرتناک امر ہے کہ وہی جرمنی جو اپنا سیاسی و اقتصادی اقتدار دنیا سے کھو چکا ہے جس کے سکہ کی اسوقت کوئی قیمت نہیں رہی اور جو جنگ کے اثرات سے بالکل تباہ و برباد تسلیم کیا جاتا ہے، تعلیمی نقطۂ نظر سے اب بھی اپنا جواب نہیں رکھتا اور کسی طرح وہاں کے اعداد و شمار کو دیکھ کر یہ یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی قوت کو پھر واپس نہ لا سکے گا۔ باوجود اسکے کہ جنگ میں اسکے لاکھوں آدمی ضائع ہوئے، باوجود اسکے کہ مالی مشکلات نے حکومت کے سارے نظام کو

منزل کردیا ہے لیکن تعلیم کے مسئلہ میں اس کی ترقیوں کا وہی عالم ہے اور فنون کے حصول میں پہلے سے زیادہ لوگوں میں شغف محسوس کیا جاتا ہے۔ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ زمانۂ قبل از جنگ میں وہاں کی تعلیمی حالت کیا تھا اور مابعد جنگ اس میں کسقدر ترقی ہوئی ہے۔

		سنہ ۱۴	سنہ ۲۱
اقتصاد سیاسی	لڑکے	۲۳۶۰	۹۹۴۵
	لڑکیاں	۱۲۸	۸۶۵
طب	لڑکے	۵۴۶۱	۱۴۷۱۲
	لڑکیاں	۹۷۹	۲۰۲۵
علم الکیمیا	لڑکے	۸۸۵	۴۸۵۲
	لڑکیاں	۲۹	۱۹۵
ریاضیات	لڑکے	۶۱۴۸	۶۲۰۳
	لڑکیاں	۷۳۳	۹۳۲
زراعت	لڑکے	۱۲۵۳	۳۱۱۸
	لڑکیاں	۷	۴۹
آلات سازی	لڑکے	۲۷۶۵	۳۱۴۷
	لڑکیاں	۱	۲
میکانک	لڑکے	۳۵۱۱	۸۵۵۹
	لڑکیاں	۲	۱۳
برقیات	لڑکے	۸۷۴	۲۹۷۰
	لڑکیاں	۱	۳

الغرض صرف بڑی یونیورسٹیوں اور صنعتی کالجوں کے طلبہ کی تعداد سنہ ۱۴ میں ۶۰۲۳ء تھی جو سنہ ۲۱ میں ۱۱۰۷۵۲ تک پہونچ گئی۔ یعنی ۸۴۵۷۳ طلبہ کا اضافہ ہوا۔ اس میں مدارس و معمولی کالج اور یونیورسٹیوں کے اعداد شامل نہیں ہیں جہاں کے طلبہ لاکھوں کی تعداد میں بڑھ گئے ہیں۔

روحِ نظیر

یعنی

میاں نظیرؔ اکبرآبادی کے منتخب کلام کا مجموعہ

جس کو

سید محمد محمود رضوی بی اے مخمورؔ اکبرآبادی نے

مع ایک بسیط مقدمہ و تبصرہ کے نہایت کاوش و تحقیق سے مرتب کیا ہے جسکر تیار ہو گئی ہے علاوہ ایک پُرمغز دیباچہ اور ایک پُرمعنی مقدمہ و تبصرہ کے جن سے نظیر کے شاعرانہ کمال پر تحقیقی روشنی پڑتی ہے کتاب کے آخر میں فرہنگ و حواشی اضافہ کرکے کلام کے معنوی مشکلات و تلمیحات کو حل کیا ہے اور اسکے ساتھ متروکات و مصطلحات پر گہری نظر ڈالی ہے کلام نظیر کی صحت میں جس دقت نظر سے کام لیا گیا ہے وہ صرف مطالعہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے یہ کتاب معنوی لطائف کے علاوہ صوری محاسن کا ایک نظر زیب مرقع ہے۔ اس کتاب کی ترتیب جو بالکل جدید انداز و طریق ادارت پر کی گئی ہے دلدگان ادب کے لیے خاص دلچسپی رکھتی ہے تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۴۰۰ صفحہ۔ سرورق رنگین کاغذ چکنا ولایتی ۲۸ پونڈ کتابت و طباعت دیدہ زیب قیمت علاوہ محصول ڈاک عہ

تصنیفات مولانا نیاز فتحپوری		دارالاشاعت سیاسا مشرقیہ کی کتابیں	
گہوارۂ تمدن	عہ	خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام مصنفہ مولانا محمد سلیمان ندوی	عہ
قربانگاہ حُسن	۴ر	سمرنا میں یونانی مظالم	عہ
تلاش راز	۶ر	ٹرکی میں عیسائیوں کی حالت	۵ر
		حوادث سمرنا	۲ر

ملنے کا پتہ:- دارالاشاعت نگار — آگرہ

ناظرین نگار

کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ صیغہ نشر و انتظام نے محسوس کیا ہے کہ ایڈیٹر اور مقام اشاعت کا دو جگہ ہونا خالی از دقت نہیں ہے۔ اس وجہ سے سہولت اسمیں ہے کہ نگار کا دفتر بھوپال منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ فروری کا پرچہ بھوپال سے شائع ہوگا۔ لہٰذا حضرات خریداران نگار آیندہ سے تمام خط و کتابت منیجر نگار۔ توپ محل بھوپال کے پتہ سے فرمائیں

(منیجر نگار)

درج

ادبی انقلاب

رسالہ ہمایوں لاہور۔ باتصویر

آنریبل خان بہادر میاں محمد شاہ دین صاحب ہمایوں مرحوم سابق جج چیفکورٹ پنجاب کی یادگار میں

اُن کے خلف الرشید میاں بشیر احمد صاحب بی۔ اے۔ (آکسن) بیرسٹرایٹ لا نے مستقل سرمایہ سے ایک منیظر ماہوار ادبی رسالہ "ہمایوں" اپنی اور بلیغ الملک علامہ تاج محمد نجیب آبادی فاضل دیوبند کی اڈیٹری میں ماہ جنوری ۱۹۲۲ء سے جاری کیا ہے یہ رسالہ دلکش افسانوں دلچسپ تاریخی و علمی مضامین دلفروز مضمون کا البم بنکر شائع ہوتا ہے۔ ہمایوں کے بہت سے مشہور انشاپرداز ایسے ہیں کہ انکے مضامین صرف ہمایوں ہی کے صفحات میں نظر آئیں گے چونکہ اس کے اجرا سے تجارت مقصود نہیں بلکہ صرف آنریبل جسٹس مرحوم کی یادگار کے طور پر مستقل سرمایہ سے جاری کیا گیا ہے اس لئے اسکے بند ہونیکا قطعی اندیشہ نہیں اسکی ظاہری و باطنی خوبیوں پر دل کھولکر روپیہ صرف کیا جاتا ہے بہت بڑے سائز کے کم سے کم (۷۲) بہتر صفحات کا حجم لکھائی چھپائی اور کاغذ بہتر سے بہتر ہر ماہ تاریخی یا کسی مشہور اہل قلم یا آرٹ کے متعلق کوئی تصویر شائع کیجاتی ہے مشرقی و مغربی معلومات اور علمی ادبی دلچسپیوں کے دو دریا ہمایوں کے کوزے میں بند ہوتے ہیں صحت زبان و محاورات کے اعتبار سے اسکا پایہ بہت بلند ہے بزم ادب کے عنوان کے تحت ہندوستان و بیرونی ممالک کے اُردو۔ ہندی۔ بنگالی۔ مرہٹی۔ گجراتی۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی زبان کے مشہور رسالوں سے دلچسپ مضامین کا اقتباس شائع کیا جاتا ہے اسکے مخصوص قلمی ماونین میں سے چند کے اسماء گرامی درج کئے جاتے ہیں۔ آنریبل شیخ عبدالقادر جج ہائیکورٹ لاہور۔ آنریبل سر محمد شفیع کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ وزیر تعلیم گورنمنٹ ہند۔ نواب حیدر یار جنگ بہادر۔ نواب سر ذوالفقار علی خاں سی۔ آئی۔ ای۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال۔ خواجہ حسن نظامی۔ وغیرہ ہمایوں کے متعلق مشاہیر اہل قلم گورنمنٹ کے منتخب اخبارات و رسائل نے بہت اعلیٰ رائے قائم کی ہیں قیمت سالانہ پانچروپیہ۔ ششماہی تین روپیہ۔ نمونہ کا پرچہ ۸/ (علاوہ محصولڈاک)

منشی محمد صادق مینیجر رسالہ ہمایوں (درکوٹھی میاں بشیر احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا مزنگ روڈ لاہور)

پانچ شہرہ آفاق کتابیں

جن کی شہرت کا سلسلہ چار دانگ عالم میں بج چکا ہے اور ہندوستان کی سات ٹکسٹ بک کمیٹیوں میں انعامی کتب منظور کیگئی

سیرت حضرت عائشہ صدیقہؓ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی میں ملک کی مہذب مستورات اور جوان لڑکیوں کیلئے بہترین کتاب۔ کتاب کی عبارت اردو لٹریچر کا انتہائی لطف دکھاتی ہے۔ مزار مبارک کا نقشہ اور فوٹو ساتھ ہیں قیمت مجلد ۱۲/ بلا جلد ۱۰/

سیرت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

رسول اکرم صلعم کی پہلی اور محبوب ترین بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے حالات۔ یہی ایک بیوی تھیں جن سے آپ کا سلسلہ اولاد چلا آپ کے مزار کا فوٹو کتاب کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ قیمت مجلد ۱۲/ بلا جلد ۱۰/

سیرۃ حضرت فاطمۃ الزہراؓ

یہ کتاب پانچویں دفعہ طبع ہوئی ہے ملک میں ازحد مقبول ہوئی ہے درد انگیز واقعات کا مجموعہ ہر ایک شریف عورت کے پڑھنے کے قابل ہے بیگی اخلاق حسنہ عبادت خدا اطاعت شوہر محبت خلق ایثار کفایت شعاری وغیرہ کے نزاعات میں بیش مستورات کیلئے سکتی ہر کتاب میں کئی فوٹو ہیں مجلد ۱۲/ بلا جلد ۱۰/

سیرت حضرت بلالؓ

یہ اس جنتی غلام کے حالات ہیں جو رسول اکرم صلعم کے از صحبت سے اس درجہ تک پہونچ گیا تھا جسکے حصول میں لاکھوں ہندوستانی اب تک ناکام ہیں مصنف نے بدون وضو کتاب کا ایک حرف بھی نہیں لکھا آپ کے مزار کا فوٹو کتاب میں ہے مجلد ۱۲/ بلا جلد ۱۰/

سیرۃ حضرت امام حسین

حضرت شہید کربلا امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی جس میں آپ کا مزار اور شہیدان کربلا کے مزاروں کے فوٹو بھی دئے گئے ہیں ولایتی کاغذ اعلیٰ درجہ کی چھپائی اور خوبصورت ٹائیٹل جلد ہے قیمت مجلد ۱۲/ بلا جلد ۱۰/

ملنے کا پتہ۔ مینیجر رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات (پنجاب)

شفاخانہ زاہدی یونانی وامرت فارمیسی باسودہ

جی۔آئی۔پی۔ ریلوے قائم شدہ ۱۸۸۵ء کی امرت پلز تیر بہدف مشہور ادویہ کا ایک مرتبہ ضرور تجربہ فرمائیے۔

بیکار ہیں جو جوانان نونہال ⁂ ہاں اُنکے واسطے ہیں یہ امرت کی گولیاں مردانہ قوتوں کی حفاظت اور امراض کا قلع قمعہ کرنیوالی بے نظیر دوا ہے جسمیں کشتہ جات طلا و نقرہ ڈمیانہ فاسفورس جیسے بیش بہا مرکب شامل ہیں آپ اپنے امراض سے پریشان اور مایوس نہوں بیچے طور تجربہ کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ پرہیز ندارد ہر عمر و موسم کے لائق قیمت فی شیشی ۴۲ گولیاں تین روپیہ (سے)

ٹانک پلز جو احباب امرت پلز استعمال نکرسکیں وہ ٹانک پلز استعمال کریں انکے فوائد امرت پلز سے کسیطرح کم نہیں۔ ایک مرتبہ ضرور تجربہ کیجئے قیمت ۴۸ گولی عہ

زاہدی۔ زچگی کے زمانہ میں بچہ و زچہ کو استعمال کرانیسے کافی حفاظت ہوتی ہے۔ (نوٹ) خریداران نگار ہر دوا نصف قیمت پر خرید سکتے ہیں زاہدی دو شیشی سے کم روانہ ہوگی

نجات المومنین (قیمت ۴ر) مسئلہ روزہ نماز بچوں بچیوں کے یاد کرنے کے لئے بہت سادگی سے نظم کئے گئے ہیں جو معمولی سمجھ کا آدمی سمجھ سکتا ہے ہر مسلمان کے گھر میں رہنے کے لائق ہے مستورات بچوں کو یاد کرا سکتی ہیں۔

المشتہر پروپرائٹر حکیم سید ظہور الحسن الف۔ بی۔ ایس۔

بچیوں پر رحم کیجئے

اور ضرور ضرور انھیں صبح زندگی۔ شام زندگی۔ شب زندگی منگا کر پڑھوائیے یہ تینوں کتابیں عورت کی دین دنیا سنوار دیتی ہیں ہم نے اپنا وقت تو جیسا گذرنا تھا گزار ہی دیا لیکن آیندہ نسلوں کے لئے تو ہیاں دوزخ نبائے اور نہ وہاں ہندوستان کے تمام مشہور لوگوں اور کل ممتاز اخباروں کو اتفاق ہے کہ اس بارہ میں صبح زندگی۔ شام زندگی شب زندگی سے بہتر مذاکار نہیں مل سکتا۔ صبح زندگی کی قیمت ۱ھر ہے۔ شام زندگی کی قیمت ۱ھر۔ شب زندگی کی قیمت ۲ھ۔ فی الحال کوئی ایک حصہ منگا کر ہمارے وعدہ کی سچائی دیکھئے۔

المشتہر۔ منیجر درویش پریس دہلی

شدھا سندھو

بلانو پان کی دوا

کف۔ کھانسی۔ ہیضہ۔ دمہ۔ اسہال سنگرہنی پیٹ درد جی متلانا۔ بالکوں کے ہرے پیلے دست اور درد معدہ کی ایک خوش ذائقہ اور خوشبودار دوا صرف پانی میں ملاکر دینے سے ایک خوراک اپنا اثر دکھاتی ہے قیمت فی شیشی ۸ر محصولڈاک ۷ر

دور و کج گیسری یعنی داد کی دوا

بلا کسی جلن اور تکلیف کے دو تین مرتبہ لگانے سے ہی درد کو آرام کرنے کی سب سے اچھی دوا ہے قیمت فی شیشی ۴ر آنہ ایک سے ۴ شیشی تک محصول ڈاک ۸ر

بال شدھا

کمزور اور دبلے پتلے اور اکثر بیمار رہنے والے بچوں کو طاقتور اور موٹا تازہ بنانے والی میٹھی دوا ہے قیمت فی شیشی (۱۲ر)

پورا حال جاننے کے لئے بڑی جنتری مفت منگالو۔

(سب جگہ ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔)

ملنے کا پتہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا

تحفۂ نادر

[illegible]

خیال ... بہت زیادہ ... [illegible]

... نہایت آسان طریقہ ... احسان کیمیکل ... [illegible]

[illegible]

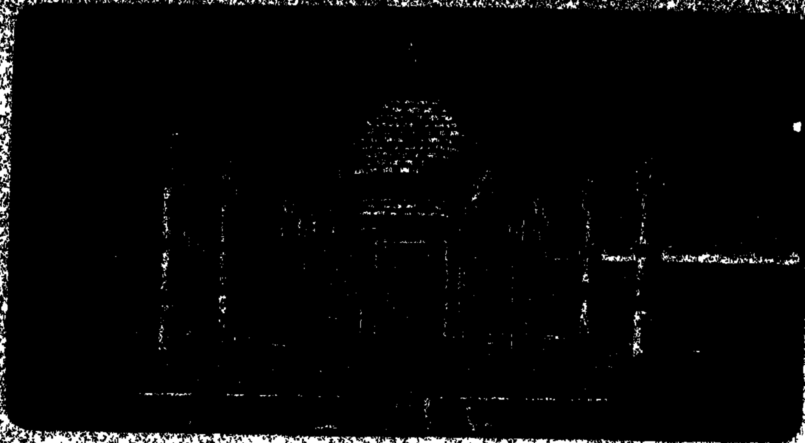
ستایا ہو نے ہے تم کو ... دکھایا ہے ۔ کہیں کیا تمہیں ... [illegible]

[illegible]

... کی ایک نئی علاج

[illegible]

احسان ... [illegible]



نگار

مجلہ علمیہ و ادبیہ

زیر ادارت

نیاز فتحپوری

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴

نگار

ایڈیٹر: نیاز فتحپوری

مجلد ۳ — فروری سنہ ۱۹۲۳ع — قیمت سالانہ ۵ ششماہی ۳

شمارہ ۲ — قیمت ایک پرچہ آٹھ آنے

فہرست مضامین

ملاحظات

۱۔ سب سے زیادہ ضروری اور اہم بات جو سلسلۂ ملاحظات میں مجھے کہنا چاہیئے یہ ہے کہ ہمارے ایک رفیق حسین اسمٰعیل صاحب نمایندۂ نگار کی حیثیت سے دورہ کرنے والے ہیں جس سے مقصود اگر "تماشائے اہل کرم" دیکھنا نہیں ہے، تو کم از کم آپ پر یہ ضرور ثابت کر دینا ہے کہ کارپردازان نگار نے جو توقعات ملک کی طرف سے قائم کی ہیں وہ کس درجہ وسیع و عمیق ہیں، ان کے پاس ہمارے خطوط تعارف اور ہماری دستخطی رسیدوں کی کتاب بھی ہوگی۔

۲۔ اس میں شک نہیں کہ سال گزشتہ کے آخری حصہ میں ہمارا شعبۂ انتظام بہت ناکام ثابت ہوا اور اس کا سبب جناب لطیف کی مصروفیت تھی، اسی خیال کی بنا پر اب دفتر بھوپال میں منتقل کر دیا گیا ہے اور ایک ہوشیار منیجر کی خدمات حاصل کی گئی ہیں، تاکہ وہ تمام نقائص کو جلد از جلد دور کر دے۔

جن لوگوں کو اس وقت تک بدنظمی کی شکایت ہے، اُن کی خدمت میں ہم معذرت پیش کرتے ہیں اور آیندہ کے لئے یقین دلاتے ہیں کہ کبھی اُن کو اس کا موقع نہ دیا جائے گا۔

۳۔ چونکہ خریداران نگار کی تعداد میں کافی اضافہ ہو رہا ہے اس لئے خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھنا ضروری ہے، ورنہ تعمیل میں تاخیر ہونا لازم ہے۔

۴۔ فروری کا پرچہ بھی تعویق سے شائع ہو رہا ہے، کیونکہ بدنظمی کے دور میں اسکی کتابت و طباعت کا انتظام کیا گیا تھا، لیکن توی امید ہے کہ مارچ کا رسالہ اپنے وقت پر اور اپریل کا وقت سے پہلے شائع ہو جائے گا۔

اڈیٹر

منجانب سرکار نگار، بھوپال

نگار

مجلد ۲۱
شمارہ ۲

فروری سنہ ۱۹۲۳ء

قیمت سالانہ
پیشگی پانچ روپیہ

نہضت قومی کے حیرتناک مناظر

اک زمانہ تھا جب یورپ اور ترقی کو دو مترادف الفاظ قرار دیا جاتا تھا، لیکن اب وہ دور ختم ہوگیا ہے اور یورپ کی وہ مرکزیت جس پر اُسے اس قدر افتخار و ناز تھا امریکہ کی طرف منتقل ہوگئی ہے اور علم و اقتصاد کی دنیا میں کہ ارتقاءِ قومی کے یہی دو مدار ہیں، وہ بہت زیادہ ممتاز نظر آتا ہے۔ چنانچہ آج کی صحبت میں ہم بتانا چاہتے ہیں کہ امریکہ نے یورپ کو کیوں شکست دیدی اور اہل امریکہ کی وہ کون سی خصوصیات ہیں جنھوں نے اُسے سربلند کر دیا۔

اگر تم کسی باشندۂ امریکہ کا صحیح مطالعہ کرنا چاہتے ہو تو امریکہ جاؤ وہاں تمھیں معلوم ہوگا کہ اسکے اخلاق کیا ہیں اور اس کے اندر کیسی روح کام کر رہی ہے۔ امریکہ کے باہر اس کی خصوصیات معلوم کرنا ایسا ہی ہے جیسے چڑیا خانہ کے اندر کسی جانور کے طبعی حالات معلوم کرنا۔

امریکہ کا باشندہ بعض ایسی خصوصیات اپنے اندر رکھتا ہے جنھوں نے ایک انگریز ایک جرمنی اور ایک فرانسیسی سے بالکل ممتاز کر دیا ہے اور وہ انھیں کی بنا پر امریکہ کا باشندہ معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ذاتیت وطنی ہے، اک مخصوص روح ہے اور اس کی اک عجیب وغریب سائکالوجی ہے، جس کا پتہ صرف امریکہ جانے سے چل سکتا ہے۔

ڈاکٹر فلپ حتی زمانہ دراز سے آرزومند تھے کہ وہ ان لوگوں کے رموز اور اسرار معلوم کریں اور دیکھیں کہ وہ کیا اصول ہیں جن کی بنا پر وہ اس قدر ترقی کر رہے ہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے زائرین امریکہ کی کتابیں دیکھنے اور کثیر جرائد و رسائل کے مطالعہ میں کئی سال صرف کئے اور آخرکار اس نتیجہ پر پہونچے کہ دنیا میں صرف اہل امریکہ ہی ایسے لوگ ہیں جو الجبرا کے y , x کی طرح مختلف موقع و محل پر اپنے اندر مناسب انقلاب پیدا کر سکتے ہیں اور اُن سے زیادہ وقت پرست قوم کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

حیاتِ قومی | ڈاکٹر موصوف کا بیان ہے کہ ایک سیاح جب امریکہ جاتا ہے تو سب سے پہلے جو چیز اُسے متحیر بنا دیتی ہے وہ اہل امریکہ کی حیاتِ قومی اور قوت حیات ہے۔ فاضل ڈاکٹر لکھتا ہے کہ اسٹیمر سے اُترنے کے بعد جس وقت ہم نیویارک میں پہونچتے ہیں، تو سب سے پہلے جو چیز نگاہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے وہ پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ منزلی عمارتوں کا سلسلہ ہے جو غیر متناہی طور پر حد نظر تک چلا گیا ہے۔

ان کو دیکھ کر ایک اجنبی یہ محسوس کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یقیناً یہاں کے انسان عام انسانوں سے بالکل جدا ہیں اور یقیناً یہی وہ لوگ ہیں جو بجا طور پر اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد شہر کے اندر داخل ہوتے ہی ان لوگوں کا عملی انہاک دیکھ کر سیاح نظر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان سے زیادہ حوصلہ مند، بلند نظر، قوی الذہن جماعت، نوعِ انسانی میں اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ ان کی بلند عمارتیں، ان کا حد درجہ سرعت کے ساتھ ادھر ادھر چلنا پھرنا، ان کے مشاغل اور اُن کی ہر ہر ادا گویا اس بات کا ثبوت ہے کہ اُن کے عروق میں کوئی اور خون دوڑ رہا ہے۔

خاموش حرکت | یہاں کے خارجی مظاہر میں سب سے پہلے جو منظر انسان کو حیرت میں ڈال دیتا ہے، وہ ان کی خاموش حرکت ہے تم دیکھو گے کہ سڑکوں پر، بازاروں میں، مردوں اور عورتوں، جوانوں اور بڈھوں کا ایک ہجوم ہے جو اِدھر سے اُدھر دوڑتا ہوا جا رہا ہے کوئی ہوائی ریل (سطح زمین سے بلند ستونوں پر قائم کی ہوئی ریلوے لائن) میں سوار

ہونے کے لئے بھاگا چلا جا رہا ہے، تو کوئی زیرِ زمین چلنے والی ٹرین تک پہونچنے کے لئے بڑھتا ہے، کوئی ٹراموے کے لئے دوڑا جا رہا ہے تو کوئی موٹر کی طرف تیزی سے چلا جا رہا ہے، گویا انسانوں کا ایک سیلاب (سیلاب لغوی معنے میں) ہر وقت حالتِ مد میں نظر آتا ہے لیکن لیکن نہ وہاں کوئی شور ہے اور نہ کوئی چیخ پکار، جو قدرتاً ایسے ہنگامہ کا ضروری نتیجہ ہے۔

جب تم کسی ٹراموے کی طرف لوگوں کو بیتابانہ دوڑتے دیکھوگے تو خیال کروگے کہ شاید یہ آخری گاڑی ہے لیکن اس کے تھوڑی دیر بعد دوسری ٹراموے پھر تیسری اور اسطرح سو سو دو سو گز کے فاصلے سے بے شمار ٹراموے نظر آئیں گی اور ان سب میں ایک سا ہجوم و اژدحام دکھائی دیگا۔

تم اگر چاہو کہ شاہراہ پر کسی جگہ ٹھہر کر اطمینان سے ایک نگاہ ڈال لو تو ممکن نہیں ہے کیونکہ آدمیوں کا دو سیلاب جو تمھارے پیچھے آرہا ہے تم کو اپنے ساتھ بہالے جائے گا، گویا تم بھی اس سیلاب کے ایک قطرہ ہو اور تم کو اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں ہے، اور اس کے ساتھ تمھیں بھی جانا ضروری ہے، یعنی تم ایک کل کے جزو ہو اور فردِ مستقل ہونے سے بالکل محروم اگر تم کسی ٹراموے یا زمین دوز ریل میں سوار ہونا چاہو، تو تمھارے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کھلے ہوے دروازے کی طرف قصد کر کے چلو، بلکہ تمھارے لئے صرف اس قدر کافی ہے کہ اپنے آپ کو پیچھے آنے والے ہجوم کے سپرد کردو، وہ خود تمھیں ڈھکیل کر وہاں تک پہونچا دیگا۔

سُرعت | جس وقت اسٹیمر یا کشتی سے اُتر کر اُس لکڑی کے پل پر قدم رکھوگے جو تمھیں ساحل تک پہونچانے والا ہے تو یقیناً سب سے پہلے تمھارے کانوں میں آواز پڑیگی کہ "ہم کاک" "ہلےرنا" یعنی تیزی سے قدم اُٹھاؤ" اور یہ آواز تمھیں ریل، ٹراموے لائن اور موٹروں پر ہر جگہ سنائی دیگی، یہ جلدی اس قوم کی غیر منفک خصوصیت ہے۔

اُن کا کھانا پینا، چلنا، کام کرنا، زندہ رہنا یہاں تک مرنا اور دفن کیا جانا بھی عجلت سے ہوتا ہے، تم ایک درزی کی دوکان پر پہونچوگے تو سب سے پہلے دروازہ پر یہ اعلان پڑھوگے کہ "وہ کھڑے کھڑے تمھارے کپڑے طیار کردیگا" اسی طرح جوتے کے کارخانے میں دیکھوگے کہ بیٹھے بیٹھے وہ جوتہ طیار کردیتا ہے، حجام کی دوکان پر پہونچتے ہی تین آدمی تمھاری طرف متوجہ

ہوجائیں گے، ایک بال کاٹے گا، دوسرا ناخن بنائے گا اور تیسرا تمھارے جوتے صاف کرنے لگیگا
اسی طرح تم ہر ہوٹل میں (quick lunch) غذائے سریع کا انتظام خصوصیت کے ساتھ
پاؤ گے۔

اہل امریکہ کی اس عجلت پسندی کا ایک مشہور لطیفہ ہے کہ وہاں کیو باسے ایک شخص اپنی زندگی کا بیمہ کرانے آیا، بیمہ کمپنی کا ایک شریک اس کے پاس گیا اور اسکو اپنی عجلت، معاملہ کی صفائی اور دیانت کا اطمینان دلانے کے لئے کہا کہ "اگر تم اس وقت اس کھڑکی سے نیچے گر پڑو تو قبل اسکے کہ تم زمین تک پہونچو بیمہ کا روپیہ تمھاری بیوی کے پاس پہونچ جائے گا" اُس نے کہا کہ "اگر زمین پر گرنے کے بعد میں صحیح سالم رہا تو پھر کیا کرو گے"؟ اس نے جواب دیا کہ "میں فوراً دوسرا تار بھیجکر روپیہ کی ادائی روک دوں گا۔

اس سرعت پسندی کے سلسلہ میں امریکہ کی دو چیزیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں جو دنیا میں کسی اور جگہ نہیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک آٹومات (Automat) ہے اور دوسرا "کافاٹیریا (cafeteria) - آٹومات سے مراد وہ خاص قسم کے ہوٹل ہیں جہاں کوئی ملازم موجود نہیں رہتا، اور ہر وقت طیار کھانا ملتا ہے۔ جب تم آٹومات جاؤ گے تو دیکھو گے کہ اندر چاروں طرف چھوٹی چھوٹی بلوریں الماریاں لگی ہوئی ہیں اور ان میں ہر قسم کا کھانا رکھا ہوا ہے اور ہر کھانے کی قیمت درج ہے۔ تم جس کھانے کو پسند کرو اس کی قیمت سوراخ میں ڈالدو، اس عمل کے بعد ہی دروازہ از خود کھل جائے گا اور تم اس کھانے کو لے کر کھا لوگے اسی طرح چاء، قہوہ، دودھ یا پانی کے لئے الگ الگ کونوں میں نل لگے ہوئے ہیں، وہاں پہونچکر اُن کی قیمت ڈالدو اور پیالہ یا گلاس ٹونٹی کے نیچے رکھدو اپنے آپ اُسی وقت بھر جائیگا اور تم پیکر چلے جاؤ گے۔

کافاٹیریا بھی اسی قسم کا ہوٹل ہے، جس میں کھانا کھلا ہوا رکھا رہتا ہے۔ اول اول یہ صرف طلبہ کی رعایت سے جاری کیا گیا تھا کہ اُن کا وقت نہ ضائع ہو اور اب اس کا رواج کثرت سے ہے یہاں تک کہ وہاں ریلوے لائن میں بھی اس کا رواج ہو چلا ہے۔

بیس بال کی اہمیت | ایک دن پروفیسر مذکور فلاڈلفیا کے بازار میں جا رہے تھے کہ اُنھوں نے ایک

کمشیر جماعت ایک دیوار کے سامنے کھڑی دیکھی۔ قریب پہونچنے پر معلوم ہوا کہ وہ کسی اخبار کا دفتر تھا اور دیوار پر بیس بال (ایک خاص قسم کا کھیل گیند کا) کے میچ کی حالت ہر ہر منٹ کے بعد جو شکاگو میں ہو رہا تھا درج ہوتی تھی اور اس طرح گویا فلاڈیلفیا کی تمام آبادی اتنی دور سے شکاگو کے اندر منعقد ہونیوالی میچ کو دیکھ رہی تھی۔

اہل امریکہ کو چونکہ اس کھیل کا بہت شوق ہے اس لئے لوگوں کا ہجوم بہت تھا اور نہایت سکون و خاموشی کے ساتھ تختۂ اشتہار پر متواتر درج ہونے والی خبروں کو پڑھ رہے تھے اسی طرح انہیں باکسنگ کا بھی (جسے عربی میں ملاکمہ کہتے ہیں) بہت شوق ہے، چنانچہ ۲ رجولائی ۱۹۲۱ء کو جو مقابلہ ایک فرانسیسی اور ایک امریکن کے درمیان ہوا تھا اس میں لاکھوں ڈالر کی شرط کی گئی تھی اور ڈیمپسی (امریکن) نے ۱۲ منٹ کے اندر اپنے حریف کو زک دیکر تین لاکھ ڈالر حاصل کئے جو جمہوریہ امریکہ کے رئیس کی چار سال کی تنخواہ ہے۔

ٹیلیفون لاسلکی | آج کل اہل امریکہ کو ٹیلیفون لاسلکی کی طرف بہت توجہ ہے، اس کے ذریعہ سے وہ اپنے گھروں میں بیٹھے بیٹھے دور دراز مقامات کے گانے، مواعظ، تقریریں اور حالات سنتے رہتے ہیں اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب ہارڈنگ سابق رئیس جمہوریت نے واشنگٹن میں تقریر کی تو شکاگو کے لوگوں نے ٹیلیفون لاسلکی کے ذریعہ سے ساری تقریر، اُس مجلس کی آخری صف میں بیٹھنے والوں سے پہلے سُن لی۔ کیونکہ ان کے پاس یہ تقریر برق کے ذریعہ سے پہونچتی تھی اور آخری صف والوں کے پاس آواز ہوا کے واسطے سے آتی تھی۔

ذرائع سفر | چونکہ اہل امریکہ جلدی کے سخت دلدادہ ہیں اس لئے وہاں کے ذرائع سفر میں بھی خصوصیت کے ساتھ عجلت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور کثرت سے ریلیں جاری ہیں۔ چنانچہ امریکن میگزین کا بیان ہے کہ امریکہ کے ریل کی پٹریوں کو اگر ایک دوسرے سے ملا دیا جائے تو کرۂ قمر تک پہونچ جائینگی۔

یہاں سب سے زیادہ تیز رفتار ریل وہ ہے جو نیویارک اور شکاگو کے درمیان چلتی ہے ۲ بجے دن کو نیویارک سے گاڑی روانہ ہوکر دوسرے دن صبح کو شکاگو پہونچ جاتی ہے۔

شوق سیاحت | اہل امریکہ کے شوق سیاحت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اگر تم کسی امریکہ کے

باشندہ سے اس کی گذشتہ تاریخ دریافت کروگے تو معلوم ہوگا کہ اس کی ولادت، تربیت، تعلیم، شادی، کاروبار کا آغاز جدا جدا حصۂ ملک میں ہوا ہے۔ اگر کسی عورت سے سوال کروگے۔ تو اسکی زندگی اس سے بھی زیادہ مختلف مقامات میں منقسم نظر آئیگی۔ اس وقت نیویارک کی آبادی میں فی کس پانچ میں ایک آدمی ایسا ہوگا جو وہاں پیدا ہوا ہے۔

بعض اعداد وشمار | حال میں جو اعداد شمار شائع ہوئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ نیویارک کی زمین دوز ریل میں روزانہ تیرہ لاکھ (یعنی کُل آبادی کا ایک ربع حصہ) آدمی سفر کرتے ہیں گذشتہ عید میلاد کی تقریب پر ۳۰۳۸۴۸۶ آدمیوں نے ایک دن میں سفر کیا۔

صبح سات اور نو کے درمیان، شام کو پانچ اور سات کے درمیان اسٹیشن ٹائمس اسکوائر سے ۳۹۱ زمین دوز ٹرین چھوٹتی ہیں، اور ہر ٹرین میں ۳۲۷۰ گاڑیاں ہوتی ہیں، اسی طرح گرانڈ سنٹرل اسٹیشن سے ۳۱۴ ٹرین ۳۳۷۶ گاڑیوں کی روانہ ہوتی ہیں یعنی ہر منٹ میں چودہ گاڑیاں۔ اس میں وہ مسافر نہیں ہیں جو موٹر اور ٹرام وے کے ذریعہ سے سفر کرتے ہیں۔

ان لوگوں کے انہماک اور عسرت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ وہاں کم از کم ۲۲۵ آدمی روزانہ موٹروں سے کچل جاتے ہیں اور ریل سے دب کر جتنے آدمی مرتے ہیں ان کے متعلق امریکن میگزین کا بیان ہے کہ ۱۹۱۸ء میں ایک لاکھ چودہ ہزار نفوس اس طرح ہلاک ہوئے۔

شوقِ عمل | اہل امریکہ کے زندگی کی کُھلی ہوئی خصوصیت ان کا شوقِ عمل ہے۔ چھوٹے بڑے، مرد عورت، امیر فقیر، الغرض ہر شخص صبح ۸ بجے سے ۱۲ بجے تک اور پھر بعد ظہر سے پانچ بجے شام تک منہمک نظر آتا ہے ان اوقات میں تمھیں وہاں ایک متنفس بھی ایسا نظر نہ آئے گا جو بیکار وقت ضائع کر رہا ہے۔ ان کا مقولہ ہے کہ "عرقِ پیشانی سے روزی حاصل کرو"۔ کسی شخص نے اڈیسن سے سوال کیا کہ (genius) نبوغ "کسے کہتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ :-

genius is 99% perspiration and one % inspiration.

یعنی وہ ۹۹ فی صدی اکتسابی ہے اور ایک فی صدی وہبی۔
مشرق کا دستور ہے کہ اگر خاندان میں ایک شخص بھی کما رہا ہے تو پھر اس خاندان کے اور لوگوں کو کمانے کی ضرورت نہیں، لیکن امریکہ میں اس سے زیادہ معیوب حرکت اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ایک انسان اپنے کھانے کا بار کسی اور پر ڈالے، وہاں کا ہر شخص اپنے ذاتی فرائض کو محسوس کرتا ہے اور اپنی اہمیت کو سب سے جدا ہو کر قائم کرنا چاہتا ہے، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ وہاں بڑے بڑے امراء کی عورتیں طبیب ہیں یا وکیل، معلمہ ہیں یا نامہ نگار، پھر وہ یہ تمام محنت اس لئے نہیں کرتیں کہ وہ اس کی محتاج ہیں، بلکہ صرف اس غرض سے کہ دنیا میں وہ اپنے وجود کی اہمیت کو سمجھ سکیں اور ذاتی وقار و خودداری کے جذبات اپنے اندر پیدا کر سکیں۔ اسی طرح کوئی شخص کتنا ہی امیر کیوں نہ ہو۔ لیکن جب وہ اپنی اولاد کو تعلیم کے لئے کہیں بھیج دیتا ہے تو پھر اولاد کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی تعلیم کے مصارف خود اپنی قوت بازو سے پورے کرے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے تمام کالجوں میں طلبہ کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ خارج اوقات میں دوسرے معمولی ملازموں کی طرح کام کر کے اُجرت حاصل کریں۔ چنانچہ پروفیسر فلپ نے جامعہ کولمبیا میں ایک ایسے طالب علم کو دیکھا جو سرائے میں شام کو سات بجے سے آدھی رات تک موٹریں دھو کر اپنی معاش حاصل کرتا تھا۔ ایک مرتبہ پروفیسر مذکور اپنی چچا زاد بہن سے وسٹ ورجینیا گیا۔ جس وقت یہ گھر میں داخل ہوا تو ایک شخص دیواروں پر سفیدی پھیر رہا تھا۔ اس کی بہن نے سب سے پہلے اس شخص سے تعارف کرا دیا کہ یہ جامعہ وسٹ ورجینیا کا طالب علم ہے جو اس سال تعلیم سے فارغ ہو کر نکلنے والا ہے۔

الغرض امریکہ میں کام کرنا خواہ وہ کسی قسم کا ہو عیب میں داخل نہیں ہے۔ جب ولسن رئیس جمہوریت سال گذشتہ اپنی خدمت سے سبکدوش ہوا تو اس کے دوسرے ہی دن اعلان کر دیا کہ انھوں نے واشنگٹن میں تعلیم قانون کا مدرسہ جاری کیا ہے جس میں اس قدر فیس لیجاتی ہے، حالانکہ ولسن کی عمر ستر سے متجاوز ہو چکی ہے۔

شرق و غرب کا فرق | مشرق کا باشندہ جب جنت کا تصور کرتا ہے تو اُسے ایک خوش منظر باغ نظر آتا ہے جہاں لوگ آرام سے لیٹے ہوئے ہیں، امن و سکون کے ساتھ پر لطف زندگی بسر کر رہے ہیں، اور گئے آبا کی

کار سے نیا شد" کا جلوہ ہر جگہ پیش نظر ہے، لیکن مغرب کا رہنے والا فردوس کو عمل و حرکت کی جگہ خیال کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہاں ایجاد و اختراع کا بازار گرم ہوگا، لوگ کاموں میں منہمک ہوں گے اور علم و حکمت اپنی پوری ترقی پر لطف۔ آمدے چونکہ جس وقت امریکہ کا باشندہ بروکلین اور نیو یارک کے درمیان ساحل بحر پر کھڑا ہوتا ہے تو غور کرتا ہے کہ کس تدبیر سے یہاں پل قائم کر دیا جائے کہ لوگ آسانی سے گزر سکیں۔ برخلاف اس کے مشرق کا باشندہ یہاں آکر صرف ایک نظم کہہ سکتا ہے۔ اسی طرح آبشار نیاگرا کو دیکھ کر مغرب کا باشندہ صرف یہ سوچ سکتا ہے کہ کیونکر اس کی قوت سے کہربائیت پیدا کی جائے اور مشرق کا رہنے والا وہاں صرف گن گنا سکتا ہے۔

کہربا کا صنعتی تفوق جنگ سے قبل بلاد امریکہ کی ثروت پچاس ارب ڈالر تھی، لیکن اب وہاں بائیس ہزار کروڑپتی ہیں اور لکھ پتی کی کوئی وقعت باقی نہیں رہی۔ وہاں صحت کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ ہر سولہ منٹ پر کارخانوں میں ایک مزدور مجروح ہوتا ہے اور ہر سولہ سکنڈ میں ایک ہلاک ہو جاتا ہے۔ الغرض وہاں دولت کمانے کیلئے ہر شخص دیوانہ نظر آتا ہے اور روپیہ کی محبت اس قدر ان کے دل میں جاگزیں ہے کہ وہ ڈالر کو almighty "قادر مطلق" کے لقب سے پکارتے ہیں۔ ڈالر کے پشت پر "We Trust in God" منقوش ہوتا ہے جس کا مقصود حقیقتاً "We Trust in Thee" ہے یعنی "اے ڈالر ہم تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں" لیکن اس کے ساتھ حقیقت بھی تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ وہ ڈالر کو صرف ڈالر کی وجہ سے محبوب نہیں رکھتے بلکہ اس مسرت و نشاط، اس قوت و ثروت کی وجہ سے عزیز رکھتے ہیں جو اس کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل امریکہ اپنی ساری دولت لہو لعب میں صرف کر دیتے ہیں لیکن یہ خیال غلط ہے کیونکہ اُن کے ہاں دولت ایسے بہتر کاموں میں صرف کی جاتی ہے کہ اس کی مثال شاید کہیں نہیں مل سکتی۔ صحت عامہ، ضعفاء و یتامیٰ کی خدمت، استعمال مسکرات کا استیصال، مجرموں کی اصلاح، تعلیم کا عام رواج، تجارت و صنعت کی ترقی وغیرہ وغیرہ سینکڑوں ایسی باتیں ہیں جن میں یہ لوگ حد درجہ دریا دلی سے صرف کرتے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج اہل امریکہ اپنی قومی وقعت کے لحاظ سے نظیر نہیں رکھتے۔

اب اس بیان کے بعد مقابلتاً جس وقت ہم اپنی حالت پر غور کرتے ہیں، تو حیرت ہوتی ہے کہ اس وقت تک ہمارا صفحۂ عالم پر قائم رہنا کس معجزہ کا نتیجہ ہے۔ نہ ہم میں علم، نہ ہمارے ہاں صنعت، نہ ذوقِ عمل، نہ فکرِ حیات پھر یہ زندگی کیسی؟ آپ زیادہ سے زیادہ اس کے مقابلہ میں اپنی داستان مابعد الطبیعت کو دہرا سکتے ہیں اور مادی ترقی کے سامنے اپنی فرسودہ روحانیت کا ذکر کر سکتے ہیں، لیکن یہ وہ باتیں ہیں جن کا جواب سوائے

ہنسی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے ذکر میں آخرت کے مسئلہ کو چھیڑ دینا ایسی لایعنی بات ہے جس کی طرف کوئی ذی فہم شخص اعتنا نہیں کر سکتا علی الخصوص اس وقت جب مذہب اسلام نے تمام دنیاوی ترقیوں کے راستے کو ہمارے لئے کھولدیا ہے۔

امریکہ کی ترقی کے مقابلہ میں بعض اہل مشرق اپنے اخلاق کو پیش کرتے ہیں لیکن آج تک میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کونسا اخلاق ہے جو مغرب کی ترقیوں کا حریف ہو سکتا ہے۔ اگر اخلاق سے مراد کوئی دستور العمل ہے جو ہمیں صرف نکبت و ذلت میں مبتلا کر سکتا ہے، تو اس سے زیادہ معصیت دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتی، اور اگر ہمارے اخلاق کا نتیجہ اس کے علاوہ کچھ اور ہے تو وہ ہمیں بتایا جائے حقیقت یہ ہے کہ ہم میں کوئی اخلاق نہیں جس پر فخر کیا جا سکے، دنیا اور اس کے برکات کا تو ذکر ہی کیا جو اخلاق کے بلند ترین نقطہ پر پہونچنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتے ہیں +

حسن جواب

جناب عائشہؓ نے ایک مرتبہ بکری ذبح کرائی اور سارا گوشت سوائے شانہ کے صدقہ میں دیدیا، رسول اللہ تشریف لائے اور دریافت کیا "اے عائشہ تمہارے پاس کیا رہا؟" جواب دیا "میرے پاس کچھ باقی نہیں ہے، سوائے شانہ کے" رسول اللہ نے فرمایا "یعنی تمہارے پاس سب باقی ہے سوائے شانہ کے"۔

ایک دن خلیفہ معتصم نے فتح بن خاقان سے جو ابھی بہت کمسن تھا کہا "اے فتح اس انگوٹھی کو جو میرے ہاتھ میں ہے بہتر کوئی چیز دیکھی ہے" جواب دیا "ہاں، اے امیر المؤمنین، وہ ہاتھ جس میں یہ انگوٹھی ہے"۔

نذرِ عذرا

یاد آیا ہے کہ جب عذرا تھی مجھ سے ہمکنار ۔۔۔ جب تھی فصلِ خزاں سے آشنا اپنی بہار
مستیاں تھیں جب مری ناواقفِ کیفِ خمار ۔۔۔ روزِ روشن کو نہ تھی آگاہیِ شبہائے تار

لمعۂ لاہوت وہ آنکھوں سے پنہاں ہو گیا
مہبطِ دار العیش یارب بیتِ احزاں ہو گیا

اے کہ رنگینی سے تیری ہر ادا معمور ہے ۔۔۔ پیکرِ انساں ہو کر تو سراپا نور ہے
تیری ہر موجِ تبسم جلوہ گاہِ طور ہے ۔۔۔ یہ تو بتلا کون سے پردے میں اب مستور ہے

روح پرور ہو کے طرزِ جانستانی کس لئے؟
اپنے موسیٰ پر یہ جورِ لن ترانی کس لئے؟

کیا ہوا سازِ طرب وہ کل کی صحبت کیا ہوئی؟ ۔۔۔ حور میری کیا ہوئی وہ میری جنت کیا ہوئی؟
حوصلے وہ کیوں نہیں وہ دل کی ہمت کیا ہوئی ۔۔۔ ڈھونڈھتا پھرتا ہوں میں اگلی مسرت کیا ہوئی؟

ہجر کی بے تابیاں ہیں کس قدر ہنگامہ خیز!
آ جلا کر خاک کر دے اے ادائے شعلہ ریز

ہائے مجنوں فصلِ گل میں وقفِ زنداں ہو گیا ۔۔۔ خوگرِ وحشت خرامی پا بداماں ہو گیا
ہاں کبھی یوں دشت پیمائی کا ساماں ہو گیا ۔۔۔ بند کیں آنکھیں تو پیدا اک بیاباں ہو گیا

آفریں ذوقِ جنوں ہاں تجھ پہ صد ہا آفریں
قید میں بھی جذبِ یکسوئی ہے صحرا آفریں

ہر نگاہِ یاس میرے سوز کی غماز ہے ۔۔۔ اشک جو آنکھوں سے ٹپکا ترجمانِ راز ہے
نالۂ بیتاب ہی گویا صدائے ساز ہے ۔۔۔ واہ کیا دلدوز ٹوٹے دل کی بھی آواز ہے

گر ہمی خواہی بیابی سوزناک آہنگ را
مضطرب امشب ساز کن با نالۂ من چنگ را

مجنوں (گورکھپوری)

دستوریت ایران

(بسلسلۂ اشاعت گزشتہ)

دوسرا واقعہ برطانوی و روسی اتفاق کا ہے، جسکی رُو سے مملکت ایران تین حصوں میں تقسیم کی گئی تھی، شمالی حصہ میں روس کا اقتدار و نفوذ تسلیم کیا گیا، جنوبی حصہ میں برطانیہ کا اور بیچ میں نہایت مختصر سا علاقہ غیرجانبدارانہ اصول پر باقی رکھا گیا، یہ گویا ایران کی حکومت ہے۔ اس معاہدہ میں ایران کا جو بے اثر وجود باقی و غیرجانبدار رکھا گیا، تو یہ بھی ایران کی خاطر اور اسکی بقاء و آزادی کے تحفظ کی بنیاد پر نہیں بلکہ اسکی غرض یہ تھی کہ باہم دونوں روسی و برطانوی حکومتوں کے تصادم کا سدباب کیا جائے، چنانچہ معاہدہ کی کی شرطیں اس غرض کا راز فاش کئے دیتی ہیں، اس معاہدہ کی اطلاع مجلس ایران کو ۲۵ ستمبر ۱۹۰۷ء کو ہوئی۔ ان ضروری حالات کو بیان کر چکنے کے بعد اب ہم پھر مجلس کی کارروائیوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۷ء میں ناصر الملک کی زیر ریاست ایک نئی وزارت مرتب ہوئی جسکے قابل ذکر ارکان مشیر الدولہ، صنیع الدولہ، اور صلاح الملک تھے، اس وزارت نے آغاز نومبر ۱۹۰۷ء میں پہلا مسودہ مال پیش کیا۔ یہ مسودہ ایران کے مشہور علماء مالیات کا مرتب کیا ہوا تھا، مسودہ کے مرتبین نے اسکو اپنا خاص نصب العین قرار دیا تھا کہ تا حد امکان جمع خرچ سے زیادہ ہو، تاکہ کچھ نہ کچھ رقم پس انداز کیجا سکے، کیونکہ گزشتہ زمانہ میں بھی مصارف و اخراجات کی کثرت اسکی تباہی و پریشاں حالی کی وجہ ہوگئی تھی، جمع کو بڑھانے کیلئے اسکی ضرورت تھی کہ ملک کی تمام مزروعہ زمینوں کی صحیح پیمائش کی جائے، اور محصول او ٹیکسوں کی حفاظت، جانچ پڑتال اور نگرانی کی جائے، یہ چیزیں ایسی تھیں جسکے لئے لازمی طور پر کافی وقت اور روپیہ کی ضرورت تھی، ناصر الملک نے مصارف کم کرنے کے متعلق یہ رائے دی کہ حکومت کے متعدد ابواب ایسے ہیں جن میں ہم کافی حد تک کمی کر سکتے ہیں مثلاً بادشاہ اور اسکے خیل و حشم کے وظائف و رواتب اسوقت تک شاہان ایران بے شمار روپے صرف کر دیتے تھے، انکے اختیارات و مصارف کے متعلق پرس و جو کا کوئی حق کسی کو نہ تھا، مرحوم مظفر الدین شاہ اس بارہ میں خاص طور پر شہرت رکھتے تھے، ان کے جود و کرم کا اندازہ کرنا مشکل تھا، وہ بے سبب اور بے اندازہ و بے حساب لوگوں کو بخشتے رہتے تھے، خاص طور پر اپنے اعزا و اقربا کیلئے تو وہ نہایت فیاض واقع ہوئے تھے، اپنے بھائی ظل السلطان کو

[redacted]

پندرہ ہزار گنی اور اپنے بھتیجے شعاع السلطنت کو تیئیس ہزار گنی سالانہ دیا کرتے تھے، یہ عطیے اب تک جاری تھے لیکن مجلس نے مرتبین مسودہ کی تجاویز سے اتفاق کیا اور ظل السلطان اور شعاع السلطنۃ کے وظیفہ کی مقدار گھٹا کر دو ہزار چار سو گینی سالانہ فی کس کر دیا، اسی طرح دوسرے ذرائع مال، مثلاً وظیفے اور حق الخدمت پنشن وغیرہ میں بھی ترمیم و اعتدال سے کام لیا، علاوہ بریں دوسرے ملکی محاصل اور خزائب میں مفید اصلاحیں کیں، مجلس کو اس کا تجربہ بھی ہو گیا تھا کہ محصلین مال بڑی حد تک وصول شدہ اموال حکومت میں غبن اور خیانت کرتے ہیں اس لئے اس نے ان کی نگرانی و استحفاظ کے لئے بھی ضروری تدابیر سے کام لیا۔

ان اصلاحات کے ذریعہ سے جمع میں حسب ذیل رقم اضافہ ہوئی ۲۳۰۰۰۰ دو لاکھ تیئیس ہزار گینی۔ حالانکہ اس سے پہلے سال میں ۵۷۰۰۰۰ پانچ لاکھ ستر ہزار گینی کی کمی ہو گئی تھی۔ اس حساب سے گویا مجلس نے جمع میں ایک سال کے اندر ۸۰۰۰۰۰ آٹھ لاکھ گینی کی زیادتی کی، یہ اگرچہ درحقیقت کوئی نیا اضافہ نہیں ہے کیونکہ خرچ میں کمی کر کے یہ رقم حاصل کی گئی تھی، تاہم فضول مصارف کو روک کر حکومت کے خزانہ کو وسیع المال کرنا کوئی ناقابل اعتبار ترقی و اصلاح نہیں ہے لیکن ملک کی بدقسمتی دیکھو کہ شاہ کو یہ اصلاحات سخت ناگوار گزریں، اور اس نے اس کے خلاف علانیہ شکوہ و شکایت شروع کی اپنے خدم و حشم کو علٰحدہ کر دیا اور ان کی ہمدردی و اعانت حاصل کرنے کیلئے ان سے یہ کہنا شروع کیا کہ ہم افسوس کے ساتھ تمہیں علٰحدہ کرتے ہیں کیونکہ مجلس نے تمہارے وظائف و رواتب بند کر دیے، اسی کے بعد مجلس اور شاہ اور حامیان شاہ میں علانیہ منافرت کا ظہور ہونے لگا، اسی قسم کے واقعات پر ۱۹۰۸ء کا سال ختم ہوا اور اس کے بعد ہی ایران کی دستوریت کی المناک حوادث یعنی مجلس کی شکست، احرار کی گرفتاری و قتل، اور حامیان دستوریت کی مصیبتوں کا آغاز ہوا، اس وقت ایران میں ہر طرف بے چینی اور خلفشار کا بازار گرم تھا تاہم حامی دستوریت جماعت نے ان حالات کا مقابلہ کیا اور انتہائی مصیبتوں کے باوجود اپنی ہستی برقرار رکھنے کی سخت کوشش کی وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوئی، اور بالآخر ناعاقبت اندیش محمد علی شاہ کو تاج و تخت سے دست بردار ہونا بلکہ ملک کو چھوڑ کر باہر چلا جانا پڑا۔

لیکن ہزار افسوس کہ اس سے ملک کی مصیبتوں میں جیسی کمی ہونا چاہیے تھی نہ ہوئی، اب تک روس کی کارروائیاں محمد علی شاہ کے طرز عمل کے پردہ میں ظہور پذیر ہوتی تھیں لیکن اس کے ایران سے اخراج کے بعد اب وہ علانیہ و بلے واسطہ ظاہر ہونے لگیں اور اس نے وہ سب کچھ کیا جو کر سکتا تھا۔

اب ہم یقیناً اس زمانہ تک پہنچ گئے ہیں جس کے واقعات و حوادث مفصل طور پر ہماری زبان میں

مسٹر شوسٹر کی کتاب نئے ترجمہ فغانِ ایران کے ذریعہ سے آچکے ہیں اسلئے اس موقع پر ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں، یہ بھی واقعہ ہے کہ اس کے بعد کی مدت جسکو ہم نہ روشن کہہ سکتے ہیں نہ تاریک، بہت مختصر ہے اور اس مختصر مدت کے بعد دفعتہً ایران کے مطلع سیاست پر گہری تاریکی چھاجاتی ہے۔ ہم اپنے محترم ناظرین کو اس تاریکی میں چلنے کی بیجا زحمت نہیں دینا چاہتے۔

(ایران کی انقلابی تحریک)

آزادی و انقلاب دو مولود توام ہیں، جو ہمیشہ بطن استبداد سے پیدا ہوتے ہیں، وہ ظلم وستم کی فضا میں سانس لیتے ہیں، سخت گیری، سفاکی اور قتل وخون کے آغوش میں انکی پرورش ہوتی ہے، وہ قید خانوں کی چہار دیواری میں چلنا اور حرکت کرنا سیکھتے ہیں، جو غذا ان کے عضلات اور جسم کو مضبوط کرتی ہے وہ ان کو رحم وکرم، اور شفقت ومحبت کے ہاتھوں سے نہیں، بلکہ جور وجفا اور سختی وبے رحمی کے ہاتھوں سے ملتی ہے۔

دیکھو ایران میں استبداد نے مولود حریت وانقلاب کی پرورش کس طرح کی؟ ابتدا میں ملک نے جو کچھ کہا وہ صرف یہی تھا کہ ہم پر ظلم وستم نہ کیا جائے، لیکن استبداد نے اتنا سننا بھی گوارا نہ کیا، اور اس طلب رحم کو ایک جرم قرار دیا، ملک نے اس جرم کا پھر اعادہ کیا، استبداد نے سختی سے اس کی سزا دی، لیکن یہ سزا اس جرم کا سد باب کر سکی اور اب ملک کی آواز میں پہلے سے زیادہ صداقت وحق گوئی تھی، اس نے کہا "کہ حکام کو ہم پر ظلم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے" یہ ایسی آواز نہ تھی جو استبداد کے نازک مزاج میں صرف ناگواری کی کیفیت پیدا کر کے رہجاتی بلکہ اب وہ غیظ وغضب سے تلملا اٹھا اسنے سختیاں کیں، اور آمادۂ ظلم وستم ہوگیا۔ لیکن کیا یہ سختیاں اور سفاکیاں حریت وانقلاب کی روح کو مردہ کر سکیں نہیں ہرگز نہیں، بلکہ یہ روح اب اور بڑھی، اور پہلے سے زیادہ قوت واستحکام کیساتھ آمادۂ مقاومت ہوگئی ملک نے اتنا ہی کہنے پر کہ ہم پر ظلم کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں" بس نہیں کیا" بلکہ اب وہ صاف صاف اور علانیہ کہنے لگا کہ تم جن حقوق واختیارات کا اپنے آپ کو مالک بناتے ہو، وہ حقوق واختیارات تم نے ناجائز طریقہ پر حاصل کئے ہیں اس لئے ان میں اصلاح وترمیم کی ضرورت ہے، اس مطالبہ نے استبداد کے غضب وغصہ کی آگ کو اور زیادہ بھڑکا دیا اور اب وہ جو کچھ کر سکتا تھا اس کے کرنے کیلئے آمادہ ہوگیا، غرض یہ موجیں اسطرح اٹھیں، بڑھیں، پھیلیں، اور بالآخر ساحل سے ٹکرا کر ختم ہوگئیں، یہ ساحل کیا تھا؟ استبداد کا اعترافِ شکست، اور روح حریت کے آگے سر جھکا دینا۔

ایران کی خصوصیت نہیں تمام دنیا میں استبداد وانقلاب کی رفتار یہی رہی، اور یہ جنگ ہر جگہ اسی نتیجہ پر ختم ہوئی ہے جس ملک کی تاریخ انقلاب اٹھا کر دیکھو، ہر ملک میں یہ تحریک رک رک کر اور دب دب کر بڑھی اور ابھری ہے۔ لیکن ہم یہاں ان واقعات کی تشریح سے قطع نظر کر کے مناسبت موضوع کے لحاظ سے صرف یہ بتانا چاہتے ہیں

کہ ایران نے انقلابی تحریک کی ترقی کیلئے کیا وسائل اختیار کئے، اور اس کا نظام عمل کیا تھا؟

یہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ ایران میں بیداری، اصلاح اور انقلاب خواہانہ خیالات کا آغاز، مرحوم جمال الدین افغانی کی اُن سرگرمیوں کا نتیجہ تھا، جو انہوں نے اسلام کی متفرق و منتشر قوتوں کو متحد کر دینے کے لئے کی تھیں، ناصر الدین شاہ کا واقعۂ قتل اسی تحریک کا نتیجہ تھا، اس قتل کے سلسلہ میں تین ایرانی اصلاح طلب انقلاب خواہ یعنی میرزا حسن خاں خبیر الملک، مرزا آقا خاں کرمانی، اور شیخ احمد روحی، قسطنطنیہ سے گرفتار کرکے ایران لائے اور تبریز میں قتل کئے گئے جب یہ لوگ تبریز میں مقید تھے تو مرزا صالح خاں وزیر اکرم نے محبس میں ان سے ملاقات کی، اس موقع پر ان لوگوں سے جو گفتگو ہوئی اس کے چند جملے نقل کرنے کے قابل ہیں، مرزا صالح کا بیان ہے :-

صحبت از مرحوم آقا جمال الدین انداختم کہ در کجا با او آشنا شدید؟ گفتند در اسلامبول برائے اتحاد اسلام مجلسے تشکیل شدہ بود ایشاں رئیس بودند، ما ہم از اعضائے مجلس، در آنجا آشنا شدہ ایم - (تاریخ بیداری ایرانیان)

مرحوم جمال الدین کے متعلق وہاں تذکرہ چھڑا میں نے پوچھا آپ لوگ ان سے کہاں ملے، انہوں نے کہا اسلامبول میں اتحاد اسلام کی غرض سے ایک مجلس مرتب ہوئی، سید صاحب اسکے رئیس تھے ہم لوگ بھی اسکے ارکان میں تھے، وہیں ملاقات کی ابتدا ہوئی -

اسی صحبت میں کچھ دیر بعد یہ گفتگو بھی آئی :-
در آخر گفتم کہ ناصر الدین شاہ را برائے چہ کشتند شیخ احمد گفت بسکہ نوشتند داوند دستش و قبول نہ کرد کشتند، (تاریخ بیداری ایرانیان)

آخر میں پوچھا ناصر الدین شاہ کو کیوں قتل کیا گیا، شیخ احمد نے کہا صرف اسلئے کہ تجاویز اصلاح و اتحاد اسلام اسکو لکھ کر دیگئیں، اسنے انکو قبول نہ کیا، تو پھر قتل کیا گیا۔

ان بیانات کے لکھنے سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اس تحریک کی ابتدا کس طرح اور کب ہوئی مرحوم مرزا رضا کرمانی نے بھی ایک جگہہ بیان کیا ہے کہ شورش تنباکو کے زمانہ میں بہت سے لوگ ہم قول اور ہم عہد ہوئے کہ قوم و ملت کی خدمت کے لئے ہر قسم کی جاں نثاری و سرفروشی پر آمادہ ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ تک تحریک کی بالکل ابتدائی حالت تھی، اور جیسا کہ ہر جگہہ ابتدائی حالت میں یہ تحریک کم اثر اور مختصر دائروں تک محدود رہتی ہے، ایران میں بھی چند اشخاص یا خاص خاص حلقوں میں محدود رہی، لوگوں میں خیالات تھے، جذبات تھے، جوش و خروش تھا، لیکن کسی مخصوص و مرتب نظام عمل اور باقاعدہ جمعیت کے فقدان کی وجہ سے یہ جذبات و خیالات کوئی موثر و کارآمد حیثیت نہ رکھتے تھے، یہ جوش طبیعتوں میں رہ رہ کر ابھرتی تھیں، ان کے دست و بازو کو حرکت ہوتی تھی، قدم اٹھتے تھے لیکن تنہا اور بے یار و مددگار ہونے کی وجہ سے

مایوسی کے ساتھ پیچھے ہٹ جاتے تھے۔

انجمن مخفی کی تحریک بالآخر ۱۹۰۵ء کے آغاز کے ساتھ ساتھ وہ وقت بھی آیا کہ اس قسم کی کارکن اور جاں نثار شخصیتیں ایک خاص نظام کے تحت میں کام کرنے لگیں، اور خاص طور پر ان کی ترتیب و تشکیل عمل میں آئی، اس کی ابتدا کی نسبت، مرزا ناظم الاسلام کرمانی مصنف تاریخ بیداری ایرانیان کا حسب ذیل بیان ہے۔

مرزا ناظم الاسلام خود اسی جمعیت کے رکن رکین بلکہ بانیوں میں سے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ "میں ۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۲۲ھ روز شنبہ کی شام کو جناب آقا مرزا محمد طباطبائی کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت ایک کتاب (سفر نامہ ابراہیم بیگ) سامنے رکھے ہوئے حزن واندوہ کی حالت میں سرگرم خیالات و رشتہ افکار میں مبتلا معلوم ہوتے تھے اسلام و جواب سلام کے بعد چند باتیں ادھر ادھر کی ہوئیں میں نے اثنائے گفتگو میں عرض کیا۔ "اب الحمدللہ طہران کے لوگ تعلیم کی ضرورت محسوس کرنے لگے ہیں، اور متعدد مکاتب و مدارس کی بنیاد پڑی ہے، اگر کچھ دن بھی یہ حالت قائم رہی تو انشاءاللہ جلد سے جلد ہمارے ابنائے وطن تعلیم یافتہ اور ترقی خواہ نظر آئیں گے۔"

یہ سنکر جناب آقا نے پہلے تو اظہار مسرت کیا لیکن پھر فرمایا:۔ "آٹھ نو برس سے میں ترقی ملک کی کوششوں میں لگا ہوا ہوں، جدید مدارس و مکاتب کی طرف لوگوں کو متوجہ کر رہا ہوں، مخالفین ان مدارس کے قیام پر معترض ہوئے، بعض علماء نے ان کے افتتاح کی حرمت کا فتویٰ دیا، میں نے ان کا جواب دے دیا اور بڑی حد تک ان کو خاموش کر دیا۔ کچھ لوگوں کو رسائل و جرائد کی اشاعت و اجراء کے لئے آمادہ کیا، کام کے طریقے بتائے، اور شبہ نہیں کہ یہ تدبیریں بڑی حد تک کامیاب ہوئیں، امین السلطان جو ترقی و اشاعت علوم و معارف کا شدید دشمن تھا، اور ہمیشہ اس قسم کے کاموں کو تباہ کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا، میں نے زحمتیں اٹھائیں، ناگوار حالات کو برداشت کیا، لیکن علانیہ اس کی مخالفت کی اعلیٰ حضرت شاہ مظفرالدین سے بار بار اس کی معزولی پر اصرار کیا اور بالآخر وہ معزول کر دیا گیا، لیکن اس بدبختی کو کیا کروں کہ اس کی جگہ پر عین الدولہ وزیر اعظم ہوا، جو سخت مستبد، خودرائے، اور بے علم شخص ہے بلکہ وزرائے سابق سے متعدد حیثیتوں میں بدتر و ناکارہ ہے۔

ناظم الاسلام۔ میں نے عرض کیا کہ آپ پھر شاہ سے اس کی معزولی کی خواہش کیجئے۔

حجۃ الاسلام جناب آقا نے فرمایا: "فرض کرو میں نے شاہ سے ایسی خواہش کی، اور عین الدولہ معزول

کردیا گیا، مگر ہم ہیں وہ کون عالم و عاقل، دانشمند شخص ہے جو حسن و خوبی کے ساتھ وزارت کے فرائض ادا کرے، اور ممالکت ایران کی سیکڑوں برس کی خرابیوں کی اصلاح کرے"۔

ناظم الاسلام - میں نے عرض کیا' پھر علاج و چارہ کار کیا ہے ؟

حجتہ الاسلام جناب آقا نے فرمایا "ہمیں کوشش کرنا چاہئیے کہ عام لوگ بیدار و ہشیار ہوں جب عام لوگ بیدار ہوں گے تو اپنے حقوق و فرائض کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے وہ اس بات سے اچھی طرح واقف ہو جائیں گے کہ ان کے حقوق حکومت پر اور حکومت کے حقوق ان پر کیا ہیں' جب یہ حالت پیدا ہو گی تو ناممکن ہے کہ ظلم و استبداد کا وجود باقی رہ سکے، علوم و معارف، صنعت و حرفت، اور ملک کی دوسری ترقیوں کے لیے پھر کوئی مانع باقی نہ رہے گا"۔

ناظم الاسلام - یہ سنکر میں نے عرض کیا کہ ہمیں عورتوں کی تعلیم کے لئے مدارس کی بنیاد رکھنا چاہئیے کیونکہ جب تک عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوں گی عمدہ تربیت یافتہ نسل پیدا نہ ہوگی (یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اسی اثنا میں حجتہ الاسلام آقا طباطبائی کے فرزند گرامی جناب آقا مرزا محمد صادق تشریف لائے اور انھوں نے قیام مدرسۃ النسوان کے متعلق فرمایا)۔

عورتوں کے لیئے مدارس قائم کرنے میں بڑی دشواری یہ ہے کہ شہر کا انتظام اچھا نہیں، ابھی اور کارکن پولیس یہاں نہیں ہے ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ اس قسم کے مدرسے قائم کئے جائیں شہر کی حالت یہ ہے کہ بدوضع و بدمعاش افراد ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں، فرض کرو مدرسہ آنے جانے میں کوئی بدمعاش کسی لڑکی کے ساتھ آمادہ بدسلوکی ہوا، یا اور کوئی بات اسی قسم کی پیدا ہو گئی تو کیا ہوگا؟ اگر پولیس کا تشفی بخش انتظام ہوتا تو ہر شخص کو اطمینان ہوتا، موجودہ حالت میں تو شاید کوئی شخص بھی اپنی معصوم لڑکیوں کو مدرسوں میں بھیجنے کے لیئے آمادہ نہ ہوگا -

آقازادہ کی یہ گفتگو سنکر حجتہ الاسلام آقا طباطبائی نے فرمایا:- حکومت ایران جب تک حکومت مشروطہ نہ ہوگی، اسوقت تک موجودہ تباہ کن حالات نہیں بدل سکتے اور ہم لوگوں کو اس وقت تک اصلاح و انتظام کا ہرگز متوقع نہ ہونا چاہئیے۔ اور ہاں ساتھ ہی یہ بھی یقینی ہے کہ اگر کچھ دنوں اور یہی حالت قائم رہی تو وہ وقت کچھ دور نہیں کہ یہ سلطنت حکومت غیروں کے قبضہ میں چلی جائے اور ہم سب غیروں کے محکوم بن جائیں، ہمارا تو اس وقت یہ خیال

ہونا چاہیئے تھا کہ ہم جلد جلد قدم بڑھاتے اور انتہائی کوشش کرتے کہ مسلمانوں کا یہ عظیم الشان گروہ پامال نہ ہونے پائے۔

ناظم الاسلام ۔ میں نے عرض کیا کہ آخر یہاں دولت مشروطہ کس طرح اور کس وقت قائم ہو سکتی ہے ؟

حجتہ الاسلام نے فرمایا "جس وقت لوگ اس خواب گراں سے بیدار ہوں گے اور وطنیت و قومیت کے مفہوم سمجھیں گے اس وقت ان کو خود بخود یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان حالات کو بدل دینا بالکل ان کے قبضۂ اختیار کی بات ہے ۔ پھر ظلم و استبداد کے یہ تماشے آن کی آن میں ختم ہو جائیں گے

ناظم الاسلام ۔ میں نے عرض کیا "حضرت آقا علانیہ طور پر مدت سے اس مقدس مقصد کے لئے جدوجہد فرما رہے ہیں مدارس قائم کئے رسائل و جرائد جاری کرائے تعلیم یافتہ اشخاص کی اچھی خاصی جماعت پیدا کی عوام میں یہ ذوق عام پیدا کر دیا کہ وہ قہوہ خانوں میں سیگار ہوں اور دکانوں میں بیٹھے اخبارات و رسائل شوق و ذوق سے مطالعہ کرتے ہیں لیکن ان تمام نتائج عمل نے اس خاص نقطہ نظر سے کیا فائدہ پہونچایا غالباً اس مایوس کن حالت کا اندازہ مجھ سے کہیں زیادہ خود حضرت آقا کو ہوگا ۔

حجتہ الاسلام نے فرمایا "ہاں یاد رکھو یہ نتائج بیکار نہ جائیں گے ، یہ حالات اپنے وقت پر مفید ثابت ہوں گے مجھے ان کی طرف سے مایوسی نہیں ہے ، میں جو کچھ چاہتا ہوں ، وہ یہی کہ اب قدم اس سے آگے بڑھنا چاہیئے

ناظم الاسلام ۔ "میں نے عرض کیا کہ اس سے آگے کیا ہو"

حجتہ الاسلام ۔ سر دست جلد سے جلد بکثرت ظاہری مجلسیں اور مخفی انجمنیں قائم کرنا چاہئیں ، جہاں عقل و ہوش رکھنے والے اور تعلیم یافتہ اصحاب جمع ہوں اور اصلاح مفاسد و خدمت وطن کے متعلق گفتگو کریں غور و فکر کریں اور عملی طور پر موثر تدبیریں اختیار کریں ، مدرسوں کے طلبا ، بلکہ ہر اس شخص کو جو حب وطن کا کچھ بھی جذبہ رکھتا ہو اپنا ہم خیال و شریک کار بنائیں ، ملک کی انتظامی خرابیاں اور بربادیاں اُن کے ذہن نشین کرائیں اور ان کے جذبۂ غیرت و حمیت ملی کو حرکت میں لائیں ، لوگوں کو بتائیں کہ وقت تنگ ہے ، مرض بہت بڑھ چکا ہے بلکہ مریض حالت احتضار میں ہے ، فوراً باہم متحد و متفق ہو جاؤ ، ایک دوسرے کے دست و بازو بن جاؤ اور برادرانہ و غیرت مندانہ مجاہدہ و خدمت اسلام و وطن کے لئے آمادہ ہو جاؤ "۔

یہ فرماتے ہوئے آقا حجتہ الاسلام نے اس کتاب کو جو اُن کے سامنے کھلی رکھی تھی اٹھا لیا اور میری طرف بڑھا کر فرمایا :-

"یہ ایک ایرانی کا سفر نامہ ہے جس کو اب ایران میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، اس کو پڑھو سمجھو اور دوسروں کو سمجھاؤ۔ تمھارے مقاصد کے لئے بہت کچھ کارآمد ثابت ہوگی۔"

یہ فرماکر حضرت آقا نے چند رازدارانہ نصیحتیں فرمائیں، خدمت اسلام و وطن سے متعلق مفید مشورے دیئے اور آیندہ کام کی نسبت کارآمد و ضروری ہدایتیں کیں، یہ بزرگانہ فرمائشیں دل میں اُتر گئیں ہیں جذبہ غیرتمندی و وطن خواہی میں غیرمعمولی حرکت پیدا ہوئی، اور جناب آقا کے الفاظ نے نہایت پائدار اثر کیا رات زیادہ آگئی تھی اس لئے میں وہاں سے رخصت ہوا اور گھر آکر گھنٹوں انہیں خیالات میں غور رہا۔

فکاہات وائلڈ

۱۔ صدائے بازگشت اکثر اُس آواز سے زیادہ دلکش ہوتی ہے جس کی بازگشت ہے

۲۔ کہنے کے قابل وہی باتیں ہیں، جنھیں ہم بھول جاتے ہیں، جس طرح وہی باتیں کرنے کے قابل ہیں، جن پر دنیا تعجب کرتی ہے۔

۳۔ میرے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ امر کوئی نہیں کہ اُس شخص کو پاک باز پاؤں جس کی طرف سے مجھے پاکبازی کی کبھی توقع نہ ہو۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے، جیسے کسی نرم چیز میں کوئی سوئی چھپی ہوئی ہو اور وہ دفعتاً چبھ جائے، اگر ہم پاکباز ہیں تو ہمیں لوگوں کو آگاہ کر دینا چاہئے۔

۴۔ دنیا میں جینا اُنھیں لوگوں کو معلوم ہے، جنھوں نے فراموشکاری سے محبت کرنا سکھ لیا ہے۔

۵۔ جوانی کے اعادہ کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کہ پھر اپنی حماقتوں کی تکرار کی جائے۔

۶۔ جس سے محبت کی جائے اس کے ساتھ راست باز رہنا حقیقتاً نہایت مشکل ہے

۷۔ اچھے ہونے سے اچھی صورت کا ہونا بہتر ہے جس طرح بُری صورت رکھنے سے اچھا ہونا قابل ترجیح ہے۔

ملکوتی رومان

(دوسرا افسانہ)

دوسرے فرشتہ کا نام اربائیل تھا، اس کا قیافہ ذرا متکبر تھا اور اس کی آنکھیں اس قدر تیز کہ جب وہ فضائے بسیط کی جانب اٹھ جاتیں تو معلوم ہوتا کہ وہ اس لاجوردی پردے کے تمام اسرار معلوم کر لینا چاہتی ہیں۔

ہرچند دن رخصت ہو چکا تھا، تاہم وقتاً فوقتاً اس کے بال و پر میں رنگینیوں کی جھلک نمودار ہو جاتی تھی روشنی کا یہ انعکاس اسکے بازوؤں کو فردوس سے فطرتاً حاصل ہوا تھا۔ اربائیل مخصوص ملائکہ میں تھا اور آسمانوں میں علم و خیال و رد وقت و قضا کا حکمراں موکل مانا جاتا تھا۔ اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی کیفیات خود لیکر عرش سے اس نور مجرد سے جس کے سامنے تمام ملائکہ کا نور روز روشن کے مقابلہ میں شب تار کا مفہوم رکھتا تھا، عرض کیا کرتا تھا، لیکن با ایں ہمہ تقرب مقام قدوسی اور اس کے مسکن میں نامتناہی فصل پایا جاتا تھا۔

اربائیل کی آنکھوں کی دھندلی چمک میں ماضی کی روشنیاں اسوقت بھی خوابیدہ نظر آرہی تھیں۔ اسکی آواز شیریں تھی۔ لیکن کسی مقام سکوت کی ایسی صدا معلوم ہوتی تھی جو صدیوں کے بعد بیدار ہوئی ہو؛ اور جب وہ تبسم کرتا، اگر اس کے چہرے پر اثر تبسم ظاہر ہو سکتا تھا تو، ایسا معلوم ہوتا کہ چاندنی میں قوس قزح نمودار ہوئی ہے، اس کے انداز غرور میں اگرچہ فرق نہ آیا تھا، لیکن اس میں غمگینی و الم کا وہ رنگ پایا جاتا تھا جو ہر چیز میں عجز کی نرمی پیدا کر دیتا ہے؛ اور گو بعض اوقات اس کی روح کے اندر غصہ و نفرت کا جذبہ بھڑک اٹھتا تھا لیکن اس کا یہ اشتعال ایسا ہی شدید و مختصر ہوتا تھا جیسے کسی آگ کے آخری شعلے۔

ماجیل کی داستانِ تباہی کے بعد جو سکوت طاری ہو گیا تھا، اربائیل نے اسے اپنی حکایت کی ابتداء سے رفع کیا اس حال میں ایک نور نے اس کے رخساروں کو تابناک بنا دیا تھا، اس کے تمام خط و خال حسین نظر آتے تھے۔ اس نے اپنے رومان حیات کو اس طرح شروع کیا:۔

یقیناً تم کو وہ دن فراموش نہ ہوا ہوگا، جب اس نے جس کے زیر فرمان ساری کائنات کا ذرہ ذرہ ہے، باغات عدن کے قصور نو تعمیر میں تمام ملائکہ کو طلب کیا تھا، تاکہ وہ کائنات پر مہر مکمل ثبت

کرنے سے قبل ایک مافوق البشر و ملائک، ایک مافوق انجم و ثوابت، یعنی آفرینش کا سب سے زیادہ عجیب و غریب کرشمہ ہمیں دکھائے۔

تم نے محسوس کیا ہوگا کہ جس وقت ملائک کی شور تسبیح میں ایک نسائی پیکر کی آنکھوں میں پہلی لرزش حیات رونما ہوئی تو اس کے ہونٹوں کی کپکپی تمام مخلوقات کی روح میں اس طرح سرایت کر گئی کہ جس طرح نور اولین افلاک کے اندر نفوذ کر گیا تھا۔

اس پیکر نسائی میں جب روح لطیف کا تنفس نمودار ہوا، تو اس کا جسم صیقل کئے ہوئے بلور کی طرح پر نور کیف اور ضیا، منظر آنے لگا۔ قدرت کی بدیعہ کاری کا یہ ہوشربا منظر، میں اور تم کیا کوئی بھی فراموش نہیں کر سکتا!

ریاض خلد غیر آباد تھا، اور تنہا، لیکن جس وقت وہاں کی فضائے سحر پرور پر اس نے پہلی نظر ڈالی تو نہ معلوم کس خیال سے اس کے روئے حسین پر ایک رنگ انفعال نمایاں ہوا اور آن کی آن میں رخصت ہو گیا۔ منشائے ربانی سے ہجوم ملائک منتشر ہونا شروع ہو گیا اور جب ان کے نورانی بازوؤں کی آواز ارتعاش سنکر اس نے اپنی متحیرانہ نظر اوپر کی تو میں ان آخری چند نفوس میں سے تھا جن سے اس کی نظر دوچار ہوئی۔ اس ساعت کے بعد پھر کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرا کہ میری روح اس نو آفریدہ ہستی کے طلسم سے باہر ہو سکی ہو۔ صبح و مسا میری ہر حرکت و عمل، ہر خواب احساس میں اس کے شان و تجمل کا خیال شامل رہے، اور تنہا اس کا خیال نہیں بلکہ اس کی تمام نسل کا جو ہنوز آغوش مستقبل میں خوابیدہ تھی، اس تمام عنصر نسائی کا خیال جو اس کے چہرے کی قمر زائیوں اور اس کے دماغ کی سحر آفرینیوں کے اندر گہوارۂ حسن و شوق میں پرورش پا رہا تھا۔

یہ میرا مقدر تھا کہ اس وقت سے لیکر جب ابدیت کے اولین تنفس سے گلہائے نور پیدا ہو رہے تھے اس وقت تک کہ قدرت نے اس بدیع تصنیف کو رونما کیا، میں موجود رہوں تاکہ اس کے بعد سے میری روح اسی کے خیال کی اسیر بنی رہے اور میرا کوئی تصور اور کوئی خواب ایسا نہ رہ جائے جس کا مرکز و محور وہ نہو۔

حصول علم کی وہ نامتناہی تشنگی جو تسکین پا جانے کے بعد اور زیادہ بیتاب ہو جاتی ہے، ہنوز میری تلاش و جستجو میں جوش پیدا کر رہی تھی اور میں بے چین تھا کہ کیونکر فطرت کی اعجوبہ کاری کی حقیقت معلوم کر لوں کیونکہ اس کا مقصود اس کا ماحاصل اور اس کی تمام مستور طاقتیں جان لوں۔ میری یہ خواہش علم اس درجہ قوی تھی

گویا میری ہستی کا سارا انحصار اسی پر تھا۔

آہ وہ زمانہ کتنا اچھا تھا جب میں صرف ستاروں کی جھلملاہٹ میں دن رات سرگرداں رہتا تھا اگر میں اب تک اپنی اسی حالت استغراق میں رہتا تو بہت سی مصیبتوں سے محفوظ ہوتا۔ لیکن اب مجھے اس جدید طلسم کے رموزت اس درجہ عشق ہوگیا تھا کہ میں اکثر صبح کی ساعتوں اور شام کے لمحوں میں چرخ آتشیں کے ساتھ گردش کرتا رہتا تھا اور ایک ایک ستارہ میں جستجو کرتا تھا کہ شاید کہیں اس نور کا پتہ چل جائے جس سے اس پیکر کی تعمیر ہوئی تھی میں بار ہا دیوانہ وار ان کے نورانی جلوہ کے تعاقب میں دوڑا اکثر معبد رفیع کے دائرہ مدار ستاروں کا پیچھا کیا کہ عالم جدید کی راتوں کے لئے اس کی ایک شعاع حاصل کرسکوں مگر میری کوشش کارآمد نہ ہوئی۔

غرض اُس وقت کہ دنیائے انسانی عالم امکان میں نہ آئی تھی، میری خواہش مُنزّہ تھی اور میری محویت مقدس۔ لیکن جب اس دنیا نے وجود حاصل کیا تو میری فطرت میں عجیب انقلاب پیدا ہوگیا، میرے حواس سب رو بہ زوال ہوگئے اور وہ جو کچھ دیر قبل اس وسعت رفیع کا سیاح تھا، جہاں نور و تجلی کے عالم ایک پر ایک ٹوٹے پڑتے ہیں، اب اس ادنیٰ اور ذلیل ذرّے کی بھی پرستش کر رہا تھا جس پر عورت کا نقش قدم پڑ گیا تھا، میرے قدیم اصنامِ نور اپنے مقام بلند سے اب فضول ضوفشانیاں کر رہے تھے وہ فضائے عزیز جس کا مفہوم میرے لئے صرف ایک کیفی آور بیخودی تھا، اب بیکار موسیقی کو میرے سامعہ تک پہونچا رہی تھی، کیونکہ اب تو میرا ہر خیال دنیائے ارض سے وابستہ تھا، اس طرح وابستہ تھا جیسے فلک پیما پہاڑوں کی چوٹیاں خواہ کتنی ہی بلند کیوں نہ ہوں مگر ان کا سایہ زمین ہی پر پڑتا ہے۔

بہر نوع ابھی تک جس چیز نے مجھے اس دام آتشیں میں مقید کر رکھا تھا وہ محبت کا جذبہ نہ تھا بلکہ وہ میرا تحیر تھا، قدرت مجردہ کی اعجاز آفرینیوں نے میرے پیمانہ حواس کو لبریز حیرت تو پہلے ہی سے کر رکھا تھا لیکن اس حسن آخری بدیع قدرت نے تو اسے چھلکا ہی کر چھوڑا، اب میری حالت تحیر میں ایک شدید شوق پیدا ہو رہا تھا گویا یہاں سے وہاں تک ایک بجلی دوڑ رہی تھی جس کو ایک خفیف لمس کا انتظار تھا، کہ اُس کا التہاب، اُس کی لپک کسی ایک موضوع پر قائم اور طاری ہو جائے میں چاہتا تھا کہ خوبی و ناز کے یہ مجسمے جب دیکھتے ہوں گے کہ اُن کے شعلۂ نظر سے روحیں خاکستر ہوئی جا رہی ہیں تو اُن کے حسیات کیا ہوتے ہوں گے؟ اور آیا جس طرح روشنی کی شعاعیں

جواہرات کو دمکا دیتی ہیں کیا اسی طرح اُن کی آنکھیں بھی تابشِ ضو سے معمور ہو جاتی ہوں گی ۔ لیکن جس قدر میں نے اس نحیف و نازک جنس کا مطالعہ زیادہ کیا اسی قدر میری کیفیات و احساس میں شدت بڑھتی گئی ۔

غالباً بہارِ جناں کی فضا اس وقت تک غیر مکمل تھی اور قدرت کا منشا یہ تھا کہ عورت کی پہلی نظر اس کی تکمیل کرے ۔ چنانچہ یہ میں نے خود دیکھا، اور یہ بھی دیکھا کہ بڑے بڑے مقدس ملائکہ اظہارِ عبودیت و تسلیم میں اس پیکر کے سامنے کس طرح جھک گئے، اور اب یہ بھی دیکھ رہا ہوں، رشک آمیز حسیات کے ساتھ دیکھ رہا ہوں کہ متکبر مرد کیونکر اس "عطرِ فطرت" کا مالک ہوا ہے ۔ اس کے بعد یہ بھی میرے تجربہ میں آیا کہ مرد و عورت کے اتصال کی مسرت و سعادت گو مختصر ہی مگر کس قدر محبت ہوتی ہے، عورت کی لغزشیں بھی میری نظر میں آئیں اور میں نے دیکھا کہ وہ کس قدر جلد اور کیسی آسانی سے اعتماد کرنے والی واقع ہوئی ہے ۔

مجھے تسلیم ہے یہ اک پرجوش و متجسس دل ہمیشہ ایسے لفظوں پر ایمان لے آیا ہے جو ذرا بھی لطف و رافت کے حامل ہوں، اور یہ اُسی خواہش علم کا نتیجہ ہے، کیونکہ عورت کے دل میں "جان لینے" کی خواہش قوی تر ہے، بُرا تو خیر کیونکر کہوں، اس لئے کہ میں خود اسی خواہش کا بندہ رہا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ چیز ہے جو اپنے ساتھ غم و ہلاکت لاتی ہے، جس کا یقینی انجام معصیت و الم ہے۔ مختصر یہ کہ عورت ہرچند جنت سے پاک و منزہ بھیجی گئی تھی لیکن زمین پر پہونچکر اس کے ساتھ بُرا سلوک روا رکھا گیا، اُسے داغدار بنا دیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے خود اپنے تئیں دنیا کی ہر شے کو اور مجھے ذلت و معصیت میں مبتلا کر دیا ۔

عورت کے مطالعۂ فطرت کے ساتھ مرد کی خصوصیتیں بھی میرے علم میں آئیں اور میں نے دیکھا کہ اس کی عقل کا قلعہ عورت کی نگاہوں کے تیرِ نگاہ کے سامنے کیسا مسمار ہو جاتا ہے، میں نے اک طرفہ بات یہ دیکھی کہ ابھی مرد نے ریاضِ خلد کی راحتوں کو خیرباد کہکر جنت کی دہلیز کو عبور نہیں کیا تھا، اُس فردوس کو جسے اُس نے درسِ وحشت دینجو دی پر قربان کر دیا تھا، ہنوز پوری طرح چھوڑ بھی نہ چکا تھا کہ وہ اس کی غلطی کو بھول گیا، میں نے دیکھا کہ وہ اپنے ہیچ سینہ کو عورت کے نازک و لرزانِ شوق سینہ سے ملائے دے رہا تھا، عورت کے اُس سینے سے جسے وہ اپنے ہاتھ سے معصیت کے لئے مقدر کر چکی تھی، اور پھر تماشا یہ کہ وہ اپنی اس ذلت و رسوائی کی

حالت میں بھی اسے اپنی "جان" کہکر پکار رہا تھا، اپنی "روح" کہہ کر خطاب کر رہا تھا - یہ تھا وہ پہلا نام جو تباہ حال انسان نے حُسن و عشق سے سیکھا اور عورت کو عطا کیا، اس وقت عطا کیا جب وہ جنت سے نکالا جا رہا تھا - مردود ہو چکا تھا - وہ ذات جس نے دنیا میں موت کو دعوت دی، عورت کی ذات تھی اور عورت ہی اس وقت اُس کے سامنے اپنی اُن آفتابی گیسوؤں کے ساتھ کھڑی تھی، جس میں گم کردہ جنت کی روشنی ہنوز موجود تھی اور اس کے پہلے اُس کے کافوری شانوں سے ایڑیوں تک پہونچ رہے تھے، اسکے قامت کی زیبائی، اس کے دل کی شیرینی، اس کے آواز کی نگینی، اس درجہ عجیب اور اس میں اس نوع کا تلذذ تھا کہ آدم نے اُسی اپنے نقصان کا نعم البدل خیال کر لیا - پھر غور کیجئے کہ کیا میری امکان میں تھا کہ ایسی ہستی کو دیکھوں اور غرق حیرت نہ ہو جاؤں ؟ کیا ممکن تھا کہ جس خدا نے یہ طاقت بخشی ہو اس کا ہر لفظ انسان کو تباہ کر سکے، میں اُسے دیکھوں اور محفوظ رہوں - ؟

الغرض میری یہ حیرانی حوا کی ہستی کے ساتھ ختم نہیں ہو گئی بلکہ اسکی بیٹیاں میری حیرت میں اضافہ کرتی رہیں جو اتنی ہی طاقت سحر رکھنے والی تھیں جتنی مرد کی بیوقوف پرستاری کہ تذلیل کی حالت میں بھی وہ اسکی پرستش سے روگرداں نہ ہوا -

کیونکر بیان کروں کہ میں کتنی مدت تک حیرت کا مرکز بنا رہا اور میری حسرتوں کی بے چینی و اضطرار کا کیا عنوان رہا ؟ میں کس قدر بیتاب تھا کہ اس ہجوم شعلہ زار میں ایک شمع پاؤں، اس جنس بدیع کا عطر حاصل کروں جس سے میری آغوش جستجو بھر جائے، جس کو میں اپنا کہہ سکوں ؟ یعنی جس طرح شہد کی مکھی پھولوں کے عمق میں ڈوب جاتی اور اُس کی تمام شیرینی کو لوٹ لے جاتی ہے، اسی طرح میں بھی عورت کے پیکر اور اس کی روح میں غرق ہو کر اسکی نازکی کو اپنا بنا لینا چاہتا تھا -

آپ اندازہ فرمائیں کہ وہ زبان جس کا دل اس درجہ خراب ہو گیا ہو، کیا کچھ کہنے پر آمادہ نہ ہو جائیگی چنانچہ اس خواہش سوزاں کے لئے میرے ہونٹھ بھی متحرک ہو گئے، اور میری التجا سن لی گئی لیکن یہ کہ وہ کہاں سنی گئی، جنت میں یا دوزخ میں ؟ اسے کون بتا سکتا ہے ؟

آخر کار اس کرۂ خاکی کی کنواریوں میں مجھے ایک دوشیزہ نظر آئی جو پاکیزگی جمال کا مجسمہ تھی اور ملکوتی محبوبہ بننے کی اہل - فرش زمیں پر وہ چلتی تو اس کے غرور میں یہ جذبہ پنہاں ہوتا کہ اس سے پامال ہونے کیلئے ایسا مقام ہونا چاہئے جو زمین کے مقابلہ میں زیادہ باکنہ و سادی ہو اور جہاں ہر ہر قدم پر ایک ستارہ پامال ہونے کیلئے

ایسا مقام ہونا چاہئے جو زمین کے مقابلہ میں زیادہ پاکیزہ سادہ ہو اور جہاں ہر ہر قدم پر ایک ستارہ پامال ہونے کے لئے موجود ہو، اس جلوہ طلعین کا، جنہیں لب کہتے ہیں ایک ایک سانس سکون جاوید کی ایک دنیا لئے ہوئے تھا، اس کا رنگ جب کسی جذبۂ انفعال سے متاثر نہ ہوتا تو کسی خیال تنویر کا رم معلوم ہونے لگتا اور اوسکے غنچۂ چشم کے اندر کا دانہ، عنبر یا غصہ کی حالت میں تمام تر آتش رنگین اور لطف کے عالم میں یکسر پیکر حلاوت نظر آتا، موسم بہار کے کسی نوشباب درخت میں کونپلیں پھوٹتے وقت جو لوچ پیدا ہوتا ہے وہ اسکو قامت کی رعنائی میں متشکل ہو گیا تھا، لیکن وہ چیز جو اسکی ہستی پر مستولی تھی اور جس نے اسکے پیکر کو ایک شعلۂ جوالہ بنا دیا تھا وہ ظاہری جلوۂ حسن و محبوبی نہ تھا بلکہ وہ اس کا ذہن تھا جو اوسکی جلوہ باریوں کو لے اڑا تھا وہ اس کی روح تھی جو اسکے کا فرادائیوں کی جان تھی، لیکن وہ خود با وجود ایک بارش کیف و لذات ہونے کے بے خبر تھی، باوجود ایک فردوس ذی حیات ہونے کے بے پروا تھی وہ گویا آفتاب تھی جو ہر چند پھولوں پر چمکتا ہی لیکن اگر اسکی ضیا پاشیوں کیلئے پھول نہ ہوتے تب بھی اسکی درخشانی ایسی ہی ہوتی غرض کہ وہ فطرت کی لطافتوں کا، بے شمار رقیق نگاہوں کا، اور محبوبی کی بے حساب اداؤں کا ایک دلنشین امتزاج تھی!

اس وقت سے کہ میں نے اُسے دیکھا میں پھر اس سے کبھی جدا نہ ہوا، شب روز، صبح و مسا، غرض ہر دم نظروں سے غائب میں اس کے گرد طواف کیا کرتا تھا۔ ہاں جب وہ تنہائی میں عالم خیال کی سیاحت کرتی تو میں اس کے خیالات کو اسکے دل کے اندر شعاع ریز ہوتے اس طرح معلوم کرتا رہتا جس طرح ایک چشمۂ شفاف کی تہ میں بلور پارے نظر آتے ہیں لیکن عجیب تر بات جو مجھے معلوم ہوئی، یہ تھی کہ اسکو خیالات منکرانہ اسکی آرزوئیں غیر معمولی بلند تھیں، اسقدر بلند تھیں کہ اسوقت تک کسی روح میں پیدا نہ ہوئی ہونگی، وہ ایک غیر محدود منور مستقبل کی جھلک دیکھا کرتی تھی اور ہر چیز کے "جان لینے" کی خواہش کا اس پر اتنا شدید غلبہ تھا کہ شائد ہی کوئی اس سے اس قدر مغلوب ہوا ہو۔

اسلئے کہ میں اسکے نفس پر قدرت حاصل کر سکوں میں نے اسکی خوابوں کی دنیا کو اپنا بنالیا، چنانچہ میں نے اسکے چشم تخیل کے سامنے ایسے تصورات پیش کئے جو تابناک بھی تھے اور مبہم بھی تابش و تجلی کے وہ ذرے جو خیال کی گرفت میں اگر کچھ نہیں رہجاتے ان کی شعاعوں کو اسکے خیال کے سامنے پیش کرتا رہتا تھا، میں اس کے خوابوں کی اندر ہر منظر کو طلسمی بناتا رہتا اس کے دل میں

ایک امید پیدا کرتا، اور قبل اس کے کہ وہ قائم ہو اُسے افسردہ کر دیتا تھا۔

میری اس محبوبہ ذہنی پرستش کیلئے ایک خوش فزا باغ کے اندر ایک مرمریں حجرہ منتخب کیا تھا جو مصفا ترین رخام سے تعمیر کیا گیا۔ ایک رات جب وہ اس مقدس عبادت گاہ میں داخل ہوئی تو خانقاہ کے اندر سے شمع کی روشنی نکل کر باغ کے گوشوں کو اس طرح منور بنا رہی تھی جیسے روح باوجود نظر نہ آنے کے اپنی پر اسرار روشنی پھیلا دیتی ہے وہ اس گوشۂ عبودیت میں پہونچکر دو زانو ہو گئی اور میں نے اُسے کہتے سُنا :۔

"اے میرے خوابوں کی خدا! میں نہیں جانتی کہ تو کوئی ارضی ہستی ہے یا ملکوتی پیکر، لیکن تو جو کوئی ہے اپنی جنس میں سب سے زیادہ حسین ہے، تو میری نظر میں اتنا ملکوتی ہے کہ تجھے اپنا بنا لینے کی آرزو میرے دل میں پیدا ہو ہو کر مر جاتی ہے۔ تو میرے خوابوں کو اس قدر حسین اور اس قدر لذیذ بنا دیتا ہے کہ جب میں بیدار ہو جاتی ہوں تو بیداری کی زندگی زندگی نہیں معلوم ہوتی، اور حقیقتاً اس میں کیا دلکشی ہو سکتی جب کہ خواب کا عالم ایسی چیزوں سے معمور ہو! آہ میں نہیں سمجھ سکتی کہ میں تجھ سے جدا کیوں ہوتی ہوں؟ میں جب تجھے اپنی فضائے دلکشا میں جلوہ افروز دیکھتی ہوں تو اس پر کیوں اتنی جلدی پردہ پڑ جاتا ہے؟ جس کو دوبارہ اٹھا دینے کی عوض میں خوشی کے ساتھ مر جانا پسند کروں گی؟ آسمان کی بلندیوں، زمین کی وسعتوں اور سمندر کی گہرائیوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جسکے "جان لینے" کے لئے میرا قلب سوز طپش کے لئے وقف نہیں ہو گیا اور ان سب بالاتر شئے جس کے علم کی خواہش میری ہستی کے ریشے ریشے میں پیوست ہے وہ تو ہے! تجھے معلوم کر لینے کی خواہش ہے اور میں ہوں!

آہ! اے روح! آ جا، اپنے شعاعی مسکن کے پردوں سے نکل آ! آ، اور جس رنگ میں چاہے آ! خواہ خدائے قدوس کا معبد بننے کے لئے آ یا انسان کی طرح محبت کئے جانے کے لئے، مگر آ! اپنی خیرہ کن روشنی کے ساتھ آ، کہ میں اُسے بیداری میں دیکھ سکوں یا مجھے بھی اپنی ہی فضا میں لے جا!

"اے منطق آلہہ جس کی ایک نگاہ میں دفتر علم پنہاں ہے مجھے بھی اپنے ساتھ اسکے اوراق پر ایک نگاہ روشنی ڈال کر مر جانے دے۔ اے متورترین روح پرستش طلب! میری التجائے صمیم یہی ہے کہ اور آج کی رات میری چشم بیدار وحشت زدہ کے سامنے اگر حجاب، صرف آج کی متبرک رات، مجھے اس سے زیادہ کی تمنا نہیں"۔

یہ آتشیں جملے ادا کرنے کے بعد وہ بے دم ہو گئی اور شدت اضمحلال سے اسکی کافوری پیشانی زمین پر ٹک گئی

[redacted]

گویا یہ اس کے دماغ کی آخری دھڑکن تھی، جو ان الفاظ کی صورت میں نمودار ہوئی۔ یہاں تک کہ میرے ہونٹھ اس کے لبوں سے اس قدر قریب ہو گئے کہ میرے تنفس کی آوازوں نے اس کی عنبریں سانسوں میں صدائے بازگشت پیدا کر دی اور اس نے چونک کر اپنا سر اُٹھایا اور مجھے اس خلوت گاہ عبودیت میں دیکھا کس حال میں کہ میری شان ملکوتی شکل انساں میں اگر دلپذیر تر ہو گئی تھی، اُس وقت میری نگاہیں اس کی چشم آفتاب پرور کی طمانیت کی حریف تھیں اور میرا قلب اس کے شعلوں کا آتشکدہ بنا ہوا تھا۔ اس ساعت میں میری روح اس کی ہستی کے اندر گم ہو گئی، آہ وہ ساعت!

فرشتہ اس مقام پر پہونچکر خاموش ہو گیا گویا اس کے طغیان خیال و جوش جذبات کے لئے یہ الفاظ کمزور تھے۔ وہ اس طرح خاموش ہو گیا، جیسے کسی پُرشش نغمہ میں مضراب کی شدید ضرب سے تار رباب کا ٹوٹ جاتا ہے مگر ایک جھنکا دیر تک آتی رہتی ہے۔ لیکن چند لمحوں کے بعد یہ کیفیت رفع ہونی شروع ہوئی اور اس نے اپنے سامعین کی جانب متوجہ ہو کر سلسلۂ کلام پھر جاری کیا + (باقی)

ل- احمد

غزل

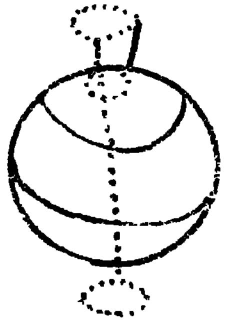
جزاک اللہ! چہ خوش گفتی سر ادراک کن پیدا — دگر می گو کہ بت ہاں، غمزۂ بیباک کن پیدا
چہ می پرسی دل بیتاب راحت بجوں غلطد — بزلفت بہ پیچ و جلوۂ فتراک کن پیدا
شرارا زبرق حسنش می جہد ہر دم بہ ایں دل — خموشش اندکے سرمایۂ خاشاک کن پیدا
مدارا زمن دریغ اکنوں نوید عید قرباں را — بیا گردم ہلال خنجر سفاک کن پیدا
مہ انجم بند ہر شب ہمیں خاموش پیغامے — گہے روئے حزین و دیدۂ نمناک کن پیدا
زبیم برق واقعی از نشیمن پا مکش بلبل — بہ آتش آشیاں بند و زسم تریاک کن پیدا

نیاز از خویش بگذشتن نقاب حسن برگیرد
سحر آسا زخود برآ و مہر از چاک کن پیدا

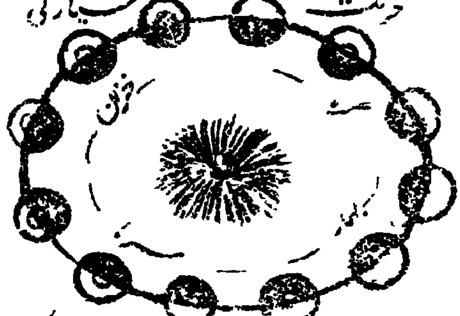
مسائلِ علمیہ

(بارہ بجنے کی حقیقت)

گردش و اہتزازی حرکت

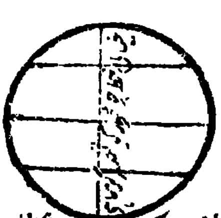


حرکت سیارگی



زمین کے محل اس فرضی خط پر جو سورج کے گرد اسکی گردش کے مدار کو تعبیر کرتا ہے۔

محوری گردش



اپنے محور پر ایک مرتبہ ۲۳ گھنٹے ۵۶ دقیقہ ۴ ثانیہ میں گردش کرتی ہے۔

بارہ کیوں بجتے ہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس سے ہر کام کرنے والے کو دلچسپی ہے کیونکہ اس کے بعد ہی زوال شروع ہو جاتا ہے اور لوگ قیلولہ یا دوپہر کے آرام میں مشغول ہو جاتے ہیں، لیکن یہ حقیقت ذرا غور کے بعد معلوم ہو سکیگی کہ وقت کا یہ لمحہ ہمارے اور تمام دنیا کے لئے کیوں خصوصیت رکھتا ہے۔

جب کسی دیوار کے ایک جانب سورج کی روشنی پہونچنا بند ہو جاتی ہے یعنی جس لمحہ کے بعد سورج دیوار کے دوسری جانب نور افشاں ہونے لگتا ہے یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ جس وقت سورج ایک طرف سے گذر کر دوسری طرف پہونچ جاتا ہے اسی وقت ۱۲ بجتے ہیں اور دہی ٹھیک ٹھیک دوپہر ہے۔ یہ صحیح ہے لیکن شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ہر تین مہینے میں صرف ایک ہی دن ایسا ہوتا ہے جسے ہم ٹھیک دوپہر کہہ سکتے ہیں کیونکہ ہماری گھڑیاں جو زمین کی حرکت سے درست (یا جیسا کہ عام طور پر زبان زد ہے سورج کی حرکت سے درست) کی جاتی ہیں، ۱۲ بجے کا وقت بہ لحاظ موسم ٹھیک دوپہر کے وقت سے ایک لمحہ آگے یا پیچھے ہوگا مثلاً یکم نومبر کو اگر سورج گھڑی سے ۱۶ $\frac{1}{4}$ دقیقہ آگے ہے تو ۱۰ فروری کو وہ ۱۴ $\frac{1}{2}$ دقیقہ پیچھے ہوگا۔

ہماری دیوار گویا ایک دھوپ گھڑی ہے جس سے ہم کو دیوار کے اوپر سے سورج کے گذرنے کا وقت معلوم ہو جاتا ہے اور ایسے کوئی دو مسلسل اوقات کے درمیان کا وقفہ ایک شمسی روز کہلاتا ہے اگر زمین صرف اپنے

محور پر گھومتی تو یہ دن کسی قدر موجودہ دنوں سے چھوٹے ہوتے، لیکن زمین ایک دائرہ کی صورت میں بھی گردش کرتی ہے اور سال بھر میں اپنے مدار کے ۳۶۰ درجے بھی طے کرتی ہے یعنی ایک دن میں قریب ایک درجہ۔ اور وقت کے لحاظ سے یہ ایک درجہ ۴ دقیقہ کے مساوی ہے پس جب زمین ایک پوری گردش کر لیتی ہے، جس کا شمار گزشتہ دن کی ٹھیک دوپہر سے ہوتا ہے تو اسکو تھوڑی سی گردش اور کرنا پڑتی ہے کہ سورج پھر ٹھیک دیوار کے اوپر آجائے یہی دن مشاہدہ میں آتا ہے پس معلوم ہوا کہ ایک شمسی دن (گردشی) دن سے ۴ دقیقے زیادہ ہوتا ہے۔ گردشی دن سے مراد وہ وقت ہے جو زمین کو ایک پورا چکر یا ۳۶۰ درجے طے کرنے کے لئے درکار ہوتا ہے۔

اگر زمین کا محور، مدار ارضی کی سطح پر ٹھیک عمود واقع ہوتا تو تمام شمسی دن وقت میں برابر ہوتے لیکن زمین کا محور اپنے مدار پر ۲۳ ½ کے قریب مائل ہے اور زمین سورج کے گرد اپنے تمام سفر میں اس میلان کو قائم رکھتی ہے پس اگر ہم سورج کو نقطۂ ثابت خیال کریں تو زمین کا محور ایک دائرہ کی صورت میں آہستہ آہستہ اہتزاز کرے گا اور اس دائرہ کو ایک سال میں طے کرے گا۔ زمین کے محور کی یہی گردش جب کہ سورج نقطۂ ثابت ہو، اختلاف موسم کا باعث ہے اور جب ہم اس کا لحاظ رکھیں کہ یہ صرف ایک اضافی گردش ہے، تو وقت کی پیمائش کے لحاظ سے ہم اسکو زمین کی تیسری گردش مان سکتے ہیں۔ جیسا کہ شکل میں دکھلایا گیا ہے۔

اس تیسری حرکت کی وجہ سے سال کے تمام دنوں میں ۲۰ دقیقہ تک کا فرق پڑ جاتا ہے ایسی صورت میں معمولی گھڑیوں کے لئے سورج کی روزانہ حرکت کے ساتھ ساتھ وقت بتلانا دشوار ہو جائے گا۔ اس لئے رصد گاہوں میں ہیئتی گھڑیاں ہوتی ہیں جن میں کچھ ایسی صنعت ہوتی ہے کہ ٹھیک دوپہر کے وقت سورج کے لحاظ سے جو دن میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں، اُن کے مقابل میں وہ خود بھی اپنا وقت بدلتی جاتی ہیں، لیکن ایسے آلات کا سمجھنا عام فہم سے بالاتر ہے تاہم روزمرہ کے کاروبار میں سہولت کے لئے شمسی دن کو ۲۴ گھنٹہ کا قرار دیا جاتا ہے اور چونکہ سال بھر میں اس کی مقدار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس لئے ہیئت دانوں نے اس دقت کو دور کرنے کے لئے ایک فرضی سورج تصور کر لیا ہے جس کو وہ "اوسط سورج" کہتے ہیں جو فلک کے خط استواء پر یکساں طور پر حرکت کرتا ہوا فرض کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ جب یہ "اوسط سورج" ہماری دیوار کے اوپر سے گذرتا ہے تو وہ "اوسط نصف النہار" یا "دوپہر" ہوتی ہے۔ اور جب کہ حقیقی سورج اس جگہ پر ہو تو وہ ظاہری دوپہر ہوتی ہے اول الذکر سے ہم کو وہ دن حاصل ہوتے ہیں جو سال بھر کے تمام ظاہری دنوں کی مقدار کا اوسط ہوتے ہیں۔ ہماری گھڑیاں اسی "اوسط وقت" کو

تبلانے کے لئے بنائی گئی ہیں۔

شمسی دن گردشی دن سے ۴ دقیقہ زیادہ طویل ہوتا ہے، یعنی گردشی دن سال میں ۳۶۶ ہوتے ہیں اور اگر ہمارے پاس گردشی دن کی پیمائش کا کوئی آسان طریقہ ہوتا تو ہم زمین کے محور کے ۳۶۶ چکر سال بھر میں شمار کر سکتے۔ اگرچہ سال بھر میں سورج ہمارے اوپر سے ۳۶۵ مرتبہ ہی گذرتا ہے۔ یہ اندگردشی دن اس لئے درکار ہوتا ہے کہ زمین کی مداری حرکت کے ساتھ ساتھ گردشی حرکت رہے۔ ہم سورج کو ۳۶۵ مرتبہ ہی دیکھتے ہیں لیکن ہم اسکو ایک لمحہ کیلئے نظر انداز کر دیں اور صرف زمین کے محور پر نظر رکھیں تو ہم کو معلوم ہو سکیگا کہ ہمارا کرہ سال بھر میں ۳۶۶ محوری گردشیں کرتا ہے۔

بہرحال اگر اوسط وقت کا حساب ہوتا تو ہماری گھڑیاں وقت نہ تبلا سکتیں۔ فرانس میں ۱۸۱۶ء تک ظاہری یا شمسی دن استعمال ہوتا تھا اور اسکی وجہ سے اس قدر دقت پیدا ہو گئی تھی کہ شہر کی گھڑیوں میں یک ہی وقت میں تیس تیس منٹ کا فرق ہو جاتا تھا اور کوئی گھڑی ساز گھڑیوں کو شمسی وقت تبلانے کیلئے درست نہیں کر سکتا تھا

ایک دھوپ گھڑی سے وقت اسی حالت میں صحیح صحیح معلوم ہو سکتا ہے کہ ساتھ ہی ساتھ ایک تقویم (جنتری) بھی ہو جس میں ہر روز کے سامنے "سورج آگے" یا "سورج پیچھے" کا اندراج ہو، تاکہ اس سے ہم کو ظاہری دن، اوسط دن کی اضافت سے معلوم ہو جائے، سال بھر میں چار دن ایسے ہوتے ہیں کہ "اصلی سورج" اور "اوسط سورج" کا محل ایک ہی ہوتا ہے۔ یہ دن ۱۵ اپریل، ۱۵ جون، یکم ستمبر اور ۲۴ دسمبر ہوتے ہیں۔

دن کو ۱۲، ۱۲ گھنٹے کے دو مساوی حصوں میں تقسیم کرنے کا طریقہ بہت قدیم ہے اور ۱۵۰ ق م زمانہ ہی پہلے سے جاری ہے زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ اکثر قومیں اپنا کاروباری دن غروب آفتاب سے شروع اور اسی پر ختم کرتی تھیں، مسلمانوں میں بھی شروع دن یہی ہے۔ اب آجکل دن آدھی رات سے شمار ہوتا ہے جس کی وجہ سے دن کا شمار آدھی رات سے رکھنے میں سہولت دیکھی گئی اس بنا پر ایک ہیئت داں ۱۲ بجے دوپہر کو اپنی تاریخ بدل دیتا ہے کیونکہ اس وقت وہ مشاہدات تقریباً کر ہی نہیں سکتا۔ علیٰ ہٰذا وہ دوپہر سے شمار کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

دن کو گھنٹوں میں تقسیم کرنے کی ابتدا دھوپ گھڑی کے ساتھ ہوئی۔ ۶۰ دقیقوں اور ۶۰ ثانیوں کا خیال بابلیوں کے وقت سے جاری ہے جنہوں نے اعداد کے عشری[1] اور اثنا عشری نظام کو ملا کر ۶۰ کو معیار قرار دیا تھا کیونکہ اس کے بہت سے پورے پورے اجزائے ضربی ہو سکتے ہیں۔

---

[1] عشری نظام اعداد سے مراد وہ نظام ہے جن میں دس معیار عدد ہے جیسے آجکل ہے۔ اثنا عشری وہ جس میں بارہ معیار عدد ہے ۱۲

مسائل علمیہ

باوجودیکہ ہمارے پاس گھڑیاں، گھڑیاں اور علمی آلات موجود ہیں جن سے ہم دن کے خصوص کی پیمائش کرسکتے ہیں تاہم زمین ہی ہماری اصلی گھڑی ہے۔ بارہ بجے دوپہر کے سورج کی دیوار کے اوپر گزرنے ہی سے ہمارے دن کا شمار ہوتا ہے، کیونکہ جب ان تمام تغیرات کا لحاظ کرتے ہیں جو معلومہ اسباب کی بنا پر دن کے طول میں ہیں تو ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ۲۰۰۰ برس سے ۱/۲۰۰ حصہ ثانیہ سے زیادہ تبدیلی نہیں ہوئی، اس قدر صحت آلات صنوعی میں پیدا کرنا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۲ بجے دوپہر کے وقت ایک ہیئت داں اپنے وقت پیما آلات کو ایک اعلیٰ اور مکمل دھوپ گھڑی کے سایہ سے مطابق کر دیتا ہے۔

پس جماعت انسانی کے تمام کاروبار کا انحصار ایک سایہ کی حرکت پر رہ جاتا ہے، ایسا سایہ نہ جس میں جسم ہے نہ کمیت، اور ہمارا تمام کام اسی سایہ کے وقت سے ہوتا ہے اسی کے لحاظ سے قانونی کاروائی کے کاغذات ترتیب پاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر سایہ کی حرکت نے انسانی دماغ کو ترقی دی اور اس کو بہیمیت کی پستی سے نکال کر معراج کمال پر پہونچایا اور مخلوقات میں اس کا درجہ سب سے بلند و برتر کر دیا۔

محمد نصیر احمد عثمانی

جرعہ ہائے تسنیم

کلی کلی سے ترا حسن ضو فشاں نکلا
جو بے نشاں تھا سزا وار صد نشاں نکلا

بھٹک بھٹک کے گئی روح آسماں کی طرف
یہ خضر راہ بھی گم کردہ کارواں نکلا

خدا نہ تھا محفل ہستی میں مدعائے وجود
جو دل سے محو تھا وہ زیب استاں نکلا

ہر اک سے دہر میں حسن ازل کا راستی شعار تھا
وہ عاشقی میں ہزاروں سے بدگماں نکلا

بیاں ہوئی کسی دل پر سے جب حکایت شوق
تو آشنائے غم دل مضطر کا ہمزباں نکلا

اس انقلاب مصیبت پہ خوش ہو اے تسنیم
یہ عشق پیشہ بھی فطرت کا رازداں نکلا

سیدہ فراز حسین

اس کے علاوہ ذبیحہ کا طریقہ بھی اُن کے یہاں مخصوص ہے۔ مچھلی بھی بہت سی قسموں کی وہ استعمال نہیں کرتے، اور یوم السبت کے نہایت سختی سے پابند ہیں، وضع و لباس بھی گرد و پیش کے لوگوں سے مختلف استعمال کرتے ہیں، شراب اُن کے یہاں جائز ہے، مگر لحم خنزیر ناجائز ہے، ختنہ کی رسم ان کے یہاں بھی جاری ہے۔

شکل و صورت | یہود بالعموم پستہ قد ہوتے، اُن کا رنگ اکثر گندمی ہوتا ہے، اور بال اور آنکھیں سیاہ، مگر یورپین یہودیوں میں سو میں بیس کے بال اور پچاس کی آنکھیں بھوری ہیں گی برخلاف اس کے حبش اور چین کے یہود کا اُن کے دیگر ہموطنوں میں تمیز کرنا محال ہے۔

مختلف ممالک کے یہودی | بخارا کے یہودی اور خصوصیت کے ساتھ ان کی عورتیں بہت ہی خوبصورت ہوتی ہیں اور تونس اور الجزائر کی یہودی عورتیں بھی بالعموم حسین ہوتی ہیں اور ان کا جسم اکثر دھرا ہوا کرتا ہے۔

شمالی افریقہ کے یہودیوں میں طرابلس کے یہودیوں کے حالات بہت دلچسپ ہیں یہ لوگ پہاڑوں کے غاروں میں رہتے ہیں، جو بہت دور تک زمین کے نیچے چلے جاتے ہیں، اُن کے مکانات، معابد، مدارس دکانات وغیرہ سب زمین دوز ہیں اور صرف اُن کے دروازے آنے جانے والوں کو نظر آتے ہیں۔ گریا ایسے اور ایسے مقامات میں رہنے کے باوجود یہ لوگ نہایت بشاش اور تندرست ہوتے ہیں۔

ایران میں یہود اب تک ایک خاص لباس پہننے پر مجبور ہیں اور انہیں کلاہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ ہندوستان میں کئی طرح کے یہودی موجود ہیں، جن کو اس ملک میں آئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا اس لئے اُن کی شکل و صورت بھی اسی ملک کے یہودیوں سے ملتی ہے جہاں سے یہ لوگ یہاں آئے ہیں ہندوستان میں بعض یہود ایسے ہیں جن کے آباو اجداد قرون وسطےٰ میں ایران ، یمن، عرب، نیز یورپ سے ترک وطن کر کے آئے ہیں، کوچین اور ملا بار میں بھی یہی لوگ ہیں البتہ احاطہ بمبئی کے بنی اسرائیل کا تعلق کسی دوسرے فرقے سے ہے ہندوستان کے گورے یہودی اپنے سیاہ فام ہم قوم کی تحقیر کرتے ہیں اور اپنے غلاموں کی اولاد بتاتے ہیں۔

سیاسی غلامی | دنیا میں کوئی قوم آوارہ وطن یہودیوں سے زیادہ مظلوم نہیں رہی، سو برس ہوئے کہ دنیا کے کسی ملک میں بھی انہیں حقوق شہریت حاصل نہ تھے، اور اب بھی نصف سے زیادہ یہودی سیاسی آزادی سے قطعاً محروم ہیں۔ روس میں بالشویک دور سے پہلے انہیں یہ اجازت نہ تھی کہ ملک میں

جہاں جا ہیں ماندو بود رکھ سکیں، بلکہ کل یہود ایک خاص حصۂ ملک میں، رہنے کے لئے مجبور تھے اور وہاں بھی اُن کو دیہات میں سکونت اختیار کرنے کی ممانعت تھی، ٹیکس اُن سے بمقابلہ عیسائوں کے کئی گنا زیادہ وصول ہوتا تھا، مگر ایک معینہ تعداد سے زیادہ اُن کے بچے مدارس سرکاری میں تعلیم نہیں پا سکتے تھے، ملازمت سرکاری کا دروازہ تو اُن کے لئے بند ہی تھا، یہی کیفیت رومانیہ، اسپین اور پرتگال میں اب تک ہے، جہاں یہودیوں کی زندگی بالکل اس طرح بسر ہوتی ہے، جیسے ہندوستان میں جرائم پیشہ اقوام کی کروہ بیچارے انسانیت کے ابتدائی حقوق تک سے محروم ہیں۔

سب سے پہلے فرانس نے یہود کو حقوق شہریت عطا کئے، جہاں انہیں سنہ ۱۷۹۱ء سے کامل سیاسی آزادی حاصل ہے۔ اسکے بعد علی الترتیب انگلستان، ہالینڈ، اسٹریا، جرمنی اور اٹلی کا نمبر ہے، مگر سوشیل مقاطعہ یہود کا ان ممالک میں بھی ہنوز جاری ہے، اور اب بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہود کے خلاف نفرت و تعصب کے جذبات مفقود ہو چکے ہیں۔

پیشے | زمانۂ قدیم سے لین دین اور سوداگری یہودیوں کا خاص پیشہ رہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ ان کے ملک سے نکال دیئے جانے کا اندیشہ رہتا تھا، اس لئے زمین داری تو ان کے لئے ناممکن تھی، رہی حرفت، سو اس میں بھی مسیحی اہل حرفہ کا تعصب اُن کو صنائع اور دستکاریوں کی تعلیم سے معذور رکھتا تھا، سود خواری رومن کیتھولک عیسائیوں میں ممنوع تھی اس لئے یہ میدان ان کو خالی ملا اور چونکہ ہر ملک میں ان کی قوم پھیلی ہوئی تھی اور ہر ملک میں ان کی یہی کیفیت تھی یعنی سوداگری اور لین دین کا پیشہ یہ ہر جگہ اختیار کرنے پر مجبور تھے، اس لئے بین الاقوامی تجارت کو یہودیوں کے ہاتھوں بہت فروغ ہوتا تھا، اور بعض حکومتیں یہودیوں کو اپنے ملک میں تجارتی ترقی کے لئے آباد کرتی تھیں اور جب مقصود حاصل ہوتا تھا تو ان کو نکال دیتی تھیں۔

اب جن ممالک میں یہود آزاد ہو چکے ہیں وہ زندگی کے جملہ شعبوں میں نظر آنے لگے ہیں اور بالعموم مرفہ الحال ہیں۔

زبان | یہودیوں کی مذہبی زبان عبرانی ہے اور دوسری کوئی زبان ایسی نہیں جس کو یہودیوں کی قومی زبان کہا جا سکے، عام طور پر جن ممالک میں یہ لوگ آباد ہیں اُن ہی ممالک کی مروجہ زبان بولتے ہیں، لیکن اکثر یہودی جب آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو ایک خاص زبان استعمال کرتے ہیں جو اردو

جو اردو کی طرح بہت زبانوں کی آمیزش سے بنی ہے اور جس کو یہودی زبان کہنا چاہئے۔

ایک محقق کا بیان ہے کہ مشرقی یورپ میں جو یہودی زبان بولی جاتی ہے اس میں ستر فیصدی الفاظ جرمن کے ہیں بیس فیصدی عبرانی کے اور بقیہ سلافی زبانوں کے۔

انگلستان اور ممالک متحدہ امریکہ کے یہود بجائے سلافی کے انگریزی الفاظ بولتے ہیں اور اسی طرح فرانس کے یہودی فرانسیسی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

یہودیوں کا مستقبل زمانہ قدیم سے آج تک یہودیوں کا نصب العین صرف ایک رہا ہے اور گو تمام عالم میں اس قوم کے اعضا بکھرے ہوئے ہیں مگر صرف ایک خیال ہے جو اب تک اسکے شیرازۂ ہستی کو تھامے ہوئے ہے۔ یعنی اُن کا خیال یہ ہے کہ مسیح موعود' توریت میں جسکی بشارت دی جا چکی ہے ہنوز ظاہر نہیں ہوئے اور وہ تمام مصائب و آلام سے انہیں نجات دلا کر اپنے وطن مالوف فلسطین کی طرف بلالیں گے۔ چنانچہ یہی انتظار ہے جسکی وجہ سے اس مظلوم قوم کے پیکر ہستی میں آثار حیات باقی ہیں اور یہی امید ہے جس نے یہودیوں کو صدیوں تک ہر قسم کے مقابلہ کے لئے سینہ سپر رہنے کی طاقت دی ہے۔

مگر مغربی یورپ اور امریکہ میں جب سے یہودیوں کو سیاسی اور معاشرتی آزادی ملی ہے اُن میں ایک بڑا انقلاب پیدا ہو جاتا ہے اور اُن کی ایک کثیر جماعت یہود اور نصاریٰ کے درمیان اتحاد کی حامی ہے جو نہ صرف اکل و شرب باہمی مباح کر دینا چاہتی ہے بلکہ تزویج و مناکحت کے ذریعہ سے بھی اپنے دیگر ہموطنوں سے اختلاط پیدا کرنے کے لئے ساعی ہے' برخلاف اس کے مشرقی ممالک کے یہود جو آزاد نہیں ہیں اپنے مغربی ہم قوموں کے اس میلان کو "قومی خودکشی" سے تعبیر کرتے ہیں اور اپنی تمام قوم کے خیالات کو اسی پرانی مرکز ثقل کی طرف رجوع رکھنا چاہتے ہیں' اُنکا دعویٰ ہے کہ یہود کی نسل' تاریخ' مذہب' لٹریچر' تہذیب' قومی روایات اور جو باتیں قومیت کے لوازم ہیں سب ایک جداگانہ اور نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ اس لئے یہود دوسری اقوام میں ہرگز منجذب نہیں ہو سکتے بہرحال زمانہ خود طے کر دیگا کہ یہودیوں کی ہستی دنیا میں آئندہ کس شکل میں رہیگی +

خواجہ رحمت حسین بی۔ اے (اکبرآبادی)

مادئین کا مذہب

(حرارت، نور اور کہربائیت)

(۴)

قوت | قوت، طبیعیات کا چوتھا رکن ہے۔ قوت سے مراد ہر وہ کیفیت ہے جو مادہ کو حرکت دیتی ہے، اس کے اوضاع و اشکال میں تغیر پیدا کرتی ہے اور تحلیل و ترکیب سے اس کی خصوصیات موثر ہوتی ہے۔ قوت، مادہ کے لئے اس قدر ضروری ہے کہ اگر اس کو علیحدہ کر دیا جائے تو وہ ایک ایسی چیز ہو کر رہ جائے گا جسے ہم کسی حس سے بھی محسوس نہ کر سکیں گے، کیونکہ ہم موجودات کا ادراک اُن "تاثیرات" کے ذریعہ سے کرتے ہیں جو اس کے ذریعہ سے ہم تک پہونچتی ہیں (تاثیر ایک قوت ہے جو اعصاب کے ذریعے دماغ تک پہونچتی ہے اور اسی سے موجودات اور اُن کے خواص کا علم ہوتا ہے۔)

مرئیات کا ادراک ہم روشنی کے بغیر نہیں کر سکتے اور روشنی عبارت ہے اتیھر کی حرکت سے اور حرکت قوت ہے، اسلئے اگر قوت نہ ہوتی تو مادی مظاہر میں سے ہم کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کر سکتے تھے اسی طرح مشمومات کا ادراک کہ سونگھتے وقت مشموم سے دقائق جدا ہو کر اعصاب شامہ پر اثر ڈالتے ہیں، اور ملبوسات کا ادراک کہ ملبوس کی حرکت دقائق سے بذریعہ اعصاب دماغ تک پہونچتی ہے الغرض بغیر قوت کے مادہ کا احساس بلکہ اس کا تصور بھی محال ہے۔

جس طرح مادہ مختلف عناصر اور مرکبات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح قوت بھی مختلف صورتوں سے نمایاں ہوتی ہے، مثلاً حرارت، نور، کہربائیت، مقناطیسیت وغیرہ۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ مادہ بغیر قوت کے بالکل بیکار ہے تو یہ جاننا چاہئے کہ قوت کیا چیز ہے۔

یہ درست ہے کہ ہم اس کی ماہیت اور کنہ حقیقت تک نہیں پہونچ سکتے، لیکن تجربہ سے اسی قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ قوت، مادہ کے تمام جواہر فردہ (سالمات) سے متعلق ہے اور اس

قوت میں دفع و جذب دونوں کیفیتیں پائی جاتی ہیں، یعنے جواہر فردہ میں سے ہر ایک جوہر کی یہ خاصیت ہے کہ وہ ایک جوہر کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور دوسرے جوہر کو دفع کرتا ہے۔

جذب | جذب ایک قانون ہے، جو اجسام و اجرام کے تمام دقائق (باریک سے باریک اجزا) میں پایا جاتا ہے یعنی اجزاے مادہ کا آپس میں متصل رہنا، اجسام میں ترکیب و تالیف نظر آنا، اجرام سماوی اور حرکات فلکی کا مشاہدہ، لوہے، لکڑی، پانی، ہوا وغیرہ کے تمام اجزا کا باہم ملا ہوا رہنا سب اسی قوت جذب کا کرشمہ ہے۔ اگر تم کسی لکڑی کے دو ٹکڑے کرنا چاہو گے تو تمھیں محسوس ہوگا کہ تم ایک قوت کا مقابلہ کر رہے ہو، اور یہی دقائق کی قوت جذب ہے، لیکن یہ قوت تمام اجسام میں ایک نسبت سے نہیں پائی جاتی، لوہے میں بہ نسبت لکڑی کے، اور لکڑی میں بہ نسبت پانی کے یہ قوت زیادہ پائی جاتی ہے۔

جذب ہی کی بنا پر تمام اجسام، سطح ارض پر گرتے ہیں اور جذب ہی پر زمین اور تمام اجرام سماوی کا نظام حرکت قائم ہے۔ اگر یہ قوت نہ ہوتی تو سارا نظام منتشر اور پراگندہ ہو جاتا، جاذبیت کا تجربہ نہایت آسان طریقہ پر ہو سکتا ہے۔ تم ایک برتن میں پانی بھر دو پھر اس میں ہلکی لکڑی کے دو ٹکڑے ڈال دو تھوڑی دیر کے بعد دیکھو گے کہ دونوں ٹکڑے قریب ہوتے ہوئے ایک دوسرے سے مل گئے ایسا کیوں ہوا؟ اسلئے کہ جاذبیت بدستور اپنا کام کرتی رہتی ہے لیکن یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اس کا اثر اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کوئی دوسرا مانع اس کے فعل کا رد کرنے والا نہ ہو، ٹوٹی ہوئی کشتی کے ٹکڑے سمندر میں سب ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں لیکن اگر ہوا مانع ہوگی تو وہ منتشر ہی رہیں گے۔ اسی طرح اگر ایک میز پر دو کتابیں علحدہ علحدہ رکھدو گے تو آپس میں نہیں ملیں گی کیونکہ میز اور کتابوں کو زمین اپنی طرف جذب کر رہی ہے، یعنی جاذبیت ارض کتابوں کو میز سے متصل کئے ہوئے ہے، اس لئے کتابوں کا باہمی تجاذب اس پر غالب نہیں آسکتا، بخلاف اسکے پانی کی سطح میں چونکہ حرکت آسان ہے اس لئے باوجود جذب زمین کے لکڑی کے اجزا آپس میں مل جاتے ہیں

جذب کا اثر مادوں میں دونوں طرف سے ہوتا ہے یعنی مادہ کے تمام اجزا میں تجاذب پایا جاتا ہے لیکن قرب و بعد اور مقدار مادہ کی کمی بیشی سے، اس میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بڑی چیز چھوٹی کو اپنی طرف نمایاں طور پر کھینچتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور چھوٹی چیز کا بڑی چیز کو اپنی طرف کھینچنا محسوس نہیں ہوتا۔ اگر ہم ایک پتھر، زمین پر گرائیں، تو پتھر کا گرنا جاذبیت کا فعل ہے، پتھر زمین کی طرف حرکت کرتا ہے، اور وہ حرکت ہم محسوس کرتے ہیں لیکن غالباً آپ یہ معلوم کر کے متحیر ہوں گے کہ زمین بھی اسی نسبت کے ساتھ

جو کرۂ زمین اور پتھر کے درمیان پائی جاتی ہے پتھر کی طرف جذب ہوتی ہے، مگر یہ جاذب چونکہ بہت کم ہے اس لئے اس کا ادراک پوری طرح نہیں کرسکتے۔

قوت دافعہ | دافعہ کی قوت بھی مادہ کے تمام اجزا میں پائی جاتی ہے لیکن اس کا احساس اسوقت ہوتا ہے جب ہم کسی جسم کو دبائیں جس طرح لکڑی کو دو ٹکڑے کرنے کے وقت ایک قوت ہمارا مقابلہ کرتی ہے، اسی طرح اس کے دباتے وقت ایک قوت مزاحم ہوتی ہے، البتہ یہ مزاحمت مختلف مادوں کے لحاظ سے کم و بیش ضرور ہوتی ہے، مثلاً لکڑی کے دبانے میں اتنی قوت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور گیسی اجسام زیادہ آسانی کے ساتھ دب جاتے ہیں۔ الحاصل، مادہ میں دو قوتیں ہیں ایک جاذبہ، جو اجزا کو جذب کرتی ہے دوسری دافعہ جو ایک کو دوسرے سے جدا رکھنا چاہتی ہے۔

بظاہر یہ بہت تعجب انگیز نظر آتا ہے کہ یہ متبائن قوتیں کس طرح آن واحد میں اپنا فعل جاری رکھتی ہیں، لیکن علمائے طبعیات کی تمام رائیں محسوس مشاہدوں پر مبنی ہیں۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ تمام جواہر فردہ ایک محدود حرکت کرتے رہتے ہیں اور یہ حرکت، دافعہ اور جاذبہ کا نتیجہ ہے۔ یہ حرکت ایک خاص فضار میں ہوتی ہے۔ جو بالکل فضار سماوی سے مشابہ ہے جس میں ستارے متحرک ہیں، جس طرح ہمیں یہ خبر نہیں کہ اجرام سماوی کیوں متحرک ہیں اسطرح ہم یہ بھی نہیں جان سکتے کہ جواہر فردہ کیوں حرکت کرتے ہیں، لیکن یہ یقینی ہے کہ ہر ایک جوہر فرد ایک محدود دائرہ میں جذب و دفع کی وجہ سے متحرک ہے۔ پھر چونکہ جواہر فردہ آپس میں شدت کے ساتھ متصل نہیں ہیں اس لئے ضغط یا دباؤ سے یہ جواہر ایک دوسرے کے قریب ہوجاتے ہیں لیکن دبانے کے وقت وہ ہماری حرکت یا قوت کا مقابلہ کرتے ہیں۔ پھر جس طرح ہمیں دبانے میں، قوتِ دافعہ کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اسی طرح ایک جسم کے دو ٹکڑے کرنے میں قوت جاذبہ کا مقابلہ ہوتا ہے۔ اس بیان سے واضح ہوگیا ہوگا کہ جذب و دفع دو متبائن قوتیں مادہ میں ایک ساتھ اس طرح پائی جاتی ہیں کہ اصلی قوت صرف جاذبہ ہے اور دافعہ فقط جواہر کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔

حرارت نور کہربائیت | ان دونوں قوتوں سے تمام طبعی قوتوں اور تمام مظاہر فطرت کی توجیہ ہوسکتی ہے، اور تمام حرکات جو مادہ میں جاری ہیں اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہیں۔

اسکی تفصیل یہ ہے کہ وہ تمام طبعی قوتیں، جن پر اس عالم کا نظام قائم ہے صرف تین قوتیں ہیں

حرارت، نور، کہربائیت۔ حرارت کا عمل سب سے زیادہ وسیع ہے، حرارت ہی سے حرکت، نمو اور حیات پیدا ہوتی ہے، حرارت ہی سمندروں سے بخارات بلند کرکے بادل بناتی ہے اور روئے زمین کو سیراب کرتی ہے، اسی کی وجہ سے حیوانات و نباتات میں نشو ونما ہوتا ہے، پھل پکتے ہیں اور زندگی کے تمام مظاہر اسی سے قائم ہیں خشکی میں ریلیں سمندروں میں جہاز، ہوا میں طیارے اسی کی بدولت چلتے ہیں۔

روشنی بھی حیوان اور نبات کی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ روشنی کے بغیر حیوان میں وہ چھوٹے چھوٹے کروی شکل کے قطرے جنھیں حویصلات (   ) کہتے ہیں نہیں پائے جاسکتے جن پر حیوان کی زندگی موقوف ہے۔ بغیر روشنی کے کلوروفل بھی پیدا نہیں ہوسکتا جو نباتات کے نشو ونما کی شرط اولیں ہے اور نور ہی پر بہت سے کیمیائی اعمال کا انحصار ہے۔

کہربائیت بھی عالم کائنات میں ایک زبردست قوت ہے جس کا مادہ تحلیل و ترکیب پر خاص اثر پڑتا ہے حرکت پیدا کرنے کی بھی اس میں زبردست طاقت ہے۔ چنانچہ آج دنیا میں صدہا قسم کے آلات محض بجلی سے چلتے ہیں۔ یہ تینوں قوتیں ایک قوت کی طرف رجوع کرتی ہیں یعنی اُن کا مبدا، و ماخذ ایک ہے۔ اگر ہم لوہے کا ٹکڑا آگ پر رکھیں تو وہ پہلے سرخ ہوجائے گا یعنی پہلے اس میں حرارت پیدا ہوگی پھر جب اُسے اور زیادہ گرم کریں گے تو وہ سرخ ہوجائے گا اور حرارت نور سے بدل جائیگی، اسی طرح کہربائیت یا بجلی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے اور جب بجلی زیادہ پیدا ہوتی ہے تو حرارت میں تبدیل ہوجاتی اور حرارت نور بن جاتی ہے چنانچہ برقی روشنی پیدا ہونیکی علت یہی ہے

حرارت کی حقیقت | اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام قوتیں ایک قوت پر موقوف ہیں اور وہ قوت صرف حرارت ہے اب دیکھنا چاہیئے حرارت کیا چیز ہے۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ حرارت، حرکت ہے اور حرکت جواہر فردہ کا خاصہ ہے، پھر چونکہ جواہر فردہ ہر وقت متحرک رہتے ہیں اس لئے حرارت ہی تمام اجسام کی صفت عامہ قرار پاتی ہے لیکن وہ اُسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب اُس کے مقدار بڑھ جائے، جس کے ہم خوگر ہوگئے ہیں، جب یہ معلوم ہوگیا کہ حرارت اصل میں دقائق اجسام کی حرکت ہے تو اب تمام مظاہر فطرت سمجھ میں آسکتے ہیں۔

حرارت کا ایک عام عمل یہ ہے کہ وہ اجسام کو پھیلاتی ہے، یعنی جسم کا حجم حرارت سے بڑھ

[redacted]

جاتا ہے اگر ایک انچ لوہے کو گرم کریں تو اس کا قطر بڑھ جائے گا، لیکن یہ زیادتی اس قدر کم ہوتی ہے کہ محسوس نہیں ہوتی لیکن اگر ایسے مادے کو گرم کیا جائے جو بخار بننے کے قابل ہے (مثلاً پانی) تو اس میں حجم کی زیادتی صاف طور پر محسوس ہوتی ہے۔ اگر ایک انچ مکعب پانی گرم کیا جائے تو اس کا حجم حرارت سے بڑھنے لگے گا اور جب بخار بن جائے گا تو اتنا بڑھ جائے گا کہ ایک کمرے کو گھیر لیگا۔

بخار یا گیس کے پھیلنے کی کوئی حد نہیں ہے گیس اگر گرم ہے اور تم اُسے کسی بڑے برتن میں بھرو تو یہ نہیں ہوسکتا کہ گیس برتن کے ایک حصہ کو مشغول رکھے اور باقی حصہ خالی رہے، بلکہ وہ کم مقدار تمام برتن میں پھیل جائے گی گیس کی یہ خاصیت تمام جامدات و سائلات سے مختلف ہے، اگر تم ایک شیشہ کو ہوا سے خالی کرکے اس میں صرف ایک انچ مکعب ہوا داخل کرو تو وہ تمام شیشے کو گھیر لیگی بلکہ اس سے بھی چھوٹا ہوا کا جزو بڑی سے بڑی جگہ کو بھر سکتا ہے مگر اس کی کثافت ضرور کم ہوجائے گی۔

الغرض گیس بے انتہا انتشار قبول کرسکتی ہے جس طرح گیس قابل انتشار ہے اسی طرح وہ دباؤ کو بھی قبول کرسکتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ گیسی حالت کو چھوڑ کر سائلہ مادہ بن جاتی ہے، گیس کو سائل بنانے کا سب سے بہتر طریقہ تبرید اور دباؤ ہے جس طرح حرارت سے اجسام پھیلتے ہیں اور جامد چیز سائل، اور سائل چیز گیس ہوسکتی ہے اسی طرح برودت سے اجسام سکڑتے ہیں گیس سیال چیز میں تبدیل ہوجاتی ہے اور سیال چیز جامد شکل میں آ

حرارت کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ رگڑ یا دباؤ سے پیدا ہوتی ہے اگر تم لکڑی کے دو ٹکڑے زور سے تھوڑی دیر تک رگڑو، تو اس میں حرارت پیدا ہوجائے گی، انسان نے سب سے پہلے اسی طریقہ سے آگ پیدا کی ہے اور اس کے بہت زمانہ بعد چقماق، دیا سلائی اور فاسفورس وغیرہ کے وسائل ایجاد کئے ہیں۔ دباؤ سے بھی حرارت پیدا ہوجاتی ہے مثلاً ایک لوہار اگر لوہے کے ٹکڑے پر کچھ دیر تک ہتوڑے کی چوٹ لگاتا ہے تو وہ گرم ہوجاتا ہے اسی طرح بڑھئی اگر کسی لکڑی کی میخ ٹھوکتا ہے تو وہ گرم ہوجاتی ہے۔

حرارت کیمیائی عمل سے بھی پیدا ہوتی ہے یعنی ہر تحلیل اور ترکیب سے حرارت پیدا ہوتی ہے، چنانچہ کسی چیز میں آگ لگ جانا بھی ایک کیمیائی عمل ہے جس میں ہوا کا آکسیجن، مادۂ مشتعلہ کے ساتھ متحد ہوجاتا ہے۔

حرارت کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی جامد مادہ سیلانی حالت اختیار کرتا ہے تو وہ غائب ہوجاتی ہے اسی طرح جب سیال مادہ گیس بنتا ہے تو حرارت پوشیدہ ہوجاتی ہے اور پھر جب گیس سیال حالت میں اور سیال چیز جامد حالت میں تبدیل ہوتی ہے تو وہ پھر ظاہر ہوجاتی ہے اس کا تجربہ یوں ہوسکتا ہے کہ اگر تم برف کا ایک ٹکڑا کسی

برتن میں رکھ کر آگ میں گرم کرو گے اور مقیاس الحرارت کو برف پر قائم کرو گے تو وہ صفر تک آجائے گا اور برف آہستہ آہستہ پگھلنے لگے گا، کیونکہ وہ حرارت کی وجہ سے جمودی حالت کو چھوڑ کر سیالی صورت اختیار کر رہا ہے لیکن مقیاس الحرارت صفر سے بلند نہیں اٹھیگا جب تک کہ پورا برف نہ پگھل جائے، جب برف پانی ہو جائیگا تو درجہ حرارت میں ارتفاع شروع ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ سو درجہ تک پہونچ جائے گا، اور اسی وقت پانی میں جوش آنے لگے گا، اب جوش آنے کے بعد درجہ حرارت کی ترقی پھر رک جائے گی اور چاہے کتنی ہی آگ تیز کی جائے مگر درجہ حرارت بلند نہ ہوگا، یہاں تک کہ تمام پانی بخار بن کر اڑ جائے گا، اور اگر تم اس حرارت کا قیاس کرو جو بخار میں پائی جاتی ہے تو وہ جوش کھاتے ہوئے پانی سے کم ہوگی، پھر اگر تم پانی کے بخارات کو جن میں معمولی گرمی پائی جائے اور اسے اس حد تک دباؤ کہ وہ پانی ہو جائیں تو اس وقت تمہیں شدید حرارت معلوم ہوگی پھر اگر پانی پر انتہائی دباؤ ڈالا جائے تو وہ برف بن جائے گا اور یہیں بھی یہی مظاہر نظر آئیں گے، پہلی صورت میں حرارت پوشیدہ ہوگی اور دوسری صورت میں وہ حرارت ظاہر ہو جائے گی جو پوشیدہ ہو گئی تھی۔ اب غور کرو کہ جب برتن آگ پر رکھا گیا تھا تو اس کے پگھلنے وقت پگھلتے ہوئے پانی کی حرارت کہاں چلی گئی تھی حالانکہ پگھلتے ہوئے پانی کی حرارت برف سے زیادہ ہونی چاہیئے مگر یہاں دونوں صورتوں میں یکساں ہی حالت تھی یعنی مقیاس الحرارت کا جو حال برف کی صورت میں تھا وہی اس وقت تک رہا جب تک کہ ایک ڈلی بھی برف کی باقی تھی بات یہ ہے کہ جب تک برف ذرا سا بھی باقی رہا اس کی حرارت دبی رہی اور جب وہ پگھل گیا تو حرارت نمودار ہونا شروع ہوئی یہاں تک کہ اس میں سو درجہ حرارت پیدا ہو گئی اور پانی میں جوش آنے لگا لیکن جوش آنے کے بعد چاہے کتنی ہی آگ تیز کی جائے، درجہ حرارت میں ترقی نہیں ہوتی، جوش آنے کے بعد جس قدر حرارت پیدا ہوتی ہے وہ سب مخفی رہتی ہے۔

حرارت کے ان عجیب و غریب حالات کی توجیہ صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے، جب جواہر فرد کی حرکت کو تسلیم کیا جائے۔ تم دیکھتے ہو کہ اجسام حرارت سے پھیلتے ہیں مگر یہ پھیلنا حقیقت میں جواہر فردہ کے باہمی بعد کا بڑھنا ہے لیکن اس بڑھنے کے حدود معین ہوتے ہیں، البتہ اگر کسی جسم کو اس قدر حرارت پہونچائی جائے کہ وہ گیس بن جائے تو اس صورت میں گیس کے اجزاء پھیلنے کی کوئی حد نہیں ہوتی، اگر ایک وسیع کمرہ میں ایک قطرہ پانی بخار بنا کر اڑا دیا جائے تو اس کے جواہر فردہ سے سارا کمرہ بھر جائے گا اور کمرہ نہ ہو تو فضا میں غیر معین حد تک اس کے دقائق منتشر ہو جائیں گے۔

رگڑنے سے حرارت پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ رگڑنے سے اجزائے فردہ کی حرکت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور اسکی پوشیدہ قوت ظاہر ہو جاتی ہے اور جسم گرم ہو جاتا ہے، دبانے سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ جواہر کی حرکت جو ایک خاص حجم کو محفوظ رکھے ہوئے تھی، دبانے سے اس حرکت میں تبدیلی پیدا ہوئی اور یہی تبدیلی ہمیں حرارت کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

الغرض قوائے طبیعہ (حرارت، نور، کہربائیت) کا مرجع صرف ایک چیز ہے اور وہ جواہر فردہ کی حرکت ہے۔

یہ سب قیاس و تخمین پر مبنی نہیں ہے، آج کل کے ذرائع و وسائل اکتشاف نے اس حد تک ترقی کی ہے کہ حرکت جواہر کی سرعت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، وہ موجیں جن سے یہ حرکت منتقل ہوتی ہے اُن کی سرعت بھی معلوم کی جا سکتی ہے، نور کی موجیں اور وہ مسافت جسے روشنی ایک ثانیہ میں قطع کرتی ہے یہ سب آلات کے ذریعہ سے اچھی طرح معلوم ہو سکتی ہے بلکہ یہاں تک آلات نے ترقی کی ہے کہ ان کے ذریعہ سے ہم بتا سکتے ہیں کہ روشنی کے الوان سبعہ میں فی ثانیہ کتنے تموجات ہوتے ہیں اور ایک انچ میں کتنی موجیں ہوتی ہیں۔

حرارت، نور، اور برق میں صرف مقدار کے لحاظ سے فرق ہے ورنہ حقیقت میں یہ تینوں ایک چیز ہیں یعنی وہی جواہر فردہ کی حرکت دنیا میں جسقدر مختلف النوع حرکتیں پائی جاتی ہیں وہ حرکت جواہر سے پیدا ہوتی ہیں۔

جس طرح مادہ ایک غیر فانی چیز ہے اسی طرح قوت بھی غیر فانی ہے۔ ہم شمع جلاتے ہیں جس میں حرارت پیدا اور معدوم ہوتی رہتی ہے مگر حقیقت میں وہ معدوم نہیں ہوتی بلکہ فضا میں پھیل جاتی ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام قوائے طبیعیہ کی علت حدوث آفتاب ہے، پانی کا برسنا، اندھیوں کا آنا، بگولوں کا اٹھنا، امواج کا تلاطم، حیوان و نبات کا نشو و نما، انسان کے حرکات عقلی و غیر عقلی سب کا نقطۂ اجتماع آفتاب ہے اور آفتاب کی حرکت صرف جواہر فردہ کی حرکت سے عبارت ہے۔

خلاصہ | غرض کائنات کے تمام حرکات و حوادث، صرف مادہ اور قوت کے تفاعل یا جواہر فردہ کی حرکت دافعہ و جاذبہ کا نتیجہ ہیں اور انہیں دونوں کی قوت سے کائنات کا نظام قائم ہے +

لٹل روز

شہزادی لٹل روز بالش ناز پر فرقِ حسین رکھے ہوئے پہلوئے شب میں خوابِ بے سطح جیسے ایک بے خواب دلِ بے آرام ہستی سکون پاکر غافل و مدہوش ہو جایا کرتی ہے۔

اس کے وہ گلابی رخسار جن کے رنگ سے خدا معلوم باغ کے کتنے پھول گلاب کھلانے کے مستحق ہوئے، اس کے وہ نازک رنگین لب جنکے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ کوثر و تسنیم کی کتنی موجیں انہیں جذب ہو کر رہ گئیں، اسکی خوبصورت متناسب گردن جسکو دیکھ کر ایک حسین ترین فوارہ فوراً تسلیم کرنے سے کسی کو مفر نہیں، اس کے ابھرے ہوئے سینے پر اسکے ہار کا ہر وہ موتی جو سانس کے ساتھ روشنی میں ایک جھلملاہٹ پیدا کر رہا ہے اور ٹھیک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بجلیوں کا ایک تواتر و تسلسل ہے جو دیکھنے والے کے متاع صبر و ہوش کو تاراج کر رہا ہے۔ بے پناہ چیزیں ہیں۔

وہ سو رہی ہے اور رات کا تاریک سایہ اسکی ہر طرف چھایا ہوا ہے، شمع اسکے سرہانے اپنے غمگین آنسو بہا رہی ہے اور فضا کی خموشی سکون مطلق نظر آتی ہے، ہر طرف سناٹے کا عالم ہے کہ دفعتہً محوِ خواب روز چونک پڑتی ہے اور چیخ مار کر آنکھیں ملتی ہوئی ادھر ادھر دیکھتی ہے۔

اسکی کنیزیں جو صرف اس لئے اس کے پاس متعین کی گئی تھیں کہ ہر وقت اسکی دلبستگی و دلجوئی کا سامان مہیا کرتی رہیں، سوتے سوتے جاگ پڑیں، اور قریب آکر وجہ دریافت کرنے لگیں۔

شہزادی کی رو پڑنے والی آنکھوں سے اگرچہ آنسو جاری تھے اور زبان میں لکنت تھی لیکن بمشکل اسنے اپنی بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میں نے خالد کو خواب میں دیکھا ہے"۔

کنیزوں نے بے انتہا کوشش کی کہ خالد کا خیال اسکے دل سے نکل جائے اور اسکی برائیاں کرنے لگیں لیکن روز کے دریائے محبت میں نہ معلوم سمندروں کی کتنی موجیں جذب ہو کر رہ گئی تھیں؛ اس کے گرم گرم آنسو کسے خبر کتنے طوفان نوح برپا کر چکے تھے اور کون کہہ سکتا ہے کہ اسکی خون کی روانی میں کتنے آتشیں دریا موجزن تھے۔ وہ خالد کی توہین سنکر غصہ سے بیتاب ہو گئی، چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور اسکے

سانسوں سے سمیت کی بو آتی تھی۔

تاریک رات کا سیاہ طوفان کسے معلوم کتنی بیدار آنکھوں نے دیکھا ہوگا؟ کون کہہ سکتا ہے کہ فضا کا سکون مطلق میں تبدیل ہوجانا، مناظر فطرت میں کتنی بار ہو چکا ہوگا؟ کوئی ہے جو بتا سکے کہ انتظار و اضطرار کے لمحات اضطراب و التہاب کی سیاہ راتیں اور شداید و مصائب کی گھڑیاں کتنے دلوں کو متحرک اور کتنی روحوں کو مرتعش کر چکی ہوں گی۔

روز مضطرب ہے اور اسکے لمحات بھی بیم و رجا سے خالی نہیں، کبھی وہ انتظار کے پہلو میں ایک خفیف سی روشنی دیکھکر اس کے خیال سے مسکرا پڑتی ہے کہ خالد اسکی مشتاق نگاہوں کے روبرو ہوگا اور کبھی اسکو برعکس تصور سے کانپنے لگتی ہے اسکی رعشہ ناک نگاہوں میں جنبش کا ایک تسلسل ہے اور وہ اس آواز نغمہ کو ڈھونڈھ رہی ہے جو موج غنا بنکر انسانوں کے کانوں میں گونجتی ہے، اس کے تخیلات کا مد و جزر ابھی متلاطم تھا اور وہ اپنے محل خاص کے دریچے میں بیٹھی ہوئی خالد کی آمد کے انتظار میں اس قدر محو اور کھوئی ہوئی ہے کہ وہ یہ بھی نہ معلوم کر سکی کہ خالد کتنے عرصہ سے اس کے محل کے نیچے کھڑا ہے۔

دفعتہ وہ چونکی، دیکھا کہ رات کی تاریکی بڑھتی چلی جارہی ہے اور اسی کے ساتھ اسکی تھکی ہوئی نظر ایک مردانہ حسن کے مجسمہ پر پڑی جو اس کے محلسرا کے دریچہ کے سامنے روشنی میں ایک سنگ مرمر کے بت کے مانند کھڑا ہے، دونوں بندگان محبت نے ایک دوسرے کو دیکھا، دیکھا اور دونوں کی تبسم ریز نگاہیں بادہ الفت سے سرشار ہوگئیں، ایک لمحہ میں شراب کے کتنے ہی جام تھے جو چھلکنے لگے، کتنی ہی منزلیں تھیں جو آن واحد میں طے کرلی گئیں، کتنے ہی سربستہ راز تھے جو دفعتہً منکشف ہوگئے اور کتنے ہی عقدے تھے جو جنبش چشم نے اپنی ایک اور صرف ایک ہی حرکت میں کھول دیے۔

(۲)

ہر چند کہ خالد اس وقت اس مسحور ہستی کی طرح جسپر دفعتہً سحر کا اثر کردیا جاتا ہے خاموش کھڑا ہے اور اسطرح ساکت ہے جس طرح ایک مرمریں مجسمہ کلیسا کے اندر نصب کردیا جاتا ہے تاہم یہ سکوت ایک خیال کے آتے ہی بہت جلد زائل ہوجاتا ہے اور اسکی روح اپنی اصلی حالت میں تبدیل ہوکر روز کی ہیبت سے اپنے مفتخر ترین لمحات بھول جاتی ہے اس لئے کہ وہ خود اس وقت اپنی روح میں علو و رفعت کا اس قدر احساس پارہا ہے کہ اس سے پہلے اس نے کبھی نہ پایا تھا، خالد نے کہا :-

"اے میری روح کو تاریکی سے روشنی میں لانے والی ہستی مجھے بتا کہ میں محو خواب ہوں یا حقیقتًہ تو میرے سامنے ہے، اگر واقعی الوہیت کی یہ روشنی ہے اور فطرت کی یہ کجی ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ میری کمزور نگاہیں اس برق سوز تجلی کی "تاب" لا سکیں۔"

شہزادی نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ تمہاری اس تکلیف کا باعث جو اس وقت تمہاری دیدہ ہے، میں ہوں، میں سمجھتی تھی کہ جس طرح میں بلائے محبت سے تباہ حال ہوں، تم نہیں ہو لیکن میں دیکھتی ہوں کہ اس وقت میری حالت کا اثر تم پر بھی سایہ فگن ہے۔"

"میری وہ نیند، جس پر ہزار بیداریاں قربان ہیں، میرا وہ خواب جس پر بے شمار محویتیں نثار ہیں، آج میں اپنی آنکھوں سے اس کی تعبیر دیکھ رہی ہوں بیشک یہی اس کی تعبیر تھی۔"

میری کنیزوں نے بھی سچ کہا تھا کہ اس کی تعبیر مقدم سیلاب اور دفور اشک ہے لیکن اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ خالد کا دشمن میرا خاندان ہو جائے گا۔ تو پھر بلا سے، ہو جائے، مگر چشم کرشمہ پرور کا وہ تیر جو میرے قلب و جگر میں پیوست ہو چکا ہے ناممکن ہے کہ کوئی قوت اسے نکال سکے مذہبی تعصب کا عفریت، جب خالد پر تیر چلائے گا تو محبت کی دیوی اپنی شرر باری سے اسے جلا کر خاک سیاہ کر دیگی، میرے باپ کی فوجیں خالد کی فوجوں کو تباہ کر دیں تو پرواہ نہیں لیکن خود خالد پر حملہ کر دینا دنیا کو زیر و زبر کر دینا ہے کیونکہ وہ ایک عورت جس کا دل محبت کا حامل ہو جب وہ بیدار ہو جاتی ہے تو دنیا کو مٹا دیتی ہے، فوجوں کو مٹا دیتی ہے۔ اور سلطنتوں کو برباد کر دیتی ہے۔"

خالد نے کہا، "ہاں بیشک کنیزوں کا خیال صحیح ہے، کیونکہ تمہاری قوم میری قوم کی جانی دشمن ہے خصوصًا اس وقت سے جب کہ وزیر مال نے شہنشاہ کارل اپنی تمہارے باپ کو اس بات کی ترغیب و تحریص میں مبتلا کیا کہ یا تو میں سالانہ دو چند ٹیکس ادا کرتا رہوں جو میرے لئے ناقابل برداشت ہے یا ہر سالانہ ایک سو دوشیزہ لڑکیاں پیش کرتا رہوں۔"

"میں کہ جو تمہارے باپ کی سلطنت کے تحت میں اپنے صوبہ پر حکمراں ہوں اور جس کی غریب و کمزور رعایا باوجود ظلم و ستم کے ہمیشہ تمہارے باپ کی وفادار رہی ہے اسے کس طرح اور کیونکر حکم سناؤں کہ شہنشاہ کارل تم سے ایک سو کنواری لڑکیاں سالانہ مانگتا ہے۔ بے عزتی کے اس سوال کو ایک غریب و فلاکت زدہ شریف انسان بجائے اس کے کہ وہ پورا کرے مٹ جانا

مٹا دینا افضل ترین سمجھی گا۔

میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمہارے باپ کی ظلم انگیز داستانیں سنکر تمہاری ماں کسی طرح خوش نہیں ہو سکتی ایک لفظ بھی تمہارے باپ کی شکایت میں کہنا تمہارے نازک جذبات کو صدمہ پہونچانا ہے جو مجھے کسی طرح گوارا نہیں میں کہتا اگر مجھے تھوڑی دیر کے لئے اجازت دی جاتی کہ میرے مفلوک الحال مظلوم قوم کو آہستہ آہستہ کسطرح پامال کیا جا تا رہا ہے کس طرح بیکس انسانوں کو استبداد و ظلم کے شکنجہ میں دبا کر خون نچوڑ تا رہا ہے مختلف قسم کے ادبار آئے اور چلے گئے سینکڑوں مصیبتیں نازل ہوئیں اور گزر گئیں، طرح طرح کے ستم ڈہائے گئے اور ہم نے برداشت کئے تعصب کے پیاسے دیوتا نے توحید پرست انسانوں کا کتنی مرتبہ خون پیا اور چلا گیا لیکن اسکی پیاس ابھی نہیں بجھی — تمول چھین کر مفلوک الحال کیا، آزادی غصب کر کے غلامی کا طوق ہمارے گلوں میں ڈالا اور مذہبی امور میں خلل انداز ہو کر اب اُس چیز پر دست ستم بڑھانے کا ارادہ کیا جا رہا ہے جو ان تمام باتوں سے عزیز ترین ہے اور جس پر ہمیشہ بے شمار جانیں قربان کی جاتی رہی ہیں۔

روز پیاری روز! کیا کوئی غیور انسان اس بے حرمتی کو برداشت کر سکتا ہے، پھر میں نے شہنشاہ کے اس حکم کی نافرمانی کی تو میں کیوں معتوب سمجھا گیا، اور کیوں تمہاری قوم میرے خون کی پیاسی ہو گئی؟ تم نے سنا گلو کہ اس تھوڑی سی ابتدائی جنگ میں طرفین کے کتنے انسانوں کا خون ہو گیا، اور کتنی نازک اور حسین عورتیں بیوگی کے لباس میں سوگوار نظر آنے لگیں؟ اور......"

خالد ابھی اپنی گفتگو ختم نہ کرنے پایا تھا کہ شہزادی کے کانوں میں کچھ آوازیں آنے لگیں وہ چونکی اور دریچہ سے جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اسکے باپ کی فوج آنے والی جنگ کی طیاریوں میں مصروف ہے، یہ دیکھکر اور گھبرا کر اُس نے خالد سے کہا:۔

"خالد! اب تم جس طرح ممکن ہو پوشیدہ طور سے یہاں سے نکل جاؤ، کیونکہ میرے باپ کی فوج کے خونخوار سپاہی جاگ اُٹھے ہیں اور صبح کی جنگ کی طیاریوں میں مصروف ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں دیکھ پائیں، عجلت کرو ابھی اندھیرا ہی، ورنہ پھر صبح کی روشنی میں تمہارا یہاں سے نکلنا محال ہو جائے گا (پریشاں ہو کر) خالد! خدا کیلئے جلدی کرو ورنہ دونوں کی جان موت کے منہ میں ہے"

"روز پریشان روز! کیوں اس قدر مضطرب ہوتی ہو، میرے لئے یہ بات بیشک ہولناک ہے کہ میری وجہ سے تمہاری زندگی خطرہ میں ہے۔ اسکا اندیشہ نہیں کہ میں دشمن کے ہاتھ میں ہوں کیونکہ جب تک میرے جسم میں روح اور

اور اس میں محبت کی صداقت ہے، جب تک بوئے گل کے عطر بیز جھونکوں سے میں سرشار ہوں جب تک تیرا حسن مسرت بار میری نگاہوں کے روبرو ہے اور جب تک ہم دونوں اس گوشۂ عافیت میں ہیں دُنیا کی پُر فساد آرزو کبھی پوری نہیں ہو سکتی، سپاہیوں کے اس شور و غل اور ہنگامہ آرائی سے مجھے مطلق خوف نہیں کیونکہ میں اس وقت ایک سادہ سپاہی کی صورت میں ہوں۔

روز۔" بیشک تم بہادر ہو، لیکن تنہا پوری فوج کا مقابلہ کیونکر کرسکتے ہو، بہادری کے معنے نہیں کہ انسان دہکتی ہوئی آگ میں دانستہ گر جائے۔"

خالد۔"نہیں نہیں اس سے میرا مطلب نہیں کہ میں اس پوری فوج پر حملہ آور ہو جاؤں بلکہ جس وقت یہ فوج یہاں سے کوچ کرے گی اس کے بعد ہی میں یہاں سے نکل کر اپنی فوج میں شامل ہو جاؤں گا میں جانتا ہوں کہ اس وسیع سلطنت کا تنہا مقابلہ نہیں کرسکتا لیکن جو تجویز میرے پیش نظر ہے اس میں کامیابی کا مجھے پورا یقین ہے۔"

ہر چند کہ خالد ابھی اپنی محبت آمیز گفتگو ختم نہ کرنے پایا تھا کہ اسکے کانوں میں ایک سیٹی کی آواز آئی، یہ خدا حافظ کہکر چلدیا اور روز چیخ مار کر بیہوش ہوگئی۔

یہ آواز اُن چند سپاہیوں نے سنائی تھی جو خالد کے ہمراہ پوشیدہ طور پر اِدھر اُدھر محافظت کر رہے تھے اور جو اس بات سے خبردار تھے کہ خطرہ کے وقت سیٹی دی جائیگی۔ جسکے بعد خالد کے لئے ایک لمحہ کا قیام بھی خطرناک ہوگا۔

خالد اپنے سپاہیوں کے ہمراہ ایک خفیہ راستہ سے نکل کر اپنی فوج میں شریک ہو گیا اس سے قبل کہ روز کے باپ کی فوج خالد کی فوج پر حملہ آور ہو۔

شہنشاہ کارل کی فوج ابھی حملہ نہ کرنے پائی تھی کہ شاہی اعلان سنایا گیا جسکا منشاء یہ تھا کہ چونکہ اپنے ایک ماتحت صوبہ پر حملہ کرنا شاہی اقتدار کے خلاف ہے اس لئے حملہ نہ کیا جائے بلکہ جس طرح خالد نے ہمارے شاہی فرمان کی توہین کی ہے، اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہم اُسے ذلیل کریں جسکا طریقہ یہ ہے کہ جبراً مسلمان لڑکیاں گھروں سے نکالکر لونڈیاں بنائی جائیں۔ ادھر اس فرعونی حکم کا سنایا جانا تھا اور اُدھر مسلمانوں کے ہر طبقہ میں جوش غضب کا پھیل جانا۔ ایک خطرناک صورت پیدا ہوگئی مظلوم رعایا نے محسوس کیا کہ جو زندگی ہماری گزر رہی ہے وہ موت سے بدرجہا خراب ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ہمارا مستقبل سخت

تاریک نظر آرہا ہے۔

یہ احساس ایک عملی جذبہ کی صورت میں نمودار ہوا یعنی دفعتہً چند سرپھرے نوجوانان قوم و ملت کی ایک خفیہ جماعت قائم ہوگئی۔

اس جماعت نے سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ تھا کہ ہر شہر اور ہر قصبہ میں اپنی ہم خیال جماعتیں قائم کر کے لوگوں کو بیعت کرنا شروع کیا جس کا منشا صرف یہ تھا کہ حق و صداقت کے لئے جانوں کو وقف کردو۔

ادھر خالد کی رعایا کا یہ حال تھا، اور ادھر خود خالد نے اپنی سمجھ بوجھ کے موافق، اُن چھوٹی چھوٹی ہمسایہ ریاستوں کو بیدار کرنا شروع کیا، جو کارل کی ہیبت سے خاموش تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ اور جو بظاہر خوف کی وجہ سے اس کی طرفدار بنی ہوئی تھیں۔ لیکن حقیقتہً کارل کے ظلم سے اس قدر تنگ آچکی تھیں کہ اُسکی حکومت کے استیصال کے لئے خفیہ طور سے ہر دم آمادہ و مستعد تھیں۔ اگرچہ کوئی رئیس خوف و ہراس کے سبب سے خالد کے مشورہ میں شریک نہیں ہوسکتا تھا۔ تاہم خالد نے ایک روز تمام رئیسوں کو اس بہانہ اپنے یہاں جمع کیا کہ آج اُس کے لڑکے کی تقریب ہے۔ جب تمام رئیس خالد کے دربار میں جمع ہوگئے تو اکل و شرب کے بعد اُس نے سب کو مخاطب کر کے کہا:- آج میں نے آپ کو اس لئے نہیں جمع کیا کہ چند معزز انسانوں کو اپنے دروازہ پر دیکھ کر اپنی عزت افزائی کے خیال سے فخر آمیز مسرت حاصل کروں۔ نہ اس لئے کہ ایک پر رونق جلسہ کی تزئین و آرائش میری تفریح و دلچسپی کا باعث ہوگی۔ اور نہ اس لئے کہ اس مجمع میں اپنی معنی خیز تقریر سنا کر کسی سے داد کا خواہاں ہوں۔ بلکہ اس لئے اور صرف اس لئے کہ آج ہمارے یہاں تقریب نہیں ماتم ہے، سوگ ہے، اور ہماری آنکھوں کے سامنے سے ایک لاشہ نکل رہا ہے۔ کس کا؟ مسلمانوں کا، توحید پرستوں کا آسمان گردش میں ہے۔ کس لئے؟ مسلمانوں کے لئے۔ زمین پیاسی ہے، کس کے خون کی؟ مسلمانوں کے خون کی۔ درخت خشک ہیں، وہ اپنی شادابی کے لئے خون چاہتے ہیں۔ چمن کے پودے مرجھا رہے ہیں، کوئی ہے جو انہیں اپنے خون سے سینچکر بار آور کرے؟ دنیا، اسلام کی نظر تمہارے چہرہ پر لگی ہے معصوم کنواریوں کی حیات و ممات تمہارے ایک ابرو کے اشارہ پر منحصر ہے۔ اُن کا دامن عصمت تمہارے ہاتھ میں ہے وہ تم سے التجائیں کر رہی ہیں۔ تم سے فریادیں کرتی ہیں۔ اور تم سے بھیک مانگ رہی ہیں کہ تم انہیں بچالو۔ چھپالو۔ ہیں کوئی ہے جو آئے؟ اور انھیں بچائے؟

ہمارا تاج و تخت تاراج کیا جا رہا ہے۔ ہمارا مال و متاع لوٹا جا رہا ہے۔ ہمارا عیش و آرام غارت کر دیا گیا ہے۔ ہمارا مذہب ہم سے چھینا جا رہا ہے۔ کوئی ہے جوان سب کو واپس لے سکے؟ خالد ابھی اپنی شرربار تقریر ختم نہ کرنے پایا تھا کہ سامعین میں سے ایک نے کھڑے ہو کر کہا بیشک ہم مردہ ہیں ہماری روح ہم سے سلب کر لی گئی ہے۔ لیکن ہمارے عروج و زوال کی باگ جن ہاتھوں میں ہے، وہ کسی معمولی انسان کے ہاتھ نہیں۔ بلکہ وہ عنقریب جنگ کے سنگین ہاتھ ہیں۔ جسے کارل کہتے ہیں۔ کیا تم اس کا مقابلہ کر سکتے ہو؟ اس حالت میں جب کہ تمہاری خانگی افتراق و اختلاف کو دیکھتے ہوئے تمہاری حالت قابل رحم ہے تم کہ اتفاق سے بھاگتے ہو، تم کہ اتحاد کے دشمن ہو، کیا تم بے شمار خونخوار سپاہیوں کے گروہ کا مقابلہ کر سکتے ہو؟

اگر ایسا چاہتے ہو، اگر اپنے عزم میں استحکام دیکھتے ہو تو سب سے پہلے جس کا ضعیف و کمزور ہاتھ بیعت کے لئے نظر آئے گا، وہ میں ہوں، مع اس دولت اور چند سپاہیوں کے جو خدا نے مجھے عطا فرمائے ہیں۔ یہ شخص اپنی تقریر ختم نہ کرنے پایا تھا کہ دوسرا اور تیسرا شخص بھی اپنی آنکھیں پرنم کئے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ اور اسکے ساتھ تمام مجمع پر ایک ایسا جذبہ طاری ہو گیا جس کے تحت میں آ کر ہر شخص اپنی جان و مال قربان کر دینے کے لئے آمادہ تھا۔

خالد نے اپنی تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا "سنو سنو، وطن کے عاشقو سنو۔ آج تمہارے عروج و زوال کا لمحہ ہے۔ اور حیات و ممات کا فیصلہ۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس ظالم کارل کی کل کتنی فوج ہے؟ آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ تمہاری تعداد چند کروڑ ہے اور دشمن کی چند ہزار۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ یکدل ہے مگر تم نہیں۔ اگر تم انہیں سرمہ کی طرح پیس ڈالنا چاہتے ہو، اگر پانی کی طرح بہا دینا چاہتے ہو، اور آگ کی طرح جلا دینے کی خواہش رکھتے ہو تو آؤ میری سنو اور دل کے کانوں سے سنو! میں تمہیں کبھی نہ سناتا لیکن چونکہ اب بیعت کے دائرہ میں تم سب آ چکے ہو۔ اس لئے سناتا ہوں۔ کہ کل رات کو ٹھیک تین بجے ہمارے وہ سرفروش بہادر جن کی تعداد اس وقت دشمن سے بہت زیادہ ہے۔ اور جو اپنی جانوں کو وطن مقدس کی حمایت کے لئے قطعی بیع کر چکے ہیں ایک ہی وقت اور وقت کے ایک ہی لمحہ میں دشمن کے ان مختلف مقامات پر ٹوٹ پڑیں گے، جہاں وہ سب اُن کو سوتے ہوئے ملیں گے۔ لیکن اس جماعت میں سے ۱/۴ حصہ کا یہ کام ہوگا کہ وہ مختلف مقامات کی خبر رسانی اور آمد و رفت کے تمام سلسلہ کو بالکل منقطع کر دے۔

ٹل روز

تاکہ دشمن اپنے سپاہیوں کو خبر نہ پہونچا سکے، اور سب کو ایک ہی جگہ جمع نہ کر سکے - چونکہ دشمن سے ہماری تعداد زیادہ ہے اس لئے اگر خدانخواستہ وہ حملہ کے وقت بیدار بھی ہو گئے تو اپنے حملے لئے اس قدر جلد آمادہ نہیں ہو سکتے -

موسم برشگال کی بے شمار تاریک راتیں گذری ہونگی، بارشوں کے بے انتہا طوفان آئے ہوں گے زلزلہ کی آمد بارہا ہوئی ہوگی اور آتش فشاں پہاڑ اکثر پھٹتے ہوئے سنے ہوں گے، لیکن ایسا ہولناک نظارہ انسان کی آنکھ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا، اور اُس کے کانوں نے کبھی نہ سنا ہوگا، جیسا آج -

دفعتاً مسلمانوں کی خفیہ جماعت نے، اپنے بے شمار توہم پرستوں کی دیت ... کارل کی سوتی ہوئی فوج پر حملہ کر دیا ہے - اس طرح جس طرح کسی سوتے ہوے جانور پر شیر حملہ آور ہوتا ہے - ایک دم میں کشتوں کے پشتے لگا دیے خون کی ندیاں بہا دیں، اور دشمن کے ایک متنفس کو بھی سنبھلنے نہ دیا، ایک ہلچل تھی، ایک شور قیامت تھا، اور بے شمار زخمیوں کی چیخیں تھیں -

شہنشاہ کارل کی فوج کا وہ محافظ دستہ جو شاہی محلات کی حفاظت پر متعین رہا کرتا تھا نصف سے زائد برباد ہو چکا تھا، اور باقی حصہ جو بیدار ہونے کی وجہ سے بچ رہا تھا مسلمانوں پر برق کی طرح گرا - طرفین سے گولے اور گولیوں کی بارش ہونے لگی - تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے - چونکہ خالد اپنی اس جماعت کا سپہ سالار تھا، اُس کے کپڑے خون میں رنگے ہوے تھے، اور ... خون بہہ رہا تھا - جونہی روز کی نظر خالد پر پڑی کانپنے لگی، تھرانے لگی، یہ وہ کپکپی تھی جس نے خالد کے نظام جو اس میں ایک زلزلہ پیدا کر دیا - روز پر اُس وقت دو قسم کے جذبات طاری تھے - ایک اپنے باپ کی سلطنت کی تباہی و بربادی دوسرے خالد کی محبت میں ہستی کا خطرہ - ان متضاد جذبات کے کشاکش میں، کون ہے جو بتا سکے کہ اسوقت روز کے نازک دل و دماغ کی کیا حالت ہوگی ؟

اس کے دل میں خدا معلوم کتنی ناامیدوں اور مایوسیوں کا ضغط و فشار مضمر تھا، اور اس کے محبت ناک جذبہ میں کون ہے جو بتلا سکے کہ فشار ہائے مسرت کے کتنے نغمے مترنم تھے، ابھی وہ مرجع اضطراب و کن التہاب بنی ہوئی تھی، کہ دفعتاً خالد اُس کی نظروں کے روبرو کھڑا تھا - اس طرح جس طرح ایک پرستار خوف و ہراس کی حالت میں کسی کی پرستش کے لئے کھڑا رہتا ہے -

خالد نے کہا :- اے آسمان کی شہزادی، شور و شر کی دنیا مٹا دی گئی، ظالم و خونخوار انسانوں کی

اعلان - پریس کی مشین بگڑ جانے کی وجہ سے فروری کے اشاعت میں غیر معمولی تعویق ہوئی - مارچ اور اپریل کا نگار بہت جلد شائع ہوگا۔ (مینجر نگار)

نقش روز
کشتی حیات کے تختے توڑ دیے گئے، اور امن و امان کی دنیا قائم ہوگئی لیکن میں اس دنیا کو بھی اس خیال کے سامنے ہیچ سمجھتا ہوں کہ ہم تم ایک ایسی دنیا میں چلکر رہیں جہاں کوئی نہو۔ جہاں فتادگی و انجذاب کے سوا کوئی شے نہ پائی جائے۔ جہاں کی ہر رات اور رات کا ہر لمحہ محبت کی گہوارہ جنبانی کے لئے وقف ہو، ہماری روح کا خلوت کدہ اس نکردہ دنیا کی پیچیدگیوں تاریکیوں سے محفوظ رہ سکے، اور جہاں ایک شاداب و لبریز چشمہ کے کنارے تو ایک ستار لئے ہوئے اپنے موسیقی نواز نغموں سے میری روح کو معمور کرتی رہے۔ آ، اور جلد آ، کہ ہم دونوں کسی ایسی جگہ نکل چلیں، جہاں کا آسمان و زمیں محبت اور صرف محبت کے خمیر سے بنایا گیا ہو"
خائلہ نے یہ کہا اور دونوں بندگان محبت ایک کشتی میں سوار ہوکر کسی طرف چل دیے +

امام اکبر آبادی

جذباتِ مائل

خیر، اگر ننگ درِ ناز جبیں سائی تھی
تمھیں کہہ دو کہ مجھے تابِ شکیبائی تھی
اب کہ پہلو میں ہو تم یاد کہاں آتا ہے
گر کسی رات مری جان پہ بن آئی تھی
دیکھ کر پہلے پہل ہجر کی شب، غم کا ہجوم
کیا کہوں کیسی طبیعت مری گھبرائی تھی
کششِ شوقِ نظر ہے کہ ہر دم آنکھوں میں
ورنہ کیا مجھ میں کہیں اتنی توانائی تھی
ہائے کیا دن تھے کہ تھا چرخ پہ مائل کا دماغ
اور میسر درِ جاناں پہ جبیں سائی تھی

ابو الولا محمد زکریا مائل

کلام غالب

(غیر مطبوعہ)

ہم جناب محمد شبیر الحق صاحب سب انسپکٹر پولیس ضلع مظفر پور کے شکر گزار ہیں جنہوں نے غالب مرحوم کا یہ غیر مطبوعہ قطعہ، اپنے کسی دوست کی بیاض سے حاصل کر کے ہمیں لطف فرمایا۔ یہ قطعہ اپنی زبان کے لحاظ سے خود "فکر غالب" ہونے کی غیر متزلزل شہادت ہے اور اس لئے مزید تحقیق و سراغ سے قطعاً بے نیاز ہے (اڈیٹر)

بیا کہ قاعدہ آسماں بگردانیم — قضا بہ گردش رطل گراں بگردانیم
ز چشم و دل بہ تماشا تمتع اندوزیم — ز جان و دل بہ مدارا زباں بگردانیم
بہ گوشۂ بنشینیم و در فراز کنیم — بکوچہ بر سر رہ پاسباں بگردانیم
اگر ز شحنہ رسد دار و گیر نندیشیم — وگر ز شاہ رسد ارمغاں بگردانیم
اگر کلیم شود ہمزباں سخن نکنیم — وگر خلیل شود میہماں بگردانیم
گل افگنیم و گلابے بہ رہگذر پاشیم — مے آوریم و قدح درمیاں بگردانیم
ندیم و مطرب و ساقی ز انجمن رانیم — بکاروبار زن کارداں بگردانیم
گہے بلابہ سخن با ادا بیامیزیم — گہے بہ بوسہ زباں در دہاں بگردانیم
نہیم شرم بیکسو و باہم آویزیم — بہ شوخیے کہ رخ اختراں بگردانیم
بوہم شب ہمہ را در غلط بیندازیم — ز نیم رہ رمہ را با شباں بگردانیم
بجنگ باج ستانان شاخسارے را — تہی سبد ز در گلستاں بگردانیم
بہ صلح بال فشانان صبحگاہی را — ز شاخسار سوے آشیاں بگردانیم
ز حیدریم من و تو ز ما عجب نبود — گر آفتاب سوے خاوراں بگردانیم

بمن وصال تو باور نمی کند غالب
بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم

مغربی تبت

آج اگر یورپ ایک طرف مکر و فریب کی درس گاہ عہد شکنی کا معلم، مادیت کا مرکز اور شیطنت کا مجسمہ بنا ہوا ہے تو دوسری طرف اُس کی تلاش علم و فضل اُسکی حریت و وطن پرستی بھی قابل ہزار ستائش و آفریں ہے۔

یورپ کے دیگر فضائل سے قطع نظر کر کے صرف اُس کا ذوق سیاحت ہی ایک ایسی فضیلت ہے جس کے احسان سے انسانی زندگی کا ہر شعبہ زیر بار ہے سیاحان یورپ نے دنیا کی معلومات میں جو اضافہ کیا ہے وہ محتاج بیان نہیں قطبین تک یہ جا پہونچے، صحرے افریقہ کی خاک انہوں نے چھانی، سمندر کی تہ میں یہ اُترے، ہمالیہ کی چوٹی ایورسٹ کے قریب تک پہونچکر ابھی ابھی یہ واپس آئے ہیں۔ مختصر یہ کہ چہار عناصر پر یورپ ہی حکمراں نظر آتا ہے خشکی کا چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ اسکے قدموں سے پامال ہے پانی کی ہر موج اسکے تختہ جہاز کو اپنے سینہ پر لئے پھرتی ہے۔ ہوا کا ہر ذرہ اس کے تحت و تصرف میں دکھائی دیتا ہے۔ اور آگ کا ہر شعلہ یورپ ہی کی طیار کردہ اسباب ہلاکت کے کام آتا ہے۔

ہمالیہ کی چوٹی، افریقہ کے صحرا، قطبین کی برف تو دور کی باتیں ہیں، ہم کو اپنے ہمسر ممالک تک کے پورے حالات معلوم نہ تھے، ابھی تھوڑے ہی دن کی بات ہے کہ مغربی تبت کے متعلق تمام باتیں پردۂ خفا میں تھیں، حالانکہ ملک چین کا یہ حصہ بالکل ہندوستان کے پڑوس ہی میں واقع ہے مگر سیاحان یورپ کا خدا بھلا کرے کہ آج ہم میں سے بہتیرے لوگ جانتے ہیں کہ وہاں کا طرز حکومت کیا ہے۔ لوگ کس طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ اسکی مذہبی عظمت و پولیٹکل اہمیت کیا ہے اور ہندوستان کہاں تک چین کے اس لقمۂ تر و خوبصورت حصہ سے وابستہ ہے۔ ہم اس وقت ناظرین کے سامنے جنوبی تبت اور اُس کے باشندگان کے مختصر مگر دلچسپ حالات ایک سیاح کے نقطۂ نظر سے پیش کریں گے۔

مغربی تبت ملک چین کا وہ حصہ ہے جو کشمیر ٹیہری گڑھوال سے ملا ہوا ہندوستان کے پورب جانب واقع ہے۔ ہندوستان کے لئے اس کی پولیٹکل اہمیت اس بات سے سمجھی جاسکتی ہے کہ

مغربی تبت

روس اور ہندوستان کے درمیان میں منجملہ اور حدود کے ایک حد فاصل مغربی تبت بھی ہے، اس کی مذہبی عظمت اس سے ظاہر ہے کہ کیلاس پربت جو ہندوؤں اور بودھ مت والوں کا سب سے زیادہ متبرک مقام ہے اسی سرزمین میں واقع ہے، آج ہندوستان میں گوتم بدھ کی ذات سے ہزاروں واقعات و روایات وابستہ ہیں، ہر ہر مقام پر اس عظیم الشان ہستی کی یادگاریں ملتی ہیں، شلاً گیا میں اس نے نروان حاصل کیا، بنارس میں اپنی تلقین کی جہاں اس وقت سارناتھ کے عجائب خانہ میں مہاتما بدھ کے ہزارہا سنگیں مجسمے موجود ہیں اور ان خانقاہوں کے نشانات قدم قدم پر ملتے ہیں جہاں بھکشو اس پاک نفس انسان کے پرستار درس ہدایت لیا کرتے تھے، لیکن تم اگر کسی چینی سے پوچھو کہ تمہارا سب سے زیادہ مقدس مقام کون ہے تو وہ بلا تامل، نہ معلوم کیوں کیلاس پربت ہی کی طرف انگلی اٹھا دیتا ہے جہاں تمام دیوتاؤں کی آرام گاہ ہے اور جو تمام دنیا کا محور سمجھا جاتا ہے۔

ہندوں کے نزدیک کاشی میں مرنا گویا سیدھا جنت میں جانا ہے، چنانچہ ہزارہا ہندو موت کا انتظار کرنے کے لئے بنارس ہی آ جاتے ہیں، پراگ جہاں گنگا جی و جمنا جی دریائے سرسوتی سے مل کر تربینی بناتی ہیں بے شبہ لاکھوں ہندو جاتریوں کا مرکز ہے۔ لیکن اگر تم ان سے یہ سوال کرو کہ تمہارے دیوتاؤں کی آرام گاہ کہاں ہے تو وہ بے اختیار کیدار اور بدری ناتھ کا نام لیتے ہیں کہ جہاں شیو جی براجمان ہیں اور جہاں کرشن جی نے اپنی بانسری بجائی تھی، کیلاس پربت ہی ہیں شیو جی کی وہی ہوئی جنت ہے اور وہیں انسانی زندگی کی مسرت تکمیل کو پہونچتی ہے۔ غرض کہ تبت کا مغربی حصہ ہندوں کے لئے بالکل وہی جاذبیت رکھتا ہے جو عیسائیوں کے لئے فلسطین کے پہاڑوں یا مسلمانوں کے لئے خاک یثرب میں پنہاں ہے، پہاڑ کی ہر ہر چوٹی اور دریا کا چھوٹے سے چھوٹا نالہ بھی کسی نہ کسی دیوتا کے تقدس و الوہیت کی یادگار کے ساتھ وابستہ ہے، ہم آگے چل کر صرف دلفریب چوٹیوں کا مختصر ذکر کریں گے اور اس قوم کے مفصل حالات بتائیں گے جو چین کے اس مغربی حصہ میں آباد ہے۔

اگر کوئی شخص المورہ سے تبت جاتا ہے تو سب سے زیادہ دلچسپ مقام آکوٹ ملتا ہے جو المورہ سے صرف ستر میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں وہ خاص خاص راستے دکھائی دیتے ہیں جو دروں میں ہوتے ہوئے تبت پہونچتے ہیں۔ اور چونکہ یہ مقام سرحد نیپال پر واقع ہے، اس لئے برٹش گورنمنٹ

کے لئے خاص پولیٹکل اہمیت رکھتا ہے، اسکے قریب ہی دو ہزار فیٹ کی گہرائی سے ایک وادی ہے جہاں اسقدر سخت گرمی ہوتی ہے کہ انسان زندہ نہیں رہ سکتا، اس وادی میں کچھ لوگ آباد ہیں۔ جو راجی یا رآوت کہلاتے ہیں، یہ لوگ نیم انسان و نیم حیوان ہیں پہلے تو آپ کو دیکھ کر یہ لوگ بے انتہا متوحش ہوتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ رام ہوجاتے ہیں، ان کا جسم چھریرا منھ پر چھوٹے چھوٹے بال اور کسی کی ڈاڑھی بھی ہوتی ہے ایک خاص وحشی زبان بولتے ہیں اور لطف یہ کہ اپنے آپ کو شاہی خاندان کا فرد سمجھتے ہیں ان کے اندرونی حالات اس سے زیادہ نہیں معلوم کہ ایک عورت کئی مردوں کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ بچپن میں شادی نہیں ہوتی شادی کے وقت عورت سے استمزاج نہیں کرتے بلکہ نہایت سادگی سے ماں باپ تاریخ مقرر کردیتے ہیں اور دولہا اپنے دوستوں کے ساتھ اگر دولہن کو لیجاتا ہے۔ اور اس طرح پر یہ تعلق مکمل ہوجاتا ہے نہ کوئی رسم برتی جاتی ہے، نہ ان کو برہمن کی ضرورت ہوتی ہے، نہ قاضی ان کا نکاح پڑھتا ہے، وہ بت نہیں پوجتے، البتہ ایک دن جسکو انہوں نے نندا دیوی جوئی کے نام سے منسوب کر رکھا ہے، وہ ناچتے گاتے ضرور ہیں۔ بچہ کا نام عجب طرح کا رکھا جاتا ہے۔ پیدائش کے پانچویں دن ان کا ایک پروہت آتا ہے اور اپنے اوپر ایک خاص قسم کا جذب طاری کرلیتا ہے۔ لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب دیوتا اُس کے جسم میں حلول کرگیا چنانچہ اسی حالت جذب میں وہ بچہ کا نام پکار اٹھتا ہے، سب بچوں کے دو دو نام رکھے جاتے ہیں ایک ہندوں کا سا مثلاً رام سنگھ، دوسرا وحشی نام مثلاً بھارتا، شاید وہ لوگ پہلے اپنے مردے دفن کردیا کرتے تھے مگر اب تو جلاتے ہیں، رونے دھونے کا کوئی خاص انداز و طریقہ نہیں، البتہ میت کے دن وہ کچھ نہیں کھاتے۔ اور موت کے دوسرے دن بجائے معمولی غذا کے صرف چاول کھا لیتے ہیں۔ پانی پینے کے متعلق وہ لوگ خاص احتیاط برتتے ہیں۔ دریا کے کسی حصہ کا پانی سوا چشمہ کے نہیں پیتے۔ لیکن یہ صفائی صرف پانی پینے پر ہی محدود ہے، ورنہ ان کے مکان کے اردگرد نہایت سخت بدبو ہوتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ تمام عمر کبھی نہیں نہاتے۔

اسکوٹ چھوڑنے کے بعد دریائی کالی ملتا ہے جو نیپال اور الموڑہ کے درمیان حد فاصل کا کام دیتا ہے۔ اس کے عبور کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ یعنے معلق پل۔ انگریزوں نے اسے کچھ اس ترکیب سے بنایا ہے کہ اگر صرف ایک کیل نکال لی جائے تو تمام پل ٹوٹ کر دریا میں جا پڑے اس قسم کے پل کی ضرورت غالباً اس وقت محسوس کی گئی ہوگی جب انگریزوں نے نیپال میں شروع شروع

اقتدار حاصل کیا تھا، اسی دریا پر ایک اور پل ہے جس میں دریا کے دونوں جانب ایک ایک ستون قائم کر کے ایک رسی آرپار باندھ دی گئی ہے۔ نیپالی نہایت آسانی سے ساتھ کمر میں ایک رسی لگا کر چاروں ہاتھ پاؤں سے اس پل والی رسی پر آسمان کی طرف منھ کر کے اس طرح چلتے ہیں جیسے اپنے جال کے ایک ہی تار پر مکڑی دوڑا کرتی ہے۔ دریائے کالی کے وادی سے نکل کر ایک مقام خیلا ملتا ہے جو سطح زمین سے پانچ ہزار فیٹ بلندی پر واقع ہے۔ تھوڑا زمانہ گزرا کہ اس مقام کے ارد گرد شیر بکثرت پائے جاتے تھے۔ مگر اب آبادی ہو جانے کی وجہ سے پہاڑی غاروں میں جا چھپے ہیں۔

خیلا کو کوہ ہمالیہ کا وہ سلسلہ صاف دکھائی دینے لگتا ہے جو اپنی خوبی و دلفریبی مناظر کے لحاظ سے دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، اسی سلسلہ کوہ میں حدِ تبت سے ملا ہوا کیلاس پربت واقع ہے جسکی پرستش ہندوؤں کے لئے ذریعہ نجات ہے۔ یہ چوٹی تقریباً اکیس ہزار آٹھ سو پچاس فیٹ سطح زمین سے بلند ہے۔ اس کا مقابلہ اگر کوئی دوسری چوٹی کر سکتی ہے تو وہ لامنڈہاتا ہے جو اسی سلسلہ میں واقع ہے۔ اور صرف پچیس ہزار فیٹ بلند ہے، ان دونوں چوٹیوں کی درمیان چودہ پندرہ ہزار فیٹ کی بلندی پر وہ جھیل واقع ہوئی ہے۔ جسکو دنیا مالسروز کے نام سے پکارتی ہے۔ اور جس کا ایک قطرہ بھی ہندوؤں اور بدھ مت والوں کے گناہ دھو ڈالنے کے لئے کافی سے زیادہ ہے تھوڑا آگے چلکر بدری ناتھ اور گنگوتری کی سر بفلک چوٹیاں اپنی شان تقدس کے ساتھ بلند دکھائی دیتی ہیں۔ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ کوہ ہمالیہ کا یہ حصہ اپنی دلفریبی پاکیزگی تقدس و معبودیت کے لحاظ سے دنیا کے اکثر سلسلہ ہائے کوہ پر ایک خاص قسم کی فضیلت و فوقیت رکھتا ہے۔ را ماٹن میں اس کا مختصر خاکہ یوں کھینچا گیا ہے :۔ جو شخص ہمالیہ کا دھیان کرتا ہے، چاہے اُس نے ہمالیہ کو دیکھا نہ ہو اس شخص سے اچھا ہے جو کاشی میں بیٹھا ہوا پوجا پاٹ کر رہا ہے .... ہمالیہ شیو استھان ہے اور وہاں سے گنگا جی وشنو کے پاؤں سے اس طرح نکلتی ہے جیسے کنول کے پھول کی رگیں، مالسروز کو دیکھو، اس میں شیو جی راج ہنس بنکر بسرام کرتے ہیں، برہما کے من سے یہ جھیل بنی ہے۔ اس میں مہادیو جی اور تمام دیوتا براجمان ہیں۔ جب مالسروز کی مٹی کسی کے جسم کو لگ جاتی ہے۔ اور جب کوئی مالسروز میں غوطہ لگا لیتا ہے تو وہ برہما کی جنت میں چلا جاتا ہے۔ اور جو کوئی اُس کا پانی پی لیتا ہے وہ شیو جی کی جنت میں جا پہونچتا ہے اور اسکو سو جنم کے پاپ دور ہو جاتے ہیں۔ اس کا پانی موتی کی طرح شفاف ہے۔ آفتاب کے پرتو سے جسطرح

شبنم کے قطرے خشک ہو جاتے ہیں، اس طرح صرف ہمالیہ کے دیکھنے سے انسان کے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں ہندوؤں کا نظریۂ تکوین عالم بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ جب برہما کے من میں آئی کہ دنیا پیدا کی جائے تو اُس نے فوراً وشنو کا جنم اختیار کیا، اُس وقت تمام کائنات میں صرف پانی ہی پانی تھا۔ چنانچہ وشنو ایک سانپ کے پھن پر تیرنے لگا اور اُس کے پاؤں سے ایک کنول کا پھول پیدا ہوا جس سے برہما کا ظہور ہوا، اور اس نے سات جزائر پیدا کئے جو بجائے خود ایک ایک براعظم تھے۔ ان میں سے ایک جمبو ہے جس کے وسط میں کوہ میرو واقع ہے جسکے مختلف رنگ ہیں اور جہاں ارواح خبیثہ ہزار جنم لینے کے بعد بھی نہیں پہونچ سکتیں، نہ یہاں رنج و الم ہے نہ فکر و تردد نہ کسی کو بھوک لگتی ہے اور نہ کبھی خوف ستاتا ہے، میرو کی چوٹی پر برہما کا بسایا ہوا شہر ہے جہاں ہزار ہا رشی مُنی رہتے ہیں، دریائے گنگا وشنو کے قدموں سے نکل کر چندرماں کو دھوتا ہوا زمین پر گرتا ہے۔ اور برہما کے شہر کا طواف کر کے چار مختلف دریاؤں میں مختلف ناموں سے مشہور ہو جاتا ہے۔ اُتر میں اس کا نام انداس ہے تو دکھن میں کرنالی پورب میں برہمپترا ہے تو پچھم میں ستلج، کہیں تو اس کے کنارے کنارے لوگ بڑے بہادر ہوتے ہیں کہیں گھوڑے اچھے پیدا ہوتے ہیں، اور کہیں وہ چیز بہت خوبصورت ملتی ہے جسے دنیا عورت نام سے پکارتی ہے مگر وہ حقیقتاً فطرۃ کی بہترین نقاشی ہے، جس میں فطرۃ نے روح پھونک دی ہے"۔

ہمالیہ کا یہی وہ حصہ ہے جہاں شیوجی نے رشیوں کی بیویوں کو چھیڑا تھا اور اُنکو بد دعا دی گئی تھی اور اُسی بد دعا کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان کے تمام مندروں میں شیوجی کے نام کے ساتھ ایک مخرب اخلاق پرستش منسوب ہے۔ شیوجی قہر و غضب کا دیوتا سمجھا جاتا ہے، اسی کا نام مہادیو ہے اور یہی ہر جگہ موجود ہے، اسکی بیوی کے مختلف نام ہیں مگر سب سے زیادہ مشہور کالی ہے وہ موت اور خون کی دیوی سمجھی جاتی ہے۔ اور ہندوؤں کا ایک بہت بڑا طبقہ اسکی پرستش نہایت ہی حیا سوز طریقہ سے کرتا ہے۔ شیوجی کی ذات نے کیدارناتھ کو بے انتہا مقدس بنا دیا ہے یہی وہ چوٹی ہے جہاں شیوجی نے بھینسے کے بھیس میں پناہ لی تھی، اسی کا ایک حصہ ہے جس پر لوگ چڑھ جایا کرتے تھے اور وہاں سے کود کر اپنی جان دیدینا شیوجی کی راہ میں قربان ہونا سمجھتے تھے مگر جس طرح کہ

رسم ستی کا خاتمہ کر دیا گیا، اسی طرح یہ مہمل رسم بھی نیست و نابود کر دی گئی، پہلے اکثر جاتری برفستان مارے مارے پھرتے تھے، بھوک اور شدت سردی سے جان گنوا دینے کو شیوجی کے درشن کا ذریعہ سمجھتے تھے، پہاڑ کی دوسری جانب برف کے پگھلنے، درختوں اور برف کی چٹانوں کے گرنے سے جو آوازیں پیدا ہوتی تھیں اُن جاتری کا مذہبی جوش دیوتاؤں کی بود و باش کی دلیل سمجھتا تھا۔

کیدار ناتھ کے بالکل بالمقابل بدری ناتھ کی چوٹی ہے، یہاں ایک چشمہ ہے جس کا پانی اس درجہ گرم ہوتا ہے کہ معمولی حالت میں انسان اُسکو چھو نہیں سکتا۔ لیکن اللہ رے اعتقاد کا کرشمہ! کہ ہزارہا ہندو مرد و عورتیں اس پانی میں غوطہ لگاتے ہیں، یہ چوٹی وشنو کے نام کے ساتھ منسوب ہے، جو ہندوؤں کے عقائد کے مطابق مجمع اوصاف سمجھی جاتی ہے۔ اور حقیقتاً مناظرہ خوبیوں کا بہترین نمونہ ہے۔

ہندو تو ہندو ہیں لیکن مسلمان بھی جس کا سر دنیا کی کسی قوت کے آگے جھکنے کیلئے نہیں بنایا گیا۔ ان مناظر کی دلفریبی اور پہاڑی چوٹیوں کی عظمت و شوکت سے ایک دفعہ ضرور مرعوب و متاثر ہو جاتا ہے۔ اور اپنے خدائے برتر کی قدرت کاملہ کا اعتراف کرنے لگتا ہے۔

(باقی آیندہ) سیاح

غزل

میں ہونگا رات ہوگی وہ مہ جمال ہوگا — ساعت تو آئے وہ جب جینا محال ہوگا
تم آگئے ہیں خوش ہوں، پوچھو نہ اب جو گزری — تم کو اگر نہ ہوگا، مجھ کو ملال ہوگا
تسکین ہے اِن کی کب تک میں مضطرب رہونگا — اللہ شوق دل میں کب اعتدال ہوگا
شوقِ بیانِ غم کا اب ناگزیر ہوں، تم نے — یہ کیا کہا کہ "سن کر مجھ کو ملال ہوگا"

دیوانہ تھا نیاز اک سنتے ہیں مر گیا وہ
گزرا تھا کل اِدھر بھی، تم کو خیال ہوگا

استفسار و جواب

(علیم الدین صاحب - الہ آباد)

عالم کی کتنی قسمیں ہیں اور اُن کی حقیقت کیا ہے۔ علمی نقطۂ نظر سے عالم ارواح کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ اسی کے ساتھ مذہب سے الگ ہو کر انسانی جبر و اختیار پر بھی کچھ روشنی ڈالئے۔

(نگار) عالم دو قسم کے ہیں، ایک عالمِ شہادۃ یا عالمِ مادہ جسے ہم اپنے حواس خمسہ سے بواسطہ یا بلا واسطہ محسوس کرتے ہیں اور دوسرا عالم ارواح ہے، جسے ہم اپنے حواس سے کسی طرح محسوس نہیں کر سکتے اور اسی لئے اسکو "عالم ماورا محسوسات" اور عالمِ غیب بھی کہتے ہیں۔

عالم مادہ کے متعلق گفتگو کرنا فضول ہے کیونکہ وہ ہمارا آپ کا مشاہدہ ہے اور ارضی زندگی زندگی کا ہر لمحہ اس کے جلوؤں سے معمور ہے۔ رہا عالم ارواح سو مذہبی نقطۂ نظر سے بالاتفاق سب نے اُسے تسلیم کیا ہے اور دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو اس کا منکر ہو۔ البتہ بحث کی ایک صورت یہ بجائی ہے کہ مذہب سے علیحدہ ہو کر اس پر نظر کی جائے، یعنی طبیعیات کے زاویۂ نگاہ سے غور کیا جائے کہ کسی ایسے عالم کا پایا جانا ممکن ہے یا نہیں؟

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ جو لوگ عالم ارواح کے منکر ہیں اُن کے پاس انکار کے دلائل کیا ہیں لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکے پاس کوئی اہم دلیل نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عقل ایسے عالم کے وجود کو باور نہیں کرتی، کیونکہ ہم حواس سے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ حیات کو عمل کیمیاوی کا نتیجہ خیال کرتے ہیں، جیسے شعلہ سے روشنی کا پیدا ہونا کہ جب شعلہ باقی نہ رہیگا تو روشنی بھی غائب ہو جائے گی۔ یہ لوگ معاد و خلود کے بھی قائل نہیں ہیں۔

اس گروہ کے خلاف جو جماعت عالم ارواح کے وجود کو وجوباً تسلیم کرتی ہے، وہ ثبوت میں ایسے مشاہدات پیش کرتی ہے جن کی کوئی تاویل و تعلیل "نوامیس طبیعت" کے رو سے ممکن نہیں۔ مثلاً ایک شخص خواب دیکھتا ہے کہ اس کا ایک عزیز جو اس سے ہزاروں میل دور ہے کسی مرض میں مبتلا ہو گیا ہے یا مر گیا ہے اور دوسرے دن تار یا کسی اور ذریعہ سے جو اطلاع آتی ہے وہ بالکل اسکی تصدیق

کرتی ہے۔ بعض لوگ حالت بیداری میں کسی غیر محسوس مخفی قوت سے متاثر ہو کر آنے والے خطرہ یا گزشتہ حادثہ سے آگاہ ہو جاتے ہیں جو بعینہ واقع ہو چکا ہوتا ہے یا آیندہ ہوتا ہے، یورپ اور علی الخصوص امریکہ میں عالم ارواح کے متعلق تحقیقات جاری ہے اور بعض نے توروحوں کی تصویر بھی پیش کر دی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اکثر واقعات جو اس سلسلہ میں بیان کئے جاتے ہیں غلط ہوتے ہیں اور کمتر ایسے ہوتے ہیں جن پر کلیتہً اعتماد کیا جاسکے۔

اس سے قبل حاضرات کا بہت رواج تھا۔ کسی لڑکے کے انگوٹھے کو سیاہ کرکے سامنے بٹھاتے تھے اور اس سے سوال کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ میدان کا نظر آنا، اس میں فرش بچھایا جانا اور آخر میں شاہ جنات کا آنا ظاہر کرتا تھا۔ جب زمانہ نے زیادہ ترقی کی تو حاضرات کی جگہ پلانچٹ اور میز نے لی، جس سے تقریباً ہر شخص واقف ہے لیکن میرے نزدیک یہ سب شعبدہ بازیاں ہیں اور ان سے عالم ارواح کے وجود کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ لڑکے کا شاہ جنات کو دیکھنا، پلانچٹ کی پنسل کا کاغذ پر کچھ لکھ دینا، میز کے پایہ کا اٹھ جانا سب عامل کی قوتِ فکر کا نتیجہ ہے جس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کی قوتِ ارادہ کس حد تک مادی دنیا پر موثر ہے۔ تاہم میں وجود عالم غیب کے امکان سے انکار نہیں کرسکتا اور صرف اس بنا پر کہ اس کا وجود تعقل انسانی سے باہر ہے کسی کا اس سے منکر ہو جانا نہایت لایعنی بات ہے، کیونکہ خود عقول انسانی ادراک کے لحاظ سے بہت ناقص ہیں اور نوامیس طبیعت، غوامض قدرت اور قوانینِ فطرت کا حال اس وقت تک جتنا معلوم ہو سکا وہ صد درجہ نامکمل ہے۔

قبل مسیح چھٹی صدی میں ہر مادہ کی اصل پانی تصور کی گئی تھی اور فیلسوف طالس کی اس رائے کو دنیا نے حقیقت ثابتہ تسلیم کر لیا تھا، لیکن کچھ زمانہ گزرا تھا کہ مادہ کو عناصر اربعہ میں منحصر سمجھا جانے لگا اور زمانہ دراز تک رہا، یونان، عرب، و فرانس کے حکماء نے اسی کو صحیح خیال کیا، لیکن جب علم الکیمیاء میں اپنی تحلیل و ترکیب سے عناصر اربعہ کے پرزے پرزے اڑا دیئے، تو معلوم ہوا کہ عناصر بسیط کثرت سے پائے جاتے ہیں اور آج سیکڑوں کی تعداد میں دریافت ہو چکے ہیں۔

اسی طرح متقدمین کے نزدیک تشخیص و علاج کا مدار اخلاط و امزجہ، حرارت و برودت، رطوبت و یبوست پر تھا۔ اگر کوئی شیخ الرئیس بوعلی سینا کو کہتا کہ تپ کا سبب صرف جراثیم ہیں جو مرض کو

اِدھر سے اُدھر منتقل کرتے رہتے ہیں یا یہ کہ صحت کا انحصار ایک غیر مرئی گیس آکسیجن پر ہے تو شاید ہنستے ہنستے اس کا دم خفا ہو جاتا، حالانکہ آج یہ وہ حقیقت ہے جس سے کوئی اسکول کا طالب علم بھی انکار نہیں کر سکتا۔ الغرض اسیطرح دنیا کا کوئی علم ایسا نہیں ہے جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ وہ تکمیل کی حد تک پہونچ گیا ہے اور اب اسمیں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں۔

پھر جب ہماری ترقی کا یہ حال ہے اور ہمارا ادراک اس درجہ ناقص ہے تو عالم ارواح سے انکار کر دینا صرف اس بنا پر کہ ابھی تک ہمیں اس کا علم حاصل نہیں ہو سکا سخت ناروا جسارت ہے اور مشکل سے کوئی صحیح الدماغ شخص اسکی تائید کر سکتا ہے۔

یہاں تک تو آپ کے پہلے سوال کا جواب ہوا۔ رہا دوسرا سوال (جس کو خدا معلوم کیوں آپ نے پہلے سوال کے ساتھ شامل کر دیا ہے) زیادہ تفصیل چاہتا ہے، اور ایک مستقل مضمون کا عنوان بن سکتا ہے۔ آپ نے اچھا کیا کہ مذہبی نقطۂ نظر سے سوال نہیں کیا کیونکہ مذہب کے لحاظ سے میں بارہا اس موضوع پر لکھ چکا ہوں اور اب اس فرسودہ و پامال مسئلہ پر کچھ لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ہاں اگر ضرورت ہے تو مذہب سے علیحدہ ہو کر۔

ہر چند استفسار و جواب کے سلسلہ میں ایسے اہم موضوع پر گفتگو کرنا اُن تمام مباحث پر حاوی نہیں ہو سکتا جو اس سوال سے متعلق ہو سکتے ہیں تاہم اس تفصیل کو کسی دوسرے وقت پر منحصر رکھ کر مختصراً جواب عرض ہے۔ مسئلہ قضا و قدر میں تین مذاہب ہیں۔ ایک وہ جو انسان کو فاعل مختار خیال کرتا ہے یعنی یہ کہ اس کے تمام افعال بغیر تقدیر الٰہی کے سرزد ہوتے ہیں، دوسرا مذہب وہ ہے جو تمام حیاتِ موجودات میں حکم الٰہی کو ازل سے ابد تک جاری و ساری جانتا ہے اور ذرہ ذرہ کی حرکت کو قضاء خداوندی کے ماتحت تصور کرتا ہے، تیسری جماعت ان تینوں کے درمیان ہے جو انسان کو قضاء الٰہی پابند بھی سمجھتی ہے اور آزاد بھی۔

چونکہ قضا و قدر کا تعلق صرف حوادث و واقعات سے ہے اس لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ دنیا میں حوادث کی کتنی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حوادث کی صرف تین قسمیں ہو سکتی ہیں ایک قسم تو حوادث کی وہ ہے جن کا تعلق بالکل فطرت و طبیعت سے ہے، جیسے گردش کواکب کسوف و خسوف، شہاب ثاقب وغیرہ یا وہ حوادث جو فطری و طبعی حوادث کے وجہ سے رونما ہوتے ہیں جیسے گرمی، سردی، بارش، آندھی وغیرہ۔ دوسری قسم حوادث کی وہ ہے جو عالم حیات کو متاثر کرتی ہے، جیسے بیماری قحط سالی وغیرہ۔ تیسری قسم کے حوادث وہ ہیں جو انسان سے بہ حیثیت ایک عامل ذہنی

ہستی ہونے کے ظاہر ہوتے ہیں۔

آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کا کوئی واقعہ ان تین قسموں سے خارج نہیں ہوسکتا۔ پھر آئیے دیکھیں کہ حوادث کی ان تینوں قسموں پر مقدرات الٰہی کس حد تک موثر ہیں۔ پہلی قسم کے حوادث (یعنی حوادثِ طبیعیہ) کا مقدرات خداوندی سے متعلق ہونا ظاہر ہے اور معمولی فہم کا انسان بھی اجرام فلکی کی حرکت، کسوف و خسوف، زلزلہ، آندھی، امساک باراں، شہاب ثاقب، کوہ آتش فشاں وغیرہ کو کسی انسانی فعل کا نتیجہ خیال نہیں کرسکتا۔ الغرض ہر شخص یقین کرتا ہے کہ یہ حوادث قدرت کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ ان سے جیسا چاہتی ہے کام لیتی ہے۔

دوسری قسم کے حوادث جو حیات عالم پر موثر ہوتے ہیں، جیسے بیماری، خشک سالی وغیرہ، سو اگر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب کے سب قسم اول کے حوادث سے پیدا ہوتے ہیں۔ وبا اس لئے ہوتی ہے کہ جراثیم ادھر سے ادھر منتقل ہوتے ہیں یا پانی یا ہوا کا تعلق حوادثِ طبیعیہ سے ظاہر ہے۔ الغرض حوادث زندگی میں سے کوئی حادثہ ایسا نہیں ہے جس کا تعلق حوادثِ طبعی سے نہ ہو۔

اب رہی تیسری قسم کے حوادث جن کا تعلق عقل انسانی سے ہے، سو اس کی تین قسمیں ہیں: ایک تو وہ جو اضطراری طور پر انسان سے سرزد ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جنھیں انسان اپنے ارادے سے کرتا ہے، سو اول قسم کا ذکر تو فضول ہے کیونکہ اس کا تعلق حوادثِ حیات طبعی سے ہے، رہی دوسری قسم سو ظاہر ہے کہ تمام اختیاری حرکات انسان کے کسی ایسی قوت سے متعلق ہونگے جو (۱) اس میں وراثتہً منتقل ہوئی ہے یا (۲) اقلیم کی آب ہوا کے زیر اثر پیدا ہوئی ہے یا (۳) تربیت سے اس نے حاصل کی ہے۔ اگر وراثتہً منتقل ہوئی ہے تو انسان کی مجبوری ظاہر ہے، اگر اقلیم کی آب و ہوا کا اثر ہے تو بھی اسے کوئی اختیار نہیں اور اگر وہ نتیجہ ہے تربیت کا تو دیکھنا چاہئے کہ اسکی تربیت کا نقص یا کمال کس حد تک حوادثِ طبعی یا حوادث حیات سے متاثر ہوا ہے اور غور کرنے سے بمشکل کوئی ایسی مثال مل سکتی ہے جس میں حوادث طبیعی یا اس کے ماتحت حوادث کا اثر نہ پایا جائے۔

اب اس سے آپ خود نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ انسان کس حد تک مختار ہے اور کس حد تک پابند۔

معلومات

رنگوں کی موسیقی | جس طرح جامع کولمبیا (امریکہ) کے استاد علم الکیمیا ڈاکٹر گولرف نے مختلف نگہتوں کو ملا کر عطریات کی موسیقی پیدا کی ہے اسیطرح اک مشرقی الاصل خاتون میری ہالوک گرینوالٹ نے (جو لبنانی الاصل ہیں) رنگوں کی موسیقی پیدا کر کے بے حد درجہ ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔

اس وقت تک فنون جمیلہ صرف پانچ تسلیم کئے جاتے تھے۔ شعر، موسیقی، مصوری، بت تراشی اور صنعت البنا (Architecture) لیکن اب خاتون مذکور نے اس میں موسیقی لوان کا بھی اضافہ کیا ہے۔ جس طرح عام موسیقی کانوں کے لئے اک خاص قسم کی لذت پیدا کرتی ہے اسیطرح موسیقی الوان کا مقصود یہ ہے کہ وہ آنکھوں کو مسرور کرے۔ خاتون مذکورہ نے کامل سوا سال کے تجربہ کے بعد ایک نہایت ہی دقیق الصنعت آلہ (جسے وہ آرگن ارغنون کہتی ہے) ایجاد کیا ہے جو پیانو کی طرح مختلف مفاتیح (Keys) پر ہاتھ رکھنے سے مختلف قسم کی رنگین روشنیاں پیدا کرتا ہے جو باہمدگر اسقدر تناسب ہو کر نکلتی ہیں کہ اس سے باصرہ اتنا ہی لطف حاصل کرتا ہے جس قدر کہ عام موسیقی سے سامعہ۔

اس خاتون نے حال ہی میں امریکہ کی ایک مجلس عام میں آلہ کا تجربہ بڑے بڑے ماہرین فن کو دکھایا اور سب نے بالاتفاق اس کی تکمیل کو تسلیم کر لیا۔ اس جماعت کے ایک شخص کا بیان ہے کہ جس وقت میں تاریک حجرہ میں داخل ہوا، اس وقت کوئی مذہبی گیت گایا جا رہا تھا۔ چنانچہ اس گانے کے ساتھ سب سے پہلے میں نے آسمانی رنگ کی روشنی دیکھی جو موسیقی کی بلندی و پستی کے ساتھ ساتھ کم زیادہ ہوتی تھی۔ جب گیت میں جذبات شجاعت ظاہر کرنے والے الفاظ گائے جانے لگے تو وہ روشنی دفعتہً سرخی میں تبدیل ہو گئی اور یہ معلوم ہونے لگا کہ گویا خونیں شفق نمودار ہو گئی ہے۔ الغرض اسیطرح ہر جذبہ کے لحاظ سے مختلف روشنیاں پیدا ہوتی تھیں اور ان میں اس قدر نازک تاریخ کے ساتھ کمی بیشی پیدا ہوتی تھی کہ مشکل سے اس کا امتیاز ہو سکتا تھا۔"

یہ آلہ اس قدر نازک ہے کہ اس کے ذریعہ سے ایک رنگ ۲۶۰ قسم کے ہلکے اور گہرے انداز سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔

ستاروں کے اندر آثارِ حیات | آپ نے اکثر رات کے وقت دیکھا ہوگا کہ آسمان کی طرف سے ایک روشن ہوائی زمین کی طرف آتی ہوئی نظر آتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے۔ عام لوگ اسے "ٹوٹے ہوئے ستارہ" سے تعبیر کرتے ہیں اور پڑھے لکھے آدمی "شہاب ثاقب" کہتے ہیں۔

یہ منور چیز حقیقتاً ٹکڑا ہوتا ہے کسی ستارہ کا جسے زمین اپنی طرف جذب کرتی ہے جس وقت یہ ٹکڑا ستارہ سے جدا ہوتا ہے بالکل سرد اور غیر منور ہوتا ہے، لیکن جب زمین کے قریب آجاتا ہے تو ہوا سے ٹکرا کر مشتعل ہو جاتا ہے اور ہمیں آتشبازی کی ہوائی کی طرح نظر آتا ہے۔

دنیا کے اکثر عجائب خانوں میں اس قسم کے ٹکڑے موجود ہیں اور علماء ان کی کیمیائی اور میکروسکوپی تحلیل کر کے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ جن ستاروں کے یہ ٹکڑے ہیں وہ کن عناصر سے مرکب ہیں اور وہاں کسی ذی حیات کا پایا جانا ممکن ہے یا نہیں۔ سب سے پہلے وہ شخص جس نے اس طرف توجہ کی اور شہرت حاصل کی ایک جرمنی عالم ہابن تھا۔ اس نے ایک ٹکڑے کا اس قدر دقیق مطالعہ کیا کہ وہ اس کے نام سے ہابن مشہور ہو گیا۔ اس عالم کی رائے میں (جس سے اب تمام علماء متفق ہیں) جس ستارہ کا یہ ٹکڑا ہے وہاں اسفنج بحری گھاس، اور مرجان وغیرہ دریائی کیڑے پائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد دو فرانسیسی عالموں نے تحقیق شروع کی اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ تمام اُن کواکب میں جن کے ٹکڑے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین کی طرف آتے ہیں، کوئلہ، آکسیجن اور پانی کا وجود پایا جاتا ہے اور جتنے ٹکڑوں کا معاینہ کیا گیا اُن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اُن کے کواکب میں کسی وقت حیات ضرور پائی جاتی تھی۔

امریکہ کے ایک فلکی نے لکھا ہے کہ کواکب سے (مثلاً عطارد و زہرہ) زمین پر بعض امراض کے جراثیم منتقل ہونا بہت محتمل ہے۔ اس عالم نے یہ بھی خیال ظاہر کیا ہے کہ عطارد میں حیات کا ثبوت نہیں ملتا، کیونکہ وہ بالکل سرد کرہ ہے۔ البتہ زہرہ کے اندر بعض ایسے جراثیم کا ہونا معلوم ہوتا ہے جو زمین میں پائے جاتے ہیں۔ یہ جراثیم، زہرہ کی فضا میں منتشر ہیں اور وہاں فنا ہوتے رہتے ہیں، لیکن ان میں سے بعض جراثیم شعاع آفتاب کے ساتھ (جسکے اندر بہت سے خلا پائے جاتے ہیں) زمین تک پہونچ جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی زمین پر ایسے عجیب غریب امراض دفعۃً رونما ہو جاتے ہیں جن کا کسی کو علم نہیں ہوتا، پھر چونکہ زہرہ کا آفتاب و زمین کے درمیان سے عبور کرنا ثابت ہو چکا ہے اسلئے

ان جراثیم کے منتقل ہونے کا احتمال اور قوی ہو جاتا ہے۔

اگر یہ نظریہ صحیح مان لیا جائے تو اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہماری زمین کے بھی جراثیم دوسرے کروں میں پہونچتے ہیں اور وہاں کی ذی حیات اشیا بھی قریب قریب ایسی ہی ہونگی جیسی زمین پر پائی جاتی ہیں لیکن اسی وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے، جب اینشٹین کی تحقیق کے مطابق آفتاب کی روشنی کو ایک وزنی، محسوس چیز سمجھا جائے، کیونکہ جب تک اسکو مادی چیز تسلیم نہ کیا جائے اس کے ذریعہ سے جراثیم کا ادھر سے اُدھر منتقل ہونا محال ہے۔

ربڑ کے دوربینی شیشے | اہل مغرب نے یوں تو دنیا کی ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مصرف تلاش کر لیا ہے لیکن صنعت کے ساتھ ربڑ اور لوہے سے جس قدر کام لیا جا رہا ہے وہ نہایت عجیب و غریب ہے۔

حال ہی میں یورپ کے ایک مخترع نے ربڑ کو شفاف بنا کر سائنس کی دنیا میں ہلچل ڈالدی ہے اور اپنی اپنی جگہ ہر شخص اس کا مصرف سوچنے میں محو نظر آتا ہے، لیکن سب سے زیادہ اہم علمی خدمت جو اس شفاف ربڑ سے لی جانے والی ہے، وہ دوربینی شیشے طیار کرنا ہے۔ اس وقت رصدگاہوں میں بڑی بڑی دوربینیں موجود ہیں اور ان میں بڑے بڑے محدب شیشے لگے ہوئے ہیں جنہیں انگریزی میں لنس (Lenses) اور عربی میں عدسات کہتے ہیں، لیکن ابھی تک دوربینیں ناقص ہیں اور دور کے اجرام فلکی کا حال اُن سے بالکل نہیں معلوم ہوتا، اس کا سبب صرف یہ ہے کہ محدب شیشے بہت وزنی ہوتے ہیں اور اس لئے ان کا حجم نہیں بڑھایا جا سکتا۔ لیکن اب ربڑ کے شفاف ہو جانے سے لنس اسے کے بنیں گے اور چونکہ وہ ہلکا ہوتا ہے اس لئے جس قدر دبیز و عظیم چاہیں گے بنا سکیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہیئت میں غیر معمولی اکتشافات کا اضافہ ہو جائے گا اور بہت سے غیر مرئی سیاروں کے حالات ہمیں آسانی سے معلوم ہو جائیں گے۔

وہ لوگ جو مریخ کے حالات معلوم کرنے کے لئے زیادہ بیتاب رہتے ہیں اُن کو اب اپریل فول کے سلسلہ میں وہاں کی معلومات حاصل نہ ہوا کریگی، بلکہ مشاہدات کی بنا پر اس عجیب و غریب کرہ کی تمام کیفیت واضح ہو جائے گی، اور بالکل ممکن ہے کہ ایک دن وہاں کے مناظر کے پکچر پوسٹ کارڈ (تصویری کارڈ) عام طور سے بازار میں آجائیں، اسی کے ساتھ یہ

یہ اختراع یورپ کی جنس لطیف کے لئے بھی اک برکت ثابت ہوگی، کیونکہ فی الحال سینہ، بازو اور پنڈلیاں کھلی رکھنے میں کبھی کبھی سردی کا خیال، مانع آجاتا ہے لیکن جب ربڑ شفاف ہوگیا تو پھر یہ اندیشہ بھی نہ رہے گا اور نہایت آزادی کے ساتھ وہ سردی سے متاثر ہوئے بغیر اپنی عریانی کو قائم رکھ سکیں گی۔

کیا دن طویل ہو رہا ہے | زہرہ کے کرہ میں دن ۹۶ گھنٹوں کا ہوتا ہے، ماہرین ہیئت کا بیان ہے، کسی وقت زمانہ ماضی میں، جب زمین زیادہ عشرہ کے ساتھ گردش کرتی تھی تو اس کا دن صرف بارہ گھنٹے کا ہوتا تھا لیکن اب مرور ایام سے جس قدر اس کی حرکت کم ہوتی جاتی ہے دن بھی بڑھتا جاتا ہے۔

زمین کی حرکت کم ہونے کے متعدد اسباب ہیں، ان میں سے ایک خاص سبب، زمین کے سمندروں میں مد کا پیدا ہوتا ہے، جو شمس و قمر کی کشش سے رونما ہوتا ہے، دوسرا سبب دیگر سیاروں سے شہاب ثاقب کا زمین پر گرنا ہے جس سے زمین کا ثقل بڑھتا جاتا ہے اور اس کی حرکت بطی ہونے کی وجہ سے دن طویل ہو رہا ہے۔ نیوٹن کا اندازہ تھا کہ ۲۴ گھنٹے میں ایک کرور شہاب ثاقب زمین پر گرتے ہیں، جن میں سے اکثر مشتعل ہوکر گیس میں تبدیل ہوجاتے ہیں تاہم زمین کا ثقل ان سے بڑھتا رہتا ہے۔

ابھی تو نہیں لیکن بہرحال اک زمانہ آنے والا ہے جب دن کی طوالت بین طور پر محسوس ہوسکے گی، یہاں تک کہ ایک دن پورا ایک مہینہ کا ہوجائے گا اور اس وقت چاند اک چھوٹے ستارہ کی طرح ہر وقت نظر آتا رہیگا۔

انگلیوں سے سننا | اکتوبر کے نگار میں ایک خاتون ہن کلر کا ذکر کیا گیا تھا، جو اپنی آنکھوں سے سامعہ کا کام لیتی ہے لیکن آجکل امریکہ میں ایک اور خاتون ولٹا ہگنر رونما ہوئی ہے جو بالکل اندھی اور بہری ہے لیکن ٹیلیفون کے آلۂ سماعت کے اندر انگلی ڈال کر تمام باتیں اسی طرح سن لیتی ہے جس طرح اور لوگ کان کے پاس لیجا کر سنتے ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ تمام رنگوں کو سونگھ کر پہچان لیتی ہے یعنی اپنے لامسہ سے وہ سامعہ کا کام لیتی ہے اور شامہ سے باصرہ کا۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ جب حواس انسانی میں سے کوئی حس زائل ہوجاتی ہے تو دوسری قوتیں زیادہ

سریع التاثیر ہو جاتی ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ضرورت ہے کہ ہم میں کوئی حس ہو اور ہماری ملیت اجتماعیہ یا حکومت فاقد الحس لوگوں کو بقیہ حواس سے اچھی طرح کام لینا سکھائے، ورنہ یوں تو ہم اپنے ملک میں دیکھتے ہیں کہ جو زیادہ حواس کا مدعی ہے وہی زیادہ فاقد الحس ہے، چہ جائیکہ وہ جو حقیقتاً بیگانۂ حواس ہے۔

ستاروں کی حرارت سے چلنے والا موٹر

واشنگٹن میں ایک امریکی عالم نے چھوٹا سا موٹر (موٹر سے مراد موٹر کار نہیں ہے بلکہ وہ محرک آلہ ہے جو گردش میں آکر دوسری چیزوں میں حرکت پیدا کرتا ہے) بنایا ہے جو حد درجہ دقیق الصنعت ہے اور پندرہ سال کی مسلسل محنت کے بعد طیار ہو سکا ہے۔ اس آلہ کو گردش دینے کے لئے بخار یا برق کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ صرف ستاروں کی روشنی اس کو متحرک کر دیتی ہے۔

اس عالم کا بیان ہے کہ وہ حرارت جو بیس لاکھ میل کی دوری پر واقع ہونے والے ۵۰ ستاروں سے پیدا ہوتی ہے اگر پانی کے ۶۰ قطروں میں سو سال تک محصور رہے تو پانی کا درجۂ حرارت بمقدار ایک درجہ کے بڑھ جاتا ہے۔

مصنوعی موتی

اہل جاپان نے مصنوعی موتی بنانے میں پوری کامیابی حاصل کر لی ہے۔ یہ لوگ سیپی نکال کر اور اس کا منہ کھول کر اندر سیپی کے جسم میں زخم کر دیتے ہیں اور اس زخم میں ایک ذرہ صدف کا رکھ کر زخم کو سی دیتے ہیں اور پھر سیپ کو اسکی جگہ پر رکھ دیتے ہیں۔ کچھ روز کے بعد اس ذرہ کے چاروں طرف صدفی مادہ جمکر عمدہ موتی طیار ہو جاتا ہے۔

موتیوں کے بازار میں اس صنعت نے اضطراب پیدا کر دیا ہے، کیونکہ اس مصنوعی موتی اور اصلی موتی کا فرق اس وقت تک محسوس نہیں ہوتا، جب تک رانتجنی شعاعوں سے کام نہ لیا جائے اور اس کو ان شعاعوں سے شفاف کر کے یہ دیکھا جائے کہ اسکے اندر کوئی ذرہ تو نہیں ہے۔

دنیا کی سب سے زیادہ باریک تحریر

اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ باریک تحریر اس صلوٰۃ مسیح کی ہے جو انگریزی زبان میں شیشے کے ایک ٹکڑے پر منقوش ہے۔ اس شیشہ کی لمبائی ½ انچ ہے اور چوڑائی $\frac{1}{10}$ انچ، اور اتنی جگہ میں ۲۲۷ الفاظ تحریر ہیں۔ یہ الفاظ اس خوردبین سے پڑھے جا سکتے ہیں جو ایک چیز کو ہزار گنا بڑا کر کے دکھاتی ہے۔ اگر اسی خط میں ساری انجیل تحریر کی جائے تو ایک مربع انچ میں پوری انجیل ۲۵ مرتبہ لکھی جا سکتی ہے یعنی اتنی جگہ میں دو کروڑ الفاظ لکھے جا سکتے ہیں۔

درختوں کا رنگنا

معمولی لکڑیوں کا فرنیچر (اثاث) جب طیار ہوتا ہے تو لوگ اپنے ذوق کے مطابق مختلف رنگوں سے رنگتے ہیں۔ اہل جرمنی نے اس دقت کو محسوس کر کے کوشش کی ہے کہ وہ درختوں کی لکڑی میں طبعی طور پر

دہی رنگ پیدا کردیں، جن کی بعد کو ضرورت ہوتی ہے چنانچہ انہوں نے اس غرض کے لئے بعض درختوں پر تجربہ کیا اور
اس میں کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے چھوٹے چھوٹے ظروف رنگین مادہ سے بھر کر ادھر ادھر درختوں میں لٹکا دیئے
ور چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعہ سے جڑوں تک اس مادہ کو پہونچا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چار ہفتہ میں لکڑی کا رنگ
بالکل بدل گیا اور ان سے جو فرنیچر طیار ہوا، اسکو پھر رنگنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

ٹھنڈی روشنی — ایک زمانہ سے یہ کوشش جاری ہے کہ کسی طرح روشنی بغیر حرارت کے حاصل کی جائے، کیونکہ جب کسی
ٹلع کو روشن کرتے ہیں تو اسکی قوت کا صرف پانچواں حصہ روشنی کا کام دیتا ہے، باقی چار حصے حرارت پیدا
کرنے میں صرف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس غرض کیلئے بعض ایسے کیڑوں، دریائی جانوروں کی طرف توجہ منعطف
کی ہے جن سے ٹھنڈی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ حال میں امریکہ کے ایک ماہر وظائف الاعضاء ہاروی نے
بعض ایسے بحری کیڑوں اور مچھلیوں کو جمع کر کے خشک کیا اور ان کے سفوف میں پانی ملانے سے
ہری مائل آسمانی رنگ کی روشنی پیدا ہوئی جس میں ایک انسان آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔

پروفیسر مذکور کا بیان ہے کہ ان حیوانات کے منور ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان میں ایک خاص قسم کا مادہ
لوسیفرن پیدا ہوتا ہے اور جو آکسیجن کے ساتھ مخلوط ہونے کے بعد برخلاف دوسرے مادوں کے بہت دیر تک جلتا
رہتا ہے۔ ان کیڑوں اور جانوروں میں یہ روشنی اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب انہیں کوئی خطرہ پیش آتا ہے
اس روشنی میں وہ ادھر ادھر بھاگ جاتے ہیں۔

جاپان اور مکسیکو میں ایسے کیڑے کثرت سے پائے جاتے ہیں اور لڑکیاں لڑکے انہیں زینت
کے لئے بکثرت اپنے ملبوس میں لگا لیتے ہیں۔

نیویارک کے متعلق بعض اعداد و شمار — نیویارک کی آبادی تقریباً ۵۵ لاکھ ہے۔ یہاں ہر ۵۱ منٹ پر ایک جدید عمارت
طیار ہو جاتی ہے اور ہر ۴۲ منٹ پر چار تجارتی کارخانے قائم ہوتے ہیں۔ ہر سال
اس کی آبادی میں ایک لاکھ کا اضافہ ہوتا ہے؛ یہاں ایک اسٹیشن ہے جہاں سے روزانہ آٹھ سو ٹرین
روانہ ہوتی ہیں (جن میں زمین دوز ریلیں بھی شامل ہیں) اور ۳۰ لاکھ آدمی ان میں روزانہ سفر کرتے ہیں
ہر منٹ پر یہاں کے بندرگاہ سے ایک اسٹیمر روانہ ہوتا ہے ۴۲۹۴۶۲۹ آدمی یہاں اجنبی ہیں۔ اصلی
باشندوں کی تعداد صرف ۱۱۶۴۳۸۴ ہے۔

سال گزشتہ ۲۶۰۰۰ آدمی ولایت متحدہ میں حوادث کے شکار ہوئے جن میں سے ۱۱۰۰۰

موٹروں سے کچل کر مرے اور ۲۷۶۹ ریل سے دب کر - ڈوبنے والوں کی تعداد ۶۰۶۶ ہے اور گیس سے دم گھٹ کر مرنے والوں کی ۳۶۱۸ - دوسرے آلات کے صدمہ سے ۲۶۶۰ مرے اور ۱۲۷۷ آگ کے نذر ہوئے۔

روس میں امریکہ کا مفت خبر | اس وقت روس میں لاکھوں آدمی قحط کی مصیبت سے مر رہے ہیں اور حکومت کے لئے انتظام کرنا دشوار ہو گیا ہے - امریکہ نے وہاں ایک مستقل انجمن قائم کر کے مصائب قحط دور کرنے میں بڑی کاوش سے کام لیا ہے - حال کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس انجمن نے وہاں پندرہ ہزار مطبخ قائم کئے ہیں جن سے ۸۵ لاکھ ۵۰ ہزار آدمیوں کو مفت کھانا دیا جاتا ہے اور علاوہ کھانے کے ۸۷۸۸۷ ٹن دودھ، شکر، تیل، اور دوائیں بھی تقسیم کی جاتی ہیں۔

اس وقت تک امریکہ کی حکومت، صلیب احمر اور مسیحی انجمنیں ساٹھ ملین ڈالر صرف کر چکی ہیں، کیا اسکے جواب میں ہندوستان کی خلافت کمیٹی، انگورہ فنڈ کی مجموعی تعداد کے اعلان کی جرأت کر سکتی ہے؟

انتقاد

ڈرامہ اکبر | شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد مرحوم نے ۱۸۸۵ء میں جہانگیر اور نور جہاں کی مفروضہ داستان عشق کو پیش نظر رکھ کر ایک ڈرامہ لکھنا شروع کیا تھا جو ناتمام رہا۔ اب آغا محمد طاہر صاحب نے اس ڈرامہ کو سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی سے مکمل کراکے کتابی صورت میں پیش کیا ہے۔ موجودہ ڈراما نویسی کے لحاظ سے یقیناً اس میں بہت سی خامیاں نظر آتی ہیں، لیکن جس وقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ کوشش اب سے تقریباً چالیس سال قبل کی ہے تو حضرت آزاد کی ذہانت کی داد دینی پڑتی ہے۔

آغا محمد طاہر صاحب اپنے جد بزرگوار کی تمام تصانیف کو شائع کرکے اس وقت اردو کی بیش بہا خدمت انجام دے رہے ہیں، یہ ڈرامہ چھوٹی تقطیع کے ۹۰ صفحات پر محیط ہے اور مجلد شائع کیا گیا ہے قیمت عہ ملنے کا پتہ آزاد بکڈپو لاہور ہے۔

خلافت الہیہ | تاریخ خلافت کا یہ دوسرا حصہ ہے جسے مولوی عبد الماجد بدایونی نے مرتب فرمایا ہے، اس حصہ میں فاضل مؤلف نے رسول اللہ کے واقعات و متعلقات زندگی کا استقصا کرکے تمام ضروری معلومات کو یکجا کر دیا ہے، ہم اس کتاب کو سیرت رسول تو نہیں کہہ سکتے، لیکن اس میں کلام نہیں کہ ایک سیرت نگار کے لئے اس میں بہت کچھ مواد مل سکتا ہے اور یہی مقصود مؤلف کا ہے۔ آخر کتاب میں اعتقادات و تعلیمات اسلام کے متعلق ۱۶۰ احادیث بھی درج کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت نے تعلیم اخلاق کس اسلوب سے پیش کی اور اسلام کس نصب العین کو لیکر دنیا میں رونما ہوا تھا۔ کتاب بہت مفید ہے اور ہر کتاب خانہ میں رکھنے کے قابل ہے طباعت و کتابت کے طرف بھی مخصوص توجہ سے کام لیا گیا ہے ضخامت ۲۲۸ صفحات قیمت عمار۔ یہ کتاب محمد مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت کوٹلہ میرٹھ سے مل سکتی ہے۔

مجموعہ کلام جوہر | رئیس الاحرار مولانا محمد علی کا مجموعہ کلام ہے جسے جامعہ ملیہ علیگڈھ نے نہایت اہتمام سے چھوٹی تقطیع پر شائع کیا ہے کلام جوہر ملک میں اس قدر مقبول ہو چکا ہے کہ اسکے متعلق الفاظ تعارف استعمال کرنا

تحصیل حاصل ہے۔ قیمت درج نہیں ہے۔

تاریخ القرآن | اس کتاب میں مولوی محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے تاریخی نقطۂ نظر سے کلامِ مجید پر فاضلانہ تبصرہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں بہت سے علمی مباحث بھی اختصار کے ساتھ درج کئے ہیں اس کتاب کی اشاعت اولیں اب سے تقریباً آٹھ سال قبل ہوئی تھی جب محمد اسلم صاحب کی تصنیف و تالیف کی ابتدا تھی، لیکن موضوع کی جدت نے اس کو اسی وقت مقبول بنا دیا دیا تھا اب اس قابل قدر کتاب کا یہ دوسرا اڈیشن ہے جو بہتر اسلوب و مفید تر معلومات کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

دیوانِ حسرت کا انگریزی ترجمہ | مترجمہ چودھری رحم علی ہاشمی بی اے، قیمت ایک روپیہ، ملنے کا پتہ بیگم حسرت موہانی، حسرت روڈ کانپور۔ کلام حسرت کی شہرت و مقبولیت یقیناً اس کی متقضی ہے کہ اس کا ترجمہ غیر زبانوں میں کیا جائے، اس لئے جناب رحیم علی صاحب کی یہ کوشش لائق ستایش ہے گو محتاج نظر ثانی ضرور ہے، وہ لوگ جو کلام حسرت کا انتخاب ٹائپ میں چھپا ہوا اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ مجموعہ خریدنا ضروری ہے۔

دعا | یہ اک ناول ہے جسے قاضی محمد محمود صاحب انصاری کسمنڈوی نے شائع کیا ہے۔ پلاٹ اچھا ہے اور زبان صاف ہے - یہ کتاب آٹھ آنہ میں مصنف سے مل سکتی ہے جو شمر اپ وٹیرنیری ہاسپٹل کے انچارج ہیں۔

تبلیغ | لاہور کا ماہوار رسالہ ہے جو غلام حیدر خاں صاحب کی اڈیٹری میں جمادی الاول ۱۳۴۱ھ سے جاری ہوا ہے، اس کا مقصد نہ صرف اس کے نام سے ظاہر ہے بلکہ اس کی ساری ترتیب اس کی شاہد ہے۔ ہندوستان میں یہ پہلا رسالہ ہے جو اس مقصد کو لیکر جاری ہوا ہے اور ہم یہ محسوس کر کے بے انتہا مسرور ہیں کہ غلام حیدر خاں صاحب اس کو مفید بنانے میں اپنی پوری مساعی صرف کر رہے ہیں، ضخامت ۴۸ صفحات قیمت چار روپیہ سالانہ۔

زیب النساء | ماہوار رسالہ ہے جو ایک خاتون کی اڈیٹری میں چھپرہ سے جاری ہوا ہے۔ دسمبر کا پرچہ ہمارے پیش نظر ہے اور اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصود وہ نہیں ہے جو عام طور پر زنانہ رسائل کا ہوتا ہے بلکہ اس میں زیادہ ترقی یافتہ خواتین سے خطاب کیا گیا ہے۔ قیمت

سالانہ چار روپیہ ضخامت ۲ جزو۔

تصوف اس رسالہ کا رسول نمبر جو ماہ نومبر میں شائع ہوا ہے بغرض ریویو ہمیں موصول ہوا۔ رسول نمبر نکالنے میں نظام المشائخ کو خاص ملکہ و شہرت حاصل ہو چکی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ محمد حفیظ اللہ صاحب قریشی نے بھی تصوف کا میلاد نبی مرتب کرنے میں بہت محنت کی ہے، مختلف حضرات کے مضامین درج ہیں اور سب میں ایجاز و اختصار سے کام لیا گیا ہے، تطویل بیجا جو دماغ کو پریشان کر دیتی ہے کسی مضمون میں نہیں پائی جاتی۔ پہلا مضمون جناب ابو الفضل عباسی کا اور چوتھا مقالہ جناب رمزی کا مخصوص طور پر قابل داد ہے، یہ رسالہ لاہور سے شائع ہوتا ہے اور قیمت دو روپیہ سالانہ ہے۔

رسالہ کلچھتریا یہ رسالہ سید فراز حسین صاحب بی۔اے (علیگ) کے جد امجد جناب یاض حسین صاحب کی کاوش و تحقیق کا نتیجہ ہے جس میں علاقہ کلچھتر کی ۱۶۴ تیرتھوں کا مفصل حال نہایت تاریخی صحت کے ساتھ درج ہے۔ اس موضوع پر یہ رسالہ بالکل نئی چیز ہے اور ہمیں یقین ہے کہ نہ صرف ہندو حضرات بلکہ تمام وہ لوگ جو تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں اس کا مطالعہ کریں گے۔ سید فراز حسین صاحب نے اس رسالہ کو مرتب کر کے ایک مختصر دیباچہ بھی شامل کیا ہے، ضخامت ۳ جزو قیمت ۴/

ملنے کا پتہ:۔ سید فراز حسین صاحب بی۔اے۔ کیتھل (کرنال)

جہانگیر و نور جہاں کے متعلق ایک تاریخی تحقیق۔ جناب بینی پرشاد صاحب ایم۔اے نے جو الہ آباد یونیورسٹی میں تاریخ ہند کے نائب پروفیسر ہیں۔ انڈین ہسٹاریکل ریکارڈس کمیشن کے چوتھے جلسہ میں جو گزشتہ جنوری کو بمقام دہلی منعقد ہوا تھا ایک مضمون پڑھا جسمیں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ جہانگیر کا عالم شہزادگی میں نور جہاں پر فریفتہ ہو جانا، اکبر کا یہ معلوم کر کے نور جہاں کا نکاح شیر افگن خاں سے کر دینا اور پھر جہانگیر کا شیر افگن کو صرف اس لئے قتل کر دینا کہ وہ نور جہاں کو حاصل کر سکے، بالکل خلاف واقعہ ہے، اور اس لئے نور جہاں اس الزام سے بری ہے کہ اس نے اپنے شوہر کے قاتل سے تعلق ازدواج پسند کیا۔

ہرچند نور جہاں اور جہانگیر کی زندگی کو ان واقعات سے معرا خیال کرنا جہان شاعری کو نہایت دلچسپ تاریخی رومان سے محروم کر دینا ہے۔ لیکن ایک مورخ کو جو دنیائے تصنیف میں نہایت ہی بے رحم چیز ہے اس کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔

وہ حضرات جنہوں نے تاریخ ہند کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا ہے اس سے بے خبر نہیں ہیں کہ نورجہاں اور جہانگیر کے متعلق عام طور سے جو فسانہ بیان کیا جاتا ہے وہ اتنا ہی غلط ہے جتنا علاؤالدین اور پدمنی کا۔

اس نوع کے افسانوں کا ماخذ صرف متاخرین کی کتابیں ہیں جن میں تحقیق واقعات کو کم اور شاعری کو زیادہ دخل ہے۔ اسلئے یقیناً پروفیسر موصوف قابل شکریہ ہیں کہ انہوں نے اک ایسی تاریخی غلطی کو رفع کیا جسمیں عام طور سے لوگ مبتلا تھے۔

طریق استدلال بالکل قطعی ہے۔ اور اصول تاریخ نویسی کے لحاظ سے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں اُن سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ہم جناب بینی پرشاد صاحب کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ہمارے پاس اس مضمون کی ایک مطبوعہ کاپی بھیجکر مطالعہ کا موقع دیا۔

چندن | مجموعہ ہے جناب سدرشن کے افسانوں کا جسے رام کٹھیا بک ڈپو نے خوبصورت تقطیع پر اچھی طباعت وکتابت کے ساتھ لاہور سے شائع کیا ہے

سدرشن، ہندوستان کے ان چند مخصوص فسانہ نگاروں میں سے ہیں جنھوں نے اس فن کو اپنا بنالیا ہے اور مشکل سے کوئی شخص ان سے بہتر لکھنے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ جرائد و رسائل کے دیکھنے والے جناب سدرشن سے اچھی طرح واقف ہیں اور اُن کی کہانیوں کو صد درجہ دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اردو میں یہ فن بالکل ابتدائی حالت میں ہے لیکن یہ دیکھ کر کہ ابھی سے ہمیں سدرشن ایسے لکھنے والے پیدا ہو گئے ہیں، ہمیں توقع ہوتی ہے کہ بہت جلد اردو زبان کی افسانہ نگاری اسی معیار پر آجائے گی جو یورپ کے لئے اس قدر مایۂ ناز ہے۔

اس کتاب میں جس قدر افسانے درج ہیں وہ تقریباً سب کے سب اس سے قبل مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں، لیکن سخت ضرورت تھی کہ ان کو یکجا کر کے، اس انتشار کو جمعیت میں تبدیل کر دیا جاتا

یہ کتاب مجلد شائع ہوئی ہے اور عہ میں رام کٹیا بک ڈپو سے مل سکتی ہے۔

فغان مسلم | مسدس ہے جناب عبدالحکیم خاں صاحب نشتر جالندھری کا جو چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحات پر شائع ہوا ہے۔ اس نظم کا موضوع لوگوں کے دلوں میں حب وطن اور جوش مذہب کے جذبات عالیہ

پیدا کرنا ہے اور حقیقت سے انکار ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ اس نظم سے یہ مقصود پورا نہیں ہوتا۔

جناب بشتر جالندھری پنجاب کے مشہور اہل قلم لوگوں میں سے ہیں اور انکا ذوق شعری یقیناً قابل ستائش ہے کہ انہوں نے گل و بلبل کے فرسودہ مضامین سے جدا ہو کر قومیات کو اپنے خیال کا جولانگاہ بنایا۔

یہ مسدس، نظم ہونے کے لحاظ سے بھی خوب ہے اور شاعرانہ دردمندانہ جذبات کی مکمل تصویر۔ قیمت ۱؍ ملنے کا پتہ :۔ اس کے ۔عزیز کمپنی شیرانوالہ گیٹ لاہور۔

آزاد بک ڈپو کا کیلنڈر | آغا محمد طاہر صاحب نبیرۂ حضرت آزاد نے ۱۹۲۳ء کا ایک کیلنڈر بڑی تقطیع پر طیار کیا ہے جسکے وسط میں حضرت آزاد کی تصویر اور تصویر کے چاروں طرف اُن کی تصانیف کی مکمل فہرست ہے۔ کیلنڈر خوشنما ہے اور چھ آنہ مصارف ڈاک بھیجنے سے مل سکتا ہے، آزاد بک ڈپو اکبری منڈی لاہور سے خط و کتابت کی جائے۔

مخزن حکمت اسپان | مصنفہ سید محمد شاہ صاحب انسپکٹر ویٹرنیری ڈیپارٹمنٹ قیمت عہ ضخامت ۲۹۴ صفحات مصنف نے اس میں گھوڑوں کے عیب و صواب، طریق تربیت و امراض و علاج وغیرہ کے متعلق نہایت عمدہ اصول بتائے ہیں، وہ لوگ جنھیں گھوڑوں سے دلچسپی ہے اُن کے لئے یہ کتاب اک نعمت ہے۔ مصنف سے اٹاوہ کے پتہ پر مل سکتی ہے۔

جواب طلب امور کیلئے

ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنے سے آپ ہمارے مصارف میں بہت کچھ کمی کر سکتے ہیں اسی طرح نمبر خریداری لکھنے سے بھی ہمارے کام میں بہت سہولت پیدا ہو سکتی ہے۔

منیجر نگار، بھوپال

انوار محمدیہ مجلد ۱؍ غیر مجلد ۱۲؍ تفسیر سورہ فاتحہ مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ۱۲؍ میلاد النبی ۲؍ شہدائے ثلاثہ مسٹر حسین صاحب قدوائی ۲؍ قرآن اور جنگ مولوی صدرالدین صاحب ۱۲؍ سیرت النبوی ۵؍

تصانیف علیا حضرۃ بیگم صاحبہ فرمانروائے بھوپال

معیشت ـ امور خانہ داری اور تدبیر منزلی پر نہایت سلیس زبان میں ایک مفصل بحث ہے ۴۵۶ صفحہ قیمت عہ ـ

معاشرت ـ معیشت کا دوسرا جزو ـ جس میں معاشرت پر بہت تفصیل سے بحث کیگئی ہے اور قریب قریب زندگی کی ہر فرد پر حاوی ہے ۲۹۲

ہدیۃ الزوجین ـ میاں بیوی کے حقوق اور اُن کے فرائض و اختیارات پر مبسوط بحث قیمت ۸ر

مقصد ازدواج ـ ازدواج کی ضروری ہدائتیں اور متاہل دونوں نوع کی زندگی کیلئے اور غیر متاہل کار آمد و مفید قیمت ۸ر

ہدایات تیمار داری ـ اُردو زبان میں اس فن پر یہ پہلی تصنیف ہے جس میں بیمار کی حفاظت اور تیماردار کے طریقے نہایت عمدہ پیرایہ میں

تربیت اطفال ـ یہ موضوع عورتوں کیلئے جسقدر اہم ہے اوسیقدر واضح یہ تصنیف ہے اور ہر صاحب اولاد ماں باپ کو دیکھنا چاہئے قیمت ۸ر

حفظ صحت ـ حفظان صحت کے اصول کو نہایت آسان اور عام فہم زبان میں سمجھایا گیا ہے ـ قیمت ۳؍

بچوں کی پرورش ـ ہندوستان کی اُن ماؤں کے لئے جو اپنے بچوں کو توانا و تندرست دیکھنا چاہتی ہیں اس کتاب کا دیکھنا ضروری ہے قیمت عہ ـ

ہندوستانی گھروں میں تیمار داری ـ انڈین ہوم نرسنگ کا ترجمہ ہے جس میں تیمار داری کے تمام کار آمد اور ضروری طریقے بتائے ہیں قیمت عہ

تندرستی ـ جس طرح زندگی بغیر تندرستی کے بیکار ہے اوسیطرح تندرستی کا قیام ایسی کتابوں کے دیکھنے سے ہوتا ہے قیمت عہ ـ

سبیل الجنان ـ مذہبی تقریروں کا مجموعہ ہے جس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، پر مدلل اور مفصل بحث ہے قیمت ۱۲؍ ـ

عفت المسلمات ـ پردہ جو موجودہ زمانہ میں ایک دلچسپ اور موضوع بحث ہے ـ اسپر مفصل تبصرہ اور محتم فیصلہ عمدہ زبان میں لکھا گیا ہے

مدارج القرآن ـ قرآن مجید کے متعلق بچوں عورتوں اور عام لوگوں کے لئے ضروری اور کار آمد معلومات درج ہیں ـ قیمت ۱۲؍ ـ

سیرت مصطفےٰ ـ لیڈیز کلب میں اس موضوع پر جسقدر تقریریں ہوئی ہیں ان سب کو اسمیں جمع کر دیا گیا ہے قیمت عہ

باغ عجیب ـ اول، دوم، سوم، تین حصہ ہیں اور قیمت ۸ر ـ ۱۲؍ ـ ۴ر ہے ان میں بچوں کو محاسن اخلاق کی تعلیم دیگئی ہے

اخلاقی سلسلہ ـ اس سلسلہ کے اول، دوم، سوم، چہارم چار حصے ہیں اور ایک پانچواں حصہ مہذب زندگی کے نام سے موسوم ہے ـ

سلک شہوار ـ مسائل نسواں پر تمام تقریروں کا مجموعہ ہے اور اپنے انداز بیان کے اعتبار سے نہایت دلچسپ ـ عہ

تہذیب نسواں ـ یہ نواب شاہجہان بیگم صاحبہ خلد مکان کی تالیف ہے جسکو حضور سرکار عالیہ نے بہ نظر ثانی فرما کر بہت کار آمد و مفید اضافہ فرمائے ہیں قیمت ۱۲؍

تصانیف علیا جناب میمونہ سلطان شاہ بانو

آغاز اسلام ـ علامہ شبلی مرحوم کی کتاب بدء الاسلام کا نہایت نفیس و سلیس ترجمہ قیمت ۸ر

ذکر مبارک ـ تاریخ اسلام کا پہلا حصہ ہے، جسکی خوبی اس سے ظاہر ہے کہ علیگڈھ اور حیدر آباد و بھوپال میں زنانہ کورس میں داخل ہے ـ قیمت ۵ر

خلافت راشدہ ـ تاریخ اسلام کا دوسرا حصہ ہے جس میں خلافت کے تمام اہم واقعات درج ہیں زبان عام فہم و عمدہ ہے

سلک مروارید ـ اول دوم دو حصہ ہیں اور قیمت ۱۲؍ اور ۲؍ اکابر اسلام کی تاریخی حکایات جمع کیگئی ہیں بچوں کی اخلاقی تعلیم کے لئے کار آمد ـ

شیر مادر

[illegible] کی شکایت ہو کہ وہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ماں باپ کی بے احتیاطیوں کے [illegible] [illegible] سے دل دھڑکنے لگے اور دودھ پلانے لگے۔ آخر میں عورت کو [illegible] چھوڑنے سے رحم میں [illegible] اور دودھ میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ [illegible] کمزور اور [illegible] بچہ ناتواں ہو جاتا ہے۔ کھانسی، بخار، دست [illegible] شروع ہو جاتے ہیں آنکھوں سے [illegible] رال جاری ہے۔ ماں سمجھتی ہے کہ بچے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح رفتہ رفتہ سوکھا لگ جاتا ہے۔ ایک زمانہ [illegible] اور پسلی کے مرض [illegible] آئے۔ سینہ اور پیٹ دھکنے لگا۔ والدین کی بڑی دوڑ دھوپ کہ [illegible] [illegible] خیال باندھ لیا کہ بچے یوں ہی پلا کرتے ہیں۔ نہیں بچوں کو بڑوں سے بہت زیادہ احتیاط اور خدمت کی ضرورت ہے۔ [illegible] برس تک [illegible] کرتے ہیں یا ایک نہایت آسان طریقہ پرورش ہم بتا دیتے ہیں **احسان حسینی** کا شیر مادر استعمال کیجئے پھر چاہے کیجئے قدرت اور تربیت دونوں ملکہ بچے کی پرورش آپ کر لیں گے۔ اکثر [illegible] ثابت ہوا ہے۔ پسلی کا چلنا [illegible] کی بیماری، سوکھا لگ جانا، مسان، معمولی کھانسی، قبض، بدہضمی، اپھارا، پیٹ کا درد، دستوں کا آنا، مروڑ، کلیجی کا [illegible] بچے دودھ ڈالنا، ہر وقت روتے رہنا، آنکھیں دکھنا، کان کا درد، ہر قسم کا بخار اور بیماری [illegible] استعمال کر سکتے ہیں قیمت فی شیشی [illegible]

قوبا

ستایا داد نے ہے شکوۂ بیداد کیا کیجے ◆ کہیں قوبا نہیں مٹتا نہیں اُستاد کیا کیجے

داد بھی [illegible] طرح جلدی بیماری ہے اور دیمک کی طرح اندر ہی اندر پھیلتا جاتا ہے اگر [illegible] جسم [illegible] اور [illegible] جیسے [illegible] پھنسیاں ہو جاتی ہیں (قوبا) اس کے لئے [illegible] دوا کو چند بار لگانے [illegible] کی طرح [illegible] جلد [illegible] صاف کر [illegible] شاید قوبا [illegible] زیادہ اس مرض کی کوئی اور دوا [illegible] ترکیب استعمال ہر شیشی کے ہمراہ ہوگی خوبی یہ ہے کہ اس کو کوئی [illegible] [illegible] قیمت فی شیشی [illegible] ۸ / ۳ [illegible]

بیسویں صدی کی ایک نئی ایجاد

[illegible]

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کی مجرب آزمودہ دوائیں

چالیس سال سے تمام ہندستان میں مشہور ہو رہی ہیں

دوا زندگی ہی کیا

جس سے ایک دوسرے کو فائدہ نہ پہنچ سکے اسی خیال کو مد نظر رکھکر دوائیں بنی ہیں اور باوجود انمول فائدہ کے سستی بکتی ہیں

نام دوا معہ قیمت

اصلی عرق کافور ہیضہ کے لئے اکسیری دوا ہے قیمت ۱۶/

دھتورہ کی دوا۔ اکسیری خوراک میں دمہ کو مار بھگاتا ہے قیمت ۱۴/

گھوڑے کی گولیاں۔ چاہ گرین کی ۵۰ گولیاں قیمت ۱۴/

کمزوری کا دشمن قیمت ۱۴/

فصلی بخار و ملیریا کی دوا۔ چار پانچ ہی خوراک میں بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے قیمت بڑی شیشی گلاں ۱۴ خورد ۸/

مقوی اعضا کی گولیاں۔ جیسا نام ویسا فائدہ قیمت ۱۴/

درد سر، اندرونی و بیرونی درد کی دوا قیمت ۱۴/

صاف خون۔ خون صاف کرنے کی دوا قیمت ۱

خونی بواسیر، خون بند کرنے کی دوا قیمت ۱۴/

پیشاب کے سوزاک کی دوا۔ پچھانے سے پتا سوزاک ایک ہفتہ میں آرام ہوتا ہے۔ قیمت ۲/

بچھو کاٹے کی دوا۔ بچھو کے زہر کو نکالنے کو قیمت ۲/

دانت کے درد کی دوا۔ لگاتے ہی درد بند ہوتا ہے قیمت ۱۶/

سر کے درد کے لئے نہایت اکسیر قیمت ۱۱۲/

جلاب کی گولیاں۔ آسانی سے پیٹ صاف کرتی ہیں قیمت ۱۹/

[illegible] قیمت ۱۶/

[illegible] قیمت ۱۶/

[illegible] قیمت ۱۰/

[illegible] قیمت ۱۴/

[illegible] قیمت ۱۴/

[illegible] ۱۶/

نام دوا معہ قیمت

زخم کا مرہم۔ ہر قسم کے زخم کے لئے مفید ہے قیمت ۱۰/

لال شربت۔ ایک شیشی پینے سے لال ہو جاتے ہیں قیمت ۸/

خارش کھجلی کی دوا۔ ہر قسم کے جلدی امراض کے لئے مفید ہے قیمت ۱۴/

امراض مستورات کی دوا۔ حیض کی خرابی کے لئے مفید ہے قیمت ۱۴/

عرق پودینہ۔ یہ پودینہ کی ہری پتیوں سے بنا ہے پیٹ کی بیماریوں کے لئے مفید ہے قیمت ۱۴/

نمونہ ۵ بکس۔ اس میں ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن کی پانچ مشہور دوائیں ہوتی ہیں قیمت ۲/

شہرہ سینٹ۔ یہ خوشبوؤں کا بادشاہ ہے قیمت ۱۴/

کسراج تیل۔ یہ تیلوں کا سرتاج ہے دیسی اور ولایتی خوشبوؤں کی آمیزش سے بنایا گیا ہے خوشبو کے علاوہ دماغ کے لئے نہایت درجہ مفید ہے۔ قیمت ۱/

رینل بک جمہوری۔ زخم چوٹ ہر ایک کیلئے رنگی دوا ہے قیمت ۱۰/

بگہ رنگ۔ یہ سونے کا کشتہ ساتھ ہی خوراک میں آدمی کو اپنے رنگ پر لے آتا ہے قیمت ۷ خوراک ۸/

آلوکا۔ لطیف رقیق الت یہ بنگالے کا خاص تحفہ ہے کسی حسین معشوق کے گورے گورے پیروں پر لگائیے اگر جی لوٹ پوٹ نہ ہو جائے تو ہمارا ذمہ قیمت ۸/

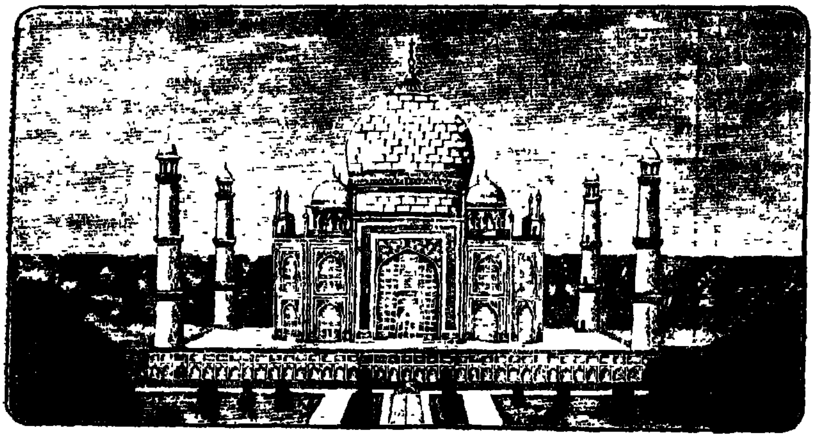
انگریزی، ہندی، اور اردو میں ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن کی خاص فہرست سے ولایت کے ایک نامی کارخانے سے چھپا ہے اور بخار بھگانے کی لکیر بہت صاف ہے قیمت فی تصویر ۱ پیسہ ہے

ڈاکٹر ایس۔ کے برمن نمبر ۵ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

[illegible] ہر جگہ ملتا ہے [illegible]

ہماری دوائیں ہر جگہ کے دوا فروشوں کے پاس بھی ملتی ہیں

[illegible]



نگار

مجلہ علمیہ و ادبیہ

رئیس التحریر

نیاز فتحپوری

لالہ رخ کتابی صورت میں

جناب لطیف کا افسانہ (جو لالہ رخ کے عنوان سے نگار میں شائع ہوا ہے) اسقدر مقبول ہوا ہے کہ ہم اُسے جداگانہ کتابی صورت میں شائع کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ بارہ اور پندرہ کے درمیان ہاف ٹون تصاویر (جسمیں ایک رنگین تصویر ہوگی) اعلیٰ قسم کے کاغذ پر اور بہترین جلد کے ساتھ یہ کتاب پبلک کے سامنے پیش کی جائے گی اس اہتمام کے ساتھ جو مصارف ہوں گے اُن کے باعث اس اشاعت کی مقدار محدود ہوگی اسلئے شائقین مخصوص خریداران نگار سے استدعا ہے کہ وہ اپنا نام درج رجسٹر کرالیں تاکہ وہ سب سے پہلے اس کے مستحق سمجھے جائیں۔

(منیجر)

زیب النسا بیگم کی تصویر

یہ تصویر صنعت و تاریخ کا ایک نادر نمونہ ہے اور یقیناً ایک کمرے کی زیبائش کا حسین موضوع۔ آپ کے شوق کی رعایت سے ہم نے اس تصویر کو جداگانہ فراہم کرنے کا انتظام کیا ہے اور ڈبل کٹ مونٹ کے ساتھ حاضر کیجا سکتی ہے قیمت بارہ آنہ (۱۲؍) ہے

منیجر نگار (بھوپال)

اُجرت نامۂ اشتہار رسالہ نگار

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
۱۲	۶۰؍	۳۵؍	۲۰؍
۶	۳۵؍	۲۰؍	۱۲؍۸
۳	۲۰؍	۱۵؍	۱۰؍
۱	۱۰؍	۵؍	۳؍
اُجرت اشتہار پیشگی لی جائیگی	معاہدہ اشتہار منسوخ نہیں ہوسکتا	مدت معینہ کے اندر مضمون اشتہار بدل سکتا ہے	کسی اشتہار کا چربہ منظور نہیں کیا جائیگا

نوٹ۔ ٹائیٹل کے اشتہارات کی اُجرت نرخنامہ سے ۲۵ فیصدی زائد ہوگی۔

خضاب مقناطیسی

ہندوستان کا سب سے بہتر، سب سے ارزاں اور مُضر اشیاء کی آمیزش سے پاک جو ۵ منٹ میں بالوں کو سیاہ کرکے پہلے سے زیادہ نرم بنا دیتا ہے اور جلد پر دھبّہ نہیں ڈالتا۔ تین قسم کا

(۱) تیل کی صورت میں نہایت خوشبودار قیمت عہ؍

(۲) سفوف کی صورت میں سفر کے قابل " ۱۲؍

(۳) عرق کی دو شیشیوں کی صورت میں " ۶؍

تینوں قسموں کا اثر یکساں ہوتا ہے اور کم ازکم دو ماہ کے لئے کافی ہوتی ہے۔ (ایجنٹوں کے لئے خاص رعایت۔ شرائط ایجنسی طلب کیجئے)

حکیم قمر الحسن۔ نور محل۔ بھوپال

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

مجلد ۳ | مارچ ۱۹۲۳ء | قیمت سالانہ پیشگی ۵ر
شمارہ ۳ | | قیمت ایک پرچہ ۸ر

فہرست مضامین

ملاحظات

(۱) جس وقت نگار کا دفتر آگرہ سے بھوپال منتقل کیا گیا، اُسی وقت یہ انتظام بھی پیش نظر تھا کہ فروری اور مارچ دونوں نمبروں کی کتابت ساتھ شروع کرا دی جائیگی تاکہ رسالہ وقت پر آجائے، چنانچہ فروری کی کتابت بھوپال میں شروع کی گئی اور مارچ کا رسالہ جامعۂ ملیہ پریس (علیگڈھ) کو دیا گیا تاکہ وسط مارچ تک وہ بھی شائع ہو سکے۔

فروری کی کتابت ۲۸ر مارچ کو ختم ہوئی اور یکم مارچ کو رسالہ آگرہ بھیجدیا گیا اس امید کے ساتھ کہ زیادہ سے زیادہ ۱۲ر مارچ تک شائع ہو جائیگا لیکن میری تکلیف کی کوئی انتہا نہ تھی جب ۱۲ر مارچ کو معلوم ہوا کہ پریس کی مشین بگڑ گئی ہے اور پرچہ ابھی تک نہیں چھپ سکا اور آج بھی کہ مارچ کی ۱۸ر تاریخ ہے مجھے نہیں معلوم کہ فروری کا رسالہ کب تک شائع ہوگا۔

آپ یہ نہ خیال کیجئے کہ اس واقعہ سے میری تکلیف کی انتہا ہو چکی تھی اور اب اسمیں کسی اضافہ کی گنجائش نہ تھی، کیونکہ اسکے بعد ہی اس سے زیادہ روح فرسا خبر یہ ملی کہ جامعہ ملیہ کے کاتبوں نے ہڑتال کر دی ہے۔ اور مارچ کا نگار ۸ صفحے سے زیادہ نہیں لکھا جا سکا۔

سال کی ابتدا، انتقال دفتر کے وجہ سے تمام کاغذات کی ترتیب جدید کا بار فروری کے رسالہ کے لئے تقاضہ کے خطوط کا انبار، اسی حال میں آگرہ کی مشین کا بگڑ جانا، علی گڈھ کے کاتبوں کا جواب دیدینا اور پھر اسی کے ساتھ اپریل کے رسالہ کی تہذیب کا انہماک۔ آپ کیا پوچھتے ہیں کہ میں کس نوع کے عذاب میں مبتلا تھا۔ آخر کار میں نے علیگڈھ سے مارچ کا مسودہ طلب کیا اور پانچ کاتبوں کو اس کے اجزا تقسیم کر دیے کہ کسی صورت سے ۲۰ر مارچ تک کتابت ختم ہو جائے سو بحمد للہ میں اس میں کامیاب ہوا اور قوی امید ہے کہ مارچ اور اپریل کے رسالے ساتھ ساتھ شائع ہو سکیں گے اگر پریس پر کوئی آفت ناگہاں نازل نہ ہوگئی۔ من کردہ ام آغاز بہ پایاں کہ رساند۔

(۲) اس اشاعت کا دوسرا مضمون پروفیسر گھوشال کا ہے، جو انگریزی میں مخصوص ممتاز قابلیت رکھنے کے ساتھ ہی اردو زبان سے بھی بہت شغف رکھتے ہیں۔

(۳) "صبح شباب" ایک طویل فسانہ ہے جو متعدد اشاعتوں میں پورا ہو سکیگا۔ ہم مولوی وحید الدین صاحب کے ممنون ہیں کہ انھوں نے یہ افسانہ نگار کو دیکر حق ہمسائگی ادا کیا +

(اڈیٹر)

ماہنامہ

نگار

مجلد ۳　　　مارچ ۱۹۲۳ء　　　قیمت سالانہ پیشگی صہ
شمار ۳　　　　　　　　　　قیمت ایک پرچہ ۸ر

جمال پاشا کی نوٹ بک کا ایک ورق

علی احمد شکری جو ترکی کے مشہور صحافی ہیں، جمال پاشا مرحوم کی نوٹ بک کو (جو سیاسی مسائل پر بہترین افکار کا مجموعہ ہے) ترکی سے عربی زبان میں منتقل کر رہے ہیں - ابھی تک یہ ترجمہ شائع نہیں ہوا ہے، لیکن الہلال مصری نے اس کا ایک حصہ جو ترکی و جرمن اتحاد سے متعلق ہے، حاصل کرکے شائع کیا ہے -

چونکہ جمال پاشا ترکی کے اکابر رجال میں سے تھے اور سلطنت عثمانیہ کی موجودہ سیاسی تاریخ کے متعلق ان سے بہتر صائب الرائے اور کوئی نہیں ہو سکتا اس لئے یقین ہے کہ ناظرین نگار اسے دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے اور اسی کے ساتھ طلعت پاشا کے اس بیان کو بھی پیش نظر رکھیں گے جو جون ۲۲ء کے نگار میں شائع ہو چکا ہے -

ایڈیٹر

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ترکی اور جرمنی کے درمیان مخالفت اتحاد دوران جنگ میں ہوئی لیکن یہ صحیح نہیں ہے - یہ صحیح ہے کہ اس کی باضابطہ تکمیل ۲ر اگست ۱۹۱۴ء کو ہوئی لیکن تمام معاملات جنگ سے بہت پہلے طے پا چکے تھے -

مجھے آستانہ آئے ہوئے کچھ زمانہ گزر گیا تھا کہ ایک دن طلعت پاشا نے مجھ سے سوال کیا:۔

"اے پاشا، تمھاری کیا رائے ہے اگر ہمارے اور جرمنی کے درمیان فلاں فلاں شرائط پر عقد مخالفت و اتحاد قائم ہو جائے تمھیں معلوم ہے کہ فرانس سے ہمیں کسی حسن سلوک کی توقع نہیں ہے اور اس نے ہمیں بالکل مایوس کر دیا ہے۔ پھر کیا ایسی صورت میں تم جرمنی سے بھی انکار کر دوگے"۔

میں:۔ ایسے تحالف و اتحاد کی مخالفت میں کیونکر کر سکتا ہوں، جو سلطنت ترکی کو اس کی موجودہ حالت انحطاط سے نکالنے والا ہو"

اسی اثنا، میں عید وطنی کے موقع پر جب ۲۳ جولائی کو فوج کا ریویو ہو رہا تھا جرمنی کا سفیر وان انجنہم میرے پاس آیا اور بولا "جمال پاشا، دیکھتے ہو کہ ہمارے افسروں نے چند دنوں میں کیسے حیرت ناک نتائج پیش کئے؟ اب تمھارے پاس وہ ترکی فوج ہے جو دنیا کی بہترین فوج کے دوش بدوش کھڑی کی جا سکتی ہے اور جرمن کے تمام افسروں کا اس پر اتفاق ہے کہ اخلاقی شجاعت تو ترکی سپاہی کا حصہ ہے جس کا ثبوت توقع سے زیادہ ہمیں بارہا مل چکا ہے۔ اگر ہم اپنے تئیں ایسی حکومت کا حلیف کہہ سکیں جس کی فوج ایسی ہے تو ہماری نصرت و کامیابی میں کس کو شک ہو سکتا ہے"۔

. . . .

چند دن بعد میں اپنے مکان کے سامنے موٹر پر سوار ہو رہا تھا کہ شیشلی کی طرف میں نے ایک اور موٹر جاتا ہوا دیکھا جس میں انور پاشا، طلعت پاشا اور خلیل بک بیٹھے ہوئے تھے یہ موٹر حدیقہ عثمان بک کے گرد ہوتا ہوا اس سڑک پر چلا گیا جو انور پاشا کی جائے قیام کیطرف جاتی ہے۔ یہ موٹر اس وقت ماسلوک کی طرف سے آ رہا تھا۔ مجھے سخت حیرت ہوئی کہ اسوقت ان لوگوں کا صدر اعظم کی طرف سے آنا کیا معنی رکھتا ہے۔ شاید یہ لوگ کسی ایسی تدبیر میں مصروف ہیں جسے مجھ سے چھپانا چاہتے ہیں جب میں اپنے مکان واپس آیا، تو میں نے ٹیلیفون پر انور پاشا سے دریافت کیا کہ "ایسے ناوقت کہاں گئے تھے؟"۔ انھوں نے جواب دیا کہ "صدر اعظم کے پاس وقت کاٹنے چلا گیا تھا وہاں طلعت پاشا اور خلیل بک سے بھی ملاقات ہو گئی اور پھر ہم سب ساتھ واپس آئے"۔ اس جواب نے میرے شکوک کو اور قوی کر دیا۔

دوسرے دن بعد ظہر مجلس وزراء میں مجھے طلب کیا گیا جسے صدر اعظم نے اپنے قصر میں منعقد کیا تھا - میں کوشک ایا پاشا تک پہونچا تھا کہ نہایت تیز بارش شروع ہوگئی اور ایسی تیز ہوا چلنے لگی کہ میرے لئے موٹر پر آگے جانا دشوار ہوگیا - ایسی آندھی آستانہ میں مدت سے نہیں آئی تھی - میں وزارت بحریہ کی طرف لوٹ آیا اور یہاں سے دخانی کشتی میں بیٹھ کر ینی کوئی پہونچا -

صدر اعظم نے مجھے دیکھ کر کہا "جمال پاشا، تم کہاں تھے، ہم لوگوں نے تمہارا انتظار بڑی دیر تک کیا - ابھی ابھی تمام وزراء اُٹھ کر گئے ہیں - جب ہمیں معلوم ہوا کہ تم اپنے گھر سے چل دیے ہو تو اندیشہ ہوا کہ مبادا آندھی کی وجہ سے کوئی حادثہ پیش آگیا ہو - خیر، اب میں تمہیں ایک خبر سناتا ہوں جس سے یقیناً تمہیں سخت تعجب ہوگا - کیا تم قیاس کر سکتے ہو کہ وہ خبر کیا ہوسکتی ہے ؟"

میں نے ذرا تامل کے بعد جواب دیا کہ "وہ کوئی ایسی بات ہے جس کو انور پاشا، خلیل بے اور آپ نے میری عدم موجودگی میں باہم ملکر طے کیا ہے - مجھے اس کا علم کیا ہو سکتا ہے"

صدر اعظم :- "حکومت جرمنی نے ہمارے سامنے شرائط معاہدہ پیش کیں تھیں اور چونکہ وہ ہمارے وطنی مصالح کے مطابق تھیں اس لئے آج ہم نے جرمنی کے سفیر وان وانجنہم کے ساتھ معاہدہ اتحاد کو منظور کر لیا ہے - کیا تم اس سے متفق ہو ؟" اس غیر متوقع خبر کو سنکر میرے حواس مضطرب ہو گئے، لیکن میں نے جواب دیا کہ "جب شرائط معاہدہ مصالح وطن کے موافق ہیں، تو کیا حرج ہے"

صدر اعظم :- "اس معاہدہ میں طرفین کے مصالح موجود ہیں اور وہ ایسے حقوق پر مشتمل ہے کہ کسی حکومت سے اس کی توقع نہیں ہوسکتی تھی"

یہ کہکر صدر اعظم اپنے دفتر میں گئے اور وہاں سے وہ معاہدہ نکال لائے جس میں سب سے شرائط درج تھے - میں نے اس کو پڑھا اور معلوم کیا کہ واقعی شرائط معاہدہ میں تمام حقوق کے اندر مساوات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے میں نے پوچھا کہ اسٹریا کی رائے ہے ؟

صدر اعظم :- وزراء کے اُٹھ جانے کے بعد اور تمہارے آنے سے نصف گھنٹہ قبل آسٹریا کے سفیر بالاویسنی کی تحریر میرے پاس آئی کہ اسکی حکومت کلیتہً اس معاہدہ سے اتفاق کرتی ہے -"

جب میں نے دریافت کیا کہ "اطالیہ کیا کہتا ہے" تو صدر اعظم نے جواب دیا کہ "اس کا

تو ابھی معلوم نہیں ہو لیکن بہرحال اسکا بھی آسٹریا کیطرح متفق ہو جانا یقینی ہے اسکے بعد میں نے سوال کیا کہ اسوقت تک مجھ سے یہ معاملات کیوں چھپائے گئے، درانحالیکہ عرصہ سے یہ صورت پیش نظر ہو گی۔"

صدر اعظم :- "خود میں نے اپنی ذات سے یہ معاملات طے کئے ہیں اور میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ جب تک کوئی صورت پیدا نہ ہو جائے کسی کو اطلاع دوں، چنانچہ آج تک کسی وزیر کو اسکی خبر نہ تھی جاوید کو اب تک خبر نہیں میں نے انہیں بلایا ہے جب آجائیں گے تو بیان کرونگا" میں نے پوچھا کہ "کیا تمام وزراء کو اس کی خبر ہو گئی ہے"۔ صدر اعظم نے اس کا جواب دیا کہ "بعض وزراء ایسے ہیں، جنھیں یہ خبر زیادہ مضطرب کر دی گی اور ممکن ہے کہ وہ اس راز کے امین ثابت نہ ہوں اسلئے میں نے صرف شیخ الاسلام، خلیل، طلعت، جاوید، انور، اور تمھارے سوا کس سے نہیں کہا- اب بتاؤ کہ تمھاری رائے کیا ہے؟" میں نے جواب دیا کہ "دعا مانگتا ہوں کہ جو کچھ ہو چکا ہے خدا اس میں ہمارے وطن کی مصلحت اور بھلائی کے اسباب پیدا کرے۔"

. . . .

واقعہ یہ ہے کہ اس خبر نے مجھے اس درجہ مضطرب بنا دیا کہ میں نے رات کو کھانا بھی نہیں کھایا اور سیاست عامہ پر غور کر کے کسی نتیجہ تک پہونچنے کی کوشش کرتا رہا-

اس میں شک نہیں کہ تمام اسباب ایسے فراہم ہو گئے تھے کہ اتحادیین (فرانس، برطانیہ، روس) اور ائتلافیین (جرمنی، آسٹریا، اطالیہ) کے درمیان تصادم ہو جائے، پھر ہمارے لئے اپنی آزادی قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ ان میں سے کسی ایک سے مل جائیں جو زیادہ بہتر شرائط ہمارے سامنے پیش کرے - پھر اب سوال یہ تھا کہ کس کے ساتھ ملنا چاہئے اور وہ کون فریق ہے جو ہماری آرزوں کا ساتھ دیسکتا ہے- اور کیا یہ ممکن ہے کہ اگر ہم اعلان حرب کے وقت تک اور انتظار کریں تو دوسرا فریق اس سے زیادہ بہتر شرائط ہمارے سامنے پیش کرے - یہ یقینی ہے کہ جرمنی کا میلان ہماری طرف مجبوری سے ہے اس کا مقصود حقیقتاً عملی طریقہ سے ہماری اعانت کرنا نہیں ہے بلکہ صرف اس امر کی کوشش کرنا ہے کہ ہم فرانس سے تعلقات اتحاد نہ پیدا کر سکیں - پھر جرمنی اور آسٹریا کا ایسی قربانی کرنا کہ حکومت عثمانیہ کو وہ اپنے برابر کا حلیف قرار دے، کسی طرح میری سمجھ میں نہیں آتا تھا-

نہایت غور کے بعد میں جس نتیجہ پر پہونچا یہ تھا :-

" اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ روس سلطنت عثمانیہ کا قدیم دشمن ہے اور قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کی تمنا اک زمانہ سے اپنے دل میں لئے ہوئے ہے ۔ معاہدہ برلن کے بعد جب روس کو معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ پر قابض ہونا محال ہے تو اس نے ہندوستان کی طرف توجہ کی لیکن جب اس طرف برطانوی سیاست نے کامیاب نہ ہونے دیا تو شرق اقصےٰ کی طرف متوجہ ہوا ۔ کیونکہ پورٹ آرتھر کی طرف جاپانیوں کے مقابلہ میں ناکام ہونے کے بعد اسکے لئے کوئی چارہ کار سوائے اس کے نہ رہگیا تھا کہ پھر غریب ترکی کو ستائے اور اسکے دونوں حلیفوں نے اس باب میں اس کی مخالفت بھی نہیں کی کیونکہ جنگ کریمیا اور معاہدۂ برلن کے وقت جو حالات تھے وہ اب بدل گئے تھے ۔ انگلستان وادی نیل پر قابض ہو کر خلیج بصرہ میں جرمنی کی اقتصادی تدابیر کو اسی فکر و اضطراب کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا جس طرح روس آستانہ و اناطولیہ کو ، اس لئے یہ بات طے ہوگئی تھی کہ روس کو ، عراق کے عوض قسطنطنیہ دیدیا جائے ۔ رہا فرانس ، سو اس کے حائل ہونے کا کوئی اندیشہ نہ تھا کیونکہ جب تک سوریا میں وہ مطلق العنان تھا ، اسے کوئی پروانہ تھی کہ ترکی کی تقسیم کس طرح کی جارہی ہے ۔ الغرض یہ تھا وہ سبب جس کی بناء پر روس سلطنت عثمانیہ کو کمزور تر دیکھنا چاہتا تھا اور یہی راز تھا کہ موسیو مارگیری اور موسیو دیویانی نے ہماری شرائط کو رد کیا ، کیونکہ فرانس و برطانیہ ، روس کی خوشنودی چاہتے کے لئے یہ کرسکتے تھے ۔ جس وقت ہم نے روس کے خلاف فرانس کی استمداد چاہی تھی تو اس نے اسی بناء پر انکار کر دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب ہم نے ولایت شرقیہ کے مسئلہ میں انگلستان سے اپنے نمایندے ایشاء کوچک میں بھیجنے کی درخواست کی تو اُس نے انکار کرتے ہوئے علانیہ ظاہر کردیا کہ وہ روس کی مرضی کے خلاف نہیں کرسکتا ۔ پھر اسی کے ساتھ انگلستان یہ بھی چاہتا ہے کہ خلیفہ کا لقب وہ سلطان ٹرکی سے چھین کر کسی ایسے شخص کو تفویض کرے جو اسکے زیر اثر بلاد پر حکمراں ہو ۔

ان اعتبارات کی بناء پر میں اپنی ذات سے یہ چاہتا ہوں کہ فرانس اور انگلستان کے ساتھ اتحاد ہو جائے تو بہتر ہے تاکہ روس کے حملہ کا اندیشہ جاتا رہے ۔ لیکن اسی اثنا میں

جمال پاشا

میرے شرکا کے سامنے جرمنی نے نہایت معقول شرائط پیش کیں جن سے انکار کرنے کی میرے پاس بھی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ ترکی مسئلہ میں دونوں فریقوں کی کیا حالت ہے۔ انگلستان کا یہ حال ہے کہ وہ مصری علاقہ پر قابض ہوکر عراق و فلسطین بلکہ تمام جزیرہ نمائے عرب پر اپنا اثر قائم کرنا چاہتا ہے اور روس کی دشمنی ترکی کے ساتھ ظاہر ہی ہے اس لئے ان دونوں سے کوئی امید نہیں ہوسکتی۔ رہے اتیلافئین سو انہیں اٹلی اور آسٹریلیا کے لئے ترکی میں کوئی چیز باعث طمع نہیں ہے کیونکہ وہ بحد امکان ترکی کو پوری طرح ستا چکے ہیں، اور اب ان کو کسی طمع جدید کا ضرورت نہیں ہے۔ جرمنی اپنے موارد ملکی اور جغرافی لحاظ سے ترکی پر قابض نہیں ہوسکتا اور اپنے سلسلۂ تجارت قائم رکھنے کے لئے ترکی کو آزاد دیکھنا چاہتا ہے، اس لئے وہ ترکی کی اعانت پر اپنی غرض سے مجبور ہے۔

پھر اس حالت میں کہ ایک فریق ہمارے تمام اعضائے ملک جدا جدا کر دینا چاہتا ہے اور دوسرا اپنے تجارتی اغراض کی بناء پر ہمارے ساتھ حقوق مساوات کے اصول پر معاہدہ کرنا چاہتا ہے، ہمارے لئے صرف یہی ایک راہ ہے کہ اتحادیئین سے کنارہ کرکے جرمنی کے ساتھ ہو جائیں۔

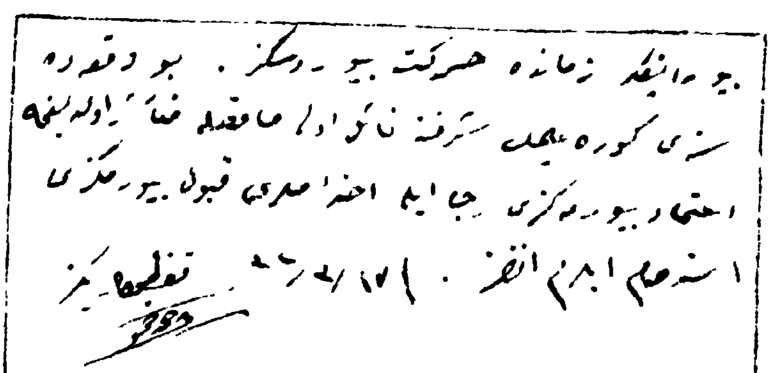
اس معاہدہ کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ بلقان کو چک کی حکومتوں کو یہ جرأت نہ ہوگی کہ وہ ایسی سلطنت میں مداخلت کریں جو ایسے قوی ملک کی حلیف ہے اور اس طرح ہم مطمئن زندگی بسر کرسکیں گے۔

دوسرا یہ ہے کہ اتحادیئین بھی بلاد عثمانیہ پر استیلا کا خیال چھوڑ دیں گے کیونکہ بصورت دیگر سارے یورپ میں آتش جنگ مشتعل ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس معاہدہ سے اتحادیئین ہمارے علانیہ دشمن ہوجائیں گے لیکن ہمیں اس کی پرواہ نہیں کیونکہ اگر جنگ شروع ہونے سے قبل ہمیں دس پانچ سال کی مہلت بھی مل گئی تو ہم اپنے ساحلوں اور قلعوں کو مستحکم کرلیں گے اور اپنی فوج کو مرتب کرکے ملک کو اس درجہ محفوظ بنالیں گے کہ پھر جنگ میں شریک ہونے سے ہمیں کوئی تامل

نہ ہوگا، لیکن اگر جنگ جلد شروع ہوگئی تو پھر موجودہ ضعیف حالت میں اتحادیین کے خلاف ہم کیا کر سکیں گے۔ اور حالات بھی کچھ ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں کہ جنگ جلد شروع ہونے والی ہے ورنہ جرمنی ایسا خیرخواہ نہ تھا کہ محض سلطان ترکی کی خدمت یا سیاہ چشم ترکوں کی محبت کی وجہ سے اتنا بڑا بار اپنے سر لے لیتا۔

اسی کے ساتھ جب میں دونوں پہلوؤں پر غور کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا نفع جرمنی کے شرائط قبول کر لینے ہی میں ہے اور اگر میں بھی صدر اعظم کی جگہ ہوتا تو وہی کرتا جو انھوں نے کیا لیکن میں معاہدہ میں بعض ایسی شرائط ضرور قائم کرتا جس سے زیادہ تحفظ ہو جاتا۔ یعنی میں یہ شرط کرتا کہ اگر تاریخ معاہدہ سے دو سال کے اندر یورپ کی جنگ چھڑ گئی تو ترکی بالکل غیر جانبدار (نیوٹرل) رہے گا اور آبنائے باسفورس پر تجارتی و حربی جہازوں کی آمد و رفت روک دیگا۔ اگر یہ جنگ دو سال سے زائد جاری رہی تو پھر ترکی بھی اتحادیین کے خلاف اعلان جنگ کر دے گا اور اگر یہ جنگ دو سال کے بعد شروع ہونے والی ہے تو پھر ترکی اسی وقت شرائط معاہدہ کی پابندی کے لئے آمادہ ہے۔ ہر چند یہ مجھے نہیں معلوم کہ اس صورت میں جرمنی معاہدہ کرتا یا نہیں۔ بہر حال یہ تمام وہ باتیں تھیں جن پر غور کرنے کے بعد میں نے جواب دیا کہ "میں اس معاہدہ کے لئے خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ مصالح وطن کے موافق نتائج پیدا کرے"۔



عکس تحریر جمال پاشا مرحوم

مغربی قصّوں کی کہانی

تمہید

کٹیسیس (Ktesias) نے جو قبل مسیح چوتھی صدی کے آخر اور تیسری صدی کے شروع میں عرصہ تک شاہ ایران کے دربار سے وابستہ رہا، ہندوستان کی سرزمین، افسانوں، رومانوں اور عجائبات سے لبریز ہے، اور یہی وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے عجائبات مشرق کی تفصیل مغرب کے سامنے پیش کی۔

یورپ و ایشیا میں نہایت قدیم زمانہ سے سلسلۂ سفر، تعلقات تجارت اور تبادلۂ خیالات قائم ہے اور بین الاقوامیت کو نئی بات ظاہر کرنا درست نہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے سکندر اعظم نے ایران اور ہندوستان پر حملہ کرنے کے بعد احکام جاری کیے کہ تمام مفتوحہ ممالک کے درمیان رشتۂ ارتباط قائم کیا جائے۔ غالباً وہ اس کا معتقد نہ تھا کہ "مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب اور دونوں کبھی متحد نہیں ہو سکتے۔"

سکندر کی قبل از وقت موت نے اُس کی تمام کوششوں اور ارادوں کا خاتمہ کر دیا لیکن یہ خیال لوگوں کے دلوں میں باقی رہ گیا۔ اس کی وفات کے بعد ہندوستان میں موریا خاندان کا عہد حکومت شروع ہوا جو عہد رومتہ الکبریٰ کے آخری دو صدیوں کا ہمعصر ہے۔ اس خاندان کے پہلے فرمانروا چندر گپت نے ایک یونانی شہزادی سے عقد کیا اور اسی عقد کی وجہ سے شام اور موریا خاندان کے فرمانرواؤں میں کئی پشت تک سلسلۂ قرابت و اتحاد قائم رہا۔ چندر گپت کے دربار میں شلوقی کی جانب سے میگس تھینز سفیر بنکر حاضر ہوا تھا اور جب چندر گپت کی وفات پر اس کا بیٹا بندوسار تخت نشین ہوا تو شلوقی نے ڈائماکیز کو سفیر بنا کر اس کے دربار میں بھیجا۔ اس کے بعد بطالمی فلیڈلفس نے ڈایونیسیس کو بطور سفیر ہندوستان روانہ کیا لیکن یونانیوں کے قبل دارا نے پنجاب کو فتح کر کے اپنی سلطنت کا ایک جزو قرار دے دیا تھا اور بعد کے کتبوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس شہنشاہ نے ہندوؤں کو اپنی رعایا میں ظاہر کیا ہے۔ اس کے علاوہ زرکسیز کے ہمراہ ہندی افواج یونان کو گئی اور مارڈونیس کی سرکردگی میں ایک مدت تک فارسی اور یونانی افواج کے ہمراہ رہی۔ جب اشوک نے بودھ مذہب اختیار کر لیا تو اس نے اپنے احباب یونانی فرمانروایان مصر، شام اور مقدونیہ کے پاس اپنے مذہب کی دعوت دینے کی غرض سے علما روانہ کیے۔ اشوک ہی نے بطالمی فلیڈلفس کے مشورہ سے شہر سکندریہ آباد

کیا تاکہ وہ ہندی اور مصری تجارت کا ایک مرکز بن جائے، اس امر کا ثبوت موجود ہے کہ پہلی صدی سے بعد کے زمانہ میں ہند، یونان، اور روم کے مابین بہت زیادہ ارتباط قائم تھا، اور ہندوستان اور ہندوستانی اشیا نے یونانی اور رومی دماغوں پر اس قدر گہرا اثر پیدا کر دیا تھا کہ یہاں کا سامان تعیش روم میں بکثرت استعمال ہوتا تھا۔

لوگوں کی بستیاں قائم ہو گئی تھیں، چنانچہ وہاں ہزاروں رومی سکے بھی دستیاب ہوئے، اسی طرح بہت سے ہندوستانیوں نے مصر اور اقصائے مغرب میں سکونت اختیار کر لی تھی اور شہنشاہ آگسٹس اور اس کے فرماں رواؤں کے دربار میں ہندوستانی سفیر بھی حاضر ہوتے تھے۔

ان تاریخی واقعات کو پیش نظر رکھ کر یہ بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ قدیم یونانی افسانوں کو دلاویز بنانے میں مشرق نے کس درجہ حصہ لیا اور دور اول کی تصانیف میں (مثلاً Marvels beyond Thule & Ethiopica) مشرقیت کیوں خاص طور پر نمایاں ہے۔

ایسپ Æsop کے قصے

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسپ حضرت مسیح سے چھ صدی قبل بمقام ساموس ایک یونانی غلام کی زندگی بسر کیا کرتا تھا اور بقول افلاطون، سقراط نے بحالت قید اپنی عمر کا آخری حصہ انہیں قصوں کے نظم کرنے میں صرف کر دیا جو ایسپ کے نام سے مشہور تھے، ان قصوں کا کوئی قدیم نسخہ دستیاب نہیں ہوتا، البتہ ایک مجموعہ یونانی زبان میں مرتبہ بیبرس (جو شاید پہلی یا دوسری صدی عیسوی کا تحریر کیا ہوا ہے) اور دوسرا لاطینی زبان میں مولفہ فیڈرس پایا جاتا ہے۔

پہلے مجموعہ کی تالیف پہلی صدی میں ہوئی ہے، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بیبرس مشرقی تھا اور ملک شام میں سکونت رکھتا تھا جہاں ان افسانوں نے شروع میں بڑی شہرت حاصل کی تھی، حتیٰ کہ یہ مجموعہ درس میں بھی داخل ہو گیا تھا، مشہور ترین اور نہایت

موثر مجموعہ وہ تھا جو تیرھویں صدی عیسوی میں ایک یونانی راہب پلینوڈیز نے تالیف کیا تھا لیکن یہ نسخہ مشرق کی مشہور کتاب بدپائی پنچ تانتر کے لٹریچر سے بہت کچھ متاثر ہے جس کے ترجمے چودھویں صدی کے قبل مغربی زبانوں میں شائع ہو چکے تھے۔

بدپائی پنچ تانتر اگر بودھ کے افسانہائے ولادت سے قطع نظر کر لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قدیم ترین افسانے وہ ہیں جو یورپ میں افسانہائے پلپے یا بدپائی کے نام سے مشہور ہیں اور جن کا اصلی نام سنسکرت میں پنچ تانتر ہے اس کا خلاصہ ہت اپدیش کے نام سے مشہور ہے جس کے معنی دوستانہ نصائح کے ہیں، ان ہندی افسانوں میں در پردہ اخلاقی نتائج دکھلائے گئے ہیں، جن میں باستثنا چند قصص کے سارے افسانے جانوروں کے ہیں۔ ہندوستان میں اس کتاب کے متعدد نسخے ہیں مگر اصلی نسخہ تلف ہو گیا ہے۔ اسکی تاریخ تصنیف کی نسبت اختلاف ہے، لیکن یقینی یہ ہے کہ اسکی ترتیب پہلے اور چوتھی صدی عیسوی کے درمیان ہوئی ہے۔

چھٹی صدی یعنی عہد نوشیرواں میں اس کا ترجمہ پہلوی زبان میں ہوا، پھر دو برس کے بعد خلیفہ منصور (۷۵۳ء ۷۷۴ء) کے زمانہ میں اس کتاب کا پہلوی سے عربی میں، رزبہ نامی ایک عجمی النسل شخص نے ترجمہ کیا جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا، اور عبداللہ ابن المقفع کہلاتا تھا، اس کی یہ کتاب مشرق میں "کلیلہ دمنہ" کے نام سے مشہور ہے، اور یہی عربی کا ترجمہ آیندہ تمام ترجموں کی اصل ہے۔

دسویں یا گیارھویں صدی میں، عربی سے یہ کتاب شامی زبان میں ترجمہ کی گئی گیارھویں صدی میں یونانی زبان میں، بارھویں صدی میں جدید فارسی میں، اور تیرھویں صدی میں قدیم اسپینی زبان میں ترجمہ ہوئی۔ عبرانی نسخہ کا تیرھویں صدی میں لاطینی زبان میں اور پندرھویں صدی میں لاطینی سے جرمنی زبان میں ترجمہ ہونا پایا پایا جاتا ہے۔ پندرھویں صدی میں لاطینی سے اسپینی میں بھی اس کا ترجمہ ہوا اور سولھویں صدی میں اسپینی سے اطالوی زبان میں ترجمہ ہوا، اسی صدی میں اطالوی سے سر ٹامس نارتھ نے اس نسخہ کو بزبان انگریزی ترجمہ کیا۔

انگریزی ترجمہ اطالوی نسخہ کا ترجمہ تھا، اطالین ترجمہ اسپینی نسخہ کا، اسپینی ترجمہ لاطینی کا، لاطینی عبرانی کا، عبرانی عربی کا، عربی پہلوی کا، اور پہلوی اصل ہندی کتاب کا ترجمہ تھا، اور یہ کتاب ایک ہزار سال کے اندر پانچ درمیانی ترجموں سے سلسلہ وار منتقل ہو کر انگریزی زبان میں آئی۔

۱۴۸۰ء و ۱۸۶۰ء کے درمیان اس کا ترجمہ جرمن زبان میں پندرہ بار شائع ہوا، ۱۶۱۸ء میں ڈینش زبان میں، ۱۶۲۳ء میں ڈچ، اور ۱۷۴۳ء میں سوڈانی میں ترجمہ شائع ہوا۔ لافانٹین کو اصل نسخے سے امداد کا اعتراف ہے اور قریب قریب اسکے ۱۸ افسانوں کا ماخذ پنچ تنتر ہے۔

پنچ تنتر کا شجرہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ترجمہ متعدد مغربی زبانوں میں ہوا اور اس واقعہ نے یورپ کے قرون متوسط کے ادبیات پر ایک نتیجہ خیز اثر پیدا کر دیا ان ترجموں میں ایک ہی قسم کے واقعات مسلسل پیرائے میں نقل کئے گئے ہیں تاہم مختلف ملکوں کے مذہبی خیالات کی نیرنگیوں اور مختلف زبانوں میں تحریر کئے جانے کی وجہ سے اُن میں اختلاف نظر آتا ہے، مثلاً اصلی تنتر میں بعض جانور تارک الدنیا حالت میں دکھلائے گئے ہیں اور گوشت نہیں کھاتے گویا برہمن اور بدھ مذہب کا اُن پر غلبہ ہے۔

فارسی قصہ میں مجوسیت پائی جاتی ہے اور عربی میں بعض جانوروں کے خیالات سچے مسلمانوں کے سے ہیں، جو ہمیشہ موذن کی اذان پر کان لگائے ہوئے ہیں، جابجا قرآن شریف کا حوالہ دیتے ہیں اور پے در پے حج ادا کرتے ہیں۔

سی من سیتھ کے یونانی نسخہ میں وہ گوشہ نشین درویشوں کے لباس میں دکھلائے گئے ہیں۔ مولف مذکور نے تمام جانوروں کو آپس میں باتیں کرتے دکھلایا ہے اور اس طرح پر ایلیڈ کے اشعار کی نقل کی گئی ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ ۳۸ زبانوں میں ۱۱۲ مختلف پیرایوں کیا گیا اور ۱۸۰ بار شائع ہوئی۔ انجیل مقدس کے علاوہ دنیا میں کسی اور تصنیف کے نہ تو اس قدر ترجمے پیش کئے گئے اور نہ اسکو اسقدر اشاعت حاصل ہوئی۔

[redacted]

اسکی یہ عظیم الشان اشاعت محض قصوں کی دلچسپی کی بنا پر نہیں ہوئی بلکہ زیادہ تر ان اخلاقی حکمتوں کی وجہ سے ہوئی جو ان میں پائی جاتی ہیں، صدہا سال مغربی مدارس میں بچوں کی دنیاوی تعلیم انہیں ادبی پاکیزہ خیالات سے شروع کی جاتی تھی جس کا اظہار ہندوؤں اور معتقدین بودھ نے دو ہزار سال قبل ہندوستان کے کسی سنسان گاؤں میں کیا تھا۔

ادبی تاریخ میں اس سے زیادہ عجیب کوئی چیز نہیں، انسانی تصنیف کی اسقدر حیرت انگیز ادبی مقبولیت اور ہردلعزیزی کی شاید ہی کوئی اور مثال مل سکے۔

یہ ظاہر ہے کہ ان تصانیف کی اشاعت کا طریقہ یہ ہوا کہ اول سنسکرت یا پراکرت سے فارسی میں آئیں، فارسی سے عربی میں، عربی سے شامی و عبرانی میں اور پھر عبرانی سے لاطینی اور قدیم اسپینی زبان میں پہونچیں۔ اس لئے تحقیقات کے دو طریقے معلوم ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ مغربی حصہ عرب اور شامی ادبیات کے ساتھ ساتھ ملک شام اور فلسطین کے عہد وسطیٰ کی تاریخ کا بغور مطالعہ کر لیا جائے تو ہم کو معلوم ہو سکتا ہے کہ مغربی حصہ یورپ میں شام اور فلسطین سے مجاہدین زائرین اور سیاح درویشوں کے معرفت کیا کیا پہونچا نیز یہ کہ قسطنطنیہ اور مشرق ادنیٰ سے بذریعہ تجارت اسے کیا کیا حاصل ہوا۔

دوسرے یہ پتا چلانے کے لئے کہ مغرب ادبیات و دیگر علوم میں مشرق کا کس درجہ مرہون منت ہے قدیمی اسپین تاریخ یہود اور اسپین کے علم ادب کے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ دسویں صدی عیسوی کے قریب جب اندلس میں مسلمانوں کا عروج تھا، یہودی تہذیب اعلیٰ ترین پیمانہ پر تھی اور یہودیوں نے بڑا اثر پیدا کر لیا تھا۔ ان کی فطری تجارت پسندی نے بحر روم کے قرب جوار کی اعلیٰ عربی معاشرت ان میں پیدا کر دی تھی اور چونکہ بلحاظ انفرادیت ان کا مذہب اسلام سے زیادہ ملتا جلتا تھا اس لئے انہوں نے عیسائیوں اور اہل اسلام کے مابین ثالث کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔

آٹھویں اور نویں صدی میں بغداد مشرقی خیالات کی اشاعت کا ایک عظیم الشان چشمہ تھا اور ان ایام میں بغداد اور ہند میں اتحاد ہونے کا ہمارے پاس بڑا ثبوت موجود ہے۔ تحصیل علم کی غرض سے ہندوستان کو طلبہ بھیجے جاتے تھے اور ان سے علم الادویہ، فلسفہ،

فلکیات، منطق، سیاست ۔۔ن، علم اخلاق اور ریاضیات کی ہندی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا جاتا تھا اور ایسے طالبعلوں اور ایسے ترجموں کی ایک بڑی فہرست ہمارے علم میں ہے۔

فزیولوگس | بیسٹیاریز کے سلسلہ میں یہ عیسوی استعارات کا ایک مجموعہ ہے اس میں قریب قریب تمام خیالات حیوانات سے لئے گئے ہیں، اس مجموعہ میں ۴۹ قصے ہیں اور ہر قصہ میں ایک خاص جانور کا ذکر ہے اور اس جانور کے متعلق مصنوعی افسانے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب دوسری صدی عیسوی میں اسکندریہ میں تصنیف ہوئی اور شامی، یونانی، ارمنی، لاطینی، نیز قدیم انگریزی اور فرانسیسی اور جرمنی وغیرہ زبانوں میں پائی جاتی ہے۔ ایک زمانہ سے یہ خیال ہے کہ اس میں ہندوستانی خیالات موجود ہیں اور گزشتہ چند سال کے عرصہ میں مسلم طور پر یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ بہت سے خیالات اس میں صرف مشرقی جانوروں سے لئے گئے ہیں، منجملہ چند مصنفین کے ایک کا قول یہ ہے کہ تقریباً ساری کتاب ایک معدوم ہندوستانی نسخہ کا خلاصہ ہے

کلیریکے لئے ڈسپلینا اور گیسٹا رومنورم | مشرقی افسانوں کے یورپین زبان میں منتقل ہونے سے کئی صدی پہلے لاطینی زبان میں ان افسانوں کے دو ایسے مشہور مجموعے موجود ہے جن کا ماخذ خاص کر مشرق تھا اور جن کو خود یورپ کے بہت سے مشہور مجموعہ کا ماخذ سمجھنا چاہئے یہ "Gesta Romanorum اور Clericali Disciplina" کے نام سے مشہور ہیں۔ اول الذکر کتاب پیٹر الیفوسس یہودی باشندہ اسپین نے بارہویں صدی میں تصنیف کی اور دوسری چودھویں صدی میں تصنیف ہونا بتلائی جاتی ہے۔ اگلی سے قدیم افسانہ نگاروں پر اس آخر الذکر تصنیف کا بہت بڑا اثر پڑا، نیز انگریزی شاعری پر بھی اس کا ویسا ہی نمایاں اثر پایا جاتا ہے، اس تصنیف نے گوور اور چاسر اُن کے "تاریخ کانس ٹینس" کا مسالہ مہیا کیا، شیکسپیر کو "کنگ لیر" اور "مرچینٹ آف وینس" کی تصنیف کا خیال دلایا اور اسی تصنیف نے پارنل کو ہربٹ کے مضمون کی جانب متوجہ کیا

یہ جو بجا مشرقی خیال پر مبنی ہے بہت سے ایسے افسانے پائے جاتے ہیں جن کا ماخذ یقیناً ہندوستان ہے اور جو الفوسس کے دماغ میں عربی زبان کے توسط سے پہونچے۔

[redacted]

سندباد | اگر ہم المسعودی، عربی مورخ کے قول کو صحیح سمجھیں تو ایک ہندی تصنیف المسمیٰ بہ کتاب سندباد کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا جسکو بے شمار ترجمے اور نقلیں ایشیائی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوئیں، ان سب میں دیرین نسخہ وہ ہے جو عبرانی زبان کا ہے اس نسخہ کے متعلق یہ ثابت ہوا ہے کہ بارھویں صدی میں لکھا گیا تھا، تیرھویں صدی میں ڈی جہاس نامی راہب نے عبرانی سے لاطینی میں ترجمہ کیا جو Historia Septum Saptentum Romae کے نام سے مشہور ہے۔ بعد ازاں اینڈرونوس نامی ایک عیسائی نے اس کتاب کا عبرانی زبان میں ترجمہ کیا اور اس کا نام Syntipas رکھا۔ اس شخص نے اپنے دیباچہ میں تحریر کیا ہے کہ اس نے یہ ترجمہ شامی زبان سے کیا، عبرانی اور شامی زبان کے علاوہ سندباد کے ترجمے اور انتخابات دو مشرقی زبانوں یعنی عربی اور فارسی میں بھی موجود ہیں عربی ترجمہ اب کتاب الف لیلہ میں شامل ہے اور اس کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر جونتھن اسکاٹ کی کتاب میں شامل ہے، جو ۱۸۰۰ء میں شائع ہوئی تھی، فارسی نظم میں اس کتاب کے دو ترجمے ہوئے ازرقی نے سندباد نامہ کے نام سے کیا اور دوسرے ترجمے کا پتہ یورپ کو پروفیسر فاکنر کے ذریعہ سے چلا جس نے سندباد کے ایک قدیم نسخے کی تاریخی تحقیق و تحلیل نہایت قابلیت سے کی ہے، اس لاجواب کتاب کا ترجمہ قریب قریب تمام مغربی زبانوں میں ہو گیا ہے۔

شاہزادہ بختیار کا افسانہ | "تامیل زبان میں ایک قصوں کی کتاب" الکثو کتھا" ہے جو شاہزادہ بختیار کے افسانے سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے اس میں الکہ پور کے بادشاہ کی چار وزیروں پر بدچلنی کا الزام لگایا گیا تھا اس لئے انہوں نے اپنے کو بے گناہ ثابت کرنے اور بادشاہ کا غصہ فرو کرنے کی یہ ترکیب سوچی کہ بہت سے افسانے سنائیں۔ ڈی لانگ سیمپ (On long champs) نے اپنی کتاب (Essai Sur les Fables Indiennes) میں تحریر کیا ہے کہ مشرقی زبانوں میں بختیار نامہ کے تین نسخے تھے، ایک فارسی میں دوسرا عربی میں، تیسرا ترکی زبان میں۔ ترکی نسخہ جسکی تاریخ تالیف ۱۴۳۴ء ہے عربی کا ترجمہ تھا اور عربی فارسی نسخہ کا ترجمہ تھا، ورچونکہ اس میں دو افسانے ایسے ہیں جو سنسکرت کے نسخے میں پائے جاتے ہیں اسیلئے قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کے دیگر افسانے بھی ہندی تصانیف سے اخذ کئے گئے ہونگے۔

مزاحی افسانے | یورپ کے مزاحی افسانے جو آرلاٹو، ربلیس، اسکلٹن، اور ڈک ٹارلٹن سے منسوب ہیں ان میں سے اکثر مشرق سے پہونچے ہیں کیونکہ بلحاظ مناسبت مقامی تھوڑے اختلاف کے ساتھ وہ پرانی ہندی تصانیف میں موجود ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ بہت سے مشہور و معروف یورپین افسانے مشرق سے ماخوذ ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان ہی ان افسانوں کا منبع تھا اور وہ یورپ میں عرب کے توسط سے پہونچا۔ یعنی۔ علاوہ دیگر طریقوں کے وہ یورپ میں ان مسلمانوں کے ذریعہ سے پہونچے جنھوں نے آٹھویں صدی میں اندلس میں سکونت اختیار کی، نیز اُن صلیبی مجاہدین اور زائرین کے ذریعہ سے جو بیت المقدس سے واپس آئے اور شاید اُن سوداگران اندلس کے ذریعہ سے بھی جو جزائر مشرق اور جنوبی افریقہ کے حصوں میں تجارت کرتے تھے۔ شمالی فرانس کے بہت سے مزاحی افسانے مشرق سے ماخوذ ہیں اور روم کے ابتدائی افسانہ نگاروں کا ماخذ بھی مشرقی افسانے تھے، احمقوں کے افسانوں کا قدیم ترین مشرقی مجموعہ وہ ہے جو کتھا سرت ساگر کے نام سے مشہور ہے اس کی پیروی مسٹر راسٹن نے Russian Folk Tales میں کی اور جرمنی زبان میں "علی بابا اور چالیس چور" "الہ دین کے چراغ" اور اسی نوع کے دوسرے افسانے عربی، فارسی، اور ہندی کتابوں سے منتقل ہوئے ہیں، اسی طرح "سونے کا انڈا دینے والی لبط" کا اصل قصہ ہندوستان کی عظیم الشان کتاب رزمیہ مہابھارت میں بیان کیا گیا ہے۔

بودھ کے افسانے | بیکس مولر کا قول ہے کہ ہمارے قصوں اور کہانیوں کی اصل مذہب بودھ ہے، یہودیوں میں عدالت سلیمان کے متعلق بہت سے افسانے رائج ہیں، لیکن تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ بودھ کی مذہبی کتابیں اس قسم کی کہانیوں سے معمور ہیں، کتاب کنجوریں "تری پی ٹاکا" کا تبت کی زبان میں ترجمہ موجود ہے، ہم نے اس میں پڑھا ہے کہ "دو عورتوں میں سے ہر ایک اس امر کی دعویدار تھی کہ فلاں بچہ کی ماں میں ہوں، بادشاہ نے یہ قصہ بہت دیر تک سُنا مگر یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ حقیقتاً بچہ کی ماں کون ہے، یہ دیکھ کر وساگھا نے عرض کیا کہ ان عورتوں سے

جرح کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ بچہ ان کو دیدیا جائے وہ خود ہی آپس میں فیصلہ کر لینگی یہ سنتے ہی دونوں عورتیں جھپٹیں اور جب نزاع بڑھا تو بچہ کے چوٹ آگئی اور وہ رونے لگا یہ دیکھ کر ایک عورت جھگڑے سے باز رہی اور بچہ کو چھوڑ دیا اس وجہ سے کہ وہ بچہ کو روتا نہیں دیکھ سکتی تھی، اسی بات پر معاملہ طے ہوگیا اور بادشاہ نے اصلی ماں کے بچہ سپرد کردیا، اور جھوٹی عورت کو سزا دی"۔

برلام و جوزیفات | دنیا کی ادبی تاریخ میں نہایت جوش انگیز بارلام اور جوزیفات کا قصہ ہے، جسکو جان دمشقی نے حالات بودھ کی ایک ہندی کتاب سے آٹھویں صدی عیسوی میں عہد خلیفہ منصور میں یونانی زبان میں ترجمہ کیا" جوزی فات" لفظ "بودھی ستوا" کا مرادف ہے جو بودھ کا ایک لقب تھا، اس کتاب کا یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اور قرون وسطیٰ کی مشہور ترین کتاب تسلیم کی گئی۔ اس کا ترجمہ شامی و عربی زبان میں فارسی سے ہوا اور فارسی میں اصل ہندی زبان سے۔ اس قصہ کا ہیرو ایک ہندی النسل شخص بلکہ خود بودھ تھا۔ جو یونانی اور رومن مذاہب میں جوزیفات کی صورت میں درجہ ولایت تک پہونچا دیا گیا ہے۔

شکسپیر کے مرچنٹ آف وینس میں کاسکٹ (کشتی) کا خیال، لاطینی تصنیف گسٹا رومنورم کے توسط سے اسی کتاب سے لیا گیا ہے، جس میں بہت سے مشرقی خیالات پائے جاتے ہیں، یہی کیفیت، پندرھویں صدی کے انگریزی اخلاقی ڈراما "ایوری مین" اور "پارڈنرس ٹیل" مصنفہ چاسر کی ہے۔

الف لیلہ | اٹھارہویں صدی کے شروع میں یورپ اور خصوصاً فرانس و انگلستان میں مشرقی ادبیات کی ایک پرجوش لہر پھیل گئی، جب گیلینڈ نے الف لیلہ کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں (سنہ ۱۷۰۴ء و سنہ ۱۷۱۲ء کے درمیان کیا تو ہر طرف ہل چل مچگئی اور اس کا بڑا گہرا اثر پڑا، اسی سلسلہ میں بہت سے دیگر فارسی اور ترکی تصانیف کے ترجمے ہوگئے، ہمارے پاس دسویں صدی کے معتبر مصنفین کی تصدیق ہے کہ اصلی نسخہ الف لیلہ عربوں کے پاس فارس سے پہونچا اور اس کا آخری کھوج ہندوستان تک چلتا ہے۔

یہ بھی ملاحظہ طلب امر ہے کہ اٹھارہویں صدی کے آخری حصہ میں مغرب میں سنسکرت کا چرچا ہوا اور سنسکرت تصانیف کے ترجمے شائع ہوئے، تو مشرقی علوم کی لہر یورپ میں پھیل گئی۔ اور انیسویں صدی میں وہاں کے مختلف علوم پر ان تراجم کا بہت بڑا اثر پڑا غرض یورپ مشرقی اثرات سے منکر نہیں ہوسکتا۔

گھوشال، ایم۔ اے

شاعر

جذبات کے میکدہ کے ساقی — احساس کے بتکدہ کے آذر
مینائے مئی طہورِ معنی — اے سازِ نوائے روح پرور
اے بلبلِ بوستانِ ہستی — نغمے ترے سرمدی سراسر
اے پیکرِ بیخودی و مستی — سودا ہیں ترے شعور مضمر
اے بزم جہاں کی بہتریں نے — اے نغمۂ زندگی کے پیکر
تو حسنِ ازل کا آئینہ ہے — یعنی ہے حقیقتوں کا مظہر
دنیائے خیال کے شہنشہ — اے کوچۂ حسن کے گداگر
رائج ہے ترا وہاں تو سکہ — ذرہ سے مگر یہاں ہے کمتر
نقاشِ ادا و غمزہ و ناز — مانی تجھے دیکھکر ہے ششدر
ہے سحرِ حلال عین اعجاز — فطرت تری فطرتِ پیمبر

امین حزیں

ملکوتی رومان

(بسلسلۂ ماسبق)

اسی حال میں مہینوں گزر گئے، اور ہر چند دنیا کے پردہ پر میں جس چیز کے لئے بیتاب ہوسکتا تھا اب وہ میری تھی، مجھے اس پر پورا اقتدار حاصل تھا، لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں مسرور تھا؟ خدا ہی جان سکتا ہے کہ وہ جو گمراہ ہو کر ذلیل ہوجاتا ہے خواہ کتنا ہی متبسم کیوں نہ ہو مسرت اس کا حصہ نہیں ہوسکتی۔

میرا درد ایک تلخ درد تھا، اور محبت نے اسکی محبت کی برکت نے اس درد کو شدید بنا دیا تھا میں جس محبت کے لئے مردود ہوا، وہی میرے اندر ٹیسیں پیدا کر رہی تھی۔ اس حالت کرب و نزع میں اس دردناک مصیبت میں میری روح کے لئے جو چیز راحت و پناہ ہوسکتی تھی وہ یہ آرزو تھی کہ میں اپنی پرشباب لیلس کو، جو میری گم کردہ روح کی تمام بربادیوں کا باعث تھی، شادمان لذات دیکھوں۔!

ہر چند میری روح کی تشنگی تسکین حاصل کر چکی تھی، لیکن ابھی تک اسی طرح وقف تڑپ تھی؛ اور اُس کے کشف و انجذاب میں وہ کیفیت پا رہی تھی جو اول مرتبہ اُسے حاصل حاصل ہوئی تھی۔ ہاں میں اُسے مسرور و کامران دیکھنا چاہتا تھا اور جس لئے جو شعاعیں بھی میرے وجود میں باقی رہ گئی تھیں میں ان کو اسپر منعکس کرنا چاہتا تھا، وہ میرا چاند تھی،! اسے میں نے منور کیا تھا، اگرچہ اس کی روح اب تک ظلمت کی پرستش کر رہی تھی۔

ہاں! یہ میری تنہا مسرت تھی، میری روح کی آخری شعاع طمانیت تھی۔ وہ پیکر نور و افتخار تھی، اور شان شہزادگی کی تمام شوکتیں اسکے اندر پائی جاتی تھیں۔ وہ اپنی پندار کی ایک ایسی کیفیت میں ملفوف تھی کہ اُس وجود اولیں کے سوا کائنات کی کوئی شے اُس کی

پیشانی کو نور افگن نہیں بنا سکتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ارض و سما کی ہر وسعت کو معلوم کر لینے کی خواہش اُس میں ہر ساعت قوی تر ہوتی جاتی تھی۔ اور بعض اوقات تو اُس کا جذبہ محبت بھی اس خواہش سے مغلوب ہو جاتا تھا۔ نہ صرف وہ حقیقتیں جن کا عیاں کرنا خود قدرت کو پسند ہے۔ بلکہ وہ امور بھی جو خدا نے علم انسانی سے محفوظ رکھے ہیں اس کی جستجو کو بیتاب رکھتے تھے۔ اور میں اُس کی خواہش کی تشفی میں اپنا ایک ایک لمحہ صرف کر رہا تھا، اُس کی قوت خیال کے سامنے اس عالم کو غیر مستور کر رہا تھا جس کی روشنیوں نے اس وقت سے قبل کسی انسان کی باصرہ نوازی نہ کی تھی سمندروں کی تہ میں، زمین کی گہرائیوں میں، عمان ہوا اور آتشیں غاروں سے گذر کر، جہاں اسرار خوابیدہ بے نقاب ہوتے ہیں، میں اسے لیجاتا تھا، محبت ہماری راہ بر تھی ہر جگہ اور ہر مقام پر وہ ہماری رفیق تھی، اور ہم دونوں اُس کے قدموں میں اپنا نذرانۂ عبودیت پیش کرتے رہتے تھے۔

عورت پر ایک وقت آتا ہے، جب فطرت اپنے تمام خزینہ ہائے درخشاں اور جواہر تاباں اُسکی قابل پرستش قدموں کے نیچے ڈالدیتی ہے، چنانچہ اس کے لئے بھی وہی وقت تھا کہ زمین نے اپنے خزینہ جواہر کو اگل دیا تھا تاکہ اُس کے حسن و شباب کے لئے رستوں کو روشن کر دیں اور سمندروں کی گہرائیوں میں چھپے رہنے والے موتی اس کی بیاض گردن سے کسب صباحت کرنے کے لئے اُس کے سامنے موجود تھے، لیکن وہ دوشیزہ حرص و شوق کی ساعتوں میں بھی پندار حسن سے غافل نہ ہوئی جو عورت کا فطری جذبہ ہے، چنانچہ سمندر کی تہ میں اور زمین کی گہرائیوں میں ایسی کوئی نادر و عجیب شے نہ تھی جس کے لئے میرے سریع السیر بازو اُس کی خواہش پوری کرنے کے لئے متحرک نہ ہو گئے ہوں، اور میں نے اُن چیزوں کو انتہائے انہماک کے ساتھ حاصل نہ کر لیا ہو۔

البتہ، سوائے اس حالت کے جب وہ ایک مرتبہ ایک روشن ستارے کو حرص و شوق کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی تو مجھے کہنا پڑا تھا کہ "اس طرف نہ دیکھو۔

کیونکہ اس کو توڑ کر پیش کر دینا میرے امکان میں نہیں" الغرض عالم فطرت میں جو نادر چیز پائی جا سکتی ہے وہ اسکے لیے مہیا کی گئی اور وہ سب کچھ جسے حواس انسانی محسوس نہیں کر سکتے جس نے اس کی خواہش علم کی تسکین کے لئے فراہم کیا، سرچشمۂ ازلی کے اسرار جنکا تنفس ہر ذی روح و غیر ذی روح میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے اور قدرت مطلق کی تمام صنعتگری سے میں نے اُسے آگاہ کیا، یہاں تک کہ جب وہ اس غیر ارضی علم سے معمور ہو گئی اور اسکی تخیل کی روشنیاں اس علم کی لمعات علویہ سے ممزوج ہوئیں، تو اس شوق تجسّس نے دعوائے الوہیت کر دیا، اور نسل انسانی اپنے معبودوں کو اجاڑ کر اسکے گرد جمع ہو گئی۔ ہر چند وہ جو کچھ کہتی تھی وہ مبہم ہوتا تھا، لیکن اس میں بعض اشارے راہ حقیقت کو نمایاں کرنے والے ہوتے تھے۔ ایسے شرار صفت اشارے جو خود تو ابھی بیدار نہ تھے، لیکن خاموش و مصروف خواب دنیا کو چونکا دینے والے ضرور تھے، اس کے منہ سے بہت سی حقیقتیں ادا ہو جاتیں جو نہایت بلند تھیں اور جنھیں منشاء قدرت نے انسان کی رسائی سے محفوظ رکھا تھا۔ اس حالت میں چاند کئی بار رونما ہوا اور اسی زمانہ میں میں نے اس کی روح کی فریفتگی اور آنکھوں کی شیفتگی میں وہ کیفیت دیکھی جو آفتاب بلند کی روشنی میں عالم ارض کے لئے رونما ہوتی ہے اور جس کا اثر ہر شے کے اندر نظر آنے لگتا ہے۔

باوجودیکہ میرا قلب ایک سخت برودت کا مخزن بنا ہوا تھا لیکن میں اسکی مسرتوں میں اپنی تمام خرابیوں کو محسوس کر رہا تھا، اور اسکی حضوری مجھ میں اور حرارت پیدا کر دیتی تھی گویا اسکی ضیائے تبسم چاندنی تھی کہ سمندر کی طغیانی کو روشن تو کر دیتی ہے لیکن رفع نہیں کر سکتی۔ اس نیلگوں آسمان کے سایہ میں ہر ایک محبت ہستی جس وقت اپنے پیکر حیات پر شوق انگیز نگاہیں ڈالتی ہے تو اسے ایک جگر گداز خوف محسوس ہوتا ہے، ایک ہولناک خیال پیدا ہوتا ہے، کہ کہیں وہ مرکز وجدان و لطافت ہلاک نہ ہو جائے! یہی خوف یہی اندیشہ تھا جو میرے لئے سب سے زیادہ موجب الم تھا۔ آہ، اگرچہ تکلیف بھی اس کے سامنے محو و باطل ہو جاتی ہے اسکی تجلی نگاہ کے سامنے کوئی حجاب باقی نہ رہ سکتا تھا، اسکی ہر سانس میں ایک ایسی تازگی معلوم ہوتی تھی جو موت کی دسترس سے باہر ہے۔

اسکی آواز ایک ایسی موسیقی تھی جس کا ترنم بالکل سماوی معلوم ہوتا تھا، اور اسکی ہونٹکا لمس جسم کے ہر ہر ریشہ کو بیدار کر دیتا تھا، مگر ایک خطا کار کی یہ تقدیر نہیں کہ زیادہ دیر تک شاد کام رہ سکے! وہ دوشیزہ بھی اب میری مصیبت میں غرق ہو گئی تھی۔

اس شام کو جسے ہمنے محبت کے خوابوں میں صرف کیا تھا، اسی باغ میں، جہاں میں پہلی بار اسکی نظر سے مسحور ہوا، وہ میرے سامنے تھی۔ وہ تمام برگزیدگی جو صرف خدا ہی کا حصہ ہو سکتی ہے میرے لئے لذت نفس بنی ہوئی تھی۔ اور میں فرط انبساط و مسرت میں اپنا غم و الم فراموش کر چکا تھا۔

اس باغ میں ہم دونوں پہلو بہ پہلو مسرور تھے اور ہمارے دل و دماغ جذبات محبت سے معمور۔ اسکی نگاہیں اوپر کی جانب اٹھ گئیں تھیں، اسکی پیشانی خیالات کی لطافت سے منور تھی، اور میں ایسا محسوس کر رہا تھا کہ ایسے پرکیف سماں میں کبھی کوئی ناخوشگوار حالت پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن باایں ہمہ، ہم دونوں، اس وقت کی رنگینی نور کو دیکھ دیکھ کر ایک نامعلوم غم میں مبتلا ہوتے جا رہے تھے۔ وہ جس کا دل اس درجہ شاداب شوق تھا اور جسکی جبیں و رخساروں میں بہجت و انبساط سے راحت گزیں تھے، بلا ارادہ ملول ہوتی جا رہی تھی اور یہ محسوس کر رہی تھی کہ اس سکون میں وہ تجلی نظر آ رہا ہے جو تمام دنیائے جمال کا پیغام دیتا ہے۔

ہم اس حالت میں تھے کہ باغ میں ایک فوری خیال پیدا ہوا۔۔۔ جس طرح کہ دفعتہ کسی طائر کو اسکے نشیمن میں چونکا دے اسکی سیاہ آنکھیں مجھ پر قائم ہو گئیں۔ اس وقت اس کی نگاہوں میں اک انبساط پیدا تھا گویا وہ اپنے اس ربط میں روح کی تمام تر وسعت بیک لمحہ نمایاں کر دینا چاہتی تھیں۔ اور اس کا دست نازنیں ایک انداز شوق کے ساتھ میرے بالوں کے اندر کھیلنے لگا، اور اس نے مجھ سے کہا: رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور اس خواب میں میں نے تمہیں اس مخلوق سماوی سے مماثل دیکھا جو ہمیشہ نغمۂ شیریں سے مشابہ ہوتے ہیں، اور تم مجھے اس شکل میں نظر آئے جس میں تم آسمانوں کے اندر دنیا پیدا ہونے سے قبل نظر آ سکتے تھے۔

تمہاری پیشانی پہ ایک طرۂ تابناک جگمگا رہا تھا جو گویا ضیائے انجم سے بنایا گیا ہے

[redacted]

اور تمہارے یہ شہپر جو اس وقت بے نور ہیں تمہارے شانوں پر اس طرح چمک رہے تھے، گویا دو شہاب ثاقب لیکر قائم کر دیئے گئے ہیں۔

ہر چیز اُسی طرح درخشندہ تھی جس طرح تم میرے رویاے مسرور میں نظر آیا کرتے تھے۔ ٹھیک اس حال میں میں نے دیکھا کہ تم نے دفعتاً مجھے اپنے سینہ سے لگا لیا اور میں مشتاقانہ اُس سے پیوست ہوگئی، اور ایک لاہوتی جلوہ کی فضا میں ملفوف۔ اور اس حال میں کہ تم مجھے اپنے سے لگائے ہوئے تھے، تمہارے ملکوتی قلب سے ایک شعلہ نکلکر میری روح میں شامل ہوگیا، یہاں تک کہ میں بھی تم جیسی نور، ہمہ سماوی ہوگئی،

ہاں، مجھے بتاؤ کہ میں نے ایسا خواب کیوں دیکھا جسکی نورانیت، جسکی قدوسیت میری بیداری میں افسردہ نظر آتی ہے، اور مجھے اپنی بیداری میں اسکی کب اجازت ہوگی کہ میں تمہاری تجلی فرمائیوں کو پوری طور پر دیکھ سکوں۔ اگر تم بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتے ہو جتنی مجھے تم سے ہے تو چمکو، اپنی اعلیٰ ترین غرورِ سماویت کے شعلہ میں چمکو، اور یہ خیال نہ کرو کہ تمہاری تجلی میرے فانی باصرہ کو مجروح کر دیگی۔

میں تمہاری ان آنکھوں کو جو محبت و راحت کی گہوارہ ہیں، اپنی محبت پاش نگاہوں سے دیکھتی رہی ہوں، اور میرے اس دیکھنے میں میری ساری ہستی نگاہ بن گئی ہے۔ میں تمہیں اس طرح دیکھتی رہی ہوں کہ گویا میں ستاروں سے بہت قریب ہوگئی ہوں، اس لئے اب کسی عظیم تر نظارہ کے متحمل ہونے کے متعلق کوئی خطرہ باقی نہیں رہا ہے۔ چنانچہ اے میرے فرشتے! مجھ پر شک نہ کر۔ اوہ! کون کہہ سکتا ہے کہ میرا یہ خواب صحیح ہو کر رہے گا اور میری تشنہ سعادت روح تمہاری لمعانیت سے سیراب ہوگی اور میں بھی تمہاری طرح سماوی ہو جاؤں گی!

بس ایک ہی مرتبہ مجھے اپنے ان کشادہ بازوں کا شعلہ محسوس کر لینے دو اس احساس کا غرہ میری فطرت کو بدل دیگا اور میرا جسم تمہارے اُس ایک لمس خفیف سے غیر فانی ہو جائیگا۔"

افسوس کہ ہم دونوں مقدر کے فیصلہ کو نہ دیکھ سکے! میں خود بھی پیش آنے والے واقعات کو نہ دیکھ سکا، خوفناک انجام کو نہ معلوم کر سکا۔ آہ میں کیونکر اسکی توضیح کروں؟ خدایا! اگر میں اپنا کرب بیان کروں تو اسکے یہ معنی ہیں کہ اُسی احساس کا پھر اعادہ کروں، اُس حالت کو

مکرر دیکھوں۔ لیکن چونکہ میرا قلب اس تخیف کے بوجھ میں پسا جارہا ہے۔ مجھے اپنا رنج وغم بیان کرنا ہی چاہیئے ورنہ اس کا پاش پاش ہوجانا یقینی ہے۔

یہ میری معصیت کی بے بصری تھی جسنے مجھے دھوکا دیا، اور میں نے یقین کرلیا کہ اس کی آرزو پوری کردینے میں خطرہ کا امکان نہ تھا۔ اس کی برق نظر شوق و بیتابی کی تفسیر بن بن کر میرے اوپر اس طرح پڑ رہی تھی کہ گویا آسمانوں کے قفل کھل پڑنے کے لئے میرے اشارے کے منتظر ہیں! پھر ایسی حالت میں میرے لئے انکار کیونکر ممکن تھا؟ میں کیونکر کوئی ایسی بات کہہ سکتا تھا، جو اسکے دل میں نشتر بن کر پہونچتی؟ اسے خوف و اندیشہ میں کس دل سے مبتلا کرتا؟ کیونکہ میری ہستی اسکی ملکیت ہوچکی تھی۔

بادل ناخواستہ میں اُسکے پہلو سے اُٹھا، میرے ساتھ وہ بھی کھڑی ہوگئی اس حال میں کہ اُس کا جسم نازک سرتاپا اہتزاز بن کر رہ گیا تھا، اُسکی یہ حالت خوف سے نہیں بلکہ خواہش وامید کے اثر سے تھی۔ اُس پر ایک عظیم ومحبوب انکشاف ہونے والا تھا۔ آخر کار میری منور لوح پیشانی جلوہ پاش ہونے لگی، حلقہ کاکل جس طرح چپکے چپکے سنبل کے پودے آفتاب سے نرمی حاصل کرتے ہیں، اہتزاز میں آگئے! آنکھیں جس میں اب محبت کی تابش بھی شامل تھی شرر افگن ہوگئیں، بازو اسطرح کھل گئے جیسے نور رقیق کے دو چشمے جاری ہوں اور ان میں سے آبشار کی طرح بارش شرار ہونے لگی۔ غرض میں ایک فرشتے کی تجلی وتجل کا منظر جمیل بن گیا، اُس کی آغوش کشادہ ہوگئی اور میں نے اپنے تئیں اُسکی گود میں ڈالدیا۔! آہ: مگر ——— اے خدائے قادر وعلیم! تیرے شعلۂ انتقام کی سوزش ایک جسم نازنین پر اس قدر تیز کیوں ہوسکی؟ دست قدرت نے جسکو ایسا حسین ولطیف بنایا کیونکر ہوسکتا ہے کہ ٹھیک اس وقت جب وہ آتش محبت میں ہوا فنا کردی جائے؟ ہاں، میں نے اُس کے سمٹتے ہوئے جسم کو چھوا ہی تھا کہ مجھے ایک ہیبت ناک احساس ہوا۔ میں نے دیکھا کہ میرے شعلۂ مطہر کا التہاب، میری معصیت کے باعث اب دنیاوی آگ بن گیا ہے اور لیلیس خاکستر کا ڈھیر تھی، وہ گلاب آسا رخسارے جنکا دیکھنا ہی روح کی تازگی تھی وہ اسکے برگ گل لب جن کا لمس ہی آب حیات کا جرعہ تھا وہ بلوریں بازو جن کے حامل ہونے میں تمناؤں کا عروج پوشیدہ تھا، وہ مرغولہ مشکیں

جسکے حجاب میں بلورگردن اندھیری رات میں موجوں کا تبسم نظر آتا تھا، تمام چیزیں جو ایک لمحہ قبل سر بسر عبیر محبت بنی ہوئی تھیں، اب میرے سامنے راکھ ہوئی پڑی تھیں - اور ان کو خاک سیاہ کر دینے والا خود میرا ہی شعلہ تھا -

لیکن اس سے زیادہ دردناک حصہ اس افسانہ کا یہ ہے کہ جب اُس کی شہلائے چشم پژمردہ ہونے لگیں تو ایک ایسی حسرتناک نگاہ مجھپر پڑی کہ میں اپنے گناہ کے خیال کی آگ میں جلنے لگا میں نے محسوس کیا کہ اُس کی نگاہ حسرت میں وہ شعلہ شامل تھا جو مجھے مرنے کے بعد دوزخ میں محسوس ہوتا - اس مختصر ترین ثانیہ میں جو فرصت جد و جہد ات ملی اسمیں وہ شہید محبت اپنے خاکستری ہونٹوں سے میری پیشانی کا ایک بوسہ لے سکی، ایک افسردہ بوسہ میری جبین منفعل پر ثبت کر گئی - مگر وہ بوسہ نہ تھا، بلکہ ایک داغ التہاب تھا، اور میری ہی معصیت کی سوزش کا، جسکی سوزش میں اس وقت بھی محسوس کر رہا ہوں - وہ سوزش میری جلد میں عمیق سے عمیق تر ہوتی رہی، یہاں تک کہ اس وقت بھی میرے دماغ کی جلن بنی ہوئی ہے! محبت و معصیت کے اس بوسۂ پنہاں کا داغ اس وقت بھی میرے ماتھے پر، میری ہستی پر ثبت ہے! اور اس داغ رسوائی کو میری کالکوں کی کندلی حرکت بھی منور نہیں کر سکتی - (باقی)

افکارِ گہر

ل - احمد

تا بہ سر جہا افتد، از ستم ادائیہا　　　در دلم ہمی گنجد اشوق جبہہ سائیہا

نالہ را دلیل غم، پیش شوخ نتوان گفت　　　ہاں، مگر قبول افتد عذر نارسائیہا

ہم امید وصل او، آہ، خوش نمی آید　　　تا کجا بود یارب حسرت آشنائیہا

دست حسن می لرزد، شوق ذبح می نجد　　　بر گلو ہمی غلطد، خنجر ازمائیہا

بعد ذبح ہم خنجر از گلو نہ بر داری　　　باش، تا ببیند از مرا لطف ناروائیہا

در قفس جہانے را او رشیم اے بلبل　　　من بنالہ بر جستم تو بہ جوش نوائیہا

گہ الم بیفزائی، گاہ رنج بر بانی　　　آرے خوش ہمی دانی صرف بے ادائیہا

شد قفس یے تنگی بہر من بیابانے　　　بال رفتہ باز آمد از شکستہ پائیہا

اے گہر تو ہم برخیز از جفا تماشا کن
جاں بدامنش می بازد وسیمہ کے ادائیہا

حرکت کے کرشمے

(دوری حرکت کیمیائیات میں)

(۳)

ایتھر کا تموج — یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ جہاں کہیں حرکت پیدا ہوگی وہ صرف دوری ہوگی کیونکہ اسباب حرکت میں تعدد ضروری ہے۔ اور تعدد اسباب، حرکت دوری کو مستلزم ہے۔

ایتھر، جو ساری فضائے عالم ہی کو گھیرے ہوئے ہے اور ایک ناپید اکنار محیط اعظم ہے اور نور حرارت کو فضائے عالم میں منتشر کرنے کا ذریعہ ہے، وہ بھی علی الدوام دوری حرکت میں رہتا ہے۔ کیونکہ وہ تمام اجسام سماوی جو ایتھر میں ڈوبے ہوئے فضا میں تیر رہے ہیں وہ سب مع اپنے اجزا کے دوری حرکت کرتے ہیں۔ یعنی ہر فرد بذات خود بھی دوری حرکت کرتا ہے اور اسکے اجزا بھی دوری حرکت کرتے ہیں۔ چونکہ ایتھر، ہوا سے صدہا درجہ زیادہ لطیف ہے اس لئے اس کی حرکت بھی تمام مادی گیسوں سے زیادہ لطیف ہے اور اس کے تموج میں شدت بھی صدت زیادہ ہے بدیں وجہ زیادہ موزوں یہ ہے کہ اس کی حرکت اہتزاز سے تعبیر کی جائے۔

جس طرح آفتاب کے جرم سے روشنی، حرارت، کہربائیت، اور مقناطیسیت وغیرہ مختلف حرکات پیدا ہوتی ہیں اسی طرح نور و حرارت وغیرہ کے امواج میں بھی اختلاف ہے اور روشنی چونکہ آفتاب کے اختلاف عناصر کی وجہ سے سات مختلف رنگ رکھتی ہے، اس لئے ان رنگوں کی شعاعوں میں بھی (جو ایتھر کی امواج ہیں) اختلاف ہوتا ہے جس کی وجہ سے ایتھر ایک دائمی تموج اور تلاطم میں رہتا ہے۔

سالمات اور اہتزاز کرنے والے دقایق — یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ تمام اجرام جو ایتھر کے محیط اعظم میں ڈوبے ہوئے ہیں ایسے چھوٹے چھوٹے کیمیائی دقائق سے مرکب ہیں

مرکب ہیں جو محسوس نہیں ہو سکتے اور وہ صرف اس لئے مان لئے گئے ہیں کہ کیمیائی تجربات کی توجیہہ بغیر اُن کے ممکن نہیں ہے۔ یہ دقائق سالمات سے مرکب ہوتے ہیں اور بہت سے مظاہر طبعی کے مطالعہ سے علما اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ دقائق اجسام آپس میں متصل نہیں ہیں، بلکہ اُن کے درمیان خلا پایا جاتا ہے جس میں اور دقائق کا دخول ممکن ہے اور اس خلا کی وجہ سے یہ بھی ممکن ہے کہ ایک جسم اپنی مقدار میں کم یا زیادہ ہو جائے۔ اسی طرح وہ سالمات جن سے دقائق مرکب ہوتے ہیں آپس میں متصل نہیں ہوتے اور اُن کے درمیان بھی خلا ہوتا ہے جس میں اور جوہر داخل ہو کر جسم کا حجم بڑھ سکتا ہے اور یہ مستحکم دلائل سے ثابت ہو چکا ہے، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

چونکہ ایتھر کے جواہر اجسام محسوسہ کے جواہر سے بہت زیادہ دقیق ہیں اسلئے وہ جواہر اجسام میں آسانی سے داخل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ پانی ریت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ ایتھر کے جواہر، علی الدوام اہتزاز میں رہتے ہیں اسلئے تمام جواہر مادی کا اہتزاز میں رہنا لازمی نتیجہ ہے۔

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جواہر فرد یا سالمات، وزن کے لحاظ سے مختلف ہیں اور وزن کا قیاس ہائیڈروجن کی نسبت سے کیا جاتا ہے۔

ہیڈروجن کے جواہر سب سے زیادہ خفیف اور "ایم" کے جواہر سب سے زیادہ ثقیل ہیں۔ چونکہ جواہر اجسام بہ لحاظ خفت و ثقل کے متفاوت ہیں اس لئے اُن کے اجزا کا اہتزاز بھی اسی نسبت سے تفاوت رکھتا ہے جس مادہ کے جواہر سب سے زیادہ خفیف ہیں، اس کا اہتزاز بھی اسیقدر آہستہ مگر وسیع ہوتا ہے، اور جس مادہ کے جواہر ثقیل ہوتے ہیں اس کا اہتزاز زیادہ سریع اور وسعت میں کم ہوتا ہے۔

الفت کیمیائی | ایک عنصر اگر دوسری عنصر کے ساتھ متحد ہونے کی قابلیت رکھتا ہے تو اسکو اصطلاح میں الفت کیمیائی کہتے ہیں عناصر کی یہ الفت کیمیائی بلحاظ اُن کی مختلف طبائع کے مختلف ہوتی ہے، ایک عنصر دوسرے کے ساتھ نہایت آسانی سے متحد ہو سکتا ہے مگر تیسرے کے ساتھ اس کا اتحاد دشوار ہوتا ہے۔

الفت کیمیائی کیا چیز ہے۔ اور کیونکر بعض عناصر میں باہم اتحاد ہو جاتا ہے اور بعض میں نہیں ہوتا۔ اسکے متعلق ہم کہہ چکے ہیں کہ ہر قسم کے جواہر فردہ میں ایک خاص اہتزاز ہوتا ہے، اب اب اگر دو جوہر ایک ہی سرعت سے اہتزاز کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان دونوں کا اہتزاز متحد

ہو جائے گا، یعنی وہ دونوں ایک ہی موج کے تابع ہو کر ایک ہی طرح اہتزاز کریں گے گویا کہ وہ دونوں ایک ہی جسم تھے لیکن وہ دونوں ایک ہی سرعت سے صرف اس صورت میں اہتزاز کر سکتے ہیں جب کہ وہ دونوں ایک ہی نوع کے ہوں اور اس صورت میں کیمیائی ترکیب ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر ایک جوہر کا اہتزاز دوسرے سے دوچند ہے تو اس صورت میں اتحاد مشکل ہے کیونکہ ہر ایک جوہر کے دو اہتزاز دوسرے کے ایک اہتزاز کے برابر ہونگے۔

الحاصل جس قدر اہتزازات جواہر آپس میں متناسب ہوں گے اسی قدر اُن کے درمیان اتحاد زیادہ ممکن ہوگا لہذا اس بیان سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کیمیائی تفاعل اہتزاز کرنے والے جواہر کی حرکت پر موقوف ہے اور اہتزاز، حرکت دوری کی ایک قسم ہے۔

امواج ایتھر کی تاثیر جواہر فردہ کے اہتزازات پر۔

اس سے پہلے ہم نے جواہر فردہ کی حرکت پر غور کیا ہے، مگر اس چیز کی حرکت سے کچھ بحث نہیں کی جس میں یہ تمام جواہر حرکت کرتے ہیں، وہ چیز ایتھر کا بحر اعظم ہے' جو تمام جواہر فردہ کے درمیان داخل ہے۔ اور ہر وقت حرکت میں رہتا ہے۔ ایتھر کی یہ حرکت اہتزازات جواہر پر بڑا اثر ڈالتی ہے۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ نور اور حرارت کی شعاعوں کی وجہ سے ایتھر ایک دائمی تموج میں ہے اگر بعض کیمیائی مرکبات، حرارت اور نور سے متاثر ہوتے ہیں تو ایتھر کے تموجات اس مرکب کے اہتزازات پر اثر ڈال کر اسکی الفت کیمیائی کو قوی یا ضعیف کر دیتے ہیں، یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئے کہ ایتھر کے تموجات کی ایک خاص نوع جواہر فردہ کی ایک خاص نوع کے اہتزازات پر اثر ڈالتی ہے اور جواہر کو جو آپس میں متحد ہیں ایک دوسرے سے زیادہ قریب کرتی ہے یا دور کر دیتی ہے کیونکہ ایتھر مواد محسوسہ سے بہت زیادہ لطیف ہے اور اُس کے جواہر فردہ، مواد محسوسہ کے جواہر فردہ سے بہت زیادہ چھوٹے ہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اس قدر لطیف اجزا کیونکر مواد محسوسہ کے جواہر فردہ سے بہت زیادہ چھوٹے ہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اس قدر لطیف اجزا کیونکر مواد محسوسہ کے اجزاء پر اثر ڈال سکتے ہیں اور اُن کی حرکت کو اپنی حرکت کے موافق کر دیتے ہیں۔؟

بات یہ ہے کہ ایتھر کا ایک جوہر فرد، مواد محسوسہ کے ایک جوہر فرد پر اثر نہیں ڈالتا، بلکہ ایتھر کی ایک موج جس میں ایتھر کے جواہر فردہ کی ایک کثیر مقدار شامل ہوتی ہے جواہر مادیہ پر اثر کرتی ہے تھوڑی

[redacted]

تھوڑی دیر کیلئے ہم فرض کرتے ہیں کہ ایتھر کے تموجات اور جوہر کے اہتزازات میں مطابقت ممکن ہو لہذا اس صورت میں ایتھر کی موجیں جب اس جوہر سے لا متناہی مرتبہ متصادم ہونگی تو اس جوہر کی حرکت اہتزازی کو یہ موجیں اپنی رفتار کے مطابق کر لیں گی اور اب اس جوہر کی اہتزازات ان تموجات کے مطابق ہو جائیں گے حالانکہ وہ اس سے پہلے کسی دوسرے جوہر سے مطابق تھے۔ پھر یہ جوہر جو اپنے اہتزاز میں ایتھر کے موافق ہو گیا ہے اگر وہ کسی ایسے جوہر سے قریب ہو جائے جو اہتزاز میں اس کے مطابق ہو تو وہ اسکے ساتھ متحد ہو جائے گا۔

اس موقع پر دو اصولی باتیں پیش نظر رکھنی چاہئے۔ ایک یہ کہ کیمیائی دقیقہ (جو دو یا دو سے زیادہ اجزائے فردہ سے مرکب ہوتا ہے) ایک خاص طبیعت رکھتا ہے، جو ان اجزائے فردہ کی طبیعت سے مختلف ہے، جن سے وہ مرکب ہے اور یہ دقیقہ ایک خاص اہتزازی حرکت رکھتا ہے جو جواہر فردہ کے اہتزازات سے مختلف ہے۔ لیکن جواہر فردہ کے اہتزازات اپنی حالت پر رہتے ہیں اور صرف باہمی تفاعل سے متاثر ہوا کرتے ہیں۔ ماحاصل دقیقہ کی حرکت جواہر کے خلاف ہوتی ہے اور اسکی مثال بالکل اسی طرح ہے جسطرح کہ سارا نظام شمسی اپنے اجزا کی حرکات کے خلاف حرکت کرتا ہے۔

دوسری اصولی بات یہ ہے کہ جس طرح ایتھر کی موج، جواہر فردہ میں اہتزازات پیدا کرتی ہے اسی طرح جواہر فردہ بھی ایتھر میں اہتزازات پیدا کرتے ہیں اور اس نظر سے بنسون اور کیرشوف کے اس انکشاف کی توجیہ ہوسکتی ہے کہ بعض مواد کے بخارات خاص قسم کی ایتھر کی نورانی موجوں کو جذب کر لیتے ہیں۔ اس سے ٹنڈل کا انکشاف بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ بعض گیسیں حرارت کو جذب کر لیتی ہیں، کیونکہ یہ دونوں جذب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان گیسوں سے ہر ایک خاص درجہ کا اہتزاز رکھتی ہے جو ایتھر کی تموجات کے مطابق ہے۔

ایتھر کی نورانی تموجات کا اثر کیمیائی مرکبات پر۔

اگر ایک دقیقہ دو جواہر فردہ سے مرکب ہو اور ہر ایک جوہر فرد اپنی ذاتی صلاحیت کے لحاظ سے ایتھر کے نورانی تموجات سے متاثر ہونے میں مختلف ہو یعنی ایک جوہر بہ نسبت دوسرے کے زیادہ اثر پذیر ہو تو ظاہر ہے کہ جس جوہر پر زیادہ اثر کریگا اسکے اہتزاز میں بہ نسبت دوسرے جوہر کے سرعت ہوگی۔ اور اس سرعت کا یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ جوہر دوسرے کے منفعل ہونے کی کوشش کریگا۔ اب اگر الفت ترکیبی ان دونوں اجزا کے درمیان اتنی قوت رکھتی ہے

کہ اس عارضی انفصالی حرکت کا مقابلہ کر سکے، تو اس دقیقہ میں انحلال نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس قابل نہیں ہے تو دونوں اجزا علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے۔

ڈاکٹر ڈریپر نے تجربات سے ثابت کیا ہے کہ وہ مرکبات معدنی جن کے جواہر فردہ ثقیل ہیں (مثلاً سونا، چاندی، پارہ، سیسہ) روشنی سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور اُن مرکبات معدنی میں تاثیر کم ہوتی ہے جن کے جواہر فردہ خفیف ہوتے ہیں مثلاً پاٹیم اور سوڈیم۔

انفصال و اتحاد جواہر میں یہ ضروری ہے کہ جو جوہر منفصل ہونے والا ہے، اس کے اہتزازات اس جوہر سے زیادہ ہوں گے جس کے ساتھ وہ فی الحال متصل ہے، کیونکہ اگر یہ دونوں ایک ہی نسبت سے اہتزاز کریں گے تو اثیھر کی موجیں اُن کے درمیان انفصال پیدا نہیں کر سکیں، انفصال کے وقت بھی یہ ضروری ہے کہ اثیھر کی موجیں اس شدت سے اس پر اثر کریں کہ ان کے اہتزاز میں اس درجہ وسعت پیدا ہو جائے کہ وہ اُن جواہر کی اتحادی قوت کو توڑنے قابل ہو سکے۔

اس تحلیل کے ذریعہ سے یہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ روشنی دقائق نباتات میں کس طرح اپنا عمل جاری رکھتی ہے اور یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ حرکت جو آفتاب سے ہم تک ایک غیر محسوس طریقہ سے پہونچتی ہے کسی چیز کے جلاتے وقت کیوں محسوس ہونے لگتی ہے

اب اگر ذہنیات کو چھوڑ کر عالم مشاہدات کی طرف غور کیا جائے گا تو وہاں اسکی صداقت ظاہر ہوگی چنانچہ ظاہر ہے کہ کلوروفل جو نباتات کو سبز لباس پہناتا ہے، وہ اس وقت تک اپنا عمل نہیں کرتا جب تک کرشاخیں یا پتیاں جو ابھی نکل کر آفتاب کی روشنی سے اثر پذیر نہ ہوں۔

مذکورۂ بالا تفصیل سے جو اسپنسر کے اقوال سے ماخوذ ہے، یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تموجات اثیھر صرف اعمال کیمیائی میں موثر نہیں ہیں بلکہ حیوانی عمل میں بھی وہی عامل اساس ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صرف حرکت دوری، روشنی اور عام حرارت کی قوت کو جو تمام کائنات میں پھیلی ہوتی ہے، حیوانی اور نباتی قوتوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔

حرکت مقناطیسی اور حرکت کہربائی

مقناطیسیت اور کہربائیت کی ماہیت اس وقت تک معرض بحث میں ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ دقائق مادہ کی ایک خاص قسم کی حرکت ہے

اور بعض کا خیال ہے کہ کہربائیت مواد محسوسہ کے علاوہ ایک مستقل غیر محسوس مادہ ہے اور مواد محسوسہ کے ہر ہر جزو میں داخل ہے۔ یہ دونوں تعریفیں مظاہر کہربائیت اور مقناطیسیت پر اس وقت تک منطبق نہیں ہو سکتیں جب تک کہ یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ مقناطیسیت اور کہربائیت میں ایک خاص قسم کی حرکت اہتزاز ہوتی ہے۔ پہلی تعریف کی بنا پر یہ حرکت اہتزازی دقائق مادہ میں ہوتی ہے۔ اور دوسری تعریف کی بنا پر یہ حرکت خود کہربائیت اور مقناطیسیت کے دقائق میں ہوتی ہے۔

لاسلکی ٹیلیگراف کے نضات (نموجات) اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ کہربائیت نام ہے اس اہتزازی حرکت کا، جو مادہ محسوسہ کے دقائق میں پائی جاتی ہے +

جنگ بلقان کا ایک لطیفہ

ایک اخبار نویس کو اپنی زندگی میں عجیب وغریب واقعے پیش آتے ہیں۔ گزشتہ جنگ بلقان میں فرانس کے دو صحافی، بلغاریہ کے دارالسلطنت صوفیا میں اس غرض سے پہونچے کہ وہاں سے میدان جنگ تک پہونچ سکیں گے۔ لیکن وہ وہاں کی زبان نہ جانتے تھے اس لئے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیونکر گاڑی والے کو سمجھائیں کہ اسٹیشن تک پہونچا دے۔ آخر کار ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں ٹرین کی رفتار کی آواز نکالتا ہوں تو سیٹی بجا، اس سے گاڑی والا سمجھ جائے گا کہ ہمیں اسٹیشن جانا ہے۔ چنانچہ ان دونوں نے اسپر عمل کیا اور گاڑی والے نے قریب آکر ان سے بیٹھنے کو کہا۔ یہ لوگ اپنی فراست سے بہت خوش ہوئے تھوڑی دیر کے بعد گاڑی ایک جگہ کھڑی ہوگئی اور گاڑی والا دو آدمیوں کو لے آیا لیکن ان دونوں فرانسیسی اخبار نویسوں کی دہشت و وحشت کی کچھ انتہا نہ رہی جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ گاڑی والا انھیں دیوانہ سمجھ کر پاگل خانہ میں لے آیا ہے اور یہاں انکا داخل ہونا ضروری ہے +

پتنگ

(ادبی نقطۂ نگاہ سے)

اے پتنگ! اے مرقعِ قرطاس　　اے تماشائے صد نگاہ شناس
تو فضاؤں میں ہے سبک پرواز　　ایک چھوٹا سا ہے ہوائی جہاز
یہ تری ڈور ہے کہ تارِ نگاہ　　تو ہے کتنا نگاہدار نگاہ
باوفاؤں میں نام کرتا ہے　　کہ اشاروں پہ کام کرتا ہے
تیری رنگینیاں ہیں لاثانی،　　تو کبھی سرخ ہے کبھی دھانی
رقص میں تو ہے اے فضا کی پری　　کیوں نہ کہئے تجھے ہوا کی پری
حوصلہ کس قدر بلند رہا　　تو زمانے میں سر بلند رہا
سرفرازی ملی نگاہ کے ساتھ　　تجھے گردش رہی نگاہ کے ساتھ
تو بلندی میں بے پناہ رہا　　نقطۂ آخر نگاہ رہا
ہر ہوا کا ادا شناس ہے تو　　آہ کتنا ہوا شناس ہے تو
لوگ تیری ہوا اڑاتے ہیں　　انگلیوں پر تجھے نچاتے ہیں
مگر، اے طائرِ خموش گذار　　نہیں تجھ کو گراں سری زنہار
تیز جھٹکوں میں تند جھونکوں میں　　کھیلتا ہے ہوا کی گودوں میں
تو ہے اک شہسوارِ وحشی ہوا　　تیرا تختِ رواں ہے موجِ صبا
باغ میں کھیتیوں میں شہروں میں　　تیرتا ہے فضا کے لہروں میں
سطح پیما ہر ایک جا ہے تو　　کشتیٔ موجۂ ہوا ہے تو
گو تو کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے　　پھر بھی عبرت کا اک صحیفہ ہے
مختصر تیری زندگانی ہے　　تو تماشائے بزمِ فانی ہے

[redacted]

پتنگ

بیکسی ہمرکاب ہے تیری — زیست مثلِ حباب ہے تیری
جب تو ہوتا ہے رسنگارِ حیات — اور کٹتا ہے تیرا تارِ حیات
حشر ہوتا ہے شور کا برپا — غل مچاتے ہیں لوگ "دو کاٹا"
تجھکو دوشِ ہوا گراتا ہے — ہوسے کھاتا ہوا تو آتا ہے
لوگ لیتے ہیں ہاتھوں ہاتھ تجھے — لوٹتے ہیں مزے کے ساتھ تجھے
پھر تجھے لیکے پھاڑ دیتے ہیں — تیرا حلیہ بگاڑ دیتے ہیں
گردشیں خاک میں ملاتی ہیں — پھر ہوائیں تجھے اڑاتی ہیں
پھر تو اُڑتا ہے اپنے مرکز سے — رقص کرتے ہیں پھر ترے ذرے
پھر تو سورج کے گرد پھرتا ہے — آگے بڑھتا ہے اور گرتا ہے
کرنیں بڑھ بڑھ کے پھر اُٹھاتی ہیں — اور جھولا تجھے جھلاتی ہیں
الغرض یہ ترا نتیجہ ہے، — تو یونہیں گردشوں میں رہتا ہے
موت اور زندگی بلند اور پست — تیری سب حالتیں ہیں سوز پرست
جب بھی تو روشنی کا شیدا تھا — اب بھی خورشید کا ہے دیوانہ
دیکھنے والی آنکھ نے حاشا — تیرگی میں تجھے نہیں دیکھا
عاشقِ مہرِ ضیا ہے تو — یعنی پروانہ دھوپ کا ہے تو

اب یہ کہنے میں کچھ درنگ نہیں
کہ پتنگا ہے تو پتنگ نہیں

ساغر نظامی سیمابی

سقراط اور اوس کا فلسفہ

سقراط کی معرکتہ الآرا خصوصیت اور امتیازی حیثیت کا راز یہ ہے کہ اُس نے تلاش حقیقت کے لئے غیر مختتم کوششیں جاری رکھیں اور اپنی عمر کا آخری حصہ استقلال و بیباکی کے ساتھ ان لوگوں کے اقوال و افعال کے احتساب میں صرف کر دیا جو اپنے زعم میں دانشمند اور حقیقت شناس تھے، ان حدود کے لحاظ سے وہ یونان قدیم کی تاریخ میں نہایت معروف ہستی ہے اور اسکے سوا کوئی دوسرا شخص ایسی عظیم الشان اور ممتاز شخصیت لئے ہوئے نظر نہیں آتا اسکی باقی ماندہ سوانح زندگی سے ہم قطعی ناواقف ہیں اور جو کچھ ہمکو معلوم ہے وہ منتشر خیالات اور متفرق واقعات کا ایک مجموعہ ہے مصنفین مابعد نے اس کی نسبت بے شمار حکایات لکھی ہیں لیکن اون میں سے کوئی بھی قابل اعتبار نہیں - صرف افلاطون اور زینوفن دو ایسے مصنف ہیں جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور وہ دونوں بالاتفاق سقراط کو ایک سن رسیدہ اور معمر شخص ظاہر کرتے ہیں، اس کی زندگی کے ابتدائی حصہ کیلئے صفحات تاریخ بالکل سادہ نظر آتے ہیں -

سقراط ۴۶۹ قبل مسیح سے کچھ پہلے پیدا ہوا - اُس کا باپ سنگتراش تھا اور ماں دائی تھی - اسکی اخلاقی اور دماغی ترقی کے متعلق تحقیقی طور پر کچھ معلوم نہیں - محاصرہ پوٹیڈیا (۴۳۲ - ۴۲۹ ق م) میں شرکت سے قبل جب کہ اُسکی عمر چالیس سال کی تھی اس کا ذکر کہیں نہیں پایا جاتا، جو کچھ ہم کہہ سکتے ہیں یہ ہے کہ اس نے اپنا بچپن اور شباب ایتھنز یا تاریخ یونان کے سب سے عظیم الشان زمانہ میں بسر کیا - یہ وہ زمانہ تھا جب کہ صنعت علم ادب و تخیل و تدبر کی عجیب و غریب شادابیوں کے دریا بہہ رہے تھے - اور یہ شادابیاں جس قدر ناگہانی تھیں اسیقدر عدیم النظیر بھی تھیں - یہی وہ وقت تھا جب کہ ایتھنز کی ذہنی اور سیاسی ترقیاں معراج کمال پر پہونچ چکی تھیں اور ۴۶۰ اور ۴۲۰ ق م کے درمیان اسکے شہریوں میں وہ لوگ

شامل تھے جو شاعری، تاریخ، سنگتراشی اور فن تعمیر میں آج تک ہمارے استاد چلے آتے ہیں۔ اسکائیلس کی مشہور تصنیف ٹرولوجی ۴۵۸ ق م میں عرصۂ ظہور میں آئی اور خود اسکائیلس اسکے دو سال بعد فوت ہوا جب کہ سقراط کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ سفوکلیز ۴۹۵ ق م میں اور یورپیڈیز ۴۸۱ ق م میں پیدا ہوا۔ یہ دونوں سقراط سے سات برس پہلے ۴۰۶ ق م میں مرے۔ فیڈیس مشہور سنگتراش ۲۳۲ ق م میں فوت ہوا (اسکی صنعت کا نمونہ ایلجن ماربلز ہیں جو برٹش میوزم میں محفوظ ہیں)۔ پیری کلیز جو ایک عالی رتبہ مدبر اور خطیب گذرا ہے اور جس کا نام ہی تاریخ تمدن میں وقت آفریں واقع ہوا ہے ۴۲۹ ق م میں پیوند زمین ہوا تھیوسی ڈائڈز مورخ جسکی تاریخ ازمنۂ مستقبل کے لئے ایک مستقل نعمت ہے ۴۷۱ ق م میں پیدا ہوا (اور قریب قریب یہی زمانہ سقراط کی پیدائش کا ہے) اور غالباً ۴۰۱ اور ۳۹۵ ق م کے درمیان فوت ہوا۔ اکٹی نس ماہر تعمیرات نے پارتھینن کی تعمیر ۴۳۸ ق م میں ختم کی۔ غرض ان لوگوں نے صنف شاعری اور رنگینی خیال کے ایسے دلکش نمونے پیش کئے کہ تاریخ تمدن ان سے بہتر پیدا نہ کرسکی سقراط جس کی عمر ۴۲۰ ق م میں پچاس سال کی تھی ان تمام مشاہیر کا ہمعصر تھا۔ وہ ان میں سے اکثروں کے ساتھ ضرور متعارف ہوگا اور اُن کے ساتھ گفتگوئیں کی ہوں گی۔ کیونکہ ایتھنز اُس وقت کسی غیر معمولی وسعت کا شہر نہ تھا اور ایتھنز والے اپنا وقت تمامتر جلوت میں بسر کرتے تھے۔ ایک انسان کا ایسے شہر میں رہنا بجائے خود ایک اعلیٰ وارفع تربیت تھی اگرچہ وہ خود اسکی اہمیت سے آگاہ نہو پیری کلیز کی پالیسی کا مقصد اقصیٰ یہ تھا کہ ایتھنز باعتبار دانش و بینش تمام یونان کا مرکز اور دارالخلافت بن جائے، خود سقراط نے اپنی "معذرت" میں ایتھنز کی شہرت فہم و فراست پر فخر کیا ہے۔ علاوہ ازیں ایتھنز اپنے شہریوں کو اپنے سیاسی نظام عمل کے ذریعہ ایک دوسری قسم کی تعلیم دیتا تھا۔ اتحاد ڈیلس کا سرگروہ بن جانے سے اُس میں شہنشاہیت پیدا ہوگئی تھی وہ ایک عظیم سلطنت کی روح رواں تھا جس پر قانون اور ضابطہ کی حکومت تھی سلطنت کی حکمراں جماعت وہ مجلس عام تھی جس میں ایتھنز کا ہر شہری شریک تھا بشرطیکہ وہ کسی فطری ناقابلیت کے زیر اثر نہ ہو اور اسکی شرکت ہر شخص پر بروے قانون لازمی تھی۔ نظام حکومت اصول نمایندگی کی سقم سے پاک اور ذمہ دار وزیروں کی

سقراط
جمہور کی مجلس عامہ کے سپرد تھا براہ راست اتھنز کا نظم و نسق بلفظ دیگر دولت بالفاظ دیگر مداخلت سے بری تھی
اس طرح ہر فرد واحد کا مہمات شاہی کے ساتھ آئے دن سابقہ پڑتا تھا اور اسکی سیاسی ذمہ داریاں
اور اختیارات بہت وسیع تھے۔ اُس کے سامنے امور خانگی۔ وضع آئین۔ صلح و جنگ اور تعلقات
خارجہ کے نت نئے سوالات پیش ہوتے تھے جن کے ہر پہلو پر فاضلانہ اور ناقدانہ انداز میں بحث
و تمحیص ہوتی تھی وہ ہر سوال کے ہر پہلو پر دلائل و براہین سننے کا عادی تھا اور متضاد و متباین
آرا میں اس کو خود سمجھ کر انتخاب کرنا پڑتا تھا۔ اتھنز والوں کے قانون نظام میں بھی اسی قسم
کی تربیت مقصود تھی، مقامی مقدمات کے تمام فیصلے جرگوں کے ذریعے سے کئے جاتے تھے جن میں
ہر شخص کو باری باری خدمت کا موقع ملتا تھا۔ ان سب باتوں کا مجموعی نتیجہ یہ ہوا کہ اتھنز میں نفس
عامہ کا ایسا بلند معیار قائم ہوا جسکی نظیر عہد حاضر کے کسی نظام حکومت میں نہیں مل سکتی۔ اس لئے یہ
قطعاً قرین قیاس ہے کہ سقراط ان مجالس ملکی اور عدالت ہائے قانون میں شریک ہو کر
پہلے پہل جرح و قدح کی ضرورت و اہمیت سے واقف ہوا۔

الغرض یہ تھے وہ اثرات جن کے ماتحت سقراط نے اپنے ابتدائی پچاس سال بسر کئے
ظاہر ہے کہ وسیع معنوں میں یہ ارکان تعلیم بنہایت مقتدر اور مکمل تھے۔ اُس کی تحصیل علم کی
ماہیت و وسعت علم کے متعلق نہایت قلیل شہادت ہم تک پہونچی ہے اور اُسکی دماغی
ترقی کا فیصلہ فی الحقیقت قیاس محض پر قائم ہے۔ بچپن میں اُس نے اہالی اتھنز کی سی
اعلیٰ تعلیم موسیقی اور ورزش میں حاصل کی، یعنی یہ ایک تعلیم تھی ذہنی اور جسمانی۔ وہ اس وقت کے
یونانی لٹریچر کے مطالعہ کا شائق تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ یونانی علم ادب اور بالخصوص ہومر سے
شغف تمام رکھتا تھا اس کا بیان ہے کہ وہ دوستوں کے ساتھ مل کر اُن خزینوں کا ملاحظہ کیا کرتا
تھا جو عقلائے پاستین سے ہم نے ورثہ میں پائے ہیں۔ مراد سات حکمائے یونان کے مجمل
اور پر مغز مقالات سے ہے جیسے اپنے کو پہچانو۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہی ضرب المثل سقراط کی
تمام تعلیم کا بنیادی پتھر ہے۔ ریاضی اور سائنس سے بھی جیسی کچھ اس وقت مروج تھی سقراط ناواقف
نہ تھا۔ وہ علم ہیئت اور اقلیدس کے متعلق بھی کچھ معلومات رکھتا تھا اور متقدمین کے
فلسفیانہ مسلمات سے بھی آگاہ تھا۔ لیکن ہمارے پاس کوئی معتبر شہادت موجود نہیں جو ہمیں یقین

دلاسکے کہ سقراط ان علوم سے محض آگاہ ہی نہیں بلکہ کچھ اس سے بھی سوا تھا۔ اور اس بیان کی تائید کے لئے تو سرے سے کوئی شہادت ہی نہیں کہ سقراط نے کبھی طبیعیات کی تعلیم دی ہو۔ اتنا یقینی ہے کہ آخر میں ان امور کی طرف وہ قطعاً التفات نہیں کرتا تھا علم طبعی کا وہ اسی حد تک قائل تھا جس حد تک عملی طور پر وہ مفید ہو سکتا ہے۔ جیسے ہئیت ایک ملاح کے لئے یا اقلیدس ایک جریب کش کے لئے۔ وہ کہتا ہے کہ:۔

"طبیعیات والے دیوانوں کی مانند ہیں اُن کے فیصلے مایوسانہ طریق پر متناقض ہوتے ہیں۔ اُن کا علم بے سود نا ممکن اور زہد و اتقا کے منافی ہے کیونکہ دیوتا اس شخص سے کبھی خوش نہیں ہو سکتے جو اُن کی مرضی کے خلاف اکتشاف کرنا چاہتا ہے۔ جو وقت ان باتوں میں ضائع کیا جاتا ہے وہ مفید علوم کی تحصیل میں جائز طور پر صرف کیا جا سکتا ہے۔"

پس سقراط کی زندگی کے پہلے چالیس سال کی نسبت ہماری معلومات اسی قبیل کے مبہم بیانات کا مجموعہ ہے۔ اس طویل عرصہ کیلئے اس کا کوئی تاریخی تذکرہ ہمارے پاس موجود نہیں۔ ۴۳۲ اور ۴۲۹ ق م وہ ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے محاصرہ پوٹیڈیا میں شریک تھا۔ پوٹیڈیا ایتھنز کی ایک باجگزار ریاست تھی۔ اس نے ۴۳۲ ق م میں اپنی مرکزی حکومت سے بغاوت کی اور بھوک پیاس کی جانکاہیوں کو برداشت کرنے اور تھریس کے خوفناک جاڑے کی صعوبتیں اُٹھانے میں حد کر دی۔ اس محاصرہ میں سقراط کا ذکر پہلی مرتبہ اس ضمن میں آتا ہے کہ اُس نے ایتھنز کے مشہور سپہ سالار السی بیاڈیز کی جان بچائی۔ ۴۳۱ ق م میں جنگ پیلوپونیسس کی ابتدا ہوئی اور ۴۲۴ ق م میں تھیبز والوں نے اہل ایتھنز کو ڈیلیم کے مقام پر شکست فاش دی۔ سقراط اور لیشز اُن چند آدمیوں میں سے تھے جو خوف وہراس سے متاثر نہیں ہوئے۔ یہ دونوں نہایت استقلال کے ساتھ پسپا ہوئے اور بالخصوص سقراط کی مستحکم روش کو کیا دوست اور کیا دشمن ہر شخص نے نگہ امتیاز سے دیکھا۔ لیشز کہتا ہے کہ اگر تمام اہل ایتھنز سقراط کا انداز اختیار کر لیتے تو شکست فتح میں تبدیل ہو جاتی۔

ڈیلیم پولیس کے لڑائی کے بعد سولہ برس تک سقراط کا تذکرہ کہیں نہیں پایا جاتا۔ اس کی زندگی کے اگلے دو واقعات وہ ہیں جو اس نے خود اپنی "معذرت" میں بیان کئے ہیں۔ ان سے ظاہر

ہوتا ہے جیسا کہ وہ خود ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ دنیا کی کوئی قوت خواہ وہ ایک غضبناک انبوہ عام کی مخالفت ہو یا ایک خونخوار حکومت کی غارتگری اس کو کسی ناجائز فعل کے ارتکاب پر مجبور نہیں کر سکتی ۴۰۶ ق م میں ایتھنز کے بیڑے نے دشمنوں کو شکست دی لیکن لڑائی کے ختم ہو جانے کے بعد ایتھنز کے کمانداروں سے یہ کوتاہی ہوئی کہ انہوں نے شہیدان وطن کے لاشے مجتمع نہ کئے اور شکستہ جہازوں میں سے زندوں کو سنبھال کر نہ اُتارا۔ ایتھنز والوں کو جب وطن میں یہ اطلاعیں پہونچیں تو بہت غضبناک ہوئے یونانی اپنے عقائد میں تجہیز و تکفین کی رسومات کو نہایت مقدس جانتے تھے۔ اس لئے غرق شدہ احباب و اعزہ کی یاد میں ایتھنز کے ہزاروں شہریوں کی فریادیں آسمان تک پہونچیں سپہ سالاروں کو فوراً واپس طلب کیا گیا۔ اور ایک مجمع عام میں اُن پر فرائض کی غفلت کا الزام لگایا گیا۔ انہوں نے اپنی بریت میں بیان کیا کہ اُنہوں نے خاص خاص ماتحت افسروں کو اس فرض کی ادائگی کا حکم دیا تھا لیکن طوفان کی شدت کی وجہ سے ان کے حکم کی تعمیل ممکن نہ ہو سکی بحث ملتوی ہوگئی اور یہ طے پایا کہ اس مقدمہ کے طریق سماعت کے متعلق سینیٹ فیصلہ کرے سینیٹ کی قرارداد یہ تھی کہ ایتھنز کے شہری الزام اور صفائی کو سن کر ان آٹھ سپہ سالاروں کی مجرمیت یا بریت کو کثرت رائے کے ذریعہ سے طے کریں۔ یہ قرارداد سراسر غیر منصفانہ اور اسکے ساتھ ہی خلاف قانون بھی تھی کیونکہ اس صورت میں صریح طور پر انبوہ عام کی کثرت رائے کو ایک باضابطہ سماعت پر ناجائز فوقیت دی گئی۔ علاوہ ازیں یہ قرارداد ایتھنز کے ایک خاص قانون کے منافی تھی جس کا منشا یہ تھا کہ ایک مشترک جرم کی صورت میں گروہ مجرمین کو فرداً فرداً فیصلہ سنایا جائے۔

اسوقت سقراط اسٹیٹ کا ایک رکن تھا اور یہی عہدہ تھا جو اُسکو اپنی تمام عمر میں نصیب ہوا سینیٹ میں ایتھنز کی دس قوتوں کے پچاس پچاس نمایندے شریک تھے اس طرح کل تعداد پانسو اشخاص کی تھی جن کا تقرر انتخاب سے عمل میں آتا تھا اور جن کی میعاد کارگزاری ایک سال تھی ۔ ہر قرارداد یا تجویز مجلس عام میں پیش کئے جانے سے پہلے صدر کے ملاحظہ سے گذرتی تھی جو اسکو قانونی حیثیت سے دیکھتا تھا۔ جو تجویز خلاف قانون ہوتی تھی اسکو صدر خود مسترد کر دیتا تھا۔ سینیٹ اور مجلس عام کا صدر ہر روز ایک نیا شخص ہوتا تھا جس روز ان آٹھ سپہ سالاروں کی رہائی یا سزا پر رائیں لی گئیں، سقراط صدر تھا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہ تجویز خلاف قانون تھی لیکن ایتھنز والے ملزمان کی خلاف بنایت

خشمگین تھے مجلس عام میں پیش کئے جانے سے قبل کچھ اشخاص نے اسی قانونی سقم کی بنا پر تجویز کی مخالفت کی لیکن عوام کے تہدید و عتاب نے ان سب کو خاموش کر دیا۔ سارے مجمع میں صرف سقراط ہی تھا جو لوگوں کی دھمکیوں سے مغلوب نہیں ہوا اُس نے ایسے معاملہ پر جو اُس کے علم میں سراسر ناجائز تھا رائے دینے سے قطعاً انکار کیا۔ معزولی اور گرفتاری کی دھمکیاں ایک غضب ناک انبوہ کا شور و غوغا قید یا موت کا خوف اس پر کسی طرح اثر نہ ڈال سکا اُس کے آخری الفاظ یہ تھے "میں نے اپنا فرض سمجھا کہ قانون اور انصاف کی حمایت میں تمام خطرات کا مقابلہ کروں اور تمہارے ناجائز منصوبوں میں شریک ہو کر گنہگار نہ بنوں" لیکن اس کا حکم ایک ہی روز نافذ رہ سکتا تھا۔ اگلے دن ایک کمزور طبع صدر کی صدارت میں ان سپہ سالاروں کو مجرم قرار دیکر پھانسی دی گئی۔

اس واقعہ کے دو سال بعد سقراط نے اپنے طرز عمل سے دوبارہ ثابت کیا کہ وہ گناہ کے مقابلہ میں ہر مصیبت کو برداشت کر سکتا ہے۔ ۴۰۴ ق-م میں دشمنوں کی افواج نے ایتھنز فتح کیا اور اسکی دیواریں منہدم کر دیں۔ ایتھنز کی عظیم جمہوریت تباہ کر دی گئی اور کریٹیس نے جو پہلے سقراط کی صحبت میں بہت رہ چکا تھا سپارٹوی جرنیل لائیسنڈر کی مدد سے تیس امیروں کی ایک حکومت قائم کر لی۔ یہ حکومت ایک سال سے کچھ کم زندہ رہی کیونکہ ۴۰۳ ق-م کے موسم بہار میں جمہوری حکومت از سر نو قائم ہو گئی۔ لیکن کریٹیس اور اس کے رفقاء کا عہد حکومت ایتھنز کے لئے نہایت وحشتناک ثابت ہوا جہاں حریفان سیاسی اور دشمنان ذاتی بے دھڑک قتل کئے جاتے تھے وہاں معزز اور متمول شہریوں کو اُن کی دولت کی خاطر تلوار کے گھاٹ اُتارا جاتا تھا اس قتل و غارت کے کام میں ہر طبقہ کے لوگ شریک کئے جاتے تھے کیونکہ ارباب حکومت کی خواہش تھی کہ اُن کے خوفناک جرائم سے جہاں تک ممکن ہو کوئی شخص بے لوث نہ رہنے پائے اس غرض کے لئے اُنہوں نے سقراط اور چار اور شخصوں کو طلب کر کے حکم دیا کہ ایک شخص کو ایک مقام خاص سے پکڑ کر لائیں تاکہ اُسکو قتل کیا جائے نافرمانی کا اغلب نتیجہ موت تھا۔ اس پر سقراط نے اس حکم کو نہ مانا اور گھر جا کر بیٹھ رہا۔ وہ کہتا ہے کہ "میں نے نہ صرف اقوال سے بلکہ افعال سے ثابت کیا ہے کہ موت کی ذرہ برابر پروا نہیں کرتا۔ اور ہر ناجائز فعل کے ارتکاب میں مجھے انتہائی تامل ہوتا ہے" اس سے پہلے اُس نے کریٹیس اور اسکے رفقاء کو اون کے سیاسی مقاتلوں

ایسے سخت الفاظ میں علی الاعلان ملامت کی تھی کہ اُنھوں نے اسکو طلب کر کے اس قسم کی تقریروں سے روکا اور موت کی دھمکی بھی دی۔

افلاطون نے سقراط کے متعلق ایسی بیاڈیز کی زبانی جو ایتھنز کا یگانۂ روزگار سپہ سالار گزرا ہے ایک نہایت دلکش تقریر درج کی ہے۔ چونکہ اس سے سقراط کے کیرکٹر پر روشنی پڑتی ہے اسلئے اس کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"سقراط اور مارسیس میں فرق یہ ہے کہ سقراط بغیر ساز کے صرف الفاظ کی اعانت سے وہ سب کچھ کر سکتا ہے جسکے لئے مارسیس زندہ جاوید قرار پایا ہے۔ جب ہم پیریکلیز یا کسی اور منتہی خطیب کو تقریر کرتے سنتے ہیں تو ہمیں چنداں پروا نہیں ہوتی لیکن جب ہم سقراط کو سنتے ہیں یا صرف اُسکے الفاظ ہی کو کسی اور کی زبان سے سنتے ہیں خواہ وہ کتنا ہی بے ہنر اور نا آشنائے فن مقرر ہو اور عام اس سے کہ وہ مرد یا عورت یا ایک بے سمجھ بچہ ہی کیوں نہو تو تقریر اپنی معنوی خوبیوں کے باعث دل میں اس طرح اُترتی چلی جاتی ہے کہ ہم تصویر حیرت بن جاتے ہیں۔ اس کے الفاظ نے میرا دل اکثر رو دیا ہے اور اب تک رو رہا ہے کیونکہ جب میں اُسکو سنتا ہوں تو میرا دل از خود رفتگی کی حالت میں دھڑکنے لگتا ہے۔ جب وہ بولتا ہے تو میرے آنسو خود بہ نکلتے ہیں اور یہ کیفیتیں ہیں جو میں نے اپنے سوا اور بہت سے لوگوں پر گذرتی دیکھی ہیں۔ میں نے پیریکلیز اور بہت سے لاجواب خطیبوں کی تقریریں سنی ہیں اور محظوظ بھی ہوا ہوں لیکن اس قسم کی حالتیں مجھ پر کبھی طاری نہیں ہوئیں۔ ان مواقع پر میری روح کبھی اس طرح بے چین نہیں ہوئی اور اپنے آپ پر میں نے کبھی نفرین نہیں کی میری روح کو اتنا تیز احساس کبھی نہیں ہوا کہ اس نے اپنے تئیں خواہشات کا غلام اور نفسانیات کو سرمایۂ خیال بنا لیا ہے۔ لیکن اس مارسیس (سقراط) نے مجھ پر اسی طرح اثر کیا ہے جس طرح میں بیان کر رہا ہوں۔ انتہا یہ ہے کہ خود یہ زندگی جو میں بسر کر رہا ہوں مجھے جینے کے قابل نظر نہ آئی۔ اے سقراط اس حقیقت سے انکار نہ کر کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تو اگر ابھی بولنے لگے تو وہی کیفیات مجھ پر ابھی عود کر سکتی ہیں۔ میرے دوستو وہ مجھ سے اقرار کرتا ہے

---

[1] مارسیس گریک مائیتھولوجی کا خدائے موسیقی ہے جسکی ذات کے ساتھ اس فن کی ابتدا اور انتہا وابستہ ہے۔ س - ح

کہ مجھے ابھی تک بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے۔ میں اپنی ضروریات سے غافل رہا ہوں اور تمام عمر اتھنز والوں کی حسرتوں کو پورا کرنے میں ضائع کر دی ہے میں اُسکی موجودگی میں اسکی کسی بات کا ابطال نہیں کر سکتا اور اسکی کسی ہدایت سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن جب میں اس سے جدا ہو جاتا ہوں تو جمہور کی عطا کی ہوئی شان و شکوہ مجھکو مغلوب کر لیتی ہے۔ اس لئے میں بھاگتا ہوں اور اپنے آپ کو سقراط سے چھپاتا ہوں۔ اسکو دیکھکر میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں کیونکہ میں نے وہ سخت اعمال نہیں کئے جن کے کئے جانے کا میں نے اُس سے عہد کیا تھا۔ اور میری یہ خواہش رہی ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان نظر نہ آئے۔ لیکن اگر ایسا ہو جاتا تو میں یہ بھی خوب جانتا ہوں کہ میں زیادہ دکھی ہو جاتا۔ پس میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس شخص سے بچکر کہاں جاوں یا اُس کے ساتھ کیا سلوک کروں۔ سقراط اپنی ایک ذات میں اور بہت سی خوبیاں جمع کئے ہوئے ہے جو دوسروں میں خال خال پائی جاتی ہیں۔ اس کی ذات اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے کہ ماضی و حال کی کسی ہستی کے ساتھ اُس کا موازنہ کیا جا سکے۔ اور یہی اس کے بے مثل ہونے کی قوی حجت ہے"۔

مجسمہ ڈلفی کے واقعہ کے متعلق بھی کوئی صحیح تاریخ متعین نہیں کی جا سکتی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی شخص نے ڈلفی کے مجسمے سے سوال کیا تھا کہ کیا سقراط سے بھی کوئی دانا شخص دنیا میں موجود ہے اور اس کا جواب مجسمہ نے نفی میں دیا۔ سقراط کہتا ہے کہ اس قول کی صحت اور سچائی کو واضح کرنے کے لئے میں نے اپنا فرض سمجھا کہ لوگوں کے اعمال و افعال کا جائزہ لیا کروں۔ ہمارے نزدیک کوئی وجہ نہیں کہ اس واقعہ کے متعلق شک کریں لیکن زیلر کے قول اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجسمہ ڈلفی سے اس سوال کے کئے جانے سے پہلے ہی سقراط ضرور ایک مشہور و معروف شخص ہوگا۔ اس جواب نے سقراط کو اسکے ضمیر کی آواز پر قائم کرنے کے لئے وہی کام کیا ہوگا جو لوتھر کے ساتھ سند فضیلت کے بہم پہونچنے نے کیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس جواب کو سقراط کے مصلح فلسفہ بننے میں اتنا ہی خفیف دخل ہے جتنا کہ لوتھر کی سند فضیلت کو اسکے قائد مذہب بننے میں حاصل ہے۔ سقراط اپنے پہلو میں ایک نہایت درد مند دل لے کر آیا تھا جو انسان کی مصیبتوں پر ہر گھڑی تڑپتا اور اسکی غلط کارروائیوں پر ہر ساعت روتا رہتا تھا، انسان ہونے کی حیثیت سے وہ تمام انسانی دنیا سے محبت رکھتا تھا اور اسکے نقطۂ نظر سے ملک اور غیر ملک میں تمیز نہیں کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جب کسی نے

سقراط
سے اُس کے وطن کے متعلق سوال کیا تو اُس نے جواب دیا کہ "میں دنیا کا شہری ہوں" وہ اخوتِ انسانی کے ایسے بلند رتبے پر پہونچ گیا تھا کہ اُس نے اپنے تئیں کسی خاص مقام یا ملک سے منسوب کرنے کو تقاضائے انسانیت کے خلاف جانا بلکہ اس نے تمام نسلِ آدم کے سبک ہونے کا اندیشہ کیا۔ صرف اسی ایک واقعہ سے اس انسان کی حقیقی عظمت واضح ہو سکتی ہے +

(باقی)

سید فراز حسین بی۔ اے۔

غزل

اُن کا وہ حسنِ سبز رنگ اُس پہ وہ عالمِ شباب
میری نگاہِ شوق تھی جرعہ کشِ شرابِ ناب

میری کتابِ شوقِ دل اور وہ چشمِ انتخاب
حسنِ قبول دیکھئے، دیکھئے حسنِ انتساب

کہدو نگاہِ شوق سے حسن کا آگیا شباب
چہرۂ نازنیں پہ ہے آج پڑی ہوئی نقاب

میری طرف سے التجا، اُنکی طرف سے اجتناب
یعنی یہ نارسائیاں ہیں مرے شوق کا جواب

باعثِ بیخودی نہ تھا سچ تو ہے التفاتِ حسن
خود ہی فروغِ شوق تھا چہرۂ حسن کا نقاب

رنگِ لطیفِ حسن ہے کیفِ مزاجِ عشق ہے
دستِ نگار میں حنا، دل میں ضیا کی التہاب

ضیائی

شہیدانِ محبت

(زمانہ قدیم کا ایک افسانہ)

(۱)

ولمرگ کی دیواروں پر جو تاریکی چھا گئی تھی وہ مدتوں خوف و دہشت کے ساتھ یاد کی گئی۔ کیونکہ برسیں گذر گئیں اور آفتابِ عالم تاب نے اپنی ایک کرن کو بھی اس کے وسیع ایوانوں میں جانے نہ دیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید ولمرگ شاہ خاور کی مملکت سے خارج کر دیا گیا ہو۔ ہرچند کہ اس کی وادیاں آفتاب کی شعاعوں سے منور و تاباں رہا کرتی تھیں۔ مگر ولمرگ کے قصور و محلات ہمیشہ تاریک ہی رہے۔ اور دھوپ جو والی شہر کے چشموں اور تالابوں کو ضوفشاں بنایا کرتی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کی تاریکی سے خوف زدہ ہو کر دور ہی دور رہتی تھی۔

"آہ کب تک یہ خوفناک تاریکی دفع ہوگی"؟ سردار ولمرگ نے خانقاہ کے درویش سے دریافت کیا کہ "اس وقت تک کہ بہادری کا درخشاں ستارہ، اپنی قربانی سمندر کی دیوی پر نہ چڑھا دے" درویش خانقاہ نے جواب دیا۔

پھر کون تھا وہ "بہادری کا درخشاں ستارہ"؟ بہادر ریوبن کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ کیونکہ ریوبن ہی وہ تنہا شخص تھا جو قبل اس کے کہ شباب کی دیوی اپنے زریں صحیفہ میں اس کا نام لکھ سکے ملک کی تمام لڑائیوں میں نام پیدا کر چکا تھا۔ مگر وہ ریوبن جس نے اپنا سرمایۂ حیات ولمرگ کی ایک لڑکی کو بخش دیا۔ اور اوس کے لئے بے قرار تھا۔ ہاں حسین روز اس کے دل کی مالک تھی۔ وہ روز جو ملکہ صباح کے مانند حسین تھی۔ جو ہر صبح جواہرات بکھیرتی ہوئی اپنے زریں پانوں سے تختۂ گل اور سبزۂ کوہسار پر خراماں ہوا کرتی ہے۔ آہ! کیا روز کی یہی قسمت ہے کہ وہ اپنے ریوبن سے اس بیدردی کے ساتھ جدا کر دی جائے؟ آہ! یا یہ تسلط شدہ تاریکی ولمرگ پر تا قیامت چھائی رہے یا نوجوان ریوبن روز کی حسین آغوش کے بدلے اپنی تئیں امواج البحر

سپرد کردے۔

روز کو جب یہ خبر ہوئی کہ وہ اپنے محبوب سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دی جانے والی ہے۔ وہ افتاں وخیزاں درویش خانقاہ کے پاس دوڑی گئی۔ اور رو رو کر کہنے لگی "خدا را مجھ سے کہدو۔ خدا را مجھ سے کہدو۔ کیا بدنصیب روز کی قسمت مقدر ہو چکی ہے۔ اور میری آنکھوں پر پیارے ریون کا دیدار بند ہو چکا ہے؟" نہیں نہیں۔ خوف زدہ لڑکی۔ بدحواس نہو۔ تیرا محبوب تجھے پھر ملے گا۔ مگر اسوقت جب ایک ایک آسمانی روح اپنے مقدس ہاتھوں سے خانقاہ کے گھنٹے کو آکر بجائے گی۔ تیرا محبوب تجھے واپس ملے گا" غم رسیدہ روز کو درویش کے یہ تسلی آمیز الفاظ سنکر ایک لمحہ کے لئے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے غم سے نجات پا گئی۔ اُس نے اپنی نرگسی آنکھوں سے آنسو پونچھے 'امید' نے اس کے کان میں چپکے سے کہدیا "گھبرا نہیں۔ تیرا عاشق تجھے پھر ملے گا"

(۲)

جانباز اور بہادر ریون اپنی موت کا پیغام سن کر متبسم ہوا۔ جب اس نے خیال کیا کہ وہ اپنی پیاری روز پر فدا ہو رہا ہے۔ وہ فوراً ساحل پر جاتا ہے۔ اور ایک جست کے ساتھ سمندر میں کود پڑتا ہے۔ اور امواج لجہ کی آغوش میں سو رہتا ہے۔ کتنے عجیب وغریب ہوتے ہیں قدرت کے احکام! ابھی ریون کو دریا میں کودے ہوے کچھ دیر نہیں ہوئی تھی۔ کہ آفتاب کی ایک منور شعاع قصر کی دیواروں پر دیکھی گئی۔ اور اُسی لمحہ میں سارا ولبرگ آفتاب کی روشنی میں جھل مِل جھل مِل کر رہا تھا۔

اب ولبرگ کا گوشہ گوشہ منور تھا۔ مگر آہ اک پیاری روز کا دل تاریک تھا۔ اوس کے لئے تو ساری دنیا اندھیر تھی۔ متواتر دوشب و روز وہ اپنی کھوئی ہوئی "محبت" کے لئے ساحل دریا پر سرگرداں پھرا کی گھڑی گھڑی وہ گھنٹے کی آواز سننے کے لئے کھڑی ہو جاتی۔ اور دیر تک امواج بحر کے پے در پے تصادم کو بغور دیکھتی۔ مگر ہر بار اوسکی امید ناکام ہی رہی۔ آدھی رات کے وقت جب چاند اپنے چہرے سے بادلوں کا نقاب اُٹھا دیتا۔ اور اُس کی روشنی سطح آب پر پڑ کر اُسے تابناک بنا دیتی۔ اس حال میں کہ حلقہائے امواج کا سایہ بلند ہو ہو کر چاند کی روشنی میں منعکس ہوتا۔ وہ فرط مسرت میں اُچھل اُچھل پڑتی کہ اس کا عاشق نمودار ہو رہا ہے۔

یہ تیسری رات تھی۔ جب ماہتاب افق سے طلوع ہو رہا تھا۔ کہ غریب روز اپنی گم شدہ "محبت"

کی تلاش میں پریشان پھر رہی تھی۔ آنسو اسکی آنکھوں میں جم جم گئے تھے۔ کہ اُس نے یک بیک چلتی ہوئی ہوا میں گھنٹے کی آواز کی سنسناہٹ سنی۔ وہ چونک پڑی۔ امید و یاس کے تصادم میں چونک پڑی۔ اور اور دیکھا کہ سطحِ آب پر ایک شکل نمایاں ہو رہی ہے۔ اُس نے یقین کر لیا کہ یہ اُس کے محبوب کے سوا اور کوئی نہیں۔ اگرچہ اس کے رخسار پژمردہ تھے۔ اور اُس کا چاندی کا خود پانی میں زنگ آلود ہو چکا ہے۔ کیا ربیش خانقاہ کی پیشین گوئی درست نکلی؟ آہستہ آہستہ اونچے ہونے والے چاند کی روشنی پھیلتی گئی اور اوس نے دیکھا کہ درحقیقت یہ ریوبن ہی تھا۔ مگر آہ وہ ریوبن جسپر موت اپنا تسلط جما چکی تھی۔ اک دلدوز اور وحشت آمیز چیخ روز کے منہ سے نکلتی ہے۔ اور معاً ایک پرواز کے ساتھ سمندر میں کود پڑتی ہے اور اپنے شہید عاشق کے سینہ سے لپٹ جاتی ہے۔ جہاں وہ اسوقت نہایت گہری نیند میں محوِ خواب ہے۔

مختار　　　　نعمت گورکھپوری

بیابانِ تمنا

اب ہے دلِ مجبور پشیمانِ تمنا　　ہے یاس کا ہاتھ۔ اور گریبانِ تمنا
ٹھہرا دلِ بیتاب کی قسمت کا مرقع　　آئینۂ بے ربطیٔ عنوانِ تمنا
اب حشر کی ہلچل سے کھلی آنکھ تو دیکھا　　اک سلسلۂ خواب تھا سامانِ تمنا
کوئی نہیں اور یہی تو قاتل کی حنا　　ہم رتبۂ خونِ شہیدانِ تمنا
فطرت کو نہ کیوں ناز ہو فطرت کے کرم پر　　اتنا سا تو دل اور یہ طوفانِ تمنا
سب لے گئی ساتھ اپنے دغا باز جوانی　　اب کوئی تمنا ہے نہ سامانِ تمنا
ابہام کھلا جاتا ہے عشق و ہوس کا　　اٹھتا ہے سراپردۂ ایوانِ تمنا
خونابہ فشاں آنکھ کا اب تک ہے وہی رنگ　　اور دل کو ہے پھر حسرتِ پیکانِ تمنا
نشتر ہے اب آئینہ ترے دل کا سب احوال　　ہے خون میں ڈوبا ہوا پیکانِ تمنا

نشتر سندیلوی

کرل مارکس کا نظریہ

کرل مارکس کا نظریہ اُسوقت تک ذہن نشین نہیں ہوسکتا جب تک اُس پر کافی غور نہ کیا جائے۔ مارکس نے جو نظریہ تمدن دنیا کے سامنے پیش کیا میں اُنکو زیادہ اہمیت نہیں دیتا، ہرچند وہ اس لئے ضرور مفید ہے کہ وہ مزدوروں کی خواہشات وخیالات کا صحیح مرقع پیش کرتا ہے، اور ان کے ساتھ انصاف کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ تاہم اس سے تصویر کا صرف ایک رخ ظاہر ہوتا ہے جس طرح روسیو کا Social Contract گو تاریخی و منطقی حیثیت سے غیر مستحکم و خام تھا، مگر اُس نے جمہوری سلطنت قائم کرنے کے لئے بنیادی پتھر کا کام ضرور دیا۔ اسی طرح مارکس کا نظریہ "تنازع الجماعت" نظریہ (Value) انتفاع، ہرچند زیادہ صحیح اور دل نشین نہیں ہے، تاہم متمدن یورپ کے مزدوروں کے خیالات کی ترجمانی ضرور کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ بہت جلد مقبول ہو گیا۔

مسئلہ افلاس | افلاس کے بہت سے اسباب ہوسکتے ہیں، کبھی ایک ملک کا جغرافیہ اور وہاں کی آب وہوا غربت پیدا کرتی ہے، جیسے عرب، سائبیریا اور گرین لینڈ۔ کبھی آبادی کی زیادتی اس کا سبب ہوتی ہے۔ جیسے چین میں۔ زراعت کے جدید اصول سے ناواقفیت اور ان سے فائدہ نہ اوٹھا سکنا بھی ملک میں افلاس پھیلا دیتا ہے۔ جیسے ہندوستان اور میکسیکو میں دیکھا جاتا ہے سیاسی بدنظمی اور معاشرتی بے چینی کی وجہ سے بھی بعض ممالک میں افلاس رونما ہو جاتا ہے جیسے جنوبی امریکہ۔ کبھی بدامنی بھی افلاس پیدا کر دیتی ہے۔ جیسا کہ فرانس کے عہد متوسط میں اور آجکل روس میں نظر آتا ہے۔ اور کبھی اقتصادی مشکلات اس کا باعث ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آجکل متمدن یورپ میں دیکھا جاتا ہے۔ بسا اوقات لوگوں کی تباہی کا باعث خشک سالی اور وبا بھی ہوا کرتی ہے۔ کرل مارکس افلاس کے ان تمام وجوہ سے عمومی بحث نہیں کرتا۔ بلکہ وہ مسئلہ کی ایک ہی صورت کو دیکھتا ہے یعنی متمدن یورپ میں عوام اور مزدوروں اس قدر افلاس کیا۔

یہ کہنا بیجا نہو گا کہ مارکس صحیح معنی میں فلسفی نہ تھا کیونکہ اوس نے اس مسئلہ کو اس طرح حل نہیں کیا کہ ہر ملک اور زمانہ پر منطبق اور افلاس کی تمام صورتوں پر حاوی ہوتا۔ نہ وہ مذہبی یا اخلاقی مصلح تھا نہ وہ کوئی مکمل نظام انسانی زندگی کے مختلف مظاہر کی رہنمائی کے لئے پیش کر سکا۔

اشتراکیت | اشتراکیت کا مسئلہ نہایت قدیم مسئلہ ہے۔ یہ ایک اقتصادی نظریہ ہی جو واقعات اور ماحول کے اثر سے ارتقائی منازل طے کر کے آج بالشویک صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ چونکہ اس نظریہ کا تعلق انسانی زندگی سے ہے، اور انسانی زندگی ساکن نہیں بلکہ متحرک اور تغیر پذیر ہے۔ اس لئے اس نظریہ کو جو معاشرتی زندگی کے متعلق ہو ہمیشہ تبدیل ہوتے رہنا چاہیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ اشتراکیت کی ابتدائی تاریخ معلوم کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی نوع انسان کے ساتھ ہی اوسوقت پیدا ہوئی ہے، جب انسان اپنی زندگی معصومی کی حالت میں بسر کرتا تھا اور مشترکہ جائداد اوس کے استعمال میں تھی۔ تاریخ انسانی کی اولین مدارج میں بھی کوئی صورت ایسی نظر نہیں آتی جہاں مشترکہ جائداد کا استعمال نہو۔ سقراط خود اشتراکی خیالات رکھتا تھا چنانچہ وہ ایک جگہ لکھتا ہے "ہر ایک کو اپنے بھائی کی چیز استعمال کرنے کا حق حاصل ہے" ارسطو ایک جگہ کہتا ہے کہ "ذاتی جائداد کا بھی استعمال مشترکہ ہونا چاہیئے" عہد متوسط میں یورپ کے کونے کونے سے اشتراکیت کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ پبلک، وکلا، پروفیسروں اور پادریوں تک نے بھی اشتراکیت کا گیت گانا شروع کر دیا تھا۔ اس حالت کو دیکھکر اوس عہد کے اقتصادئین Economists نے چند اصول منضبط کئے، جو آپس میں ہمدردی کا سبق دیتے ہیں۔ مثلاً۔ ایک انسان کو دوسرے انسان کی انتہائی ضرورت میں مدد کرنی لازم ہے۔ خواہ اوس کے پورا کرنے میں اوسکو کتنی ہی تکلیف و خطرہ کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔ یہ اصول آئندہ چلکر اس قدر مقبول ہوئے کہ رعایا کی طرف سے بارہا اس بات کا مطالبہ ہوا کہ ملکی حکومت "Civil authority" اور شخصی املاک "Personal property" کو موقوف کر دیا جائے۔ کرل مارکس نے انہیں خیالات کو باقاعدہ ترتیب دیا اور مستقل نظریہ کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ وہ کہتا تھا کہ "قادر مطلق نے ملکیت کی کوئی تقسیم و تفریق نہیں کی ہے۔ اسی لئے اوس کی نعمتیں اوس کے تمام

بندوں پر یکساں طور پر تقسیم ہونی چاہیئے۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا خود ذاتی طور پر مالک بنجائے اوسکو یہ حق یقیناً حاصل ہے کہ وہ اونکو جماعت کے فائدہ کے لئے استعمال کرے۔ اور خود بھی فائدہ اوٹھائے مگر وہ اُونکا مالک نہیں بن سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اشتراکیت نہایت اعلیٰ تخیل ہے، اور شریفانہ جذبات سے لبریز۔ ایرکس میگنس ایک جگہ لکھتا ہے کہ "اشتراکیت ناممکن نہیں ہے بلکہ نہایت اعلیٰ خیال ہے، جسکو صرف وہی سوسائٹی اختیار کرسکتی ہے، جو تمدن کے مدارج طے کرچکی ہو اور جسکی انفرادی زندگی شرافت، سخاوت، اخوت، اور ہمدردی جیسے سچے اصول پر قایم ہو۔ یہ اپنی نوع کو محبت کرنا سکھاتی ہے"۔

ہمیں صرف اس معمہ کو حل کرنا ہے کہ باوجود زراعت کی حیرت انگیز ترقی کے ایک بڑی جماعت انسانوں کی قدیم زمانہ سے کیوں مفلس رہی۔

جس طرح قدیم زمانہ میں جبکہ زراعت کا طریقہ انسان کو معلوم نہ تھا مفلسی دور نہ ہوسکی۔ اسی طرح آج جبکہ زراعت کے متعلق حیرت انگیز ایجادات دنیا کو معلوم ہیں مفلسی دنیا سے دور نہ ہوسکی۔ جبکہ دنیا اس قدر مالدار ہے تو پھر عوام کیوں اس قدر غریب ہیں۔ یہی وہ مسئلہ تھا جسکو کارل مارکس متمدن یورپ کے لئے حل کرنا چاہتا تھا۔ جہاں سائنس، زراعت، صنعت، حرفت، درجہ کمال کو پہونچ چکی تھی۔

اس کا کیا جواب ہوسکتا ہے کہ اینڈرو کارنیج، امریکہ کا کروڑپتی تین کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ خیرات دے سکتا ہے۔ اور برخلاف اس کے چند دنوں کا ذکر ہے کہ جب نیویارک میں چوالیس آدمی آوارہ گردی میں گرفتار کئے گئے تو اُن کے پاس کل پانچ روپیہ تھے۔ جو اس دنیا میں اُنکی تمام کائنات تھی۔ یہ کیا ہے کہ انگلستان دنیا میں سب سے زیادہ مالدار ملک ہے۔ مگر اُسکی ½ آبادی سالہا سال سے فاقہ کشی کررہی ہے۔ باوجود اس کے کہ انگلستان کی تجارت ترقی کررہی ہے مگر بہت سے مزدور صرف اس لئے خودکشی کرلیتے ہیں کہ اور اپنے بچوں کو ہلاک کردیتے ہیں کہ ان کے پاس کھانے اور اوڑھنے کے لئے کافی سامان نہیں ہوتا۔

جس وقت کاہل سرمایہ دار سیر و تفریح کے لئے الجیریا، مصر، اور خرطوم وغیرہ میں جاتے ہیں ٹھیک اوسی وقت ہزارہا غریب مفلس تپ دق خوراک کی کمی اور کافی ہوا نہ پانے کی وجہ سے مرجاتے ہیں یہ وہ معاملات تھے جنہوں نے نوجوان مارکس کے دماغ کو پریشان کردیا تھا۔ اور اُس نے

[redacted]

مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اپنی تمام زندگی کو مزدوروں کی تباہ کن غلسی کے دور کرنے کی تجاویز سوچنے میں صرف کر دے گا۔

اس مسئلہ کا صرف یہی ایک پہلو نہیں ہے۔ بلکہ ہمکو دیکھنا ہے کہ سب سے زیادہ کاہل اور سست شخص دنیا میں سب سے زیادہ مالدار ہے۔ کیوں ایک قلی تمام دن کی محنت عرق ریزی سے بمشکل دن بھر میں ۱۲ یا ۱۴ روپیہ کما سکتا ہے۔ حالانکہ کارخانہ دار ہر سال ہزار ہا روپیہ بطور منافع حاصل کرتا ہے۔ درانحالیکہ اوسے اپنی جگہ سے ہلنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

کیسی عجیب بات ہے کہ کاشت کار جو تمام دنیا کے لئے خوراک و غلہ پیدا کرتا ہے اپنے لئے کافی خوراک بھی بہم نہیں پہونچا سکتا۔ یہ کیا ہے کہ دہقان جو تمام برسات اور سخت سی سخت دھوپ میں ننگے بدن ہل چلاتا ہے، تمام عمر مفلسی میں گاؤں کے ساہوکار کا مقروض رہ کر گذار دیتا ہے۔ برخلاف اس کے گاؤں کا بنیا جو تمام دن بے فکری سے اپنی دوکان میں بیٹھا رہتا ہے مالدار بن جاتا ہے۔ تم اس بے ضابطگی کی کیا تاویل کروگے کہ ایک شخص جو اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈالکر خلیج فارس سے موتی نکالتا ہے۔ کبھی اوسکو خود نہیں پہنتا اور نہ کبھی مالدار بنتا ہے لیکن وہ سوداگر جو ان موتیوں کو فروخت کرتے ہیں، بمبئی اور کلکتہ میں اپنی زندگی نہایت رنگیلانہ طریقہ سے بسر کرتے ہیں۔ اس کا تم کیا جواب دوگے کہ مزدور جو کان سے کوئلہ نکالتے ہیں تمام عمر مفلسی، گندگی، اور گدائی میں گذارتے ہیں۔ حالانکہ اوس کمپنی کے حصہ دار آہستہ آہستہ لکھ پتی بن جاتے ہیں، آخر یہ کیا بات ہے کہ دنیا میں سخت سے سخت خطرہ والے مزدوروں کو اجرت بہت کم ملتی ہے۔

زمانہ قدیم میں مسئلہ افلاس | قدیم زمانہ میں اس مسئلہ کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہیں کی گئی تھی۔ کیوں کہ یہ ایک اقتصادی نظریہ ہے۔ جو واقعات اور ماحول کے اثر سے بعد کو پیدا ہوا ہے۔ زمانہ قدیم میں مبلغین مذہب نے امرا کو خیرات دینے کی ترغیب دی۔ اور غربا کو قناعت کا سبق پڑھایا اور بتایا کہ اسی میں تمام آسمانی برکات جمع ہیں۔ زمانہ قدیم کے فلسفیوں نے بھی تارک الدنیا ہونے اور فاقہ کشی کرنے کا دنیا کو سبق دیا۔ اور بتایا کہ دولت فنا ہونے والی شے ہے۔ یہ سب پر برابر تقسیم نہیں ہو سکتی اسی لئے اونہوں نے اس سے نفرت کرنے کے خیالات کا رواج دینا مناسب خیال کیا۔ لیکن عملی صورت اس مسئلہ نے کبھی اختیار نہیں کی۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو دنیا

ہیں سوائے مفلسی اور فاقہ کشی کے اور کچھ نہ ہوتا اونھوں نے تمام اقتصادی مصروفیتوں کی حد درجہ برائیاں کیں اور دوسروں کی کمائی پر اپنی عمریں گزار دیں۔ بڑے سے بڑا اسنیاسی جو ایک مٹھی بھر چاول روز پکاتا ہے۔ اپنی زندگی بھر ایک معقول مقدار چاولوں کی صرف کر دیتا ہے۔ مگر وہ ہمیشہ اُس کاشتکار کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو اس کے لئے چاول بوتا ہے۔ اسی طرح زمانہ قدیم کے فلسفی اسباب و علل کی اچھی طرح تشخیص نہ کر سکے اور مرض کا غلط نسخہ تجویز کیا۔ کسی نے بتاویل کی کہ سب کچھ گذشتہ افعال کا نتیجہ ہے، کسی نے تمام بوجھ تقدیر پر ڈال دیا لیکن تمدن دنیا نے اس علت کے پوشیدہ اسباب دریافت کئے۔

مارکس کے اصول

اشتراکیت کے عملی پہلو کو ظاہر کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مارکس کے ان تین اصولی خیالات کو ظاہر کر دیا جائے جن پر اس نے اپنے فلسفہ کی عمارت قائم کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ (۱) اقتصادی حالات حیات انسانی پر پورا پورا اثر ڈالتے ہیں۔ پیداوار کے طریقے۔ معاشرتی ترکیب۔ (Social structure) خیالات اور اعتقادات میں بہت بڑا تغیر پیدا کر دیتے ہیں۔

یہ نظریہ زیادہ صحیح نہیں ہے لیکن مارکس اس کو اسطرح پیش کرتا ہے، گویا یہی اصلیت و حقیقت ہے۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ سوسائٹی چند ایسے ارتقائی اصولوں کی پابند ہے جن کا انحصار صنعتی حالات پر ہے، اس لئے معاشرتی ارتقا جسمانی ارتقا کے مشابہ ہے۔ اور معاشرتی ارتقا باطنی قوانین کے ماتحت ہے جن کو ظاہر کر دینا چاہئے۔ ہمیں ان پختہ قوانین سے متفق رہ کر کام کرنا چاہئے۔ جو سوسائٹی کو وراثتاً ملے ہیں۔ معاشرتی ارتقا کا یہ مسئلہ ہربرٹ کے مسئلہ سے کچھ ملتا جلتا ہے۔

مارکس "معاشرتی انتخاب" (Social choice) کی قوت میں ارتقا تسلیم کرتا ہے، مگر، وہ "قوانین ترقی" کو انسانی ارتقا پر فوقیت دیتا ہے۔ تاریخ کی یہ تشریح دراصل گمراہ کر دینے والی ہے۔ تاریخ کسی قانون کا انکشاف نہیں کرتی۔ اور نہ "قانون" کی ترقی ظاہر کرتی ہے "تغیر" ہی صرف ایک قانون ہے جو وہاں نمودار ہے اور باقی جو کچھ بھی ہے وہ ایک بے ترتیبی ہے جسکو حکمراں نظام میں لا کر دنیا میں داخل کر دینا چاہتے ہیں۔

مارکس کا دوسرا نظریۂ ارتقا" نظریہ تنازع الجماعت (Class Struggle)

[redacted]

اور اس تنازع نے گذشتہ زمانہ میں ارتقاء کو بہت مدد دی ہے۔ مارکس تاریخ ارتقا کے اسی ایک رخ کو عام قانون کی حیثیت دیتا ہے۔ جماعتیں ہمیشہ سے ہیں۔ ان میں جنگ بھی رہتی ہے۔ لیکن یہ تاریخ کا کوئی بہت بڑا کارنامہ نہیں ہے اور "تنازع الجماعت" ڈرامے کا حرف ایک پارٹ ہے۔ مجھے اس سے اختلاف ہے کہ سوسائٹی کسی خاص قانون کے ماتحت چند فرقوں میں تقسیم شدہ ہے۔ اور یہی باعث ترقی ہے۔ ہر دور میں جماعتی فرقہ بندی اور جماعتی خود پسندی ترقی کا اصل سبب نہیں ہے۔ بلکہ ترقی کا سبب معاشرتی اتحاد (Social Co-operation) ہے جو اخلاق کے اعلیٰ تخیل پر مبنی ہے۔

مارکس کو اپنا یہ نظریہ خود تبدیل کر دینا پڑا۔ کیونکہ جب اس نے متوسط درجہ کی جماعتوں سے ارتباط و اتحاد پیدا کرنا چاہا، تو یہ جماعت کی تفریق بہت ہی خطرناک ثابت ہوئی۔ بہت سے مزدوروں کی جماعتوں نے صرف اس بنا پر اس کو اپنی جماعت میں سے نکال دینا چاہا کہ وہ متوسط درجہ کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی لئے مارکس کو متوسط درجہ کی جماعت کے مزدوروں میں شامل کرنے کے لئے بہت زیادہ دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

معاشرتی فلسفے میں مارکس کا تیسرا معرکتہ الآرا نظریہ "فاضل منافع کا تجزیہ" (Analysis of Surplus value) ہے مارکس نے دیکھا کہ سرمایہ دار روز بروز مالدار ہوتے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ مزدوروں کی اجرت بہ نسبت ان کی محنت کے بہت کم ادا کرتے ہیں اور منافع کو "فاضل منافع" کہتے ہیں۔ جو مزدوروں سے غصب کر لیا گیا ہے۔

مارکس نے اس نظریہ کے مکمل کرنے میں بہت محنت اور غور و فکر سے کام لیا ہے۔ اور در اصل اسی کے تمام نظریہ کا بہترین حصہ یہی ہے۔

(باقی)　　نذیر احمد قریشی

صبحِ شباب

امین الدین خاں پرانے خاندانی بزرگ تھے۔ جو علاوہ شرافت و نجابت کے مال و دولت بھی رکھتے تھے۔ ہر چند یہ بات سننے والے کو شاید عجیب معلوم ہوگی، کیونکہ اس زمانے میں دولت و شرافت کا اجتماع اجتماعِ ضدین سمجھا جاتا ہے تاہم یہ واقعہ تھا کہ امین الدین خاں نہ صرف اپنے قصبہ میں بلکہ دور دور تک نہایت خوش حال رئیس مشہور تھے اور اپنی زندگی بڑی عزت اور فارغ البالی سے بسر کر رہے تھے وہ نہایت ظریف، وجیہ اور دیندار بزرگ تھے اور اپنی وضعداری اور خاندانی عزت کو بڑی خوبی سے سنبھالے ہوئے تھے۔ عربی و فارسی میں خاصی دستگاہ رکھتے تھے اور اپنے کو علم قیافہ اور علم معمہ کا بھی ماہر جانتے تھے آدمی گو پرانے خیالات کے تھے اور انگریزی اور دیگر علوم جدیدہ کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے لیکن کچھ لوگوں کے کہنے سننے اور کچھ ضروریات زمانہ سے مجبور ہو کر اپنے چھوٹے لڑکے سعید الدین خان کو انگریزی پڑھانے پر راضی ہو گئے جو اسوقت میرٹھ کالج میں ایف اے کے درجہ میں تعلیم پا رہا تھا۔

سعید کا بڑا بھائی حمید الدین خاں گھر پر رہتا تھا اور جائداد وغیرہ کا انتظام بھی بڑی حد تک اسکے ہاتھ تھا۔ حمید نے عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم دیوبند کے مدرسہ سے میں پائی تھی اور دیندار باپ کی نیت اور خواہش یہ تھی کہ اپنے بڑے لڑکے کے سر پر دستار فضیلت بندھوائیں اور حمید مولوی حمید الدین کہلائیں لیکن حمید جیسے سعادتمند فرزند اس پر راضی نہ ہوئے۔ انہوں نے فوراً اپنی عقل سلیم کو رہنما بنا کر اور طبابت کو مولویت پر ترجیح دیکر مطب کا مطالعہ شروع کیا۔ مگر انکا دماغ نخوت و خود بینی سے اسقدر بھر گیا تھا کہ اس میں کسی دوسری چیز کی گنجائش نہ رہ گئی تھی۔ وہ اپنے باپ کی بدقسمتی سے دنیا کے اُن نکمے انسانوں میں تھے جو کبھی کسی کام کو پورا نہیں کر سکتے، چنانچہ وہ نہ تو مولوی ہوئے نہ حکیم۔ لیکن وہ اپنے خیال میں اپنے آپ کو بڑا لائق حکیم اور نہایت قابل مولوی سمجھتے تھے اور کبھی کسی نمازی جولاہے کو مسئلہ بتانے یا اپنے غریب پڑوسیوں کا علاج کرنے اور دوا بتانے میں کوتاہی نہ کرتے اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ مرض انکے سمجھ میں آیا یا نہیں تشخیص ضرور فرماتے اور دوا بھی تجویز کر دیتے سب سے بڑا ستم یہ تھا کہ اگر کوئی حکیم اُن کے نسخے میں کچھ نقص نکالتا یا مریض کے رشتہ دار انکی بتائی ہوئی دوا کے استعمال میں ہچکچاتے تو حمید سخت ناراض ہوتے

[redacted]

اور اس حکیم کو اسکے پیچھے ہزاروں گالیاں سناتے اور اُن لوگوں کے توجانی دشمن ہو جاتے۔ حقیقت میں حمید اس قسم کے انسانوں میں تھے جو کچھ نہیں جانتے اور پھر سمجھتے ہیں کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں حمید انگریزی تعلیم اور انگریزی وضع قطع کے محض اس لئے مخالف تھے کہ وہ خود انگریزی نہ جانتے تھے اور نہ انگریزی وضع اختیار کر سکتے تھے۔ وہ قدما کی کورانہ تقلید اپنا فخر اور مذہبی معاملات میں ضد، تعصب اور جہالت سے کام لینا اپنا فرض سمجھتے تھے انکو اپنے چھوٹے بھائی سعید سے اس لئے نفرت تھی کہ دوسرے اسکو کیوں اچھا سمجھتے تھے اور وہ سارے قصبے میں اپنے تمام ہمسنوں سے زیادہ ہردلعزیز تھا۔ وہ سعید کو ذلیل سمجھتے تھے اور محض اس لئے کہ ہر شخص اسکو محبت و عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا گھر کے تمام نوکر سعید کو حمید پر ترجیح دیتے اور کریم اللہ امین الدین خاں کا پرانا نمکخوار اور قدیم خاندانی نائی تو کھلم کھلا چھوٹے کو لائق اور بڑے بھائی کو نالائق قرار دیتا تھا ایک دن گرمیوں میں شام کے وقت امین الدین خاں نشست گاہ کے صحن میں، کمرے کے سامنے والے چبوترہ پر تخت پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے تخت پر قالین اور اس پر سفید چادر بچھی ہوئی تھی اور خاں صاحب تاریخی چہرے سے۔ نہایت صاف اور دودھ سے اُجلے کپڑے پہنے۔ گاؤ تکیہ کے سہارے یوپی شرفا کی مخصوص اور محبوب انداز نشست سے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے انکی پیٹھ تکئے سے لگی ہوئی تھی جیسے کی مہاں تمنہ میں، بایاں پاؤں داہنی ران کے نیچے اور داہنا پاؤں بائیں ران کے اوپر تھا اس پاؤں کو وہ ہلکے ہلکے ہلاتے بھی جاتے تھے اور اسکے صاف اور ضعیف تلوے کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے سہلاتے بھی جاتے تھے۔ سامنے چند مونڈھے بچھے ہوئے تھے جن میں سے ایک پر حمید خاں اور دوسرے پر اس کنبے کے خاندانی طبیب حکیم محمد یحییٰ اور تیسرے پر اس قصبے کے ایک فرشتہ خصلت بزرگ میر عنایت علی بیٹھے ہوئے تھے میر عنایت علی نہایت متقی پرہیزگار اور خدا ترس بزرگ تھے انکا دستور تھا کہ عصر کی نماز مسجد میں ادا کرکے امین الدین خاں کے یہاں آجاتے اور مغرب سے پہلے کا وقت وہیں گذارتے۔ امین الدین خاں نے اپنے مغرور بد دماغ اور ادھیڑ داروغہ احمد خاں سے جو ایک عمدہ تنزیب کا کرتہ سیاہ پمپ اور لکھنؤ کی چنی ہوئی ٹوپی پہنے تخت کے قریب کھڑا تھا۔ اس کرخت لب لہجے میں۔ جس میں ہر یوپی رئیس و زمیندار اپنی ریاست کا جزو سمجھتا ہے ڈانٹ کر کہا "ارے احمد خاں! برف ابتک نہ آیا؟ وہ مردود فضلو کہاں مرگیا! کم بخت ابھی تک نہیں لوٹا میر عنایت علی سے مخاطب ہو کر "میر صاحب وقت دیکھئے گا۔ آپکی گھڑی میں کیا بجا ہے؟"

میر عنایت علی سے۔ جو نماز کا وقت دیکھنے کیلئے گھڑی ہر وقت ساتھ رکھا کرتے تھے جیب سے ایک پرانی وضع کی

ڈھکنے دار گھڑی نکالی اور کہا "پانچ بجکر ۹ منٹ آئے ہیں"

(امین الدین خاں۔ (داروغہ سے) "پانچ بجکر ۹ منٹ ہوئے ہیں۔ اور ریل تین بجکر پینتالیس پر آتی ہے؟"

داروغہ "جی حضور!"

امین الدین خاں "تو پھر یہ حرامزادے کا بچہ فضلو کہاں مر گیا؟"

داروغہ "حضور شائد گاڑی آج لیٹ آئی ہے۔ ابھی تک تو کوئی یکہ واپس نہیں آیا"

استے میں دروازہ کھلا اور فضلو ایک سیاہ کمبل میں برف پیسٹے بیٹھک کے اندر داخل ہوا فضلو کے آنے کے دو ایک منٹ بعد ہی ایک نہایت بھاری بھرکم اور شاندار بزرگ جو اس قصبے کے زمیندار اور آنریری مجسٹریٹ تھے ایک خاص تزک و احتشام کے ساتھ داخل ہوتے ہی اپنے مخصوص پوربی لب و لہجے میں چلائے "کیوں خاں صاحب ہم کیسے ٹھیک وخت آئیں۔ کہ ادھر برف آوا اور ادھر ہم داخل ہوسے ہم اس ارادہ سے نہیں اسے کہ آپکا برف ادھیا دیں لیکن برف دیکھ لیا ہے تو اب بغیر پیئے نہ جائیں گے"

تمام لوگ ان بزرگ کے داخل ہوتے ہی تعظیماً کھڑے ہو گئے اور یہ وقار و تمکنت کا مجسمہ بنے ہوئے ایک رئیسانہ انداز سے آکر ایک مونڈھے پر بیٹھ گئے اور امین الدین خاں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "کہو اب سعید کیسا ہے؟"

امین الدین خاں "اب تو آپکی دعا سے اسکی حالت روبصحت ہے۔ حکیم صاحب بڑے غور و فکر سے علاج کر رہے ہیں اللہ نے انکے ہاتھ میں شفا بھی دی ہے۔ امید تو ہے کہ پندرہ بیس دن میں بالکل اچھا ہو جائیگا ارے خدا بخش۔ خان بہادر صاحب کے لئے ایک گلاس برف کے پانی کا بنا لا سعید نے صاحب! اس بیماری میں بڑی تکلیف اٹھائی آج اوسے بیمار ہوئے پورا ایک مہینہ ہوتا ہے"

خان بہادر احمد یعقوب بیگ "خدا اُسے اچھا کرے جب سے بیمار ہوا ہے انکی خالہ (مراد اپنی بیوی سے) بہت پریشان ہیں"

امین الدین خاں "خیر پریشانی کی تو اب کوئی وجہ باقی نہیں رہ گئی خدا کے فضل سے خطرے کی حالت تو گذر گئی جو کچھ خیال ہے وہ محض اسکی کمزوری کا ہے"

حکیم جی "انشا اللہ وہ بھی جلد رفع ہو جائیگی"

خان بہادر صاحب :- سعید تو تھا بھی ہمیشہ کا لاغر و نحیف۔"

امین الدین خاں :- جی ہاں اور اس پر یہ علالت قیامت ہو گئی۔ میر عنایت علی کی طرف مخاطب ہو کر میر صاحب وہ تو اب پہچانا بھی مشکل سے جاتا ہے۔ ارے برف کا پانی اب تک نہ لایا؟"

خان بہادر :- لاتا ہو گا۔"

امین الدین خاں :- کہئے تو تھوڑی سی دال موٹھ بھی منگوائی جائے۔ کل مولانا کوثری آگرے سے لائے ہیں۔"

خان بہادر :- ہاں منگواؤ ہم بہت بھوکے ہیں۔"

نوکر نے ایک طشتری میں دال موٹھ اور ایک گلاس میں پانی رکھدیا۔ خان بہادر احمد یعقوب بیگ دال موٹھ سے شغل فرما رہے تھے اور باتیں بھی کرتے جاتے تھے "خیر خدا کا شکر کیجئے۔ اس نے بڑا فضل کیا۔ سعید بچ گیا ورنہ بیمارِ کم بخت بڑی مہلک تھی۔"

امین الدین خاں :- جی ہاں! بس یوں سمجھئے گویا دوبارہ زندگی نصیب ہوئی۔ ہم لوگ تو اسکو اس گھر کی آرزو اور امید سمجھتے ہیں۔"

حکیم یحییٰ - سعید ہے بھی ایسا ہی ہونہار لڑکا!"

خان بہادر :- بڑا ہونہار۔ بڑا نیک چلن۔ بڑا سعادتمند!"

حکیم یحییٰ :- اس میں کیا شبہ ہے۔"

خان بہادر :- ارے صاحب! سعید واقعی سعید ہے۔ اللہ اس کی عمر میں برکت دے اس سے تو قصبے کا نام روشن ہو گا۔ افسوس! مولوی اکرام اللہ خاں مرحوم کہا کرتے تھے کہ یعقوب! اقبال اس قصبے سے چلا اور واقعی ان کے مرتے ہی جو بربادی شروع ہوئی۔ تو قصبے کا قصبہ ویران ہو کر رہ گیا۔"

امین الدین خاں :- جی ہاں! ہمارے دیکھتے دیکھتے کیا سے کیا ہو گیا! اب نہ وہ محلے کی نشست رہی۔ نہ وہ لوگ رہے۔ نہ وہ طبیعتیں رہ گئیں! مرزا غلام رسول کا خاندان دیکھتے دیکھتے بگڑ گیا۔"

خان بہادر :- صاحب ایک غلام رسول کیا بیسیوں بگڑ گئے۔ وہ بات ہی نہ رہی۔ جو رونق و چہل پہل ہمارے بچپن میں تھی وہ اب خواب میں بھی نہیں دکھائی دیتی! (ٹھنڈی سانس لیکر) بہر کیف دنیا کا دستور یہی ہے کوئی کیا کرے کہاں تک روئے۔"

حکیم یحییٰ - (ٹھنڈی سانس لیکر)... خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کسکی + ہزاروں اٹھ گئے لیکن وہی

رونق ہے محفل کی۔"

حمید خاں (چپکے سے حکیم صاحب کے کان میں) "سبحان اللہ! واہ حکیم صاحب واہ کیا برمحل شعر فرمایا۔"

حکیم صاحب جنکو اپنی سخن فہمی اور زبان دانی کا سخت مغالطہ تھا ذرا چیں بجبیں ہو کر چپکے سے بولے "میاں! آپ ہیں ابھی صاحبزادے آپ کیا جانیں شاعری کیا چیز ہے۔ ابھی کوئی عاشقانہ شعر پڑھتا تو لوٹ جاتے لیکن چونکہ یہ شعر گل و بلبل کے تذکرے سے خالی ہے۔ آپ ہنس پڑے اور لگے بنانے۔ حضرت! آپ کیا جانیں سادگی بیان کیا چیز ہے؟ یہ شعر وہ ہے جسکے لفظ لفظ سے حسرت و عبرت ٹپکتی ہے۔"

حمید خاں (معاملے کو رفع دفع کرنے کی غرض سے) "واقعی حکیم صاحب یہ تو میری نالائقی اور کم فہمی ہے ورنہ ایسے نادر اشعار کے سمجھنے اور یاد رکھنے والے آج کل میسر کہاں ہیں۔"

اتنے میں مغرب کا وقت قریب آیا اور سب نماز پڑھنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حمید اور حکیم صاحب سب کی نظر بچا کر چپکے سے باہر نکل آئے۔ ادھر وہ لوگ نماز کی تیاری میں مشغول تھے۔ ادھر حکیم صاحب جو عموماً نہایت باشرع مشہور تھے۔ شاعری فرما رہے تھے۔ کبھی شفق کو دیکھ کر کوئی شعر پڑھتے۔ کبھی شام کی خاموشی اور سناٹے پر کوئی مصرعہ سنانے! غرض اسی طرح یہ بیوقوف حکیم چالاک اور حاسد حمید پر اپنی سخن فہمی اور سخن دانی کا سکہ جمانے کی کوشش لاحاصل میں مشغول تھا کہ سورج۔ خان بہادر احمد یعقوب بیگ جیسے بخیل کی طرح "اپنا طلائی زیور سمیٹ کر رخصت ہو گیا" اور سامنے کے میدان سے بڑھتی ہوئی تاریکی دنیا پر چھا گئی۔

(۲)

امین الدین خاں کے بالاخانے کے مشرقی کمرے میں سعید بستر علالت پر پڑا ہے۔ سامنے میز پر ایک لیمپ جل رہا ہے جس کی ہلکی اور مدہم روشنی اسکے خاموش اور خوبصورت چہرے پر پڑ کر اسکے نقاہت اور زردی کو نمایاں کر رہی ہے۔ تھوڑے فاصلے پر ایک پلنگ پر ماما، جو آج یہاں اس لئے سو رہی ہے کہ بیمار کی تیمارداری کرے، بڑی خراٹے لے رہی ہے۔ سعید کے پلنگ کے برابر کرسی پر ایک کمسن اور حسین لڑکی جسکی وضع قطع اور طرز لباس شریف گھرانوں کی کنواری لڑکیوں کا سا ہے۔ خاموش بیٹھی بیمار کے چہرے کو غور سے دیکھ رہی ہے یکایک مریض نے کروٹ لی۔ کراہا اور اسکے کراہنے کی آواز کے ساتھ ہی لڑکی کی حسین آنکھوں میں ایک بے چینی کی کیفیت پیدا ہوئی وہ بے اختیاری کے عالم میں سعید کے دراز جسم پر جھکی لیکن فوراً اس حیا کیساتھ

ہٹ گئی جو دنیا کی تمام قوموں میں صرف شریف اور پردہ نشین مسلمان خواتین کا حصہ ہے

سعید نے پھر کروٹ لی اور اپنی بیمار آنکھیں کھولیں۔ "کون؟ محمودہ! تم جاگ رہی ہو؟ خدا کے لئے جاکر سو رہو۔ تم میری وجہ سے بڑی تکلیف اٹھا رہی ہو۔"

محمودہ: "نہیں میں تو سو رہی تھی۔ ابھی اٹھی ہوں۔ آپ کا درد کیسا ہے؟"

سعید: "اچھا ہے۔ بالکل اچھا ہے۔ تمہاری آنکھوں سے تو نہیں معلوم ہوتا کہ تم ایک منٹ کے لئے بھی سوئی ہو۔"

محمودہ: (خفیف مسکراہٹ لیتا ہے) "نہیں واقعی میں سو رہی تھی۔ ابھی ابھی اٹھی ہوں۔ آپ کے سرہانے کی کھڑکی اس زور سے بند ہوئی کہ میں سمجھی خدانخواستہ شیشہ ٹوٹ کر آپ کے پلنگ پر گرا۔ ہوا بہت تیز چل رہی ہے شاید آندھی آنے والی ہے۔" سعید کچھ سوچتا رہا پھر بولا "کیا بج رہے ہوں گے؟"

محمودہ: "کوئی دو بجے ہوں گے۔ تھوڑی دیر ہوئی تحصیل کے گھنٹے نے دو بجائے تھے۔"

سعید: "محمودہ! (اتنا کہہ کر مسکرا کر) میں نے ابھی ابھی ایک خواب دیکھا ہے۔ لیکن تم سے کہتے ہوئے جی ڈرتا ہے تم بھائی (مراد محمودہ کی والدہ) سے کہہ دو گی اور وہ تعبیر بتا کر سارے گھر کو پریشان کر دیں گی۔"

محمودہ: "نہیں کہئے اگر آپ کی مرضی نہیں ہے تو میں نہ کہوں گی۔"

سعید: "میں نے دیکھا ہے میں، تم، بھائی اور خاندان کے اور کئی آدمی ایک قافلے کے ہمراہ خدا جانے مجھے یاد نہیں کہاں کا سفر کر رہے ہیں۔ قافلہ چلتے چلتے ایک نہایت گھنے اور تاریک جنگل سے گذرتا ہے۔ یکایک جنگل کے درختوں کی آڑ سے ہزارہا ہیبت ناک شکل کے ڈاکو نکل کر لوگوں پر حملہ آور ہوتے ہیں اور قافلے والوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ بڑا کشت و خون ہوتا ہے اور سارا جنگل مرنے والوں اور زخمیوں کی چیخ پکار اور بھیانک آوازوں سے گونجنے لگتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد درندہ جانوروں اور خونخوار بھیڑیوں کی فوج نکلتی ہے اور یہ خوفناک جانور دوڑ دوڑ کر مردوں کی لاشوں کو نوچنے اور ان کے جسموں کو پھاڑ کر کھانے لگتے ہیں۔ ہم اور تم بھاگ کر پھوس اور سرپت کی آڑ میں پناہ لیتے ہیں اتنے میں ایک بڑا اژدہا سانس سے آگ برساتا ہوا ایک طرف سے نمودار ہوتا ہے۔ اس کی پھنکار سے ہوا میں آگ کے شعلے بلند ہوتے ہیں اور سارا آسمان لال ہو جاتا ہے۔ ہم تم سرپت کی آڑ سے یہ خوفناک نظارہ دیکھ رہے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک انگارہ کھیت میں آ کر گرتا ہے۔ اور پھوس سب جلنے

نکلتا ہے۔ آگ بلند ہوتی ہے اور کھیت کو جلاتی ہوئی ہماری طرف بڑھنے لگتی ہے۔ دیکھتے دیکھتے آگ کی چادر تمام پھیل جاتی ہے اور سارا کھیت آگیا۔ آگ کا سمندر معلوم ہوتا ہے۔ ہم تم پناہ مانگتے ایک بڑے برگد کے درخت کی طرف بھاگتے ہیں۔ وہاں پہونچکر ہم لوگ چاروں طرف سے گھر جاتے ہیں اور پلید روحیں قبروں سے نکل کر ہمارا محاصرہ کرلیتی ہیں۔ یکایک دنیا بالکل تیرہ و تار ہوجاتی ہے اور اس خوفناک اندھیرے میں تم مجھ سے زبردستی جدا کرلی جاتی ہو۔ میں تمہیں پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوں اور میرا ہاتھ ایک زنجیر پر پڑتا ہے۔ یہ زنجیر خودبخود اوپر کو کھینچنے لگتی ہے اور میں اس کے سہارے نہایت تیزی کے ساتھ آسمان کی طرف جارہا ہوتا ہوں کہ مجھے تمہارا خیال آتا ہے اور میں تمہارا نام لیکر چلانا چاہتا ہوں لیکن اسوقت مجھے یہ معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی دونوں ہاتھوں سے میرا منہ بند کررہا ہے اور میرے آواز نکلنے نہیں پاتی۔ بس میں یہیں تک دیکھنے پایا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ تم میرے برابر کرسی پر بیٹھی ہوئی مجھ کو غور سے دیکھ رہی ہو۔" محمودہ۔ یہ خواب سنکر سر سے پاؤں تک سن پڑگئی۔ اس کا چہرہ زرد ہوگیا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور دل مضبوط کرکے کہنے لگی۔ "بھیا تم ناحق پریشان ہوتے ہو تمہارا دماغ بخار کی وجہ سے پراگندہ تھا اور بخار میں یوں ہی لوگ الٹے سیدھے خواب دیکھا کرتے ہیں۔"

سعید۔ "ہاں سچ ہے لیکن محمودہ یہ نظارہ ایسا دہشتناک تھا کہ میرا دل اب تک دھڑک رہا ہے۔"

محمودہ (گفتگو بدلنے کی غرض سے) "اچھا دوا لاؤں؟ پیوگے؟"

سعید۔ "لے آؤ تم دوا پلانے میں بڑی بے رحم ہو۔"

محمودہ۔ شرمائی، اسکا چہرہ دوشیزگی کی حیا سے ایک ساعت کے لئے سرخ ہوگیا اسنے منھ پھیرلیا تھا اور سعید اس کو بالکل نہ دیکھ سکا۔ محمودہ نے میز پر سے ایک بوتل اٹھائی اس میں سے کچھ عرق ایک گلاس میں ڈالا اور سعید کے پاس لے گئی۔ "لیجئے آنکھ بند کرکے جلدی سے پی جائیے۔"

سعید۔ "آنکھ تو میں خود بند کرتا ہوں لیکن پلاؤ تم دو۔ مجھ سے خود کبھی بھی نہ پی جائے گی۔"

محمودہ۔ پھر شرمائی اور اگر سعید نے فوراً آنکھیں نہ بند کرلی ہوتیں تو وہ ضرور اس شہابی رنگ کو دیکھتا جس نے صرف ایک لمحے کے لئے اسکے رخسار کو گلاب کا پھول بنا دیا تھا۔ سعید۔ آنکھ بند کئے دوا کیواسطے منہ کھولے ہوئے تھا۔ محمودہ دوا کا گلاس ہاتھ میں لئے کھڑی سر سے پاؤں تک کانپ رہی تھی! مرد کی جذبات عشق سے دنیائے شاعری معمور ہے۔ لیکن کیا عورت ان جذبات سے محروم ہے؟ عورت جس کی زندگی شروع سے

آخر تک ایک طویل افسانۂ محبت ہے!! عورت جسکا خمیر محبت سے ہوا ہے اور جو اس دنیا میں محض محبت کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے!! سعید نے آنکھیں کھولیں "دیکھوں؟ دوا کیوں نہیں پلاتیں؟ مجھ سے خود کبھی نہ پی جائے گی تم زبردستی میرے منھ سے گلاس لگا دو" سعید۔ بھولے سعید۔ معصوم سعید نے پھر آنکھیں بند کرلیں منھ کھولا۔ محمودہ کے کپکپاتے ہاتھوں نے سعید کے منھ سے گلاس لگا دیا اور وہ ایک معصوم بچے کی طرح دوا پی گیا۔ دوا نہایت تلخ تھی حلق کے نیچے اُتری کہ سعید نے ایک کرب و بے چینی کے لہجہ میں کہا "اُفوہ! محمودہ! تم بڑی بیدرد ہو!"

سعید "اچھا اب میں دوا پی چکا۔ تم جا کر سو رہو۔ میں بھی سوتا ہوں۔ دیکھو خدا کے لئے بلا وجہ تکلیف مت اُٹھاؤ۔ میں سچ کہتا ہوں۔ میں بالکل اچھا ہوں۔ غضب خدا کا تم میری وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کئے ڈالتی ہو اچھا ذرا وہ تکیہ مجھے دیتی جاؤ"

محمودہ نے چوکی پر سے تکیہ اُٹھا کر ہلکے سے اور احتیاط کے ساتھ سعید کے بغل میں رکھنے لگی۔ سعید احسانمندی کے جذبے سے بیخود اور مدہوش ہو رہا تھا۔ اُسکی آنکھیں امتنان و تشکر کی نرم و ملائم روشنی سے چمک رہی تھیں۔ اس نے نہایت نرمی اور محبت سے محمودہ کا ہاتھ پکڑا اور اسکے چہرے پر نظر جما کر کہنے لگا "محمودہ! تم مجھ سے بڑی محبت کرتی ہو! میں تمہارے احسانوں کا کیا بدلہ دے سکتا ہوں!" محمودہ کے ہونٹ کانپے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اُبل کرے اور سارے بدن پر ایک لرزہ دوڑ گیا۔ اس نے گھبرا کر منھ پھیر لیا۔

سعید "کیوں؟ خیریت ہے؟"

"کچھ نہیں!"

"اچھا جاؤ سو۔ میں بھی سوتا ہوں"

سعید نے کروٹ لیکر آنکھیں بند کرلیں۔ محمودہ جا کر اپنے پلنگ پر لیٹ گئی۔ اگر سعید کی دماغی حالت درست ہوتی تو وہ ضرور اس کرب و بے چینی کے مظاہرے میں محبت کی وہ جھلک دیکھتا جس کو محمودہ کی نسائیت اس سختی سے چھپا رہی تھی۔ لیکن طویل بیماری نے اس کا دماغ کمزور کر ڈالا تھا اور وہ یہ سمجھ کر کہ محمودہ اس کی علالت کے خیال سے ملول و متاثر ہے۔ مطمئن ہو کر اور ممنونِ احسان ہوا۔ محمودہ پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی لیکن اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور نگاہیں چھت پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کا دل کانپ رہا تھا اور نیند اس کی آنکھ سے کوسوں دور تھی۔ ہوا اب نہایت تیز چل رہی تھی اور دور کسی جلانے والے چوکیدار کی دہشتناک

آواز رات کے سکون و سناٹے میں عجیب زیر و بم کے ساتھ سنائی دے رہی تھی

باہر دنیا ایک بھیانک تاریکی میں ملفوف تھی اور کمرے کے اندر لمپ کی دھندلی روشنی اور ایک طوفانی رات کی سیاہی میں تنازع للبقا کی کشمکش جاری تھی۔ محمودہ گھبرا گھبرا کر اپنے چاروں طرف دیکھتی اور ایک سمجھ میں نہ آنیوالے خوف سے لرز رہی تھی۔ اس کے ہونٹ خشک تھے اور دل سینے میں اس زور سے دھڑک رہا تھا کہ اسکے کان دھڑکن کی آواز اچھی طرح سن رہے تھے۔

سعید کی شادی حامد حسین صاحب رئیس علی پور کے یہاں ہونیوالی تھی۔ اور ایک مرتبہ ناسمجھ سعید نے محمودہ سے مذاقاً کہا تھا کہ "میں اپنی شادی کے موقعہ پر تمہیں سونے کا کنگن منوادونگا" سعید اسوقت خوش تھا اور محمودہ بھی مسکرائی تھی۔ لیکن اتفاقاً سعید منھ پھیر کر کسی تصویر کی طرف دیکھنے لگا تھا اور محمودہ کے ہونٹوں پر سے مسکراہٹ غائب تھی۔ اسکا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اسوقت بھی محمودہ کو خدا جانے کیوں سعید کے شادی کا خیال آیا۔ وہ بار بار جھنجھلاتی تھی کہ یہ خیال اس کے دل میں آتا ہی کیوں ہے؟ لیکن باوجود اس کی الجھن اور جھنجھلاہٹ کے یہ خیال اس کے دماغ سے ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا۔ وہ اسکو دل میں ایک ساعت کے لئے بھی جگہ دینا ایک ناقابل عفو جرم اور ایک نہ معاف ہونیوالا گناہ سمجھتی تھی۔ لیکن اسکا روک دینا اسے اپنے اختیار سے باہر نظر آتا تھا۔ وہ اپنی پوری قوت سے اس خیال کو اپنے دماغ سے باہر کرنا چاہتی تھی لیکن نہ کر سکتی تھی۔ رہ رہ کے سعید کا دلکش چہرہ اسکی آنکھوں کے سامنے آتا اور وہ اسے دیکھ دیکھ کر بے چین و بے قرار ہو جاتی۔ کبھی ناامیدی کی تاریکی اس چہرے کو اسکی نظروں سے پوشیدہ کر کے اپنی سیاہی میں گم کرنا چاہتی لیکن محمودہ حس کو محسوس ہوتا تھا کہ یہ چہرہ اپنے ساتھ اس کے آنکھوں کی روشنی لیجا رہا ہے۔ دونوں ہاتھ سے اس تاریکی کو چیرتی اور آخرکار بے بس ہو کر چیختی اس کی دردناک چیخ کے ساتھ سیاہی پھٹتی اور وہ چہرہ نمودار ہوتا آسکی نگاہیں اس سے لپٹتیں اور پھر علٰحدہ ہونا گوارا نہ کرتیں۔ وہ چلاتی اور کہتی کہ "میرا سے خدا میری تنہا مسرت کو مجھ سے جدا نہ کرو۔ مجھے دیکھنے دو! اپنے زندگی کے چاند کو دیکھنے دو! اس کی جدائی ہجر حیات سے کم نہیں۔ میری آنکھیں لیلو میرا دل نکال لو لیکن خدا کے لئے میری اس روح کی روشنی کو رہنے دو!" ایک مرتبہ خیالات کی رو نے پلٹا کھایا اور اس کی نظروں کے سامنے سعید کی ہونیوالی بیوی کی تصویر آئی۔ یکایک اس کے تمام جسم میں ایک افسردگی کی لہر دوڑ گئی اور اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے۔

[redacted]

اس کی خیالی آنکھوں نے دیکھا کہ وہ ایک شاہزادی کی طرح بیٹھی ہوئی اس گھر پر جہاں اس نے آنکھیں کھولیں پلی، بڑھی، جوان ہوئی حکومت کر رہی ہے۔ اسکی آرزو، اس کی مسرت، اسکے زندگی کا خواب، اس کی تمنائیں سب اس شاہزادی کے قدموں پر پڑی ہیں! وہ تڑپی، وہ بے چین ہوئی، اس پر ایک جنون اور دیوانگی کی کیفیت طاری ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ اسکا پیارا کمرہ جس میں اس نے جاڑے کی لمبی راتوں میں یا سعیدہ کو بیچ میں لٹا کر قصے سنائے تھے، جہاں اس نے اپنی گڑیا کی شادی کا کھیل رچایا تھا اور جسکو سعیدہ چور کی طرح سب کی نظر بچا کر سب کا سب خود لے لیا تھا، اس سے چھینا جا رہا ہے۔ اس کی حسرتیں، اس کا کنوارا پن، اس کے حسن کی دولت ایک نامحرم قدموں کے نیچے پامال ہو رہی ہے۔ وہ بھچکی، وہ گھبرائی۔ اس نے اپنے اس خیال کی دنیا سے نکل کر بھاگ جانا چاہا، لیکن اس جگہ کی زمین نے پیر پکڑ لئے۔ اس نے خوف زدہ ہو کر اپنا منہ ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔ پچھلے رات کے گھڑیال نے تین کا گھنٹہ بجایا۔ محمودہ نے گردن اٹھائی تو بے خبر سعیدہ کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔ وہ ایک منٹ تک غور سے دیکھتی رہی، پھر بستر پر لیٹ گئی۔ اب اس کا چہرہ دوپٹہ سے ڈھکا ہوا تھا اور دونوں ہاتھ منہ پر تھے۔ محمودہ رو رہی اور زار زار رو رہی تھی۔ دنیا کی سب سے زیادہ مضبوط دل رکھنے والی عورت بھی ایسی حالت میں رو تی ہے

ہوا سائیں سائیں کرتی گزر رہی تھی اور رات کا بادشاہ، اپنی ہیبت آواز سے چیخ رہا تھا۔ محمودہ رو چکی تھی اور اب اس پر ایک سکون کی کیفیت طاری تھی۔ وہ آنکھیں بند کئے ہوئے خاموش لیٹی تھی اور اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ وہ اپنی حالت دیکھتی تھی اور سہمی جاتی تھی۔ "کیا وہ خدانخواستہ محبت میں مبتلا ہو گئی؟ نہیں، ہرگز نہیں، محمودہ، شریف ہو کر کیسے عشق کر سکتی ہے، غلط، ناممکن۔" محمودہ انکار کر رہی تھی مگر ایک آواز کہہ رہی تھی "محمودہ، محبت اسی کو کہتے ہیں۔"

"بولی محمودہ عشق کے نام سے لرزتی تھی، وہ ابتک عشق کو طاعون و ہیضہ کا سا وبائی مرض سمجھتی تھی اور اب سے کوئی دو برس پہلے جب اس کی ایک سہیلی نے اس سے عشق کا ذکر کیا، تو وہ ناراض ہو گئی تھی اور عہد کر لیا تھا کہ آئندہ اس کا منہ نہ دیکھے گی۔ لیکن آج محمودہ کو عشق تھا، وہ واقعی عشق میں مبتلا تھی۔

باقی

وحیدالدین کرنوی

دستوریت ایران

بسلسلہ اشاعت گزشتہ

تاسیس انجمن مخفی

اس گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز کے بعد انجمن مخفی کی بنیاد پڑ گئی۔ اس انجمن کے اہم ارکان آقا ذوالریاستین، آقا فیلسوف، ادیب بہبہانی، سید برہان الدین خلخالی، آقا سید محمد تقی آقا سید یوسف، ناظم الشریعہ، اور خود ناظم الاسلام کرمانی تھے۔ نہایت مخفی طریقہ پر انجمن کے ارکان و اعضا کے مکانوں اور قیام گاہوں پر انجمن کے جلسے منعقد ہوتے تھے جہاں مختلف طریقوں سے دوسرے اشخاص کو شریک کیا جاتا اور اعتماد پیدا ہو جانے کے بعد انکو رکن انجمن منتخب کر لیا جاتا تھا۔

اسوقت ایران میں حرف اصلاح زبان پر لانا نہایت خطرناک تھا لیکن ارکان انجمن نے اپنے آپکو اس خطرہ میں نہایت محفوظ طریقہ پر ڈالا۔ انجمن میں آقا سید طباطبائی کی ہدایت سے سیاحت نامہ ابراہیم بیگ کے مختلف ٹکڑے پڑھے جاتے تھے۔ اس سفرنامہ کے مصنف نے وزرا کو خطاب کر کے ایران کی تباہ کن حالت کا نقشہ نہایت موثر الفاظ میں کھینچا ہے۔ جب اس کے مضامین پڑھے جاتے تھے تو خواہ مخواہ لوگوں پر اثر پڑتا تھا۔ ارکان انجمن اس اثر سے ہر شخص کے جذبہ وطن پرستی کا اندازہ کرتے اور پھر جس میں جتنا زیادہ یہ جذبہ پاتے اسکی طرف اتنی ہی زیادہ متوجہ ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ ایک دن انجمن کا جاں نثار فدائی بن جاتا تھا۔

انجمن کے ان جلسوں میں جتنی گفتگوئیں ہوتی تھیں مصنف تاریخ بیداری ایرانیان نے ان میں سے اکثر کو اپنی کتاب میں لفظ بلفظ درج کر دیا ہے۔ یہ گفتگوئیں پر از معلومات اور دلچسپ ہیں لیکن یہاں انکا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں۔ اس لئے صرف دو ایک جگہ کے اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ اقتباسات ان کے مذہبی حصہ کے ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ خیالات ایران کی انقلابی تحریک اور قدیم زمانہ سے مخفی سازشوں کے ساتھ ان کی دلچسپی و شغف کو سمجھنے میں مدد دیں جمعرات کے دن ۲ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ کو ادیب بہبہانی کے گھر میں انجمن منعقد ہوئی۔ ادیب بہبہانی

لوگوں کو موجودہ حالت میں انقلاب پیدا کر دینے کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہم موحدین میں شمار کئے جاتے ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ ہم صاف شرک کی حالت میں مبتلا ہیں دیکھو کتاب نہج البلاغۃ میں حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کا اپنے فرزند گرامی کے ساتھ مکالمہ درج ہے۔ حضرت فرماتے ہیں۔

یا بنی لا تکن عبداً لغیرک وقد جعلک اللہ حراً ۔ اے فرزند تم غیر کے غلام نہ بنو اللہ نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے

اور حضرت فرماتے ہیں

ان اللہ بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم لیخرج عباده عن عبادة عباده ۔ اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے بھیجا کہ وہ اوس کے بندوں کو غیروں کے حلقہ عبودیت سے نکالیں۔

خداوند کریم قرآن مجید میں فرماتا ہے

ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار ۔ متفرق و متعدد ممالک بہتر ہیں یا صرف ایک اللہ واحد قہار

کتاب اثنی عشریہ کی یہ روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلعم اپنے خانہ مبارک سے نکلے باہر کچھ صحابہ ایک جگہ بیٹھے تھے وہ حضرت صلعم کو تشریف لاتے دیکھکر تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے حضرت صلعم نے غضبناک ہو کر فرمایا

لا تقوموا کما تقوم الاعاجم ۔ عجمیوں کی طرح کسی کی تعظیم کے لئے ہرگز نہ اوٹھا کرو

یہ اور اسی قسم کی بہت سی روایتیں اور واقعات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو صرف خدا اور رسول خدا کے احکام کا پابند ہونا چاہیے۔ دوسروں کی اطاعت وعبودیت روح اسلام کے بالکل منافی ہے۔ اب ہمیں اسپر خود غور کر لینا چاہیئے کہ ہم کس حالت میں مبتلا ہیں ؟

انجمن کے ایک جلسہ میں خود مصنف تاریخ بیداری ناظم الاسلام کرمانی نے صاف کہدیا کہ جب تک ملک میں انقلاب نہو گا اصلاح کی توقع نہیں ہمیں اس کے لئے کوشش کرنا چاہئے کیونکہ بیداری کا راز انقلاب میں پنہاں ہے۔ ہمارا فرض ہونا چاہیئے کہ صرف انقلاب کے لئے جد و جہد کریں، کیا آپ لوگوں نے حضرت امام معصوم کا یہ فرمان نہیں سنا ہے

نحب الانقلاب ولو علینا ۔ ہم انقلاب کو پسند کرتے ہیں گو وہ ہمارے ہی مقابلہ میں کیوں نہو۔

آقا ذوالریاستین نے لکھا

ہمارا فرض ہونا چاہئے کہ حق کو ظاہر کر دیں اور جو کچھ کہیں اوسپر عامل بھی ہوں ظلم کے مفاسد علانیہ بتائیں اور خدمت ملت و وطن اور خدمت اسلام کے لئے سرفروشانہ کوشش کریں ظاہر ہے کہ یہ کام زحمت و مشقت اور خطرہ سے خالی نہیں لیکن ہر مصیبت اور خطرہ کو برداشت کرنا چاہئے، کمال شرف و مردانگی اسی میں ہے کہ ہم اپنے اس مقدس مقصد کی راہ میں موت کو بھی ایک معمولی چیز سمجھہ لیں ہمارا یہ مقصد شریعت کے خلاف بھی نہیں ہے، سلف کے کارناموں میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ اونھوں نے خدمت حق و بیداری خلق کے لئے مخفی انجمنیں قائم کی ہیں، اور مختلف اطراف میں داعی روانہ کئے ہیں ہمارے امام و مقتدا حضرت حسین بن علی علیہ السلام سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جنہوں نے انجمن مخفی قائم کی اور اپنے داعی مختلف اطراف مین بھیجے، یہ پہلے مقدس بزرگ ہیں جنہوں نے ظلم و ذلت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

یہ کہکر آقا ذوالریاستین اپنے کتبخانہ میں گئے اور کتاب لاکر اس کے صفحہ ۱۵۴ سے یہ روایت سنائی یہ واقعہ جلاء العیون میں بھی موجود ہے اس روایت کا خلاصہ یہ ہے۔

حضرت امام حسین کی رحلت کے بعد شیعان علی پر سخت مصیبتیں نازل کی گئیں . . . . . بالآخر ایک مرتبہ سید الشہداء حسین بن علی نے حج کا قصد فرمایا اور اپنے تمام دوست احباب اور معتقدین کو دعوت نامہ بھیجا کہ اس حج میں سب شریک ہوں۔ چنانچہ اعمال حج سے فارغ ہونے کے بعد آپ کی فرمائش کے مطابق تمام لوگ مقام منی میں جمع ہوئے یہ گروہ ایک ہزار سے زیادہ اشخاص پر مشتمل تھا بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام نے نگہبان اور جاسوس مقرر کئے اور اسکی سخت نگرانی رکھی کہ کوئی غیر و ناآشنا شخص اس میں شریک نہ ہوسکے یہ انجمن مخفی طریقہ پر منعقد ہوئی تھی، آپ نے اس میں کھڑے ہوکر خطبہ دیا جس میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ تم سب جانتے ہو کہ اور دیکھتے ہو کہ دشمنوں نے ہمارے دوستوں کے ساتھ کیا کیا اور کیا کر رہے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ تم سے کچھ کہوں۔ اور ہاں میں جو کچھ کہوں اگر سچ کہوں تو اس کی تصدیق کرو۔ اور اگر غلط کہوں تو تم بے تکلف اسکی تکذیب کرو، اور ... میں جو کچھ کہتا ہوں اوسکو اچھی طرح سنو، اور جو کچھ سنو اوسکو مخفی رکھو۔

اس خطبہ میں حضرت امام نے تمام اہم اور ضروری باتیں بیان کیں اور جینے والے ... ...

اُن مصیبتوں کو بیان کرے جو پیشوایان مذاہب نے اعلان حق و صداقت اور نشر عدل و مساوات کی راہ میں اُٹھائی ہیں۔

۶۔ تمام شرکار انجمن پر فرض ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ رعایت و محبت کا برتاؤ کریں اور ہر حالت میں کوئی ایک دوسرے پر اوسکی طاقت و استعداد سے زیادہ بار نہ ڈالے۔

۷۔ رکیک باتیں، مجادلہ، سخت گوئی، نامناسب و ناگوار مذاق و مزاح، بداخلاقی اور کذب و بہتان سے قطعاً پرہیز کرے۔

۸۔ انجمن کے مذاکرات، تربیت، بیداری عام، خیر خلائق، اعلان ظلم و ستم، اور مظلوموں کی چارہ جوئی و اصلاح ملک سے متعلق ہونا چاہئے۔

۹۔ ہر شریک انجمن کا فرض ہے کہ وہ ہر فرقہ و قوم کے علما کی توقیر کرے انکا اکرام و احترام کرے اور یہ بھی فرض ہوگا کہ ہر فرقے کے اجزاء انجمن اپنے اپنے فرقہ کے علما کو ملک و وطن کے خطرات سے آگاہ کرکے اونکی اصلاح و چارہ جوئی کی طرف متوجہ کریں تاکہ تمام مذاہب کے اپنی اخلاص شریک کار ہو کر حفاظت وطن کا مقدس فرض ادا کریں۔

اتنا لکھکر مصنف تاریخ بیداری ایران نے لکھا ہے کہ نمبر ۱ سے نمبر ۶ تک میں انجمن کے اسرار و رموز کی تشریح ہے اور ہم ان کو اس قسم کی بنا پر جو قرآن مجید ہاتھ میں لیکر ان کے دائمی اخفا و رازداری کے لئے کھائی ہے ظاہر نہیں کرسکتے، اس لئے ظاہر ہے کہ ہم بھی انکو یہاں درج کرسکنے سے معذور ہیں۔

اس انجمن کا قابل ذکر طرز عمل اور اپنے دائرہ کو محفوظ طریقہ پر مزید وسعت دینے کا طریقہ یہ تھا کہ جب اس ابتدائی انجمن کے تیس ممبر ہوگئے تو ان میں سے ہر ایک کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ بطور خود جدا جدا انجمنوں کی بنیاد ڈالیں، پھر جب ان میں سے بھی ہر ایک کے تیس تیس ممبر ہوگئے تو ان کے ممبروں کو بھی اجازت دی گئی کہ ان میں سے ہر شخص بطور خود علیحدہ علیحدہ انجمن قائم کرے۔ غرض اس اصول پر اسکی توسیع کی گئی، مقاصد سب کے وہی تھا جو پہلی انجمن کے تھے اور قول و قسم کا قاعدہ بھی وہی جو پہلی انجمن کے لئے تھا لیکن احتیاط کی غرض سے یہ طرز عمل اختیار کیا گیا کہ ان انجمنوں میں سے ایک انجمن کے ممبر دوسری انجمنوں کے ممبرت واقف نہوں، بلکہ ہر انجمن کے ارکان صرف اپنی انجمن کے بانی و رئیس کو جانیں، اوسی سے انکا واسطہ ہو، اور

اسی کے توسط سے انکو ضروری احکام و معلومات بہم پہونچائی جائیں۔
یہ کہنا مشکل ہے کہ ایران میں اس قسم کی صرف یہی ایک مجلس تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متعدد انجمنیں موجود تھیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ تمام انجمنیں خفیہ طور پر کام نہیں کرتی تھیں، بلکہ کچھ علانیہ طور پر بھی کام کرتی تھیں لیکن ہاں یہ ضرور ہے کہ سب انجمنوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ یعنی وطن کی حفاظت و خدمت ہر انجمن میں جاں نثاروں کی بڑی جمعیت تھی جو فدائی کے لقب سے مشہور تھے۔ ایران کے یہ فدائی مشرق کی تاریخ آزادی میں غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے جس استقلال، پامردی، سرفروشی اور جاں نثاری کے ساتھ اپنے فرائض ادا کئے ہیں، سچ یہ ہے کہ دوسرے ملکوں کے لئے وہ نہایت مفید سبق ہوسکتے ہیں یہ فدائی خطرناک دشمنوں کو فنا کرتے تھے مفید و کارآمد شخصیتوں کی حفاظت و نگرانی کرتے تھے، مختلف علما اور ان کے مقلدین میں باہم اتحاد و اتفاق کی کوشش کرتے اور ان کے اختلاف و افتراق کو دور کرتے رہتے تھے انہوں نے انفرادی طور دشمنان ملک و قوم کو قتل کیا (مثلاً ناصرالدین شاہ، اور امین السلطان کا قتل) اور اجتماعی حیثیت سے نازک موقع پر ملکی حفاظت و مدافعت کے لئے سر بکف کوششیں کیں، ہم یہاں ان کے کارناموں کی تفصیل نہیں کرسکتے پروفیسر براؤن نے انقلاب ایران میں اور مسٹر سوشسٹر نے اپنی کتاب میں جس کا اردو ترجمہ فغان ایران کے نام سے شائع ہوچکا ہے ان فدائیوں کے قابل تعریف کارناموں کو لکھا ہے۔

تحریک انقلاب و علماء ایران | ایران اس حیثیت سے غالباً متعدد اسلامی ملکوں سے خوش قسمت ہے کہ اس کے علماء و مجتہدین اس کی مفید قومی و ملی تحریکوں کے مخالف نہیں، ہمدرد، موافق، بلکہ سرپرست و رہنما تھے۔ حالانکہ ان کے لئے غفلت و بیخبری پیدا کرنے والے اسباب زیادہ تھے، مثلاً فرض کرو ہم انکی حالت کا ہندوستان کی حالت سے مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ یہاں ایک غیر ملکی حکومت قائم ہے جسکا مذہب طرز معاشرت، اور مفاد دینی و دنیوی ہم سے بالکل جداگانہ ہے اس لئے ہم بآسانی یہ سمجھہ سکتے ہیں کہ کہ ایسی حکومت جو کچھہ کرے گی۔ اس میں خواہ کسی قدر ہمارے ہمدردانہ پہلوؤں کا اعلان کیوں نہ کرے لیکن اسکی عملی حیثیت اس روح سے کبھی خالی نہیں ہوسکتی کہ ہماری زنجیر غلامی کسی طرح ڈھیلی نہ ہونے پائے، بخلاف اس کے ایران کی حالت یہ تھی کہ وہاں نگاہوں کے سامنے ملکی و قومی حکومت کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس لئے انکا مبتلائے فریب ہوجانا بہت آسان تھا۔ لیکن یہ وہاں کے علماء عظام

مجتہدین کرام ہی تھے جو اس پردہ کو اٹھا کر تمام اصلی حالتیں وہاں کے لوگوں کو دکھا دیتے تھے اور اصلاح وہ نہ صرف خود فریب کھانے سے بچتے بلکہ ملک و قوم کو بھی بچاتے تھے، وہ حجۃ الاسلام حاجی مرزا حسن آشتیانی تغمدہ اللہ برحمتہ تھے، جنہوں نے مسئلہ تنباکو کے سلسلہ میں ایک فتوی دیکر ملک کو بیدار اور آئندہ خطرات سے آگاہ کر دیا نیز آدہ حجۃ الاسلام آقا مرزا سید محمد طباطبائی، اور آقا مرزا سید عبد اللہ بہبہانی تھے جنکی متحدہ کوششوں نے امین السلطان کو نکالا عین الدولہ کو مسند وزارت سے ہٹایا، موسیو نوز کو معزول کیا، اور بالآخر مشروطیت کی بنیاد ڈالی۔ دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء میں جب روس کا وہ مشہور الٹی میٹم آیا جسکو منظور کر لینے کے معنی ایران کو روس کے حوالہ کر دینا تھا، روس نے اڑتالیس گھنٹے کا وقت مقرر کیا تھا کہ اگر اس فرصت میں جواب نہ دیا گیا تو معاملہ کو بزور شمشیر طے کرنے کے لئے وہ طہران (پایہ تخت) کی طرف اپنی فوجوں کو روانہ کر دیگا۔ وزرار کابینہ اپنی بزدلی سے اسکو منظور کر لینا طے کر چکے تھے، جواب کے لئے جب صرف ایک گھنٹہ کی آخری مہلت باقی رہ گئی تھی تب یہ مسئلہ مجلس (پارلیمنٹ) میں پیش کیا گیا اسوقت بھی ایک مجتہد صاحب ہی نے وہ باوقار و شاندار خدمت انجام دی جو ایران کی تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھی جائیگی، ہم اس واقعہ کو مسٹر سوشتہ ہی کے الفاظ میں لکھنا مناسب سمجھتے ہیں کیونکہ یہ انکی چشمدید روایت ہے۔

جب تجویز (روس کا الٹی میٹم اور وزرا کی رائے) پڑھی گئی تو ایک عجیب سناٹے کا عالم تھا۔ سر سٹھ ممبر پارلیمنٹ بوڑھے، جوان، مجتہد، مقنن، ڈاکٹر، تجار، اور امرا، سب اپنی اپنی جگہ پر خاموش بیٹھے تھے اتنے میں ایک بزرگ مجتہد اسلام کھڑے ہوے اور انہوں نے یہ فرمایا۔

بھائیو! وقت تنگ ہے، ادھر بارہ بجے کہ اس معاملہ میں رائے دینے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہیگا، لہذا میں نہایت مختصر الفاظ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر اللہ کی مرضی یہی ہے کہ ہماری آزادی اور ہمارا ملک بزور ہم سے چھین لیا جائے تو خیر یہی سہی، مگر ہمکو اپنے اپنے ہاتھوں سے محض کاغذ پر دستخط کر کے تو اسے دیدینا نہ چاہیئے، یہ کہکر انہوں نے اپنے کانپتے ہوے ہاتھوں سے ایک اشارہ کیا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

یہ الفاظ گو بظاہر صاف و سادہ ہیں مگر انمیں بلا کا اثر تھا اپنی خاص اور خانگی مجلسوں میں ایسی باتیں کر لینا آسان ہے مگر ایک ظالم شقی القلب کے مقابلہ میں جس کے جاسوس

وہاں بیٹھے ہوئے غور سے اس متکلم کو گھور رہے تھے، اور اپنے دل میں اس کے لئے سزائے قید، اذیت دہی یا جلاوطنی تجویز کر رہے تھے، اس طرح کے الفاظ منہ سے نکالنا کچھ کھیل نہ تھا"

ان محترم مجتہدین کی صف میں ملا محمد کاظم خراسانی مجتہد حاجی حسین ابن خلیل اور ملا عبد اللہ مازندرانی بھی بہت ممتاز جگہ رکھتے ہیں، انھوں نے ملک کی حفاظت، دستوریت کے بقار اور اغیار کی مخالفت میں سخت کوششیں کی ہیں، انہیں کے اول الذکر بزرگوں نے تو شائد اسی راہ میں شہادت بھی پائی کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ روسیوں کے خلاف نجف اشرف سے طہران میں جہاد کا وعظ فرمانے کے لئے تشریف لا رہے تھے تو روسی جاسوسوں نے زہر دلوا دیا تھا،

اسی سلسلہ میں سب سے زیادہ اہمیت کیساتھ جو واقعہ قابل ذکر ہے وہ تحریک اتحاد اسلام کے ساتھ ایرانی علمار و مجتہدین کا اتحاد کامل ہے، سید جمال افغانی نے اس تحریک کو شروع کیا تو عراق و ایران کے تمام علما، نے اسکی تائید کی۔ اس واقعہ کی متفرق طور پر بکثرت شہادتیں ملتی ہیں جن کو جمع کرنے کا یہ موقع نہیں مختصر یہ کہدینا کافی ہے کہ ایران و عراق کے اکثر اکابر علمار سید صاحب مرحوم کے آشنا و دوست تھے، تمام علمار ایران اور مجتہد الاسلام آقا سید عبدلعد شیرازی کے نام ان کے خطوط موجود ہیں، مصنف تاریخ بیداری ایرانیان نے اکابر علمار کے حال میں لکھا ہے کہ یہ سید صاحب کے دوست اور ان کے ہمخیال اور بلکہ معتقد تھے۔ لیکن ان سب کو چھوڑ کر یہاں پر ایک اور واضح ثبوت پیش کرنا چاہتا ہوں، اوپر بتایا جا چکا ہے کہ ناصر الدین شاہ کے قتل کے سلسلہ میں قسطنطنیہ سے گرفتار کر کے تین شخص ایران لائے گئے۔ انہیں میں مرزا آقا خاں کرمانی بھی تھے، اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ قسطنطنیہ میں جو انجمن دعوت اتحاد اسلام کی غرض سے قائم کی گئی تھی، سید صاحب اس کے صدر اور مرزا آقا خاں کرمانی بھی اس کے رکن تھے، یہ مرزا آقا خاں اپنی اس مثنوی میں جو انہوں نے ناصر الدین شاہ کو مخاطب کر کے لکھی تھی، بیان کرتے ہیں "

بگاہے کہ آمد تمیزم پدید　　　　روانم بدانش ہمی بد کلید
زگیتی نہ جستم بجز راستی　　　　نگشتم بگرد کم و کاستی

ہمہ خیر اسلامیاں خواستم
دلم را بہ نیکی بیاراستم

ہمی خواستم تاکہ اسلامیاں
بوحدت بہ بندند یکسر میاں

ہمہ دوستی باہم افزوں کنند
ز دل کین دیرینہ بیروں کنند

مر اسلامیاں را فزاید شرف
نفاق و جدائی شود برطرف

در اسلام آید بعصر حمید
یکے اتحاد سیاسی پدید

شود ترک ایران و ایراں چو ترک
نماند دوئی در شہانِ سترگ

ہماں نیز دانندگان عراق
بسلطان اعظم کنند اتفاق

ز دلہا زدایند ایں کینہ زود
نگویند سنی کہ شیعی کہ بود

وزاں پس بگیرند گیتی بزور
ز جان مخالف برآرند شور

ابا چند آزادہ مرد گزیں
نبشتیم بس نامہائے متیں

روانہ نمودیم سوئے عراق
کہ برخیزد از عالم دین نفاق

بہ نیروئے دادار جاں آفریں
ہمہ بر نہادند امضا برین

بہ بخشند حسنِ اثر نامہا
کہ خام ریختہ نبد خامہا

سپاسم ز یزداں پیروزگر
کہ ایں نخلِ امید شد بارور

نوشتند ز ایران و ہم از عراق
کہ از دل بشستیم گرد نفاق

ہمہ جاں فدائے شریعت کنیم
بسلطان اسلام بیعت کنیم

گزاریم قانون بیگانگی
بگیریم آئین فرزانگی

ازیں پس ہمہ کفر سازیم پست
بیاریم گیتی سراسر بدست

کیا ہمارے ہندوستان کے شیعی اور سنی جماعتیں ان شعروں کا مفہوم سمجھتی ہیں ؟ *

ابو الحسنات ندوی

فرانس کی کمزوری جرمنی کے مقابلہ میں

فرانس کی قلت آبادی اس وقت فرانس جس بے دردی و بے رحمی کے ساتھ حدود جرمنی کے اندر بڑھتا جارہا ہے اور جرمنی جس سکون و اطمینان کے ساتھ اس مداخلت کو برداشت کررہا ہے، اس سے فطرتاً ایک شخص یہ یقین کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ جرمنی اب بہت ضعیف ہوگیا ہے اور فرانس کی قوت اس کے مقابلہ میں بہت بڑھ گئی ہے، لیکن اگر صحیح اصول معیار کو پیش نظر رکھ کر تنقید کی جاسے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ فرانس نسبتاً بہت کمزور ہے اور اس کا مستقبل سخت خطرناک حالت میں ہے۔

سنہ ۱۸۷۰ء تک دنیا میں تین سلطنتیں "دول عظمیٰ" میں شمار ہوتی تھیں۔ فرانس، جرمنی اور انگلستان، ان تینوں سلطنتوں کی آبادی تقریباً پچاس ملین نفوس پر مشتمل تھی جس میں بیس ملین آبادی صرف فرانس کی تھی، لیکن اب دنیا میں سات حکومتوں کا شمار "دول عظمیٰ" میں ہوتا ہے، یعنی برطانیہ، جرمنی، روس، جاپان، امریکہ، فرانس اور اٹلی، ان سلطنتوں کی آبادی سو ملین ہے۔ اس لئے فرانس کی وہی بیس ملین آبادی جس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا اور جو پہلے پچاس ملین کے مقابلہ میں ۴۰ فی صد تھی، اب ۶۰۰ ملین کے مقابلہ میں بمقدار ۲ فی صد گھٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ جرمنی برطانیہ، روس، امریکہ اور جاپان کی آبادیاں ہر سال بڑھتی جارہی ہیں، اور فرانس کی آبادی میں مطلقاً کوئی اضافہ نہیں ہوا

بعض اکابر فرانس کا خیال ہے کہ اگر فرانس کے انحطاط کا یہی حال رہا تو چند دنوں میں فرانسیسی زبان بولنے والا دنیا میں نظر نہ آئے گا۔ لیکن اگر اس بیان کے مبالغہ سے قطع نظر کرلیا جاسے تو کم ازکم یہ ضرور ہے کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جب فرانس اپنے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے کافی فوج فراہم کرنے سے عاجز نظر آئے گا۔

سنہ ۱۸۶۶ء میں فرانس کی آبادی ۳۸ ملین تھی اور تعداد پیدائش ۵۱۲۰۰۰ سنہ ۱۹۳۱ء میں

وہاں کی آبادی ۳۹ ملین سے بھی زیادہ ہوگئی، لیکن پیدائش کی تعداد گھٹ کر ۳۸۲۰۰۰ تک رہگئی جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اب فرانس کی آبادی کا اوسط عمر گھٹ کر ضعفا کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے اور ۱۸۶۶ء میں وہاں ضعیف لوگ کم تھے اور نوجوانوں کی تعداد زیادہ تھی برخلاف اس کے جرمنی میں پیدائش کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ۱۹۱۳ء میں وہاں کی آبادی میں ۹۷۵۰۰۰ کا اضافہ ہوا اور فرانس میں صرف ۳۸۲۰۰۰ کا - اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ فرانس جرمنی کے مقابلہ میں کس قدر فوج بھرتی کر سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فرانس نے حبشی فوج بھرتی کرنی شروع کی اور مستعمرات کے لئے نہایت فیاضانہ شرائط پیش کیں تاکہ اس کی نوآبادیاں قائم ہو جائیں اور اس طرح وہ اپنی سلطنت کی آبادی کو بڑھا سکے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے فرانسیسی قوم طبعاً عقیم واقع ہوئی ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ کناڈا میں بھی فرانسیسی قوم جو ۱۷۶۳ء میں صرف ساٹھ ہزار تھی اب وہاں تین ملین تک پہونچگئی ہے یعنے اس میں پچاس گنا اضافہ ہوا ہے، اس سے فرانس کی آبادی کا کم ہونا حقیقتاً اقتصادی اسباب کی بنا پر ہے۔

فرانس کا افلاس اس میں شک نہیں کہ فرانسیسی قوم دوسری اقوام یورپ کے مقابلہ میں زیادہ غریب ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا اکثر حصہ پہاڑی ہے جہاں نہ کوئی پیداوار ہوتی ہے نہ نہریں بن سکتی ہیں اور نہ ریلیں کثرت سے جاری ہو سکتی ہیں اس کے ساتھ وہاں کوئی معدن کوئلہ کی بھی نہیں ہے جو کارخانوں کے انجنوں کو اچھی طرح چلا سکے۔

اس کمی کو وہ اس طرح پورا کرتے تھے کہ اسباب عیش و تنعم، عمدہ عمدہ شرابیں اور زینت و آرائش کا سامان بنا بنا کر دوسرے ملکوں کے ہاتھ نہایت گراں قیمت پر بیچتے تھے، لیکن اب چونکہ جنگ کی وجہ سے ہر ملک نے اپنی اقتصادی حالت کی طرف توجہ شروع کردی ہے، اس لئے اب فرانسیسی اسباب امارت کی مانگ بہت کم ہوگئی ہے، امریکہ میں یہاں کی شراب کثرت سے جاتی تھی لیکن وہاں کی ترک مینوشی سے فرانس کی تمام بھٹیاں ٹوٹ گئیں اور اسی طرح روس میں فرانس کی اکثر چیزیں بکثرت استعمال کی جاتی تھیں، لیکن

[redacted]

فرانس کی کمزوری　　　　مارچ سنہ ۱۹۲۳ء　　　　نگار

بالشیوک حکومت نے اب یہاں کی مصنوعات کے لئے دروازہ بند کرکے فرانس کی اقتصادی و تجارتی حالت کو اور زیادہ سقیم کر دیا ہے۔

فرانس کا قرض

سنہ ۱۹۰۴ میں قبل جنگ حکومت فرانس ایک ہزار ملین پونڈ سے زیادہ مقروض تھی اور جنگ نے اس میں اضافہ کرکے ۶ ہزار ملین پونڈ تک پہونچا دیا ہے۔ پھر چونکہ جنگ میں ۱۳۲۵۰۰۰ آدمی فرانس کے ہلاک ہو گئے اور ۶۹۰۰۰۰ بیکار، اس لئے اس وقت ۸ ملین ایکڑ زمین وہاں کی غیر مزروعہ پڑی ہوئی ہے، وہاں کی جوان آبادی کا اکثر حصہ جو زراعت پیشہ تھا جنگ کی نذر ہو گیا اور اب وہاں ہل چلانے اور زمین کا تردد کرنے والے بہت کم رہ گئے۔ علاوہ اس کے جو ہیں بھی وہ زمین کو کھودتے ڈرتے ہیں کیونکہ کھیتوں میں کثرت سے بم کے گولے دبے ہوئے موجود ہیں جو ذرا سے صدمہ سے پھٹ جاتے ہیں۔

فرانس کا قرض دوسرے ممالک کی نسبت سے

دسمبر سنہ ۱۹۲۱ میں فرانس دیگر ممالک کے مقابلہ میں جس قدر مقروض تھا اس کا حال ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔

فرانس	بحساب فی کس	۱۴۶ گنی	مقروض تھا
بلجیم	〃	۸۵ 〃	〃
انگلستان	〃	۱۴۹ 〃	〃
اٹلی	〃	۴۵ 〃	〃
جرمنی	〃	۵ 〃	〃

اس نقشہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرانس بہ نسبت جرمنی کے تقریباً تیس گنا زیادہ مقروض ہے اور پیدائش کا یہ حال ہے کہ سنہ گزشتہ جب کہ جرمنی میں بہ نسبت اموات کے پیدائش کی تعداد ۹ لاکھ زیادہ ہو گئی، فرانس کی آبادی میں ایک متنفس کا بھی اضافہ نہیں ہوا۔

آبادی کی قلت، زراعت کا نقصان، تجارت کا انحطاط، قرض کی کثرت یہ ایسے معمولی مصائب نہیں ہیں کہ فرانس ایک سپاہی بھی رکھ سکے لیکن اسے جرمن کے خوف سے بڑی فوج اپنے پاس رکھنی پڑتی ہے، اور اسکے کثیر مصارف کی وجہ سے اسکی اقتصادی حالت روز بروز ضعیف ہوتی جاتی ہے +

استفسار و جواب

(حافظ امجد حسین ایم۔اے۔ پروفیسر ناگپور)

مسلمانوں کا نشان قومی ہلال کب سے قائم کیا گیا ہے، اس کا موجد کون ہے اور کن اسباب کے ماتحت قرار دیا گیا ہے۔ ہلال کے پہلو بہ پہلو ایک ستارہ بھی بطن ہلال میں ظاہر کیا گیا ہے۔ کیا یہ ستارہ مع ہلال نشان قومی قرار دیا گیا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا میں جو مضمون زیر عنوان Crescent شائع ہوا ہے، وہ کچھ ایسا تسلی بخش نہیں۔

(نگار) ۔ عام طور سے (جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا میں آپ نے دیکھا ہوگا) یہی خیال کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے ہلال کا نشان سلطنت بازنطین سے لیا ہے، لیکن بعض نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ سلطنت بازنطین پر فتح پانے سے قبل ترکوں کے پرچموں پر یہ نشان پایا جاتا تھا (چونکہ آپ انسائیکلو پیڈیا دیکھ چکے ہیں اس لئے میں اس کی تفصیل سے قطع نظر کرتا ہوں) تاہم اس سے یہ سوال رفع نہیں ہوتا کہ ہلال کے ساتھ یا بقول آپ کے اس کے بطن میں ستارہ کہاں سے آیا، جب کہ بازنطین کا پرچم اس سے خالی تھا۔

اس کے متعلق ایک روایت اور ہے جس سے ایک حد تک تسلی ہو سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ارطغرل اعظم جو سلطنت اتراک کا موسس ولین سمجھا جاتا ہے، ایک مرتبہ کسی درویش سے ملنے گیا اور اس درویش نے پیشین گوئی کی کہ تیرے خاندان میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو اپنی فتوحات سے تمام دنیا کو لرزہ براندام کر دے گا اور تیری قائم کی ہوئی حکومت نہایت طویل زمانہ تک باقی رہیگی جس وقت ارطغرل درویش کے پاس سے باہر نکلا تو شام ہو چکی تھی اور یہ وہ وقت تھا جب ہلال نو اور زہرہ کا (بالکل اس طرح جس طرح آج قومی نشان دیکھا جاتا ہے) قران ہو رہا تھا۔ ارطغرل نے اسکو دیکھتے ہی تفاول نیک خیال کیا اور اسی وقت سے اپنے پرچم کا نشان اس کو قرار دیا۔

(۲)

(احمد علی اگر، مالوہ)

(۱) سورج کے طلوع وغروب کے وقت دھوپ کی حدت کیوں کم ہوا کرتی ہے، جب کہ اہل سائنس کے خیال کے مطابق سورج کا طلوع وغروب ہوتا ہی نہیں۔

(۲) جب سورج ایک مقررہ دوری پر قائم ہے تو پھر طلوع وغروب کے وقت بڑا اور نصف النہار چھوٹا نظر آنے کا کیا سبب ہے۔

(۳) ظاہری خیال کے مطابق اگر کسی آتشیں گولہ کی جسامت بڑی ہو تو یقیناً اس کی حدت زیادہ ہونی چاہیئے۔ اور چھوٹی جسامت کی حدت کم۔ لیکن سورج کا معاملہ اس کے خلاف کیوں ہے

(نگار) اگر آپ کے تینوں سوالوں کے متضاد خیالات اور ابہام کو دور کر دیا جائے تو اُن کا ماحصل صرف اس قدر ہوتا ہے کہ آفتاب طلوع وغروب کے وقت بڑا اور دوپہر کو چھوٹا کیوں نظر آتا ہے۔ اسی طرح اسکی حرارت کے متعلق آپ کا استفسار ہے کہ صبح وشام اور دوپہر کو زیادہ کیوں معلوم ہوتی ہے حالانکہ جسامت کے لحاظ سے صورت حال اس کے خلاف ہونی چاہیئے،

آپ کے سوال کا تعلق علم مناظر ومرایا سے ہے، جس پر تفصیلی گفتگو کرنے کا یہ موقع نہیں اور نہ یوں آسانی سے آپ سمجھ سکتے ہیں تاہم میں مختصر الفاظ میں آپ سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں

طلوع وغروب کے وقت آفتاب یقیناً زمین سے دور ہوتا ہے (یہ آپ سے کس نے کہا کہ وہ ایک مقررہ دوری پہ قائم ہے) اور محاذ کے لحاظ سے اس کی شعاعیں ترچھی ہوکر زمین تک پہونچتی ہیں اس لئے ہوا کی دبازت یا اس کے حجم میں نفوذ کرنے کے لئے شعاعوں کو زیادہ سفر کرنا پڑتا ہے اور ہوا کا یہ حجم مع اس تمام غبار کے جو کرۂ زمین کے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے ایک محدب شیشہ کی سی صورت اختیار کر لیتا ہے جس کے اندر سے آفتاب ہم کو بڑا نظر آتا ہے برخلاف دوپہر کے کہ اس وقت آفتاب کی شعاعیں سیدھی پڑتی ہیں اور ہوا کا تحدّب بھی کم ہوتا ہے۔ آپ نے اگر مختلف دبازت کے محدب شیشوں سے چیزوں کو دیکھا ہے تو آپ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ ایک شیشہ میں جسقدر تحدب زیادہ ہوگا اُسی قدر چیز بڑی نظر آئے گی۔

رہا حرارت کا سوال، سو اس کا جواب بھی ظاہر ہے کہ طلوع وغروب کے وقت چونکہ

آفتاب دور ہوتا ہے اور اسکی شعاعیں سیدھی نہیں پڑتیں اس لئے گرمی کم ہوتی ہے۔ دوپہر کو چونکہ کرنیں سیدھی ہوتی ہیں اس لئے حرارت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ کسی آتشی شیشہ کو سورج کے سامنے رکھ کر اس کا عکس کسی کاغذ پر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ اسمیں آگ اُسوقت پیدا ہوتی ہے جب شیشہ کے مرکز سے سیدھی شعاعیں نفوذ کرتی ہیں +

(۳)

(محمد شریف قریشی۔ اجنالہ۔ امرتسر)

(۱) آفتاب طلوع و غروب کے وقت بہ نسبت دوپہر کے بڑا دکھائی دیتا ہے، باوجودیکہ دوپہر کو ہمارے نزدیک ہوتا ہے، اس کا کیا سبب ہے۔؟

(۲) نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا　　　کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا۔ اس کا مطلب فصاحت سے تحریر فرمایئے۔

(۳) آسماں بار امانت نتوانست کشید　قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند۔ اس میں بار امانت سے اگر خلافت الہیہ مراد ہے، تو اس بارگران کا تحمل دیوانہ ظلوم و جہول کیونکر کرسکتا ہے۔

(۴) کیا آپ "حقیقت معجزہ" پر ایک مفصل مضمون، اگر نگار کے اغراض و مقاصد کے منافی ہو تو کسی مذہبی رسالہ (مثلاً نظام المشائخ) میں سپرد قلم فرمائیں گے؟۔ میرے ایک محترم دوست انشقاق قمر کے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ چاند صرف کفار مکہ کی نظروں میں دو ٹکڑے دکھائی دیا تھا اور سوائے عرب کے مخصوص خطہ کے اور کسی نے نہیں دیکھا۔

(نگار) (۱) اس کا جواب استفسار نمبر (۲) کے سلسلہ میں آپ دیکھیں گے۔

(۲) اس شعر کا مطلب مصنف خود بیان کر گیا ہے۔ مولانا حالی کی یادگار غالب ملاحظہ فرمایئے

(۳) اگر آپ کو اس سے انکار ہے کہ خلافت الہیہ کا بار انسان نے نہیں اُٹھایا تو خیر، واقعہ ماننے کی صورت میں کیونکر کا سوال فضول ہے۔ پھر آپ ظلوم و جہول ہونے کو اس واقعہ کے ساتھ کیوں شامل کرتے ہیں۔ وہ انکشاف ہے اک واقعہ کا خدا کی نسبت سے اور یہ اظہار ہے تفوق کا دیگر مخلوقات کے لحاظ سے۔

(۴) معجزہ کی حقیقت پر میں متعدد بار مختلف رسائل میں لکھ چکا ہوں۔ نظام المشائخ اور صوفی وغیرہ کے پرانے پرچے دیکھئے۔ معجزہ شق القمر کی نسبت بھی اسوۂ حسنہ میں ایک بسیط مضمون لکھ چکا ہوں۔ افسوس ہے کہ نگار میں اس بحث کو شروع نہیں کرسکتا، آپ ان رسالوں کے مالکوں سے وہ پرچے حاصل کر لیجے۔

معلومات

آزادی کا روشن پہلو! امریکہ کے ایک شہر وکسبرو میں مسٹر برسیٹل نے جو وہاں کا ذی ثروت شخص ہے ایک جمعیت قائم کی ہے جس کا نام "حضارت جدیدہ" رکھا ہے۔ اس جمعیت کا مقصود یہ ہے کہ اس کے ممبر نہایت آزادی کے ساتھ جو جی میں آئے کریں اور جس بات کی طرف طبیعت مائل ہو اسکو کر گزریں۔ برسیٹل نے اس جماعت کے لئے ایک بہت بڑی موٹر خرید کی ہے جس پر ہر ممبر سوار ہو کر جہاں چاہے لے جا سکتا ہے اور اس کا معاوضہ جو اس کے جی میں آئے صندوق کے اندر ڈال سکتا ہے اور اگر جی نہ چاہے تو وہ اس پر مجبور بھی نہیں ہے۔

چونکہ اس جماعت کے ممبروں میں اضافہ ہو رہا ہے اور یہ تحریک وہاں زیادہ مقبول ہوتی نظر آرہی ہے، اس لئے مستقبل قریب میں اس دن کا منتظر رہنا چاہئے جب عہد حضارت اور تہذیب کی آخری حد زمانہ وحشت کے اس دور اولین سے مل جائے گی جبکہ وقت انسان اور وحشیوں کے درمیان مابہ الامتیاز امر یہ نہ قرار پایا تھا کہ انسان اپنے جذبات پر ضبط کر سکتا ہے اور حیوان فطرت کے طرف سے اس پر مکلف نہیں ہے۔

ایک زرعی انکشاف امریکہ کی وزارت زراعت نے متعدد طویل تجربوں کے بعد معلوم کیا ہے کہ نباتات میں نشو و نما کا باعث حرارت آفتاب نہیں بلکہ صرف روشنی ہے، اس لئے اگر ہم درختوں کو معمول سے زیادہ یا کم روشنی پہونچائیں تو وہ قبل از وقت یا بعد از وقت پھل لا سکتے ہیں یہاں تک کہ اگر ہم چاہیں تو ایک ہی درخت سال میں دو مرتبہ بھی پھل لا سکتا ہے، اور گرمی کے زمانہ میں

نشو ونما پانے والے درخت جاڑوں میں بھی تربیت پا سکتے ہیں۔

آگ بجھانے کا نیا طریقہ | برلن میں ہر پولیس کے آدمی کے پاس ایک ریوالور آگ بجھانے کیلئے ہوتا ہے، جس کا خزانہ معمولی ریوالوروں سے بڑا ہوتا ہے اور اس میں ۶۰۰ گرام کاربونٹ سوڈا کا سفوف بھرا جا سکتا ہے۔ جس وقت کہیں آگ لگتی ہے تو پولیس کا آدمی اس ریوالور کو سر کرتا ہے جس سے ہر فیر پر تین گز مکعب جگہ کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔

چاء اور ٹائی فائد بخار | ڈاکٹر ماکنوٹ کا بیان ہے کہ چاء ٹائیفائڈ بخار کے جراثیم کو ہلاک کر دیتی ہے۔ چنانچہ اس نے جب ان جراثیم کو چاء کے اندر ڈال کر دیکھا معلوم ہوا کہ بیس گھنٹے کے اندر تمام جراثیم فنا ہو گئے اور ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہا۔ ڈاکٹر موصوف نے حکومت انگلستان کو مشورہ دیا ہے کہ تمام اُن مقامات میں جہاں ٹائیفائڈ بخار پھیلا ہوا ہے، فوج کے ملازمین کو بجائے پانی کے صرف چاء دی جائے۔

چاند میں نباتات کا وجود | اس وقت تک اکثر علماء ہیئت کا خیال یہ تھا کہ سطح قمر بالکل خشک و ویران ہے اور وہاں کوئی ذی حیات چیز نہیں پائی جاتی، کیونکہ وہاں ہوا اور پانی بالکل نہیں ہے اور ہوا نہ ہونے کی وجہ سے آفتاب کی حرارت دوپہر کے وقت وہاں ۲۰۰ درجہ تک پہونچ جاتی ہے اور رات کے وقت درجہ صفر سے بھی کم ہوتی ہے۔

لیکن اب امریکہ کے ایک ہیئت داں نے معلوم کیا ہے کہ سطح قمر پر ایک خاص قسم کی نبات پائی جاتی ہے۔ جو صبح کو پیدا ہوتی ہے اور قبل غروب ختم ہو جاتی ہے۔ اس نبات کی عمر صرف ایک دن کی ہوتی ہے، رات کو شدت برودت سے وہ فنا ہو جاتی ہے اور صبح کو طلوع آفتاب کے ساتھ پھر نمودار ہوتی ہے۔

متحجر درختوں میں ریڈیم | متحجر درختوں سے وہ درخت مراد ہیں جو زمین کے نیچے دب جاتے ہیں اور زمین کے اندر کے چشموں کا نمک اُن کی نباتیت کو محو کر کے پتھر کی صورت میں تبدیل کر دیتا ہے۔

اس قسم کے پتھریلے درخت دنیا میں کثرت سے پائے جاتے ہیں اور ان کو کھود کھود کر نکالتے ہیں۔ ریل کا کوئلہ یہی درخت ہیں جو زمین کی حرارت کی وجہ سے

اس صورت میں تبدیل ہو گئے ہیں۔

کولوراڈو میں کثرت سے متحجر درخت دریافت ہوئے ہیں، جن کا تجربہ کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ ان کے اندر ۳۲ یا ۴۳ فی صد اکسیڈ اور انیم بھی پایا جاتا ہے، جس سے ریڈیم نکلتا ہے۔

قطب شمالی میں گرمی | سنہ ۱۹۱۶ء سے یہ بات نمایاں طور پر محسوس کی جا رہی ہے کہ قطب شمالی کے اطراف میں گرمی روز بروز بڑھتی جاتی ہے، چنانچہ سال گزشتہ وہاں کے طیور قبل از وقت برف پگھل جانے سے اور شمال کی طرف چلے گئے اور جزیرہ اسپٹزبرجن میں جہاں درجۂ حرارت ۵ سے زیادہ نہ ہوتا تھا ۳۸ درجہ تک پہونچ گیا۔ اگر قطب شمالی کی حرارت بڑھنے کا یہی عالم ہے تو منطقۂ حارہ و منطقۂ معتدلہ کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ اگر اسی نسبت سے یہاں گرمی بڑھی تو بھی ہلاکت یقینی ہے اور اگر فطرت نے قطب شمالی کی برودت یہاں منتقل کی تو بھی جان کی خیر نہیں۔

قطب شمالی کے اطراف میں جہاں اب کثرت برودت سے کوئی درخت نہیں پایا جاتا زیر زمین بہت سے متحجر درخت دستیاب ہوئے ہیں جس سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کسی وقت وہاں حرارت پائی جاتی تھی اور منطقۂ معتدلہ کی طرح نباتات وغیرہ کا نشو و نما ہوتا تھا۔ اب اس واقعہ نے اس خیال کو زیادہ مستحکم کر دیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ قطب شمالی کے ایام سرما ختم ہو گئے ہیں اور اب وہاں فصل تابستان شروع ہو چلی ہے۔

بیگ چرانے کا نیا طریقہ | ولایت میں، جہاں کے مجرمین بھی سخت جدت طراز واقع ہوئے ہیں ایک جدید اور بالکل انوکھا طریقہ بیگ چرانے کا اختیار کیا گیا ہے۔ چور اپنے ہات میں ایک بیگ سوٹ کیس کی طرح ہات میں لئے ہوئے ریل کے اندر داخل ہوتا ہے اور دیکھتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بیگ کہاں ہیں۔ دوران سفر میں جب اسے موقع ملتا ہے تو اپنے بیگ کو چھوٹے بیگ کے اوپر رکھدیتا ہے جس سے فوراً کمانی پر زور پڑکر اس کے بیگ کے اندر جوف پیدا ہو جاتا ہے اور جب چھوٹا بیگ اسکے اندر سما جاتا ہے تو اس کے بیگ کی سطح برابر ہو جاتی ہے اور وہ اُسے ہاتھ میں لئے ہوئے اتر جاتا ہے۔ لوگ دیکھتے ہیں کہ اس کے ہات میں صرف وہی بیگ ہے جس کو وہ لیکر اندر داخل ہوا تھا، درانحالیکہ اسکے اندر ایک آدھ بیگ اور بھی ہوتے ہیں۔

نگار

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد ۳
شمار ۴
اپریل سنہ ۱۹۲۳ء
قیمت سالانہ پانچ روپیہ
قیمت ایک پرچہ آٹھ آنے

فہرست مضامین

ملاحظات

(۱) جنوری کی اشاعت میں صفحہ ۲۳ پر جناب دلگیر کی غزل کا دوسرا شعر غلط چھپ گیا ہے۔ اس کا دوسرا مصرعہ یوں ہونا چاہیئے۔ ۔ دو کے آتے ہیں، رو کے آتے ہیں۔

(۲) فروری کے رسالہ میں غالب کا قطعہ فارسی غیر مطبوعہ نہیں ہے، افسوس ہے کہ اندراج سے قبل ہم اس کی تحقیق نہ کر سکے سب سے پہلے ہمیں حضرت وحشت نے اس طرف متوجہ کیا، جس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

(۳) ہمارے عزیز دوست سید حسین اسمٰعیل صاحب، بحیثیت ایجنٹ نگار، اس وقت راجپوتانہ میں دورہ کر رہے ہیں، اس کے بعد وہ متھرا، ایٹہ، اٹاوہ ہوتے ہوئے، کانپور، لکھنؤ، رائے بریلی، پرتاب گڑھ پہونچیں گے اور اور وہاں سے براہ الہ آباد، ناگپور، جبلپور، وغیرہ دکن کی طرف جائیں گے۔

(۴) لالہ رخ کا جس قدر اضطراب لوگوں کو بڑھتا جاتا ہے، اسی قدر اس کی اشاعت میں تعویق ہو رہی ہے، تصویریں سب طیار ہو گئی ہیں لیکن پریس کا انتظام درست نہ ہونے سے اس کی طباعت کا اہتمام اس وقت تک نہیں ہو سکا۔

اس وقت اہم ترین فکر، ایک پریس کا قائم کرنا ہے جس کی تدبیریں ہو رہی ہیں۔ اگر اسباب مساعد ہوئے تو امید ہے کہ جون کا نگار اپنے پریس سے شائع ہوگا۔

(۵) مالیگاؤں (ضلع ناسک) میں مولوی عبدالحمید صاحب نعمانی نے دائرہ ادبیہ کی بنیاد ڈالی ہے اور اس کے متعلق ایک لائبریری بھی قائم کی ہے۔ ایسے دور افتادہ مقام میں جہاں اردو کی خدمت کرنا یقیناً فرض ہے، مولوی صاحب موصوف کی یہ سعی بہت زیادہ قابل قدر ہے ہمیں امید ہے کہ تمام مصنفین و مولفین اپنی اپنی مصنفہ کتابوں کی ایک ایک جلد وہاں بھیجکر ان کی اعانت و حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

(۶) الہ آباد یونیورسٹی کالج کے طلبہ نے ایک انجمن خدمت زبان کے لئے قائم کی ہے اور اس کا نام "انجمن اردو" رکھا ہے۔ حال ہی میں اس کا افتتاح مسٹر عبداللہ یوسف علی ام، اے کی تقریر سے ہوا ہے اور علاوہ دیگر اہم مقاصد کے ایک ماہوار رسالہ شائع کرنا بھی پیش نظر ہے، ضرورت ہے کہ ارباب کرم اس انجمن کی طرف متوجہ ہوں اور مادی اعانت سے اس کی اغراض کو تکمیل کی حد تک پہونچائیں۔

(۷) جن حضرات کی کتابوں پر اس وقت تک ریویو نہیں ہو سکا، ان کی خدمت میں ہم معذرت خواہ ہیں امید ہے کہ اگلے رسالہ میں ہم اپنے اس فرض سے عہدہ برآ ہو سکیں گے +

نگار

جلد ۳ اپریل سنہ ۱۹۲۳ء قیمت سالانہ پیشگی صہ
شمارہ ۴ قیمت ایک پرچہ ۸ ر

عدمیّت

(آنسہ می کے نقطہ نظر سے)

عدمیت ایک قدیم اصطلاح ہے اور اُن مذاہب کے لئے استعمال ہوتی ہے جن کی قائل کسی چیز کی حقیقت و وجود کو تسلیم نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ کوئی چیز موجود نہیں ہے اور نہ اس قابل ہے کہ وہ معلوم کی جاے، اس مذہب کے مشہور علم بردار غورغیاس یونانی، پروفیسر تھوسٹیڈس فیختی (جرمنی) شاگرد کنٹ، اور پروفیسر شلنج ہیں،

بظاہر فوضویت و عدمیت کا ایک مفہوم معلوم ہوتا ہے مگر حقیقتاً دونوں میں بڑا فرق ہے فوضویت اور عدمیت اس حیثیت سے ضرور ایک دوسرے کے مشابہ ہیں کہ دونوں میں حقوق فردیت کی حد سے زیادہ رعایت رکھی گئی ہے، اور ہر ایک میں تسلط، سیادت اور تفوق کی نفی کی گئی ہے۔

عدمیت کا آغاز نہایت پُرامن طریقہ سے قیصر الگزنڈر ثانی کے جلوس کے بعد سنہ ۱۸۵۵ء میں ہوا، اور سنہ ۱۸۷۰ تک یہ مذہب محض معنوی و خیالی رہا، قیصر مذکور جب تخت سلطنت پر بیٹھا تو اُس کا نصب العین یہ تھا کہ ملک میں اصلاح کی جاے اور افراد رعایا کے درمیان اصول مساوات کے مطابق عمل کیا جاے، ہر چند ابتدا میں خاطر خواہ اصلاحات نہ ہو سکیں لیکن رفتہ رفتہ حالت

اصلاح پذیر ہونے لگی، حتی کہ ۱۸۶۱ء میں قیصر نے غلامی کو منسوخ کردیا اور تین کرور افراد جو ذاتی شخصیت اور املاک نہیں رکھتے تھے آزاد زندگی بسر کرنے لگے، اب حریت پسند جماعتوں نے قیصر کے طرز عمل کو دیکھ کر ہاتھ پاؤں نکالے اور اُن کے حوصلے بلند ہونے لگے، علمائے اجتماعیات، اقتصادیات شعرا، ناولسٹ، وغیرہ نے نہایت پرزور طریقہ پر حریت شخصی کے مطالبات شروع کئے اور انتہا پسندوں نے تو یہانتک غلو کیا کہ وہ ہر ہر فرد کے لئے تمام اجتماعی، دینی، اور ادبی آزادی چاہنے لگے۔

اس مذہب کا بہت بڑا موید پیٹر لفروت تھا، اُس کا خیال تھا کہ تمام اجتماعی، علمی، اخلاقی اور فلسفی حوادث کی رفتار دو طرح پر ہے۔ بعض ارتقائے دائمی کی حالت میں رہتے ہیں اور بعض ایک خاص حد تک پہونچکر ٹھہر جاتے ہیں۔ اسکے بعد وہ تنزل کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آخر میں انحلال پیدا ہوکر اُن کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

علم الاجتماع کی غایت صرف یہی ہے کہ اس قسم کے امراض کا علاج کیا جائے، اور اجتماع انسانی کے نظام میں توازن کو محفوظ رکھا جائے، ازمنہ گزشتہ کے حکما نے اس کا علاج صرف یہی سوچا تھا کہ تمام باتوں میں گزشتہ زمانے کے اصول و قواعد پر عمل کیا جائے اور تقلید کو اپنا امام بنایا جائے، لیکن پچھلے زمانے کے ماہرین اجتماعات اسکے بالکل خلاف ہیں، اُن کے نزدیک تقلید نام ہے جمود کا اور جمود موت سے جدا کوئی چیز نہیں۔

چونکہ اجتماع بشری، سنت تحویل ارتقا میں فطرت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، اس لئے ایسے جدید اصول کا پیدا ہونا جن کی ضرورت باقتضائے وقت پیش آتی رہتی ہے، بالکل فطری امر ہے۔ وہ لوگ جو دنیا میں انقلابات کے بانی ہوئے ہیں اُن کو ابتدائی حالت میں کوئی نہیں سمجھ سکتا، اور وہ جس قدر اپنے اصول و مذاہب کی اشاعت کرتے ہیں عام لوگ اُن کی مخالفت کرتے ہیں اور انہیں نادان اور ضعیف العقل بتاتے ہیں۔ اس مخالفت عامہ کی اگر کوئی وجہ ہوسکتی ہے تو صرف یہی کہ وہ "عام لوگوں کے مشابہ نہیں ہیں" ان انقلاب انگیز افراد کی کامیابی صرف اُن کے عزم، استقلال، اور اقدام و شجاعت پر موقوف ہے، اگر وہ اس عقیدہ میں راسخ ہیں کہ حقیقی تمدن کی بنیاد صرف حریت شخصی اور انفرادی آزادی پر ہے تو کامیابی اُن کی رفیق ہوسکتی ہے کیونکہ انسان آزاد ہے، اور اگر آزادی کا خیال ایک

باطل عقیدہ ہے تو بھی اُس کا اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ اسی "باطل عقیدہ" پر انسانی ترقی کا انحصار ہے۔

ترقی کے دو راستے ہیں علم و عمل، عمل بغیر علم کے مصیبت ہے، اس لئے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ترقی کیا شے ہے اور اُس سے کیا مراد لیا جاسکتا ہے، آزادی کے مفہوم کو بخوبی ذہن نشین کرنے کے بعد ہم اس قابل ہوجائیں گے کہ مجاہدین حریت کی اس قلیل جماعت میں شامل ہو جائیں جو قدیم تقالید اور مردہ پرستی کے خلاف کوشش کر رہے ہیں، اس مذہب میں افراد کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، کیونکہ موجودہ نظام جو کل تک محال خیال کیا جاتا، اور آج اسے بنظر تعجب دیکھا جاتا ہے، افراد ہی کا بنایا ہوا ہے۔ ہر ایک فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہایت آزادی سے اپنے خیالات کا اعلان کرے اور اپنے اصول کو کامیاب بنانے کے لئے نہایت عزم و استقلال سے کوشش کرے، کیونکہ جب اس قسم کے التزام زیادہ ہوجائیں گے تو اُن کے نتائج اعمال اجتماع انسانی پر اپنے محسوس اثرات پیدا کریں گے اور رفتہ رفتہ ایک شاندار اور روشن مستقبل طیار ہوجائے گا جسکی بنیاد حق و انصاف، آزادی و حریت پر ہوگی، اگر کسی ایک شخص میں اصلاح اجتماعی کے متعلق کوئی جدید خیال پیدا ہو تو اُسے محض یہ خیال کرکے کہ میری تنہا کوشش سے کیا ہوسکتا ہے، اپنے خیالات کی اشاعت سے باز نہ رہنا چاہیئے کیونکہ تنہا ایک شخص کی کوشش بھی مستقبل کو متاثر بنا سکتی ہے، نصروف اس کا معترف ہے کہ موجودہ مشکلات کا حل کرنا چنداں آسان نہیں ہے کیونکہ اصلاح کی شرط اعظم یہی ہے کہ موجودہ نظام کو بالکل الٹ دیا جائے اور ایک ایسا نظام جاری کیا جائے، جس میں فرد و پیشہ، اور ادنیٰ طبقہ کی پوری رعایت کی جائے، موجودہ زمانہ میں حریت و مساوات کے جو معنی لئے جاتے ہیں نصروف اسی کا قائل ہے، مگر وہ خاندانی عصبیت کو نوع انسانی کے لئے ضروری سمجھتا ہے اور وہ ایسے انتہا پسندوں میں نہیں ہے جو نکاح اور ازدواج کی قید کو بالکل رفع کر دینا چاہتے ہیں اگرچہ نصروف تمام احکام قیود سے انکار کرتا ہے اور نہایت آزادی سے کہتا ہے کہ دینی اقتدار اور مذہبی پابندیاں عہد گزشتہ کی طرح اب ہرگز عاید نہیں ہوسکتیں، لیکن وہ اخلاق حمیدہ اور بلند خصائل کو حیات اجتماعی کے لئے بے حد ضروری خیال کرتا ہے، وہ نہایت بلند آواز سے

کہتا ہے کہ ہر شخص کو اپنا نفس کامل اور مہذب بنانا چاہئیے تاکہ وہ اخلاق و عادات میں دوسروں کے لئے ایک قابل تقلید مثال بن جائے ۔

نفروف افراد کو بڑی اہمیت دیتا تھا ، وہ اُن کی عزت اور آزادی کا خواہاں تھا۔ اُس کا خیال ہے کہ افراد ہی کی عزت سے نوع انسانی کا شاندار مستقبل تیار ہو سکتا ہے ، وہ کہا کرتا تھا کہ "اپنے مستقبل کے لئے کوشش کرو کیونکہ ناکام وہی شخص ہے جو اپنی ناکامی کا اعتراف کرے"

نفروف اگرچہ اپنی عدمیت کا قائل تھا لیکن اُس کے اخلاقی اصول اور اُسکی زندگی نے عدمیت کے معنی بدل دیے تھے یعنی وہ اس سے نفی مطلق مراد نہیں لیتا ، بلکہ امراض اجتماعی کی نفی اس کا مقصود تھا ، پھر آج کونسا تعلیم یافتہ اور روشن خیال شخص ہے جو کچھ نہ کچھ عدمیت کا قائل اور نفروف کا ہمخیال نہ ہو۔ ہر شخص جسکو علم کا ذرا بھی حصہ ملا ہے وہ تقلید کی خرابی کو ان تمام خرافات کو جو ادیان و مذاہب میں شامل ہو گئے ہیں اور اس نقص کو جو ہر ایک قانون میں پایا جاتا ہے بخوبی سمجھتا ہے ، دنیا میں عظمت اور عزت اُسی شخص کے حصہ میں ہے جو دوسروں سے ہمدردی رکھتا ہے غربا اور نیچے طبقہ کے لوگوں کی تکلیف دیکھ کر جسے تکلیف ہوتی ہے ، اور وہ ہر شخص جو ہر مضر و فرسودہ رسم کو مٹا کر اُسکی جگہ جدید اور مفید چیزیں رواج دینا چاہتا ہے ، خواہ وہ علم سے متعلق ہوں یا قانون سے ، اجتماعیات سے وابستہ ہوں یا اختراعات سے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایجاد کرنے والا اعلائے حق کے لئے کھڑا ہو جائے ، اور مفلس قابل رحم سمجھ لیا جائے ، کیونکہ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن کے ساتھ ہم ہمدردی نہیں کر سکتے ، اور وہ ایسے کاموں میں مبتلا ہیں جن سے بشریت کو حیا آتی ہے ۔

روس کے تمام داعیان انقلاب نفروف کے درجہ کے نہ تھے اور نہ روس کی عدمیت اُن کی انقلابی اشاعتوں کا نتیجہ ہے ، بلکہ جب رعایا کے حقوق نہایت بے رحمی سے پامال کئے جانے لگے اور لوگ ان مظالم کو برداشت کرنے سے عاجز آگئے تو عدمیت کے خیالات از خود پیدا ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ستر سال کے عرصہ میں عدمیت نے خیالات سے ترقی کر کے میدان عمل میں قدم رکھا ، قیصر نے جن اصلاحات کا وعدہ کیا تھا وہ اکثر کاغذ ہی تک محدود رہیں ، اور جن پر عمل بھی کیا گیا تو وہ بجائے اسکے کہ مصائب کو رفع کریں اپنے ساتھ جدید مصیبتیں لیکر آئیں ، ان

حالات کو دیکھ کر عدمیت پسندوں نے اپنے خیالات کی اشاعت اور زیادہ شدت سے شروع کی اور وہ تمام ملک میں پھیل گئے تاکہ رعایا ان نظریات کو اچھی طرح معلوم کر سکیں۔ اس کے بعد انہوں نے تحریر، تقریر، اور وعظ و نصیحت غرض ہر طرح سے اپنے مقاصد کا اظہار شروع کیا اور بغاوت کی روح پھونکنا شروع کی، اور باہر کی قوموں سے بھی التجا کی کہ وہ اُن کو ذلت غلامی سے آزاد کریں۔ اس خیال کی اشاعت میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ شامل ہو گئیں، اور عام طبقہ کو جو انتہائی غفلت کی وجہ سے اپنی ذلت کا بھی احساس نہیں کرتا تھا بیدار کرنا شروع کیا، انھوں نے خفیہ انجمنیں بھی یورپ کے مختلف مقامات میں قائم کیں جن کا اہم ترین مرکز سوئٹزرلینڈ تھا، جہاں روس کی لڑکیاں کثرت سے پڑھتی تھیں، جب قیصر کو اس کی خبر ہوئی تو اُس نے حکم بھیجکر تمام نجات پسند لڑکیوں کو وہاں سے روس میں واپس بلا لیا، لیکن اب انہوں نے روس میں آکر مردوں کے ساتھ ملکر کام کرنا شروع کیا، اور وطن و انسانیت کو آزاد کرنے کے لئے کوششیں شروع کیں یہانتک کہ قلوب میں التہاب، اور طبائع میں ہمت و شجاعت پیدا ہوئی، اور اس خیال نے رعایا کے ہر طبقہ کو ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک متاثر کر دیا، اب قیصر کو سخت خطرات کا اندیشہ ہوا، اس نے تمام اصلاحی تجاویز کا نفاذ ملتوی کر دیا، اور تمام ہنگامہ کو فرو کرنے کے لئے پوری سختی سے کام لینے لگا لیکن عدمیت کے ایک دوسرے زعیم باکونین نے زمینداروں کو مطالبہ اصلاحات پر آمادہ کرنا شروع کیا، پولینڈ نے بغاوت اختیار کی، اور یورپ میں اشتراکیت کی اشاعت بڑھنے لگی، اب عدمیت جادۂ اعتدال سے گزر گئی، اور اُس میں انتہائی فوضویت کی نشان پیدا ہو گئی، یعنی ارتکاب جرم ہونے لگا۔ یہاں تک کہ خود قیصر کا قتل (۱۸۸۱ء) اس کا نتیجہ تھا۔

عدمیت پسند جماعت لوگوں کو قتل و غارت کی دھمکی دیتی تھی، اور اُس کا مخالف عنصر اُنھیں قتل و غارت اور جلا وطنی کی سزا دیتا تھا حکومت اُنھیں منتشر کرتی تھی، اور اُن کے زعماء کو قتل کرتی تھی، یہاں تک کہ اُن کا زور گھٹ گیا اور اُن کو اپنی ناکامی اور شکست کا پورا احساس ہو گیا۔ اب اُن کی جماعت میں تنزل پیدا ہوا، وہ روز بروز گھٹنے لگی، ان کی تیزی کم ہو گئی، اور رفتہ رفتہ عدمیت پسند خاموش ہو گئے۔

لیکن یہ خاموشی فقدان کا مرادف نہ تھی، بلکہ روس میں ان کی خفیہ جماعت برابر

کام کر رہی تھی نصف صدی گزر جانے کے بعد روس کے ایک بڑے انقلابی، ہرزن نے ایک انقلابی مضمون لکھا جس میں لکھتا ہے کہ "روس کا مقصد وہی ہے جو تمام یورپ کا مقصد ہے، لیکن یورپ کی زندگی اُن دور انقلابوں کی وجہ سے ختم ہو چکی ہے جو تاریخ یورپ کے شاندار واقعات کہے جا سکتے ہیں، اب یورپ کی اصلاح، یا ممالک متحدہ امریکہ کر سکتا ہے، یا روس، روس کو تاریخی میدان میں داخل ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا لیکن مستقبل ضرور اسی کے حصہ میں ہے، کیونکہ وہ تمام تقلیدوں سے آزاد ہے اور اتنی نیند سو چکا ہے جتنی اُسے طبعی طور پر ضرورت تھی، اب عنقریب اُس کو ایسی فرصتیں ملنے والی ہیں جنہیں وہ اپنے پوشیدہ طاقتوں کے اظہار کا پورا موقع پائے گا، اور اپنے ملک میں اصلاحات پیدا کرے گا"

ہرزن کا یہ مضمون بالشویزم کی پیشین گوئی تھی اور اس کے لئے اس قسم کی پیش گوئی کرنا تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہ ایک اجتماعی عالم ہونے کے علاوہ روسی طبائع کے متعلق بڑا تجربہ رکھتا تھا۔ آندری لکھتی ہے کہ

"میں گزشتہ موسم گرما کے اواخر میں ایک مجلس خیریہ میں شریک تھی جو مہاجرین روس کی امداد کے لئے قائم کی گئی تھی وہاں میں نے بہت سی روسی جماعتوں کو دیکھا جو اپنی زبان میں قومی گیت گا رہے تھے، اُس وقت ان کے چہروں سے ایسے متناقص جذبات کا پتہ چلتا تھا، جن کو میں پوری طرح بیان کرنے سے قاصر ہوں، کبھی ان کے چہروں پر سرکشی و تمرد کے آثار نمایاں ہوتے تھے اور کبھی تذلل و خشوع کی علامتیں ظاہر ہوتی تھیں، بعض وقت وہ غیظ و غضب کے لہجہ میں حماست اور شجاعت کی نظمیں اس زور و شور سے پڑھتے تھے کہ گویا زمین پر لرزہ طاری ہو گیا ہے اور عنقریب مکانات گرنے والے ہیں اور کبھی ایسا پرسکون ترنم ہوتا تھا، جس کی حزیں آواز میں خشوع و خضوع بدرجۂ کمال پایا جاتا تھا۔ ان مختلف کیفیات کو دیکھ کر میری نظروں کے سامنے بالشویزم کے انقلابات، تہلزم کے اہوال و مصائب، اور بالشویکی حدت و صولت کا ایسا صحیح نقشہ کھنچ گیا جس کی شرح و بسط کے لئے ضخیم جلدیں بھی کافی نہیں ہو سکتیں، اس وقت روسی نفوس کے عمیق ترین اسرار کا پتہ چلتا تھا جو ہرگز کسی دوسرے طریقہ سے معلوم نہیں کئے جا سکتے۔

اس قسم کے مختلف جذبات ہر طبیعت میں کم و بیش پائے جاتے ہیں، جنگ عظیم کے بعد جب

صلح ہوئی تو مجھے ایک کاہن سے ملنے کا اتفاق ہوا، جو پہلے بڑا صلح پسند شخص تھا اور ذکاوت و علم سے بھی بے بہرہ نہ تھا، اُس نے جنگ میں شرکت کی تھی اور بہادری و شجاعت کے تمغے حاصل کئے تھے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ معرکہ میں اُس وقت کیا کیفیت ہوتی ہوگی جب دست بدست لڑائی ہوتی ہے اور دونوں طرف سے شمشیر بازی شروع ہو جاتی ہے، کاہن سنکر ہنسنے لگا اور اسکے ساتھ ہی وہ تلوار مارنے اور زخم لگانے کی لذت بیان کرنے لگا، کہتا تھا جب انسان دشمن کو تلوار مارتا ہے اور اُس کے زخم سے خون کے فوارے بلند ہوتے ہیں تو عجیب لطف آتا ہے جس نے اس لذت کو ایک مرتبہ چکھا ہے وہ عمر بھر اس کی تمنا میں رہتا ہے، پھر اسکو جنگ میں شرکت کی آرزو ہوتی ہے، وہ کسی خطرہ کی پروا نہیں کرتا، کیونکہ جب انسان مذہب، اخلاق، اور قانون کی کچھ پرواہ نہ کرے اور اپنے بنی نوع کے ایک فرد پر غالب آجائے جو حقیقت میں اُس کا بھائی ہے تو اسکو عذاب دینے اور ستانے میں بڑا مزہ آتا ہے، وہ سزا اور تعذیب میں تفنن و تنوع سے کام لیتا ہے اور کسی طرح بھی اس کی آتش انتقام نہیں بجھ سکتی۔ کیونکہ جب انسان اس حد کو پہونچ جاتا ہے تو وہ صرف انتقام اور دفاع نفس کے لئے نہیں لڑتا بلکہ سنگدلی اور تعذیب سے جو جنسیانہ لذت اُسے حاصل ہوتی ہے وہی اُس کا مقصود ہوتی ہے۔

ایسے لوگوں کی نظر صرف ایک نقطہ پر ہوتی ہے، وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کیلئے ہر قسم کے واسطے اور ذریعے سے کام لینے کو تیار ہوتے ہیں، لیکن کسی وقت ایک محب انسانیت اور مصلح بشریت بھی مجبور ہو کر تلوار میان سے نکال لیتا ہے اور وہ بھی حصول مقصد کیلئے خونریزی بالکل جائز سمجھتا ہے، ایسے مصلحین اور باغی و سرکش مفسدہ پردازوں میں آسانی سے فرق کیا جاسکتا ہے۔

انانیت اور شخصیت، یا ذات و قرابت پر ہر قسم کے فضائل اور کمالات کا توقف ہے یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ بغیر کمال حاصل کئے دوسروں کی تکمیل ہو سکے، جب فرد ایسے مرکز پر پہونچتا ہے تو بسا اوقات وہ افادہ عامہ کے پردہ میں اپنے نفس کو فائدہ پہونچانے کی کوشش کرتا ہے جس طرح اس کے دل میں خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اُس کی عزت کریں اور اُسے تعظیم و احترام کی نظر سے دیکھیں، اسی طرح اُس کے دل میں حسد اور دوسروں سے

بڑھ جانے کی بھی خواہش ہوتی ہے، چنانچہ وہ اس خواہش کو لیکر تمرد اور سرکشی کرتا ہے اور یہ حسد اُس کے لئے سخت تکلیف دہ ہوتا ہے کہ وہ اُن لوگوں کے مرتبہ تک نہیں پہونچ سکتا جو اس سے زیادہ بلند زندگی بسر کرتے ہیں بعض وقت اشک وحسد کی آگ اس درجہ ترقی کرجاتی ہے کہ وہ اپنے حصول مقصد کے لئے سخت سے سخت جرم اور انتہائی ظلم کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے پھر اس کوشش کا انجام دو صورتوں میں رونما ہوتا ہے کبھی تو وہ اپنا مقصد حاصل کرلیتا ہے اور کبھی مقصد تو حاصل نہیں ہوتا مگر دوسرے کی نعمت جس پر وہ حسد کرتا تھا زائل ہوجاتی ہے اور یہ سرور بھی حاسد کے لئے کچھ کم نہیں۔

مصیبت زدہ لوگوں پر رحم کرنا، اور ان کے ساتھ ہمدردی رکھنا بہترین صفت ہے، اور انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد اور اپنے نفوس کو آزاد کرنے کی کوشش کرے اس لئے ضروری ہے کہ طبیعت بشری کی اچھی طرح سے تشخیص کرلی جائے کیونکہ بلا تشخیص کئے کوئی علاج مفید نہیں ہوسکتا، اولاد کے برے اخلاق اور ان کے روحانی اور جسمانی امراض اکثر جاہل والدہ کے جہل کا نتیجہ ہوتے ہیں، دین کی محبت جب تعصب کی حد کو پہونچ جاتی ہے تو اُس سے بڑھ کر کوئی دوسری شے خونریزی کا سبب نہیں ہوسکتی، ادیان و مذاہب نے ہزارہا سال میں انسان کی صرف ظاہری حالت میں صفائی پیدا کی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ایذا رسانی کی لذت یا سیادت اور جاہ طلبی کے لئے رات دن ہر قسم کے جرائم کئے جاتے ہیں، اور اس میں افراد، جماعتیں، اور سلطنتیں، سب برابر کی شریک ہیں اگر کوئی شخص اس عام ہنگامہ سے علیحدہ رہنا چاہے تو بھی وہ اس کے شر سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نظام اجتماعی میں بغاوتیں اور شورشیں ضروری ہیں کیونکہ ایک طویل امن و سکون کے بعد طبائع میں جمود پیدا ہوجاتا ہے اس لئے جرأت عمل صرف اُس وقت ہوسکتی ہے جب ہنگامۂ بغاوت برپا کیا جائے جس طرح کہ بعض مزمن امراض جراحی کے بغیر اچھے نہیں ہوسکتے اسی طرح اجتماعی امراض بغیر بغاوت اور شورش کے دور نہیں ہوسکتے۔

بعض وقت جب بشریت اپنی رفتار میں ایک عمیق غار کے کنارے پہونچتی ہے تو اس عہد کے حکماء

پیچھے ہٹنے کی نصیحت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ نہایت احتیاط سے چلنا چاہیے مگر ایک گروہ بحر متلاطم کی طرح اس کی طرف بڑھتا ہے اور سب سے پہلے اگلی صف اُس غار میں گرتی ہے اس طرح یکے بعد دیگرے اُس غار میں صفیں کی صفیں گرتی جاتی ہیں، یہاں تک کہ وہ غار لاشوں سے بھر جاتا ہے اور باقی لوگ اُس پر سے گزر جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے حوادث و انقلابات میں بشریت اپنے بے انتہا افراد کھو دیتی ہے مگر اس میں وہ ذرا بھی تخلل نہیں کرتی کیونکہ اُس کی قوتیں غیر متناہی ہیں۔

نشترِ نشتر

منھ پہ کہتی ہے راز ہر دل کا　　آنکھ اک آئینہ ہے محفل کا
اللہ اللہ! یہ ذوقِ جلوہ گری　　پردہ اُٹھ اُٹھ گیا ہے محمل کا
آج رکھتا ہے وسعتِ کونین　　ذرّہ ذرّہ مٹے ہوئے دل کا
شوق میں روح کر گئی پرواز　　دیکھتے ہی سوادِ منزل کا
اُف رے اُسکی نظر کی تاثیریں　　بجھ گیا دل میں ولولہ دل کا
پا کے امید و بیم میں مجھکو　　موت مُنہ تک رہی ہے قاتل کا

ہم یہاں کے یہیں رہے نشتر
لے اڑا دل کو ولولہ دل کا

نشتر سندیلوی

مصطفیٰ رشید پاشا

(سنہ ۱۲۱۵ھ - سنہ ۱۲۷۴ھ)

سلطنت عثمانیہ کے وزرا میں مصطفیٰ رشید پاشا حب وطن اخلاص خدمت اور تدبر کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتے تھے، آپ کے والد مصطفیٰ افندی، اوقاف ہمایونی کے افسر تھے۔ رشید پاشا سنہ ۱۲۱۵ھ میں قسطنطنیہ میں پیدا ہوے، اور ابتدائی عمر میں اپنے والد کے زیر تربیت رہے جنہوں نے حسن تربیت سے رشید پاشا میں خالص ترکی روح پیدا کر دی تھی۔

ابتدا میں مصطفیٰ رشید باب العالی کے دفتر میں کسی معمولی خدمت پر مامور ہوے تھے لیکن فرصت کے اوقات میں وہ مشائخ و علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم عربیہ بھی حاصل کرتے تھے دفتر باب العالی کے افسر مصطفیٰ رشید کی حسن خدمت کو دیکھتے ہوے اُن کی نہایت قدر کرتے تھے، چنانچہ تھوڑی سی مدت میں انھوں نے دفتر مذکور میں ایک ممتاز رتبہ حاصل کر لیا، اس کے بعد ان کی ترقیوں کا سلسلہ نہایت سرعت سے شروع ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ رئیس تعلیمات مقرر ہو گئے، حالانکہ یہ عہدہ کسی نوجوان کو نہیں دیا جاتا تھا لیکن مصطفیٰ رشید باوجود نوجوان ہونے کے بعض ایسے مشکل و اہم مسائل کو آسانی سے حل کر دیتے تھے جن میں بڑے بڑے تجربہ کار اور سن رسیدہ مدبرین کی عقلیں حیران رہ جاتی تھیں۔ مصطفیٰ رشید جب لوگوں سے اپنی تعریف سنتے تھے تو ان کی ہمت اور زیادہ بلند ہوتی تھی۔

جب مصطفیٰ رشید کو باشکاتب کا عہدہ ملا تو انھیں حکومت نے اُس فوج کے ہمراہ مورہ بھیجا جو خسرو پاشا کی قیادت میں وہاں جا رہی تھی۔ مصطفیٰ رشید نے وہاں پہونچکر حوادث مورہ کے اسباب معلوم کرنے پر غور کرنا شروع کیا (وہ ہر وقت ایسی تدابیر سوچنے میں مشغول رہتے تھے کہ مورہ میں پھر کسی طرح سلطانی اقتدار قائم کیا جاے۔)

جب آپ مورہ سے واپس ہوے تو دو مرتبہ محمد علی پاشا کے عہد میں مصر بھیجے گئے، مصر میں

مشکلات کے حل کرنے میں مصطفیٰ رشید نے جس تدبیر سے کام لیا وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔

جب سلطان عبدالمجید خاں تخت سلطنت پر بیٹھے، تو اُس وقت مصطفیٰ رشید ایوان ہمایونی میں مامور تھے یہ وہ وقت تھا جب کہ مجلس وزراء کے سامنے سلطنت داخلی اور خارجی مسائل کے عظیم ترین مشکلات میں گھری ہوئی تھی اور خاص طور پر مسئلہ مصر، یونان کی آزادی، اور جیوش یکی چری کی موقوفی بے شکل سخت پریشان کن تھے۔ خلیفۃ المسلمین کے سامنے اپنی قوم اور سلطنت کی حفاظت کے علاوہ اور کوئی مسئلہ نہ تھا، اور وہ چاہتے تھے کہ دفعتہً تمام اصلاحات ہو جائیں۔ وزراء نے حفاظت سلطنت اور دفاع ملت کی جو تدابیر سوچی تھیں ان پر سب کا اتفاق نہ تھا، جب وزراء کے مباحث سے کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا اور سلطان المعظم کا اضطراب زیادہ بڑھ گیا تو ایک روز حضور دفعتہً باب العالی میں تشریف لے گئے اور وزراء کو جمع کیا جن میں مصطفیٰ رشید بک بھی تھے۔

حضرت خلیفۃ المسلمین نے اُس خطرہ کا اظہار فرمایا جو اُس وقت تقریباً سلطنت کے ہر صوبہ میں پایا جاتا تھا، اور وزراء سے ارشاد فرمایا کہ وہ اس کے متعلق اپنی رائے دیں، لیکن اُن کے پاس سوائے "افسوس" کے کوئی جواب نہ تھا، مصطفیٰ رشید بک نے اس منظر سے سخت متاثر ہو کر نہایت ادب و احترام سے اپنی رائے ظاہر کی اور یہ بھی عرض کیا کہ: "عنقریب خلیفۃ المسلمین کے حضور میں اپنی تجویز ایک مفصل تحریر کی صورت میں پیش کرنے والے ہیں، چنانچہ انہوں نے بہت جلد ایک لائحہ عمل پیش کیا اور اسی کی وجہ سے سلطنت اس نازک وقت کے خطرناک دور سے نکلنے کے قابل ہوئی۔ حقیقت میں مصطفیٰ رشید بک کی تدبیر نے ترکی قوم اور عثمانی سلطنت کو عظیم ترین خطرے سے بچایا، اس لئے مصطفیٰ رشید بک نے غیر معمولی شہرت حاصل کی اور نہیں منصب وزارت پر فائز کیا گیا، اب مصطفیٰ رشید بک پاشا ہو گئے اور مصری مسائل کے حل کرنے کے لئے پیرس اور لندن بھیجے گئے اُس وقت ان کی عمر تیس سال سے بھی کم تھی، اور یورپ کی کسی زبان سے واقف نہ تھے، چنانچہ اس سفر میں موسیو کور ترجمانی کے لئے اُن کے ساتھ بھیجا گیا۔

وہاں سے واپس آکر مصطفیٰ رشید پاشا کو خیال ہوا کہ یورپ کی ایک زبان سیکھنا نہایت ضروری ہے چنانچہ انہوں نے فرانسیسی سیکھنا شروع کی اور تھوڑی سی مدت میں بقدر کفایت

زبان کو حاصل کرلیا اور تمام ممالک کے قوانین اور تنظامت کا مطالعہ شروع کیا۔ ترقی و تنزل کی موجودہ اسباب معلوم کئے۔ اس وقت وہ کبھی یورپ کے ممالک پر نظر کرتے تھے اور کبھی اپنے ملک کی جانب کو دیکھتے تھے، اور دونوں حالتوں کا مقابلہ کر کے اپنی سلطنت کے مزمن امراض کا علاج سوچتے تھے اور یورپ کے خیالات کی اصلاح کرنی چاہتے تھے، تاکہ عثمانی سلطنت کے ساتھ یورپ والوں کو حسن ظن پیدا ہو، اور آخر کار جارج چہارم کو مصطفےٰ رشید پاشا نے نہایت پرزور دلایل سے یقین دلا دیا کہ سلطنت عثمانیہ کا بقا تمام یورپ کے امن کے لئے نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ اسکی بنا پر معاہدہ پروتوکول (لندن) پر تصدیق کی گئی، اس معاہدہ کی رو سے ولایت مصر ز رعایت عکا محمد علی پاشا کو عمر بھر کے لئے دیا جانا تجویز ہوا تھا، لیکن محمد علی پاشا نے اسے منظور نہیں کیا اس لئے انگریزی حکومت نے مجبور ہو کر اپنے جنگی جہاز روانہ کئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیروت کے سامنے تمام مصری بیڑہ جل گیا، اور تمام مصری فوج شام سے نکال دی گئی اور شام کا ملک ترکوں کے سپرد کر دیا گیا، اور محمد علی پاشا کے حصہ میں صرف مصر کا صوبہ رہ گیا اور بہ قرار پایا کہ مصر پر محمد علی پاشا اپنی مدت حیات تک حکومت کریں گے اور ان کے بعد ان کی نسل میں جو سب میں بڑا لڑکا ہوگا اسے مصر کی حکومت سپرد کر دی جایا کرے گی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب دول یورپ دولت علیہ عثمانیہ کو غاصب سمجھتے تھے اور اسے دول یورپ میں شمار نہ کرتے تھے صرف اس لئے کہ وہ عیسائی سلطنت نہ تھی، اور غالباً اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ سلطنت عثمانیہ کے عمال دولت ملک کی داخلی انتظامات میں بہت مشغول تھے اور خارجی علائق کو مستحکم اور خوشگوار بنانے کی انھیں مہلت نہیں ملتی تھی اور اندرونی خرابیاں جو کچھ تھیں وہ بھی دول یورپ کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ پردازیوں کا نتیجہ تھیں۔ وہ ہر وقت ترکوں کی عیسائی رعایا کو سلطنت کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کرتے رہتے تھے، اور ان سے آزادی دلانے کے وعدے کرتے تھے۔

سلطان عبدالمجید خاں کو رشید پاشا کی صداقت و اخلاص کا یقین تھا اسی وجہ سے وہ انھیں اپنا معتمد سمجھتے تھے اور اسی بنا پر ۱۲۵۶ھ میں وہ سلطان کے مشیر خاص مقرر ہوئے اور خلافت مآب کی طرف سے میدان گل خانہ میں انہوں نے عام رعایا کو وہ فرمان شاہی سنایا

جس میں بلا استثناء مذہب تمام عثمانی رعایا کو حقوق دیے جانے کا وعدہ کیا گیا تھا، اس فرمان کے بعد سے دول یورپ کو دولت علیہ کی ترقی اور فلاح کی امید پیدا ہو گئی، باب عالی پر پوری طرح سے اعتماد کیا جانے لگا۔ اصل میں اس فرمان کا مسودہ مصطفیٰ رشید پاشا کا لکھا ہوا تھا جس کو حضرت خلافت مآب کی طرف سے انہوں نے جلسہ عام میں پڑھ کر سنایا۔

کسی قوم کا ترقی کرنے کے لئے آدمیوں کا قحط بڑی مصیبت ہے، جب تک کسی قوم میں کام کے آدمیوں کی کافی تعداد نہ ہو گی وہ ہرگز ترقی نہیں کر سکتی، مصطفیٰ رشید پاشا نے اس کمی کو محسوس کیا اور جن لوگوں میں کام کرنے کی اہلیت دیکھی انہیں ترقی دینا شروع کی، چنانچہ فواد پاشا عالی پاشا اور احمد رفیق پاشا انہی کے بنائے ہوئے آدمی ہیں۔

جب مصطفیٰ رشید پاشا صدر اعظم مقرر ہوئے تو اس وقت حالات نہایت نازک تھے لیکن انہوں نے ملکی و فوجی اصلاحات شروع کیں، برلن، پیرس، اور لندن میں سفیر مقرر کئے جو وہاں کے ارباب سیاست کے حالات کی اپنی سلطنت کو اطلاع دیتے رہتے تھے۔

۱۸۴۹ء میں آسٹریا اور روس کی فوجوں نے ہنگری والوں پر سخت مظالم کئے تھے جس کی وجہ سے بہت سی ہنگری رعایا سلطنت عثمانیہ کے حدود میں پناہ گزیں ہو گئی۔ روس اور آسٹریا نے دھمکی دی کہ یہ پناہ گزیں مجرم ہیں، ہمیں سپرد کر دیے جائیں ورنہ ہماری طرف سے اعلان جنگ ہے۔ رشید پاشا نے فوراً اس مطالبہ کو مسترد کر دیا اور کہا کہ اس مسئلہ کا فیصلہ بین الاقوامی اصول پر کیا جائے گا، روس اور آسٹریا ہماری حکومت پر دباؤ ڈالنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ صدر اعظم نے اس جواب سے اپنی سلطنت کی عزت کو قائم رکھا، حضرت خلافت مآب نے بھی مصطفیٰ پاشا کی رائے سے اتفاق فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا "محال ہے کہ میں ان غریبوں کو سپرد کر دوں جنہوں نے ہمارے آستانۂ سلطنت پر پناہ لی ہے، ہماری سلطنت کی حمیت اور عدالت کا یہی تقاضا ہے، میں ان کے سپرد کرنے پر جنگ کو ترجیح دیتا ہوں۔"

روس اور آسٹریا کو معلوم ہوا کہ سلطنت عثمانیہ اپنے حقوق اور عزت کی حفاظت میں پوری بیداری سے کام لیتی ہے اور یہ سب کہ ترکی کے وزیر اعظم مصطفیٰ رشید پاشا کی بیدار مغزی کا نتیجہ ہے چنانچہ انہوں نے اس مسئلہ کو بین الاقوامی اصول پر چھوڑ دیا اور وہ سمجھ گئے کہ سختی کا طرز عمل کچھ مفید

ثابت نہیں ہو سکتا۔

مصطفیٰ رشید پاشا ضرور یات سلطنت اور مقتضیات سیاست کے لحاظ سے مختلف مناصب پر مقرر ہوئے، چھ مرتبہ وزیر اعظم اور چار مرتبہ وزیر خارجہ، اور متعدد سفارتوں پر مقرر ہوئے، اور ایک مرتبہ ولایت اڈریا نوپل کے والی ہوئے، آپ نے ہر ایک عہدہ کی زائض نہایت احتیاط اور بیدار مغزی سے انجام دیئے، قسطنطنیہ کا سب سے پہلے ترکی اخبار "تقویم الوقائع" رشید پاشا کا ہی جاری کیا ہوا ہے، وزارت تعلیم، مجلس معارف، دستور العمل تعلیمات سلطنت کی سالانہ رپورٹ، مدارس عالیہ وغیرہ رشید پاشا ہی کی قائم کی ہوئی چیزیں ہیں، مصطفیٰ رشید پاشا کے زمانہ میں بیت المقدس کا مسئلہ پیش ہوا، کیتھولک اور ارتھوڈکس فرقہ کے عیسائی دونوں مشرق میں حق تصرف کے مدعی تھے، روس نے اس مسئلہ میں مداخلت شروع کی اور اپنے ایک معتمد کو قسطنطنیہ بھیجا تاکہ بابعالی کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرے، چونکہ روسی مطالبات اس قابل نہ تھے کہ انھیں پورا کیا جاسکے اس لئے مصطفیٰ رشید پاشا نے اس مسئلہ کو ایک کانفرنس کے فیصلہ پر موقوف رکھا، تاکہ بین الاقوامی اصول کے مطابق دونوں حکومتوں میں ایک سمجھوتہ ہو جائے کانفرنس نے جو قرارداد منظور کی اسی روسی حکومت نے تو منظور کر لیا مگر حکومت عثمانیہ نے منظور نہیں کیا اور یہ استدعا کی کہ اس پر پھر بحث ہونی چاہئے تاکہ جو دفعات عثمانی سلطنت کے حق میں سخت اور قابل اصلاح ہیں اُن میں ترمیم کردی جائے۔ تمام یورپین طاقتوں نے صاف کہدیا کہ وہ اس معاملہ میں اُن کی مدد نہیں کرسکتیں، اور اگر عثمانی حکومت نے کانفرنس کی قرارداد منظور نہ کی اور اسی کے ساتھ جنگ چھڑ گئی تو اس کی ذمہ داری ترکوں پر عائد ہوگی۔

مصطفیٰ رشید پاشا نے اس وقت بڑی ہمت و غیرت سے کام لیا، انھوں نے تمام وزراء، علماء، اور امراء کو جمع کیا اور سب کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کیا، اور یہ ظاہر کیا کہ اس قرارداد کی بہت سی دفعات حقوق سلطنت کو پامال کرتی ہیں، اور روس نے اس قرارداد کو اس لئے منظور کیا ہے کہ وہ ان دفعات کی خاطر خواہ تاویل کرکے اُن سے فائدہ اٹھائے، چنانچہ سب کی یہی رائے قرار پائی کہ روس کے خلاف اعلان جنگ کردینا چاہئے، اور ۱۲۷۹ھ میں روس سے یہ جنگ چھڑ گئی۔ رشید پاشا کو اچھی طرح معلوم تھا کہ عثمانی حکومت اس وقت روس سے جنگ کرنے کے قابل نہیں ہے

مگر جنگ نہ کرنے کی صورت میں جو کچھ نقصانات سلطنت کو پہونچتے تھے وہ مصائب جنگ سے بہت زیادہ سخت تھے۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد فرانس، انگلستان، اور ساری دنیا کو معلوم ہو گیا کہ روس نے حدود انصاف سے تجاوز کیا ہے اس لئے ان تینوں سلطنتوں نے روس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، اور جنگ ملتوی ہو گئی، یہ مصطفیٰ رشید پاشا کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ ۱۲۷۲ھ میں سلطنت عثمانیہ کا شمار دول یورپ میں ہونے لگا — یہ رشید پاشا کی خاص تمنا تھی جو انہیں کی کوششوں سے بر آئی، اور یہ ان کا ایک غیر فانی کارنامہ ہے۔

مصطفیٰ رشید پاشا ترکی کے مشہور سیاسی رہنما گذرے ہیں، فن خطابت اور تحریر میں انہیں غیر معمولی کمال حاصل تھا۔

مصطفیٰ رشید پاشا نے ۱۲۷۴ھ میں انتقال کیا، اب تک تمام عثمانی نہایت عزت و احترام سے اُن کا نام لیتے اور ان کے کارناموں سے سبق حاصل کرتے ہیں

غزل

دل کو اپنے پہلے ہم اتنا شکیبا دیکھتے
شوق سے پھر اُن کا حسن بے حجابا دیکھتے

اک جھلک نے جس کی کر ڈالا دو عالم کو خراب
چاہتا ہے جی کہ اک دن پھر وہ جلوہ دیکھتے

اب کہاں ہے وہ دل مرحوم - اے اہل نظر
میری آنکھیں دیکھتے اور اس کا مرنا دیکھتے

نشۂ مے آنکھ میں، کچھ نیند کچھ انگڑائیاں
پھر کسی کو بزم میں یوں جلوہ آرا دیکھتے

حسن کی تھی وہ فراوانی جہان حسن میں
صرف دو آنکھوں سے اپنے ہم بھلا کیا دیکھتے

دلگیر اکبر آبادی

اپریل سنہ ۱۹۲۳ء

سُقراط اور اُس کا فلسفہ

(بسلسلہ اشاعت گذشتہ)

سقراط کا اصل منشا یہ تھا کہ اُس زمانہ کے نام نہاد علوم کی قلعی کھلجائے اور ان کے بجائے علم حقیقی کا رواج ہو۔ اُس کی مشن کی اس تشریح کا سمجھنے والا اُس زمانہ میں کوئی نہ تھا اور اس تشریح سے سقراط کے ہمعصر یقیناً اُس سے برگشتہ ہوے ہونگے۔ لیکن اصل منشا کا اعلان کرنے میں اُسکو کبھی تامل نہیں ہوا، علوم متداول کے تناقض کا یقین ہوا اور کب سے اُس نے لوگوں سے اُنکے عقاید و اقوال کی نسبت استفسار کرنا شروع کیا اس کے متعلق صحت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اتنا یقینی ہے کہ ۴۲۳ ق۔م میں یعنی اپنی وفات سے ۲۴ سال پہلے سقراط اتنی ممتاز شخصیت حاصل کر چکا تھا کہ ارسٹوفینز نے اپنے ڈرامہ میں تمسخر و تضحیک کے لئے اسی کو منتخب کیا۔ احتساب النفس کا کام وہ محاصرہ پوٹیڈیا (۴۳۲ - ۴۲۱) کے زمانہ سے شروع کر چکا تھا۔ اس کام کا ایک مرتبہ شروع کرنا تھا کہ پھر اُس نے اپنے آپ کو قطعاً اسی کیلئے وقف کر دیا، وہ علم الحکمت والوں جیسے پیشہ ور معلموں کے بالکل برعکس تھا۔ اپنی تعلیمات کا کچھ معاوضہ نہیں لیتا تھا۔ اس کے ہاں کوئی باقاعدہ تعلیمی نصاب نہ تھا اور وہ کسی مستقل علم کی تعلیم نہیں دیتا تھا، اس کی ساری عمر اپنا اور دوسروں کا احتساب کرتے کٹ گئی اور اس معنی میں وہ محتسب اعظم ہو گزرا ہے۔ وہ ہر اس شخص سے جو اس کی طرف التفات کرے بات کرنے کو تیار رہتا تھا اس کی زندگی اور گفتگو قطعاً وقف عام تھی۔ وہ ہر اس جگہ جہاں اُس لوگوں کے اجتماع کی توقع ہوتی تھی جا پہونچتا تھا، شہر سے باہر کبھی نہیں جاتا تھا چنانچہ اُس کا قول ہے "میں علم کا عاشق ہوں اور شہر میں رہ کر انسانوں سے کچھ نہ کچھ نہ کچھ سیکھ سکتا ہوں لیکن جنگل اور درخت مجھے کچھ نہیں سکھا سکتے۔"

اُس نے خالصاً احکام الٰہی کی بجا آوری کے لئے اپنی زندگی نذر کر دی اور دنیاوی امور سے بالکل بے نیاز ہو گیا، یہاں تک کہ وہ انتہائی افلاس کی حالت میں رہنے لگا۔

وہ لوگوں پر جرح و قدح کرنے کو فرمانِ الٰہی کی متابعت تصور کرتا تھا، کہتا ہے کہ:۔

"مجھوں کے ذریعہ خوابوں کے ذریعہ اور تمام اُن ذرائع سے جن سے خدا کی مرضی انسان پر ظاہر ہو سکتی ہے خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ لوگوں کے اعمال و افعال کا احتساب کیا کروں میں اس معاملہ میں کسی سے صلح نہیں کر سکتا کیونکہ اسمیں خدا کی نافرمانی ہے"

یہ عقیدہ رکھتے ہوئے وہ اس نفرت اور غیر ہردلعزیزی کی پروا نہیں کرتا تھا جو لوگوں پر ان کی جہالت واضح کرنے کا لازمی نتیجہ ہو سکتی ہے۔

ان تشریحات سے بآسانی یہ مراد لی جا سکتی تھی کہ سقراط مذہب اور اخلاق کی بنیادوں کو کھوکھلا کیا چاہتا ہے، ان اسباب سے جو عام تعصب اُس کے خلاف پھیلا اُس میں مزید تقویت اس واقعہ سے پہونچی کہ چند نوجوان جو اس کی صحبت میں شریک رہتے تھے ملکی مقاصد کے لئے سخت مضر ثابت ہوئے جیسے السی بیاڈیز جس نے ایتھنز کے خلاف بغاوت کی اور کریشیس جو تیس مستبدین میں سب سے زیادہ قابل نفرت ثابت ہوا۔ ۴۰۳ ق م میں جمہوری حکومت کے دوبارہ قائم ہونے پر یہ احساس غیر معمولی طریق پر تیز ہوا کہ سقراط کی تعلیمات جو اس قوم کے لئے سخت نقصان رساں ہیں اور اُس زمانہ کے سیاسی مہلکوں اور ملکی مصائب کو کسی حد تک ان ہی تعلیمات پر محمول کیا جا سکتا ہے لیکن ابھی تک اس سے اغماض کیا جاتا تھا۔ وہ نساان اور بزعم خود دانشمند لوگوں کو نیچا دکھانے میں کبھی دریغ نہ کرتا تھا اور ایتھنز والے سقراط کی کریہہ شکل و شباہت پر نظر کر کے اس قسم کی کارروائیوں کو زہرخند پر ٹال جاتے تھے لیکن ۳۹۹ قبل مسیح میں اچانک ایک انقلاب ہوا تین شخص ایتھنز کی اُن قوموں کے نمایندے بن کر اُٹھے جو سقراط سے اس کی دلائل کی بنا پر ناراض تھیں، ان تین آدمیوں کی سرکردگی میں سقراط پر لوگوں کو بدراہ کرنے اور ایتھنز کے دیوتاوں سے عقیدت نہ رکھنے کا الزام رکھ کر مقدمہ چلایا گیا۔ الزامات مندرجہ ذیل الفاظ میں قائم کئے گئے۔

"سقراط ایک زیاں کار انسان ہے جو رات دن تحت الثریٰ اور عالم بالا کی اشیاء کی تحقیقات میں لگا رہتا ہے۔ وہ برائی کو بھلائی ثابت کر دکھاتا ہے اور

یہی باتیں دوسروں کو سکھاتا ہے۔

سقراط کثرت رائے سے مجرم قرار پایا اور مستغیثوں نے اس کے واسطے سزائے موت تجویز کی سقراط کو حق حاصل تھا کہ اپنے لئے خود کوئی سزا تجویز کرتا۔ اور اگر وہ چاہتا تو غالباً کچھ جرمانہ دیکر بچ سکتا تھا۔ لیکن وہ اول سے آخر تک یہی کہتا رہا کہ اس نے لوگوں کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہونچایا ہے۔ بلکہ ان کی بہی خواہی اور خیر اندیشی کا دم بھرتا رہا ہے اور مبلغ حسنات ہونے کی حیثیت سے جس کو پروردگار نے ایتھنز والوں کی ممکنات روحانی کے منتقل کرنے کو بھیجا ہے وہ صرف اس بات کا مستحق ہے کہ اسکو وظیفہ خوار سلطنت ہونے کا اعلیٰ ترین اعزاز بخشا جائے لیکن صاحبان جیوری نے اس کو توہین عدالت سمجھا اور مستغیثوں کی تجویز یعنی سزائے موت کو منظور کیا۔ سزائے موت عام طور پر تاریخ فیصلہ سے اگلے روز دی جاتی تھی لیکن انہی ایام میں یونان کا ایک مقدس مذہبی تیوہار آن پڑا۔ چونکہ اس تیوہار کے دوران میں پھانسی کی سزا قطعی موقوف رہتی تھی اس لئے سقراط کی موت میں بھی تاخیر ہوئی اور وہ تیس روز تک قید خانہ میں پڑا رہا اس کے دوستوں نے اس کو محبس سے نکل بھاگنے کی صلاح دی بلکہ ایسا کرنے کی عاجزانہ التجائیں کیں لیکن اُس نے ایسی باتوں کے سننے سے بھی انکار کیا اور جب وقت آیا تو خوشی خوشی زہر کا پیالہ پیکر مر گیا۔

جس روز سقراط کو زہر دیا جانے والا تھا اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ آخری صحبت گزاری۔ اس صحبت میں سقراط نے اپنے فلسفیانہ معتقدات اور عمر بھر کی تعلیمات کا اعادہ کیا۔ اگر وقت اور حالات نے اجازت دی تو اس صحبت کی مفصل کیفیت اپنے مقام پر عرض کی جائے گی۔ اس وقت ہم سقراط کی زندگی کے آخری لمحات میں اُس سکون سرمدی کو تلاش کرتے ہیں جس نے اُس کی شخصیت میں ایک شان امتیاز پیدا کر دی ہے۔ یہ حکایت خوں چکاں اپنے ایک دوست سے فیڈو نے بیان کی ہے جو سقراط کا دوست تھا اور اس صحبت آخریں میں شریک تھا۔ فیڈو کہتا ہے:

"جب سقراط کا خطبہ ختم ہوا تو کریٹو نے اس سے پوچھا کہ اپنے بچوں کے لئے یا کسی اور معاملہ میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں اور ہم آپ کی بہترین خدمت کس طریق پر

کر سکتے ہیں، سقراط نے کہا کہ وہ صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ تم میری تعلیم پر عمل کرو
اپنے نفس کی نگہداری کرو کیونکہ تم اپنے اعمال ہی کے ذریعہ سے میری اور خود اپنی
خدمت کر سکتے ہو، لیکن اگر تم اپنے آپ سے غافل ہو جاؤ گے اور زندگی کی اس
روش سے جس کی داغ بیل آج اور ایام سابق کے مباحث میں ڈالی جا چکی ہیں
منحرف ہو جاؤ گے تو تمھارے تمام مواعید خواہ وہ کتنے ہی نیک نیتی پر مبنی ہوں
قطعی لاحاصل ہوں گے۔ کریٹو نے کہا ہم آپ کے ارشاد کی تعمیل میں سعی بلیغ کرینگے
لیکن ہمیں آپ کی تجہیز و تکفین کس طریق پر کرنی چاہئیے۔ سقراط نے جواب دیا
جس طرح تم پسند کرو لیکن پہلے مجھ پر اس طرح قابو پا نا کہ میں بھاگ نہ سکوں'
پھر اُس نے ایک تبسم کے ساتھ ہم پر نظر ڈالی اور کہا میرے دوستو! میں
کریٹو کو یقین نہیں دلا سکتا کہ سقراط وہ جوہر پنہاں ہے جو اس وقت
آپ کے سامنے تقریر کر رہا تھا اور اپنے دلائل کی تنظیم و ترتیب کر رہا تھا۔ اس کا
خیال ہے کہ سقراط اُس جسم کا نام ہے جو ابھی نعش میں منتقل ہو جائے گا۔ اور
وہ مجھ سے پوچھتا ہے کہ مجھے کیونکر دفن کرے۔ تمام وہ دلیلیں جو میں نے اس
بات کے ثابت کرنے میں صرف کی ہیں کہ میں تمہارے پاس نہیں رہوں گا
بلکہ تم سے چھوٹ کر نفوس قدسی کی مسرتوں میں مدغم ہو جاؤنگا اور یہی وہ خیال ہے
جس سے میں نے تم کو اور اپنے آپ کو تسکین دینے کی کوشش کی ہے اُس پر بے اثر
ثابت ہوئی ہیں، اس لئے آپ اُس سے میری ضمانت کریں جس طرح مقدمہ
میں اُس نے میری ضمانت کی تھی اگرچہ دونوں میں باعتبار نوعیت اختلاف ہے
وہ میرے لئے اس بات کا ضامن تھا کہ میں ایتھنز سے باہر نہیں جاؤنگا لیکن
آپ صاحبان کی ضمانت اس امر کے لئے ہوگی کہ مرنے کے بعد میں چلا جاؤں گا
اور آپ کے پاس نہیں رہوں گا۔ اے کریٹو، تمہیں جاننا چاہئیے کہ الفاظ
کا غلط استعمال نہ صرف بجائے خود ایک خطا ہے بلکہ اس سے روح کی پاکیزگی میں
بھی نقص پڑتا ہے۔ تمہیں یوں کہنا چاہئیے تھا کہ ہم آپ کے جسم کو دفن کرینگے

اور یہ تم جس طرح چاہو اور جس طرح مناسب سمجھ کر سکتے ہو۔ اسی اثنا میں جمہوریہ ایتھنز کا زہر پلانے والا ملازم وارد ہوا اور سقراط کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا "سقراط میرا خیال ہے کہ عام لوگوں کی طرح تم اپنے رویہ میں نامعقول ثابت نہ ہو گے جب میں اُن کو حکام کی تعمیل میں زہر پینے کی ہدایت کرتا ہوں تو وہ مجھ پر خفا ہوتے اور مجھے کوستے ہیں لیکن میں نے تم کو اُن تمام انسانوں میں جنکو یہاں آنے کا اتفاق ہوا ہے سب سے شریف النفس پایا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے ناراض نہ ہو گے بلکہ تمہاری خفگی ان لوگوں کے خلاف ہو گی جو واقعاً قابل الزام ہیں، اس کے بعد موت کی سختی کو اتنی سہولت سے برداشت کرنا جتنی تم سے ممکن ہو سکے۔ تم جانتے ہو میں کس واسطے آیا ہوں" یہ کہکر وہ روتا ہوا واپس چلا گیا سقراط نے اُس کی طرف دیکھا اور کہا الوداع میں ایسا ہی کرونگا جیسا تم کہتے ہو۔ اس کے بعد وہ ہماری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کس قدر خلیق انسان ہے جتنی مدت میں اس قیدخانہ میں رہا ہوں، اس نے ہمیشہ میری خبر گیری کی ہے اور مجھے اکثر باتیں کی ہیں۔ وہ مجھپر افضل ترین انسان بن کر ظاہر ہوا ہے اور اب دیکھو وہ میرے لئے کس دردمندی سے روتا ہے۔ کریٹو آؤ۔ ہم اس کے حکم کی تعمیل کریں۔ زہر اگر تیار ہے تو منگاؤ، اور اگر ابھی تیار نہیں ہے تو تیار کراؤ، کریٹو نے جواب دیا نہیں سقراط ابھی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ سورج اب تک پہاڑیوں پر چمک رہا ہے اور غروب نہیں ہوا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے معلوم ہے کہ اور لوگ انتہائی تاخیر و تعویق کے بعد زہر پیا کرتے ہیں اور سیر ہو کر کھاتے پیتے ہیں اور اپنے عزیز دوستوں کی صحبت کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ اس لئے جلدی نہ کرو ابھی بہت وقت ہے، سقراط نے جواب دیا جن لوگوں کا تم ذکر کرتے ہو وہ طبعاً ایسا کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ اُن کا خیال ہے کہ ایسا کرنے سے اُن کو کچھ حاصل ہو جائے گا۔ میں اپنے تقاضاے فطرت کے مطابق ایسا نہیں کروں گا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ کچھ دیر کے بعد زہر پینے سے مجھے کوئی نفع نہیں پہونچے گا بلکہ اس سے میری ہی

ذلت و زبونی کا اظہار ہوگا کہ میں نے ایسی زندگی کے بچانے کا لالچ کیا جو پہلے ہی ختم ہو چکی ہے۔ تب کریٹو نے غلام کو اشارہ کیا جو قریب کھڑا ہوا تھا۔ وہ باہر گیا اور زہر کا پیالہ لے کر جلد واپس آگیا۔ سقراط بولا میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ میرا سفر نصرت و کامیابی کا سفر ہو۔ یہی میری دعا ہے خدا اسکو قبول کرے۔ یہ کہکر اُس نے پیالہ کو منھ لگایا اور نہایت اطمینان اور خوشی کے ساتھ پی گیا۔ اُس وقت تک ہم کسی طرح اپنے غم و الم کو ضبط کر رہے تھے لیکن جب ہم نے اُس کو زہر پیتے ہوئے دیکھا تو ہمیں تاب نہ رہی، آنسو ہماری آنکھوں سے از خود بہنے لگے اور یہ سب کچھ سقراط کے لئے نہ تھا بلکہ اپنی بدقسمتی پر تھا کہ ہم ایسے دوست سے بچھڑ رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارا باپ مر رہا ہے اور ہم ہمیشہ کے لیے یتیم ہوئے جاتے ہیں۔ اسکے بعد ہماری حالت اس گریۂ خاموش سے بھی تجاوز کر گئی اور ہم ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگے۔ سقراط نے پکار کر کہا میرے دوستو! تم کیا کر رہے ہو۔ میں نے سنا ہے کہ انسان کو سکون مطلق میں جان دینی چاہیے اس لئے خاموش رہو اور تحمل کرو۔ یہ سُن کر ہم سب شرمندہ ہوئے اور رونا موقوف کیا۔ اس کے بعد وہ بہت دیر تک ٹہلتا رہا لیکن جب زہر جسم میں سرایت کر گیا تو چت لیٹ گیا اور جان آفریں کو جان سونپ دی۔ اس طرح اے اچکریٹیز ہمارے اُس دوست کا خاتمہ ہوا جو میرے خیال میں دنیا میں سب سے زیادہ دانشمند اور راستباز تھا اور جس کا ثانی ہمیں نظر نہ آیا۔

سقراط کی ہلاکت اُن سنگین جرائم میں سے ایک جرم ہے جن کے ارتکاب کی توقع شخصی سلطنتوں کی نسبت جمہوری حکومتوں سے بہت کم کی جا سکتی ہے۔ مجرمین کی طرف سے ممکن ہے اس جرم کی تاویل ہو جائے لیکن تائید کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ سقراط اپنا کام ختم کر چکا تھا اور ملک میں وہ روح پھونک چکا تھا جس نے آیندہ صدی میں ایتھنز کو فلسفہ کا مسکن بنائے رکھا۔ وہ خوب جانتا اور پہچانتا تھا کہ اب چلدینے کا وقت آپہونچا ہے قبل اسکے کہ ضعف و کہولت اُسکے اثر کو زائل کر دیں مستقبل کا اُس کو کچھ خوف نہ تھا جو اُس کے نزدیک "خواب نوشیں" یا

"صحبت صالحین" کی صورت میں رونما ہونے والا تھا۔ لیکن بلدۂ ایتھنز کے وہ پانسو محب وطن جنہوں نے جیوری میں شریک ہوکر بزعم خود "قانون و انصاف" کی حمایت کی مفت میں رسوا ہوئے اور ابد الآباد تک رسوا رہیں گے + (باقی)

فراز حسین

غزل

جو حق پوچھو کتاب آرزو کا حرف باطل ہوں
مٹا دیں وہ نہ کیوں مجھ کو، مٹا دینے کے قابل ہوں

خفا تم جرم الفت پر، خجل میں جرم الفت سے
نہ تم ملنے پہ آمادہ، نہ میں ملنے کے قابل ہوں

گرہ اُن ابروؤں کی مجھ کو کب مایوس کرتی ہے
تبسم تیرا کہتا ہے کلید عقدۂ دل ہوں

تڑپتا ہوں جو میں تو لوٹ جاتا ہے مرا قاتل
شکار افگن کا منظور نظر وہ صید بسمل ہوں

مری حسرت نتیجہ ہے تری رنگیں ادائی کا
تری محفل میں اک تصویر ہوں اور زیب محفل ہوں

خیال خام سے ہے پختگی بنیاد الفت کی
سراپا شوق، ممنون فریب سعی باطل ہوں

نظر جس نے اُٹھا کر بھی نہ دیکھا ہو مری جانب
عجب مشکل میں ہوں کیونکر کہوں میں اس کا بسمل ہوں

جرس نالاں ہے اپنے نالۂ پیہم سے، کہتا ہے
خدا جانے میں کس کمبخت کا ٹوٹا ہوا دل ہوں

سراپا آرزو تھا ایک دن، اُسکی سزا یہ ہے
مرقع یاس کا ہوں، داستان حسرت دل ہوں

غزل اپنی کہاں ہے قابل بزم طرب وحشت
کہ ہر ہر شعر کہتا ہے صدائے گریۂ دل ہوں

رضا علی وحشت

ملکوتی رومان

(بسلسلہ ماسبق)

اربائیل یہ کہکر دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سجدے میں گر گیا، اور اُس کے دونوں رفیق اُس کی اس بدلت انفعال سے متاثر ہوکر جھک گئے۔ رات کی خموشی میں گم کردہ خانماں ہستیوں کی دعائیں اکثر در اجابت تک پہونچ جاتی ہیں ورنہ یہ دنیا اتنی منور و شاندار، حسین و آباد، جس قدر آج نظر آرہی ہے، کبھی نہ ہوتی۔

فرشتوں کی منفعل پیشانیاں، ابھی حالت سجود ہی میں تھیں کہ دشت زار کے سکون مطلق میں سے ایک آواز سنائی دی، ایک لحن بلند ہوا جس سے شوق کی بارش ہوتی معلوم ہوتی تھی، اور اس نشیدہ دلنشیں کے ساتھ ایک اور آواز بھی ہم آہنگ ہوگئی، جسکے ارتعاش سے صاحب آواز کی رنج و راحت کا اظہار ہونے لگا۔

ملائکہ چونک پڑے، لیکن تیسرا فرشتہ جسکے چہرہ پر غم و الم ایک نرم و پاکیزہ اثر چھوڑ گئے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ اُس کا گوہر امید اُسکے کاسۂ اندوہ کی تہ میں غیر تحلیل شدہ پڑا چمک رہا ہے، کیونکہ اُس کی آنکھوں کے اندر بجائے تحیر کے مسرت جاگزیں نظر آرہی تھی جنگل میں جس طرف سے یہ موسیقی آرہی تھی وہ فرشتہ داخل ہوگیا، دوسرے فرشتے اُس کے ساتھ تھے۔ جنھوں نے سنا:-

"آ، اے میرے ملکوتی محبوب آ، اور میرے ساتھ ملکر صرف دعا ہو!
اے میرے آقا فرشتے، میں نے اس وقت تک جتنی دعائیں مانگیں سب
ان سنی رہیں، میرے تمام سجدے نامقبول رہے، کیونکہ میری کوئی دعا
نہیں سنی جاسکتی، تا وقتیکہ تو اور میں ملکر نہ طلب کریں-!

ہر چند میں سماوی ہیکل پر جو میرے حجلۂ خیال میں قائم ہے عطر بیز پھول

کی بارش کی ہے، میں نے اسے وسوسوں سے بچایا ہے، لیکن جو تکدر اُس پہ چھایا ہوا تھا، اب بھی ویسا ہی قائم ہے!

گویا شب تار میں ایک کشتی ہے جو تاریک سمندر کی موجوں پر چھوڑ دی گئی ہے، ایک رباب ہے جس کا باج کا تار ٹوٹ چکا ہے، ایک طائر ہے جس کا بازو مجروح ہو گیا ہے، ہاں میں تیرے بغیر ایک ایسی ہی کشتی، ایک ایسا ہی رباب، اور ایک ایسا ہی طائر ہوں "۔

نغمہ موقوف ہو گیا، اور جہاں یہ فرشتے کھڑے تھے وہاں ایک چمک نمودار ہوئی ایک شعلۂ روشن نظر آیا، اس روشنی میں ایک شکل پیدا ہوئی، ایک ایسی شکل جسے صرف شاعر کی آنکھ اسوقت دیکھ سکتی ہے جب وہ شام کی سوگواریوں میں برگ زار کی تاریکیوں کے اندر بیٹھا ہوا محبت اور بہشت کے خواب دیکھ رہا ہو! وہ حسین شکل آن واحد میں غائب ہو گئی، اس چہرۂ جمیل اور چشم حسین کی شعاع، شرار کی طرح غائب ہو گئی، کیونکہ جن آنکھوں کی اسے جستجو تھی ان کے سوا غیر آنکھیں بھی اسے دیکھ رہی تھیں، وہ اسی طرح غائب ہوئی جیسے ایک شہاب ثاقب غائب ہو جاتا ہے،

" میں آتا ہوں، میں آتا ہوں، میری پیاری، میں آتا ہوں "۔ سنے جاتے ہوئے یہ آواز سنی اور یہ آواز اُس کے لئے ایک ایسی موسیقی تھی جو امیدوں سے لبریز تھی، نیسلر فرشتہ، ذرفیل چشم زدن میں، اپنی آواز کے ساتھ غائب ہو گیا، اپنی حکایت عشق، گو اُس نے خود تو بیان نہ کی مگر لوح محفوظ میں اور ملائکہ کے سوانح حیات و محبت کے ساتھ اُس کا فسانہ بھی اس طرح منقوش تھا:-

" ذرفیل کی حکایت عشق "

عرش الٰہی کے گرد کرو بیانِ نور حلقہ کئے کھڑے ہیں، اور مرکز نور سے شعاعیں نکل نکل کر ان فرشتوں پر پڑ رہی ہیں، جیسے نغمہ کی موجیں کرۂ ہوا میں پھیلتی جاتی ہوں۔ خدائے قدوس کے تخت عظمت کے قریب کچھ ملائکہ کھڑے ہیں جن کے پرچموں پر نوری حروف میں " محبت الٰہیت ہے " منقوش ہے۔ ان فرشتوں کا اعزاز و مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے، کیونکہ یہ رموز محبت کے حامل ہیں، انہیں ملائکہ میں سے ایک کا نام ذرفیل تھا۔ ذرفیل سے

زیادہ انہماک اور خود فراموشی کے ساتھ کسی فرشتے نے محبت کے شعلۂ مقدس کی آرزو نہیں کی، اُس کی روح کی شوق پروری کا یہ عالم تھا کہ اگر محبت دوسرے ملائکہ کے لئے ایک جزوِ ہستی کا مفہوم رکھتی تھی، تو ذرفیل کے لئے وہ ہستی محض تھی، اُس کے قلب کا مخصوص تنفسِ حیات تھی! اکثر ایسا ہوا کہ جب نورِ مجرد کی شعاعِ تجلی، جماعتِ ملائکہ پر پڑجاتی، تو تمام فرشتے اپنے بازوں کے سایہ میں چھپ جانے کی کوشش کرتے، کیونکہ وہ اُس جمال کی تاب نہ لاسکتے تھے۔ مگر ذرفیل کا شوق اس شعلۂ جاں سوز کو دیکھتا رہتا تھا! اُس کے شوق کو یہ گوارا تھا کہ اس بصارت ربا نظارہ پر اپنی بینائی قربان کردے، مگر یہ گوارا نہ تھا کہ اس کے دیکھنے سے باز رہے۔

فرشتے جب برکات و عنایاتِ ربانی کے ترانۂ شکر میں مصروف ہوتے یا جب منفعل معصیت کی صدائے پشیماں، عرشِ الٰہی کے پایوں سے ٹکراتی، اور فرشتوں کی موسیقی اس کا ترانۂ خیر مقدم ادا کرتی، تو ذرفیل کا لحن اور اُسکی رباب کا زمزمہ تمام نغمہ و موسیقی پر غالب آجاتا تھا، جس سے اُبلتی مسرتیں اور جاں فشانیاں چھلکتی ہوئی نظر آتی تھیں۔

لیکن بادیں ہمہ ذوق و شوق، جس سے ملائے اعلیٰ کے رہنے والے شاد کام ازل ہیں، عالم بالا کی فضا میں بھی وہ جراثیم پائے گئے جس سے زمین کی سطح کثیف ملوث ہے، اور ذرفیل بھی انہیں کا شکار ہو کر اوجِ فضیلت سے قعرِ مذلت میں پہونچ گیا

شوقِ محبت کی بے پایانی نے اُسے اس محبت کی طرف مائل کردیا جو غیر مقدس تھی، کیونکہ یہ محبت سرشت فرشتہ حسن و جمال کا ازلی دلدادہ تھا، اس لئے ہر حسن اُس کے لئے مقناطیس کا حکم رکھتا تھا اور عالم ماہتاب کے اوجِ نور سے لیکر حضیضِ ارض تک ہمیشہ اُسی کا جویا رہتا تھا، حتیٰ کہ اُس کے دل میں خالق کی محبت کی جگہہ مخلوق نے لے لی!

ایک روز جھٹ پٹے کے وقت، ساحلِ آب پر ایک دوشیزہ نغمہ زن تھی، اور اُس کے لحنِ سیمیں کے ساتھ اُس کے رباب کی زریں آواز سمندر کے خموش سطح پر چپکے چپکے بکھر رہی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسکے نغموں کا طواف کرنا چاہتی ہیں، اُن

نغموں کا جن کا جوش کسی دور کی روشنی میں گم ہو جاتا ہے، وہاں جہاں افق کے کنارِ زریں میں دن رنگین آبشار بن جاتا ہے۔ وہ مغنیہ اس وقت حمد باری میں نغمہ نواز ہو رہی تھی، اُس کا ترانہ رحم خداوندی کے تبسم دوام کا قصیدہ تھا، وہ شانِ رحیمی جس کے سفید و نازک ہاتھ انتقام الٰہی سے شکار ہونے والوں کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کو اس شاہراہ پر لگا دیتے ہیں جو نجات دلانے والی محبت کی طرف جاتی ہے، وہ صفت رحیمی جس کا ستارہ دنیا کے تکدر امید و بیم کی اوپر درخشاں رہتا ہے، اور جس پر اعتقاد و ایمان کی چشم پُرنم لگی رہتی ہے۔ وہ اپنے لحن سے شوق و اعتقاد، جوشِ محبت کے موتی بکھیر رہی تھی، اور اُس کے گانے میں کچھ اس قسم کی روح عبودیت شامل تھی کہ یہ بیمارِ محبت فرشتہ جو سمندر کے کنارے پڑا ہوا تماشۂ غروب میں محو تھا اور جس کے لئے ہلکی موجوں کی ہلکی لوری کا کام کر رہی تھی سمجھا کہ یہ ترنم موجوں سے پیدا ہو رہا ہے، یا بنات البحر کی نشید دلپذیر ہے، لیکن جب یکار اُس کی نگاہیں اُس طرف کو اُٹھ گئیں، جہاں سے اہتزاز نار کا یہ چشمۂ ترنم جاری تھا اور جہاں گلے کی حرکتیں گوہر پاشیاں کر رہی تھی: کنارِ بحر کی طلائی ریگ پہ ایک دوشیزہ کھڑی تھی، اور اُس کے قدموں تک موجیں مجسم آرزو بن کر پہونچتیں اور اپنا سرمایہ ہستی قربان کر رہی تھیں اور اُس کا بربط خاموش تھا، شاید اس لئے کہ وہ اُس کے نغمۂ عبودیت کے جوش کا ہم آہنگ نہ ہو سکتا تھا، کیونکہ اُس کے نازک لب ابھی تک نغمہ ریز تھے، اُس نے آنکھیں اُٹھائیں جس کی روشنی بیشتر پرستش طلب تھی اور کمتر پرستیدگی کا منظر!

موسیقی، محبت، اور اعتقاد، یہی وہ برکات و تحائف ہیں جو اخراج جنت کے ساتھ انسان کو عطا ہوے، اور کمزور انسان اُس وقت سے لیکر جس اوج کا جویا ہے وہ انہیں برکات مقدس میں اُسے حاصل ہو سکتا ہے! دنیاوی اثرات کو قبول کر لینے کے بعد بھی جب محبت کے بازو داغدار غم و الم ہو جاتے ہیں، تو وہ مذہب اعتقاد کے شہپروں پر اڑنے لگتی ہے، اور مذہب اعتقاد جب ہوش گم کر دیتا ہے تو وہ محبت ہی کی آغوش ہے جہاں اُسکی دلسوزی ہو سکتی ہے، موسیقی ہی وہ کڑی ہے جو محبت و اعتقاد کو

اس وقت تک آسمانوں کے ساتھ وابستہ کئے ہوئے ہے!

موسیقی، محبت و اعتقاد کی زبان ہے، اگر موسیقی نہ ہوتی تو دنیا میں محبت و مذہب کی کوئی زبان نہ ہوتی۔

چنانچہ محال تھا کہ ذرفیل اس لمحۂ سحر کوش سے مسحور نہ ہو جاتا! اور ناممکن تھا کہ یہ جویائے محبت اپنے تئیں اس کے احساس سے باز رکھ سکتا! اُسے احساس اور شدید احساس ہوا۔ ہرچند وہ یہ نہیں سمجھ سکا کہ آیا یہ کسی محبت کا جادو تھا جو اُس پر چل گیا، یا موسیقی کی دلکشی تھی جس میں وہ پھنس گیا، یا پرستاری کی کشش تھی جس نے اُسے کھینچ لیا، بہرحال اسے کچھ احساس نہ ہوا، اور وہ سرنگوں ہو گیا، ذرفیل اب نافرمانی کا مرتکب تھا، کیونکہ تقدس، اب عورت کے تبسم پر قربان ہو چکا تھا، اور اُس نے اپنے آئینۂ دل پر جذبات دنیاوی کا غبار چڑھ جانے دیا تھا۔

تاہم ان کی محبت میں عجز و مسکینی کا عنصر غالب تھا اور وہ خوف خطا سے کانپ رہے تھے اُن کی یہ محبت اُن جواہر بے بہا کی طرح تھی جو ناجائز طریقہ سے حاصل کئے گئے ہوں، فتادگی نے اُن کے دلوں میں جڑ پکڑ لی تھی، اور عجز و مسکنت میں، دوشیزہ سبقت لے گئی تھی اور اس فتادگی نے اس کے حسن و جمال کے کرشموں کو اور زیادہ دلکش بنا دیا تھا وہ ذرفیل کی نگاہوں میں نگاہیں ڈالتی، اور پھر فوراً ہی اپنا چہرہ اس کے سینہ میں چھپا لیتی، اور خود ہی خیال کرتی کہ "اس درجہ کامران مسرت ہونے کا مجھے کیا حق ہے؟" اُس کا یہ احساس ان مسرتوں کو تذلیل ہو کر رہ جاتا تھا۔

ہرچند حوا اور اُسکی صنف کی یہ ازلی بدنصیبی تھی کہ اُس کے اندر وہ تشنگی پیدا کی گئی جس نے اُسے مجبور کر دیا کہ خلوت سما کے گوشوں میں چھپ چھپ کر ملائکہ کے راز معلوم کرے، لیکن اس لڑکی کی ہستی سے اُسکی محبت نے اس خصوصیت کو بھی جدا کر دیا تھا، ذرفیل کو جو محبت اُس کے ساتھ تھی اس نے اس کے پیکر سے باقی تمام خصوصیتوں کو محو کر دیا تھا، کیونکہ اس عشق باہمی کا جزو غالب اعتقاد ایمانی بھی تھا۔

فریفتگی اور ایقان کے دونوں پرستار عجز فتادگی میں سانس لے رہے تھے اور خدا کے حضور میں ہرچند خجل و منفعل تھے، گر ایسے پاک و منزہ کہ فرش زمین پر پاکیزگی حسن کو اس درجہ

مسکین نہ دیکھا گیا تھا، معبد کی مقدس روشنی میں جب یہ دونوں، جو اگرچہ مذہبی عقد سے وابستہ نہ تھے لیکن گرہ محبت میں بندھے ہوئے تھے، پہلو بہ پہلو اور دست بدست سربسجدہ ہوتے، تو معلوم ہوتا کہ یہ ایسے دو پھول ہیں۔ اگرچہ درخت سے جدا ہو گئے ہیں لیکن پھر بھی فضا کو امواج نکہت و رنگ سے معمور بنا رہے ہیں۔

ارتکاب جرم کتنا ہی شیریں کیوں نہ ہو، لیکن اُس کی سزا ناگزیر ہے، چنانچہ اُن کا مقسوم یہ تھا کہ جس وقت تک زمین پر سبزہ اُگتا رہیگا، جب تک پانی میں موجیں پیدا ہوتی رہیں گی یہ دونوں آوارگانِ محبت آوارہ ہی رہیں گے، ہر زمانہ اور ہر وقت میں انکی نوعیت یہی باقی رہیگی، اور اُن کا مقصود ہمیشہ اُن کے پیش نظر رہے گا، پھر یاس و امید، بیم و رجا کی سخت منزلیں ان کے سامنے آئیں گی اور ان مدارج کو طے کر لینے کے بعد لمحاتِ نشاط رونما ہوں گے۔ کلفتِ ہجراں لذت وصال سے بدل جائیگی، اس طرح کہ ایک روح کا راز دوسری روح کے اندر اپنا مسکن بنائیگا اس کے بعد دنیاوی آشافتوں سے نجات ابدی حاصل ہوگی، اور چمنستان سماوی کی گلگشت ان کا مشغلۂ دوام ہوگا، جہاں محبت کو فنا نہیں۔

پرستندگانِ محبت کے یہ زائر دنیا کے کس حصہ میں ہیں اور کس لباس میں ہیں؟ سوائے اُن فرشتوں کے جو اُن کے نگہبان ہیں کون بتا سکتا ہے؟ لیکن اگر تم کبھی ایسے جوڑے کو شبابِ محبت سے دوچار ہو، جنکے دلوں کا ہر خیال ایک ہے، جنکی آواز کا نغمہ یکساں ہے جس طرح نغمے کی صدا سے بازگشت میں وہی الفاظ دہرائے جاتے ہیں اور تمیز نہیں ہوتی کہ آواز کونسی ہے اور صدائے بازگشت کونسی، جن کا مذہب محبت ہے اور جنکی محبت دنیا کے مذہبوں کی بنیاد۔ ہاں، اگر ایسی محبت کرنے والی دو ہستیاں نظر آجائیں، تو تمہیں یقین کر لینا چاہئے کہ ذرفیل اور اُس کی محبوبہ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

(ماخوذ) ل۔ احمد

تصحیح | فروری کے رسالہ میں صفحہ ۱۰ پر فارسی غزل کے پانچویں شعر کا پہلا مصرعہ یوں پڑھنا چاہئے۔

"مہ و انجم بہم [illegible]"

مادئین کا مذہب

معاد و خلود

اس میں شک نہیں ہے کہ قابل وثوق رائے اور قابل تسلیم وہی مذہب ہو سکتا ہے جس کی بنا حقائق طبعیہ پر ہو اور جو عینی مشاہدات پر مبنی ہو، معاد اور خلود کا خیال نہایت قدیم ہے اور تقریباً دنیا کی ہر قدیم و جدید قوم میں یہ خیال پایا جاتا ہے اگرچہ اس کی تفصیلات اور کیفیات میں اختلاف ہے لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ انسان مرنے کے بعد پھر زندہ ہوگا اور اپنے نیک بد اعمال کی جزا یا سزا پائے گا، یہ دو عالم اس دنیا سے مختلف ہے۔ یعنی وہ اس عالم کی طرح فانی نہیں، بلکہ اس میں دوام و خلود ہے۔

لیکن ایک جماعت نے جو یکسر مادہ پرست ہے، اس خیال کا انکار کیا ہے، کیونکہ اس کے نزدیک یہ عینی مشاہدات کے خلاف اور مدارک بشری سے بالکل دور ہے لیکن ہم خود مادئین کے دلائل سے عالم آخرت اور خلود نفس کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

مادہ، قوت، اور حیات کے متعلق پہلے تفصیل سے بحث ہو چکی ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ زمان و مکان کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہم اپنے مدارک سے زمان و مکان کی کوئی حد مقرر نہیں کر سکتے پھر جس طرح ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اجرام سماوی جو قوی دوربینوں سے نظر آسکتے ہیں ان کے علاوہ کائنات کی حد کہاں تک وسیع ہے اور یہ کہ ان کے بعد کیا ہے، اسی طرح ہم یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ زمین کے پیدا ہونے سے پہلے زمانہ کہاں تک تھا بلکہ ہم صرف قدیم ترین زمانہ اور بعید ترین مکان سے اس مفہوم کو ادا کرتے ہیں، ہمارے سابق بیان سے ثابت ہو گیا ہے کہ مادہ اور قوت فنا نہیں ہو سکتے، نہ ان میں کمی و زیادتی ہو سکتی ہے، مادہ اور قوت کے تفاعل سے عالم کائنات کے تمام مظاہر پیدا ہوتے ہیں، مادہ اور قوت کا تفاعل ایک خاص نظام کے ماتحت ہے جس میں کبھی کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، سیارے اپنے اپنے مدار پر ایک خاص اور معین مدت میں

حرکت کرنے ہیں جس میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں ہوتا۔ ہم نہایت صحت سے ہر سیارے کا طلوع وغروب اور اس کا محل وقوع، دقیقہ، ثانیہ اور ثالثہ کی قید سے بتا سکتے ہیں۔ ہم یہ بھی معلوم کر سکتے ہیں کہ فلاں سیارہ ایک ہزار برس کہاں تھا، اور ایک ہزار برس کے بعد کہاں ہوگا، خسوف وکسوف کا صحیح وقت اور دمدار ستاروں کا طلوع وغروب نہایت صحت کے ساتھ بتایا جا سکتا ہے

اسی طرح جس قدر طبعی حوادث ہیں وہ سبب و مسبب کے رشتہ سے منسلک ہیں، جب پانی برستا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ وہی بخارات ہیں جو آفتاب کی حرارت سے اُٹھتے ہیں اور جب ان پر سرد ہوائیں صعود کرنے سے تکاثف پیدا ہوتا ہے تو مینہ کی صورت میں تقاطر ہونے لگتے ہیں اور پھر یہی پانی دریاؤں کے ذریعہ سے سمندر میں واپس ہو جاتا ہے اور پھر حرارت شمسی سے صعود کرکے مینہ بن جاتا ہے، اور یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ سمندر کا پانی ساحل سے دور ہونے لگتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں یہ جزر ہے جو جاذبیت قمر سے پیدا ہوتا ہے، وسط سمندر کا پانی جاذبیت قمر سے اُٹھتا ہے اور کنارے خالی ہو جاتے ہیں اور جب پانی اصلی حالت پر آ جاتا ہے تو اُسے مد کہتے ہیں اور اُس وقت چاند اس سمندر سے ہٹ جاتا ہے

جب زمین پر زلزلہ آتا ہے یا کوئی آتش فشاں پہاڑ پھٹتا ہے یا جوف زمین سے آگ بلند ہوتی ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مظاہر زمین کی باطنی حرارت کے عمل سے ظاہر ہوتے ہیں جب بجلی چمکتی ہے، بادل گرجتا ہے یا بجلی زمین پر گرتی ہے تو اسے ہم کہربائیت کا ایک معمولی کرشمہ خیال کرتے ہیں، جب ہم کسی موم بتی کو جلاتے ہیں اور وہ جلکر فنا ہو جاتی ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ حقیقت میں فنا نہیں ہوئی بلکہ اس نے جامد حالت سے گیسی صورت اختیار کر لی اور فضا میں منتشر ہوگئی، جب ہم آفتاب کی روشنی کسی مثلثی شیشہ میں سے گزارتے ہیں تو ہمیں روشنی کے بالترتیب ساتوں رنگ نظر آتے ہیں جس سے ہم سمجھتے ہیں کہ روشنی سات رنگوں سے مرکب ہے اگر ہم ایک دوسرے شیشہ سے ساتوں رنگوں کو ملا دیں تو روشنی وہی سادہ شکل اختیار کر لیتی ہے مرکب مواد کی تحلیل سے ہم صاف سمجھ جاتے ہیں کہ اس مرکب میں کیا کیا اجزا شامل ہیں

یہی حال اعمال حیات کا بھی ہے، اگر ہم نے زیتون کے بیج بوئے ہیں تو ہم یقیناً سمجھتے ہیں کہ اس سے نیبو یا آم پیدا نہ ہوگا، اسی طرح اس کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ حیوان سے نبات اور نبات سے حیوان پیدا نہیں ہو سکتا،

عالم حیات کے تغیرات نہایت دقیق اور باقاعدہ ہیں، حیوان جنین سے پیدا ہوتا ہے اجنین انڈے سے، اسی طرح تمام تغیرات اور انقلابات ایک غیر متبدل نظام کے ماتحت ہوتے ہیں۔

تمام کائنات کا نظام اسباب اور نتائج کے سلسلہ میں جکڑا ہوا ہے، اگر دیوار کسی رستہ چلنے والے پر گر جائے اور وہ اس سے مر جائے تو عام لوگ خیال کرتے ہیں کہ مرگ اتفاقی تھی کہ حقیقت میں اتفاق کوئی چیز نہیں ہے، کیونکہ دیوار اس وقت تک نہیں گری جب تک کہ اس میں ہوا پانی اور حرارت نے اپنا پورا فعل نہیں کیا، اور آدمی بھی اس کے نیچے سے ان اسباب کے تحت میں گذرا جنکے زیر اثر وہ اپنے گھر سے نکلا تھا، اگر ان اسباب و علل پر غائر نظر ڈالی جائے تو وہ سب ایک نہایت باقاعدہ نظام کے ماتحت نظر آئیں گے۔

اگر کوئی شخص ناگہاں مر جائے تو اس موت کو مرگ ناگہانی کہتے ہیں بظاہر خیال ہوتا ہے کہ موت محض اتفاقی تھی اور اس کا کوئی طبعی سبب نہیں تھا لیکن تحقیق سے ثابت ہوگا کہ مرنے والے کے اعضائے رئیسہ پر کوئی ایسا مرض طاری ہو گیا تھا جس کی بنا طبعی اسباب پر تھی اور وہ قانون طبیعت کے غیر قابل شکست اصول پر مبنی تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام حوادث طبیعیہ جو مادہ اور قوت کے تفاعل سے پیدا ہوتے رہتے ہیں ایک غیر متبدل قانون فطرت کے تحت میں ہیں جسے معلوم کر کے ہم محو حیرت ہو جاتے ہیں۔

لیکن یہ قانون کی رعایت اور اصول فطرت کی پابندی اعمال مادی میں منحصر ہے، اور اگر ہم حوادث نفسی یا ادبی پر نظر ڈالیں جو بظاہر طبعی اسباب پر مبنی ہیں تو ہم کو ان حوادث میں کوئی عقلی ترتیب نظر نہیں آتی ہے، ہماری عقول ان کی حکمت کے دریافت کرنے سے سراسر عاجز ہیں۔

اگر کوئی شخص کسی مرض میں مبتلا ہو کر ایک عرصہ تک اس میں بیمار رہے اور مر جائے

تو مرض کا حدوث، اور اس کی ترقی، اور اس کا سبب موت ہونا، یہ سب طبعی اصول پر مبنی ہے اسی طرح اگر کوئی شخص مفلس ہو جائے یا کسی اور مصیبت میں مبتلا ہو تو غور کرنے کے بعد اُس کے اسباب و علل دریافت ہو سکتے ہیں جو آخری مادہ اور قوت کے تفاعل کے سوا اور کچھ نہ نکلیں گے لیکن اگر ہم ان تمام حوادث کو تاثرات انسانی کی حیثیت سے دیکھیں اور عدل و انصاف کے اصول پر اُسے مطابق کرنا چاہیں تو بحث کی پیچیدگی اور بھی بڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات معتقدات میں شکوک پیدا ہونے لگتے ہیں۔

مزید تفصیل کے لئے ہم اس عالم کے حوادث کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں یعنی حوادث مادی اور حوادث ادبی۔ حوادث مادی سے مقصود وہ حوادث ہیں جو مادہ اور قوت کے تفاعل سے جاری ہیں، جیسے حوادث فلکی مثلاً رعد، برق، پانی کا برسنا، نباتات اور حیوانات کا نشو و نما، اور حوادث ادبی سے مراد وہ عقلی احکام ہیں جو ان حوادث کے بالاجمال مطالعہ کرنے سے صادر ہوتے ہیں، اور ہمارے تاثرات اور احساسات سے ان کا تعلق ہے، مثلاً حوادث کو دیکھ کر ہم حکم لگاتے ہیں کہ یہ واقعہ عدل، انصاف، شفقت، رحم کے اصول کے مطابق ہے یا نہیں، اگر ہم سنیں کہ فلاں شخص نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا، تو ہمیں نہایت درجہ انقباض ہوتا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ قاتل سے انتقام لیں، اگرچہ ہم اُسے نہیں جانتے اور نہ اُس سے کچھ علاقہ رکھتے ہیں اس کے برعکس اگر ہم سنتے ہیں کہ فلاں شخص نے ایک ظالم سے اپنا انتقام لیا تو ہم خوش ہوتے ہیں اور انتقام لینے والے کی طرف ہم اپنے نفس کا میلان محسوس کرتے ہیں۔

اس دنیا کے مادی حوادث عقلی احکام کے بالکل مطابق ہیں کیونکہ وہ سب ایک عام قاعدہ کے ماتحت ہیں، اور ہم اُن کے مقدمات معلوم کرنے سے نتائج پر پہونچ جاتے ہیں لیکن حوادث نفسی یا ادبی اسکے خلاف ہیں، ان میں بہت شاذ ایسی مثالیں ملتی ہیں جو احکام عقلی کے مطابق ہوں، مثلاً ایک شخص جس نے تمام عمر بھلائیوں میں صرف کی، غربا کے ساتھ احسانات کئے مصیبت زدوں کی مدد کی طہارت اور تقویٰ اس کا شعار رہا لیکن باوجود اس کے مصائب اُس کا پیچھا نہیں چھوڑتے، اور وہ اپنی زندگی انتہائی رنج و غم میں

بسر کرکے چلا جاتا ہے اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص ہے جو ارتکاب محرمات، ایذا رسانی اور ظلم سے ایک لمحہ کے لئے باز نہیں رہتا مگر دنیوی سعادت اسی کے حصہ میں ہے، اور نہایت خوش و خرم زندگی بسر کر دیتا ہے، اسیطرح ایک نوجوان ہونہار فرزند ہے، لوگوں کی امیدیں اُس سے وابستہ ہیں، نجابت اور علو ہمت کا ستارہ اُس کی پیشانی پر چمکتا ہے وہ بنی نوع انسان کی خدمت کرنے کی تیاری کر رہا ہے، اس کی امیدیں وسیع ہیں، اسی لئے اُس نے ایک وسیع میدان عمل اپنے لئے منتخب کیا ہے، اُس کے والدین اُسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور نہایت بے چینی سے اُس ساعت کے منتظر ہیں جب کہ وہ دنیا کو اپنے بیٹے کے ثمرات علوم سے بہرہ مند ہونے ہوئے دیکھیں لیکن یکایک وہ نوجوان پنجۂ موت میں گرفتار ہو کر رخصت ہو جاتا ہے اور اُس کے ساتھ ساری امیدیں رخصت ہو جاتی ہیں مگر اس کے برعکس ایک دوسرا نوجوان جسکی اذیت اور شرارت سے لوگ حد درجہ تنگ ہیں اور رات دن اُس کے موت کی دعائیں مانگتے ہیں لیکن اُسے ایک طویل عمر نصیب ہوتی ہے۔

ایک معصوم بچہ ایک مہلک مرض میں مبتلا ہے اور حقیقت میں یہ مرض اُس کے باپ کے اعمال کا نتیجہ ہے، بچہ مرض کی تکلیف میں انتہائی عذاب برداشت کر رہا ہے اور آخر میں وہ بچہ مر جاتا ہے اور اُس کا باپ زندہ رہتا ہے،

ایک باعصمت بیوہ ہے جس نے محض اپنے بچہ کی پرورش کے خیال سے دوسری شادی نہیں کی، نہایت مصیبتیں اُٹھا کر اپنے بچہ کی پرورش کی اُس بیوہ کو اس کے ساتھ جسقدر محبت ہے اُس کا اندازہ اُسی کا دل کر سکتا ہے، اگر وہ تھوڑی دیر کے لئے غائب ہو جاتا ہے تو وہ نہایت بے چینی سے اُس کا انتظار کرتی ہے، اُس کے انتظار میں دروازہ پر بیٹھی رہتی ہے اور دور سے جو کوئی نظر آتا ہے اُسے اپنا بیٹا سمجھتی ہے اگر اُسے ذرا دیر ہو جاتی ہے تو دعائیں مانگتی ہے نذریں مانتی ہے اور جب وہ آجاتا ہے تو اپنی تمام مصیبت بھول جاتی ہے اور اُس پر نثار ہونے لگتی ہے۔ جب وہ جوان ہوتا ہے تو اسے اس کی شادی کی فکر لگتی ہے، جہاں بھی اُسی کسی خوبصورت شریف زادی کا پتہ لگتا ہے فوراً وہاں پیام بھیجتی ہے، آخر ایک جگہ بات ٹھہر جاتی ہے، وہ خوشی خوشی شادی کا

[redacted]

ساماں کرتی ہے، اپنا گھر صاف کرتی ہے، اور جس قدر دُلہن کے مکان میں ہوتا ہے سب گھر کی آرائش میں صرف کردینی ہے اور شادی کی تاریخ کے انتظار میں روز دن گنتی ہے اسی اثناء میں دولھا ایک ایسی سخت مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ ایک ہی رات میں اس کا خاتمہ ہوجاتا ہے، اب اس بڑھیا پر جو مصیبت ہوگی اُس کا تمہیں اندازہ کرسکتے ہو۔

یہ اُن واقعات کی چند مثالیں ہیں جو کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتے اور نہ کوئی سمجھ سکتا ہے ان میں کیا مصلحت اور کونسی حکمت ہے۔ یہ واقعات کسی طرح نہج عقلی کے مطابق نہیں ہیں، فاعل خیر پر ہم خیر کا حکم لگاتے ہیں اور فاعل شر کی طرف شر کی نسبت کرتے ہیں ہم مصیبت زدوں پر شفقت اور غریبوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کے عادی ہیں، ظلم وستم سے ہم کو نفرت ہے، مگر حوادث مذکورہ میں ہم کو ان جذبات عالیہ کی رعایت نظر نہیں آتی۔

نظام کائنات کے ایک ایک ذرہ میں حکمت فائقہ کا مظہر موجود ہے، پورا نظام نہایت باقاعدہ اور ..ل حکمت کے مطابق ہے لیکن اعمال نفسی یا وہ حوادث جو حیات انسانی سے تعلق رکھتے ہیں حکمت کے مطابق ہم کو نظر نہیں آتے لیکن یہ بھی کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ جس حکیم مطلق نے یہ عجیب و غریب نظام پیدا کیا ہے جس میں ہر جگہ اصول و قواعد کی رعایت ہے، اس نے صرف انسان کے حق میں یہ مظالم جائز رکھے ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس عالم کے سوا ایک عالم اور ہے جو اسکا تتمہ ہے چونکہ یہ نقص صرف انسان ہی کی ذات سے متعلق ہے لہذا انسان کو ایک دوسرے عالم میں بھی جانا ہے جہاں اس نقص کی تکمیل ہوجائیگی اور یہی معاد ہے۔

اب رہی یہ بات کہ کیا ایک دوسرا عالم فرض کرنے پر کوئی محال لازم آتا ہے سو یہ بھی نہیں ہم اس وقت تک یہی نہیں سمجھ سکتے کہ اس دنیا کے حدود کیا ہیں، زمانہ کب سے ہے، تو ہم کسی ایسی چیز کا کس طرح انکار کرسکتے ہیں جو ہمارے حواس سے محسوس نہ ہوتی ہو، ہمارے محسوس نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حقیقت میں وہ کوئی چیز نہیں ہے، اگر کسی شخص کی آنکھیں بند کرکے اُسے ایک ایسے شہر میں لیجائیں جس کے چاروں طرف ایک بلند شہر پناہ ہو اور باہر کی کوئی چیز وہاں سے نظر نہ آتی ہو اور پھر اُس شخص سے کہا جائے کہ اس شہر کے باہر ایک عظیم الشان سمندر ہے یا ایک وسیع میدان تو وہ اُس سے خواہ مخواہ انکار نہیں کرسکتا بلکہ اگر اس کے وجود کے دلائل قائم

ہو جائیں تو اُسے تصدیق ہی کرنی پڑے گی

دوسرے عالم کا وجود اس نظام کے منافی نہیں ہے بلکہ اس کا تتمہ ہے، اس کے علاوہ مادہ اور قوت کے خواص بھی اسکی تائید کرتے ہیں کیونکہ ہم پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ مادہ اور قوت فنا قبول نہیں کرتے اور اس سے خود عالم آخرت کا دوام اور خلود کی تائید ہوتی ہے -

خلاصہ یہ ہے کہ نظام عالم کے چھوٹے سے چھوٹے حادثہ میں حکمت فائقہ کی شان نظر آتی ہے اور حوادث طبعیہ کا پورا نظام عقل کے مطابق ہے لیکن حوادث نفسی کو تاثرات اور احساسات کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اس میں ایسے نقصانات نظر آتے ہیں جن کی تلافی صرف اُس صورت میں ہوتی ہے جب کہ ایک دوسرا عالم فرض کیا جائے جو اس عالم سے مختلف ہو، اور یہ عالم اس نظام کے منافی بھی نہیں ہے - عالم آخرت کی تکمیل صرف اُس صورت میں ہو سکتی ہے جب انسان اُس میں پایا جائے کیونکہ بظاہر جو حکمت کے خلاف واقعات ہیں وہ انسان ہی پر گزرتے ہیں، اسلئے ضرور انسان کا وجود معاد کو چاہتا ہے، اور معاد خلود کو مستلزم ہے اور خلود مادہ اور قوت کی حالت کو دیکھتے ہوئے ثابت ہے -

عالم معاد لاہوتی، عقلی، ادبی، دلائل سے بھی ثابت کیا گیا ہے مگر ہم نے علوم طبعیہ کے ذیل میں اسے ثابت کیا ہے تاکہ اس کے دلائل عقلیات کی بہ نسبت محسوسات اور مشاہدات سے زیادہ قریب ہوں +

(ماخوذ)

غزل

بہار آئی ہے گلشن میں بیاباں یاد آتے ہیں
گلوں کو دیکھ کر خار مغیلاں یاد آتے ہیں

نہ اب وہ جوشش وحشت ہے نہ سودائے محبت ہے
وہ بے سامانیوں کے مجھ کو ساماں یاد آتے ہیں

یہی دل تو کبھی یارب حریف دردِ الفت تھا
مجھے بازیچہ ہائے جام و سنداں یاد آتے ہیں

خدا جانے تصور ہائے رنگیں کیا ہوئے مجنوں
وہ بے شیرازہ اجزائے پریشاں یاد آتے ہیں

مجنوں

ناطان

ہم مولوی محمد نعیم الرحمٰن صاحب ایم۔اے۔ کے سپاسگزار ہیں کہ انھوں نے جرمنی زبان کے ڈراما "Na.Than der Weise" کا ترجمہ کرکے نگار کو مرحمت فرمایا۔

یہ ڈراما جرمنی کے نہایت مشہور شاعر و تمثیل نگار لسنگ (Lessing) کا ہے اور یورپ کی اکثر زبانوں میں منتقل ہو چکا ہے۔ اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں بھی موجود ہے لیکن مولوی صاحب موصوف نے اپنا ترجمہ براہ راست جرمنی زبان سے کیا ہے اور اکثر مقامات پر انگریزی سے زیادہ صحیح و بہتر ہے۔

اس ڈراما کا اصل مقصود یہ ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اور بنی اسرائیل کے متعلق جو غلط خیال لوگوں میں پیدا ہو گیا ہے اُسے دور کرکے اُن کی خوبی کو واضح کیا جائے +

ایڈیٹر

اشخاص ڈراما

سلطان صلاح الدین ایوبی

ستّہ۔ سلطان کی ہمشیرہ

ناطان - یروشلم کا ایک دولتمند یہودی

ریشع - ناطان کی لے پالک بیٹی

دایہ - ایک عیسائی عورت جو ناطان کے گھر میں رہتی ہے، اور ریشع کی ملازمہ ہے،

ایک نوجوان نائٹ ٹیمپلر

حافی - ایک درویش

یروشلم کا بطریق

یروشلم کی ایک خانقاہ میں ایک غیر متمدن راہب -

سلطان کا ایک امیر

سلطان کے ممالیک

مقام ڈراما :- یروشلم

پہلا ایکٹ

پہلا سین ۔ ناطان کے مکان کا دیوان خانہ

ناطان ابھی سفر سے واپس آتا ہے ۔ دایہ اس سے ملتی ہے ۔

دایہ ۔ اہا ہا ! یہ تو وہ ہے ! ارے یہ تو ناطان ہے ! ! (ناطان سے) شکر ہے خدا کا کہ آخر اس نے تمھیں ہم تک پہنچا ہی دیا ۔

ناطان ۔ ہاں دایہ ، سچ ہے ، خدا کا شکر کرو ۔ مگر یہ تم نے "آخر" کیا کہا ؟ کیا تمھارا مطلب یہ ہے کہ میں خود جلدی ہی آنا چاہتا تھا یا آسکتا تھا ؟ یہ سمجھو کہ بابل یروشلم سے دو سو میل کے فاصلہ پر ہے اور مجھے جگہ جگہ دائیں بائیں ہوتے ہوئے بڑی مشکلوں سے رستہ نکالنا پڑا ہے ۔ ۔ ۔ یہ قرضوں کا وصول کرنا کچھ کھیل تو ہے نہیں کہ سوداگر آدمی جلدی جلدی یہ کام کرلے ، اور وہ لمحہ بھر میں ہو جائے ۔

دایہ ۔ ہائے ، تمھیں کیا خبر ہے ناطان ، اتنے میں تم پر کیا کیا بپتا پڑ چکی ہے ! تمھارے مکان میں —

ناطان ۔ آگ لگ گئی ، ایں ؟ — یہ تو میں سن چکا ہوں ۔ مرضی خدا کی ۔ — یہ بدخبری تو میں سن چکا ہوں ۔

دایہ ۔ اُف اُف ! وہ تو سب کا سب فرش تک خاک سیاہ ہونے والا تھا !

ناطان ۔ خیر دایہ ، جو ایسا ہوتا تو ہم ایک اور نیا مکان بنا لیتے بلکہ اس سے بھی اچھا بناتے کیوں ؟

دایہ ۔ ہاں ٹھیک ہے ۔ اور تو خیر ، ہماری ریشع بچ گئی ۔ ہاں ہاں بچی ، نہیں تو اب تک راکھ کا ڈھیر ہو چکی

ناطان ۔ راکھ کا ڈھیر تھی ؟ — کون ؟ میری ریشع ، اُف ، ریشع ؟ یہ بات تو میں نے نہیں سنی ۔ جو خدا نہ کرے ایسا ہوتا تو بھلا مجھے مکان ہی کی کیا ضرورت تھی ۔ ہاں ہاں بچ گئی ! — نہیں دایہ ، دیکھو سچ سچ بتاؤ ۔ نہیں وہ ضرور مر چکی ہے ۔ لے بس اب کہہ بھی دو کہ ہاں مر چکی ہے ۔ مجھے چاہے مار ڈالو ، مگر زیادہ ستاؤ مت ۔ ہائے وہ ضرور جل کے خاک ہو چکی ہے

دایہ ۔ اور جو ایسا ہوتا ، تو کیا یہ بات تم میرے ہی منہ سے سنتے ؟

ناطان - پھر تم مجھے کیوں صدمہ پر صدمہ دے رہی ہو؟ آہ ریشع! میری ریشع!!

دایہ — تمہاری؟ — خاص تمہاری ریشع؟

ناطان - ہاں، خدا نہ کرے کہ میں اپنی زبان کو اسے اپنا بچہ کہنے سے روکوں۔

دایہ — مگر تم نے کبھی اپنی کسی اور چیز کو بھی اسی زور شور سے اپنا کہا ہے؟

ناطان - ہاں سچ تو ہے، کسی اور چیز پر مجھے اتنا حق تو نہیں ہے۔ جو کچھ میرے پاس ہے، یا تو وہ مجھے خدا نے عطا کیا ہے، یا یوں ہی اتفاق سے مل گیا ہے مگر مجھے اپنی نیکیوں کے بدلے میں صرف ایک وہی (ریشع) انعام میں ملی ہے

دایہ — ناطان، تم اپنے تمام احسانوں کی مجھ سے کس قدر قیمت دلوا رہے ہو! جو وہ سب احسان اسی انجام کے واسطے تھے، تو خبر نہیں انہیں احسان کہنا بھی چاہئے کہ نہیں۔

ناطان - "اسی" انجام کے واسطے؟ کیسا انجام؟

دایہ — میرا ضمیر ——

ناطان - دایہ، پہلے ذرا تم مجھ سے یہ تو سن لو کہ ——

دایہ — میں کہتی ہوں کہ میرا ضمیر ——

ناطان - اچھا مجھ سے ذرا یہ تو سن لو کہ میں بابل سے تمہارے واسطے کیسی کیسی عمدہ سوغات لایا ہوں۔ سچ کہتا ہوں کہ خود ریشع کے لئے بھی ایسی چیزیں نہیں لایا۔

دایہ — ناطان، اب اس سے کیا فائدہ ہے؟ اب میرا ضمیر چپ نہیں رہ سکتا۔

ناطان - ہنسہ، ذرا دیکھو تو سہی، تم اس ہنسلی اور چھلے اور گوشوارے اور مالا کو دیکھ کے کیسی خوش ہوگی۔ یہ سب چیزیں میں نے دمشق سے گزرتے ہوئے تمہارے لئے خریدی تھیں۔

دایہ — ہاں وہ تو ہوتا ہی۔ یہ تو تمہاری عادت ہے ہی کہ مجھ نگوڑی پر تحفے لادتے رہتے ہو۔

ناطان - میں تمہیں دیے جاتا ہوں، تم لے جاؤ، بولو بالومت۔

دایہ - کیا؟ کیا کہا؟ بولومت؟ ـــ ناطان، بھلا تمہیں کون نہیں جانتا کہ تم فیاضی اور نیکی کی مورت ہو۔ پھر بھی ـــ

ناطان - آخر یہودی ہی ہو۔ ـــ تم یہی کہنا چاہتی تھیں نہ؟

دایہ ـــ میں جو کچھ کہنا چاہتی ہوں، وہ تم خود ہی اچھی طرح جانتے ہو ـــ کہ ـــ

ناطان - اچھا بس اب اس قصے کو چھوڑ دو۔

دایہ - خیر، تو جو کچھ تم کرتے ہو وہ اللہ کے ہاں ضرور سزا کے قابل ہے۔ نہ میں اسے بدل سکتی ہوں نہ روک سکتی ہوں۔ تم پر ہی وبال ٹوٹے اللہ کرے!

ناطان - مجھ پر ہی وبال ٹوٹے! ـــ اچھا یہ تو بتاؤ کہ وہ ہے کہاں۔ رہ کہاں گئی؟ دایہ، تم نے کہیں مجھے دھوکا تو نہیں دیا؟ بھلا اُسے خبر بھی ہوگئی ہے کہ میں آگیا ہوں؟

دایہ - یہ کیا پوچھتے ہو؟ اس کی تو اب تک ایک ایک رگ کانپ رہی ہے۔ اُس کے دماغ کا کچھ یہ حال ہے کہ اُسے ہر چیز میں آگ کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ اس کی روح نیند میں جاگتی ہے، اور جاگنے میں سوتی ہے۔ کیا کہوں؛ کبھی تو بالکل حیوان سی معلوم ہوتی ہے اور کبھی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ فرشتہ بھی اس کے سامنے کچھ چیز نہیں۔

ناطان - ہائی ری بچی! ـــ انسان بھی کیا چیز ہے!!

دایہ - آج صبح وہ بڑی دیر تک اس طرح آنکھیں میچے پڑی رہی ہے جیسے خدا نہ کرے کوئی مردہ ہوتا ہے۔ پھر ایک دم سے چونک کے کہنے لگی "سنو، سنو! وہ دیکھو ابا کے قافلے کے اونٹ چلے آرہے ہیں۔ وہ سنو، ابا کی پیاری پیاری آواز آرہی ہے" اتنے میں پھر اسکی آنکھیں پتھرا گئیں۔ ہاتھ سر کے نیچے سے نکل گیا، اور سر بھد سے تکیہ پر آرہا۔ ـــ اُف ـــ میں جلدی سے دروازے کی طرف لپکی۔ دیکھا تو تم سچ مچ چلے آرہے ہو۔ اس نے بالکل سچ کہا تھا۔ اتنی دیر تک اسکی جان برابر تم میں اور اُس میں ہی پڑی رہی۔

ناطان - اس میں کس میں؟

دایہ - اُسے ہے، اُسی میں جس نے آگ میں سے نکالا تھا۔

ناطان ۔ کون؟ کون تھا وہ؟ وہ کہاں ہے جس نے میری ریشع کی جان بچائی ہے؟ وہ ہے کہاں، دایہ؟

دایہ ۔ کوئی نوجوان سا ٹیمپلر تھا۔ کچھ دن ہوئے وہ یہاں قید ہو کے آیا تھا۔ صلاح الدین نے اسے ترس کھا کے چھوڑ دیا تھا۔

ناطان ۔ کیا کہا؟ ٹیمپلر؟ اور وہ بھی ایسا کہ صلاح الدین نے اس کی جان بخشی؟ کیا ریشع کسی اور چھوٹے سے معجزہ سے نہیں بچ سکتی تھی؟ ۔۔۔ یا اللہ!

دایہ ۔ وہ تو کہو وہ بچارا اس طرح دوسری بار زندگی پا کے بھی ایسی ہمت سے جان دئے دے رہا تھا، نہیں تو ریشع مری ہی برابر تھی۔

ناطان ۔ دایہ بتاؤ تو وہ ہے کہاں؟ وہ تو کوئی بڑا ہی بہادر اور شریف آدمی معلوم ہوتا ہے کہاں وہ؟ بس تم مجھے اس کے قدموں تک پہنچا دو۔ تم نے اسے اسی وقت وہ سارا مال اسباب دے دیا ہوگا جو میں یہاں تمہارے پاس چھوڑ گیا تھا؟ سب کچھ دے دیا ہے نہ؟ بلکہ یہ کہو اور بھی بہت دینے کا وعدہ کیا ہے ۔۔۔ کیوں؟

دایہ ۔ بھلا ہم یہ کیسے کر سکتے تھے۔

ناطان ۔ ایسا نہیں کیا تم نے؟!

دایہ ۔ کیا خبر وہ کہاں سے آیا تھا۔ خدا جانے کہاں گیا، کہاں نہیں گیا۔ اسے بھلا ہمارے گھر کی کیا خبر تھی۔ وہ تو خالی آواز ہی سن کر ایک دم سے بھاگا ہوا آیا، اور دیکھا ۔۔۔ بس اپنے چغہ میں لپیٹ پٹا کے دھوئیں اور آگ کو چیرتا پھاڑتا سیدھا وہیں پہنچا جہاں ریشع چیخ چیخ کے لوگوں کو بلا رہی تھی۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ اس کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ مگر واہ، وہ ذرا سی دیر میں لپٹوں سے نکلا اور ہماری پیاری بچی کو اپنی باہنہ پر ڈالے ہمارے سامنے آکھڑا ہوا۔ ۔۔۔ خدا جانے کیسا روکھا سوکھا سا آدمی ہے۔ ہم اسکی بلائیں لیتے رہے، اس نے ذرا بھی تو پرواہ نہیں کی۔ بس ریشع کو نیچے لٹا یہ جا وہ جا کہیں غائب ہوگیا، اور ہم کھڑے دیکھتے کے دیکھتے رہگئے

ناطان ۔ خدا کرے ہمیشہ کے لئے نہ گیا ہو۔

ناطان

دایہ ۔ وہ سامنے ہمارے نبی صاحب کی قبر کے اوپر کچھ پیڑ کھجور کے سایہ کیئے کھڑے ہیں نہ؟ اچھا، تو پہلے کچھ دنوں وہ ان پیڑوں میں آتا جاتا دکھائی دیتا تھا۔ ایک بار میرے دل میں جو ہنگ اٹھی، تو میں اس کے پاس گئی۔ اس کی بلائیں لیں۔ اس کی بہادری کو سراہنی لگی، اور بڑی ہی منت سماجت کی، کہ للہ زیادہ نہیں تو ایک بار ہی ذرا اس معصوم بچی کی صورت دیکھ لو۔ جب تک وہ تمہارے قدموں میں گر کے اور آنسو بہا کے اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال لیگی اسے چین نہیں آویگا

ناطان ۔ ہاں پھر؟

دایہ ۔ پھر کیا، سب بے فائدہ ہی ہوا۔ کیا بتاؤں، اس نے تو ایک بھی نہ سنی بلکہ الٹا مجھی کو طعنے دینے لگا کہ ——

ناطان ۔ کہ تم ڈر کے بھاگیں، ایں؟

دایہ ۔ آ ے نہیں، بھلا ایسا تو کیا تھا۔ بلکہ یوں کہو کہ میں ہر روز اس سے ملتی تھی، اور روز بروز نت نئے طعنے سنتی تھی۔ ہائے میں نے اس کی کون کون سی بات نہیں بھری، یا اب بھی کیا کیا ہنسی خوشی سے نہ بھرتی، اٹھاتی! پر اب تو وہ ان کھجور کے پیڑوں میں بھی گھومنے گھامنے نہیں آتا، اور نہ کسی کو یہ خبر ہے کہ وہ کہاں جا چھپا ہے۔ —— یہ تم چونکے کیوں؟ تم تو جیسے کچھ سوچنے لگے، ایں؟

ناطان ۔ کچھ نہیں میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس واقعہ نے ریشع جیسی بچی کے دل پر کیا کچھ اثر نہ کیا ہوگا کہ اسے اس طرح لاپرواہی سے چھوڑ دیا گیا ہے۔ ایک شخص اس کے دل میں اپنے لئے اس طرح کشش پیدا کرتا ہے، اور پھر اسی طرح ایک دم سے اسے ہٹائے بھی دیتا ہے۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ وہ اسے بہت عزیز سمجھتی ہوگی۔ قسم ہے اس کے دل اور دماغ میں ایک بحث سی ہو رہی ہوگی اور کچھ بھی سمجھ میں نہ آتا ہوگا کہ کونسا جذبہ غالب ہے، فاتحانہ پشیمانی یا اس شخص سے نفرت۔ اگر ان دونوں جذبوں میں سے کوئی بھی دوسرے پر غالب نہ آسکا تو اس کا محض وہم اس حیص بیص میں گڈمڈ ہو کے کچھ خواب کی سی صورت پکڑے گا۔ اور پھر اس خواب کی سی حالت میں بھی اس کے دل و دماغ میں جنگ ہی رہیگی —— کیسی مصیبت ہے! —— اگر مجھے اپنی ریشع کے مزاج سے غلط واقفیت نہیں ہے تو بہت ممکن ہے اس کا یہی حال ہو۔ اُف اُف

وہ خدا جانے کیسے خواب دیکھیگی!

دایہ — اُفوہ، کیسی معصوم اور پیاری لڑکی ہے!

ناطان — خیر کیسی ہی ہو۔ اب تو وہ کچھ ایسی رہیگی جیسے کوئی ہر وقت خواب دیکھتا ہے۔

دایہ — ہاں اتنی بات تو ضرور ہے کہ اُس وقت سے اُسے یہ وہم ہو گیا ہے، اور بڑا ہی پکا وہم ہے، کہ وہ ٹیمپلر، نہ آدم زاد تھا نہ اس دنیا کا رہنے والا تھا، بلکہ کوئی فرشتہ تھا، یہ تو تم جانتے ہو کہ وہ دودھ پیتی سے آج تک اس کے ننھے سے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ فرشتے ہر وقت اس کی چوکسی کرتے رہتے ہیں۔ اچھا اور کیا، کہ فرشتہ بادلوں میں لپٹا رہتا ہے اور اس وقت وہ اُن بادلوں کو پھاڑ پھوڑ کے اس کے بچانے کے واسطے آگ میں بھی کود پڑا، اور پھر ایک دم سے ٹیمپلر بن کے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ —— مسکراؤ مت۔ کیا خبر، ایسا ہی ہو؟ —— خیر، تم چاہے ہنس لو۔ مگر کم سے کم اسے تو اس فریبِ وہم کا مزا اٹھا لینے دو۔ آخر یہ کچھ بری بات ہے نہیں۔ عیسائی، مسلمان، یہودی سب ہی ایسا سمجھتے ہیں۔

ناطان — ہاں، مجھے بھی خوب مزا آیا۔ دایہ تم بڑی بہادر ہو۔ اچھا ذرا جا کے دیکھو تو سہی کہ وہ کر کیا رہی ہے۔ میں اس سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ پھر میں اس چوکسی کرنے والے فرشتہ کو کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالوں گا۔ وہ تو کوئی بڑا ہی خوابیدہ اور وحشی سا معلوم ہوتا ہے۔ —— کیا خوب! وہ نیچے دنیا میں آ کے ہمارے ساتھ بھی رہتا ہے، اور نائٹ کا لباس بھی اس بُری طرح اڑائے پھرتا ہے۔ تم یقین جانو میں اُسے ضرور ڈھونڈھ کے چھوڑونگا اور یہاں لے کے آؤں گا۔

دایہ — آئے ہے، تم تو بڑا بھاری کام کرنے والی ہو۔

ناطان — خیر، اگر اس مزیدار دھوکے میں اور بھی زیادہ لطف آنے کی صورت ہو جائے —— اور دایہ تم یقین رکھو کہ انسان کے دل کو فرشتہ سے زیادہ انسان ہی بھاتا ہے —— ہاں تو اگر اس طرح تم یہ دیکھ لو کہ وہ ہمارے فرشتہ کی متوالی اچھی ہو گئی ہے، تب تو تم مجھ پر لعنت ملامت نہیں کرو گی، کرو گی نہیں؟

دایہ — تم بڑے اچھے آدمی ہو۔ مگر چالیں بھی خوب جانتے ہو! اچھا میں جاتی ہوں۔ —— مگر وہ دیکھو تو —— وہ خود ہی آ رہی ہے۔ {ریشع آتی ہے}

محمد نعیم الرحمن

شاہانِ مغلیہ کے باغات

تمہید | اس وقت تک جس طرح اور بہت سی ہندوستانی صنعتوں پر تاریخی حیثیت سے کوئی اعتناء نہیں کیا گیا۔ اسی طرح ایک فن باغبانی بھی ہے جو قابل لحاظ نہیں سمجھا گیا۔ حالانکہ شاہان مغلیہ کے باغات کی صنعت وخوبی شاہان مغل کی عمارتوں کی جان اور ہندوستانی کاریگروں کی صناعیوں کی بنیاد قرار دی گئی ہے

مشرقی فن ہندستہ البناء (Architecture) کی یہ خصوصیت اور کہیں نہیں پائی جاتی کہ باغ کے اندر مکانوں کی تعمیر مقامی آب ہوا کے لحاظ سے کی جاتی ہو۔ اور مشکل سے کوئی استثناء اس میں نظر آتا ہے۔

مغرب کا مشہور سیاح برنیر جو عہد مغلیہ میں ہندوستان آیا تھا۔ ایک قلعہ شاہی کا حال بیان کرتے ہوے اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "قلعہ کے اندر کی محل سرا و دیگر عمارت شاہی فرانس یا روسۃ الکبریٰ کی عمارتوں کی طرح طیار نہیں کی گئی ہیں اور نہ ان عمارات کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کے فن تعمیر کا کوئی بھی اثر ہندوستانی کاریگروں پر پڑا ہے بلکہ یہاں آب و ہوا کی مطابقت سے عمارتیں تیار کرائی جاتی تھیں اور اب بھی ہندوستانی باغات میں سے جو محل مسمار ہونے سے رہ گئے ہیں اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی آب و ہوا کا لحاظ رکھتے ہوے ان محلات سے زیادہ خوبصورت وشاندار عمارتوں کا بنوانا ناممکن تھا"

یورپ میں اب تک یہی غلط فہمی چلی جارہی ہے کہ ہندوستان کے لوگوں میں تعمیر کا مادہ نہیں ہے۔ چنانچہ نئی دھلی کی تعمیر کے وقت بہت دنوں تک یہی نہ طے ہوسکا کہ آیا یورپین انداز پر تعمیر کی جاے یا ہندوستانی اصول کو مدنظر رکھا جاے۔

فرگوسن اپنی کتاب "ہندوستانی تعمیرات" میں یہاں کی صنعت وحرفت کا ذکر کرتے ہوے تحریر کرتا ہے کہ ہندوستان میں فن تعمیر معدوم نہیں ہوگیا ہے۔ بلکہ وہ ایک زندہ صنعت

اور نہیں اصول پر اب تک قائم ہے، جن کی پابندی بارہویں اور تیرھویں صدی کے مغربی معمار کرتے تھے"

مشرقی صنعت کے چند اصول

وہ لوگ جنھوں نے نفسیاتی طریق پر تاریخ کا مطالعہ کیا ہے ان سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ ہندوستانی صنایع پر حوادث تاریخی کا بہت گہرا اثر پڑا ہے اور یہاں کی ایک ایک یادگار اس تاثر کی کھلی ہوئی نشانی نظر آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عہد ہنود اور عہد بودھ کے آثار تعمیر میں اتنا ہی فرق نظر آتا ہے جتنا عہد مغلیہ کی عمارات میں اور پھر یہ امتیاز خصوصیت صرف ہندوستان ہی پر ختم نہیں ہوگئی ہے بلکہ تمام مشرق میں تمھیں اس کا جلوہ نظر آئے گا۔

غور کرنے سے اس کی وجہ صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ مشرق کی کوئی صنعت ایسی نہیں ہے جس میں وقت و مقام کے لحاظ سے وہاں کی مذہبی خصوصیت کو نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ چنانچہ تم دیکھو گے کہ کسی شرقی صنعت کا مقصود صرف اظہار صنعت و حسن نہیں ہوتا، بلکہ اسکی تہ میں ایک سربستہ راز، ایک مخفی مقصد، ایک چھپی ہوئی روحانیت پائی جاتی ہے۔ ایک ایک پھول ایک ایک پتہ، ہر ہر نقش، اور ان کی صنعت کا ہر ہر پیچ و خم خواہ وہ تمھیں کاغذ پر نظر آئے یا زمین پر، دیوار پر نمایاں ہو یا کپڑے پر ایک مخفی معنی اپنے اندر رکھتا ہے اور اسکو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے مشرقی روح کا غائر مطالعہ کیا ہے اور حقیقی معنے میں ان کی روحانیت سے وابستہ ہوگیا ہے۔

مغرب میں اب تم اس حقیقت کو بالکل مفقود پاؤ گے۔ البتہ بارھویں اور تیرھویں صدی میں جب صنعت کا تعلق مذہب سے تھا تو اس کا اثر یوروپین صناعوں اور انکی صنعت پر بھی پڑ رہا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی مغربی عمارتیں آج تک عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

سنین ماضیہ کے باغ

نہایت قدیم زمانہ میں بھی ہندوستان کے اندر درختوں اور پھولوں کا عزیز ہونا ثابت ہوتا ہے، چنانچہ سنسکرت کے ناٹکوں میں موسم بہار کی تعریف، سبزہ کا لہلہانا، دریا کی امنگ، برسات کے خود رو درختوں کی کیفیت، صبح و شام کے

سیاحوں نے مناظر کا بیان نہایت پر لطف طریقہ سے کیا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰ سے چھ سو سال قبل بھی بودھ مذہب کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں لوگوں کو باغوں کا بہت شوق تھا اور جب بودھ مذہب چین اور جاپان میں پھیلا تو یہاں بھی یہ شوق منتقل ہو گیا۔

ایران کے اندر یہ شوق اس سے بھی زیادہ قدیم معلوم ہوتا ہے کیونکہ ساسانیوں کے زمانہ میں وہاں بڑے بڑے خوشنما باغات پائے جاتے تھے۔ اسی طرح آثار قدیمہ کی تفتیش سے یہ بات دریافت ہوئی ہے کہ زمانۂ قدیم میں بابل اپنے سنگستانی باغوں کی وجہ سے خاص شہرت کا مالک تھا۔

ایرانی سلطنت کے باغوں کی خوبیوں کا ذکر حضرت سلیمانؑ نے زبور میں خوب کیا ہے مثلاً وہ فرماتے ہیں "حصار سے گھرا ہوا باغ ہو، پہاڑ کے جھرنے کا پانی اُس باغ میں سے ہو کے بہ رہا ہو۔ اُس باغ میں خوشبودار طرح طرح کے درخت موجود ہوں اور باد صبا اُس باغ کی خوشبو محل سرا کے اندر کسی معشوق کے دماغ تک پہونچکر شاہ کے دل کی کیفیت اُس تک پہونچائے" اسی طرح چاندنی رات میں تاروں کا جھلملانا، چاند اور شمعہائے کافوری کے عکس کا شفاف نہروں میں تھرتھرانا، گل و بلبل کا نظارہ۔ بادِ صبا کی مستانہ رفتار اور اس طرح کے بہت سے لطف مناظر کا ذکر سلیمانؑ نے اپنے باغ کے بیان میں کیا ہے۔

ایران کے اسلامی شعرانے باغوں کی تعریف میں ہزارہا صفحے رنگ ڈالے ہیں، انگلستان کے سب سے قدیم شاعر چاسر سے بھی دو برس قبل سعدی نے اپنی کتاب کا نام گلستاں رکھا، اور حافظ نے بھی شیراز اور مشرقی ایران کے باغوں کی تعریف میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا۔ اسی طرح عمر خیام کا کلام باغ و ایاغ کے ذکر سے لبریز ہے، خواجہ نظامی سمرقندی نے ایک جگہ لکھا ہے "میرے استاد نے ایک دن فرمایا کہ اُن کی قبر ایسی جگہ ہو گی جہاں باد صبا اُن کی قبر پر پھولوں کے ڈھیر لگا دیا کرے گی، چنانچہ عرصۂ دراز کے بعد جب میں اپنے اُستاد کی قبر پر نیشاپور گیا تو دیکھا کہ ایک باغ کی حصار کے باہر واقع ہے اور باغ کے درختوں کی بڑھی ہوئی شاخیں مزار پر روزانہ پھول چڑھاتی رہتی ہیں"

جس طرح جاپان میں پھولوں کی قدر ہوتی ہے بلکہ اسی طرح کسی وقت اصفہان میں بھی ہوتی تھی لیکن جاپان میں اس وقت تک فن باغبانی قائم رہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بیرونی حملہ سے محفوظ رہا اور برخلاف اسکے ایران ہمیشہ جنگ و حرب کا جولانگاہ بنا رہا اور اس لئے وہاں کے باغ بالکل ویران ہو گئے، مغلیہ زمانہ میں ایران ہی کے باغوں کے نمونے ہندوستان میں طیار ہوتے تھے اور وہیں کے عمارت کے نقشے یہاں بھی پیش نظر رہتے تھے، چنانچہ عمارتیں تو اب بھی موجود ہیں مگر باغوں کا پتہ نہیں کیونکہ ہندوستان میں مغلیہ بادشاہوں کو بہت کم ایسا موقع ملا کہ ان کی جانب پوری توجہ کرتے۔ کیونکہ لڑائی جھگڑے کی وجہ سے ان کو اتنی فرصت نہ تھی اور کوئی ایک بادشاہ یا خاندان عرصہ تک سلطنت نہ کرنے پایا کہ وہ اپنے حوصلے پورے کرتا۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں البتہ پایہ تخت دھلی کے چاروں طرف ایک سو باغ طیار کرائے گئے تھے جن میں سے ایک باغ بھی آج باقی نہیں ہے۔ ہاں چند پرانی نہریں جو اُن باغوں کو شاداب کرتی تھیں، ان کے کچھ آثار ضرور نظر آتے ہیں۔ اس کے دو صدی کے بعد بابر نے آگرہ کو فتح کر کے دریائے جمن کے ساحل پر رام باغ طیار کرایا۔

عہد مغلیہ کے باغوں کا انداز | واقعہ یہ ہے کہ موسم بہار کی خوبی ایران کے شرقی و مغربی ملکوں میں نظر آتی ہے، موسم گرما کی تمازت اور موسم سرما کی خنکی درختوں کے پتوں کو خشک کر دیتی ہے، اور سارے درخت عریاں نظر آتے ہیں۔ مگر موسم بہار کی فیاضی اس برہنگی کا معاوضہ کر دیتی ہے اور چند ہفتوں کے اندر سال بھر کے پھول درختوں میں نکل آتے ہیں اور سارا ملک اک موج گل ہو جاتا ہے،

چونکہ سلاطین مغلیہ کا تمام ذوق ایران ہی کی آب و ہوا سے تعلق رکھتا تھا، اس لئے انہوں نے ہندوستان کو اپنے باغات سے ایران بنا دینے کی کوشش کی اور یہاں کی موسم کی ناموزونی کا پورا مقابلہ کیا۔ یہاں یہ بات بھی ظاہر کر دینے کے قابل ہے کہ چونکہ اسلام بت پرستی کا سخت مخالف ہے اس لئے مسلمانوں نے اپنی عمارات کی زیبائش میں کسی تصویر سے کام نہیں لیا، بلکہ صرف پھول بوٹوں سے وہ خوشنمائی پیدا کی جو بڑی حد تک تصویروں کی کمی کو پورا کرتی تھی۔

ہندوستان میں سلاطین مغلیہ نے جو باغ طیار کرائے وہ ایران کے نمونہ پر تھے، لیکن پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ایران میں باغوں کی طیاری کا کیا دستور ہے، ایران کے باغ حتی الامکان دامن کوہ میں بنائے جاتے ہیں، جن کے سامنے ایک جھیل ہوتی ہے اور صحن باغ میں مناسب مقامات پر حوض اور فوارے ہوتے ہیں، باغ کے اندر نہر کے کنارے سرو کے درخت نصب کئے جاتے ہیں اور نہروں کی تہ آسمانی رنگ کی ہوتی ہے اور ان نہروں میں پانی ہر وقت بھرا رہتا ہے۔ باغ ایک مربع حلقہ میں بنایا جاتا ہے اور اس مربع کے اندر باغ کو چھوٹے چھوٹے مربعوں میں تقسیم کرتے ہیں، باغ کے چاروں طرف بڑی اونچی دیوار ہوتی ہے اور ایک جانب بہت اونچا پھاٹک بنایا جاتا ہے، بڑے باغوں میں چار دروازے بنائے جاتے ہیں اور چار گوشوں پر ہشت پہل مکان ہوتے ہیں، باغ کے اندر نہر کا پانی چادروں کی طرح موقع بہ موقع گرایا جاتا ہے اور یہ چادر کا پانی ایک بڑے حوض میں جسمیں کئی فوارے ہوتے ہیں اور مرغابیاں وغیرہ تیرتی رہتی ہیں جمع ہوتا ہے، چونکہ ہندوستان اور ایران میں موسم گرما نہایت سخت ہوتا ہے اس لئے باغ کی خاص بارہ دری پانی کے اوپر تعمیر کرائی جاتی ہے تاکہ پانی کے گرنے کے خوشگوار آواز دوپہر کی دھوپ میں بند دروازہ کے اندر بھی فرش سے آتی ہوئی محسوس ہو۔ اس بارہ دری کے چاروں طرف برآمدے ہوتے ہیں اور برآمدے کے باہر ہر طرف فوارے جاری رہتے ہیں تاکہ اُن کے پانی کا چھینٹا برآمدہ کی ہوا کو ہر وقت ٹھنڈا رکھے، چونکہ بارہ دری کے اوپر خسخانہ بھی ہوتے ہیں اس لئے دوپہر کی دھوپ اندر بہت کم محسوس ہوتی ہے چنانچہ شالامار باغ میں سیاہ سنگ مرمر کی بارہ دری اسکی شہادت میں پیش کی جاسکتی ہے، باغ کے اندر درخت بھی ایک خاص مناسبت سے لگائے جاتے ہیں۔ یعنی مربع تختوں پر، چہار دیواری کے کنارے دورویہ درختوں کی قطاریں ہوتی ہیں اور مربع زمین کے بیچ میں سے نہر نکالی جاتی ہے اور اس حصہ زمین پر پھولدار درخت نصب کئے جاتے ہیں، کبھی کبھی سرو کے درخت بھی باغ کی دیواروں کے نزدیک لگائے جاتے تھے۔ اور گلاب کی جھاڑی یا انگور کی بیل بھی نہروں کے کنارے لگائی جاتی تھی جس سے لوگ دھوپ سے بچتے تھے، تمازت آفتاب سے بچنے کے لئے

باغ میں آم یا چنار کے درخت بھی لگا دیے جاتے تھے اور ان درختوں کے چاروں طرف ایک چبوترہ بنوا دیا جاتا تھا

بابر کے باغ | شاہ بابر نے اپنے باغوں کا حال اپنی سوانح عمری میں بیان کیا ہے۔ کابل کے گرد نواح میں اکثر فرحت افزا باغ تعمیر کرائے گئے، چنانچہ ان میں سے باغ وفا بہت مشہور باغ تھا، یہ باغ ۱۵۰۸ء میں قلعہ ادنیٰ پور کے مقابل طیار کرایا گیا تھا جس سال بابر نے لاہور فتح کیا وہندستان سے کیلے کے درخت طلب فرما کر لاہور کے باغ میں نصب کرائے، اور اس سے قبل وہ یہاں کا گنا بدخشاں اور بخارا میں بو چکا تھا۔ یہ باغ پہاڑ کے کچھ بلند حصہ پر لگایا گیا تھا اور اوپر سے کوہستانی چشمہ اس باغ کو شاداب کرتا تھا، جنوب اور مغرب کے گوشے میں ایک بہت بڑا حوض ۲۰ فٹ مربع طیار کرایا گیا جو ہر وقت پانی سے لبریز رہتا تھا، حوض کے ہر چہار جانب نارنج و انار کے درخت لگائے گئے تھے اور جا بجا لونگ کے درخت بھی تھے۔ یہ مقام نہایت پر فضا تھا اور ان درختوں کے پھلنے اور پھولنے کے وقت اس کی رونق دوچند ہو گئی تھی اسکے جانب جنوب کوہ سفید واقع ہے۔ جب اکبر اعظم نے بابرنامہ کا ترجمہ ترکی زبان سے فارسی میں کرایا تو دربار کے مصوروں کو حکم ہوا کہ کتاب میں مناسب تصاویر بنائی جائیں چنانچہ بشن داس ایک ہندو مصور نے تصویریں بنائیں اور مرزا عبدالرحیم نے بابرنامہ کا ترجمہ کیا۔ ایک تصویر کا منظر ہے کہ بابر خود باغ کے اندر درختوں کو نصب کرا رہا ہے کوہستانی چشمہ کا پانی پھولوں کے تختوں سے گزرتا ہوا حوض میں جا رہا ہے اور باغ کے دروازہ پر چند لوگ سلام کے منتظر ہیں۔ غالباً کوئی خبر جدید فتوحات کی لائے ہیں۔ مگر شہنشاہ اپنے مشغلہ میں اس قدر مصروف ہے کہ اس وقت سلطنت کے معاملات کو ملتوی کر دیا ہے کیونکہ پندرہ سال کے بعد شہنشاہ کو اس باغ میں صرف تین دن قیام کرنے کا موقع ملا ہے۔ اس عرصہ میں وہ پودے جنھیں شہنشاہ نے اپنے ہاتھ سے لگائے تھے بڑے بڑے درخت ہو گئے ہیں باغ کی شادابی کو دیکھ کر بادشاہ کا دل باغ باغ ہو رہا ہے، چنانچہ وہ اپنی مسرت کا ذکر بابرنامہ میں اس طرح کرتا ہے "میں ایسے وقت باغ میں پہونچا کہ وہ اپنی پوری بہار پر تھا اور اس سے زیادہ خوشی اس باغ کے دیکھنے سے مجھے کبھی نہیں ہوئی" اس کے بعد موسم سرما میں لمغان کی جانب کوچ کرنا تھا اس لئے نارنگی کے ۲۰ درخت اپنے لئے مخصوص کر دیے۔ اسی

کتاب کے ایک دوسرے نسخہ میں جو برٹش میوزیم میں موجود ہے ایک تصویر دکھلائی ہے جسمیں وہ گنے اور کیلے جو لاہور سے بحفاظت تمام لائے گئے تھے باغ میں لگے ہوئے نظر آتے ہیں اور بیچ میں ایک پیتل کا بڑا حوض ہے جس میں سے پانی ان درختوں کو دیا جاتا ہے۔

برنیر جو بطور سیاح کے شہنشاہ اورنگ زیب کے ہمراہ کشمیر گیا تھا اسنے اپنے سفرنامہ میں ایک موقع کا ذکر کیا ہے کہ "شاہی پیش خیمہ کو مناسب مقام پر اونچی اور ہموار زمین پر استادہ کرتے تھے۔ اور اسکے ہر چہار جانب تین تین سو قدم تک اور کوئی خیمہ نہیں لگایا جاتا تھا، بہتر نفر فرد درصرف چبوترہ کے طیار کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتے تھے اور شاہی خیمہ کے ہر چہار جانب قناطیں کھنچ جاتی تھیں جو تاش بادلہ کی ہوتی تھیں، قنات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ ایک باغ لگا ہوا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مغلیہ بادشاہ حسن کے بڑے دل دادہ تھے جس خوبصورتی اور مناسبت سے باغ طیار کرائے جاتے تھے، اسی مناسبت سے نئے شہر آباد کئے جاتے تھے، ہر نئے پڑاو پر خیموں کا ایک مختصر سا شہر نہایت خوبصورتی کے ساتھ طیار کیا جاتا تھا، تاکہ دیکھنے میں بدنما نہ معلوم ہو۔

افسوس ہے کہ ہندوستان اور کشمیر کے تمام مشہور باغات آج اس بری حالت میں پڑے ہوئے ہیں کہ انھیں دیکھ کر سخت تکلیف ہوتی ہے۔ حالانکہ اٹلی کے باغوں کا نمونہ بالکل انہیں باغوں کا سا ہے، اور ساری دنیا سے لوگ ملک اٹلی میں انہیں کی تصویر اتارنے اور سیر کرنے کو جاتے ہیں۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے خوبصورت باغ اب کیوں نہیں بنوائے جاتے؟ میری رائے میں اس بے توجہی کے دو سبب ہیں۔ اول تو ہندوستانیوں کے عادات میں تغیر پیدا ہوجانا کہ موسم گرما سرد پہاڑوں پر بسر کرنے کا رواج ہوگیا ہے۔ دوسرے یہ کہ انگریزوں نے اگر جس نمونے کے باغ بنوانے شروع کئے وہ سلاطین مغلیہ کے باغوں سے بالکل مختلف تھے۔

اٹھارہویں صدی میں انگلستان کے باغوں کی یہ حالت تھی کہ نہ تو ان میں نہریں

تھیں نہ خوشنما پھول کے درخت نہ نہروں پر پل جس سے وہ نہایت بدنما معلوم ہوتے تھے چنانچہ اُسی ترکیب کی تقلید ہندوستان میں کی گئی، علاوہ اس کے وہ زمانہ بھی نہ رہا جب بادشاہ ہر سال اپنی بیگمات کے ساتھ کشمیری باغوں کی سیر کو جاتے تھے اور امرا اپنی اپنی حیثیت کے مطابق دارالسلطنت میں شاندار محلات اور ان کے مناسب باغات طیار کراتے تھے - برنیر سیاح اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "شہر دہلی میں ہزارہا باغ اور محل لب جمن واقع تھے، ہر باغ و محل میں فوارے اور ہر مکان میں تہ خانے ہوتے تھے جن کی خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتا تھا، موسم گرما میں تمام محلات وسط باغ میں اونچی کرسی دیکر بنائے جاتے تھے، اور رات کو ان محلات کی چھت پر لوگ آرام و استراحت کرتے تھے ہر کمرہ کے آگے، سائبان ہوتا تھا کہ اگر شبنم زیادہ پڑے تو سائبان کے اندر چلے جائیں +

گھوشال، ام-اے

(باقی)

جذبات حسرت موہانی

بجا ہے دل زار کی ناصبوری　　کہاں تک اٹھائے کوئی رنج دوری

عنایت جو اُس شوخ کی تھی ضروری　　خطا بن گئی خود مری بے قصوری

وہ تمہید ہی سے اڑا لیں گے مطلب　　کہیں شوق نے کی نہ ہو بات پوری

محبت نے کی دل میں وہ آگ روشن　　کہ ہم ہو گئے جسم خاکی سے نوری

بہر حال گرویدہ حسن ہیں ہم　　جمال لب معنوی ہو کہ صوری

تمنا نے کی خوب لطف ارد بازی　　مزہ دے گئی حسن کی بے شعوری

نہ چھوٹا در یار حسرت نہ چھوٹا　　بہت ہم نے چاہا نہیں کانپوری

(مرسلہ بیگم حسرت موہانی)

بلبل اسیر

جان پر اپنے نہ میرے صدمۂ جانکاہ لے
لوٹ جا پیغامِ آزادی اگر لایا ہے تو

درسِ آزادی خلافِ مشربِ تسلیم ہے
یہ نہیں معلوم اگر تجھ کو، تو اب معلوم کر
میری فطرت کو محبت کی یہی تعلیم ہے
شکر کے سجدے کروں، لوہے کی کڑیاں چوم کر

نالے کرنا چاہتا ہوں، واقفِ نالا ہوں میں
میں کوئی نا آشنائے لذتِ فریاد ہوں؟
میرے دل میں سیکڑوں جذبے ہیں دل آلائیں
کچھ تو میں نے سوچ رکھا ہے جو یوں برباد ہوں

گلستاں نزدیک تر ہے خانۂ صیاد سے
ہیں جو ارمانِ چمن مصروفِ خوابِ ناز میں
میں قیامت کیوں بپا کر دوں نہ سب فریاد سے
آگ پھولوں میں لگا دوں یا سوز دوں ساز میں

نالہ آساں ہے، مگر مشکل ہے ضبطِ آرزو
ضبط سے مایوس ہو جاؤں تو پھر نالا کروں
ضبط اک بجلی ہے، خرمن کی ہے جس کو جستجو
وقت آ جائے تو گلشن کو تہ و بالا کروں

حسرتیں صیاد پر جس دن نمایاں ہو گئیں
جان کے لیوا کو خود جینا مرن ہو جائے گا
ضبط کی چنگاریاں جس روز عریاں ہو گئیں
یہ قفس خاکسترِ صحنِ چمن ہو جائے گا

منتظر منشائے فطرت کا ہوں خاموشی کے ساتھ
ہوں توکل کیش، ہیں صبر و رضا میرے لئے
بند ہوں کنجِ قفس میں خود فراموشی کے ساتھ
کوئی رستہ کھول ہی دیگا خدا میرے لئے

بے گناہوں میں خدا کی موردِ بیدادِ قید
کچھ نہ کچھ ان کاوشوں کا فیصلہ ہو جائے گا
زندگی دو دن کی ہے، لمبی سہی میعادِ قید
آج آیا ہے قفس میں کل رہا ہو جائے گا

سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی

کرل مارکس کا نظریہ

(بسلسلۂ اشاعت گزشتہ)

اگر مارکس کی پیچیدگیوں کو دور کردیا جاے تو اشتراکیت جس کا وہ اس قدر شیدائی تھا بہت صاف اور سادہ مسئلہ رہ جاتا ہے ۔

(۱) سب سے پہلے یہ کہ زمین کسی فرد واحد، خاندان یا کسی انجمن و کمپنی کی ملکیت نہ ہو، بلکہ قوم کی مشترکہ ملکیت ہونی چاہیئے کیونکہ زمین ہی خوراک لباس و دیگر انسانی ضروریات کا منبع ہے اسلئے اگر کوئی شخص دوسرے کو محروم کرکے اس کا مالک بن جاے تو اس کے صاف معنی یہ ہوں گے کہ جسکو محروم کیا ہے وہ اپنی خوراک و دیگر ضروریات کے لئے اس مالک کا غلام بن جاے اور مالک اپنے ذاتی اغراض کو پورا کرنے کے لئے اُس سے فائدہ اُٹھاے ۔ مالک کو کیا اختیار ہے کہ اپنی خوشی و دلچسپی کے لئے پارک بناے اور اپنی ذاتی منافع کے لئے نیشکر کی کاشت کرے ، خواہ قوم کو اُس وقت گیہوں کی سخت ضرورت ہو ۔ مالک کو کیا حق حاصل ہے کہ اپنی زمین کو مولیشیوں کے لئے چراگاہ بناوے، جب کہ ہزارہا انسان فاقہ کشی میں جان توڑ رہے ہوں ۔ اس لئے زمین کا ذاتی مالک ہونا ملک میں افلاس و غلامی کا سبب ہوتا ہے ، زمین کسی کی ملکیت نہیں ہے ۔ اشتراکیت کا یہ مقصد ہے کہ زمین قوم کی مشترکہ ملکیت ہو اور قوم کے مشترکہ فائدہ کیلئے اس کا انتظام جمہوری سلطنت کرے ۔

(۲) دوسرا اصول یہ ہے کہ اشتراکیت ذاتی سرمایہ کے خلاف ہے اور روپیہ کی قوت کو تباہ کردینا چاہتی ہے ۔ اگر تم ذرا سا غور کروگے تو صاف معلوم ہو جاے گا کہ اگر ایک ساہوکار کے پاس پچاس ہزار روپیہ ہوں تو وہ اُس کی اولاد کئی پشت تک صرف اس روپیہ کی سود سے زندگی بسر کرسکتی ہے ۔ اور دنیا میں اُسکو سواے اس کے اور کوئی کام نہیں کہ وہ اپنی اتسامیوں سے سود وصول کرے ۔ بازار میں اگر سود ۱۰ فیصدی شرح سے ہے تو وقت اور ضرورت

سے فائدہ اٹھاکر دو [illegible] اور ۶ فیصدی پر روپیہ قرض دیتا ہے مجھے ایسے واقعات معلوم ہیں کہ صرف ضرورت سے فائدہ اٹھاکر لالچی سرمایہ داروں نے ۳۰ فیصدی اور ۴۰ فیصدی تک روپیہ قرض دیا ہے۔ اس سب پر طرفہ یہ ہے کہ اصل رقم پچاس ہزار کی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ یہ جادو نہیں تو کیا ہے؟ اس مسئلہ کو اس طرح دیکھو کہ ایک شخص کے پاس دس ہزار روپیہ ہے، وہ گاؤں گاؤں پھر کر اس روپیہ کو غریب کاشتکاروں کو سود پر دے دیتا ہے اور بجائے ماہوار سود لینے کے اُن سے گھی لیتا ہے۔ اور فصل پر بجائے روپیہ کی قسط لینے کے اُن سے غلہ لیتا ہے۔ گھی کا نرخ اگر بازار میں سات چھٹانک کا ہے تو یہ خود غرض بنیا غریب کاشتکاروں سے جنہوں نے جی مار کر اور محنت سے گھی جمع کیا ہے۔ دس چھٹانک کے حساب سے لیتا ہے۔ ہم اس بے ایمانی کا ذکر نہیں کرتے جو وہ تولنے میں کرتا ہے اسی طرح وہ ہر ماہ گھی اکٹھا کرتا رہتا ہے اور فصل پر جب غریب کاشتکار چھ ماہ کی سخت دھوپ اور جاڑے کی محنت کے بعد سودی زمیندار کے غلہ سے کچھ بچا کر غلہ اپنے گھر لاتا ہے تو اسکو سب سے پہلے گھر کے دروازہ پر جو شکل دکھائی دیتی ہے وہ بھی بنیا ہوتا ہے جو اُس غریب کے لئے عزرائیل سے کم نہیں ہوتا۔ اب اگر بازار میں غلہ کا نرخ چھ سیر کا ہے تو وہ حریص بنیا آٹھ سیر کے نرخ سے روپیہ کی ادائی میں غلہ وصول کرتا ہے اب اس غریب کاشتکار کے پاس اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرنے کیلئے اور آئندہ فصل پر بیج کے لئے مشکل سے ہی غلہ بچتا ہے پھر چند ماہ کے بعد ہی اُسکو لگان میں نقد روپیہ دینا پڑتا ہے اور یہ غریب پھر اس بنئے کی جال میں جاکر پھنستا ہے الغرض کبھی اُسکو ان مصیبتوں سے نجات نہیں۔ برخلاف اسکے وہ بنیا گھی اور غلہ کو فروخت کرکے دو ہزار روپیہ کا فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اور اسی طرح سے کئی فصلوں میں لوٹ پھیر کر چند سال میں وہ لکھ پتی بن جاتا ہے۔

اب خیال کرو کہ اُس آدمی نے حقیقتاً کوئی کام نہیں کیا۔ اُس نے صرف گاؤں والوں کو روپیہ دیکر گھی اور غلہ خرید کیا اور شہر میں فروخت کردیا اور باقی تمام وقت کاہلی اور سستی سے اپنی دکان پر بیٹھ کر گزار دیا۔ اُس کی خوش قسمتی اور لیاقت

صرف اسی میں پنہاں ہے کہ اس کے پاس دس ہزار روپیہ ہیں۔ یہی حال ساری متمدن دنیا کا ہے کمپنیوں میں یہ حصہ لیتے ہیں اور سارا وقت سیر و تفریح میں بسر کرتے ہیں اور سال کے سال ایک معقول رقم نفع کی حاصل کر لیتے ہیں۔

روپیہ کی طاقت کا بھی ایک رخ نہیں بلکہ اس سے زیادہ برا پہلو یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس سرمایہ نہیں ہے ان کو بہت سی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ایک مزدور جو کارخانہ میں کام کرتا ہے، ایک کاشتکار اور ایک انجنیر جو مشین چلاتا ہے، تمام عمر غربت و افلاس میں بسر کرتا ہے۔ اور اس سے زیادہ برائی یہ ہے کہ اسکو اپنے مالک کا غلام بن کر اسکی مرضی کے ماتحت رہنا پڑتا ہے۔ یہ سب روپیہ کی طاقت کا کرشمہ ہے اس لئے مارکس، انجلز، اور اس کے ساتھی چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ سرمایہ داری کا استیصال کر دینا چاہیے۔

جس قدر ہم غور و فکر کرتے ہیں اسیقدر یہ بات زیادہ واضح ہوجاتی ہے کہ دماغ انسانی کی ایجادات میں سب سے زیادہ تباہ کن ایجاد "سکہ" ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انسانیت اس ہتیار سے خودکشی کر رہی ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ شخص جس نے سب سے پہلے "سکہ" ایجاد کیا نسل انسانی کا سب سے بڑا مجرم ہے۔ کیونکہ یہ روپیہ ہی ہے خواہ وہ سونا ہو یا چاندی، کاغذ ہو یا نکل جو امیر کو زیادہ امیر اور غریب کو زیادہ غریب بنا دیتا ہے۔ یہ روپیہ ہی ہے جو ایک بخیل اور چالاک آدمی کو مزدوروں سے محنت کرنا اور ان کو اپنا غلام بنانا سکھاتا ہے۔ اسلئے اشتراکیت سب سے پہلے زمین کو قوم کی مشترکہ ملکیت بنانا چاہتی ہے اور بعد ازاں سرمایہ کی طاقت کو تباہ۔ کیونکہ ذاتی جائداد کی صورت میں آپس میں تبادلہ کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اور تبادلہ کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے، اسطرح سے روپیہ بھی ذاتی جائداد کی صورت اختیار کر کے دوسروں کی بربادی کا باعث ہوتا ہے۔

سینٹ پال نے ایک جگہہ لکھا ہے کہ "محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے" میرے خیال میں اسنے غلطی کی۔ بہتر ہوتا اگر وہ لکھتا "روپیہ تمام برائیوں کی جڑ ہے" پُرانے زمانہ میں مبلغین مذہب نے ہم کو یہ سبق دیا ہے کہ "روپیہ سے محبت نہ کرو" اور چونکہ معیشت و زندگی کا انحصار روپیہ ہے اس لئے اپنی معیشت و زندگی کی بھی کچھ پروا نہ کرو کیونکہ یہ فانی ہے" لیکن موجودہ زمانہ اس سبق کو ایک دوسری شکل میں پیش کرتا ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ "روپیہ کی طاقت کو تباہ کرو اور اپنی زندگی آرام و چین سے بسر کرو

اور اپنی زندگی آرام وچین سے بسر کرد کیونکہ زندگی کا انحصار روپیہ پر نہیں ہے۔"

مارکس کا خیال ہے کہ انسان کی اخلاقی ترقی اور بہبودی کے لئے اشتراکیت لازم ہے کہ وہ کہتا ہے کہ "اقتصادی حالات انسان کی اخلاقی زندگی پر بہت بڑا اثر ڈالتے ہیں۔"

ہم کو مارکس کا اس لئے ممنون نہیں ہونا چاہئے کہ اُس نے اقتصادیات اور اخلاقیات کو ایک کر دیا، بلکہ صرف اس لئے کہ اُس نے اقتصادیات کی ضرورت و اہمیت کے مبالغہ میں کوئی کمی نہیں کی۔ اور اس وجہ سے حکما اس کے نظریہ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہو گئے، اور غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے کہ اس کی تہ میں سچائی ضرور ہے۔

میں نے اشتراکیت کی بنیادی اصولوں کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ ذاتی ملکیت پر خواہ وہ جائداد کی صورت میں ہو یا روپیہ کی صورت میں کیا اثر ڈالتی ہے۔ مارکس کو فروعات میں دوسروں سے اختلاف تھا، مگر ہم کو اس میں نہ الجھنا چاہئے بنیادی اصول یہی ہیں، فروعات میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے اور وہ نظر انداز کر دینے کے قابل ہیں۔

مارکس اور میزنی کے خیالات میں اصولی فرق

میزنی، مارکس کے قائم کردہ انٹرنیشنل میں اٹلی کے مزدوروں کی طرف سے نمایندہ ہو کر شامل ہوا تھا۔ بعد کو مارکس اور میزنی کے مابین کچھ اصولی اختلافات پیدا ہو گئے اور مارکس اپنی اثر کی وجہ سے غالب رہا۔ اور میزنی کو میمبری سے دست بردار ہونا پڑا۔ اُس وقت مارکس اور بے کونین (روس کا انقلابی لیڈر) کی پارٹیاں یورپ میں اقتدار حاصل کرنے کے لئے سخت کوشاں تھیں۔ میزنی، ان دونوں سے الگ تھا، میزنی کے نظریہ میں مذہب کو بہت دخل تھا۔ اور مارکس مادیین سے تعلق رکھتا تھا مارکس کا نظریہ اقتصادیات پر مبنی تھا۔ اور میزنی کے نظریہ کا دارومدار اخلاقیات پر تھا

مارکس کے نزدیک تاریخ انسانی اقتصادی علل و اسباب کا نتیجہ ہے اور دماغی و اخلاقیات بھی اسی کا مال ہے جو ضمنی طور پر اقتصادی واقعات اور ماحول کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے میزنی اقتصادیات کے اثر سے بے خبر نہیں ہے، بلکہ وہ کہتا ہے کہ انسانی ترقی کا عنصر عظیم مذہب ہے۔ اور مذہب ہی نظام قوم کی ترقی و بہبودی کی اصل اساس ہے اور اسکی ماتحت اقتصادیات

ابھی ہے۔

انقلاب جرمنی کے متعلق مارکس کے خیالات

جرمنی کے انقلاب کے متعلق مارکس اپنے خیالات کئی دفعہ مضامین کے ذریعہ سے ظاہر کرچکا ہے۔ چنانچہ ایک مضمون "ہیگل کے فلسفہ قانون پر تنقیدی نظر" میں اس نے ثابت کیا تھا کہ جرمنی میں کوئی غیر جانبدار سیاسی آزادی ممکن نہیں ہے وہاں صرف ایک ہی جماعت ہے جس سے ہم یہ توقع کرسکتے ہیں کہ وہ حکومت کے خلاف جدوجہد کریگی۔ وہ وہاں کے مزدور ہیں لیکن وہ خود اس وقت تک آزادی حاصل نہیں کرسکتے جب تک وہ اپنی تمام زنجیروں کو خود نہ توڑ ڈالیں، اور اپنی سوسائٹی کا تمام موجودہ نظام درہم برہم نہ کردیں اس کے بعد وہ ریاست اور جماعت کی ایک نئی تعمیر کریں، جس میں ہر انسان کو بحیثیت انسانی سوسائٹی کے ممبر ہونے کی، ایک ممتاز جگہ دی جاے۔ اس نے اس امر کا بھی مشورہ دیا تھا کہ یہ انقلاب پہلے فرانس کے مزدوروں کو شروع کرنا چاہیئے۔

مارکس نے جرمنی کے سیاسی مسئلہ کا حل اشتراکی نقطۂ نظر سے کیا ہے۔ گو دوسرے اشتراکیت پسند علما نے بھی یہی علاج پیش کیا، مگر مارکس کا طریقہ استدلال بالکل جداگانہ اور نیا ہے۔

مارکس معاشرتی آزادی کے لئے سیاسی جدوجہد کو بہت ضروری خیال کرتا ہے۔

عملی خدمت کی اہمیت

مارکس کی کامیابی اس کے نظریہ پر منحصر نہیں ہے، بلکہ فلسفہ تاریخ کے اصول پر قائم ہے یہ عام طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ یہ طریقہ اوس کا ایجاد کردہ ہے اور یہی نیا اور انوکھا خیال اس نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس سے پہلے کسی نے یہ نہیں بتایا کہ پیداوار کا ارتقاء پر کیا اثر پڑتا ہے اور نہ کسی کو یہ سوجھا کہ معاشرت اس سے کیونکر ترتیب پاتی ہے، اس نے اپنی تصنیفات میں جہاں جہاں اس مسئلہ کو حل کیا ہے وہی اس کا بہترین حصہ ہے، اسکی کتاب "سرمایہ" اس کی تمام زندگی کی محنت و کاوش کا نتیجہ ہے۔ یہ چار حصوں میں تقسیم ہے۔ حصہ اول سرمایہ کے پیدا کرنے کے ذرائع سے متعلق ہے، حصہ دوم سرمایہ کے لوٹ پھیر کے متعلق ہے، حصہ سوم میں یہ ہے کہ سرمایہ بحیثیت مجموعی کیا طاقت رکھتا ہے۔ حصہ چہارم میں ان تمام نظریوں کی تاریخ ہے جس کا تعلق سرمایہ سے ہے۔

مارکس کا اصلی کارنامہ

مارکس یورپ کے فلاسفروں میں سب سے پہلا شخص ہے جس کو مزدوروں کی طاقت کا پورا پورا احساس ہوا۔ گو اس سے پہلے بھی اشتراکیت پسند حکما نے اس امر کا احساس کر لیا تھا کہ جاہل اور مصیبت زدہ مزدوروں کے لئے اگر کوئی تحریک مفید ہو سکتی ہے تو وہی اشتراکیت ہے۔ مگر ان کا خیال تھا کہ وہ تعلیم یافتہ طبقہ کے ذریعہ سے پھیلے گی۔ مگر مارکس ہی پہلا شخص ہے جس نے مزدوروں کو یہ قاعدۂ کلیہ بتایا کہ تم اپنی نجات خود حاصل کر سکتے ہو۔ کیونکہ تم میں اسکے حاصل کرنے کی طاقت ہے۔ جو آزاد ہونا چاہے اسے اپنی آزادی حاصل کرنے کی خود کوشش کرنی چاہئے۔ وہ آزادی کس کام کی ہے جو دوسروں کی مدد سے حاصل کی جائے۔ مارکس نے اُن کو بتایا کہ تمام ممالک کے مزدور آپس میں مل جائیں کیونکہ اس میں اُن کا فائدہ ہے، یہی ایک صدا تھی جسے وہ مزدوروں کو بار بار سناتا تھا۔ آج مارکس کو مرے ہوئے زمانہ گزر چکا ہے مگر یہ اُسی کی آواز کا نتیجہ ہے جو اس وقت مزدوروں کو انسانیت کے اعلیٰ مدارج پر پہونچا رہا ہے۔

چونکہ مارکس کی زندگی خود غربت و افلاس میں گزری تھی اس لئے اسے معلوم تھا کہ معمولی آدمیوں میں کیا طاقت پنہاں ہے۔ ہر عہد میں جب سوسائٹی میں کوئی تغیر پیدا ہوا ہے تو ہمیں اس قسم کے لیڈروں کی مثالیں ملتی ہیں۔ وہ جماعت کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ اپنے اوپر بھروسہ رکھیں۔

روسیو نے اٹھارہویں صدی میں فرانس کی مظلوم اور جاہل رعایا میں یہ روح پھونک دی کہ تم خود حکومت کرنے کے قابل ہو اور جمہوری حکومت تمہارا نصب العین ہونا چاہئے اس وقت لوگوں نے اس کا تمسخر اُڑایا۔ مگر زمانہ نے دیکھ لیا کہ اسکے الفاظ نے اُن میں روح پھونک دی اور آج وہی دہقان اور مزدور شرفا کی فہرست میں داخل ہیں۔

مارکس کے نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے ہمیں ڈاکٹر جونس کا فقرہ جو انہوں نے گولڈ اسمتھ کے لئے کہا تھا نہیں بھولنا چاہئے کہ "اسکی غلطیوں اور لغزشوں کو یاد نہ کرو وہ بڑا آدمی تھا" مارکس کا نام آیندہ نسلوں میں بہت عزت اور احترام سے لیا جائے گا۔ جب دنیا سے غلامی اور غربت اُٹھ جائے گی اور ذاتی جائداد کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، اس وقت لوگ خیال کریں گے کہ وہ شخص جس نے دنیا کو اس مصیبت سے آزاد کرایا، فاقہ کشی سے غش کھا کھا کر

جب ہوش میں آتا تھا تو اس مسئلہ پر غور کیا کرتا تھا کہ آزادی کے لئے قربانی کی ضرورت ہے اور اس میں شک نہیں کہ مارکس نے بڑی قربانی سے کام لیا +

ن۔ ا قریشی

مطالعۂ نفسی

جمالی ایک انشا پرداز تھا، ایسا انشا پرداز کہ بس صنعت کے علاوہ، اس کا دماغ کسی اور چیز کو قبول ہی نہ کرتا تھا، اسکو ایک عورت سے ملنے کا اتفاق ہوا اور اس وقت جب اُسے اپنے جدید فسانے کے لئے کسی کیرکٹر کی تلاش تھی، لیکن وہ طبعاً ادنیٰ خصائص کی عورت تھی، نہایت خودغرض عورت تھی اپنے حسن و موسم پر بے انتہا نازاں، مگر بعض خصوصیات کی بنا پر جمالی نے اسکی فطرت کو بغایت نادر پایا اور اسے پہلی نظر میں معلوم ہوگیا کہ اب وہ اپنے آیندہ فسانے کے لئے ہیروئن کی جستجو سے بے نیاز ہوگیا ہے۔

وہ نہایت خوش تھا کہ اس کے ناول کا نصف پلاٹ مکمل ہوگیا اور اب صرف ایک ہیرو کے کیرکٹر کی ضرورت تھی لیکن جمالی بمشکل اپنا تجزیہ و تحلیل ختم کر سکا تھا کہ اس عورت کے ساتھ اسے محبت ہوگئی۔

فسانہ کا پلاٹ تو اب مکمل تھا، مگر جمالی کو فرصتِ انشا نہ تھی، وہ اس افسانہ کو اب کاغذ پر تحریر کرنے کے بجائے صفحۂ عالم پر ثبت کر رہا تھا۔

ل۔ احمد

فرانس کی ایک شہید حریت خاتون

(میڈم رولینڈ)

یہ خاتون اُن چند نفوس انسانی میں سے ہے جن کے کارنامے صفحات تاریخ پر ہمیشہ کے لئے منقوش ہیں اور امتداد زمانہ کے اثر کو قبول نہیں کر سکتے۔

انقلاب فرانس میں جن دماغوں نے کام کیا، گو وہ کتنے ہی کثیر کیوں نہ ہوں اور اُن میں سے کسی مخصوص ہستی کو تفوق و امتیاز دینا خواہ کتنا ہی دشوار کیوں نہ ہو لیکن جنس نازک کے لئے یہ امر ضرور قابل فخر و ناز ہوسکتا ہے کہ انہیں چند ہستیوں میں سے جنہوں نے فرانس کے تخت استبداد کو اُلٹ دینے میں غیر معمولی حصہ لیا، ایک خاتون (میڈم رولینڈ) بھی تھی جو آزادی کے دیوتا پر نہایت مسرت کے ساتھ اپنی قربانی چڑھا کر آنے والی نسلوں کے لئے اک بیش بہا درس بصیرت چھوڑ گئی۔

ایک عورت اور وہ بھی حسین، بجائے خود ایک ایسی چیز ہے جو بلا کسی نمایاں سبب کے دنیا میں انقلاب بپا کرسکتی ہے، چہ جائے کہ ایک مصلح کی حیثیت سے اس کا بے حجاب ہوجانا کہ اس وقت اس کا جمال ایک مقدس آگ بن جاتا ہے اور دنیا میں مشکل سے یہ آگ کبھی بجھائی جاسکتی ہے۔

یہ سنہ ۱۷۵۴ء میں بمقام پیرس پیدا ہوئی اور میری جین اس کا نام رکھا گیا۔ اس کا باپ اک معمولی حیثیت کا انسان تھا اور نقاشی و بت سازی اس کا آبائی پیشہ تھا۔

چونکہ میری جین فطرتاً حد درجہ طباع و ذہین تھی اس لئے قبل از وقت اس کی عقل پختگی کو پہونچ گئی، اور نہایت کمسنی سے ادبی ذوق اس کا نمایاں ہونے لگا، نو سال کی عمر میں تمام فنون متداولہ حاصل کر لئے۔ اور پلوٹارک و اوسو کی تحریرات کو حد درجہ دلچسپی سے پڑھنے لگی۔ اسنے خود لکھا ہے کہ "پلوٹارک کی تحریریں حقیقتاً میرے لئے غذائے روح تھیں

اور میں اس زمانہ کو کبھی نہیں بھول سکتی جب نو سال کی عمر میں گرجا کے اندر بجائے انجیل کے میں لنٹ کو لیا کرتی تھی۔ یہی زمانہ ہے جب میرے اندر جمہوریت کے جذبات پیدا ہونے لگے تھے"۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ پلوٹارک کی تحریریں اس کے اندر جذبات حریت پیدا کر رہی تھیں، لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ان جذبات میں زندگی پیدا کی روسو کے مقالات نے جو اس وقت فرانس کے لٹریچر میں اک جدید مذاقِ انقلاب پیدا کر رہے تھے۔

اسے روسو کا انداز تحریر اس قدر پسند تھا کہ جب حالت قید میں اسنے اپنے حالات لکھے ہیں تو روسو کی طرح بلا کم و کاست اپنے تمام حالات نہایت صفائی سے ظاہر کر دیئے۔ چنانچہ وہ ایک جگہ اپنی شکل و صورت کے بیان میں لکھتی ہے کہ :۔ " چودہ سال کی عمر میں میرا قد ۵ فٹ کا تھا، میرے پاؤں اور پنجے بہت سڈول تھے، سینہ چوڑا اور چھاتیاں بھری ہوئی تھیں، میری رفتار میں ایک خاص شان تھی، اور میرے قدم چلنے میں سبک پڑتے تھے اور جلدی جلدی۔ میرے چہرہ میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی سوائے اس کے کہ رنگ میں بہت تازگی و شگفتگی تھی۔ دہانہ بڑا تھا لیکن لبوں کا تبسم صد درجہ دلکش و شیریں تھا، آنکھیں زیادہ بڑی نہ تھیں لیکن ان میں وحشت و شوخی بدرجہ غایت پائی جاتی تھی، ابرو کی نقاشی بہت نازک اور پر خم تھی جس میں جذبات کے لحاظ سے مختلف انداز کے بل پڑ جاتے تھے، پیشانی کشادہ و حسین تھی۔ جلد نرم و نازک تھی، بازو گول تھے، انگلیاں نرم اور نازک، دانت سفید تھے اور نہایت خوبصورت۔ الغرض میں اپنی تمام خلقت کے لحاظ سے صرف اس لئے وضع ہوئی تھی کہ دنیا میں عیش و مسرت کی زندگی بسر کروں"۔

اسی طرح اسنے اپنے شوہر موسیو رولینڈ کے حالات بھی لکھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی صورت و شکل کے لحاظ سے قابل امتیاز نہ تھا، لیکن اسکی جو ادا اس کے نزدیک مقبول تھی وہ اس کی گفتگو کا فلسفیانہ انداز تھا، جو اپنے اندر اک عالمانہ شان رکھتا تھا میڈم رولینڈ لکھتی ہے کہ "شادی ہونے کے بعد میں نے تمام حالات کا اندازہ کر کے یہ فیصلہ کر لیا کہ صرف اپنے شوہر کے ساتھ تنہائی میں زندگی بسر کر دینا میری حیات کو تلخ بنا دیگا اسلئے میں اپنے شوہر کے ساتھ دنیا کے ہنگامہ میں مل گئی"۔

چونکہ رولینڈ گرونڈسٹ طبقہ کے خاص خاص لوگوں سے تعلق رکھتا تھا اور اس درمیان میں بیسٹل کے سقوط سے انقلاب کی لہر زیادہ سرعت کے ساتھ دوڑ گئی تھی اس لئے میڈم رولینڈ اس جماعت میں شامل ہوگئی۔ جہاں اس کی دلکش شخصیت، اس کی ادبی قابلیت اور اسکی غیر معمولی ذہانت نے بہت جلد ایک نمایاں امتیاز حاصل کر لیا اور اس کا مکان اس انقلاب پسند جماعت کا جولانگاہ بن گیا۔

اس جماعت کے تمام سربرآوردہ لوگ ہفتہ میں چار مرتبہ اس کے مکان پر جمع ہوتے تمام مسائل حاضرہ پر گفتگو کرتے اور اس حسین خاتون کے مشورہ کے مطابق اپنی سیاسی تدابیر کو استوار کیا کرتے جن میں سے بعض حد درجہ خطرناک ہوتی تھیں۔

جب ۱۷۹۲ء میں بادشاہ مجبور ہوا کہ گرونڈ جماعت کے ہاتھ میں عنان وزارت سپرد کردے تو رولینڈ وزیر داخلہ مقرر ہوا اور ہرچند یہ خدمت نہایت اہم، مشکل اور پیچیدہ تھی لیکن میڈم رولینڈ نے اپنے شوہر کی تمام خدمات کا بار اپنے سر لے لیا اور حقیقتاً وزارت داخلہ کے تمام بہترین کارنامے جو رولینڈ سے منسوب ہو سکتے ہیں، اسی خاتون کے نتائج دماغ ہیں۔

گرونڈسٹ جماعت وہ جماعت تھی جو انقلاب فرانس کے دوران میں دیمقراطی اصول کی طرفدار تھی اور اس کے زیادہ ذمی اثر ممبر وہ تھے جو صوبہ گرونڈ کے نمایندے تھے (اسی لئے انھیں گرونڈسٹ کہتے ہیں) رفتہ رفتہ ان کا اثر فرانس میں اس قدر بڑھا کہ لوئی شانزدہم کو وزارت اسی جماعت کے سپرد کر دینی پڑی۔ لیکن چونکہ ملک کے جذبات میں ہیجان پیدا ہو چکا تھا اور انارکزم عام ہوتی جاتی تھی، اس لئے گرونڈسٹ طبقہ جو یک گونہ بادشاہ کے وجود کو غیر ضروری سمجھتا تھا، غیر مقبول ہونے لگا اور ہرچند بعد کو انہوں نے بادشاہ کی معزولی اور اس کے بجائے ایک جماعت انتظامی کے قیام کی تجویز کو پیش کیا لیکن وہ انقلابی روح جو پیدا ہو چکی تھی کسی طرح محو نہ ہوسکی اور آخر کار اس ساری جماعت کو موضوع تشدد ہونا پڑا جس میں میڈم رولینڈ بھی شامل تھی۔

جب اس سلسلہ میں رولینڈ گرفتار ہوکر بھاگ گیا تو میڈم رولینڈ گرفتار کرکے محبس میں پہونچائی گئی جہاں اوسی پانچ مہینہ تک رہنا پڑا اول اول یہ زنانہ محبس کی ایک کوٹھری میں بند کی گئی لیکن

اُسنے مطلق پروا نہیں کی اور اپنے ایام قید حد درجہ مسرت و طمانیت کے ساتھ بسر کرنے لگی۔ یہاں یہ کتابیں دیکھتی تھی اپنے حالات مرتب کرتی تھی اور نہایت اطمینان سے اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کی منتظر تھی، چونکہ اس سے قبل اس کے تمام ساتھیوں کو سزائے موت دی جا چکی تھی اس لئے اُسنے اپنے متعلق بھی معلوم تھا جو کچھ ہونے والا تھا، مگر اسے کوئی خوف و ہراس نہ تھا اور وہ زنداں میں اس طرح زندگی بسر کر رہی تھی، جیسے کسی ڈرائنگ روم میں۔

جس دن اس کے ساتھیوں کو سزائے موت دی گئی، اس کے دوسرے دن (یکم نومبر ۱۷۹۳ء) وہ بھی اس محبس میں منتقل کر دی گئی، جہاں اس کے ساتھی مقید تھے۔ یہاں یہ ۶ دن تک رہی اور اس درمیان میں دو مرتبہ وہ عدالت میں گئی اور اس کے خلاف شہادت کی سماعت ہوئی جس دن آخری سماعت ہوئی جس دن شام کو ایک نوجوان وکیل جس نے اس کی طرف سے نہایت پر جسارت جوابدہی کی تھی اسکو تسلی دینے آیا، اور کہا کہ کل پھر ملاقات ہوگی میڈم رولینڈ نے نہایت خاموشی سے اپنی ہاتھ کی انگوٹھی اتار کر اسکو دی اور کہا کہ آپ میری طرفداری کرکے اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں اور نہ مجھ سے آپ ملنے کی کوشش کریں کیونکہ کل تو میں زندگی کے تمام رشتے قطع کرکے ابدیت سے وابستہ ہو جاؤں گی"

دوسری صبح جب وہ اٹھی تو اسنے سفید ملبوس پہنا کمر میں سیاہ مخملی پٹی باندھی اور کمر تک اپنے بالوں کو کھولے ہوئے ایک نورانی فرشتہ کی طرح سزائے موت کا حکم سننے کیلئے روانہ ہوئی۔ اس کے چہرہ پر تازگی تھی، لبوں پر تبسم تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی حیات کا بہترین فرض انجام دینے جا رہی ہے۔ جب موت کا حکم سننے کے بعد وہ مقتل میں پہونچائی گئی تو تمام لوگوں پر سکوت طاری تھا اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر متاثر تھا، لیکن وہ بدستور مسرور تھی اور نہایت مطمئن قدموں کے ساتھ قتل گاہ پر جا رہی تھی۔

اسکے ساتھیوں میں سے ایک اور شخص کو سزائے موت دی گئی تھی جو اسکے ساتھ تھا لیکن وہ سخت متاثر تھا، اپنے لئے نہیں بلکہ میڈم رولینڈ کے لئے، اور وہ بے انتہا مضطرب تھا کہ میڈم رولینڈ کو ذبح ہوتے ہوئے وہ کیونکر دیکھ سکیگا۔ میڈم رولینڈ نے اس بات کا اندازہ کرکے جلاد سے کہا کہ پہلے اس ضعیف آدمی پر اپنے حربہ کا استعمال کرے اور وہ غالباً انکار کر دیتا اگر وہ اس سے مسکرا کر نہ کہتی

گز نہیں نہیں، مجھے یقین ہے کہ تم ایک خاتون کی آخری التجا کو ضرور پوری ہو گے"

میڈم رولینڈ نے نہایت عزم و ثبات کے ساتھ اس کا قتل ہونا دیکھا اور اسکے بعد وہ خود بڑھی، لیکن قبل اسکے کہ تلوار اس کے سر کو تن سے جدا کرتی، اس نے مجسمۂ آزادی سے جو سامنے نصب تھا خطاب کر کے کہا کہ

"اے آزادی کی دیوی تجھے بھی کچھ خبر ہے کہ تیرے اوپر اس سے قبل کتنی انسانی قربانیاں چڑھ چکی ہیں اور آیندہ اور کتنی قربانیاں چڑھیں گی"

وہ یہ جملہ ختم ہی کر چکی تھی کہ اس کا سر تن سے جدا تھا اور خون کا فوارہ چاروں طرف کی زمین کو رنگین بنائے ہوئے تھا۔

محمد عاقل (متعلم ایم۔ سی۔ کالج) الہ آباد

اگر آپ چاہتے ہیں

کہ **نگار** ۱۰۰ صفحات پر مصور شائع ہو، تو آپ اپنے حلقۂ تعارف میں کم از کم ایک خریدار پیدا کرنے کی کوشش کیجئے۔ دنیا میں کام ہمیشہ اجتماعی قوت سے طے پاتے ہیں اور کامیابی کا اصل راز صرف تعاون ہے، اس لئے آئیے ہم آپ عہد کریں کہ آپ اسباب ترقی فراہم کرنے میں سعی فرمائیں گے اور ہم ان اسباب سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

نگار ۶ ماہ کے لئے مفت

آپ نگار کی پہلی جلد (فروری سنہ ۲۲ء تا جولائی سنہ ۲۲ء) ہمارے پاس بھیجدیجئے اور مزید ۶ ماہ کے لئے بغیر کسی معاوضہ کے اپنی میعاد خریداری میں توسیع پیدا کر لیجئے۔

یا

صرف جون و جولائی سنہ ۲۲ء کے جتنے پرچے آپ بھیج سکتے ہیں، وہ ہمارے پاس بحساب ایک روپیہ فی پرچہ ذریعہ وی۔ پی بھیجکر دو چند قیمت وصول کر لیجئے۔

مینجر نگار۔ بھوپال

استفسار و جواب

(۱)

(فضل احمد ـ سارن)

آپ نے جنوری کے نگار میں بسلسلۂ استفسار و جواب، شیخ جی طاہر صاحب کے سوال کا جواب دیتے ہوئے خود ہی یہ سوال پیدا کر دیا ہے کہ حضرت آدم کونسی زبان استعمال کرتے تھے۔ کیا آپ مہربانی فرما کر اس کا جواب خود ہی مرحمت فرمائیں گے؟

(نگار) آپ نے حقیقتاً میرے جواب سے وہ مفہوم پیدا کیا ہے جو بالکل "ما لا یرضی بہ قائلہ" کی تحت میں آتا ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اس سوال نے اب ذرا سنجیدہ پہلو اختیار کر لیا ہے اور مجھے اب بغیر کسی پس و پیش کے اس کا ایک قطعی جواب دیدینا چاہئے۔

سنئے۔ اگر حضرت آدم سے مراد آپ کی وہ مذہبی ہستی ہے جو ایک زمانہ غیر معلوم تک جنت میں رہنے کے بعد وہاں سے علٰحدہ کی گئی، اور اس واقعہ کو بغیر کسی تاویل کے آپ بالکل اسی طرح سچ سمجھتے ہیں جس طرح عام طور سے بیان کیا جاتا ہے تو میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے کہ حضرت آدم، حوا سے کس زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ (ع) بیا کہ ما سپر انداختیم اگر جنگ است۔

لیکن اگر حضرت آدم سے مراد آپ کی اولین انسان ہے، تو بیشک میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس کی زبان کوئی نہ تھی اور دنیا میں کسی زبان کے پیدا ہونے تک خدا معلوم زمین اور اہل زمین پر کتنے اور کیسے دور گذر گئے۔ اس لئے اگر کوئی شخص سوال کرنا چاہتا ہے تو اسے صرف یہ دریافت کرنے کا حق حاصل ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے کون سی زبان پیدا ہوئی؟

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک یہ بالکل پردہ خفا میں ہے کہ اولین زبان دنیا کی کونسی ہو سکتی ہے اور یہ مسئلہ تاریخ کے نہایت مشکل مسائل میں شمار کیا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ سب سے پہلے کلدانی زبان پیدا ہوئی، کیونکہ اس قطعۂ زمین کی زبان تھی، جہاں انسان سب سے پہلے پیدا ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ لغت عبرانی، قدیم ترین لغت ہے اور ہندوؤں کا خیال ہے کہ ویدوں کی زبان سے زیادہ پرانی زبان اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ بہر حال مشرق کا ہر ملک اس کا مدعی ہے

کہ کسی زبان کو اولیت کا فخر حاصل ہے لیکن اگر انصاف سے کام لیا جائے تو ان میں سے کسی کا دعوے قابل اعتبار قرار نہیں پا سکتا، کیونکہ قبل تاریخ جس قدر زمانہ گزر چکا ہے، اس کا حال ہمیں مطلقاً معلوم نہیں ہے اور اسلئے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دنیا کی نہ صرف اولین زبان، بلکہ اس کے بعد بھی، خدا جانے کتنی زبانیں بن بنکر محو ہو گئیں، جن کا حال آج کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔

اب رہا وہ زمانہ جسکی تاریخ ہمیں معلوم ہے، سو، یہ امر میری طرح آپ پر بھی روشن ہے کہ دنیا میں قدیم ترین تہذیب (جسکا حال ہمیں معلوم ہو سکا ہے) مصر و بابل کی تہذیب تھی اور وہیں کی زبان قدیم ترین زبان تسلیم کی جا سکتی ہے اور یہ بھی اس صورت میں جب ۰۰۰۰ برس قبل مسیح ذکر نہ کریں، ورنہ وہاں پھر تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے۔

۲

(احسن رضا - مراد آباد)

بالشویزم کی موجودہ تحریک کا یہ پہلو کہ اس میں مالی حالت سب کی یکساں ہو جاتی ہے، آپکے نزدیک کیسا ہے؟ اور کیا یہ تحریک کوئی جدید چیز ہے؟

(نگار) یہ تحریک جدید نہیں ہے بلکہ اشتراکیت کی بھی اصل روح یہی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ بظاہر یہ خیال کہ ملک کی دولت سب میں برابر تقسیم ہو جائے نہایت دلچسپ و مفید نظر آتا ہے، خصوصاً غریبوں کے لئے جو اہل دولت و ثروت کے محکوم بنے ہوئے ہیں، لیکن اسمیں بھی کلام نہیں ہو سکتا کہ یہ تحریک ہی نوامیس طبیعت کے خلاف

اگر "لیس للانسان الا ما سعیٰ" کے اصول کو پیش نظر رکھکر بعض ان صاحبان جاہ و ثروت کی دولت کو قابل اعتراض قرار دیا جائے جنہوں نے کوئی محنت نہیں کی ہے بلکہ محض ترکہ میں بغیر کسی جانفشانی کے حاصل کی ہے تو البتہ ایک بات ہو سکتی ہے، مگر اسی کے ساتھ یہ تو دیکھئے کہ فطرت کا اقتضا کیا ہے۔ کیا آپ نے ایسی مثالیں نہیں دیکھیں کہ بعض والدین اپنی اولاد کے لئے سوائے امراض و تنگدستی کے ترکہ میں کچھ نہیں چھوڑتے اور یہ ترکہ اولاد کو مجبوراً قبول کرنا پڑتا ہے پھر یہ کیسی ناانصافی ہے کہ والدین کے خراب ترکہ کو قبول کرنے کے لئے تو اولاد مجبور ہو اور بہتر ترکہ سے فائدہ نہ اٹھانے دیا جائے۔ علاوہ اسکے اگر آج دنیا کی ساری دولت سب آدمیوں میں برابر تقسیم کر دی جائے تو آپ دیکھیں گے

کہ چند دن میں وہ توازن پھر مفقود ہوگیا ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگ اپنی خواہشات و داعیات نفس پوری کرنے کے لئے اپنی دولت پھر دوسروں کو دیں گے اور پھر یکسانیت کا فقدان ہو جائے گا دنیا کا ہنگامہ اور اسکی ساری رونق قائم ہے صرف مسابقت (ایک دوسرے سے بڑھ جانے کے ولولہ) پر اور یہ ولولہ اسی وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک معیشت و معاشرت جاہ و ثروت، علم و دولت کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، جیسا کہ فضلنا بعضکم علی بعض سے ظاہر ہے اور نہ دنیا میں ترقی کا مفہوم غو ہو کر رہ جائے اور نظام تمدن کا شیرازہ منتشر۔

معلومات

مجسم تصاویر متحرکہ اہل امریکہ نے ایک دوربین "اسٹیریسکوپ" ایسی اختراع کی ہے جس سے تصویریں مجسم نظر آتی ہیں۔ انسان اشیا کو مجسم اس لئے دیکھتا ہے کہ اسکی دونوں آنکھیں ایک ہی منظر کو دو مختلف زاویوں سے پیش کرتی ہیں، اس لئے اگر ہم کسی منظر کی دو تصویریں (آنکھوں کے زاویہ کا لحاظ رکھتے ہوئے) دو مختلف زاویوں سے لیں اور ان دونوں تصویروں کو باہم ملا کر اس دوربین سے دیکھیں تو منظر بالکل مجسم اور اصلی معلوم ہوتا ہے۔

تجویز پیش ہے کہ اس دوربین کو سینما کی دنیا میں منتقل کر دیا جائے تاکہ تماشائی مجسم تصاویر متحرکہ دیکھ سکیں، چنانچہ اس غرض کے لئے انھوں نے یہ تدبیر اختیار کی ہے کہ ہر کرسی کے سامنے یہ دوربین نصب کر دی جائے اور ہر دیکھنے والا اسی آلہ کے ذریعہ سے تصاویر کو دیکھے۔ اس آلہ میں ایک ایک ایسا متحرک پردہ لگایا گیا ہے جو ہر تصویر کے جوڑے کے ساتھ دو مرتبہ کھلتا اور بند ہوتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ دیکھنے والا داہنے زاویہ سے کھینچی ہوئی تصویر کو صرف داہنی آنکھ سے دیکھ سکے اور بائیں زاویہ سے لی ہوئی تصویر کو بائیں آنکھ سے، تاکہ تصویر مجسم نظر آئے۔

روشن دستانے ہالینڈ کی حکومت نے اپنے محکمہ پولیس کے تمام افراد کو کہربائی دستانے تقسیم کئے ہیں جن کو پہن لینے کے بعد ہر ہات سے چار بتیوں کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔

اس سے مقصود یہ ہے کہ سڑکوں اور گلیوں میں آنے جانے والوں کو حسب ضرورت اچھی طرح

پہچان ہوجائے۔ اور لالٹین رکھنے کی زحمت باقی نہ رہے جو علاوہ بھاری اور بھدی ہونے کے اس قدر مفید، لطیف روشنی بھی پیدا نہیں کرسکتی۔

بینائی زائل کردینے والی شعاعیں | جس وقت آفتاب کی روشنی منشور بلوری (بلور کے سہ پہل ٹکڑے) میں تحلیل ہوتی ہیں تو ہمیں سات رنگ نظر آتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ سات رنگ کی شعاعیں الگ الگ ہم تک پہونچتی ہیں۔ چنانچہ انہیں سات رنگ کی شعاعوں میں ایک شعاع ایسی بھی ہوتی ہے جس کا رنگ "فوق البنفسجی" (یعنی بنفشی رنگ کی شعاعوں سے اوپر کا) کہلاتا ہے۔

یہ شعاع جس طرح مسئلہ حیات میں بہت موثر ہے، اسیطرح ضعف نظر و ازالہ بصارت کا باعث بھی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کزیبا کا بیان ہے کہ یہی وہ شعاعیں ہیں جو آنکھ کے لنس (عدستہ العین) کو غیر شفاف بناکر نگاہ کو ضعیف کردیتی ہے۔

چونکہ آنکھ کا لنس ایک جامد چیز ہے جس کا تعلق اعصاب سے بالکل نہیں ہے، اس لئے ان شعاعوں کی وجہ سے جو دھندلاپن پیدا ہوتا ہے اسے طبیعت انسانی دور نہیں کرسکتی ڈاکٹر موصوف کے اس نظریہ کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ آنکھ کے لنس میں دھندلاپن ہمیشہ نیچے کی طرف سے شروع ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ روشنی جب آنکھ کی طرف پہونچتی ہے تو وہ ہمیشہ الٹی ہوتی ہے۔ یعنی اس اصول کی بنا پر اس رنگ کی شعاعیں ہمیشہ لنس کے نیچے حصہ پر پڑتی ہیں۔

انگوٹھے کا نشان اور نفسیات | تمام دنیا کے محکمۂ پولیس میں انگوں کے نشانات سے مجرموں کی شناخت کرنے کا رواج عام ہوگیا ہے کیونکہ ہر شخص کے انگوٹھے کا نشان دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، لیکن حال ہی میں ایک جرمنی ڈاکٹر نے ثابت کیا ہے کہ جس طرح ہر ہر فرد بشر کا نشان علحدہ ہوتا ہے اسی طرح ہر ہر ملک اور ہر ہر قوم اور ملک بلکہ ہر خاندان کے نشانات انگشت ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر موصوف کا دعویٰ ہے کہ ان نشانات سے ایک شخص کی ذہنی و نفسیاتی حالت کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے اور قبل ولادت والدین کے نشانات سے یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ پیدا ہونے والا بچہ کی ذہنی حالت کیسی ہوگی۔

اسی طرح زمانہ حال کے ماہرین تفتیش جرائم کا دعویٰ ہے کہ وہ صرف ایک بال کو دیکھ کر بتا سکتے ہیں

کہ انسان کی کیا عمر ہے وہ کس قوم سے متعلق ہے اور اسکی صحت جسمانی و حالت دماغی کیسی ہے، یہ لوگ بال کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے خردبین سے دیکھتے ہیں اور اسکی ساخت سے جو بظاہر بالکل سادہ لیکن حقیقتاً پیچیدہ ہوتی ہے وہ بہت سی ایسی باتیں معلوم کر لیتے ہیں جن کو یوں محض ظن و قیاس سے کبھی دریافت نہیں کر سکتے۔

فوٹوگرافی کے ذریعہ سے مجسمہ سازی ایک انگریز نے مجسمہ سازی کی بالکل نئی ترکیب اختیار کی ہے یعنے اسنے فوٹوگرافی اور میکانکی طریقہ کو باہم ملاکر مجسمہ بنانا بہت سہل کر دیا ہے۔ وہ اُس آدمی کو جس کا مجسمہ یا بت طیار کرنا مقصود ہوتا ہے ایک شفاف شیشہ کے سامنے بٹھاتا ہے جس میں گراموفون کی پلیٹ کی طرح دائرہ دار خطوط ہوتے ہیں، اور پھر میجک لینٹرن کی روشنی، تصویر کے کیمرہ کے اندر سے اس کے چہرہ پر ڈال کر اسکی تصویر لیتا ہے اور اس تصویر کے ساتھ ایک میکانکی برما بھی چلتا رہتا ہے لیکن چونکہ وہ دائرہ دار خطوط بھی اسکی صورت کے ساتھ تصویر میں منتقل ہوتے ہیں اور چہرہ کی سطح نابرابر ہونے کی وجہ سے ان خطوط کا فصل بھی اسی نسبت سے گھٹتا بڑھتا ہے اس لئے وہ برما اسی نسبت سے پتھر یا لکڑی وغیرہ پر جہاں عکس پڑتا ہے اپنا کام کرتا رہتا ہے، یہاں تک مجسمہ طیار ہو جاتا ہے۔

ملیریا دور کرنے کی نئی ترکیب یہ بات پایہ تحقیق کو پہونچ گئی ہے کہ ملیریا کے جراثیم مچھروں کے ذریعہ سے منتشر ہوتے ہیں اور تاوقتیکہ مچھروں سے دنیا پاک نہ ہو جائے گی، ملیریا کا ازالہ ناممکن ہے۔ چونکہ مچھر ہمیشہ ٹھیرے ہوئے پانی میں انڈے دیتا ہے اس لئے اس کے دفع کرنے کی تدبیریں اس وقت تک دو ہی سمجھ میں آئی ہیں ایک یہ کہ تمام قرب وجوار کے گڑھوں اور چھوٹے چھوٹے تالابوں کو جن کا پانی ٹھیرا ہوا ہے خشک کر دیا جائے اور اگر یہ ممکن نہیں تو مٹی کا تیل پانی سطح پر چھڑک دیا جائے لیکن چونکہ مٹی کا تیل چھڑکنا مچھلیوں کے لئے ہلاکت آفریں ہے اسلئے یہ طریقہ ممکن العمل نہ رہا۔ اب جنوبی امریکہ میں ایک نئی تدبیر یہ نکالی ہے کہ شہر کے تالابوں میں انھوں نے ایک ایسی مچھلی کی نسل بڑھا دی ہے جو مخصوص طور سے مچھر کھانے کی بہت شائق ہے جسوقت پیرو میں ملیریا پھیلا تو تقریباً تین لاکھ ایسی مچھلیاں انگلستان سے منگوا کر تالابوں میں ڈلوا دیں اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ملیریا بالکل جاتا رہا۔

حافظ امام الدین پبلشر نگار نے باہتمام خواجہ صدیق حسین مطبع آگرہ اخبار آگرہ میں چھپوا کر شائع کیا

نگار ایجنسی کی کتابیں

تصانیف مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

تاریخ الامت آغاز اسلام سے امت اسلامیہ کی معتبر تاریخ ہے اور قومی تعلیم کے نصاب میں داخل ہے اسکے تین حصہ ہیں حصہ اول رسول اللہ کی مکمل سیرت قیمت فی مجلد عہ حصہ دوم خلافت راشدہ کی مفصل تاریخ ۱۲ حصہ سوم خلافت بنی امیہ کے حالات عہ۔

حیات حافظ۔ خواجہ حافظ شیرازی کی سوانح عمری اور ان کی شاعری پر عالمانہ تبصرہ بعض فال کے تاریخی حالات قیمت عہ

حیات جامی۔ مولانا جامی کے حالات انکی تصانیف پر تنقید اور ان کی شاعری پر بحث قیمت ۸ر

کلام جوہر۔ نہایت خوبصورت اور حسین تقطیع پر ہے اور مولانا محمد علی جوہر کی تصویر بھی ہے قیمت ۴ر

تصانیف خواجہ کمال الدین صاحب

راز حیات یا انجیل عمل۔ مسلمانوں کا وطن ساری دنیا ہے اور یہی اس کتاب میں بتایا ہے قیمت مجلد عہ غیر مجلد ۵ر

توحید فی الاسلام اخلاق فاضلہ کی آبیاری کیلئے نہایت موثر طریق سے مسلمانوں کی ہر شعبہ زندگی پر نظر قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ

براہین نیرہ۔ اس میں مصنف نے موجودہ تہذیب پر تنقیدی اور منطقی بحث کی ہے قیمت مجلد عہ غیر مجلد ۱۲ر

ام الالسنہ۔ اس میں عربی کو الہامی زبان ثابت کیا گیا ہے قیمت مجلد عہ غیر مجلد ۱۲ر

اسوۂ حسنہ۔ اس میں زندہ و کامل نبی کے حالات بحیثیت انسان کامل پیش کئے گئے ہیں قیمت مجلد ۱۴ر غیر مجلد ۸ر

سلک مروارید۔ دس تقریروں کا مجموعہ ہے جو ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۲ء تک اسلام کے ثبوت حقانیت میں مختلف مقامات پر کیگئی ہیں قیمت

اسلام میں کوئی فرقہ نہیں لا یجتمع امتی ۲ د قال ۲ مۃ محمد علی ضلالۃ اور اختلاف امتی رحمۃ کی دلچسپ تفسیر قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ۔

مطالعہ اسلام۔ اسلام کے ساتوں اصول کی فلسفیانہ اور محققانہ تفسیر کیگئی ہے قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ

قطبات عربیہ۔ دو تقریروں کا مجموعہ ہے علیحدہ علیحدہ بھی ملتا ہے اور مکمل سٹ بھی فی تقریر ۲ر اور مکمل سٹ مجلد عہ غیر مجلد ۱۲ر

مکالمات ملکیہ۔ مخالفین اسلام سے بحث کرنے کے لئے بنظیر کتاب ہے قیمت مجلد عہ غیر مجلد ۱۲ر

صلائے نصرت۔ فارسی نظم ہے جو انگلستان جاتے ہوئے خواجہ کمال الدین صاحب نے لکھی تھی قیمت مجلد ۸ر غیر مجلد ۶ر

ذرات عالم کا مذہب۔ اس کتاب میں ضرورت مذہب نہایت فلسفیانہ طریقہ پر ثابت کیا گیا ہے قیمت ۸ر

مسیح کی الوہیت۔ مسیح کی کامل انسانیت پر ایک نظر قیمت ۴ر

اسلام اور علوم جدیدہ۔ وہ تقریر ہے جو دہلی میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں پڑھی گئی تھی بنظیر تاریخی تحقیق کا خطبہ قیمت ۴ر

ضرورت الہام۔ سائنٹفک طریقہ پر الہام کا ثبوت قیمت مجلد عہ غیر مجلد ۱۲ر

تصاویر نومسلمان۔ انگلستان کے نومسلموں کی تصویریں ہیں جنکے دیکھنے سے اثرات اسلام ظاہر ہوتے ہیں مکمل سٹ عہ فی فوٹو ۱ر

دیگر مصنفین

انوار محمدیہ مجلد ۱؎ غیر مجلد ۱؎ تفسیر سورہ فاتحہ مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ۱؎ میلاد النبی ۲؎ شہدائے ثلاثہ میر حسین صاحب قدوائی ۲؎ قرآن اور جنگ مولوی صدر الدین صاحب ۱؎ سیرت النبوی ۵؎

تصانیف علیا حضرۃ بیگم صاحبہ فرمانروائے بھوپال

معیشت - امور خانہ داری اور تدبیر منزلی پر نہایت سلیس زبان میں ایک مفصل بحث ہے ۵۲۴ صفحہ قیمت ۱۲؎ -

معاشرت - معیشت کا دوسرا جزو ہے جس میں معاشرت پر بہت تفصیل سے بحث کیگئی ہے اور قریب قریب زندگی کی ہر فرد پر حاوی ہے ۲۹۲

ہدیۃ الزوجین - میاں بیوی کے حقوق اور اُن کے فرائض و اختیارات پر مبسوط بحث قیمت ۱؎

مقصد ازدواج - ازدواج کی ضروری ہدایتیں اور متاہل دونوں نوع کی زندگی کیلئے اور غیر متاہل کار آمد و مفید قیمت ۸؎

ہدایات تیمارداری - اردو زبان میں اس فن پر یہ پہلی تصنیف ہے جس میں بیمار کی حفاظت اور تیمارداری کے طریقے نہایت عمدہ پیرایہ میں

تربیت اطفال - یہ موضوع عورتوں کیلئے جسقدر اہم ہے اسیقدر واضح یہ تصنیف ہے اور ہر صاحب اولاد ماں باپ کو دیکھنا چاہئے قیمت ۸؎

حفظ صحت - حفظان صحت کے اصول کو نہایت آسان اور عام فہم زبان میں سمجھایا گیا ہے قیمت ۳؎

بچوں کی پرورش - ہندوستان کی اُن ماؤں کے لئے جو اپنے بچوں کو توانا و تندرست دیکھنا چاہتی ہیں اس کتاب کا دیکھنا ضروری ہے قیمت ۱۲؎

ہندوستانی گھروں میں تیمارداری - انڈین ہوم نرسنگ کا ترجمہ ہے جس میں تیمارداری کے تمام کار آمد اور ضروری طریقے بتائے ہیں قیمت ۱؎

تندرستی - جس طرح زندگی بغیر تندرستی کے بیکار ہے اسیطرح تندرستی کا قیام ایسی کتابوں کے دیکھنے سے ہوتا ہے قیمت ۱؎

سبیل الجنان - مذہبی تقریروں کا مجموعہ ہے جس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، پر مدلل اور مفصل بحث ہے قیمت ۱۲؎ -

عفت المسلمات - پردہ جو موجودہ زمانہ میں ایک دلچسپ اور موضوع بحث ہے۔ اس پر مفصل تبصرہ اور محکم فیصلہ عمدہ زبان میں لکھا گیا ہے

مدارج القرآن - قرآن مجید کے متعلق بچوں عورتوں اور عام لوگوں کے لئے ضروری اور کار آمد معلومات درج ہیں۔ قیمت ۱؎ -

سیرت مصطفےٰ - لیڈیز کلب میں اس موضوع پر جسقدر تقریریں ہوئی ہیں اُن سبکو اسمیں جمع کر دیا گیا ہے قیمت ۱؎

باغ عجیب - اول، دوم، سوم، تین حصہ ہیں اور قیمت ۸؎ - ۱۲؎ - ۴؎ ہے ان میں بچوں کو محاسن اخلاق کی تعلیم دیگئی ہے

اخلاقی سلسلہ - اس سلسلہ کے اول، دوم، سوم، چہارم چار حصے ہیں اور ایک پانچواں حصہ تہذیب زندگی کے نام سے موسوم ہے۔

مسلک تہوار - مسائل نسوان پر تمام تقریروں کا مجموعہ ہے اور اپنے انداز بیان کے اعتبار سے نہایت دلچسپ - ۱؎

تہذیب نسواں - یہ نواب شاہجہان بیگم صاحبہ خلد مکان کی تالیف ہے جسکو حضور سرکار عالیہ نے بہ نظر ثانی فرما کر بہت کار آمد و مفید اضافہ فرمائے ہیں قیمت ۱؎

تصانیف علیا جناب میمونہ سلطان شاہ بانو

آغاز اسلام - علامہ شبلی مرحوم کی کتاب بدء الاسلام کا نہایت نفیس و سلیس ترجمہ قیمت ۸؎

ذکر مبارک - تاریخ اسلام کا پہلا حصہ ہے، جسکی خوبی اس سے ظاہر ہے کہ علیگڈھ اور حیدرآباد و بھوپال میں زنانہ کورس میں داخل ہے۔ قیمت ۵؎

خلافت راشدہ - تاریخ اسلام کا دوسرا حصہ ہے جس میں خلافت کے تمام اہم واقعات درج ہیں زبان عام فہم اور عمدہ ہے

سلک مروارید - اول دوم دو حصہ ہیں اور قیمت ۱؎ اور ۲؎ اکابر اسلام کی تاریخی حکایات جمع کیگئی ہیں بچوں کی اخلاقی تعلیم کے لئے کار آمد۔

مشہور ٹسری اور ریشمی صافے

اعلیٰ درجہ کے ٹسری اور ریشمی صافے
مختلف وضع و موجودہ زمانہ کے
خیال اور مذاق کے موافق طیار ہیں
اگر ضرورت ہو تو ذیل کے پتہ سے طلب کریں

مولوی کبیر احمد خاں برادر زر بہا گلیو سیٹی

مُفت راحت گفت

شفاخانہ زاہدی یونانی و امرت فارمیسی باسودہ

مفیتہ لوٹیں مزے اور ناز اُن کے ہم اٹھائیں
کیا اولٹا ہے زمانہ ہت تیری تقدیر کی

میرے معزز دوستو خدا نکرے کہ آپ اس شعر کے مصداق ہوں
مگر آجکل بچانوے فیصدی احباب ضعف باہ ضعف دماغ
ضعف اعضائے رئیسہ میں مبتلا ہیں ممکن ہے آپکو بھی یہ
شکایتیں ہوں۔ جاڑے کا موسم ختم ہوا جاتا ہے پھر بجز
حسرت کے کچھ ہاتھ نہ آئیگا۔ اسلئے آج ہی اس دواخانہ کی جاندار
ادویہ مجربہ منگا لیجئے تین روپیہ میں آپ نادار اور ہم مالدار نہ بنجائینگے
تحفہ سرا مسلت نذر ہے امرت پلز۔ ٹانک پلز۔ زاہدی
مشکی پلز ہر سہ قیمت ادویہ کا بکس بجائے ۳ کے صرف
(۱) تین روپیہ میں نذر عالی ہے اب بھی شائق نہ لیں
تو ہے اندھیر تجربہ شرط ہے

المشتہر

حکیم سید ظہور الحسن ایف ٹی ایس باسودہ جی آئی پی

سُدھا سندھو

بلا انوپان کی دوا

کف۔ کھانسی ہیضہ۔ دمہ۔ اسہال سنگرہنی
پیٹ درد۔ جی متلانا۔ بالکوں کے ہرے پیلے
دست اور درد معدہ کی ایک خوش ذائقہ اور
خوشبودار دوا صرف پانی میں ملا کر دینے سے
ایک خوراک اپنا اثر دکھاتی ہے قیمت فی شیشی ۸
محصولڈاک ۲/-

دد۔ دنج گیسری یعنے داد کی دوا

بلا کسی جلن اور تکلیف کے دو تین مرتبہ لگا دینے
ہی درد کو آرام کرنیکی سب سے اچھی دوا ہے قیمت فی شیشی
۴/ ایک سے ۲ شیشی تک محصولڈاک ۸/

بال سُدھا

کمزور اور دُبلے پتلے اور اکثر بیمار رہنے والے بچوں کو طاقتور
اور موٹا تازہ بنانیوالی حکمی دوا ہے قیمت فی شیشی ۱۲/
پورا حال جاننے کے لیے بڑی جنتری مفت منگاؤ
(سب جگہ ایجنٹوں کی ضرورت ہے)

ملنے کا پتہ

سُکھ سنچارک کمپنی متھرا

ظالم بادشاہ مظلوم رعایا	۸ر	خونی زیور	۱۲ر
جنٹلمین چور	۸ر	تاریخ اسلام	
زہریلا درخت	۸ر	ہر چہار جلد	عہ ر

بابو کیدار ناتھ صاحب خورشید کے
طبع شدہ ناول

پرانا پاپی	عہ ر	ناٹک قومی غدار	۱۲ر
گورو گھنٹال	۱۴ر	چندر ہار	۱۴ر
چندر گپت	۱۴ر	ندر جال	۱۴ر
زندگی میں موت ناٹک بار دوم			

مولانا مولوی عبد الحلیم صاحب شرر
کے مقبول عام و ہر دلعزیز ناول

فلورا فلورنڈا	۱۲ر	حسن انجلینا	۱۰ر
فردوس بریں	۶ر	ملک العزیز ورجنا	۶ر
منصور موہنا	۸ر	حسن بن صباح	۸ر
صبار پیرس کے اسرار		ڈاکوؤں کا جال	۱۴ر
دوزخ کی ملکہ	۱۴ر	جاسوسی جال	
غنڈوں کا گروہ		چاندی کی چوری	۶ر
ڈاکوؤں کا گورکھ دھندا	۱۴ر	جادوگرنی کا جال	

مسٹر ایم اے مقبول ناولسٹ لاہور کے مشہور و معروف جاسوسی ناول

بیسوا کا جال	۱۴ر		
بے قصور خونی	۱۴ر		
صندوق میں لاش	۱۴ر	پُر اسرار سایہ	۱۲ر
سانپ کے آدھ خون	۱۴ر	منشی کا گول گپا حصہ اول	۱۲ر
جاسوسی چکر		منشی کا گول گپا حصہ دوم	۱۲ر
شام نرائن پاربتی		خان احمد حسین خان صاحب	
زہریلا قند و دو دھاری خنجر	۶ر	بی اے کے حیرت انگیز سبق آموز ناول	
حصہ دوم شاتا کانت	۶ر	نظیر بیگم	۱۲ر
حصہ سوم دو جڑواں موت	۸ر	حسرت	۱۲ر
لاکھ روپے کا نوٹ	۸ر	گگبدیٹ	۱۲ر
یوسف پاشا		شمع شبستان	۱۲ر
سمرنا کا چاند رشید الخیری		واہ	
تتبدیل شکن رشید الخیری		آہ	
تحقیق انسا		درد	
جاسوسی جنگ	۱۲ر	مکافات عمل	۱۲ر

عصمت کو بچانا - ڈاکوؤں کا اصل حسن رجوری کرنا - ایک دوسری حسین عورت کا ڈاکوؤں کے ساتھ مل کر ڈاکہ زنی کرنا - بہادر سر اغرسان کا اپنی جان پر کھیل کر دل توڑ کوشش سے سراغ رسانی کرنا - آخر کار نا امید ہو کر واپس آنا - ڈاکو عورت کا دوبارہ نظر آنا - سراغرسان کا دوبارہ کوشش کرنا - ڈاکوؤں کے علاقہ میں جا کر عورت کو گرفتار کر کے آر - ایس - ڈی کے راز کو روشنی میں لانا - ڈاکوؤں کی تیاری خفیہ پولیس کی ہوشیاری قابل دید ہے قیمت ۱۲ر

بے خوف رانی

سیر تربیت سے ایک حسین عورت کا سرقہ جانثار عورتوں کی جان نثاری - بدمعاشوں کی خفیہ عیاریاں - سازشوں کے بدنتائج قتل و خون کی وارداتیں - جنگلوں کے خوفناک سین - بردہ فروشوں کی بدکاریاں - جب تمام راز بہادر سراغرسان نے بعد انتہائی سخت مصائب افشا کیا - اور اصلی مجرموں کو گرفتار کر کے سزائیں - قیمت فی حصہ ۱۲ر

خونی چور ایک چور کی خفیہ کارروائی کے ساتھ ایک شریف پارسا کی دردناک مصیبتیں - بُری صحبتوں کے نتائج - عشق و محبت کی کرشمہ سازی - پولیس اور خفیہ پولیس کی سراغرسانی کے حالات اس پیرایہ میں درج ہیں کہ پڑھ کر بدن میں نئی روح پیدا ہو جاتی ہے قیمت ۱۲ر

دل کے ٹکڑے	۱۲ر	مس جوت	۳ر	
گیتی آرا	۱۲ر	خونی ڈاکو	۳ر	
وہ عورت جس نے کر کے دکھایا	۱۲ر	جہنمی چور	۱۴ر	
شیلی جیکری مصنفہ مسز		مسٹری آف پنجاب		
مظفر عمر بی اے	عہ ر	آتش نوفل	۶ر	
چوروں کا کلب مصنفہ مسٹر		بیگناہ مجرم از سدرشن		
مظفر عمر بی اے	عہ ر	صبح وطن سدرشن		
اسرار راسپوٹن	۱۲ر	مستقبل اسلام مصنفہ		
پُر اسرار ڈاکو	۶ر	ظفر عمر بی اے		
جنگ روس و شام	۱۲ر	خونی چوہا حصہ اول	۱۲	

لاکھ روپیہ کا نوٹ
خوفناک ہوائی سیر
فانوس پر حصہ
بکری کی لاش
خوفناک سازش
خوفناک دوست
خوفناک قتل
خونی آقا
امریکن عیار
غول عاشق
سیرنگ شباب
خطرناک دھوکا
جلاک کرم
ہر دو حصہ
خونی ہیرا ہر دو حصہ
منزل مقصود
خوش نصیب قاتل
روح سیلے
امریکن جاسوس
لال کپتان
بدانجام
جذبۂ عشق
زن مرید
خون ناحق
غول
نادر شاہ کی معشوقہ
کرشن کانتا ہر دو حصہ
خوفناک ہوائی سیر
بھیانک رات
شاہی جاسوس
بلاس کماری
فطرتی جاسوس
زہریلا قند ہر سہ حصہ
چینی لڑکی پر اسرار جادو

...اشتہار دینے والوں کی پیشوں...

پیشوں کو مدنظر رکھ لیا جایا کرے ... اور فضول سرگردانی سے بہت حد تک نجات مل جائے۔

علاج بذریعہ ادویات و آلات

...زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ادویات کا بود این تمام دنیا پر ثابت ہو چکا ہے۔ طبائع مختلف۔ امزجہ مختلف۔ ادویات کا یکسان اثر تمام انسانوں پر ہرگز ہرگز نہیں پڑ سکتا۔ اسی ...اشتہاری دوا فروشوں سے جو صفرادی۔ سوداوی۔ بلغمی۔ بادی۔ سب مزاجوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں۔ لازمی طور پر پرہیز کرنا چاہیے۔ تیز ادویات کی ...یہ بھاری زحمت یہ ہوتی ہے کہ کہیں موسم کا لحاظ۔ کہیں کھانے پینے نہانے کا پرہیز۔ کہیں نام نہاد سنیاسی ڈاکٹروں حکیموں وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ نیم حکیم خطرہ جان کی مصداق۔ مریض کی ...ن کے لالے پڑ جانے کا ڈر۔ مغربی دنیا کے امور سائنسدان تو آجکل ہر مرض کا علاج بذریعہ آلات دریافت کرنے کے فکر میں رہتے ہیں اور ادویات پر ترجیح ... ل ع ن ... ہندوستان میں علاج ...بذریعہ آلات کی ابتدا ۱۹۱۲ء میں ہم نے ہی ڈالی اور آج تک ہزارہا مایوس العلاج مریض ہمارے ذریعہ اپنے مصائب و آلام سے نجات حاصل کر چکے ہیں۔ جہاں ڈاکٹر حکیم مریض کو لاعلاج ...کر جواب دے چکے ہوں وہاں ہمارے آلات مسیحائی معجزے کر دکھاتے ہیں۔ بیشمار زندہ مثالیں اس امر کی موجود ہیں۔ ہمارے مشہورہ آفاق تینوں آلات۔

(۱) "ایریکٹرس" (۲) "ایکٹینا" (۳) "مانع احتلام"

...ہندوستانی بھائیوں کیلئے اعلیٰ نعمت با تجربہ ثابت ہو چکے ہیں۔ اگرچہ ناظرین نگار سے یہ ہماری پہلی ملاقات ہے تاہم چونکہ ہمارے چھوٹے بڑے اشتہارات مختلف اخبارات کے ذریعہ ہمیشہ پبلک کے ...ظر رہتے ہیں۔ اسواسطے ہم مختصر نویسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ناظرین اندک نوشتہ را بسیار دانند (۱) "آلہ ایریکٹرس" مسیرز ... امریکن کی ساخت۔ امریکن پیٹنٹ جرمنی کے مشہور ...مشہور کے اختراع کردہ طریقہ علاج کا پر اثر ٹریٹمنٹ کا نچوڑ۔ فزیالوجی۔ اور کیمیاوی علوم کے معقول عام اصولوں کا عملی نمونہ ہے۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ مردانہ امراض کے سوا ہر قسم کی ... امراض ... ...اس کا مرادقاطع نسل انسانی و مانع حظ زندگانی بیماری کی ہر ابتدائی۔ تیز انتہائی اور انتہائی صورتوں میں تمام کمال اس آلہ کے چند ہفتوں کے استعمال سے جڑ سے دور ہوتی ہیں۔ قیمت فی آلہ ... علاوہ ... ...محصولڈاک وغیرہ مفصل تشریحی کتاب ... "بعد نئی زندگی" ہر درخواست کنندہ بیمار کو بلا اجرت مفت۔ (۲) "آلہ ایکٹینا" پروفیسر ڈاکٹر ... صاحب کی ایجاد مسیرز ایکٹینا اپلائنس کمپنی ...امریکن پیٹنٹ۔ آنکھ کان۔ ناک۔ حلق اور سر کی تمام معلومہ امراض کا مکمل ... علاج۔ آنکھ کی سرخی سے لیکر موتیا بند تک تمام امراض چشم کانوں کا بہرا پن۔ ثقل سماعت۔ درد۔ ...کانوں کی آوازیں۔ شور و غل۔ حلق کے ورم۔ نزلہ۔ زکام۔ سردرد۔ کھانسی۔ دمہ۔ انفلوئنزا ... بخار وغیرہ وغیرہ تمام ہر قسم کی تکالیف اس آلہ کے استعمال سے اس طرح کافور ہوتے ہیں ...جیسے سورج سے شیطان۔ قیمت فی آلہ صرف مبلغ ... روپیہ آٹھ آنہ علاوہ محصولڈاک وغیرہ مفصل شرح کتاب ... رسالہ امراض ہر درخواست کنندہ کو بلا اجرت مفت (۳) ...احتلام۔ جرمن سائنسدانوں کی تازہ دریافت نادر ... کے باعث شیطان احتلام کا شافی علاج۔ ... اس موذی کے حملوں کو ... روکنے والا۔ ادویات سے ... ...وکھانیوالا۔ خاص۔ فاجر۔ پرہیزگار۔ پنڈت۔ مولوی۔ بچے۔ جوان۔ بوڑھے۔ شادی شدہ۔ کنوارے۔ رنڈووں کا یکسان دوست ... قیمت صرف ... روپیہ علاوہ ...ڈاک وغیرہ مفصل حالات مفت۔ **نوٹ** ہر سہ آلات ہمارے سوائے تمام اقالیم مشرقی میں اور کہیں نہیں مل سکتے۔ جس آلہ کی ضرورت ہو صرف اسی کے حالات طلب فرمائیں

مشتہر
راے۔ بی ایس بھنڈاری۔ ایم۔ اے کے مالک ایریکٹرس ایجنسی ایکٹینا ہاؤس، مقام بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب

شیرِ مادر

سچ ہے ہندوستانیوں کے بچے صرف بے پروائی ہی کے سائے میں پلتے ہیں" قدرت کی شان ہے کہ وہ مشرق میں نسل انسانی قائم رکھنا لازمی سمجھتی ہے۔ ورنہ ماں باپ حمل قرار پانے کے وقت سے لیکر دودھ چھڑانے تک بلکہ اس کے بعد تک بچے کی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہیں کرتے اہل مغرب کا اس کے بالکل برعکس عمل ہے۔ مغرب کے شعرا تک بچے کو باپ سمجھتے ہیں چنانچہ ورڈ سورتھ ملٹن کا قول ہے کہ "بچہ آدمی کا باپ ہے" یعنی جس طرح ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح بچپن سے آدمی بنتا ہے۔ ماں باپ کی بے احتیاطیوں کا بچے پر کیا اثر ہوتا ہے کچھ نہ پوچھیے۔ تفصیل سے دل دکھتا ہے۔ حمل اور دودھ پلانے کے زمانہ میں عورت کو آزادانہ چھوڑنے سے رحم میں فتور اور دودھ میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ ہاضمہ کمزور اور اس کے ساتھ بچہ ناتوان ہو جاتا ہے۔ کھانسی۔ بخار۔ دست وقے شروع ہو جاتے ہیں آنکھوں سے چیپ اور منھ سے رال جاری ہے۔ ماں سمجھتی ہے کہ بچے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح رفتہ رفتہ سوکھا لگ جاتا ہے۔ ایک ذرا ہوا زدگی ہوئی اور پسلی کے مرض اُبل آئے۔ سینہ اور پیٹ دکھنے لگا۔ والدین کی بڑی دوڑ یہ کہ سہاگا کچا یا پکا دے دیا اور بس یہ خیال باندھ لیا کہ بچے یوں ہی پلا کرتے ہیں۔ نہیں بچوں کو بڑوں سے بہت زیادہ احتیاط اور خدمت کی ضرورت ہے۔ یہ بارہ برس ناک چنے چبوا کر پلتے ہیں یا ایک نہایت آسان طریقہ پرورش ہم بتا دیتے ہیں **احسان کمپنی** کا شیرِ مادر استعمال کیجیے پھر جو چاہتے کیجیے قدرت اور یہ شربت دونوں مل کر بچے کی پرورش آپ کر لیں گے۔ اثر میں آب حیات ثابت ہوا ہے۔ پسلی کا چلنا۔ سانس کی بیماری۔ سوکھا لگجانا۔ مسان۔ معمولی کھانسی۔ قبض۔ بدہضمی۔ اپھارا۔ پیٹ کا درد۔ قسم قسم کے دستوں کا آنا۔ مروڑ۔ کانچ کا نکلنا۔ قے۔ دودھ ڈالنا۔ ہر وقت روتے رہنا۔ آنکھیں دکھنا۔ کان کا درد۔ ہر قسم کا بخار۔ اور بیماری میں بلا خوف استعمال کرا سکتے ہیں۔ قیمت فی شیشی ۱۲ر تین شیشی عہ ار۔

قوبا

ستایا وادنے ہی شکوہ بیداد کیا کیجیے ۔۔۔ کہیں قوبا نہیں ملتا ہمیں اُستاد کیا کیجیے۔

واد بھی چیپ کی طرح جلدی بیماری ہے اور دیمک کی طرح اندر ہی اندر پھیلتا جاتا ہے اگرچہ یہ کئی قسم کا اور مختلف اسباب سے ہوتا ہے کھجانے سے چیپ نکل کر پھنسیاں ہو جاتی ہیں (قوبا) اس کے کیڑے اور مواد کو چند بار لگانے سے بھوسی کی طرح اڑا کر جلد کو صاف کرتا اور روح کو آرام دیتا ہے شاید قوبا سے زیادہ اس مرض کی کوئی اور دوا بیخ کن نہ ہوگی ترکیب استعمال ہر شیشی کے ہمراہ ہوگی۔ خوبی یہ ہے کہ اسمیں کوئی ایسی تیز دوا شامل نہیں ہے جو لگاتے ہی سوزش پیدا کر کے نئی تکلیف کا سبب ہو آزمائش شرط ہے قیمت فی شیشی آٹھ آنہ ۸ر ۴ شیشی عہ ایک درجن للعہ۔ محصولڈاک علاوہ۔

ضم

بیسویں صدی کی ایک نئی ایجاد

مریضوں پر تجربہ کرنے اور اس میں کامیاب ہونے کے بعد آج ہم نہایت خوشی اور دلیری سے عامہ خلائق کے سامنے ضم کی ایک شیشی پیش کرتے ہیں بلاشبہ اسکا اثر جادو کا حکم رکھتا ہے ہمارا کارخانہ ۱۸۸۶ء سے قایم ہے اپنی ادویات کے معتمد ہونے کے لحاظ سے مشہور زمانہ ہے کارکنان کارخانہ کی سالہا سال کی محنت کا نتیجہ یہ ضم ہے جو آج پیش کیا جاتا ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

انسان کے کسی عضو مثلاً سر پیشانی۔ ناک۔ دانت۔ کان۔ گردن۔ سینہ۔ پسلیاں۔ پشت۔ بازو۔ کلائی۔ انگلی۔ ران۔ پنڈلی۔ ٹخنہ۔ ایڑی۔ تلوا۔ اور پیٹھ میں خواہ کسی قسم کا درد کیوں نہ ہو۔ گٹھیا کا درد ہو یا سوجن ہو کسی زہریلے جانور نے کاٹا ہو غرض ہر قسم کے درد کو یقیناً اور بلاشبہ یہ ضم اکسیر کا حکم رکھتا ہے اور یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ ایک مرتبہ کے امتحان کے بعد آپ بھی ہمارے دعوی کی تائید کریں گے قیمت شیشی کلاں عہ شیشی خورد ۱۲ر علاوہ محصولڈاک

احسان اینڈ کمپنی دوا فروشان فتحپوری۔ دہلی

مفصل حالات کی فہرست مفت منگا کر دیکھئے

جاری دوائیں بہ اعلا خوبیوں اور دواؤں کے پاس ملتی ہیں

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کی مجرب وآزمودہ دوائیں

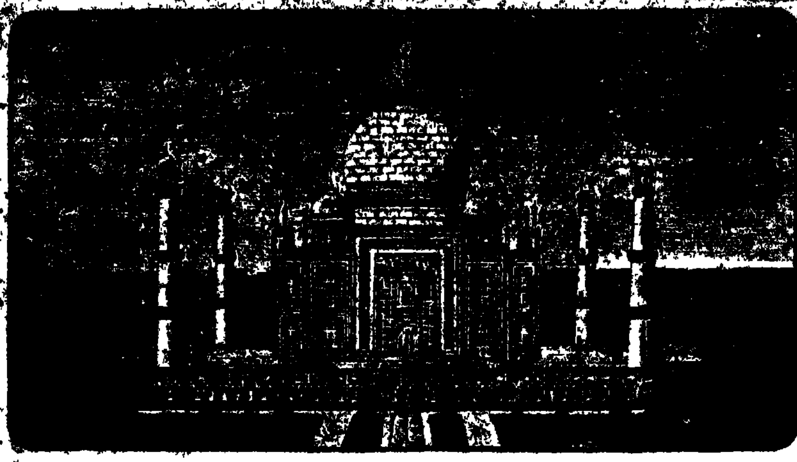
چالیس سال سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو رہی ہیں

وہ زندگی ہی کیا

جس سے ایک دوسرے کو فائدہ نہ پہونچ سکے اسی خیال کو مد نظر رکھکر دوائیں بنی ہیں اور باوجود انمول فائدے کے سستی بکتی ہیں

نام دوا	مع قیمت	
اصلی عرق کافور	ہیضہ کے لئے ایک ہی دوا ہے .. .. .. قیمت	۶/
دمہ کی دوا	ایک ہی خوراک میں دمہ کو دبا دیتی ہے .. "	۱عہ/
کونین کی گولیاں	چار گرین کی ۲۵ گولیاں .. .. "	۱عہ/
کولا ٹانک	کمزوری کا دشمن .. .. "	۱عہ/
فصلی بخار و طحال کی دوا	چار پانچ ہی خوراک میں بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے قیمت فی شیشی کلاں .. .. عہ/ خورد	۱۰/
مقوی باہ کی گولیاں	جیسا نام ویسا فائدہ .. .. .. قیمت	۱عہ/
پین ہیلر	اندرونی و بیرونی درد کی دوا .. .. .. "	۱عہ/
سالسا	خون صاف کرنے کی دوا .. .. .. "	۱عہ/
سنی لائن	خونی بواسیر و خون بند کرنے کی دوا .. .. "	۱عہ/
پرانے سوزاک کی دوا	پرانے سے پرانا سوزاک ایک شیشی میں آرام ہوتا ہے .. .. .. قیمت	۲/
گرمی آتشک کی دوا	یہ گرمی کے زہر کو نکال دیتی ہے .. .. "	۲/
دانت کے درد کی دوا	لگاتے ہی درد مٹتا ہے .. .. .. "	۶/
دردسر کی دوا	سر کے درد کے لئے نہایت اکسیر ہے "	۱۲/
جلاب کی گولیاں	آسانی سے پیٹ صاف کرتی ہے .. .. "	۹/
داد کا مرہم	ایک ڈبیہ میں کیسا ہی داد ہو آرام ہو جائیگا .. "	۶/
کلوروڈائن	پیچش کی حکمی دوا .. .. .. "	۸/
کھانسی کی دوا	کف اور کھانسی کے لئے مفید ہے کلاں عہ/ خورد	۱۰/
پرانے ملیریا بخار کی گولیاں	ان گولیوں میں کونین نہیں ہے .. قیمت	۱عہ/
روغن پیپرمنٹ	بدہضمی اور ریاحی درد کے لئے مفید ہے .. "	۱عہ/
کان بہنے کی دوا	کان کا بہنا اس سے بند ہو جاتا ہے .. "	۶/

نام دوا	مع قیمت	
زخم کا مرہم	یہ ہر قسم کے زخم کے لئے مفید ہے .. قیمت	عہ/
لال شربت	ایک شیشی میں بچے لال لال ہو جاتے ہیں "	عہ/
خارش کھجلی کی دوا	یہ ہر قسم کے جلدی امراض کے لئے مفید ہے "	۱۲/
امراض مستورات کی دوا	یہ حیض کی خرابی کے لئے مفید ہے .. "	۱عہ/
عرق پودینہ	یہ پودینہ کی ہری پتیوں سے بنا ہے بدہضمی کے مفید ہے .. .. قیمت	۱۴/
نمونہ کا بکس	اس میں ڈاکٹر ایس کے برمن کی چھ مشہور دوائیں ہوتی ہیں .. .. .. قیمت	۲/
منہرو سینٹ	یہ خوشبوؤں کا بادشاہ ہے .. .. "	۱عہ/
کسراج تیل	یہ تیلوں کا سرتاج ہے دیسی اور ولایتی خوشبوؤں کی آمیزش سے بنایا گیا ہے اور خوشبو کے علاوہ دماغ کے لئے نہایت درجہ مفید ہے .. قیمت	عہ/
ہیل یک تجھو برمنی	زخم چوٹ ہر ایک کے لئے حکمی دوا ہے .. "	۱۰/
مکرودھج	یہ سونے کا کشتہ سات ہی خوراک میں آدمی کو اپنے رنگ پر لے آتا ہے .. .. قیمت، خوراک	عہ/
آلوکا	یعنی رقیق التایہ یہ بنگالے کا خاص تحفہ ہے کسی حسین معشوق کے گورے گورے پیروں پر لگائیے اگر جی لوٹ پوٹ نہ ہو جائے تو ہمارا ذمہ .. قیمت	۸/
تھرمامیٹر	انگریزی، ہندی اور اردو تھرمامیٹر یہ ڈاکٹر ایس کے برمن کی خاص فرمائش سے ولایت کے ایک نامی کارخانہ سے بنکر آیا ہے اور بخار پہچاننے کی لکیر بہت صاف ہے قیمت فی تھرمامیٹر	عہ



نگار

مجلہ علمیہ و ادبیہ

اعلان

(۱) ہم کوشش کر رہے ہیں کہ نگار ہر مہینے کی [illegible] تاریخ کو شائع ہو جایا کرے۔ لیکن رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہم کو ۲۰ کے بعد بھیجنا چاہیئے۔ کیونکہ مقررہ تاریخ اشاعت ہر ماہ کی ۲۰ ہے۔

(۲) جون کے صفحہ فہرست پر شمارہ (۵) غلطی سے لکھا گیا ہے نمبر ۶ ہونا چاہیئے۔

(۳) نگار کا مقام اشاعت "بھوپال" ہے۔ بعض حضرات اب بھی آگرہ کے پتہ سے خط و کتابت کرتے ہیں اور خط بہت دیر میں موصول ہوتا ہے۔

(۴) باوجود مکرر اعلان کے اب بھی بعض حضرات تین ماہ سے کم کے لیئے تبدیلی پتہ کی اطلاع دیتے ہیں افسوس ہے کہ ہم اسکی تعمیل نہیں کر سکتے اور نہ اس صورت میں رسالہ پہونچنے کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔

(۵) بعض رسالوں کے گم ہو جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ پتہ لکھنے میں سخت بے پرواہی کرتے ہیں براہ کرم خط و کتابت، درخواست خریداری، ارسال زر وغیرہ کے وقت ڈاکخانہ کا نام ضرور انگریزی میں لکھا کیجئے اس سے بڑی حد تک سہولت پیدا ہو جائیگی۔

مینیجر "نگار" بھوپال

اجرت نامہ اشتہارات
رسالہ "نگار"

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
۱۲	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۶	۲۵	۲۰	۱۲
۳	۲۰	۱۵	۸
۱	[illegible]	۵	

اجرت ہر حال میں پیشگی آنا چاہیئے۔

سید حسن اسمعیل [illegible]

زیب النساء بیگم کی تصویر

یہ تصویر صنعت نقاشی کا ایک نادر نمونہ ہے اور یقیناً ایک کمرے کی [illegible] موضوع۔

[illegible]

[illegible] بکس نمبر ۵۵۴

پاڑہ آگرہ

رجسٹرڈ نمبر ال ۲۸۸ — قیمت فی پرچہ ۸ر

نگار

اڈیٹر: نیاز فتحپوری

مجلد ۴ / نمبر ۳	ستمبر سنہ ۱۹۲۳ع	قیمت سالانہ صر / ششماہی ے

فہرست مضامین

(محمد الدین خالد جعفری کاتب تحریر نمود)

اطلاع

اس مہینے کی اشاعت میں تعویق کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اڈیٹر صاحب کشمیر تشریف لے گئے تھے، اور وصول ہدایات میں ان کی طرف سے دیر ہوئی۔ دوسرا قوی سبب آگرہ کا فساد تھا جس نے آگرہ اخبار پریس کے نظام کو بھی چند دنوں کے لیئے مضمحل کر دیا اور طباعت میں تاخیر ہو گئی۔ تیسرا سبب ہمارے کاتب صاحب سے متعلق ہے کہ انھوں نے کاپیاں روانہ کرتے وقت فہرست مضامین مرتب نہیں کی، اور پریس کے منیجر صاحب نے باوجود مکرر تقاضوں کے اسوقت تک فہرست نہیں بھیجی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلی کاپی بھیجنے میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی اور اس کا اثر اشاعت پر پڑا۔

منیجر

نگار

مجلد ۴	ستمبر ۱۹۲۳ء	شمارہ ۳

اٹھارویں صدی میں یورپ کا انحطاط اور اصلاح کا آغاز

۱۔ قرون وسطیٰ میں یورپ میں صنعت و تجارت کی حالت یہ تھی کہ علاوہ ان جماعتوں کے جنکو تجارت و صنعت کی اجازت دیدی گئی تھی کوئی دوسرا شخص کاروبار نہیں کرسکتا تھا جنکو اجازت دیگئی تھی وہ بھی صرف انہی طریقوں پر اور انہی چیزوں کی تجارت کرسکتے تھے جنکی اجازت دیگئی تھی اور جو اس سے سر مو تجاوز کرتا مجرم قرار دیا جاتا چونکہ تمام پیشہ ور جماعتوں کی محافظت خود بادشاہ کرتے تھے اور ان کے قواعد و قوانین بھی وہی بناتے تھے، اسلئے تمام یورپ کا یہ خیال تھا کہ کارخانوں کا انتظام بھی حکومت کے فرائض میں داخل ہے اور اسی وجہ سے کسی شخص کو کوئی کارخانہ قائم کرنے کی اجازت نہ تھی، جس کے باعث صنعتی حالت بہت خراب تھی اور ناقابل بیان حد تک گری ہوئی تھی، کیونکہ صنعت پر صرف یہی ایک پابندی نہ تھی کہ جدید ایجاد و اختراع یا ترمیم و تغیر کا دروازہ بند کردیا گیا تھا، بلکہ اس سے زیادہ مصیبت یہ تھی کہ صنعتی لائسنس شہروں کے قدیم پیشہ استادوں کے لیئے مخصوص تھا اور ان کے علاوہ کسی شخص کو خواہ وہ کتنا ہی مستحق ہو اجازت نہیں مل سکتی تھی، اگر کوئی شخص شہر یا جنگل میں کوئی نیا کارخانہ قائم کرلیتا تو اسکو قید کردیا جاتا ارباب سیاست کا عقیدہ تھا کہ صناعوں کے لیئے حکومت کی ہدایات اور اسکی نگرانی ضروری ہے۔ آئین حکومت میں ان کے لیئے ایک خاص نظام تھا، اور اس نظام میں مخصوص آلات عمل سے کام کرنے کی ہدایات تھیں۔ فرانس میں کولبار (مشہور مدبر فرانس Colbert Jean Baptiste) نے کپڑوں کا طول و عرض تک مقرر کردیا تھا، اور سختی کے ساتھ اس پر عمل درآمد کرایا جاتا تھا اور اس غرض سے جاسوس مقرر کیئے گئے تھے، جن کا کام صرف یہ تھا کہ وہ پارچہ بافی کے کارخانوں میں پھر کر دیکھیں کہ قوانین نافذہ پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں، ان جاسوسوں کو اختیارات حاصل تھے کہ اگر کارگاہوں میں ممنوع طریقہ پر کپڑا بنتے دیکھیں تو روکدیں، اور دوکانوں میں پائیں تو جلادیں، مختصر یہ کہ جدید صنعتوں کا رائج کرنا حکومت نے خود اپنے ذمہ لے لیا تھا اور ایسے پیمانہ پر کارخانے قائم کرنے کی اجازت تھی، کہ منتظموں اور مزدوروں کو خود حکومت

تنخواہ دی لیکن اسی اصول پر حکومت نے صنعت رنگ وغیرہ کو جاری کیا، جو گوبیلانز (Gobelins) کے نام سے مشہور ہے۔

الغرض تمام یورپ میں یہی اصول تجارت قائم تھا، اور ہر جگہ نظام تجارت، نظام حکومت کے ساتھ مخصوص و وابستہ تھا یہاں تک کہ عوام کو بغیر حکومت کی اجازت کے اپنی پیداوار کو منتقل کرنے اور خرید و فروخت کرنے کی بھی اجازت نہ تھی، مملکت فرانس نے بیرونی ممالک کے لیے غلہ کی برآمد کی ممانعت کر دی تھی، اور ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں منتقل کرنا بھی جرم قرار دیا گیا تھا، تاکہ ملک قحط کی مصیبت سے محفوظ رہے، اور حریص گراں فروش گرانی کی ہوس پوری نہ کر سکیں، اس ممانعت کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ جن خشک زمینوں میں پیداوار کم ہوتی، وہاں کے باشندے سخت تکلیف میں رہتے تھے، اور یہ سوچتے تھے کہ باہر سے کس طرح غلہ منگائیں: لیکن جن اراضی کی پیداوار زیادہ تھی، وہاں کے باشندے اس فکر میں سرگرداں رہتے تھے کہ کس طرح اپنے زائد غلہ کو جو بیکار پڑا رہا ہے کار آمد بنائیں۔

یہی حال ٹیکس کا تھا، اس کے لیے کوئی خاص اصول و معیار نہ تھا، جن صوبوں کی پیداوار زائد تھی وہاں بالعموم ٹیکس بھی زائد لگتے، اور ٹیکس لگاتے وقت اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کی جاتی تھی، کہ اس سے ملکی فقر و افلاس کس حد تک بڑھ جائیگا، اس کے علاوہ ایک اور بھی مصیبت تھی، اور وہ یہ کہ ٹیکس تمام رعایا پر مقرر نہ تھا، بلکہ اکثر امراء اس سے مستثنیٰ تھے، اور غرباء اس بار سے دبے جاتے تھے، جس کے باعث کاشتکاروں کی حالت بہت خراب تھی۔

تجارتی طریقہ بیرونی تجارت کا طریقہ اسی نظام پر حاوی تھا، جس کو فلینسیا اور فلورنسیا ر سے mercantile کے ارباب سیاست نے پندرھویں صدی میں مرتب کیا تھا وہ کہتے تھے: کہ ہر سلطنت دوسری سلطنت کے ساتھ تجارتی مسابقت میں مشغول ہے۔ ایک قوم جو نفع حاصل کرتی ہے، وہ دوسری قوم چھین لیتی ہے۔ بنابریں تجارت ایک قسم کی جنگ ہے" ہر سلطنت کے نفع و نقصان اور دولت کی کمی بیشی کا دارومدار زیادہ تر سونے چاندی پر ہے، جس کے پاس نقد سرمایہ ہے وہی ہر چیز حاصل کر سکتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جو سلطنت اپنے قول و ثروت کو بڑھانا چاہتی ہے وہ سونے چاندی کے تحفظ کی طرف توجہ کرتی ہے اس لیے یہ قاعدہ ہے کہ سلطنتیں حتی الوسع زیادہ سے زیادہ اپنی قلمرو میں نقد سرمایہ کو کھینچیں۔ اور کم از کم اس کو نکالنے کی انتہائی سعی کرتی ہیں اسلیئے یہ ضروری ہے کہ ملکی مصنوعات بیرون ممالک میں زائد از زائد فروخت کی جائیں تاکہ ان کے معاوضہ میں نقد سرمایہ زیادہ وصول ہو۔ اور اجنبی ممالک کی مصنوعات کو کم خریدا جائے کہ نقود کے باہر جانے کی وجہ سے ملک مفلسی کی وبا سے محفوظ رہے، پس ممالک بھی ایک تجارتی کوٹھی ہیں کہ ان میں سے ہر ملک برآمد کی زیادتی اور درآمد کی کمی سے اپنے آپ کو ممول بنانا چاہتا ہے اور ہر سال کے آخر میں درآمد و برآمد کا حساب لگا کر تجارتی حساب کی طرح اپنے نفع و نقصان کی

میزان لگاتا ہے اسی لیئے ارباب سیاست ہر سلطنت کو ایک سوداگر سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جو آخر سال پر نفع و نقصان کا مقابلہ کرکے اپنی میزان ٹھیک کر لیتا ہے۔ اگر کسی سلطنت نے ملکی مصنوعات کو زیادہ فروخت کیا ہے تو اس کا نفع نقود کی شکل میں، تجارتی نفع کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے، اور اگر بیرونی اشیاء نقود کے معاوضہ میں زیادہ خریدی گئی ہیں تو اس کا نقصان بھی سالانہ میزان سے ظاہر ہو جاتا ہے پس یہ بیحد ضروری ہے کہ ثروت و دولت کی ترقی کے لیئے امکانی حد تک برآمد کو بڑھا کر درآمد کو انتہائی حد تک گھٹایا جائے، بالخصوص پارچہ کو، تاکہ ملک فقر کی بلا سے محفوظ رہے۔ اس اصول پر حکومت غیر ملکی کپڑوں کی تجارت کو اپنے ملک میں روکنے کی سعی کرتی ہے کہ ملک کا نقد معاوضہ غیر ملکی کپڑوں کے ذریعہ سے دوسرے ممالک میں نہ پہونچ جائے۔ چنانچہ اس غرض سے فیلنسیا اور فلورنسیا کے قدیم ارباب سیاست نے دو طریقے قرار دیئے تھے، جن میں بہترین طریقہ یہ تھا کہ تاجروں کو غیر ملکی مصنوعات کے لانے کی ممانعت تھی، اسی بنا پر کولبار نے بھی فیلنسیا کے بعض چیزوں کی درآمد فرانس میں بالکل بند کر دی تھی، اور کسی کو اجازت نہ تھی کہ وہ فرانس کے کارخانوں کے علاوہ کسی اور ملک کی چیزیں خریدیں، اس طریقہ کا نام "طریقہ منعیہ" (Prohibitive) مقرر کیا گیا، کولبار یہ بھی کر سکتا تھا کہ غیر ملکی مصنوعات کی درآمد پر محصول (چنگی) مقرر کر دیتا، جسکی وجہ سے ملکی مصنوعات کے مقابلہ میں غیر ملکی چیزیں گراں ہو جاتیں، اور اسطرح ملکی مصنوعات سبقت لے جاتیں، اس طریقہ سے دو فائدے تھے، ایک یہ کہ محصول کی آمدنی سے خزانہ سلطنت کی مقدار میں زیادتی ہوتی، (جو مشرقی حکومتوں کا طریقہ تھا) دوسرے یہ کہ ملکی مصنوعات کی حمایت ہوتی دوسرے مقامات میں اس طریقہ کا نام "حامیہ" (Protection) رکھا گیا۔

سترہویں صدی میں تمام دول یورپ ان دونوں طریقوں پر عمل کرتی تھیں (یا طریقہ منعیہ پر یا طریقہ حامیہ پر) چنانچہ ۱۶۱۵ء میں انگلستان نے ایک قانون "ملاحی" بنایا، وہ بھی اسی طریقہ منعیہ پر مبنی تھا کیونکہ انگلستان اور اسکی نوآبادیوں کے ساتھ تجارت ممنوع تھی (جب تک تجارتی جہاز انگریزی نہ ہوں) بخلاف اس کے کولبار نے فرانس میں "طریقہ حامیہ" جاری رکھا، وہ کہتا تھا، چنگی کا محصول بھی وہ بازار تجارت ہے، جسپر ابتدا میں مصنوعات کی ترقی کا دار و مدار ہے، اور جب مصنوعات ترقی کر جائیں، تو پھر جہاں چاہو ڈالدو "یہی وہ نظام ہے جو طریقہ تجاریہ (Mercantilism) کے لقب سے مشہور ہوا، کیونکہ اس سے نقد سرمایہ کی زیادتی ہوتی ہے، اور تجارت کو فروغ ملتا ہے، یہ نظام اٹلی کے شہروں کے لیئے زیادہ مناسب ہے، اسلیئے کہ وہاں مالی ترقی کا ذریعہ زیادہ تر مصنوعات اور بیرونی ممالک کے لیئے ان کی برآمد ہے، اور پھر اس ذریعہ سے مخالف ممالک کے بالمقابل ملکی تجارت کی حمایت بھی ہو سکتی ہے۔ پندرہویں صدی میں ان دونوں طریقوں پر بہ نسبت موجودہ حالت کے بہت سختی سے عمل کیا جاتا تھا کیونکہ سونے چاندی کی قلت تھی اور لوگ اس کے طالب زیادہ تھے

تنخواہ دیکے اسی اصول پر حکومت نے صنعت رنگ وغیرہ کو جاری کیا، جو گوبیلانز (Gobelins) کے نام سے مشہور ہے۔

الغرض تمام یورپ میں یہی اصول تجارت قائم تھا، اور ہر جگہ نظام تجارت، نظام حکومت کے ساتھ مخصوص و وابستہ تھا یہاں تک کہ عوام کو بغیر حکومت کی اجازت کے اپنی پیداوار کو منتقل کرنے اور خرید و فروخت کرنے کی بھی اجازت نہ تھی ممالکت فرانس نے بیرونی ممالک کے لیئے غلہ کی برآمد کی ممانعت کر دی تھی، اور ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں منتقل کرنا بھی جرم قرار دیا گیا تھا، تاکہ ملک قحط کی مصیبت سے محفوظ رہے، اور حریص گراں فروش گرانی کی ہوس پوری نہ کر سکیں، اس ممانعت کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ جن خشک زمینوں میں پیداوار کم ہوتی، وہاں کے باشندے سخت تکلیف میں رہتے تھے، اور یہ سوچتے تھے کہ باہر سے کس طرح غلہ منگائیں: لیکن جن اراضی کی پیداوار زیادہ تھی، وہاں کے باشندے اس فکر میں سرگرداں رہتے تھے کہ کس طرح اپنے زائد غلہ کو جو بیکار جا رہا ہے کار آمد بنائیں۔

یہی حال ٹیکس کا تھا، اس کے لیئے کوئی خاص اصول و معیار نہ تھا، جن صوبوں کی پیداوار زائد تھی وہاں بالعموم ٹیکس بھی زائد لگتے، اور ٹیکس لگاتے وقت اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کی جاتی تھی، کہ اس سے ملکی فقر و افلاس کس حد تک بڑھ جائیگا، اس کے علاوہ ایک اور بھی مصیبت تھی، اور وہ یہ کہ ٹیکس تمام رعایا پر مقرر نہ تھا، بلکہ اکثر امرا اس سے مستثنیٰ تھے، اور غربا اس بار سے دبے جاتے تھے، جس کے باعث کاشتکاروں کی حالت بہت خراب تھی۔

تجارتی طریقہ | بیرونی تجارت کا طریقہ اسی نظام پر حاوی تھا جس کو فیلنسیا اور فلورنسیا (Mercantile) کے ارباب سیاست نے پندرہویں صدی میں مرتب کیا تھا وہ کہتے تھے: کہ ہر سلطنت دوسری سلطنت کے ساتھ تجارتی مسابقت میں مشغول ہے۔ ایک قوم جو نفع حاصل کرتی ہے، وہ دوسری قوم چھین لیتی ہے۔ بنا بریں تجارت ایک قسم کی جنگ ہے، ہر سلطنت کے نفع و نقصان اور دولت کی کمی بیشی کا دار و مدار زیادہ تر سونے چاندی پر ہے، جس کے پاس نقد سرمایہ ہے وہی ہر چیز حاصل کر سکتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جو سلطنت اپنے قول و ثروت کو بڑھانا چاہتی ہے وہ سونے چاندی کے تحفظ کی طرف توجہ کرتی ہے اس لیئے یہ قاعدہ ہے کہ سلطنیں حتی الوسع زیادہ سے زیادہ اپنی قلمرو میں، نقد سرمایہ کو کھینچے۔ اور کم از کم اس کو نکالنے کی انتہائی سعی کرتی ہیں اسلیئے یہ ضروری ہے کہ ملکی مصنوعات بیرون ممالک میں زائد از زائد فروخت کی جائیں تاکہ ان کے معاوضہ میں نقد سرمایہ زیادہ وصول ہو۔ اور اجنبی ممالک کی مصنوعات کو کم خریدا جائے کہ نقود کے باہر جانے کی وجہ سے ملک مفلسی کی وبا سے محفوظ رہے، پس ممالک بھی ایک تجارتی کوٹھی ہیں کہ ان میں سے ہر ملک برآمد کی زیادتی اور درآمد کی کمی سے اپنے آپ کو متمول بنانا چاہتا ہے اور ہر سال کے آخر میں درآمد و برآمد کا حساب لگا کر تجارتی حساب کی طرح اپنے نفع و نقصان کی

میزان لگاتا ہے اسی لیئے ارباب سیاست ہر سلطنت کو ایک سوداگر سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جو آخر سال پر نفع و نقصان کا مقابلہ کرکے اپنی میزان ٹھیک کر لیتا ہے۔ اگر کسی سلطنت نے ملکی مصنوعات کو زیادہ فروخت کیا ہو تو اس کا نفع نقود کی شکل میں، تجارتی نفع کی طرح ظاہر ہوجاتا ہے، اور اگر بیرونی اشیاء نقود کے معاوضہ میں زیادہ خریدی گئی ہیں تو اس کا نقصان بھی سالانہ میزان سے ظاہر ہوجاتا ہے پس یہ بیحد ضروری ہے کہ ثروت و دولت کی ترقی کے لیئے امکانی حد تک برآمد کو بڑھا کر درآمد کو انتہائی حد تک گھٹایا جائے، بالخصوص پارچہ کو، تاکہ ملک فقر کی بلا سے محفوظ رہے۔ اس اصول پر حکومت غیر ملکی کپڑوں کی تجارت کو اپنے ملک میں روکنے کی سعی کرتی ہے کہ ملک کا نقد معاوضہ غیر ملکی کپڑوں کے ذریعہ سے دوسرے ممالک میں نہ پہونچ جائے۔ چنانچہ اس غرض سے فیلنسیا اور فلورنسیا کے قدیم ارباب سیاست نے دو طریقہ قرار دیئے تھے، جن میں بہترین طریقہ یہ تھا کہ تاجروں کو غیر ملکی مصنوعات کے لانے کی ممانعت تھی، اسی بنا پر کولبار نے بھی فیلنسیا کے بعض چیزوں کی درآمد فرانس میں بالکل بند کردی تھی، اور کسی کو اجازت نہ تھی کہ وہ فرانس کے کارخانوں کے علاوہ کسی اور ملک کی چیزیں خریدیں، اس طریقہ کا نام طریقہ منعیہ" (Prohibitionnisme) مقرر کیا گیا۔ کولبار یہ بھی کرسکتا تھا کہ غیر ملکی مصنوعات کی درآمد پر محصول (جمرک) مقرر کردیتا، جسکی وجہ سے ملکی مصنوعات کے مقابلہ میں غیر ملکی چیزیں گراں ہوجاتیں، اور اسطرح ملکی مصنوعات سبقت لی جاتیں، اس طریقہ سے دو فائدہ تھے، ایک یہ کہ محصول کی آمدنی سے خزانہ سلطنت کی مقدار میں زیادتی ہوتی۔ (جو مشرقی حکومتوں کا طریقہ تھا) دوسرے یہ کہ ملکی مصنوعات کی حمایت ہوتی دوسرے مقامات میں اس طریقہ کا نام "حامیہ" (Protectionnisme) رکھا گیا۔

سترھویں صدی میں تمام دول یورپ ان دونوں طریقوں پر عمل کرتی تھیں (یا طریقہ منعیہ پر یا طریقہ حامیہ پر) چنانچہ ۱۶۱۵ء میں انگلستان نے ایک قانون "ملاحی" بنایا، وہ بھی اسی طریقہ منعیہ پر مبنی تھا کیونکہ انگلستان اور اسکی نوآبادیوں کے ساتھ تجارت ممنوع تھی (جب تک تجارتی جہاز انگریزی بھی نہ ہوں) بخلاف اس کے کولبار نے فرانس میں طریقہ "حامیہ" جاری رکھا، وہ کہتا تھا، چنگی کا محصول بھی وہ بازار تجارت ہے، جسپر ابتدا میں مصنوعات کی ترقی کا دارومدار ہے، اور جب مصنوعات ترقی کرجائیں، تو پھر جہاں چاہو ڈالدو۔ یہی وہ نظام ہے جو طریقہ تجاریہ (Mercantilism) کے لقب سے مشہور ہوا، کیونکہ اس سے نقد سرمایہ کی زیادتی ہوتی ہے، اور تجارت کو فروغ ملتا ہے، یہ نظام اٹلی کے شہروں کے لیئے زیادہ مناسب ہے، اسلیئے کہ وہاں مالی ترقی کا ذریعہ زیادہ تر مصنوعات اور بیرونی ممالک کے لیئے ان کی برآمد ہے، اور پھر اس ذریعہ سے مخالف ممالک کے بالمقابل ملکی تجارت کی حمایت بھی ہوسکتی ہے۔ پندرھویں صدی میں ان دونوں طریقوں پر بہ نسبت موجودہ حالت کے بہت سختی سے عمل کیا جاتا تھا کیونکہ سونے چاندی کی قلت تھی اور لوگ اس کے طالب زیادہ تھے

اس کے بعد جب نئی دنیا کا سراغ ملا، اور سونے چاندی کی کانیں بھی بکثرت دریافت ہوئیں تو نقود کی زیادتی سے ان طریقوں کے تشدد میں بھی کچھ کمی ہوگئی۔

اقتصاد سیاسی یا تدبیر مملکت۔ سترہویں صدی کے آغاز میں اقتصادئین نے یہ بحث چھیڑی کہ ممالک و بلاد کی ثروت میں کن ذرائع سے ترقی ہوسکتی ہے، اس بحث کا نام اقتصاد سیاسی، یعنی علم تدبیر المملکت، رکھا، اس بحث سے ان کا مقصد ٹیکس مقرر کرنا اور تجارت و صنعت کی ترقی تھی، تاکہ حکومت اور ممالک کی ترقی ہو اور افراد کا مالی بار کم ہوجائے، اہل اقتصاد تاریخی تقسیم کے ماتحت تین دور پر منقسم ہیں

دور اول لوئی چہاردہم کے آخری عہد سے شروع ہوا۔ اور بواکولبار (Bois guillebert) نے ۱۶۹۷ء میں علم الاقتصاد پر دو کتابیں لکھیں، یہ دونوں کتابیں اس فن میں پہلی کتابیں ہیں اور اس فن کی امہات کتب بھی سمجھی جاتی ہیں۔ اس کے بعد فوبان نے ۱۷۰۷ء میں عشر شاہی پر ایک کتاب لکھی، ان دونوں مصنفوں نے اعداد و شمار سے فرانس کا افلاس ثابت کیا تھا، اور اس پر زور دیا تھا کہ فرانسیسی قوم باعتبار آبادی روز بروز گھٹ رہی ہے، اور حکومت اپنے تشدد میں سرشار، اور سخت گیری میں مبتلا ہے، قومی اخلاق کی حفاظت نہیں کرتی، ٹیکس بالکل جابرانہ طریقوں پر مبنی ہے، جو لوگ ٹیکس مقرر کرتے ہیں وہ خود مختار عمال ہیں یا غیر منصف رؤسا، جنہوں نے ٹیکس کے بوجھ سے اپنے تئیں ملکا کرلیا ہے، اور قوم کے غریب بچوں پر خلاف انصاف طریقے سے ٹیکس زیادہ عائد کردیا ہے۔ انہوں نے اپنی جاگیروں کے کاشتکاروں کو ٹیکس سے بری کردیا ہے، جسکی وجہ سے ان کی اراضی محصول سے یکسر معاف ہوگئیں، اب ٹیکس کا بار صرف معمولی مزارعین تک محدود ہے، جسکی مقدار پیداوار کی تقریباً ایک ثلث کے برابر ہے، پھر وزرا اور عاملوں کے حقوق اس کے علاوہ ہیں۔ جس کا نتیجہ زمینوں کی موت اور آبادیوں کی ویرانی کی صورت میں ظاہر ہورہا ہے۔ قدیم باشندے اپنے گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر جارہے ہیں۔ کہ ان کے لیے زراعت میں کوئی فائدہ نہیں، ان تمام امور کو بالوضاحت ثابت کرکے فوبان اور بواگلبار نے اس بات پر زور دیا تھا کہ بلا استثنا (امیر و غریب) سب پر ٹیکس لگایا جائے، حکومت اور اس کے مغرور ارکان کو یہ بات سخت ناگوار گذری، اور حکم دیا گیا کہ یہ تینوں کتابیں آگ میں ڈال کر اس حد تک جلادی جائیں کہ ان کی خاکستر بھی باقی نہ رہی، لیکن یہ آواز بے اثر رہنے والی نہ تھی، یہ ایک بجلی تھی جو دل و دماغ کے آسمان پر چمک پیدا کرگئی، خوابیدہ قوم جاگ اٹھی، اس نے اپنے حقوق کا مطالبہ کیا، اور ___ ٹیکس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئی

دور ثانی۔ یہ لوئی پانزدہم کے وسطی زمانہ سے شروع ہوتا ہے، جبکہ اقتصاد سیاسی کی ہوا حقوق طلب جماعت سے گذر کر ایوان شاہی تک پہونچنے لگی تھی، اور قومی فلاکت کا درد اس کے دردمندوں کے دلوں سے نکل کر نکیب دل

ارباب حکومت کے پہلو میں بھی ٹیس پیدا کر رہا تھا، اس دور کا طغرائے امتیاز یہ واقعہ ہے کہ شاہی طبیب کا سنائے نے "بیان اقتصادی" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی، اور اسے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا، وہ اس کے مطالعہ سے بہت خوش ہوا، اور اس نے اس کا مسودہ صاف کرا کے عام طور پر شائع کرایا، جس سے اقتصاد سیاسی کی جانب عام میلان پیدا ہو گیا، طلبہ اسکی باقاعدہ تحصیل کرنے لگے، اور اقتصاد سیاسی کی سند تعلیمی امتیاز سمجھی جانے لگی، عہدہ داران سلطنت کو بھی اسطرف توجہ ہوئی۔ امرا نے شاہی توجہ دیکھکر اس کی تکمیل کی، اور تھوڑے ہی عرصہ میں اقتصادیین کی ایک بڑی جماعت پیدا ہو گئی، جنہیں میرابو (miraleau) اور کورنائی بھی ہیں۔

اس عہد کے اقتصادیین کا یہ اصول تھا کہ قدرت نے دولت و ثروت کی ترقی کے طبعی ذرائع و قوانین مقرر کئے ہیں وہ ہر طرح مکمل ہیں، ان کے سوا انسان جو قوانین وضع کرتا ہو خواہ وہ کتنے ہی غور و خوض سے مرتب کئے جائیں، قوانین طبعی کے مقابلہ میں ناقص ہوتے ہیں، بس بہترین نظام وہی ہے جو ہر شئے کو اسکے اصلی قانون پر چھوڑ دے، اس عقیدہ اور اس اصول کا نام "قانون طبعی کی حکومت" رکھا گیا

اس مذہب کے معتقدین نے ثروت کے مصادر، اور اس کے حقیقی ذرائع سے بھی بحث کی اور فن پیداوار وضع کیا، اس کے مبادی کی تشریح میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں، لیکن دیتون اور ارسیہ کی کتابیں زیادہ مستند سمجھی جاتی ہیں۔

اس فن کے ماہرین کا خیال ہے کہ سونا چاندی، حقیقی ثروت نہیں بلکہ علامت ثروت، یا دولت کا آلۂ امتیازی ہے اور حقیقی ثروت وہ قدرتی اشیا ہیں جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں، اور جس کا منبع و مصدر کے فائدہ کے لئے زمین میں وقعت دینا کیلئے، یہی کاسنائے کا مذہب تھا،

لیکن دوسرے اقتصادیین نے مصادر ثروت میں نتائج مصنوعات کو بھی شامل کیا ہے، حکومت کے مصنوعی طریقۂ ثروت کی سب خدمت کرتے تھے، ان کا قول تھا کہ سلطنت ایسے قوانین وضع کرتی ہے، جو صنعت و تجارت کو ضعیف کرتے ہیں، اور ان کا مآل یہ ہو کہ تاجر کو تجارت اور صناع کو صنعت سے روکدے، لہذا اس باب میں حکومت کا اولین فرض ہے اور اس کا بہترین طرز عمل یہ ہونا چاہیئے کہ وہ تاجروں اور صناعوں کو تمام قیود سے بالکل آزاد کر دے۔ اور تجارتی و صنعتی طریقوں کی حفاظت کے سوا ان کے معاملات میں دخل نہ دے، وہ اپنے معاملات کو وزرا سلطنت سے زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جسطرح ارباب حکومت اہل تجارت سے بہتر سمجھتے ہیں، پس ان کے معاملات کو بالکل انہیں کے ہاتھوں میں دیدینا چاہیئے اور ارزانی و گرانی سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہیئے کہ مال کی طیاری، اسکی کثرت و قلت کا فیصلہ

وہی کر سکتے ہیں، ایوان حکومت میں بیٹھنے والے اہل سیاست کو بازار کے نرخ اور اشیا کی طیاری کی کیا خبر۔

کولبار نے ایک صناع سے پوچھا کہ وہ کتنی مزدوری سے ملکی ثروت میں اضافہ کر سکتا ہے؟ اس نے کہا، اس مزدوری سے کہ حکومت ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے، ہمارے معاملات سے کوئی تعلق نہ رکھے، ہم اپنے ہاتھوں سے کام کریں اور اپنے پاؤں کے بل کھڑے ہوں۔ کولبار نے اس جواب کو بہت پسند کیا اور اس کو اپنا اصول قرار دیکر تجارتی و صنعتی آزادی کا مطالبہ کرتے ہوئے حکومت سے پرزور اپیل کیا کہ وہ ہر شخص کو ہر صنعت کی اجازت دے، احتکار اور دوسری تجارتی پابندی بھی اٹھا دے، اور ہر شخص کو خرید و فروخت کی اجازت دے، اس آزادی کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ تمام ممالک کے تاجروں اور صناعوں میں مسابقت کا ہیجان پیدا ہو جائیگا، اور اس سے تجارت و صنعت کو بہت نفع پہونچے گا، کیونکہ سبقت و اقدام کے خیال سے ہر صناع اپنی چیز کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریگا، تاجر اپنے مال کو کم سے کم نفع پر فروخت کرینگے اور اپنے مصالح و اغراض کی بنا پر متحد بھی رہیں گے، اسمیں خریداروں کا بھی فائدہ ہوگا اور ملک کا بھی!

اقتصادیین نے کاشتکاروں کی طرف بھی توجہ کی۔ ان کو منجملہ دیگر شکایات کے حکومت سے ایک یہ بھی شکایت تھی کہ وہ ان سے جبریہ ٹکس وصول کرتی ہے جس سے زراعت کو سخت صدمہ پہونچتا ہے، انہوں نے حکومت کو قانون کی ترمیم پر آمادہ کیا اور چاہا کہ وہ تمام غیر آئینی ٹکس منسوخ کرکے بلا استثنا، تمام زمینداروں پر حسب حیثیت ٹکس لگائے، اور کاشتکاروں سے بھی کچھ لے لیا کرے، لیکن بعض کا خیال تھا کہ ثروت کا ذریعہ صرف زمین ہے۔ لہٰذا زمین ہی پر ٹکس لگانا چاہیئے۔

دور ثالث، اس دور میں اقتصادی سیاسی بہت عام ہو چکا تھا۔ قریب قریب ہر شخص اس کے اصول و مبادی سے واقف تھا، سینکڑوں کتابیں تصنیف ہو چکی تھیں، اور سلسلۂ تصنیف برابر جاری تھا، اور متعدد جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں، متعدد فرقے ہو گئے تھے اور ہر جماعت کے علیحدہ اصول و ضوابط تھے، لیکن اٹھارویں صدی کے مشہور اقتصادی صرف دو ہیں، ایک ٹیرگو دوسرا آدم اسمتھ (Adam Smith) اسکاٹلینڈ کا مشہور ماہر علم سیاست مدن اول الذکر فرنسیسی تھا اور آخر الذکر اسکاٹ، یہ دونوں اقتصادیات کے بہترین ماہر، اس کے تمام اصول کے عالم، قدیم و جدید علوم کے جامع اور مجتہد و مجدد تھے، اور اقتصادیات کے درس میں تمام گذشتہ اقتصادیین پر فائق تھے، اقتصاد سیاسی کے باب میں ہر اصول پر نہایت بالغ نظر اور اس مسئلہ کے ہر موضوع پر صائب رائے رکھتے تھے، ٹیرگو نے اس کلیہ کو اچھی طرح ظاہر کیا کہ معدنی پیداوار اور نقود میں کیا فرق ہے، تقسیم عمل کے اصول سے ثروت کیونکر ترقی پا سکتی ہے اور اجرت در اس المال میں کیا نسبت ہے، آدم اسمتھ نے ایک واضح اور عمدہ طریقہ پر اپنی تصنیف "ثروت الامم" میں علم الاقتصاد کے تمام اصول پر بحث کی، اس نے اس مسئلہ کے آغاز حیات سے ۱۷۷۶ء تک کہ یہی اس کا عہد تصنیف ہے، اس علم کے تمام

علماء کی آراء اور ان کے اصول و براہین کو جمع کر کے یہ قول فیصل دیا کہ دولت کا ذریعہ صرف پیداوار ہی نہیں ہے بلکہ صنعت و تجارت بھی ہے، اس نے بتلایا کہ صنعت کے آغوش میں کسقدر منافع ہیں، اور وہ اپنے اعجاز صنعت سے، خام پیداوار کو کس حیرت ناک صورت میں بدل دیتی ہے،

یہ پہلی کتاب تھی جس نے علم الاقتصاد کے طلبا کو تمام قدیم و جدید کتب کے مطالعہ سے بے نیاز کریں، اور یورپ کی تمام متمدن قوموں کو اس علم کی اہمیت بتلائی۔

ہمارے لیئے یہ ثابت کرنا ممکن نہیں کہ اقتصادیین کی ہر رائے حق ہے، اور نہ یہی درست ہے کہ جب آدمیوں کو بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے، تو وہ اپنی اعلیٰ ترین مصلحتوں کو خود ہی عمل کرنے لگتے ہیں، اس کے مقابلہ میں ایک مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ جب ایک تاجر یا صناع مطلق العنان چھوڑ دیا جاتا تو جہل و کسل کی وجہ سے اپنی بہترین قوتیں ضائع ہو جاتیں وہ اپنی فرصتوں کو لاو بالانہ کاموں میں برباد کرتے، نہ اپنی تجارت کی توسیع کی طرف مائل ہوتے نہ صنعت کی ترقی کی طرف۔

علاوہ ازیں اقتصادیین نے ارباب صنعت اور خریداروں کے منافع کے سوا کسی اور طرف توجہ نہیں کی، اور یہ پہلو ان سے بالکل چھوٹ گیا۔ کہ آزادانہ اقتصادی مسابقت سے مزدوروں کو بسا اوقات کچھ نفع نہیں ہوتا، البتہ گاہ گاہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جدید طریقوں سے نفع اور ثروت کی اس سے زیادہ ترقی ہوتی ہے۔ جو آزادی مطلق یا عدم قوانین سے ہوتی ہے اقتصادیین نے اپنی مصنفات میں اپنے عہد کی سلطنتوں کا بھی ذکر کیا ہے، اور بتلایا ہے کہ قانون کا نہ ہونا، مضر قانون کے وجود سے بہتر ہے،

فلاسفہ انگلستان | سترہویں صدی میں یورپ کے مشہور فلاسفہ صرف چار تھے، ڈیکارٹ (De Cartes) مالبرانش، سپینوزا، لیبنٹز یہ چاروں علم النفس اور مابعد الطبیعیات کے عالم تھے، اور اسی کا درس دیتے تھے، سیاسیات سے انہیں کوئی تعلق نہ تھا، بلکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اشتغال حکومت کا تعلق صرف ارباب حکومت سے ہونا چاہیئے فلاسفہ کو اس سے کیا سروکار؟ لیکن اٹھارویں صدی میں رنگ بدلا، فراست پسندوں کے فرزند نیا جولاہنگر نکلے اور اپنے دوستوں کو بتلایا کہ سیاست تو فلسفہ کی ایک شاخ ہے اسی عہد میں ایک معتدبہ جماعت مدبر اہل قلم کی پیدا ہوئی جو فلسفہ پر کامل عبور رکھتی تھی، اس نے فلسفہ کے مبادی کو معین کیا، اور خود بھی فلاسفہ کے لقب سے موسوم ہوئے۔ اور انہوں نے فلاسفہ قدیم کے دائرہ تحقیق میں قدم نہ رکھا اور نظریات سے ہٹ کر عملیات کی جانب قدم زن ہوئے، اسوقت جو نئے طریقے اور قوانین جاری ہیں یہ سب انہی کے عملی فلسفہ درس کے نتائج ہیں۔ جب ان کے نزدیک کوئی خلاف عقل عقیدہ ظاہر ہوتا تو اس کا خوب مضحکہ اڑاتے اور قلم کے اسلحہ سے اس پر نہایت شد و مد سے حملہ کرتے۔ کیونکہ ان جدید فلاسفہ میں اکثر

اہل قلم تھے،

اسوقت تمام یورپ میں ہیئت اجتماعی صرف دو ستونوں پر قائم تھی، ایک مطلق العنان دنیوی حکومت، دوسرے خود مختار کلیسائی حکومت، قوم کی یہ حالت تھی کہ وہ خاموشی کے ساتھ اطاعت و فرمانبرداری کرتی تھی، اس کا عقیدہ تھا کہ بادشاہ کی حکومت خدا کی طرف سے ہے لہٰذا اسکی اطاعت ہمارا فرض ہے، شاہی قلعوں کی کوئی حد نہیں، ذات شاہانہ ہر طرح سے مطلق العنان ہے، اس بنا پر بادشاہ اور وزراء کا خیال تھا کہ ان کے احکام سے سرتابی ناممکن ہے، کسی کی مجال نہیں کہ ان کی مقاومت کر سکے، وہ جو چاہیں کریں، جیسے چاہیں احکام نافذ کریں۔ رعایا کی مرضی اور اس کے مشورہ کی ضرورت نہیں، نہ انہیں ملکی منافع کا خیال تھا، نہ رعایا کی صلاح و فلاح کا، وہ صرف اپنی آتش حرص کو بجھاتے تھے، اسی کے لیے جنگیں ہوتی تھیں، انہیں صرف عالیشان قصر و ایوان کی زیب و زینت منظور رہتی، اسی کے لیے ملک کی دولت قربان ہوتی تھی، جیسے تھے قانون بناتے، اسکی پابندی پر زور دیتے، انہیں خود اس سے انحراف کرتے۔ اور جو کوئی اسپر نکتہ چینی کرتا تو قید کی دوزخ میں ڈالدیا جاتا، مطابع پر شاہی نگرانی قائم تھی اور پریس کے معنی شاہی مداحی کے تھے، کوئی کتاب حکومت کی منشاء و اجازت کے بغیر نہیں چھپ سکتی تھی، خود رعایا بھی اس حد تک شاہ پرست تھی کہ وزراء حکومت جسے چاہیں قید کر دیں خواہ کوئی جرم ہو یا نہ ہو، ثبوت ملے یا نہ ملے اس کے لیے نہ کوئی مرافعہ تھا نہ اپیل، کہ یہ تقدیس شاہانہ کے منافی، اور خدائی معصیت تھی یہ تھی انگلستان کی وہ مطلق العنان حکومت، جو سولہویں صدی ہی میں اسکی زمین، اسکے دریا اور اسکی تمام کہار پر قائم تھی،

اس کے مقابلہ میں ایک اور شہنشاہی تھی، دنیا پرست تو بادشاہ کے جلال و جبروت سے ڈر کر اس کو خدا کا قائم مقام سمجھتے تھے، لیکن مذہب کے بندے، دین کے نام پر اپنی قربانیاں چڑھاتے تھے، ان کا سر گرجا کے دروازہ پر، پادریوں کے آگے جھکا ہوتا تھا، کلیسا کی اطاعت و فرمانبرداری ان کی رگوں کا خون تھی، اور اس بارے میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں متحد تھے، کاہنوں کا یہ حق تھا کہ واجب الاتباع عقائد کو بیان کریں، اور مذہبی فرائض کی ادائگی کے لیے ضروری مجالس قائم کریں، مومنین کا فرض ہے کہ کاہن جو کچھ کہیں یہ اسپر عمل کریں، ورنہ اگر فرض کی بجا آوری میں تساہل ہوتا تو باغیوں کی طرح سزا دی جاتی، ایک سلطنت میں ایک مذہب کے سوا دوسرا مذہب نہیں سما سکتا تھا، پس کاہن اپنی سلطنت میں ایک مذہب کے مطابق تمام مذہبی فرائض کی انجام دہی پر لوگوں کو مجبور کرتے، مثلاً اتوار کی نماز، ایام معین کے روزے، نکاح، دفن، بپتسمہ یہ تمام مذہبی فرائض حکومت کے طریقہ پر ادا کئے جاتے تھے، اور کیتھولک ممالک میں رعایا کو گوشت کے ترک کرنے پر بھی مجبور کیا جاتا تھا، اور حکومت بھی اس نظام کی امداد کرتی تھی، ملحد کو سزا دینا اور کلیسا کی اطاعت پر مجبور کرنا حکومت کا فرض تھا

اسی طرح بادشاہ کی فرمانبرداری کرانا کاہنوں کا مذہبی فرض تھا الغرض یہ دونوں مطلق العنان سلطنتیں باہم متحد و متفق تھیں،

لیکن سترہویں صدی یورپ کی زمین و آسمان کے لیئے پیغمبر انقلاب صادق تھی، یہی اس کے موجودہ علم و تمدن کا مصدر رہی اور اس کی تمام ترقیوں کا ماخذ۔ انگلستان میں سب سے پہلے یہ ہوا کہ اس ہیئت اجتماعی کی بندشیں ڈھیلی ہوئیں، دونوں کے نظام میں ضعف طاری ہوا، حکومت اور کلیسا کی آویزش ہوئی اور اس باہمی آویزش نے دونوں کو ضعیف کر دیا۔ ۱۶۸۸ء کے مشہور بلوہ نے شاہی اقتدار و استبداد کا خاتمہ کیا۔ اس کے خاتمہ نے سطوت دینی کا جنازہ نکالا۔ مطلق العنان حکومت کی جگہ پارلیمنٹ قائم ہوئی۔ اور کلیسا کی حکومت میں سطرح اصلاح ہوئی دستوری حکومت کے ارکان اسکو ہر دلعزیز بنانے کے لیئے کلیسا میں شامل ہوئے اور اسطرح دونوں میں پھر اتحاد اور اتفاق ہو گیا،

یہ اتحاد فلاسفہ کے لیئے ایک مستقل مسئلہ بحث و نظر تھا، انہوں نے بتلایا کہ حکومت اور کلیسا کی مطلق العنانی فنا ہونے کے بعد بھی اقوام کی ہیئت اجتماعی باقی رہ سکتی ہے،

اس اتفاق و اتحاد کا جو نتیجہ بھی ہوا ہو۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ اس کے بعد ہی اس عقیدہ پر کہ عام شاہی حقوق خدا کا عطیہ ہیں اور سلطنت میں تنہا ایک مذہب ہونا چاہیئے سخت کاری ضرب لگی جس سے انگلستان کی بدنصیبی کے دن پھرے۔ سیاسی آزادی کے ساتھ مذہبی فیاضی کا دروازہ کھلا، اور انگلستان مختلف مذاہب کا گہوارہ بن گیا۔

اس زمانہ میں انگلستان میں بعض فلاسفر بھی تھے جنہوں نے ان نظری قضایا کی تائید کی۔ جن سے اختیار عملی کے نتائج پیدا ہوں، مگر ان فلاسفہ میں سب سے زیادہ مشہور صرف "ٹیوک" ہے جس نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی، جس کا نام "فیاضی کے وسائل" تھا، اس کے ہم نوا دو اور فلسفی تھے، فلکٹری اور پولینبروک

ان فلاسفہ کا عقیدہ تھا کہ دین مسیحی کو عقل کے مطابق ہونا چاہیئے۔ خدا نے ہمیں عقل اسی لیئے دی ہے کہ ہم حقائق تک پہونچنے کی کوشش کریں۔ نصرانی فرقے جن جزئیات کی بنا پر متفرق ہو گئے ہیں انہیں کوئی اہمیت نہیں دینی چاہیئے کیونکہ مبادیات پر سب متفق ہیں اور اس سے کسی کو انکار نہیں . . . .

. . . . کہ تمام عالم میں ایک خدا ہے۔ اور انسان کے لیئے ایک ہمیشہ رہنے والا نفس موجود ہے

ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ خدائے قدوس نے عقل اس لیئے عطا فرمائی ہے کہ ہم حقائق اصلیہ و حقائق اجتماعیہ

اور حقائق فردیہ کا ادراک کریں، اور قوت تمیز اس لیے بخشی ہے کہ نیکی اور بدی میں تمیز کریں، پس انسان بالطبع عاقل و فاضل ہے، اس کا وجود ایک عمل خداوندی ہے اور خدا کا ہر عمل مستحسن ہے۔

انگریزوں کی ایک جماعت قدیم عقائد و عادات کی بھی پابند تھی، لیکن اس نے قدیم کلیسا کی تقویت کا مطالبہ نہیں کیا، اور جدید **کلیسا کی حلقہ** بگوش ہو گئی کیونکہ حکومت اس کے منتظمین کو ستا رہی تھی اور ان کی امداد کرتی تھی البتہ انہوں نے عام عقائد مذہبی کے متعلق جرات و آزادی کا مطالبہ کیا کہ تمام شعائر مذہبی بلا مخاصمت کے علی الاعلان ادا کئے جائیں، لیکن اس حق آزادی سے بعض وہ عقائد مستثنیٰ کر دیئے گئے، جن کے متعلق خیال تھا کہ وہ ممنوع ہوں گے، مثلاً الحاد یا کیتھولک عقائد۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ مذہبی رواداری انگریزوں کی ضمیر کی آزادی کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ چونکہ ان کا یہ خیال تھا کہ ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جو چاہے مذہبی عقائد رکھے۔ اور اس خیال کو توسیع حکومت کی خواہش نے پیدا کیا تھا، اس لیے انہوں نے اپنے ملک کو ہر مذہب و ملت کے افراد کے لیے کھول دیا، اگرچہ کیتھولک فرقہ کے ساتھ ان کا عناد قائم رہا، دوسرے اس فیاضی کے یہ معنی نہیں کہ ان کا مذہب فیاض ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ دین طبعی کا قائم مقام قومی مذہب ہے اسلیئے تمام مذاہب کے مقابلہ میں جو قدر اس تک پہونچنے کی کوشش کرتے ہیں اپنی رواداری کا اعلان کر دیں۔

اسکے بعد تغیر مذہبی کی طرح تغیر سیاسی کی ہوا بھی چلی اور ۱۶۸۸ء کی بغاوت نے ایک ایسے بادشاہ کو تخت پر بٹھایا جو پارلیمنٹری حکومت کا حامی تھا۔ فلاسفہ نے بادشاہ اور قوم کے تعلقات کو ایک نئی صورت میں پیش کیا، لاک نے ان تعلقات کی وضاحت کے لیئے ایک کتاب لکھی، اور یہ ثابت کیا کہ حکومت اہل وطن کے ان باہمی معاہدوں سے پیدا ہوتی ہے جو اجتماع قومی کے لیئے ضروری ہیں، اور اہل وطن مصلحت عامہ کی غرض سے جو شرائط منضبط کرتے ہیں ان کے تحفظ کا نام حکومت ہے۔

اس سیاسی فیلسوف کا یہ عقیدہ تھا کہ اجتماعی آداب میں منسلک ہونے سے پہلے انسانوں میں بالطبع یہ میلان موجود ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے ذاتی حقوق طبعی حاصل کریں۔ اور اپنے ذاتی مفاد کی راہیں کھول لیں" اس کا نام "حقوق الانسان" ہے، غرض وہ حقوق جو شخصی آزادی سے متعلق ہیں، اور حقوق اجتماعی اور حقوق تملک سب مقدس حقوق ہیں اور انکی بنیاد مذہب طبعی ہے، ان ہی حقوق کی حفاظت کے لیئے سلطنت کی ضرورت ہے اور حکومت اس کی کفیل ہے کہ وہ **حقوق طبعی کی حفاظت کرے**۔ . . . . اسی غرض سے وہ واجب الاطاعت ہے۔ لیکن اگر حکومت اپنے فرض یعنی تحفظ حقوق طبعی کو توڑ دے۔ یا اس کے ادا کرنے میں تساہل کرے یا اپنے فرائض انجام نہ دے اس کا عدم و وجود برابر ہے اسکی ہستی کو نقصان پہونچنا چاہیئے یعنے جماعت کا فرض

ہے کہ وہ اُسکے نظام کو برباد کردے، کیونکہ اس نے اپنے عہد کو توڑ دیا جسکی وجہ سے وہ قائم ہوئی تھی اور اس سبب کو اس نے فراموش کر دیا جسکی باعث اُسے اختیارات دیئے گئے تھے۔ اسی لیئے اسکو اس نقض عہد کی سزا ملنی چاہیئے اور ہر وطن کے فرزند کا فرداً فرداً یہ فرض ہے کہ ایک لمحہ کے لیئے بھی ایسی مقامی حکومت کو قائم نہ رہنے دے، اس تباہی میں وہ جسقدر دیر کریگا، اپنے ضمیر پر ظلم کریگا، اپنے نفس کو غلامی کا عادی بنائیگا، اپنے حقوق طبعی سے جنگ کریگا، اور قانون اخلاق سے انحراف و اعراض کا مجرم ہوگا۔ قانون قدرت نے ہر شخص کو جو اختیارات دیئے ہیں، ان کی بجا آوری ہر شخص کا فرض ہے، لیکن جو شخص اس فرض کو ادا نہ کرے، یا اسکی ادائی میں تساہل برتے، یا اس سے اعراض کرکے دوسرے طریقے ایجاد کرے وہ گناہ گار ہے، اور جو لوگ اس گناہ کو نہ مٹائیں یا اسمیں اسکی مدد کریں خواہ کسی نہج کی ہو، وہ معاون جرم ہیں، اور معین جرم کے لیئے قانون التعزیرات وہی سزا تجویز کرتا ہے، جو مرتکب جرم کے لیئے ہوتی ہے،

وہ زمانہ گذر گیا جب دنیا کی آبادی بادشاہ کو ظل اللہ سمجھتی تھی، اب مطلق العنان سلطنت کی لعنت دنیا سے دور ہو رہی ہے، شاہی احکام و فرامین کی اطاعت ضروری نہیں ہے، اگر وہ قانون فطرت کے خلاف ہیں، اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کی قائم کی ہوئی حدود کے مخالف ہیں، اب وہ زمانہ آ رہا ہے کہ دنیا حقیقت کی طرف پہونچنے کی کوشش میں کامیاب ہو رہی ہے، اب اسکی ترقی کے دن قریب ہیں، وہ سمجھنے لگی ہے اور اس حقیقت کیلئے جان و مال نثار کر دینے کے لیئے آمادہ و مستعد ہے کہ حکومت رعایا کے حقوق طبعیہ کی حفاظت سے عبارت ہے، یہی اسکا ہیولیٰ ہے اور اسی پر اس کا بقا و قیام منحصر ہے، اور دنیا کے پردہ پر جب کوئی حکومت تباہ ہوئی ہے، جس کسی قوم نے قومی مطالبات کے مقابلہ میں خروج کیا ہے، خواہ اس کے اسباب کچھ ہوں، اور وہ کیسے ہی حالات کے ماتحت عمل میں آیا تو اسکی تباہی کی علت ہمیشہ یہی انحراف و اعراض اور یہی ظلم و جبر، اور یہی فرض ناشناسی و عیش پسندی قرار پائی۔

رعایا حکومت کو جو ٹیکس دیتی ہے، وہ اس حفاظت کا معاوضہ ہوتا ہے، جسکی وہ ذمہ دار قرار دی گئی ہے، اور ان فرائض کی ادائی کا صلہ ہوتا ہے جن کے لیئے وہ عدالتیں قائم کرتی، فوجیں بناتی، مدرسے کھولتی اور تمام وہ انتظام کرتی ہے جو ایک قوم کو اپنی ہمسایہ قوموں سے ہمسر و بہتر بنانے کے لیئے ضروری ہوں۔ لیکن جب وہ ان فرائض کو انجام نہ دے، ان خدمات کو بوجہ احسن پورا نہ کرے تو وہ بد دیانت نوکر ہے جسے آقا کو چاہیئے کہ مناسب تنبیہ کرے، جرمانہ کرے، اور جب پانی سر سے گذر جائے، خادم مخدوم بننے لگے، تو اسکو علیحدہ کر دینا چاہیئے۔ وہ ہرگز اس کا مستحق نہیں ہے کہ اسکو ایک سکنڈ کے لیئے بھی اپنی نوکری میں رکھا جائے اور آئندہ اپنے پیسہ کو ضائع کیا جائے۔

بادشاہ کی مثال بالکل خادم کی سی ہے، وہ اگرچہ مخدوم بنالیا جاتا ہے، لیکن اسکی سعادت یہی ہے، اور خیریت اسی میں ہے کہ وہ اپنے تئیں رعایا کا خادم سمجھے، اور خادموں کی طرح اسکی خدمت کا خیال رکھے، لیکن جب بادشاہ بادشاہ نہ رہے جب وہ اپنی خدمتیں انجام نہ دے تو اسے ٹیکس لینے کا کوئی حق نہیں، وہ ایک لمحہ کے دسویں حصہ کے لیئے بھی اس بات کا مجاز نہیں ہوسکتا، کہ رعایا کو اسکی مرضی کے خلاف مجبور کرے، اور اہل ملک کی املاک سے کسی حصہ کو اپنے لیئے مخصوص کرسے، لیکن اگر وہ اپنے فرائض کو انجام دے تو رعایا اسے اس بات کی اجازت دے سکتی ہے، کہ محاصل کا کچھ حصہ اپنے لیئے مخصوص کرلے، لیکن اس کچھ حصہ کے اختصاص کے لیئے رعایا یا اس کے نمایندوں سے مشورہ ضروری ہے ورنہ اس کا ایسا فعل خیانت کا فعل ہوگا، جو ظاہر ہے کہ ایک اخلاقی معصیت ہے، اور خود قانون بھی اسے ایک جرم قرار دیتا ہے، لہٰذا مجرم حکومت کا مستحق نہیں ہے، اور جو رکو بادشاہ نہیں بنایا جاسکتا، رہے وہ کام جو پبلک ورکس سے تعلق رکھتے ہیں سو اسکے لیئے بھی انہیں کے نمایندوں سے مشورہ لازمی ہے اور بادشاہ کا کوئی حکم اسوقت تک حکم نہیں ہوسکتا اور اس کا قانون اسوقت تک مکمل قانون نہیں بن سکتا جب تک قومی نمایندے اپنی رائے نہ دیں اور اس حکم و قانون سے متفق نہ ہوں۔

بولنگ برک (Boling Burke) نے ان خیالات کی شرح میں لکھا ہے کہ ہر فرد کی فطرت مطلق العنانی چاہتی ہے، اس مطلق العنانی کے روکنے اور حد اعتدال پر لانے کے لیئے حکومت کی ضرورت ہے اور حکومت چونکہ مستبد ہوتی ہے اس لیئے استبداد کو روکنے اور نقطۂ اعتدال پر قائم رکھنے کے لیئے قومی نمایندوں کا صلاح و مشورہ ضروری ہے، حکومت کو تا دیر قائم رکھنے کا یہی بہترین ذریعہ ہے، لیکن جب اس ذریعہ میں اختلال واقع ہوگا، جب یہ توازن قائم نہیں رکھا جائیگا، اور شخصی آزادی یا اختیارات حکومت اپنے خطوط اعتدال سے متجاوز ہو جائینگے تو دونوں کا وجود خطرہ میں پڑ جائیگا۔ اور اس خطرہ سے وہ چیز پیدا ہوگی جسے انقلاب کہتے ہیں۔

غرض اسطرح انگلستان میں سیاسی حریت پیدا ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذہبی بے تعصبی اور سیاسی آزادی دونوں صرف خواہش عوام پر قائم نہیں رہ سکیں کیونکہ اگر انگلستان کے فلسفی ایک جانب حریت و مساوات کے حامی ہیں تو دوسری جانب بادشاہ کی تخت نشینی کیلئے وزراء کے تقرر میں حقوق وراثت کے قائل ہیں۔ جس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اسطرح حکومت اپنی حد سے، اور شخصی آزادی اپنے دائرہ سے تجاوز نہیں کرےگی۔

(باقی) (اڈیٹر)

شہاب کی سرگزشت

(بہ سلسلۂ ماسبق)

(۵)

"پیارے محمود، کیا اب نہ آؤ گے۔ تم تو صرف ایک ہفتہ کے لیئے کہہ گئے تھے اور آج پورے پندرہ دن ہوگئے اگر تم کو جلد واپس آنا منظور نہ تھا تو مجھ سے کہہ جاتے، میں کیا تمہیں منع کر سکتی تھی، مجھے کیا اختیار تھا کہ کہتی "نہ جاؤ" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں آخر ایسا کیا کام ہے۔ صرف شہاب کی معیت میں ان کے اصرار پر تم گئے تھے، تو کیا جب تک وہ نہ آمیں گے، تم بھی نہ آؤ گے، فرض کرو کہ وہ کبھی نہ آئیں، تو پھر تم کیا کرو گے، مجھے چھوڑ دو گے، مجھ سے کبھی نہ ملو گے، خدا جانے گھبرا کے کتنی مرتبہ ارادہ کیا کہ میں بھی آجاؤں، لیکن جس بات کے لیئے دل بے چین ہوتا ہے اُس کو کبھی نہیں پایا، میں جانتی ہوں کہ نہیں جا سکتی، میں سمجھتی ہوں کہ تم تک نہیں پہونچ سکتی، لیکن جی یہی چاہتا ہے دل اسی کے لیئے بیقرار ہے، تمہاری تحریریں بھی اتنی مختصر آتی ہیں کہ اُن سے یہ تو معلوم ہوجاتا ہے کہ تم اچھی طرح ہو اور شاید خوش، اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہاں کر کیا رہے ہو اور کب تک وہاں ٹھہرنے کا قصد ہے۔ رات دن سیر و تفریح سے تمہارا جی بھی نہیں گھبراتا۔ مجھے بمبئی پر کیا کیا رشک ہے، کہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے اور کسقدر غصہ ہے کہ وہ تمہارا دامن ہی نہیں چھوڑتی، تم کو مجھ سے ملنے ہی نہیں دیتی، دل میں خدا جانے کیا کیا وہم گذرتے ہیں، تمہارے نہ آنے سے عجیب عجیب باتیں ذہن میں آتی ہیں، لیکن خدا جانے مجھے کیوں تمہاری محبت کا اسدرجہ یقین ہے، کہ فوراً ہی تسکین بھی ہوجاتی ہے۔ اور سمجھتی ہوں کہ تم اب آتے ہی ہوگے، تمہارا اب وہاں جی نہ لگتا ہوگا۔ محبت بھی کیسی خود غرض ہے کہ میں چاہتی ہوں تم وہاں پریشان ہوجاؤ۔ حالانکہ یوں تمہاری ادنے سی تکلیف میرے لیئے سوہان روح ہے، خدا کرے تم اس کے جواب میں مجھے یہ لکھو کہ فلاں تاریخ کو پہونچتا ہوں"

تمہاری سکینہ

جس وقت شہاب و محمود ساحل سے ہوٹل واپس آئے، تو محمود کو یہ تحریر ملی جس کو اس نے پڑھا اور پڑھتے ہی ایک خاص خیال میں مستغرق ہوگیا، شہاب سمجھ گیا تھا کہ سکینہ کا خط ہے اور یہ معلوم کر لینے کے بعد یہ سمجھ لینا کہ اس کا مضمون کیا ہوگا، کوئی ایسی مشکل بات نہ تھی، شہاب خود کبھی کسی سے سوال کرنے کا عادی نہ تھا اور جب تک "سر" اُس سے کوئی ذکر نہ کرتا وہ اپنی طرف سے گفتگو کی ابتداء بہت کم اور صرف ضرورت کے مطابق کرتا اسلیئے

اس نے کپڑے اتارنے کے بعد میز کے قریب کرسی گھسیٹ لی اور ایک انگریزی رسالہ جسے وہ بازار سے واپسی میں لیتا آیا تھا، کھول کر دیکھنے لگا، اُس کی عادت تھی کہ وہ تصویریں دیگر رسائل انگریزی کو پسند کرتا اور فرصت میں سب سے پہلے وہ انھیں تصاویر کو ایک ایک کرکے دیکھتا اور کوشش کرتا کہ بغیر مطالعۂ مضمون کے محض تصویر کا اندازہ دیکھکر سمجھ لے کہ کس محل کی تصویر ہے، اور کن جذبات سے متعلق ہے، بہت کم ایسا ہوتا کہ اسکی رائے غلط نکلی اور اس طرح وہ اپنے ذوق نقاشی کی خود ہی داد دے لیا کرتا تھا۔

اس نے برقی شمع کے سامنے جو اس کے روبرو میز پر ایک سبز ریشمی فانوس کے اندر قائم تھی سب سے پہلا صفحہ رسالہ کا کھولا اور اسمیں بالکل کھو گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک دریا اپنے پورے لوچ کے ساتھ کے ساتھ جاری ہے اور نگاہ کو سوائے اُس سلسلۂ کوہ کے جو ایک طرف ساحل کے منتہا سے شروع ہوتا ہے اور اُس وسیع ریگستان کے جو دوسرے ساحل کی ابتدا ہے اور کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی، جو اس منظر کی دلکش وحشت اور پُر سکون ویرانی کو غارت کرنے والی ہو، چاند ایک پہاڑی کی چوٹی سے بلند ہو کر اپنی چادر اسمیں پھیلا چکا ہے، اور جس میں پانی کی موجیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس چادر کی شکنیں ہیں جن کو ہوا نکالنا چاہتی ہے، لیکن بجائے مٹنے کے وہ اور زیادہ بڑھتی جاتی ہیں۔ دریا میں ہچکولے کھا کھا کر نیلوفر کے پھول کنارے آلگے ہیں اور چکور اپنے پر پھیلائے ہوئے بیتابانہ چاند کی طرف پرواز کو بلند کیے جا رہا ہے۔ فطرت کے اس اچھوتے خلوت کدہ میں، قدرت کی اس سادہ خوابگاہ میں ریگستان پر تین جوان لڑکیاں شانہ و سر کھولے کھڑی ہیں اُن کے ملبوس کا دامن ہوا اُڑ رہا ہے اور اُن کے لانبے لانبے بالوں کے سیاہ پرچموں کی لہروں سے چاندنی ہوا کے ساتھ مل مل کر کھیل رہی ہے، اسی وقت ننھا کیوپڈ اپنا تیر و کمان سنبھالے ہوئے سامنے سے نظر آتا ہے، جس کو دیکھ کر لڑکیاں سہم جاتی ہیں، باہم ایک دوسرے سے خوفزدہ ہو کر لپٹ جاتی ہیں اور کیوپڈ ایک خاص شاہانہ انداز سے پوچھتا ہے کہ۔

اس سرزمین عشق و محبت میں کون اسوقت گستاخانہ پھر رہا ہے"

یہ تھا تصویر کا منظر جس کو دیکھ کر شہاب خدا جانے کس عالم میں پہونچ گیا اور وہ بالکل بھول گیا کہ محمود ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو کیا کر رہا ہے، کس حال میں ہے۔ پورے بیس منٹ اسی استغراق میں گذر گئے یہاں تک کہ محمود نے تھک کر اُس سے پوچھا کہ "شہاب کیا دیکھ رہے ہو"

شہاب نے چونک کر فوراً کتاب بند کر دی اور پھر کچھ سوچنے لگا، اُس کی آنکھیں اسوقت چمک رہی تھیں، اُس کے چہرہ پر ایک خاص رنگ تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ اسپر کوئی غیر معمولی کیف طاری ہے۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے

کے بعد محمود اپنی جگہ سے اٹھا اور ارادہ کیا کہ شہاب کے سامنے سے رسالہ اٹھا کر خود دیکھے لیکن شہاب نے اُسے روک دیا اور بولا کہ

محمود تم اس وقت دیکھنے کی کوشش نہ کرو، ورنہ ممکن ہے فطرت تم سے برہم ہوجائے۔"

محمود۔ کیوں، کیا تم نے مجھے اسقدر گستاخ سمجھ لیا ہے۔ میں اور فطرت کی توہین کروں یہ تم پہلے شخص ہو جس نے میرے متعلق اس قسم کی رائے قائم کی اور شاید تمہاری زندگی میں بھی یہ پہلا موقعہ ہے کہ میری طرف سے ایسا اندیشہ تمہارے دل میں پیدا ہوا۔"

شہاب۔" جس وقت انسان اپنی کیفیات قلب سے مغلوب ہوجائے اُسوقت مناظر روحانی سے سروکار رکھنا غلطی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں قلب ہمیشہ روح پر غالب آجاتا ہے اور روح جس کی نزاکت اس امر کی بھی متحمل نہیں کہ وہ اپنی طرف سے کوئی شکوہ یا تردید پیش کرے افسردہ و مضمحل ہوجاتی ہے اور میرے نزدیک اس سے زیادہ توہین فطرت کی اور کوئی نہیں ہوسکتی۔"

محمود۔ آپ کے ہاں قلب و روح الگ الگ دو ایسے مقام ہوں گے کہ یہاں کی چیز وہاں اور وہاں کی یہاں نہ آسکتی ہوگی، مگر میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک حسیات قلب کا حد سے بڑھ جانا عین روحانیت ہے اور اس لیئے اگر کوئی شخص تاثرات قلبی سے سخت مغلوب ہوگیا ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسپر جذبۂ روحانی طاری ہے، اور اسلیئے اگر میں تسلیم بھی کرلوں کہ اسوقت تاثرات قلب سے مغلوب ہوں تو میں زیادہ مستحق دیکھنے کا ہوں نہ کہ تم جس کے سینہ میں قدرت دل رکھنا شاید بھول ہی گئی ہے۔"

شہاب۔ یہ تم نے بالکل صحیح کہا کہ قدرت نے میرے سینہ میں دل رکھا ہی نہیں اور شاید یہی سبب ہے کہ جو جذبات میرے اندر پیدا ہوتے ہیں وہ تمھارے جذبات سے بالکل جدا ہیں۔ اور میں سمجھ سکتا ہوں کہ روح کیا چیز ہے اور اسکی مقتضیات کیا، جس کو اگر تم جانتے بھی ہو تو (اپنے قول کے مطابق) صرف قلب کے ذریعہ سے حالانکہ میری روح براہ راست مجھ سے گفتگو کرتی ہے، پھر ایک مسئلہ روحانی میں تمھارا قول زیادہ مستند ہوسکتا ہے یا میرا۔؟

ظاہر ہے کہ میری رائے زیادہ ہوگی، اور اس لیئے تمھیں عمل کرنا چاہیئے اگر میں یہ کہتا ہوں کہ اس وقت یہ رسالہ نہ دیکھو۔"

محمود۔ جب تم تاثرات قلب سے آگاہ نہیں تو تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ جذبات قلب و روح میں اختلاف ہے۔"

شہاب۔ اس لیئے کہ قلب و روح دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ تم لوگ جو صرف قلب ہی کو روح سمجھتے ہو کیا جان سکتے ہو

کہ کیسی سخت غلطی میں مبتلا ہو اور تمھاری روحیں تم سے کسقدر آزردہ ہیں"

محمود - کیا کہوں شہاب میرے بس کی بات نہیں ورنہ میں تمھیں کہیں محبت میں مبتلا کر دیتا اور پھر پوچھتا کہ کہیے قلب کا کیا حال ہے، اسوقت روح پر کیا بن رہی ہے، تم کچھ کہتے اور میں کہتا کہ یہ تو صرف قلب کا تاثر ہے روح کو اس سے کوئی واسطہ نہیں، تم بگڑتے اور میں خوش ہوتا، تم تڑپتے اور میں مسرور ہوتا، مگر افسوس ہے کہ ایسا نہیں کر سکتا اسلیئے سنتا ہوں جو تم کہتے ہو اور برداشت کرتا ہوں جو سنتا ہوں۔ آزاد ہو۔ خلش سے ناآشنا ہو، جس طرح چاہو حکیم بن لو، فیلسوف ہو جاؤ۔ محبت کرنے کا سلیقہ ہوتا تو معلوم ہوتا کہ دل جب تک مبتلا نہیں ہے سب کچھ ہے، لیکن جہاں مبتلا ہوا پھر وہ خود کچھ نہیں رہتا، یہاں تک کہ وہ تپش کو بھی محبوب ہی کی جنبش نگاہ سمجھتا ہے، یہ تو ساری ہوش کی باتیں ہیں کہ روح کیا ہے اور قلب کیا، اُس کے تاثرات کیا ہیں اور اس کے کیا۔ وہ کب پیدا ہوتے ہیں اور یہ کس وقت۔ لیکن جہاں یہ ہوش جاتا رہا پھر تو یہ خبر نہیں ہوتی۔ کہ دل کہیں تھا بھی یا نہیں اور اگر تھا تو اب وہ کہاں ہے۔ آہ! شہاب اگر کبھی تم محبت کرنے لگو تو خدا جانے کیا ہو جاؤ"

شہاب - ہو کیا جاؤں، زیادہ سے زیادہ "تم" ہو جاؤنگا۔ اور تمھیں میں خوب جانتا ہوں اسلیئے سمجھ سکتا ہوں کہ محبت کرنے کے بعد انسان عقلمند نہیں رہتا!

محمود - یہ سچ کہتے ہو کہ میں عقلمند نہیں ہوں اور نہ ہو سکتا ہوں۔ لیکن شاید یہ تمھیں سُن کے حیرت ہوگی کہ میں اپنی بے وقوفی کو صد ہزار دانش و فراست کے عوض بھی دینا پسند نہیں کرتا اور اسپر مسرور ہوں"

شہاب - یہ صحیح ہے، آخر تکمیل حماقت کا کوئی درجہ ہونا تو چاہیئے۔ اگر کوئی ایسا نہ کرے تو سرخیل عشاق کیونکر بنے"

محمود - خیر، اس بحث سے کیا فائدہ۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اسوقت یہ کیسے معلوم کر لیا کہ میں اپنی کیفیات قلب سے مغلوب ہوں۔ اور حسن فطرت کا صحیح لطف نہ اٹھا کر میں اُس کی توہین کرنے والا ثابت ہوں گا۔

شہاب - ایک عورت کی تحریر اکثر و بیشتر قلب ہی کو متاثر کرتی ہے اور سکینہ بھی شاید عورت ہی ہے"

محمود - شاید کیا معنے یقیناً سکینہ عورت ہے، لیکن میں تمھارے اس دعوے کو تسلیم کرنے کے لیئے آمادہ نہیں کہ عورت کی تحریر صرف قلب ہی کو متاثر کرتی ہے، اور روح کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اگر اسے تسلیم کروں تو بھی ممکن ہے کہ سکینہ اُن عورتوں میں نہ ہو۔

شہاب - (مسکرا کر) سو اس کا بار ثبوت تمھارے اوپر ہے کہ سکینہ ان عورتوں میں نہیں ہے اور اس لیئے جب تک

یہ ثابت نہ کردوگے میں تمھیں کتاب نہ دیکھنے دوں گا۔"

محمود۔"بتاؤ میں کیونکر ثابت کرسکتا ہوں، یعنی کس طرح تم اس کا یقین کرسکتے ہو۔"

شہاب:"خیر جانے دو، یہ بتاؤ کہ تم نے آج تھیئٹر جانے کا قصد کیا اور مجھے بھی مجبور کیا تھا، چلوگے یا نہیں؟"

محمود:"بیشک،"

شہاب۔"(افسردہ ہوکر) افسوس ہے کہ میں نے تم سے بالکل خلاف توقع جواب سنا، اب اس سے زیادہ ثبوت مجھے اور کیا مل سکتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ سکینہ کی تحریر تمھارے جذبات روحانی میں تحریک پیدا کرتی ہے، حالانکہ تاثر قلب کی صورت میں بھی کوئی شخص اس سے جدا ہونا پسند نہ کریگا۔ چہ جائیکہ تاثرات روحانی سے مغلوب ہونے کی حالت میں۔

محمود۔(ذرا پریشان ہوکر)"نہ میں نے یہ کہا تھا کہ اسوقت میرا قلب متاثر ہورہا ہے نہ روح کی کیفیات کا ذکر کیا تھا۔ خود تمھیں نے فرض کرلیا کہ صرف میرا قلب متاثر ہے، اس لیئے کتاب نہ دیکھنے دی کہ وہ عالم روحانیت سے متعلق تھی، اور پھر آپ ہی ٹھہر جانے کا سوال کرکے یہ سمجھ لیا کہ میرا قلب بھی متاثر نہیں۔ چلو یہی سہی۔ اب تو کتاب دیکھنے دو۔ کیونکہ میں اسوقت تمھارے ہی خیال کے مطابق تاثرات قلبی سے بھی مغلوب نہیں ہوں۔

شہاب:"اب میں تمھیں اس لیئے نہ دکھاؤں گا کہ جب سکینہ کی تحریر بھی تمھارے قلب کو متاثر نہ کرسکی تو تم ایسے کہاں کے سخی ہو کہ محض ایک تصویر کو اپنی روح میں سے کچھ دیدوگے۔

محمود۔ دیکھو شہاب۔ خدا کے لیئے مجھ کو اس حد تک مجبور نہ کرو کہ میں بالکل اپنی زندگی سے بیزار ہو جاؤں اور کسی دن تنگ آکر جان دیدوں۔ تمھارے اصرار سے میں یہاں صرف اسلیئے آگیا تھا کہ شاید سکینہ کا خیال کچھ کم ہو جائیگا، اور اس طرح میں مسئلہ نکاح کو کچھ دنوں کے لیئے ملتوی کرکے غور کرسکوں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ میں نے یہاں آکر کوشش کی کہ اپنے جی کو سنبھالوں اور اپنے تئیں اسکی یاد سے زیادہ متاثر نہ ہونے دوں لیکن یہ کیا قیامت ہو کہ اب تمھیں مجھے ملامت کرتے ہو اور برا سمجھتے ہو۔ آخر تمھارا مقصد کیا ہے۔ مجھے نہ زندہ رہنے دیتے ہو نہ مرجانے کا حکم ہے پھر میں آخر کس نوع کی زندگی بسر کروں میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ تم مجھ سے چاہتے کیا ہو؟

شہاب۔ صرف ناکامی پر بیقراری اور کبھی کبھی اسی نوع کی برہمی اور بیزاری۔"

محمود یہ سنکر تاب نہ لا سکا اور بے اختیار ہوکر اٹھ بیٹھا اور کمرہ میں ٹہلنے لگا۔ شہاب نے پھر کتاب اٹھالی اور نہایت اطمینان وسکون سے دیکھنے لگا۔ گویا کوئی بات ہی نہ ہوئی تھی۔

ٹھیک جسوقت سامنے کی گھڑی آٹھ بجا رہی تھی کہ کھانے کا گھنٹہ ...... ہوٹل کی عالیشان عمارت میں گونجنے لگا اور شہاب نے دیوار کے برقی بٹن کو دبایا، خادم آیا، شہاب نے اس سے کہا کہ ہم دونوں اسوقت کھانا نہیں کھائیں گے"۔ محمود جو اسوقت شہاب پر سخت برہم تھا اور اُس سے انتقام لینا چاہتا تھا بولا "کیوں میرے کھانے کو کیوں منع کر دیا"

شہاب: "اس لیئے کہ کھانا کھانے کے بعد تھیٹر جانا بیکار ہے"

محمود۔ اور جاتا کون ہے۔

شہاب۔ میں اور میرے ساتھ تم"

محمود۔ میں تو نہ جاؤنگا"

شہاب: "تو اور زیادہ قوی وجہ تمھارے کھانا نہ کھانے کی ہے کیونکہ جو شخص اسقدر مغموم ہو کہ اپنی غذائے قلب ترک کر دے، اسکو غذائے جسمانی کی پرواہ کیا ہو سکتی ہے"

محمود نے جلکر برقی بٹن دبایا تاکہ خادم کو بلائے اور اپنے کھانے کے متعلق حکم دے کہ یہیں لاؤ۔

شہاب نے محمود کے اس انداز کو سمجھا اور خاموش رہا، لیکن جب خادم آیا تو شہاب نے ایک نگاہ محمود پر ڈالی اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس نگاہ میں کیا اثر تھا کہ محمود کی زبان سے کھانے کے متعلق ایک لفظ نہ نکلا اور صرف برف آب لانے کا حکم دیکر اسکو رخصت کر دیا۔

اسمیں شک نہیں کہ محمود بسا اوقات شہاب کی باتوں سے اسقدر بیزار ہو جاتا تھا کہ وہ گھبرا کر دل میں عہد کر لیتا تھا کہ اب اس سے نہ ملوں گا۔ لیکن خدا جانے شہاب کا کیا اثر تھا، وہ کیسی قوت مقناطیسی تھی جو محمود کو مجبور کیئے ہوئے ہوئے تھے۔ اور وہ انتہائے غضب کی حالت میں بھی اسکی مخالفت نہ کر سکتا تھا۔ محمود مغموم تھا، خاموش تھا، اور اسکی حالت ہرگز اس قابل نہ تھی کہ وہ اسوقت کسی سیر و تفریح میں حصہ لے سکے، لیکن جب ۹ کا وقت قریب آگیا اور شہاب نے گاڑی طلب کر کے محمود سے کہا کہ "چلو"، تو وہ انکار ہی نہ کر سکا، اور شہاب کے ساتھ ساتھ اسی طرح ہو گیا، جیسے کوئی اُس کے گلے میں زنجیر ڈالے ہوئے لیئے جا رہا ہے"

تھیٹر ہال اوپر برقی روشنی سے اور نیچے درخشانی حسن سے جگمگا رہا تھا، بمبئی کا بہترین حسن اور حسن کی بہترین خود آرائیاں تہذیب و تمدن کے بہترین ملبوس اور ملبوس کی بہترین زرکاریاں، جلوۂ بے محابا کی بے پناہ عشوہ باریاں ناز و کرشمہ کی محشر خیز فسوں زائیاں، جمال کی بے نیازیاں۔ آرائشوں کی دلربائیاں رنگین و معطر ساریاں اور ان

ساریوں کی وہ ایمان طلب عریانیاں، یہ تھا وہ تھیٹر ہال جہاں محمود و شہاب پہونچے اور کسی نہ کسی طرح اس سیلاب رنگ و تعطر اس طوفانِ حسن و نور کو عبور کرتے ہوئے اپنی اُن کرسیوں تک پہونچے جن کو انھوں نے شام ہی سے اپنے لیئے مخصوص کرالیا تھا۔ پردہ اُٹھا اور تماشہ شروع ہوا

(۶)

حسن، جس کو اپنی شراب کے رسا ہونے کا علم اُسوقت ہوتا ہے جب اسمیں یہ خواہش پیدا ہو کہ وہ راتوں کے سونے نہ دیا جائے۔ گذرنے والی رات اُس کی مست بیداریوں کے فسانوں کی دولت کو لیئے ہوئے رخصت ہو چکی ہے اور حسن جو ابھی ابھی سویا ہے، سو رہا ہے۔

جوانی جس کو اپنی سرشاریوں کا ہوش صرف اسلیئے ہوتا ہے کہ ہر شام اُسے انتظار نظر آنے لگے، اور ہر رات آغوش بیدار، ختم ہو جانے والی رات اُس کے نشہ کی کیفیات سے مالامال ہو کر جا چکی ہے، اور جوانی جو انگڑائیاں لیتے لیتے ابھی تکیہ سے سہارا لیکر کچھ غافل سی ہو گئی ہے۔ ہنوز بے خبر ہے، اسلیئے اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ بمبئی کچھ نہیں ہو مگر کاشانۂ حسن و جوانی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسوقت سارا شہر اک گہرے سکوت خواب میں ملفوف ہے اور اُسی وقت جبکہ دنیا کی ہر چیز جاگ اُٹھنا چاہتی ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ بیدار ہو جانے کے لیئے بیتاب ہے، بمبئی سو رہا ہے اور سوتے رہنے کے لیئے بے اختیار ہا۔

اللہ کی اُس مخلوق کا ذکر نہیں جو بمبئی میں صرف اسلیئے آباد ہے، کہ اپنی محنت، اپنی رات دن کی مشقت و جانکاہی کا عوض صرف اسقدر چاہے کہ دولت اُسے ٹھکرا نہ دے، جاہ و امارت اُس کے تمام ثمرات محسن حاصل کر لینے کے بعد صرف ایک خشک سی نانِ جویں دیکر اُسے ہمیشہ کے لیئے اپنا غلام بنا لینے سے انکار نہ کر دے، قیمتی موٹروں اور زرق برق گاڑیوں میں متمکن رہنے والا حسن اُس کی عرق آلود پیشانی کے نتائجِ سعی سے اپنی حسین گردن کے لیئے موتیوں کا ایک خوشنما ہار مہیا کر لینے کے بعد صرف اس بات کی اجازت دیدے کہ وہ اپنی شبانہ روز مشین کی طرح حرکت کرنے والی زندگی کو اُس کے لیئے وقف کردے۔ ہاں ایسی مخلوق، بمبئی کے اس حصۂ آبادی کا ذکر نہیں کہ اُن کی زندگی تو صرف ایک دن ہے اور انکی حیات یکسر اضطرار و اضطراب۔ مگر بمبئی کی آبادی کا وہ عنصر عظیم جس نے رات کو دن بنالیا اور دن کو رات کرلیا، ہاں یہ آبادی جس کی ہر رات، دن سے زیادہ روشن صدہا مثالیں غیر معصوم بیداریوں کی پیش کر سکتی ہے، جن کی رات کا ہر ہر لمحہ۔ ایک اخلاق شکن کہانی، ایک دشمن تہذیب دفتر معاصی، اک عدوئے انسانیت داستانِ وحشت و درندگی ہے ہنوز محواب خواب ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے عیش و تفریح

کی خستگی، وہ خستگی جو ہمیشہ ایسے دل کھول کر آزادی و بے باکی کے ساتھ لہو و لعب میں پڑ جانے والی دماغ پر مستولی ہو جاتی ہے اکب تک دور ہوگی، اور اُس کی آنکھ گھڑی کے کس گھنٹہ کی آواز سے کھلے گی۔

محمود رات کو تھیٹر سے واپس آنے کے بعد غافل ہو کر سو گیا۔ لیکن شہاب جو کبھی سونے کا معمولی وقت گذر جانے کے بعد نہیں سوتا تھا جاگتا رہا۔ اپنے کمرہ میں دیر تک کرسی پر دراز ہو کر رات کے واقعات تماشہ کی کیفیات وہاں کے کوائف و حالات پر غور کرتا رہا اور طلوعِ آفتاب سے ایک گھنٹہ قبل محمود کے لئے ایک تحریر میز پر رکھ کر

"۸ بجے تک ساحل چرچ گیٹ پر انتظار کرونگا"

باہر نکل کھڑا ہوا۔

شہاب فطرةً مظاہر قدرت سے نہایت گہری دلچسپی لینے والا دل رکھتا تھا، وہ صبح کی پرسکون کیفیات اور شام کے رنگین مناظر کو دیکھ کر گھنٹوں ان میں مستغرق رہتا اور پھر اسوقت دنیا کی کسی چیز کی اُس کو پرواہ نہ ہوتی، یوں تو وہ فطرةً حد درجہ بے پرواہ تھا، لیکن ایسے اوقات میں تو استغنا اُس کے ہر ہر انداز سے اور بے نیازی اُسکی ہر ہر نگاہ سے ٹپکنے لگتی تھی۔ ساحل پر اک سکونِ مطلق طاری ہے، صبح کی سپیدی ہر ہر چیز کو شگفتگی میں تبدیل کرتی ہوئی، سیلاب کی طرح بڑھتی جا رہی ہے، اور سمندر کی اونچی اونچی لہریں باقاعدہ وقفوں کے ساتھ شور کرتی ہوئی آتی ہیں اور ساحل سے ٹکرا ٹکرا کر پانی کی ایک وسیع چادر پھیلاتی ہوئی فنا ہوتی جاتی ہیں۔ شہاب پتھروں پر ایک کروٹ سے لیٹا ہوا سر کو ہات پر بلند کئے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ اُس کے چہرہ سے، جس کو اسوقت متبسم نہ کہہ سکتے ہیں اک ایسا اطمینان پیدا ہو جسکو دیکھکر اگر سمجھا جائے کہ شاید یہی وہ سکون ہے جس کے لئے سمندر کی موجیں بیتاب نظر آتی ہیں تو غالباً ناروا نہ ہوگا۔

روشنی اچھی طرح پھیل گئی تھی اور آفتاب اپنے دامن کی دولتِ زر چاروں طرف بکھیرتا ہوا نمودار ہو ہی رہا تھا کہ محمود بھی آگیا اور آتے ہی شہاب سے پوچھا کہ:-

"تم نے مجھے کیوں نہ جگا لیا۔ بڑے خود غرض ہو۔

شہاب۔ تم بھی ایسے ہی ہو، تم نے مجھے کیوں نہ سلایا؟"

محمود۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم اب نہ سوؤ گے"

شہاب۔ "میں بھی جانتا تھا کہ تم ابھی نہ جاگو گے"

محمود۔ "مگر تمھارا یہ خیال غلط نکلا۔ دیکھو میں جاگ اُٹھا کہ نہیں؟"

شہاب:- ہاں اسوقت جب میں بھی سو سکتا ہوں"

محمود:- شہاب، تم اسوقت مجھے بہت مسرور نظر آتے ہو، ایک بات کہتا ہوں۔ اک التجا کرتا ہوں، اگر مان جاؤ، دیکھو انکار نہ کرنا، رد نہ کر دینا۔

شہاب۔ میں ہر وقت مسرور رہتا ہوں یہ بات دوسری ہے کہ تمہیں یا کسی کو ایسا نظر نہ آؤں لیکن اگر میری مسرت تمہارے اندر کوئی ایسی جسارت پیدا کر سکتی ہے کہ کوئی بات خوف و احتراز کی ایسے وقت میں کہہ سکو تو میں اسکو تمہاری کمزوری سمجھونگا، اور اپنے لیئے اک مصیبت۔ اسلیئے میری مسرت سے تو یہ فائدہ نہ اٹھاؤ۔ یوں مجھ سے کہو، میں کبھی انکار نہ کروں گا اگر اقرار کر سکا۔ میں اُسے رد نہ کروں گا۔ اگر منظور کر سکا"

محمود۔ (شہاب کی اس گفتگو سے کچھ مضمحل ہو کر) خیر جانے دو۔ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تم اسوقت سنجیدگی سے میری گفتگو سنوگے اور جواب دوگے، لیکن معلوم ہوا کہ اب تم سے کبھی اس کی توقع کرنا سخت حماقت ہے"

شہاب:- یقیناً حماقت ہے اگر میری سنجیدگی سے کوئی شخص ناجائز فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ رہا یہ کہ تم کیا کہتے اور میں کیا جواب دیتا، سو اس کے متعلق میں بغیر اس کے کہ تمہارے سوال کو ظاہر کروں جواب دیئے دیتا ہوں کہ "تمہیں اختیار ہے۔ میں تو ابھی اور قیام کروں گا۔ کس وقت کی گاڑی سے جانے کا قصد ہے؟"

محمود۔ میں جسقدر تمہاری برہمی سے ڈرتا ہوں۔ اسیقدر تم کو برہم پاتا ہوں، تمہاری اس نوع کی اجازت اگر میرے لیئے کافی ہوتی تو بغیر حصول اذن بھی میں جا سکتا تھا"

شہاب۔ محمود تم نے اس سے قبل بھی کئی بار میری برہمی کا ذکر کیا لیکن میں خاموش رہا۔ آج تم نے پھر وہی الزام مجھ پر رکھا۔ دیکھو آج ہمیشہ کے لیئے تم کو جان لینا چاہیئے کہ میں کبھی کسی سے برہم نہیں ہو سکتا، کیونکہ میرے نزدیک اس سے زیادہ لغو حرکت اور کوئی نہیں۔ وہ شخص جو کبھی کسی سے کوئی توقع قائم نہ کرے، اُس کو عالم کی چیز ناخوش نہیں کر سکتی، ناخوشی نام ہے صرف آرزو کی مایوسی کا تمنا کے اضمحلال کا اور تمہیں معلوم ہے کہ میں اُس معاملہ میں کسقدر آزاد ہوں۔ ساری کائنات میں وہ چیز جس کے ساتھ میں اپنی تمناؤں کو وابستہ کر سکتا ہوں صرف فطرت ہے اور مجھے یقین ہے کہ فطرت کبھی میری آرزوں کو پامال نہ کریگی، کیونکہ میں اُس سے اُس کی صرف وہ دولت طلب کرتا ہوں جو وہ عالم کی تمام مخلوق کو روز ہر وقت لٹاتی رہتی ہے، اگر آفتاب اپنے طلوع و غروب کی رنگین ادائیاں بدل سکتا ہے، اگر تارے فضاء آسمان میں راتوں کو جگمگانا فراموش نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر ہلال اپنی کشتی سیمیں کو آسمان کے وسیع و بے پایاں نیل میں چھوڑ دینا بھول نہیں سکتا ہے اگر چاندنی عادات ہی کو

ہوسکتی ہے دن کو نہیں، اگر دھوپ دن ہی میں نظر آسکتی ہے رات کے وقت نہیں، تو تم مطمئن رہو کہ پھر مجھے کوئی غم نہیں اور نہ میرے مغموم ہونے کی کوئی صورت، لیکن اگر فطرت اپنے اس نظام کو درہم برہم کرسکتی ہے، تو یقیناً اُسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ مجھے بھی تباہ و برباد، برہم و مایوس کرے، لیکن جب تک فطرت کا یہ نظام قائم ہے اور اُس کے اصول برقرار، میں ایک بادشاہ ہوں اور بادشاہ بھی وہ جس کی حکومت غیر محدود ہے، اور جس کی سلطنت کی وسعت بے پایاں، میں دیکھتا ہوں کہ سمندر کی بیتابیاں موج ہیں۔ اور موج کی بیتابیاں سمندر، اگر تم سے ممکن ہے تو میرے نظارہ سے اس لطف کو چھین لو۔ میں سنتا ہوں کہ لہروں کی روانی اک زبان ہے اور اس زبان کی روانی ایک طوفان تکلم، اگر تم سے ہوسکتا ہے تو میرے سامعہ کو اس ذوق سے محروم کردو اور پھر مجھ پر برہمی کا الزام رکھو، ورنہ یوں تو جب تک بہار و خزاں، شگفتگی و فسردگی، صبح و شام، سیاہ و سپید دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ میں دنیا اور دنیا والوں کے لیئے بیکار ہوں نہ اُن کی ایذا کا مجھ پر کوئی اثر ہوسکتا ہے اور نہ اُن کے لطف و مرحمت کا، اس میں کلام نہیں کہ سارے عالم میں محمود صرف تھا۔ اہی ایک وجود ایسا ہے جسکی نسبت مجھے علم ہے کہ میری زندگی میں اُس کا ایک حصہ شامل ہے اور میں اُس سے متاثر بھی ہوتا ہوں۔ لیکن شاید تمہیں خبر نہ ہوئی کہ میں تمہیں بھی مناظر فطرت کا ایک جوش سواد منظر سمجھتا ہوں اور اسلیئے تمہارا ہر تغیر میرے اوپر وہی اثر کرتا ہے جو مناظر فطرت کا تغیر۔ جس وقت تم میرے پاس نہیں ہوتے، میں مضمحل ہوجاتا ہوں بالکل اسی طرح جیسے چاند کے ڈوب جانے کے بعد، جب تم افسردہ ہوتے ہو تو مجھ پر خاص اثر ہوتا ہے بالکل اسی طرح جیسے ایک شگفتہ گلاب کو گرم ہوا کے جھونکے سے کمہلاتے ہوئے دیکھ کر، میں تمہارے نکاح سے اختلاف کرتا ہوں بالکل اسی طرح جیسے میرے سامنے کوئی شخص ایک نازک درخت کی شاخیں یا اُس کا تنہ کاٹنے لگے اور میں راضی نہ ہوں۔ آج تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ "جاؤں" میں کہتا ہوں "جاؤ" کیونکہ مجھے یقین ہوتا جاتا ہے کہ فطرت نے اس درخت میں گھن لگادیا ہے اور شاید وہ اپنی زندگی پوری کرچکا ہے، پھر اگر کچھ دن قبل یوں ہی قطع کرکے حیات ختم کردی گئی تو کیا؟ میں سمجھوں گا کہ قدرت نے اپنا ایک لطف مجھ سے چھین لیا اور اس لیئے اپنے دل کا ایک گوشہ اس تباہی پر ماتم کرنے کے لیئے ہمیشہ کے لیئے ویران کروں گا، اور کبھی کبھی جب مجھے ضرورت ہوگی تو تم کو یاد کرکے نہیں بلکہ صرف دل کی اُس ویرانی کو دیکھ دیکھ کر رولیا کروں گا، رہا یہ کہ میں بھی تمہارے سامنے چلوں، سو ایسا ظلم تو مجھ پر روا نہ رکھو یہ میرے بس کی بات نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ باغ سے روز بیشمار پھول شاخوں سے جدا کرکے خاک میں ملادیئے جاتے ہیں لیکن یہ کیا لازم ہے کہ میں انسان کی اس وحشت

و ور ندگی کو خود اپنی آنکھ سے دیکھوں بھی۔ یقین کرو کہ میں نے برہمی کے ساتھ تمہیں جانے کی اجازت نہیں دی۔ لیکن ہاں اسمیں میری یاس، میری حسرت، ضرور شامل ہے۔ سو اسکا دور کرنا تمھارے امکان میں نہیں، اس لیئے مجھے تم سے کوئی شکایت بھی نہیں۔ محمود اب میں چاہتا ہوں کہ تمھیں بھول جاؤں۔ قبل اس کے کہ سکینہ کی آغوش میں پہونچ کر تم دنیا کے ساتھ مجھے بھی بھول جانے پر مجبور ہو جاؤ۔ اور یہ بھی صرف اس لیئے چاہتا ہوں کہ تم کو میرا کہنا! دنیا آسان ہو اور اس طرح چند دن تو تم نکاح کے پردۂ خیال پر مصنوعی نقش و نگار کی کیفیات فانیہ سے لطف اٹھالو۔ آہ! کاش دنیا حسن و قبح، حق و باطل میں تمیز کر سکتی اور سمجھتی کہ ہر وہ چیز جو چمکتی ہے سونا نہیں ہے"

محمود جو دیر سے آبدیدہ ہو رہا تھا۔ اب ضبط نہ کر سکا، اور بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے شہاب خاموش ہو گیا اور خاموشی سے اس کے رونے کو دیکھتا رہا۔ شہاب کے لیئے محمود کی بڑی بڑی آنکھوں کا ایسے موٹے موٹے آنسوؤں سے رونا کوئی نئی بات نہ تھی۔ وہ اس سے قبل بارہا محمود کی حسین آنکھوں کو رلا چکا تھا اور جب اس نے ایسا کیا ہمیشہ محمود سے یہی التجا کی کہ دیکھو مجھے دنیا میں جینے دو مجھے تمھارے رونے سے اسلیئے تکلیف نہیں ہوتی کہ تم رو رہے ہو بلکہ میں تو اس خیال سے کانپ اٹھتا ہوں کہ رو چکنے کے بعد تمھاری آنکھیں کس سے دیکھی جائیں گی اور ان کی اس کیفیت استرحام کے سامنے کیونکر کوئی اپنے عزم و ارادہ کو قائم رکھ سکے گا، لیکن اسوقت محمود روتا رہا اور شہاب دیکھتا رہا یہاں تک کہ محمود سخت افسردہ و غمگین اپنی ٹھوڑی کو ہتھیلی پر ٹکا کر شہاب کی طرف سے ذرا گردن موڑ کر خاموش ہو گیا۔ اور پورا آدھ گھنٹہ اسی حال میں گزر گیا۔ نہ شہاب نے محمود سے کوئی گفتگو کی اور نہ محمود سے شہاب نے اب دھوپ تیز ہو گئی تھی اور بمبئی کا ہنگامہ شروع ہو چلا تھا۔ اس لیئے شہاب اٹھا اور اسی کے ساتھ محمود بھی اور دونوں اپنی فرودگاہ پر پہونچ گئے۔ (باقی)

کیوپڈ و سائکی

حضرت مولانا نیاز فتحپوری کے خامہ جادو نگار سے نکلا ہوا مضمون جسمیں جذبات محبت کی انتہائی نزاکتوں اور رنگینیوں اور حسن و نسائیت کی فطرت کے فلسفہ کو مولانا نے اپنے مخصوص رنگ انشا میں اس طرح ادا فرمایا ہے کہ ارباب ذوق و اہل نظر وجد کریں۔ قیمت

مینیجر "نگار" بھوپال سے طلب کیجئے

ایران وہندوستان کا اثر جرمنی شاعری پر

بہ سلسلۂ اشاعت گزشتہ

اٹھارویں صدی کے اخیر میں مستشرقینِ انگلستان اور ان میں بھی خصوصیت کے ساتھ سر ولیم جونس نے نہ صرف سنسکرت کی طرف لوگوں کی توجہ کو مبذول کیا بلکہ تمام مشرقی لٹریچر کی طرف سارے یورپ کو متوجہ کر دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انیسویں صدی کے اول نصف حصہ میں انگریزی اور جرمن شعراء کے کلام میں مشرقیت کے نمایاں آثار نظر آنے لگے،

جرمنی میں سب سے پہلے جس شاعر نے صحیح معنی میں اسطرف توجہ کی وہ ہرڈر (Herder) تھا۔ وہ یوں تو ہمیشہ عبرانی زبان کے شعراء کا کلام دیکھا کرتا تھا، لیکن سنہ ۱۷۷۰ء سے کچھ زمانہ قبل اسنے اپنے دائرہ مطالعہ میں سعدی کو بھی داخل کر لیا تھا، اسنے مابین سنہ ۱۷۶۱ء و سنہ ۱۷۹۲ء گلستان کے چند قصوں کا ترجمہ بھی کیا، اور پھر مشرقی لٹریچر کی طرف وہ اسقدر شدت کے ساتھ مائل ہوا کہ اس نے نہ صرف گلستاں کو جرمن زبان میں منتقل کیا۔ بلکہ بھگوت گیتا اور بھرتری ہری کے بعض حصے بھی اسنے ترجمہ کئے۔ اس کا مجموعہ کلام جو بلومن (Blumen) کے نام سے مشہور ہے چار حصوں میں منقسم ہے پہلے تین حصوں میں گلستان کے اقوال ہیں اور چوتھے میں مولانا رومی اور حافظ کے بعض اشعار کا ترجمہ ہے چونکہ ہرڈر خود سنسکرت یا فارسی سے زیادہ واقف نہ تھا، اور اس نے دوسروں کے ترجموں سے مدد لیکر اپنے ترجمے طیار کئے تھے، اس لیئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا مجموعہ اخذ و اقتباس کی حد سے آگے نہیں بڑھتا اور بعض بعض مقامات پر اُس نے ایسے تصرفات بھی کئے ہیں جن کی بناء پر ہم اسے "مختارات" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اس نے اپنی اصلی نظموں میں بھی ہندوستان اور اس فن ڈرامانگاری کی تعریف کی ہے، جس سے اس کا مقصود شکنتلا ہے اور جسے سنہ ۱۷۹۱ء میں فارسٹر (Forster) نے انگریزی سے جرمنی میں منتقل کیا تھا،

ہرڈر کا معاصر ایک اور مشہور شاعر گوئٹے (Goethe) گذرا ہے، جو سب سے پہلے ڈیپر کے سیاحت نامہ کے ذریعہ سے ہندی افسانوں سے واقف ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ سنہ ۱۷۷۱ء میں بمقام وٹزلر قانون کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس نے اپنے حلقۂ احباب میں رام چندر جی اور ہنومان کے قصے سنانا شروع کئے اور لوگوں کو بہت دلچسپی پیدا ہوئی، لیکن چونکہ گوئٹے کا زمانۂ تعلیم ختم نہ ہوا تھا اس لیئے وہ اس سے زیادہ توجہ نہ کر سکا، جب

۱۷۹۱ء میں ہرڈر کی کوششوں سے مشرقی لٹریچر، جرمنی میں رائج ہو چلا تو سب سے پہلے گوئٹے نے کالی داس کے مشہور ڈراما شکنتلا کو پڑھا اور اس پر اپنے تنقید لکھی۔ گوئٹے مشرقی لٹریچر سے اسقدر متاثر تھا کہ جب اس کے پانچ سال بعد اس نے اپنی مشہور کتاب (Faust) لکھی تو اس کی تمہید سراسر کالی داس کے اسی ڈراما سے ماخوذ تھی،

کہا جاتا ہے کہ گوئٹے کی اصلی شاعری ہندی ذوق سے متاثر نہیں ہوئی تھی لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اس نے اپنی مثنوی (Der goth und die Bajadere) اور (Der Paria) میں جن خیالات کو ظاہر کیا ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندی لٹریچر سے کس حد تک متاثر ہوا تھا، ایک خاتون کا چتا کے اوپر اپنے روحانی عاشق سے ملنا اور پھر وہاں سے دونوں کا آسمان کی طرف بلند ہو جانا" یا تجسیم (Incarnation) کا اعتقاد، یہ وہ خیالات ہیں جن کی مشرقیت یا "ہندویت" ظاہر ہے،

اسکی تین نظموں کا مجموعہ جو" (Paria) کے نام سے شائع ہوا ہے، اسمیں بہت سے خیالات مشرقی ہیں، مثلاً کام دیو کا افسانہ اور اس کی سزا کا بیان جو مہا بھارت یا بھگوت گیتا سے لیا گیا ہے اور جمدگنی اور اسکی بیوی انوکا کے قصہ سے متعلق ہیں، یا ایک نظم میں اسنے سَروں کے بدل جانے کا ذکر کیا ہے جو کتھا سرت ساگر کے ایک حصہ سے ماخوذ ہے،

پھر گوئٹے نے صرف ہندوستان ہی کے لٹریچر سے اعتنا کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ایران و عرب اور کبھی کبھی ترکی زبان کی طرف بھی اسنے توجہ کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جرمنی انتہائی سیاسی پستی میں مبتلا تھا اور گوئٹے نے اس فتنہ و فساد سے کنارہ کشی اختیار کر کے مشرق میں پناہ لی تھی، چنانچہ اس نے دیوان کے ابتدائی اشعار میں اس شاعرانہ ہجرت اور اس کے اسباب سے بحث کی ہے۔

گوئٹے کا دیوان اسقدر مشہور چیز ہے کہ اسکی تفصیل بیان کرنا شاید تحصیل حاصل ہے لیکن شاید یہ کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اسکی تحریک کا باعث کلام حافظ ہوا، جس کا ترجمہ ۱۸۱۲ء میں اول مرتبہ مکمل طور پر وائنا کے مشہور مستشرق وان ہیمر کے قلم سے شائع ہوا۔

اپنے دیوان کو مختلف ابواب یا حصوں میں تقسیم کرنے کا خیال بھی گوئٹے کو حافظ کے مغنی نامہ اور ساقی نامہ کو دیکھ کر پیدا ہوا۔ اسمیں شک نہیں کہ دیوان گوئٹے سراسر حافظ کے کلام کا ترجمہ نہیں ہے، لیکن یہ یقینی ہے کہ یہ سب کچھ نتیجہ تھا اس کے مشرقی لٹریچر کے مطالعہ کا۔ چنانچہ اس نے پند نامۂ عطار سے بھی مدد لی ہے

[redacted]

اور شاہ نامہ کے خیالات کو بھی ظاہر کیا ہے، اُسنے جسقدر استعارات و تشبیہات کا استعمال کیا ہے ان میں سے اکثر مشرقی ہیں۔ چنانچہ "عاشق کی حالت کو شمع کے گھلنے سے تشبیہ دینا" معشوق کے کلالہ ہائے زلف میں دل کا پھنس جانا" "بلبل کا گل کی محبت میں سرو ھنتا" "پلکوں کو بیکاں کہنا" یوسف زلیخا، لیلےٰ مجنوں، وغیرہ کی تلمیحات استعمال کرنا" حتیٰ کہ ایرانی شاعری کے تتبع میں "طفل، امرد سے محبت کرنا" یہ سب گوئٹے کے دیوان میں موجود ہے۔

اسنے غزل کہنے کی بھی کوشش کی لیکن شاید وہ اسمیں کامیاب نہیں ہوا۔ اس نے مولانا رومی کے حالات کا بھی مطالعہ کیا، لیکن چونکہ تصوف کے لیئے وہ فطرتاً ناموزوں پیدا ہوا تھا اسلیئے اسکو جو لطف حافظ کے "جام و مینا" میں آتا تھا وہ کسی اور مشرقی شاعر یا مصنف کے کلام سے اسے حاصل نہ ہوتا تھا۔

گوئٹے کا ایک اور ہمعصر شاعر، شلر (Schiller) تھا جو جرمنی میں اس مشرقی تحریک کے رائج ہونے سے پہلے مرگیا۔ لیکن اسمیں شک نہیں کہ اگر وہ زندہ رہتا تو گوئٹے سے کم اس کی خدمات نہ ہوتیں۔

اس نے ایک جگہ شکنتلا کا ذکر کیا ہے اور اس کا خیال تھا کہ اسکو اپنی زبان میں ڈراما کی طرح منتقل کرے لیکن وہ اسمیں کامیاب نہیں ہوا۔ اس کا ایک منظوم ڈراما ضرور موجود ہے لیکن اس کا تعلق فارسی کی توران جنت سے ہے۔

اس کے بعد جب انگریزوں نے ہندوستان پر تسلط قائم کر لیا۔ تو جرمنی میں سنسکرت فلالوجی کی بنیاد پڑی اور اس سلسلہ میں (August Wilhelm Schlegel) اور (Friedriech) دو بھائیوں کی ہستی بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ ان بھائیوں کے خاص کارنامے فلسفۂ ہند سے متعلق ہیں۔ فریڈرک نے مہابھارت، رامائن اور منوسمرتی کے اقتباسات جرمن زبان میں منتقل کئے اور سنسکرت کے بعض قواعد عروض کی بھی پابندی ترجمہ میں ملحوظ رکھی گئی۔ دوسرے بھائی نے بحیثیت فلاسفر و مترجم زیادہ شہرت حاصل کی۔

ہرچند گوئٹے کے دیوان میں رنگ تغزل پایا جاتا ہے۔ لیکن صحیح معنی میں جس شاعر نے جرمنی زبان میں غزل کی ابتدا کی وہ (Rueckert) تھا اس نے سنہ ۱۸۲۱ء میں دیوان رومی کی متعدد غزلوں کا ترجمہ شائع کیا اور اسی کے ساتھ حافظ کے کلام کو بھی پیش کیا، اس مجموعہ کا نام اس نے (Ghaselen) (غزلیات) رکھا۔ اسمیں شک نہیں کہ اس کا یہ ذوق ہیمر (Hammer) کی وجہ سے پیدا ہوا اور اسی کے ترجمے سے اس نے مدد لی، لیکن جو انداز ترجمہ کا اسنے اختیار کیا وہ بالکل جداگانہ تھا، گوئٹے کے دیوان یا پلاٹن

(Platen) کے مجموعہ کا بھی رنگ ہے وہ روکرٹ نے اختیار نہیں کیا، بلکہ کوشش کرکے اسی تغزل کے پیدا کرنے کی کوشش کی جو حافظ کے کلام میں پایا جاتا ہے، اس نے بعض جگہ ایرانی خیالات اخذ کئے ہیں اور بعض جگہ بالکل اشعار کا ترجمہ کر دیا ہے۔

روکرٹ کا مطالعہ حافظ و رومی پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ اسنے دیگر شعرا کے کلام کے ساتھ سنسکرت اور عربی کی طرف بھی توجہ کی، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اس کے مجموعہ (Erbaulicher und Beschaulicher) میں گلستان کے مقتبس اقوال بھی موجود ہیں اور بہتیری کی بھی بہت سی باتیں پائی جاتی ہیں، اس نے امیر شاہی کی صفت قلزم اور کلام استاد کا بھی انتخاب درج کیا ہے۔ اور میرخوند کے روضۃ الصفا کا بھی کہیں کہیں اقتباس پایا جاتا ہے، علاوہ ان کے بہارستان جامی سے بھی اس نے مدد لی۔ اور نظامی کی مخزن الاسرار سے حکایت بلبل و باز کا بھی ترجمہ پیش کیا۔ اسنے سکندر نامہ کے اشعار کا بھی ترجمہ کیا ہے۔

اس مجموعہ میں بعض نظموں کا ترجمہ براہ راست فارسی سے نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ہیمر کے ترجمہ سے اخذ کیا گیا ہے، بعض نظموں میں ان روایات کا ذکر کیا ہے، جو رومی کے متعلق بیان کی جاتی ہیں، چنانچہ اس واقعہ کو کہ "رومی ایام طفلی میں خواب کے اندر آسمان کی طرف لیجایا گیا" اسنے آفاقی کی مناقب العارفین سے اخذ کیا۔

۱۸۳۷ء میں اس کا خاص ماخذ روضۃ الصفا اور تاریخ یمینی تھا۔ اس مجموعہ میں اس نے ساسانیوں سے لے کر صفیہ سلطان تک کے حالات حسبۃ حسبۃ لکھے ہیں اور درمیان میں خلفاء عباسیہ کے ذکر کے ساتھ سامانیین، سلاجقہ، بنو یہ اور خوارزم شاہ کا بھی حال لکھا ہے۔

اس جلد میں یہ سلسلۂ شعراء انوری، اور رشید وطواط کا بھی اسنے ذکر کیا ہے۔

تیسرا مجموعہ (Brahmanische Erzählungen) "جو ۱۸۳۹ء میں شائع ہوا ہندوستان سے متعلق ہے اور اسمیں رامائن، مہابھارت، بھگوت پران، کتھا سرت ساگر، پنچ تنترا، وشنو پران، وغیرہ کے اقتباسات درج ہیں۔ اس ضمیمہ میں اکبر، چاند بی بی، اور اورنگ زیب کے بھی بعض واقعات درج ہیں۔

اس کا چوتھا مجموعہ (Die Weisheit des Brahmanen) بھی قریب قریب اسی رنگ کا ہے سوائے اس کے کہ اسمیں یاوہ گوئی کا انداز زیادہ ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ روکرٹ نے سب سے پہلے جرمنی شاعری میں غزل کی بنیاد قائم کی، لیکن صحیح معنی میں رنگ تغزل پیدا کیا، (Platen) نے۔ پلاٹن کو فارسی کلام سے دلچسپی پیدا ہوئی ہمر اور گوئٹے کے ترجموں کو دیکھ کر اور پھر اسنے خود مطالعہ شروع کیا۔ اسی زمانہ

میں جب روکرٹ کے ترجمے شائع ہوئے تو اس کے ذوق میں بہت زیادہ تحریک پیدا ہوئی اور ۱۸۲۱ء میں اسکا پہلا مجموعہ غزلیات (Ghaselen) شائع ہوا اور اس کے بعد مسلسل تین مجموعے اور شائع ہوئے اسنے ایک جدت اور کی کہ جرمنی زبان میں بھی قریب قریب وہی بحر رکھی جو کلام حافظ کی غزل کی ہوتی تھی اور ردیف کی تکرار کا بھی خیال رکھا اور سکندر نامہ کے ترجمہ میں تو اسنے بالکل وہی بحر (متقارب) اختیار کی جو سکندر نامہ کی ہے اسنے رباعیات و قصائد، قطعات و مثنوی سب کی طرف اعتنا کیا اور روکرٹ کی طرح جرمنی لٹریچر کو مشرقی خیالات سے معمور کر دیا

اسی سلسلہ میں جرمنی کے ایک اور شاعر (Heine) کا بھی ذکر ضروری ہے۔ سب سے پہلے ہندوستان اور مشرقی لٹریچر کی طرف اسکو توجہ ہوئی (Schlegel) کے لکچروں سے جو ادب کے پروفیسر ہونے کی حیثیت سے اسی یونیورسٹی میں مامور تھا جہاں (Heine) تعلیم پاتا تھا۔ اس کے بعد اسنے ہندی شاعری کا مطالعہ شروع کیا اور اسقدر اس سے متاثر ہوا کہ اس کا ہر شعر مشرقی رنگ میں ڈوبا ہوا نظر آتا تھا وہی ہندی کے تشبیہات و استعارات، وہی کنول کا پھول، وہی چنبیلی و جوہی کی پنکھڑیاں اسکے کلام میں نظر آتی ہیں جو ہندی شاعری کی جان ہیں۔ اس کا کلام نثر بھی اس خصوصیت سے بیگانہ نظر نہیں آتا۔

۱۸۲۱ء میں اس نے سعدی کا ذکر کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ وہ مشرق کا گوئٹے ہے اور اسی سلسلہ میں اسنے بہت سی تشبیہات و تلمیحات فارسی کی بھی استعمال کی ہیں۔ اس نے ایک مجموعہ اپنی نظموں کا (Der dichter Firdousi) شائع کیا جسمیں اسنے فردوسی اور محمود کے واقعہ کو نظم کیا ہے۔

گذشتہ بیان سے ثابت ہے کہ جرمنی کا کوئی مستشرق شاعر ایسا نہ تھا جس نے حافظ کے کلام سے استفادہ نہ کیا ہو، لیکن اس باب میں جو مرتبہ (Bodenstedt) کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو میسر نہیں آیا کیونکہ اس نے حافظ کے رنگ کلام کو جرمنی میں مقبول بنانے کے لیئے انتہائی قابلیت سے کام لیا اور اس کا اثر یہ معلوم ہوا کہ اس کی حیات میں ۱۴۰ اڈیشن اس کے مجموعہ کے شائع ہوئے اور متعدد دوسری زبانوں میں بھی اسکا ترجمہ شائع ہوا۔

اس کی نظموں کے متعلق ایک عجیب واقعہ بیان کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ اسنے اپنے مجموعہ کو مرزا شفیع کے کلام کا ترجمہ ظاہر کر کے پبلک کے سامنے پیش کیا۔ اسپر یورپ اور علی الخصوص جرمنی کی پبلک کو بڑا تعجب ہوا کیونکہ اس نام کا کوئی مشرقی شاعر ان کے علم میں نہ تھا۔ ۱۸۶۰ء میں پروفیسر برگش (Brugsch) میں جو اسوقت طفلس میں تھا، اس شاعر کا مزار بھی تلاش کیا، لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار ۱۸۶۰ء میں روسی کونسلر

(Adolph Berge) نے ایک بیان شائع کیا کہ مرزا اصفانی نام کا ایک شخص ضرور تھا، لیکن وہ شاعر نہ تھا، جب سنہ ۱۸۵۱ء میں (Bodenstedt) نے دوسرا مجموعہ اسی نام سے شائع کیا تو اسنے ظاہر کیا کہ یہ نظمیں ترجمہ نہیں ہیں بلکہ خود اسی کے دماغ کا نتیجہ ہیں

چونکہ یہ طفلس میں عرصہ تک رہا تھا اسلیئے وہاں کے شاعری سے بہت متاثر تھا، اور جب اسنے نظمیں کہنا شروع کیں تو حافظ کے رنگ کا تتبع تھا اور یہ تتبع اسقدر صحیح تھا کہ لوگوں کو واقعی گمان ہو گیا کہ یہ کسی ایرانی شاعر کے کلام کا ترجمہ ہے۔

سنہ ۱۸۷۴ء میں اسنے پھر کوشش کی کہ ایک آخری مجموعہ شائع کرے، اور اسے "از اشعار بازماندۂ مرزا شفیع" کے نام سے مرتب کیا، لیکن اسکو اسقدر مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس مجموعہ کے سات حصے تھے، جو گلستان، بوستان ہفت قلزم، شاہنامہ، یوسف زلیخا، بہارستان۔ تحفۃ الابرار، روضۃ الصفا، اور کلام رومی، انوری اور امیر معزی سے ماخوذ تھے۔

علاوہ ان کے جرمنی کے اور بھی بہت سے شعرا ایسے گذرے ہیں جنہوں نے مشرقی شاعری کا تتبع کیا، لیکن ان میں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

اسی سلسلہ میں (Von Schack) اسکا رشپ کا بھی ذکر ضروری ہے جس کی وجہ سے شاہنامہ شکنتلا، مہابھارت اور کلام حافظ و سعدی وغیرہ کے بہت سے ترجمے شائع ہوئے۔

(اڈیٹر)

"ذوق سلیم"

چبھ رہا ہے پھر مرے پہلو میں بیکانِ فراق
ہو رہا ہے خونِ دل پھر وقف مہمانِ فراق

لے اسے تو ڈھا دیا برق تصور نے مری
کھینچ ظالم دوسری دیوارِ زندانِ فراق

دم کو رک رک نکلنے سے نہ جھنجھلا اسقدر
حسرتوں سے مل رہی ہے جانِ مہمانِ فراق

میرے قاتل کا پتہ ملنا بہت دشوار ہے
ہاں مگر تر خون سے ملجائیگا دامانِ فراق

کچھ دنوں سے اے گہر یہ گھیرے دل کا ہے رفیق
اس کو چاہے ظلم کہہ لے چاہے احسان فراق

گہر جائسی

عروسِ نیل

رنگیں طبع اُریان نے اپنے شباب کی ایک ایک خواہش کا حصول لذات کی چھری سے ذبح کرلیا، (اُن لذات سے جنہیں صرف مصر قدیم کی گلیاں، اور قسطنطین اعظم کا دور حکومت ہی فراہم کرسکتا تھا) اور اسکی آرزو کے لیے کوئی ندرت باقی نہ رہگئی، جب اُسکی جوانی تمناؤں کے ساتھ ہمنوا ہو کر خراب ہوئی تو اُسے یقین ہوگیا کہ دنیا کی ہر عورت کی ہستی پر سے اُسکے لئے پردۂ طلسم مٹ چکا ہے اور اب نہ تو وہ کسی عورت سے محبت کرسکتا ہے اور نہ کوئی عورت اُسے لبھا سکتی ہے، اس رد عمل کا صرف ایک ہی نتیجہ ہوسکتا تھا: یعنے اُریان عزلت و سکون کی زندگی پر مائل نظر آئے، چنانچہ وہ قسطنطنیہ سے سیدھا مصر واپس آیا؛ اور اُسکی اس اصلاح طبعی سے اُسکے باپ، مکاکس کو از حد طمانیت حاصل ہوئی جو اُریان کی ذکاوت و ذہانت کو اس طرح نذر آوارگی ہوتے دیکھنے سے سخت غمگین رہتا تھا۔

ہرچند پالا اور اُریان کے خاندانوں میں سیاسی وجوہ سے سخت دشمنی تھی، لیکن ان دونوں خاندانوں کا خون ایک تھا؛ اور مکاکس کے لیئے ناگزیر تھا، کہ پالا کو، جو رشتہ میں اُسکی بھتیجی ہوتی تھی، اسکے یتیم و تنہا رہجانے پر اُسے اپنی سرپرستی میں لیلے اریان گھر واپس پہونچنے پر پالا کو اپنے مکان میں دیکھکر کچھ کم متحیر نہ ہوا؛ اور اگرچہ اُسے قسطنطنیہ سے واپس آئے ہوئے (جہاں باسفورس کے کناروں پر اُسکی بہت سی رنگین شامیں اور تیرہ کیفیت بسر ہوئی تھیں) زیادہ دن نہ گذرے تھے لیکن گھر پہونچکر اُس کے تمام خیالات اور تمام عزائم باطل ثابت ہوئے اور وہ بغیر جانے ہوئے اپنا دل، آخری بار، پالا کی نذر کرچکا تھا۔

(۲)

شام کی اُداسیاں ابتسام قمر سے لبریز تھیں، اور ملکۂ شب کا مہتابی حسن کیف فزا سئے روح بنا ہوا تھا، موسم کی خفیف گرمی خوشگوار و پر لذت تھی اور فضا پر ایک سکوت طاری تھا، چاندنی جو سمندر کی موجوں میں طغیان و سیل کا باعث ہوتی ہے، انسانی سینوں میں بھی اسی درجہ طلاطم خیز ہوتی اور حسیات قلب میں مد و جزر پیدا کردیتی ہے نیل کی سطح پر مکاکس کا زرنگار بجرہ رواں تھا، اور اُریان اور پالا سیر دریا سے لطف اندوز ہو رہے تھے، حسین و خوش اندام پالا اُس مرصع کشتی کے مخملی فرش پر پڑی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھی، گویا کہکشاں کا کوئی تارا ابھی ابھی ٹوٹ کر گر پڑا ہے،

وہ ٹوٹتے ہوئے ستارے کے عکس زرین کو آئینۂ نیل میں دیکھکر اُریان کی طرف مخاطب ہوا، اور گانے کی

فرمائش کی: اُریان اس طلب حسن کے جواب میں اپنی روح کے ہر تار کو مضطرب کرتا ہوا نظر آیا، اور اس صنعت موسیقی کے ساتھ لحن طراز ہوا گویا یونان کی بربط سرائی کا کوئی راز ایسا نہیں جو اس پر منکشف نہ ہو، تارے رہ رہ کر ٹوٹتے اور بالا باربار انہیں دریا میں منعکس ہوتا دیکھتی اور جب اُریان اُسے دوسری جانب مخاطب دیکھکر اپنے سروں کو مدہم یا خاموش کر دیتا تو وہ اُسکی جانب پھر مخاطب ہوتی اور اسی گیت کے اعادہ پر مجبور کرتی، حقیقت یہ ہے کہ اریان کا جمیل اور پرشباب چہرہ بالا کے پرشوق دلپر منقوش ہوچکا تھا، اریان کے یہ نغمے جوں جوں وقت گزر رہا تھا زیادہ بلیغ ہوتے جارہے تھے، اور اس دوشیزہ کے دل میں زیادہ گھر کرتے جا رہے تھے، یہاں تک کہ وہ تار و نوا کی ان طلسم آفرینیوں سے سحر زدہ ہوگئی، اُریان نے اپنا بربط رکھدیا اور بالا سے مختلف استفسارات محبت کرنے لگا، لیکن بالا اس کے ہر سوال کا جواب ایک نیم متبسم، اور کبھی کبھی نیم نگاہیوں سے دینے پر کفایت کرتی تھی،

(۳)

برگ زار کے خوابناک سایوں میں سے گذرتے ہوئے اُریان نے اُس کا ہاتھ ہاتھوں میں لیکر اپنے ہونٹ اُسپر رکھدیئے اور بالا کا جسم یکسر لرزش بن گیا، لیکن وہ اگر ایک طرف شوق کی کارفرمائیوں کا معمول بنی ہوئی تھی تو دوسری طرف اپنی حالت بیکسی کا بھی اُسے شدید احساس تھا؛ اور نشیب و فراز زمانہ کا عفریت مجسم فرشتۂ موت بن کر سامنے آگیا، ایک مفتخر سردار قوم کی متکبر بیٹی، زمانہ کی تذلیل کے لیئے دنیا میں چھوڑ دی گئی ہے! اور ایک رشتہ دار کے مکان میں رہنے پر مجبور ہے! جب وہ اس مکان میں داخل ہوئی تو ہر قدم اور ہر بات پر، ہر لمحہ اور ہر ساعت، اس کا یہ احساس زندہ اور قوی ہوتا رہا، لیکن دو روز سے جب سے اُریان واپس آیا ہر بات میں تغیر، ہر احساس میں فرق آگیا تھا، اُسکی مراجعت نے نہ صرف خاندان ملکہ شہر کے بڑے حصہ میں جشن برپا کر دیا تھا، اریان بالا سے ملا، اسطرح نہیں جیسے کوئی کسی بیکس رشتہ دار سے ملتا ہے، بلکہ اسطرح جیسے کوئی شریف زادہ کسی حسین خاتون والا دودمان سے ملتا ہے۔

اُریان کی موجودگی تابش آفتاب کا حکم رکھتی تھی جس سے بالا کا سرد دل لبریز حرارت ہوا جارہا تھا، اور جیسے کوئی پھول دیر تک روشنی اور ہوا سے محروم رہنے کے بعد اچانک سورج کی روشنی میں لے آیا جائے، اسی طرح اُریان کی تابش روح اور مسرت حیات بالا کے دل و دماغ کے لیئے تازگی و شادابی کا مفہوم رکھتی تھی وہ اُسکے لیئے تمام آداب تکریم کو ہر لحظہ ملحوظ رکھتا تھا اور اُسکی اس ادا سے بالا کی پامال خودداری نئی زندگی سے معمور ہو جاتی تھی اور اُس کا دل جذبات منت پذیری سے لبریز! یہ واقعہ ہے کہ بالا کو مرہون منت دیکھنا ایک نظارہ تھا روح فزا، ایک

دلکشا!

یہ شام، یہ روح فزا و دلفروز شام اپنے اندر ایک مخصوص لذت لیئے ہوئے تھی، اور گویا بالا ہی کے لیئے وضع ہوئی تھی، اُریان کی ہستی نے اُسے محسوس کرادیا کہ وہ جوان تھی اور حسین؛ سحر کرنے کے لیئے تھی اور سحر زدہ ہونے کے لیئے بھی —— اور شاید محبت کرنے اور محبت کیئے جانے کے لیئے بھی۔

(۴)

جسوقت یہ دونوں سیر سے واپس ہوئے اور بالا مرمریں ایوان میں داخل ہوئی، جہاں اریان کی ماں، نیفورس، اُن کی واپسی کی منتظر تھی، تو اُسکا عاسہ ہنوز اُریان کے بوسہ سے ملتہب و سرشار تھا، بالا نے جذبات آداب و تکریم کے تحت میں اپنے ضعیف و مریض چچا کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اُس کے دماغ میں ایک تابش برق کی طرح یہ حقیقت گذر گئی، کہ وہ اُریان کا باپ ہے۔ جس اُریان کو وہ "اریان" نہیں کہہ سکتی۔ اسکے بعد اُسنے اپنی چچی کا بوسہ لیا، نیفورس نے خاموش لیکن گونہ حیرت کے ساتھ اُس کے بوسے کو قبول کیا اور بالا کو اُریان کی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

وقت زیادہ گزر چکا تھا، بالا اور اُریان اپنی اپنی خوابگاہ میں چلے گئے اور پھر نیفورس بھی اپنے مریض شوہر کے آرام کا اہتمام کرکے اُریان کی خوابگاہ میں داخل ہوئی۔ اُریان کی تمام تر قوت تخیل ایک مسرت میں صرف ہو رہی تھی، مگر نیفورس کے اسطرح آجانے سے حیرت و تعجب نے اُس کے نصف دل و دماغ پر قبضہ کرلیا،

اُریان کی ماں نے ایک ہی نظر میں ان دونوں پرشباب ہستیوں کے قلوب کا تلاطم دیکھ لیا تھا اور اسوقت وہ اسلیئے اُریان کے پاس آئی تھی کہ اس نوزائیدہ محبت کو گہوارہ ہی میں ہلاک کرڈالے۔ اگرچہ اُریان کا باپ بالا کے متعلق اچھے خیالات رکھتا تھا، مگر نیفورس نے اریان سے بھی کہا کہ مکاکس بھی اس آرزو و تمنا میں جسنے خود نیفورس کا خواب خور حرام رکھا ہے، برابر کا شریک ہے، چونکہ ایک روز قبل ہی اُریان سے بھی گفتگو ہو چکی تھی، اس لیئے وہ فوراً سمجھ گیا کہ اُسکے والدین کے لیئے وجہ تفکر اُسکی شادی کا مسئلہ ہے، نیفورس نے اُریان کو باور کرایا کہ اسکے باپ کی برہمی دور ہو چکی ہے۔ اور یہ کہ اُس کے لیئے دلہن بھی تجویز کرلی گئی ہے،

" سوسینا آجکل یہیں ہے" وہ کہنے لگی " لیکن مجھے رنج ہوا کہ آج صبح تو نے اُسے دانستہ نظر انداز کیا، تو بڑا ہی بے وقوف ہے"

" مجھے اس کا افسوس ہے" اُریان نے جواب دیا۔ " مگر عورتوں کے ساتھ اس قسم کا طرز عمل کچھ میری عادت

سی ہوگئی ہے، پیاری ماں مجھے اس کا کافی احساس ہے ۔۔۔"

"ہاں، ہاں، یہ تمہاری سعادت مندی ہے کہ تم اب سنجیدہ و شریفانہ زندگی شروع کرنے پر آمادہ ہو" بیفوریں نے قطع کلام کرکے کہا، "اور میں اسوقت مخصوص اسی لیئے تمہارے پاس آئی ہوں۔ میں نے تمہاری دلہن کا مسئلہ بالکل طے کرلیا ہے، اور کل "سوسینا" کے ساتھ اس معاملہ پر قطعی گفتگو کروں گی، وہ تم سے محبت کرتی ہے اور تمھیں اسکا علم ہے، اسوقت تمام مملکت مصر میں اُس سے زیادہ دانشمند لڑکی نہیں ملسکتی، تعلیم و ترتیب کے لحاظ سے بے مثل ہے اور اپنا ننھا سا دل تمھیں دے چکی ہے"

"بہتر ہے کہ وہ اپنا دل اپنے پاس ہی رکھے!" اریان نے کہا۔

"دیوتاؤں کا واسطہ، اریان!" اُسکی ماں نے پریشانی و غصہ کی حالت کہا، "ہنسی کو کسی مناسب موقع کے لیئے اُٹھا رکھو، میں اسوقت نہایت سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ سوسینا نہایت پیاری لڑکی ہے! کہیں تم اپنا دل قسطنطینہ میں تو کسی کے پاس نہیں چھوڑ آئے ہو؟ جسٹنس کی بیٹی کو تو دل نہیں دے بیٹھے ہو؟"

"پیاری ماں، بدگمان نہو،" اریان نے نہایت ملائم لہجہ میں جواب دیا "قسطنطینہ مجھ سے بہت دور ہے۔ میں نے اپنی ہی گھر میں ایسی حسین دوشیزہ پالی ہے جسکی مثال کو باسفورس کے کنارے سے منعکس کرنے سے محروم ہیں۔ جسٹنس کی بیٹی ہماری نسل کا پیوند نہیں ہو سکتی"

"مجھے بیوی کی جگہ کھلونے کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک عورت درکار ہے، میرا دل دولت و امارت پر کبھی نہیں ریجھ سکتا بلکہ ایک ایسی لڑکی کو پسند کریگا جو شاہانہ حسن کی مالک ہو، بالا ایک شریف باپ کی شریف بیٹی ہے اور میں اپنی بہبودی کے لیئے اس سے بہتر انتخاب نہیں کر سکتا۔ یہ خیال میرے دل میں اسی وقت پیدا ہوا ہے اور اسطرح جیسے کہ الہام ہونا چاہیئے۔ اب میری آرزو ہے کہ آپ اپنی دعاؤں سے میرے اس انتخاب کو متبرک بنائیں"

"بس، بس! تیرے دل سے خاندانی وقار و غیرت محو ہو گئی ہے" اُسکی ماں نے سخت غصہ کی حالت میں کہا۔ "جس خاندان کے ہاتھوں میرے دو بھائی قتل ہوئے تو اُسی خاندان میں بیوی تلاش کرے، تیرا باپ اس رشتہ پر بے اولاد رہنے کو ترجیح دیگا۔ تو اگر ایک ایسی لڑکی سے محبت کرنے لگا ہے جسکے پاس سوائے بے بنیاد فخر و غرور کے اور کچھ نہیں تو یاد رکھ تیرے والدین اپنے اس بیٹے سے بھی محروم ہو جانا پسند کرینگے جو دیوتاؤں کی عنایت سے باقی رہ گیا ہے"

"میرے پیارے بچے کیا تجھے اتنا بھی خیال نہیں کہ اب تک تو اپنی مرضی کا مالک رہا ہے اور ہمنے سب

گوارا کیا مگر کیا تو اپنے باپ کی زندگی کے ان چند باقی دنوں کو بھی تلخ بنانا گوارا کریگا اور پھر ایسی لڑکی کے لیئے جس کو تونے ابھی دیکھا ہے! اگر تونے اپنا خیال تبدیل نہیں کیا تو میں تیری محبت اپنے دل سے نکال پھینکوں گی۔ خواہ اسمیں میرا دل پارہ پارہ ہی کیوں نہ ہو جائے"

"میرے پاس میرا دل نہیں ہے" اریان نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کر کہا "میں اُسے بمشکل تلاش کرسکتا ہوں اچھی ماں، تمھارے بیٹے کی جراتیں کبھی خوفزدہ نہیں ہوئیں، لیکن اسوقت تمھارا غصہ اُسے بزدل بنائے دیتا ہے تمہارا نام الفت وشفقت کا حامل ہے، تم ایسی بے رحم کبھی نہیں ہوسکتیں!"

لیکن جب ماں بیٹے جدا ہوئے تو اریان کی اس رضامندی کے ساتھ کہ اُسکی ماں اُس کے لیئے اپنی مرضی کی بیوی کے لیئے پیغام شادی بھیجدے، البتہ یہ پیغام تیسرے دن بھیجا جانے والا تھا اور اریان کو یہ دو دن کی فرصت بھی بسا غنیمت معلوم ہوئی، مگر جب وہ کمرے میں تنہا رہ گیا تو اریان کو اپنی اس آمادگی کا پورا پورا احساس ہوا۔ اور اُسکا دل ضعف سے بیٹھتا ہوا نظر آیا۔ اُس کے خیال کی دنیا یکسر صاف وہموار ہوگئی تھی اور وہ کچھ سوچ نہ سکتا تھا، اس تلاش وجستجو میں وہ صرف اس خیال سے اپنی حرکت کو جائز سمجھ سکا کہ اسنے اسوقت تک پالا سے کوئی وعدہ واقرار نہ کیا تھا، اگرچہ آنکھیں بہت کچھ کہہ چکی تھیں مگر اُسکی زبان سے محبت کا لفظ نہ نکلا تھا، حالانکہ حقیقت یہ نہ تھی،

پالا جس کے وجود میں محبوبیت کی تمام ادائیں، رعنائی کی تمام صفتیں زندہ وذی حیات نظر آرہی تھیں، اگر اُریان کی بیوی نہ بھی بن سکتی تو خاندانی رشتہ کے لحاظ سے اریان کو اُس کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کا موقعہ ہمیشہ حاصل تھا، وہ اُریان کا عنفوان شباب تھا جب وہ ایک ایرانی کنیز کے پیچھے تباہ ہوتا رہا، قسطنطنیہ میں میلوڈورا کی وجہ سے ذلیل وخوار پھرتا رہا، اُسنے کسی کی ایک نہ سُنی اور وہی کیا جو اُس کے پرشباب دل کا تقاضا تھا، لیکن نہ تو اُسے وہ محبت کسی کے ساتھ ہوئی جو پالا کے ساتھ تھی اور نہ اس تعلق کا خیال کسی کے ساتھ پیدا ہوا

شادی کے مسئلہ میں وہ بوجوہ مجبور تھا کہ اگر خود وہ اُمیں بھی ہوتی تب بھی وہ اپنے والدین کو برہم نہ کرسکتا۔ تاہم پالا سے دست بردار ہو جانا بھی اُس کے لیئے دشوار تھا، چنانچہ باوجود ماں سے وعدہ کرلینے کے اُسنے عزم کرلیا کہ جسطرح ہو پالا کے ساتھ خفیہ شادی کرے اور نتائج کا انتظار کرے، وہ سمجھتا تھا کہ ایسی لطیف وجمیل بیوی کی صحبت میں اسکی زندگی زندگی ہوگی۔ وہ اس خیال سے پھولا نہ سماتا تھا کہ جب وہ اُسے قسطنطنیہ لے کر جائیگا تو وہاں کی دنیا حرکت سے عاری ہو جائیگی، اور سب کی آنکھیں پالا کے حسن گلوسوز پر لگی ہوں گی۔

اُریان کی ماں پہلے بالاؔ کے پاس گئی تاکہ صورت حال کو قطعی طور پر ہر پہلو سے مستحکم بنالے۔ چنانچہ اُس نے بالا پر ظاہر کردیا کہ اُریان نے اپنی شادی کے متعلق رضامندی کا اظہار کردیا ہے، اور اُریان کی گذشتہ زندگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اُس کے والد کا موجودہ سلوک صرف اسی بنا پر قائم رہ سکتا ہے کہ بالا اُریان کی شادی کے معاملہ میں اُسکی امداد کرے، ورنہ اسدفعہ اگر اُریان نے اپنے باپ کو ناراض کیا، تو اریان کی آیندہ زندگی کا خیال بھی لرزہ بر اندام کردینے والا ہے، بالاؔ نے نیفورس کے مسرت ناک چہرہ سے حقیقت معلوم کرلی تھی، تاہم وہ اپنے تئیں سنبھالے رہی۔ اور منسوب شدہ نوشہ و عروس کو کامرانی و خوش بختی کی دعائیں دیں، لیکن ایک ایسے تبسم کے ساتھ جو ہر بار نیفورس کے دل میں کانٹے کی طرح چبھا؛ اور وہ بالا کے پاس سے چلی گئی۔

بالا نے محسوس کرلیا کہ اُسکے لئے ذلت و کس مپرسی زیادہ موزوں کوئی شے نہیں ہے، اسلئے یہ خبر سننے پر اُسنے غصہ و ملال کا کوئی اثر اپنے چہرہ پر ظاہر نہ ہونے دیا تھا لیکن جب نیفورس جاچکی تو ایک دبی ہوئی چیخ اُس کے منہ سے نکل پڑی۔ مگر فوراً خود ہی اس کمزوری پر نادم ہوکر آنسو پونچھ ڈالے اور آخر ایک گہری اور ٹھنڈی سانس لیکر پلنگ پر پڑ رہی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ آیا وہ واقعی سو رہی تھی!

بالاؔ صبح سب سے پہلے بیدار ہوئی؛ اور بہترین لباس و زیور سے اپنے تئیں آراستہ کیا، اسوقت معلوم ہورہا تھا کہ وہ اسدرجہ خوش ہے اور اس حد تک مسرور ہے کہ گویا اُسنے دنیا میں فکر و الم کا نام ہی نہیں سنا، اُسکے عذار دو شبنم خوردہ گلاب تھے جنکی تازگی و شادابی آئینہ میں نہ سما سکتی تھی، غرض بالاؔ اور اس دوشیزہ میں جو تمام آرائشوں سے سنواری جاکر دو نیل کے نذر کردی جاتی تھی، یہ فرق تھا کہ یہ مسرور و شاداں تھی اور وہ مغموم و متالم ہوتی تھی، بغیر کسی سے ملے ہوئے نوکر کو بجرہ درست کرنے کا حکم دیا اور ابھی آفتاب نے آنکھ نہیں کھولی تھی کہ بالاؔ کی کشتی نیل کی سطح پر تیر رہی تھی اور ٹھیک اُسوقت جب آفتاب نے پہلی بار آنکھ کھولی۔ بالاؔ نے کشتی میں سے جست کی اور نیل کی آغوش میں پہونچ گئی۔

ل۔ احمدؔ

عید

عید کیسی، جب تمھاری دید ممکن ہی نہو　　تم سے ملنے کا خیال آیا۔ کلیجہ ہل گیا
سب کو رویت کی خوشی ہی اور میرے واسطے　　عید کا چاند ایک خنجر تھا کہ دل پر چل گیا

مانی جائسی

[redacted]

شاہانِ مغلیہ کے باغات

(۲)

آگرہ کے باغات ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرو پربت پر سب سے پہلے ہندوستان میں باغ لگائے گئے، باغ کا تذکرہ ہر ملک کی قدیم مذہبی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ یہودیوں نے باغ عدن کا ذکر کیا ہے تو یونانیوں نے اُلیمپس کا اور آتش پرستوں نے فردوس کا حال بیان کیا ہے، اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بودھ کے زمانہ میں بھی ہندوستان کے اندر باغات موجود تھے، چنانچہ اب بھی بمبئی کے قریب تنوٗلی میں اور پونا کے قریب کھنڈالا میں یہ باغات موجود ہیں مگر اسمیں کوئی شک نہیں کہ خوبصورت باغات آب وہوا کی مناسبت کو مدنظر رکھکر شاہان مغلیہ نے طیار کرائے، اور انکی خواتین نے بھی اس ذوق میں کافی حصہ لیا، اور اس سلسلہ میں نورجہاں بیگم اور ارجمند بانو بیگم کا نام بہت نمایاں نظر آتا ہے

شاہان مغلیہ نے حسب تفصیل ذیل ہندوستان کے اندر باغ تعمیر کرائے۔

بابر۔ رام باغ، زہرہ باغ، آگرہ میں۔

ہمایوں۔ دہلی میں ایک باغ

اکبر۔ فتحپور سیکری، سکندرہ، اور کشمیر میں نسیم باغ۔

جہانگیر بادشاہ۔ لاہور میں شاہ درہ، نشاط باغ۔ شالامار۔ آچھی بل باغ کشمیر میں

شاہجہاں۔ شالامار باغ دہلی میں، شالامار باغ لاہور میں۔ باغات قلعہ دہلی۔ تاج گنج کا روضہ آگرہ میں اور کشمیر میں دارا شکوہ کا باغ۔

اورنگ زیب۔ لاہور میں بادشاہی باغ اور چوبرجی باغ دہلی میں، روشن آرا باغ۔ نیز دیگر باغات و دامن کوہ شملہ میں پنجور کا باغ۔

شاہان مغلیہ کے تتبع میں ترکستان کے امرا نے بھی باغوں کی طرف توجہ کی، چنانچہ ختن، یارقند، اور مشرقی ترکستان کے باغات اب بھی مشہور ہیں، یارقند کے باغ کا نام چینی باغ ہے۔ سمرقند کے باغ کا نام چہار باغ رکھا گیا اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ بابر سے زیادہ باغوں اور پھولوں سے محبت کرنے والا بادشاہ کوئی نہیں گزرا، ہندوستان میں بابر کو تین باتوں کی سخت شکایت رہتی تھی، گرمی، گرد وغبار، اور باد سموم کی۔ چنانچہ

ان سے محفوظ رہنے کے لیئے بابر نے آگرہ میں باغات بنوائے، اور ہر باغ میں بڑی نہریں جاری کرائیں، اس سے قبل ہندوستان میں جتنے باغات بنائے جاتے تھے وہ بد قطع اور بدنما ہوتے تھے۔ باغ کو خوش قطع بنانا ہندوستان نے مغلوں ہی سے سیکھا۔ مغلوں کو جہاں کہیں خوشنما مقام نظر آیا یا کوئی پہاڑ یا سنگستان چشمہ نظر آیا، وہیں ایک باغ بنوا دیا، چنانچہ یہ لوگ پانی اور دامن کوہ کے بڑے شایق تھے اور ایسے مقامات تلاش کرکے باغ بنوا دیتے تھے، اس کے ثبوت میں کشمیر کا شالامار باغ پیش کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اچھبیل، وری ناگ، واہ، پنجور، کے باغات اس کے شاہد ہیں۔ آگرہ میں البتہ کوئی پہاڑی ندی نہ ملنے سے گہرے کنوئیں کھدوائے بڑے اور دھوپ کی تمازت روکنے کے لیئے باغ میں بڑے بڑے درخت املی کے لگائے اور حوض بنوائے دریائے جمن کے بائیں ساحل پر رام باغ نور جہاں کی یادگار ہے، جو نفاست مزاج کے لحاظ سے بہت مشہور خاتون تھی، زہرہ باغ بابر کی شاہزادی زہرہ بیگم کا بنوایا ہوا ہے۔ اس باغ کے اندر ساٹھ کنوئیں درختوں کو سیراب کرنے کے لیے بنوائے گئے تھے۔ اور سب سے بڑا محل اسی باغ میں تھا۔ آگرہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر سکندرہ واقع ہے یہاں اکبر کا مقبرہ ایک باغ کے اندر موجود ہے۔

ہر ترکی باغ کا نقشہ پہاڑی باغات کا سا ہوا کرتا تھا، مثلاً ایک قطعۂ زمین کو ہموار کرکے اور سیڑھی بناکر دوسرا قطع زمین ہموار کرتے تھے، پھر اس طرح تیسرا قطع زمین ہموار کرتے تھے، یہاں تک کہ چھ سات قطع طیار ہوجاتے تھے ہموار کی ہوئی زمین پر مربع روشیں بنوائی جاتی تھیں، اور باغ میں نارنج، ترنج، انار کے خوشبودار خوشنما، خوش قطع درخت لگائے جاتے تھے، اور باغ کے اندر سے ندی کا پانی سب سے اوپر کے قطعۂ زمین سے گرایا جاتا تھا اور ہر زینہ کے اوپر بطور چادر کے یہ ندی بہ کر نیچے جھیل میں مل جاتی تھی، جب بابر نے آگرہ کو فتح کیا تو پہاڑی زمین نہ ہونے کی وجہ سے باغوں کی ترکیب کو بدلنا پڑا، اول تو سطح زمین پر چورس میدانوں میں باغ بنانا پڑا اور پھر باغ کے چہار جانب بہت اونچی دیوار تعمیر کرائی گئی۔ باغ کو چار مربع حصوں میں تقسیم کرکے، وسط باغ میں بارہ دری اور اس بارہ دری کے ہر چہار جانب حوض طیار کرایا گیا تھا، جس سے چھوٹی نہروں کے ذریعہ سے باغ سینچا جاتا تھا۔ گرچونکہ اکثر باغ مقبروں کے لیئے طیار کرائے گئے تھے، اسلیئے وسط باغ میں بجائے بارہ دری کے مقبرے بنوائے گئے، اکبر اعظم کا مقبرہ جو سکندرہ میں واقع ہے ہندی اور اسلامی فن باغبانی کا مجموعہ ہے، اور آگرہ دہلی۔ لاہور، میں جابجا بڑے بڑے مقبرہ شاہان مغلیہ اور مغلیہ خاندان کے امرا کے موجود ہیں اور شاہوں کی دیکھا دیکھی بیرون شہر بڑے بڑے باغات اُمرا لوگ طیار کراتے تھے اور بارہ دریوں

میں بیٹھا کرتے تھے، مرنے کے بعد انھیں بارہ دریوں میں مدفون ہوتے تھے اور پھر یہ باغ غربا فقرا اور مسافروں کے لیئے باعث آرام و آسائش ہوتے تھے، اگر بادشاہ کو ایسے باغات کی ضرورت ہوتی تھی، تو کبھی کبھی جیب خاص سے خرید کیا جاتا تھا، جیسے بابر نے باغ کلان کو خرید اتھا، یہ باغ مغل بیگ مرزا کی ملکیت تھی اس کے اندر سے ایک بڑی نہر جاری تھی، مگر ذرا بدنما طریقہ سے بنائی گئی تھی، باغ خریدنے کے بعد شہنشاہ بابر نے اس کو درست کرایا جس سے باغ کی رونق دوبالا ہوگئی، اس باغ سے کوس ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر دامن کوہ میں ایک بڑا جھرنا پانی کا ہے اور جس کا نام خواجہ سہ یاران تھا، اس حوض کے چاروں طرف بڑے بڑے درخت اور حوض کے مقابلہ میں ارغوان کے تختہ لگائے گئے تھے، بادشاہ نے اس حوض کے ہر چہار جانب پتھر کی دیوار طیار کرائی اور حوض کو ایک بڑے چبوترہ کے بیچ میں قائم کرایا اس چبوترہ پر بیٹھ کر پھولوں کے زمانہ میں ارغوانی تختہ کی بہار قابل دید ہوتی تھی، زرد اور سرخ رنگ کے پھول بھی اس تختہ میں لگائے گئے تھے، اور نہایت خوشنما معلوم ہوتے تھے، بیت الور کے قریب بھی گلاب کی باڑیاں باغات میں لگوائی گئی تھیں۔ مگر موسم بہار کے بعد موسم گرما کے شروع ہوتے ہی یہ خوبصورت سرخ، گلابی پھول مرجھا جاتے تھے۔ گویا بادسموم کی تیزی ان باغ کے چراغوں کو گل کر دیتی تھی۔

دریائے جمن کے پار جس سمت میں کہ رام باغ واقع ہے اُسی جانب عمادالدولہ کا باغ اور مقبرہ بھی واقع ہے یہ ایک چھوٹا سا باغ ہے مگر صنعت کے لحاظ سے یہ ایک ہیرہ کی انگوٹھی کے برابر قدر و منزلت رکھتا ہے اور ایرانی پچی کاری کا پہلا نمونہ ہندوستان میں ہے۔ اس مقبرہ کو نورجہاں بیگم نے اپنے باپ مرزا غیاث بیگ کے لیئے طیار کرایا تھا۔

اعتمادالدولہ کا باغ بمقابلہ سکندرہ کے بہت ہی چھوٹا ہے اور اب تک شاداب ہے مگر تاہم نہروں میں پانی نہ ہونے سے اور درختوں کی کمی کی وجہ سے اس باغ کی اصلی خوبی جاتی رہی ہے۔

بارہ دری کے چبوترہ کے ہر چہار جانب چار حوض خشک پڑے ہیں اور دروازوں کے قریب کے فوارے بھی بالکل بیکار ہوگئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے نگینہ کو انگوٹھی سے علیحدہ کر لیا گیا ہو۔

تاج کے باغ تاج ارجمند بانو بیگم (ممتاز محل) کی خوابگاہ ہے۔ اس عمارت کے حالات میں اتنی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ شاید کسی دوسری عمارت کو یہ فخر حاصل نہیں ہوسکتا، مگر اسمیں جو دیکھنے کی بات ہے وہ صرف مقبرہ سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ اور اُسکے گرد و نواح کے باغوں کی مناسبت ہے،

جس کتاب سے میں نے یہ مضمون اخذ کیا ہے اسکی مصنفہ ایک جگہ لکھتی ہے کہ میں روضہ کی سیر کرنے

چاندنی رات میں گئی اور صبح بھی یہ خوشنما منظر دیکھنے گئی، جاڑے کا موسم تھا، پو پھٹ رہی تھی اُفق کی رنگینی سنگ مرمر پر پڑ رہا تھا اور اسوقت کا پرسکون منظر عجیب کیفیت افزا تھا جب میں اندر پہونچی تو روشنی آہستہ بڑھ رہی تھی اور حوض میں روضہ کا عکس بھی ابھرتا ہوا نظر آ رہا تھا، سورج کے نکلتے گنبد کے درخشاں حصے نے سورج کی روشنی کو اپنے اندر جذب کرلیا، اور رفتہ رفتہ یہ گلابی رنگ گنبد کے چاروں طرف پھیل گیا۔ حتی کہ ساری عمارت ایک گلابی آبدار موتی کے طرح چمک اٹھی اور ایسا محسوس کرنے لگی کہ فردوس کا دروازہ ساکنان ارض کے لیئے کھول دیا گیا ہے۔

اکثر لوگوں نے اس عمارت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں زنانہ نزاکت بہت موجود ہے، لیکن حقیقتاً اس عمارت کی خوبی یہی ہے کہ اسمیں اس نزاکت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ تاج ایک زنانہ نزاکت رکھنے والی عمارت ہے، اور اس کے ہر ہر نقش سے نسائیت ٹپکتی ہے، حتی کہ اگر ہم چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ عمارت خود مجسم ممتاز محل ہے، جو ہر صبح شام اور چاندنی رات میں، باغ کے اونچے اونچے درختوں کی اوٹ سے جلوہ ریز ہوتی رہتی ہے، بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یہ عمارت مشرقی خواتین کی اس فطری نزاکت و پاکیزگی کی یادگار ہے جو کسی دوسرے ملک کی عورتوں میں نہیں پائی جاتی۔ اگر اس عمارت کا مقابلہ پتھر کے مصنوعی چیز سے کیا جا سکتا ہے تو وہ یونان کا مجسمۂ وینس (زہرہ) ہے جو ترے کے چاروں طرف کچھ فاصلہ پر بڑے بڑے آموں کے درخت لگائے گئے ہیں اور دوپہر کو اس عمارت کی چمک دمک دوبالا ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی رنگ کے گہرے سمندر کی تہہ میں کوئی موتی پڑا ہوا چمک رہا ہے

۱۸۲۰ء میں جب کرنیل ہاجسن نے ہندوستان کی پیمائش کی تھی تو اس باغ کا بھی ایک نقشہ کھینچا تھا، اُسوقت بھی یہ باغ اپنی اصلی حالت پر تھا، مگر اب اس کو بالکل انگریزی طرز پر بنایا گیا ہے جو روضہ کے لحاظ سے بالکل غیر مناسب ہے اس باغ کے نقشے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایرانی یا ترکی وضع پر بنوایا گیا ہے مگر صرف فرق یہ ہے کہ بجائے وسط باغ میں بارہ دری ہونے کے، روضہ کو باغ کے آخری حصہ میں دریائے جمن کے کنارے بہت اونچے اُتار کر قائم کیا ہے اور یہاں سے قلعہ بھی نظر آتا ہے، ممکن ہے کہ شاہجہاں نے روضہ کو باغ کے آخری حصہ میں وہ صرف اسلیئے بنوایا ہو کہ قلعہ سے صبح و شام اپنی محبوبہ بیگم کی خوابگاہ کی زیارت کرلیا کرے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شاید دریائے جمن کے دوسرے ساحل پر شاہجہاں نے اپنے لیئے دوسرا روضہ بنوانا چاہا ہو اور دریائے جمن کے اوپر سنگ موسیٰ کا پل ڈال کر روضہ کو روضہ سے ملانا چاہا ہو لیکن

یہ خیال پورا نہ ہو سکا۔

برنیر نے ۱۶۶۰ء میں اس باغ کو دیکھ کر اپنے سفرنامہ میں اس کی بڑی تعریف لکھی، اس سیاح کے ساتھ چند اور فرانسیسی بھی موجود تھے اور بالاتفاق سب کے سب اس عمارت کی بابت یہ کہتے ہیں کہ سارے یورپ میں نہ ایسی عمارت کبھی بنائی گئی نہ ایسا باغ کبھی دیکھنے میں آیا۔

مصنفہ متواتر ایک مہینہ تک صبح و شام اس باغ کی سیر کو آیا کی۔ ایک دن جاڑے کی بارش میں سیر کو گئی، اسوقت کا حال بیان کرتی ہو کہ ہر درخت سی موتی ٹپکتا تھا اور بارش سے روضہ دھل کر بہت خوشنما ہو گیا تھا اور سنگ مرمر کے عکس پذیری کی یہ حالت تھی کہ ہلکے زرد رنگ سے لیکر گہرے سے گہرے رنگ کی چمک تک ان سفید پتھروں پر ظاہر ہوتی تھی اور وہ لکھتی ہے کہ دھوپ کی چمک میں پتھر کی نازک پچی کاری پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی مگر اس روز بادلوں نے دھوپ کو روک لیا تھا اور ان نازک پچی کاری کے کام کی خوبیاں بہت اچھی طرح نظر آ رہی ہیں۔ ہر طرح کے پھول نازک ڈالیوں پر کھلے ہوئے مقبرہ کے چار جانب دیواروں میں بنائے گئے ہیں کہ انہیں ہر ایک پھول ہندوستانی پھول کا نمونہ ہے، ان نقاشوں میں ایک شخص کا نام (رام) کسمیری تھا اور ممکن ہے کہ اس کسمیری نے نورجہاں بیگم کے کشمیری باغ سے بھی سبق لیا ہو یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جتنے بھی پھول بنائے گئے ہیں وہ سب کے سب موسم بہار کے پھول ہیں گویا اس محو خواب ملکہ کو پھولوں کی سیج پر لٹا دیا گیا ہے۔

(باقی)

گھوشال، ایم اے

"نقوشِ مانی"

کسے دعویٰ ہے کہ جوشِ اشکِ خونیں سیلِ دریا ہے — یہ عالم ہے کہ اب دو آنسوؤں کا بھی تو رونا ہے

سمجھتا ہوں کہ یہ اُس شوخ کا حسنِ تقاضا ہے — یہ لو، جانِ حزیں نذرِ نگاہِ بے محابا ہے

نہ تھا یوں مبتلا ہونے کا خطرہ آج سے پہلے — نہ اب معلوم آگے چل کے دل کا کیا ارادہ ہے

نہیں ہے جو مرے قابو میں، وہ ہی مدعا دل کا — نہیں جو بات میرے بس کی، وہ میری تمنا ہے

محبت میں کہاں دلسوز ملسکتا ہے اے مانی
مصیبت ہے، مصیبت کی گھڑی میں کون کسکا ہے

مانی جائسی

انقلابات جنگ

انقلاب سیاسی عہد قدیم میں جب جنگ ہوتی تھی، تو اس کا مقصود صرف یہ ہوتا تھا کہ ملک کے حدود وسیع کر لیے جاویں، دشمن کی سلطنت کو تنگ و مختصر بنا دیا جائے۔ اور اگر ممکن ہو تو لوٹ مار کرکے کچھ دولت بھی جمع کر لیجاوے لیکن اب عہد حاضر نے جسطرح زمانۂ ماضی کے اسلوب جنگ کو بدل دیا ہے، اسی طرح اس کے اغراض کی صورت کو بھی متغیر کر دیا ہے، یعنی اب جو انقلاب پیدا ہوتا ہے اس کا تعلق زیادہ تر خیالات و جذبات انسانی سے ہوتا ہے اور دمیقراطی پہلو زیادہ روشن ہو جاتے ہیں۔

قبل جنگ یورپ میں صرف ۴۴ ملین نفوس انسانی نظام جمہوری سے وابستہ تھے، لیکن اب بعد از جنگ ان کی تعداد ۲۵۰ ملین تک پہونچ گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گزشتہ جنگ نے حکومت شخصی واستبداد کو کسقدر صدمہ پہونچایا۔ جس کی بہترین مثال زار روس کا قتل اور "بالشویت" کا قائم ہونا ہے۔

پھر یہی نہیں ہوا کہ صرف روس میں یہ انقلاب رونما ہوا ہو، بلکہ تمام بلاد یورپ و ایشیا میں اشتراکیت کی روح دوڑ گئی اور ہر جگہ کسی نہ کسی صورت سے جمہوریت کے قیام کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ سلطنت ترکی میں جمہوریت کا قائم ہونا (اور وہ بھی ایسی سخت جمہوریت کہ وہاں کوئی رئیس تک مقرر نہیں کیا گیا) بھی اسی انقلاب جذبات کا نتیجہ ہے، جو روس سے منتقل ہو کر یہاں پہونچا

انقلاب تعلیمی قبل از جنگ انگلستان اور اس کے تمام حلفا اس حقیقت کو تسلیم کرتے تھے کہ مسئلہ تعلیم میں جرمنی ان سے بہت زیادہ تفوق رکھتا ہے، لیکن اب انگلستان نے بھی اس طرف خاص توجہ کی ہے اور نہ صرف ثانوی تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے بلکہ یونیورسٹی کی تعلیم کو بھی بلند بنا دیا ہے۔ قبل از جنگ انگلستان نے سنہ ۱۹۱۲ء میں صرف ۵۰۰۰ ۶۳۸۱ گنی تعلیم پر صرف کی تھی، لیکن گذشتہ سال اس نے ۱۵ ملین گنی صرف کی، جنگ سے پہلے معلمین کا طبقہ انگلستان میں غریب سمجھا جاتا ہے، لیکن آج وہ اس پیشہ کے ذریعہ سے کافی دولت حاصل کر رہے ہیں۔

روس میں قبل از جنگ تعلیمی حالت بہت گری ہوئی تھی اور ادنے طبقہ کے لوگ عمداً تعلیم سے محروم رکھے جاتے تھے، لیکن اب عہد "بالشویت" میں وہاں تعلیم کی اسقدر کثرت ہو گئی ہے کہ حکومت کی آمدنی کا اکثر حصہ اسپر صرف کیا جاتا ہے اور ادنے سے لیکر اعلیٰ طبقہ تک سب پر تعلیم لازم کر دی گئی ہے۔

انقلاب اجتماعی | اس سلسلہ کا نمایاں ترین منظر عورتوں کا بیدار ہوجانا ہے، جنگ سے قبل نسوانی دنیا کا مرکز اسقدر بلند نظر نہیں آتا تھا، لیکن اب نہیں نہ صرف حقوق انتخاب بلکہ حقوق نیابت بھی حاصل ہو گئے ہیں سنہ ۱۹۱۱ء میں یورپ کی اُن عورتوں کی تعداد جنہیں حق انتخاب حاصل تھا ۳ ۱/۲ ملین تھی لیکن اب سنہ ۱۹۲۱ء میں یہ تعداد ۱۲۰ ملین تک پہونچگئی ہے اب عورتیں انتظام بلاد میں مردوں کی شریک ہوگئی ہیں اور یقیناً ان کی یہ شرکت ہیجان جذبات اور ظہور جنگ کے وقت بہت مفید ثابت ہوگی کیونکہ بہ نسبت باپ کے ماں اپنے بیٹوں کی قیمت حیات سے زیادہ واقف ہوتی ہے اور اس لیئے قدرتاً اس کا میلان صلح کی طرف ہوگا، جو اسباب حرب اور ہیجان جنگ کے کم کرنے میں بہت معاون ثابت ہوجائے۔ اسی طرح مجلس قانون سازی میں بھی عورت کی شرکت بہت ضروری تھی، کیونکہ وہ جرائم جو عورتوں سے متعلق ہیں یا وہ معاملات جو حیات ازدواجی سے وابستہ ہیں ان کو عورت ہی بہتر سمجھ سکتی ہے اور اسکی مجلس تشریع میں شریک ہونے سے موجودہ قوانین کا وہ نقص دور ہوجائیگا۔ جو ان مسائل میں پایا جاتا تھا۔

دوسرا اجتماعی انقلاب یہ ہوا کہ طلاق کے واقعات میں بہت زیادتی ہوگئی، سنہ ۱۹۰۹ء میں انگلستان کے اندر طلاق کے مقدمات کی تعداد ۷۰۸، تھی، لیکن سنہ ۱۹۱۹ء میں وہ ۵۰۸۵ تک پہونچگئی اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ جنگ نے عورتوں کے لیئے مختلف اعمال کے دروازے کہولدیئے۔ اور معاش کے باب میں وہ بڑی حد تک مردوں سے مستغنی ہوگئیں۔

تیسرا اجتماعی انقلاب جو بہت زیادہ اہم قرار دیا جا سکتا ہے، استعمال مسکرات کی کمی ہے، دوران جنگ میں امریکہ، فرانس، اور انگلستان نے شراب کا استعمال ترک کر دیا اور اسقدر پابندیاں عائد کردیں کہ بادہ خواری قریب قریب ممنوع ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد جنگ امریکہ اور جدید ترکی میں اس کی ممانعت قانون کی تحت میں آگئی اور اب وہاں شراب کا کاروبار اور شراب کا استعمال قطعی ناجائز و خلاف قانون ہے۔

میکانکی انقلاب | جنگ کے نمایاں ترین نتائج میں سے انقلاب میکانکی بھی ہے، دوران جنگ میں وسائل نقل و حرکت نے بہت ترقی کی اور ہوائی جہازوں کی تعمیر میں بہت کوشش صرف کی گئی، اور ہر ملک نے سعی کی کہ وہ اس فن میں دوسرے سے سبقت لیجائے۔ جب جنگ ختم ہوئی تو انہیں ہوائی جہازوں سے ریل کا کام لیا گیا اور ڈاک کے ساتھ مسافر بھی اس کے ذریعہ سے اودھر اُدھر منتقل ہونے لگے۔

چونکہ آلات حرب کثرت سے بنائے گئے اسلیئے معدنوں کا کاروبار بہت بڑھ گیا، چنانچہ المونیم سنہ ۱۹۱۳ء میں ۱۴۵۹۰ ٹن برآمد ہوا اور سنہ ۱۹۱۹ء میں ۱۵۰۰۰ ٹن۔

اسی کے ساتھ موٹروں کے اغراض استعمال میں بھی بڑا تغیر پیدا ہو گیا۔ قبل از جنگ ان کا استعمال زیادہ تر صرف سیر و تفریح کے سلسلہ میں ہوتا تھا، لیکن اب اس کا رواج اسقدر بڑھ گیا ہے کہ تجارت کی دنیا سے اس کے استعمال کو کسی طرح جدا نہیں کرسکتے، جو نتیجہ ہے جنگ کا۔

انقلاب اقتصادی: اس سلسلہ میں نتائج حرب میں سے نمایاں نتیجہ یہ ہے کہ مزدوروں میں احساس پیدا ہو گیا اور انہوں نے سرمایہ داروں سے اپنی اجرت میں اضافہ کا مطالبہ شروع کیا، ان کی انجمنیں قائم ہو گئیں، ان کے مطالبات باضابطہ رزولیوشن کی صورت میں پیش ہونے لگے، اور اب یہ احساس آزادی اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ دنیا کی کوئی قوت اسے روک نہیں سکتی، سنہ ۱۹۱۰ء میں ۱ ملین مزدور ان انجمنوں سے متعلق تھے لیکن سنہ ۱۹۲۰ء میں ان کی تعداد ۳۸ ملین تک پہونچ گئی ہے اور مزدوری ڈھائی سو گنا زائد ہو گئی ہے جن کے کم ہونے کی کبھی توقع نہیں ہو سکتی۔

دوسری اقتصادی نتیجہ یہ پیدا ہوا کہ سنہ ۱۹۱۴ء میں امریکہ یورپ کا مقروض تھا اور ۹۰۰ ملین گنی اسکو ادا کرنی تھی، لیکن اب خود یورپ اس کا مقروض ہے اور ۲۶۰۰ ملین گنی واجب الادا ہے۔

ادیٹر

غزل

ہجر پہ کیوں ہے اہتمام ہجر سے پہلے کیا نہ تھا
طبع الم فزا نہ تھی، قلب غم آشنا نہ تھا

سن کے جبین ناز پر پڑ گئی کس لیئے شکن
ذکر مرے نصیب کا کچھ گلۂ جفا نہ تھا

میں نہ کبھی بتا سکا جان یہ کیا گذر گئی
ہجر میں یا وصال میں، ہوش مجھے ذرا نہ تھا

چشم فسوں طراز کی، اف یہ کرشمہ سنجیاں
اک جو نگاہ کی، دل کا کہیں پتا نہ تھا

میرا گلہ بجا نہیں، خیر تو آپ ہی کہیں
مورد التفات ناز کیا میں کبھی ہوا نہ تھا

سوز و گداز عشق کی، پہلے بھی کچھ کمی نہ تھی
آتش ہجر سے مگر دل کبھی یوں جلا نہ تھا

کہتے ہیں آج مرگیا مائلی ستم نصیب
حیف کہ اس کا ہر نفس ہوش ربا فسانہ تھا

محمد زکریا مائلی

ناطان

(بسلسلۂ گذشتہ)

دوسرا ایکٹ

پہلا سین

سلطان کا محل

صلاح الدین اور ستہ شطرنج کھیل رہے ہیں

ستہ۔ صلاح الدین، تمہیں کیا ہوگیا؟ یہ آج تم کیسے کھیل رہے ہو؟

صلاح الدین۔ کیوں، کیا اچھا نہیں کھیل رہا؟ میں کچھ سوچ رہا تھا۔

ستہ۔ میرے واسطے تو اچھا ہی ہے۔ مگر نہیں، یہ چال بھی کچھ ٹھیک نہیں۔ یہ چال واپس لو۔

صلاح الدین۔ وہ کیوں صاحب؟

ستہ۔ تمہارا یہ گھوڑا پٹ جائیگا۔

صلاح الدین۔ ہاں، سچ تو ہے۔ اچھا لو، یوں ہی سہی۔

ستہ۔ اب تو میں اپنا پیادہ آگے بڑھاتی ہوں۔

صلاح الدین۔ ٹھیک ——— یہ تو شہ پڑگئی!

ستہ۔ بھلا اس چال سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا! لو پھر، میں آگے بڑھتی ہوں۔ اور، اسے یہ دیکھو، اب تمہاری پھر وہی پہلی سی حالت ہے۔

صلاح الدین۔ اصل یہ ہے کہ اس گورکھ دھندے سے بچنا ہی محال ہے۔ تم میرے گھوڑے کو پیٹ دو بس، اور کیا کروگی۔

ستہ۔ ابھی نہیں بیٹی۔ اس وقت تو چھوڑے دیتی ہوں، پھر سمجھوں گی۔

صلاح الدین۔ تم نے مجھے کچھ بخش تھوڑا ہی دیا ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ تمہارے لئے یہ چال گھوڑے کی چال سے زیادہ ضروری ہے۔

ستہ۔ ہاں، شاید۔

صلاح الدین۔ ہاں، تو یہ یکطرفہ فیصلہ بھی تو مت کرو نہ۔ اسے یہ دیکھو! اسے چاہے شرط کرلو، تمہیں میری اس چال کا شان گمان بھی نہیں تھا؛ کیوں؟

ستہ۔ ہاں بھلا میں یہ کیسے فرض کرلیتی کہ تم اپنے
فرزین سے تنگ آگئے ہو، اور پٹوا دینا چاہتے ہو؟

صلاح الدین۔ فرزین کو؟

ستہ۔ خیر اب تو معاملہ صاف ہے۔ آج میں
اپنے ایک ہزار دینار تو جیت ہی لونگی۔

صلاح الدین۔ وہ کیسے؟

ستہ۔ یہ بھی کیوں پوچھتے ہو؟ —— تم تو
خود ہی زور لگا لگا کے جان بوجھ کے ہارتے ہو، ——
اور پھر بھی مجھ سے اس سے برائے نام ہی فائدہ ہوتا ہے
ایک تو ایسے کھیل میں کچھ مزا نہیں آتا، پھر اگر میں ہار جاؤں
تب بھی مجھے بہت کچھ مل رہتا ہے۔ تم میری مشق کی
کمی کی وجہ سے میری تسلی جو کرنا چاہتے ہو تو میرے نقصان
سے بھی دوگنا دے نکلتے ہو۔

صلاح الدین۔ میری ذرا سی بہن، یہ بھی تو سوچو
کہ تم بھی جب ہارتی ہو تو شاید دانستہ ہی ہارتی ہو:
ایں نہ؟

ستہ۔ ہاں بھائی جان، شاید تمہاری فیاضی
ہی اس کا سبب ہے کہ مجھے اب تک اچھی طرح کھیلنا
نہ آیا۔

صلاح الدین۔ ان باتوں میں کھیل تو ہمارا
یوں ہی رہا۔ لاؤ اسے ختم ہی کر ڈالیں۔

ستہ۔ اچھا یہ بات؟ تو لو یہ شہ ہوئی، اور یہ
ایک اور شہ!

صلاح الدین۔ ارے! مجھے تو اس دہری دہری
شہ کا خیال بھی نہ تھا۔ اب تو مجھے اندیشہ ہے کہ میرا
فرزین بھی گیا، بلکہ مات بھی ہوئی ہی سمجھو۔

ستہ۔ دیکھیں اب تم کیسے بچ کے بھاگتے ہو!

صلاح الدین۔ نہیں نہیں —— تم میرے
فرزین کو ضرور پیٹ دو۔ مجھے اس سے کبھی فائدہ
ہوا ہی نہیں۔

ستہ۔ صرف شطرنج میں!

صلاح الدین۔ لے لو، پیٹ لو۔ اس میں
کوئی حرج نہیں۔ اب میرے سب مہرے محفوظ ہیں۔

ستہ۔ میرے بھائی نے مجھے خوب اچھی طرح
سکھا دیا ہے کہ بیگمات[1] سے حسن سلوک سے پیش آنا
(یہ کہہ کے فرزین کو یوں ہی چھوڑ دیتی ہے۔)

صلاح الدین۔ اب چاہے تم فرزین کو لے لو
چاہے چھوڑ دو۔ اب وہ میرا تو ہے نہیں۔

ستہ۔ مگر ضرورت ہی کیا ہے؟ شہ! ——
شہ!!

صلاح الدین۔ چلی چلو!

ستہ۔ شہ! اور شہ!! اور شہ!!!

صلاح الدین۔ اور مات!

ستہ۔ نہیں، پوری مات تو نہیں ہے۔
—— بھائی، اب بھی اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا دو
اور دیکھو کیا ہوتا ہے مگر ہاں، تم جو چاہے کر لو، بات

[1] جرمن زبان میں "فرزین" کو "ملکہ" کہتے ہیں۔ اسی لیے ستہ نے اسے "بیگم" کہا اور حسن اخلاق کی بنا پر اسے پیٹا نہیں بلکہ ویسے ہی

رہی جاتی ہے۔

صلاح الدین - بہت ٹھیک! ـــــ تم جیت گئیں۔ حافی کو چاہیئے کہ تمہارا روپیہ ادا کر دے۔ اُسے جلدی بلاؤ۔ ستہ، تم نے غلط بھی نہیں کہا۔ بات یہ ہے کہ میں ہوش میں نہیں کھیل رہا تھا، بالکل غافل تھا، بھلا کوئی پوچھے یہ لوگ ہمیں یہ صاف بے نقش ان بے صورتے سے مُہرے کیوں دیدیتے ہیں؟ نہ ان میں کسی چیز کی نمائندگی کی صلاحیت ہے، نہ ذہن میں ان سے کسی چیز کا تصور بندھتا ہے۔ یا شاید وہ لوگ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ میں کسی امام صاحب کے ساتھ کھیلنے کے لیئے منگا رہا ہوں؟ ـــــ اور بات کیا ہے؟ اصل میں یہ بھی ہار جانے کے لئے ایک عذر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان بچارے بے ضرر نے مہروں کا قصور نہیں ہے کہ میں ہار گیا! بلکہ تمہاری اعلیٰ ہنر مندی، تیز نگاہی، اور غائر توجہ نے آج تمہیں جتایا ہے۔۔۔۔

ستہ - تم ایسی ایسی باتیں کر کے اپنی شکست کا غم غلط کرنا چاہتے ہو۔ یہی سمجھ لینا کافی ہے کہ تم مجھ سے زیادہ غافل کھیل رہے تھے۔

صلاح الدین - تم سے زیادہ؟ تم کیوں غافل ہو گئی تھیں صاحب؟

ستہ - خیر تمہاری سی غفلت تو نہ تھی! اگر بھائی، اب ہم پھر کب اسی ذوق و شوق سے کھیلیں گے جیسے ہمیشہ کھیلا کرتے تھے؟ ایں؟

صلاح الدین - ہاں، اب آیندہ سے ہم پہلے سے زیادہ ذوق سے کھیلا کریں گے۔ ـــــ کیا تمہارا خیال ہے کہ جنگ جلدی ہی چھڑ جائیگی؟ ـــــ اُنھ، جتنی جلدی ہو اچھا ہے! ـــــ چاہے ابھی ہو جائے! ـــــ لڑائی میری چھیڑی ہوئی تھوڑا ہی ہے۔ اور میں تو اب بھی عارضی صلح کی توسیع کرنے کو تیار ہوں، بلکہ یہ بھی چاہتا ہوں کہ وہ شخص بھی میرے ہاتھ لگ جائے جو میری ستہ کا ہمدم ہونے کے قابل ہے، میری مراد رچرڈ کے بھائی سے ہے۔ ہاں وہی، رچرڈ کا بھائی۔

ستہ - بس تمہیں ہر وقت اپنے رچرڈ کی تعریف کرنے کی پتی پڑی رہتی ہے۔

صلاح الدین - اس کی بہن اگر ہمارے ملک کی دلہن بن جاتی تو کیسا اچھا گھر بنتا، اور یہ خاندان روئے زمین کا بہترین اور اولین خاندان بنجاتا۔ سنتی ہوں بہن، مجھے اپنے گھر والوں کی تعریف کرنے میں عار نہیں ہے، میں اپنے دوستوں کے قابل ہوں۔ ـــــ اہو ہو، ایسے خاندان سے کیسے کیسے جوانمرد پیدا ہوتے! ایں؟

ستہ - میں ہمیشہ تمہارے اس مزیدار خواب پر مذاق اڑایا کرتی تھی کہ نہیں؟ نہ تمہیں خبر ہے اور نہ کبھی ہوگی کہ عیسائی لوگ کیسے ہوتے ہیں

ان لوگوں کو عیسائی ہونے کا فخر ہے، بہادر اور جوانمرد ہونے کا فخر نہیں ہے، اور تو اور، وہی چیز جس نے ان کے پیغمبر کی پیدائش کے وقت سے انکو توہمات کو خالص انسانی رنگ میں رنگ دیا ہے اس کی بھی یہ لوگ صرف اس واسطے قدر کرتے ہیں کہ یہ ان کے مسیح کی تلقین اور عمل میں آچکی ہے، اسلیئے نہیں کہ اس میں انسانیت پائی جاتی ہے یہ بھی ان کے لیئے بہتری ہی کی بات ہے کہ وہ ایسے نیک انسان تھے، اور یہ لوگ اُن کی نیکیوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ —— مگر اس فضیلت سے بھی کیا حاصل ہے؟ کیونکہ یہ لوگ اُن کی نیکیوں کی نہیں بلکہ اُن کے نام کی اشاعت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ اور بزرگوں کے ناموں برابر کی طرح چھا جائے، اور اُن کو چھپا دے، یہ لوگ صرف اُن کے نام سے غرض رکھتے ہیں، اور بس۔

صلاح الدین۔ شاید تمہاری اس سے یہ مراد ہے کہ وہ لوگ اس امر پر زور دینگے کہ جب تک تم اور ملک دونوں اپنے ناموں کو تبدیل نہ کرو تم لوگ بیوی اور شوہر کی کسی عیسائی کی محبت کا دم نہیں بھر سکتے۔

ستہ۔ ہاں، یہی مطلب ہے۔ گویا صرف ایک عیسائی شخص ہی اس محبت کا اندازہ کر سکتا ہے جو خدائے خالق نے زن و شوہر کے دلوں میں رکھ دی ہے!

صلاح الدین۔ عیسائی ہی ہیں کہ ایسی ایسی عجیب بیہودگیوں کے قائل ہیں۔ اور شاید وہ اسی کو قابل تعریف بات سمجھتے ہوں۔ —— مگر دیکھو تم بھی غلطی پر ہو، ان میں سے جو لوگ میرے مقاصد میں سد راہ ہو رہے ہیں اور ملکہ کو اپنے حریص پنجوں سے چھوڑنا نہیں چاہتے، وہ ٹمپلر ہیں نہ کہ عیسائی، اور ملکہ ہی وہ مقام ہے جسے رچرڈ کی بہن ہمارے بھائی ملک کے ہاں جہیز میں لے کے آتی پھر دوسری بات یہ ہے کہ اپنے سیاہیانہ مقاصد کو پوشیدہ رکھنے کی غرض سے ان لوگوں کو راہب بن کے بھی رہنا پڑتا ہے راہب بھی ایسے کہ بالکل سیدھے سادے بھولے بھالے! اور مزا یہ ہے کہ ایک عارضی فتح کے حصول کے لیئے وہ لوگ اس عارضی صلح کے ختم ہونے کا بھی انتظار نہ کریں گے۔ —— اچھا ہے۔ یوں ہی چلنے دو! —— اور کیا، چلنے دو اسی طرح! —— میرے لیئے تو سب ہی کچھ درست ہے، کاش کہ اور سب باتیں بھی ویسی ہی ہو جائیں جیسی چاہیئیں۔

ستہ۔ بھائی یہ تمہیں کیا ہو گیا! اب آخر اور کس بات کا تمہیں ایسا فکر لگ گیا ہے؟ بات کیا ہے!

صلاح الدین۔ بات کیا ہوتی، وہی جس نے اب تک میری تمام تدبیروں میں ابتری ڈال رکھی ہے

میں والد سے ملنے کو لبنان گیا تھا۔ وہ بھی اپنی فکروں میں گھلے جا رہے ہیں، اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ستہ۔ افسوس!

صلاح الدین۔ یوں ہی ہوتے ہوتے ان کا خاتمہ ہو جائیگا، اور ایسی ہی مصیبتیں ہمیشہ سے انہیں گھیرے رہیں گی۔ جدھر دیکھو ناکامی ہی ناکامی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ستہ۔ کیسی مصیبت! کیسی ناکامی ہے!

صلاح الدین۔ ہوتا گیا، وہی جس کا میں نام بھی نہیں لینا چاہتا تھا؛ وہی جو میرے پاس ہوتا ہے تو بے شمار معلوم ہوتا ہے، اور جب نہیں ہوتا تو بجز اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں نظر آتا۔ حافی کہاں ہے؟ کوئی اسے بلانے گیا کہ نہیں؟ او نفرت انگیز ملعون زر! ۔ اخاہ، حافی تم آ گئے؟

[حافی آتا ہے۔

(باقی آئندہ)

محمد نعیم الرحمٰن ایم اے

رشحاتِ قمر

۱۔ چاہنے اور چاہے جانے میں وہی فرق ہے جو توڑنے اور ٹوٹ جانے میں۔

۲۔ شعرا شکایت کرتے ہیں کہ دل والیس نہیں آتا، حالانکہ انھیں کا یہ بھی محاورہ ہے کہ آج فلاں نے ہمارا دل رکھ لیا۔

۳۔ انتظار کا استحلال مایوسی ہے اور مایوسی کا قوی ہو جانا سکون۔ لیکن نہ ہم اُسے مضمحل ہونے دیتے ہیں، نہ اسے قوی اور پھر شکایت ہے کہ سکون کہاں؟

۔ مرد کا شباب اُس کی کتاب زندگی کا دیباچہ ہے اور عورت کا شباب اُس کے صحیفۂ حیات کا اختتام، اسلیئے مرد کی محبت اس کا تجربہ ہے اور عورت کی محبت اُسکی موت۔

ضعیفی ۔ ضعیفی کے لحاظ سے اسقدر تکلیف دہ نہیں جسقدر اس خیال سے کہ اس سے قبل جوانی گذر چکی ہے۔

پیشین گوئیاں

جنگ کی ابتدا اور انتہا کے متعلق

دنیا میں دو قسم کے اضطرابات رونما ہوتے رہتے ہیں، ایک طبعی، دوسرے اجتماعی، اضطرابات طبعی زلزلہ یا زمین کے پھٹ جانے یا اسی قسم کے دوسرے غیر معمولی طبعی حوادث سے عبارت ہیں، اور اجتماعی اضطرابات سے مقصود، لڑائیاں، بغاوتیں اور دنیائی قوموں کی باہمی کشمکش ہے،

دنیا میں جب کبھی کوئی طبعی یا اجتماعی تغیر پیدا ہوتا ہے تو اس سے قبل اس کے متعلق پیشگوئیاں ہونے لگتی ہیں، یہ پیشگوئیاں کسی واقعہ کی ابتدا اور انتہا دونوں کے متعلق کی جاتی ہیں، اور جب کوئی واقعہ طول اختیار کرتا ہے تو لوگ اس سے تنگ آکر اس قسم کی باتوں کی طرف زیادہ توجہ کرنے لگتے ہیں، چنانچہ اسی قاعدہ کے مطابق جنگ عظیم کے دوران میں بھی متعدد پیشگوئیاں کی گئی تھیں، اور چونکہ لوگ جنگ سے گھبراتے جاتے تھے اسیقدر پیشگوئیاں کثرت سے بیان کی جاتی تھیں، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر پیشگوئی صحیح ہوا کرے، یا کسی واقعہ کے ختم ہونے کی صحیح مدت اس سے دریافت ہو سکے، اگر جنگ عظیم کے شروع ہونے سے پہلے انسان کو یقینی طور پر معلوم ہو جاتا کہ یہ جنگ، سات آٹھ سال تک طول پکڑ لیگی تو اس وقت دنیا کی جو حالت ہوتی اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے،

پیشین گوئیوں کی چند قسمیں ہیں، جنمیں سب سے زیادہ اعلیٰ الہامی پیشگوئی ہے۔ اور سب سے کم درجہ کی وہ پیشگوئی ہے جو کسی واقعہ کے مقدمات دیکھ کر اس کے متعلق کی جاتی ہے۔

اس مضمون کا موضوع الہامی پیشگوئیوں اور   کی تحقیق نہیں ہے، بلکہ صرف ان پیشگوئیوں پر نظر ڈالنا ہے جو اس جنگ کے متعلق کی گئی تھی، اور یہ بھی اس غرض سے نہیں کہ ہم اُن کی صحت کے معترف ہیں بلکہ محض بسبیل تفریح ان کا ذکر کرتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ جنگ عظیم کی پیشگوئیوں کا ذکر کیا جائے ہم تین اہم پیشگوئیوں کا ذکر کرتے ہیں جن کے متعلق ذرا بھی شک نہیں ہے کہ وہ واقعات سے پہلے کی گئی تھی، یہ تینوں پیشگوئیاں بغاوت فرانس کے متعلق تھیں، اور بغاوت فرانس سب سے قریب ترین عظیم الشان تاریخی واقعہ ہے جو بڑی حد تک گذشتہ

جنگ عظیم کے اسباب میں اثر رکھتا ہے۔ یہ پیشنگوئیاں فرانس کے رسالہ لاروس میں شائع ہوئی تھیں پہلی پیشین گوئی ۱۴۱۴ء میں کی گئی تھی، یہ پیشنگوئی (Pierre'd ailly) کی کتاب میں لکھی تھی پیشنگوئی کے الفاظ یہ تھے۔

"بڑے عظیم الشان اور دہشت خیز انقلابات رونما ہوں گے جن کو زیادہ تر قوانین مدنیت و مذاہب سے تعلق ہوگا"

جنگ سے پہلے کتاب مذکور کا قلمی نسخہ شہر ڈوائے (Douai) میں محفوظ تھا اور یہی پیشنگوئی بعینہ پیر ڈلی کی دوسری کتاب میں لکھی ہے، جو مرسیلیا کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اور ۱۴۱۵ء میں لکھی گئی ہے دوسری پیشنگوئی ریچرڈ روسا (Richard Roussat) کی ہے یہ بھی ایک کتاب میں لکھی ہوئی تھی، اس پیشنگوئی کی عبارت حسب ذیل ہے:-

"۱۷۸۹ء میں اور اس کے ۲۵ سال بعد (۱۸۱۴ء) میں دنیا کے قوانین اور مذاہب میں عظیم انقلاب اور تغیرات رونما ہوں گے"

تیسری پیشنگوئی نسٹراڈامس (Nastardamus) نے کی ہے یہ شخص ہنری ثانی کا خاص ڈاکٹر تھا، اس پیشنگوئی کی تاریخ کتابت ۱۵۶۰ء ہے، اس میں بمقابلہ دونوں سابق پیشنگوئیوں کے یہ اضافہ ہے۔

"بغاوت کے انقلابات ۱۷۹۲ء میں نہایت شدید ہوں گے اور اسی سال سے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا"

فی الواقع یہ اضافہ بھی حرف بحرف صادق آیا کیونکہ بغاوت فرانس اس سال اپنے شباب پر تھی اور سنہ مذکور عہد بغاوت کا پہلا سال شمار کیا جاتا ہے

اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسی قوت ہے جس کی بنا پر پیشنگوئی کرنے والے مستقبل کے واقعات بتا دیتے ہیں، کیا حقیقت میں یہ غیب داں ہیں، یا اس کے کچھ اور اسباب ہیں۔ اس سوال کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں جن کی بنا مختلف نظریات پر ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ تمام نظریات ایسے مقدمات پر مبنی ہیں جو علمی حیثیت سے صحیح نہیں ہیں۔ ہم یہاں ایک نظریہ کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

حوادث عظیم کے اسباب کئی صدیوں کے بعد فراہم ہوئے ہیں ان اسباب میں پوشیدہ طریقہ پر

پختگی حاصل ہوتی جاتی ہے، اور ایک طویل مدت کے بعد وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ وہ ایک عظیم الشان انقلاب کا سبب بن سکیں،

حوادث طبعی مثلاً زلزلے یا زمین کا پھٹنا، آگ اور گیسوں کے عمل سے پیدا ہوتا ہے جو زمین کے اندر پائے جاتے ہیں، اس لیئے یہ بالکل آسان ہے کہ انسان ایسے آلات اختراع کرے جس سے اندرونی گیسوں کی رفتار معلوم ہوتی رہے، اور زلزلہ یا زمین پھٹنے سے پہلے اس کے متعلق خبر دی جا سکے۔

جس طرح یہ طبعی حوادث خاص اسباب کے ماتحت پیدا ہوتے اور انسان دقیق آلات اختراع کرکے پہلے سے بتا سکتا ہے کہ فلاں وقت زلزلہ آئے گا یا زمین پھٹے گی اسی طرح حوادث اجتماعی اُن پوشیدہ اسباب کے تحت میں رونما ہوئے ہیں جو آہستہ آہستہ نفوس بشری پر اپنا اثر کرتے جاتے ہیں، اور جب یہ اسباب جن کا اثر براہ راست انسانی نفوس پر پڑتا ہے پختہ ہوجاتے ہیں ان سے عظیم الشان انقلابات اور تغیرات پیدا ہوتے ہیں، اور جسطرح انسان آلات کے ذریعہ سے زلزلے کے اسباب پہلے سے معلوم کرکے اُس کے متعلق پیشنگوئی کرسکتا ہے اسی طرح بعض آدمیوں میں اسکی قابلیت ہوتی ہے کہ وہ اُن پوشیدہ اسباب کی رفتار معلوم کرلیتے ہیں جو نفوس انسانی میں آہستہ آہستہ اپنا اثر کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی فطری اور قابلیت سے اسباب مذکورہ دیکھتے ہوئے بتا سکتے ہیں کہ فلاں وقت ایسا واقعہ رونما ہونے والا ہے

بعض لوگ اعداد اور حروف کے خواص کے قائل ہیں وہ اپنے اصول کے مطابق بعض وقت ایسے نتائج نکالتے ہیں جن کو دیکھکر سخت حیرت ہوتی ہے، چنانچہ ایک شخص نے فرانس اور پروشیا کی جنگ کے آغاز اور انتہائی سنہ جمع کرنے سے نکالی تھی، یہ لڑائی جولائی سنہ ۱۸۷۰ء میں شروع ہوکر جنوری سنہ ۱۸۷۱ء میں ختم ہوئی، جنگ کے آغاز اور اختتام کی تاریخ اس طرح نکلتی ہے، ۱۸۷۰ + ۱۸۷۱ = ۳۷۴۱، اب اس مجموعہ کو بائیں طرف سے پڑھیئے، پہلے تین کا ہندسہ ہے پھر سات کا، چنانچہ جنگ بھی تیسری تاریخ اور ساتویں مہینہ میں شروع ہوئی اس کے بعد چار اور ایک کا عدد ہے اور جنگ بھی پہلے مہینہ کی چوتھی تاریخ کو ختم ہوئی تھی،

ایک اور پیشنگوئی سنہ ۱۸۴۹ء میں ولیم اول (قیصر کا دادا) پروشیا کا ولی عہد تھا، اتفاقاً ایک روز وہ نیالنبرگ کے قصبہ میں گیا جہاں ایک مشہور کاہنہ رہتی تھی، ولیعہد لباس بدل کر اس کے پاس پہونچا کاہنہ نے اُسے بشارت دی کہ وہ ایک روز بادشاہ ہوجائیگا ولیم نے پوچھا کہ میں کب بادشاہ ہوں گا اُس نے کہا کہ آجکل

سنہ ۱۸۴۹ء ہے اسلیئے اس سنہ میں اس کے اعداد انفرادی طریقہ پر اسطرح جمع کرنے چاہئیں ۱۸۴۹ + ۱ + ۸ + ۴ + ۹ = ۱۸۷۱، اعداد کا مجموعہ یعنے ۱۸۷۱ انکی تخت نشینی کا سنہ ہے اور حقیقت میں بھی ولیم اول سنہ ۱۸۷۱ء جرمنی کا بادشاہ ہوا، پھر ولیم نے اس سے پوچھا کہ میں کتنے عرصہ تک حکومت کروں گا، اس نے کہا کہ سنہ ۱۸۷۱ء کا انفرادی مجموعہ اس کے ساتھ جمع کرو، جمع کرنے سے جو کچھ حاصل ہوگا وہی تمہاری موت کا سنہ ہے۔ یعنے (۱ + ۷ + ۸ + ۱ = ۱۷ + ۱۸۷۱ = ۱۸۸۸) اور فی الواقع سنہ ۱۸۸۸ء میں ولیم کا انتقال ہوا۔ پھر اس نے سوال کیا کہ میری سلطنت کب تک قائم رہے گی اس نے کہا اس کے لیئے سنہ ۱۸۸۸ء کے انفرادی مجموعہ کو اس کے ساتھ جمع کرو یعنے ۸ + ۸ + ۸ − ۱ = ۲۵ + ۱۸۸۸ = ۱۹۱۳ اور حقیقت میں سنہ ۱۹۱۳ء میں جرمنی شاہنشاہیت کے آثار سقوط پیدا ہونے لگے،

منجملہ ان عجیب پیشینگوئیوں کے جو اس جنگ کے متعلق کی گئی ہیں۔ کاہنہ روڈیل کی پیشینگوئی ہے یہ پیشینگوئی ساتویں صدی میں کی گئی تھی۔ اوڈریل ڈیوک الزرس کی بیٹی تھی۔ اس کی پیشنگوئی لاطینی زبان میں ہے اسمیں صراحتًا ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ سلطنت بالکل تباہ ہو جائیگی جو اس کی جائداد پر تصرف کرنا چاہیگی۔ جس لڑائی کا ذکر اس پیشنگوئی میں کیا گیا ہے، اس کے حالات بالکل گذشتہ جنگ پر منطبق ہوتے ہیں۔ اس پیشینگوئی میں ہوائی جہازوں اور آبدوزوں کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔

جنگ کی پیشینگوئیوں میں ایک عجیب وغریب پیشنگوئی (سنہ ۱۷ء میں) امریکہ کے ایک اخبار میں شائع ہوئی تھی۔ اس پیشینگوئی کا تعلق بادشاہوں کے سنین ولادت، سنہ جلوس اور مدت حکومت کے اعداد پر مبنی ہے اور جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دول متحدہ کے تمام فرمانرواؤں کے سنین ولادت وغیرہ جمع کرنے سے سب کا حاصل جمع ایک ہی ہوتا ہے۔ ذیل میں اسکی تفصیل درج کرتے ہیں۔

ولسن (پریسیڈنٹ امریکہ)		شاہ انگلستان	
پیدائش	سنہ ۱۸۵۶ء	ولادت	سنہ ۱۸۶۵ء
تاریخ انتخاب صدارت	سنہ ۱۹۱۳ء	تخت نشینی	سنہ ۱۹۱۰ء
مدت حکومت	۴	مدت حکومت	۷
عمر	۶۱	عمر	۵۲
مجموعہ:	۳۸۳۴	مجموعہ:	۳۸۳۴

صدر جمہوریہ فرانس

پیدائش	سنہ ۱۸۵۹ء
تاریخ انتخاب	سنہ ۱۹۱۳ء
مدت حکومت	۴
عمر	۵۹
	۳۰۳۴

شاہ بلجیم

پیدائش	سنہ ۱۸۷۵ء
تخت نشینی	سنہ ۱۹۰۹ء
مدت حکومت	۸
عمر	۴۲
	۳۸۳۴

شاہ سرویا

پیدائش	سنہ ۱۸۴۴
تخت نشینی	سنہ ۱۹۰۳
مدت حکومت	۱۴
عمر	۷۳
	۳۸۳۴

شاہ سردیا

پیدائش	سنہ ۱۸۶۵
تخت نشینی	سنہ ۱۹۱۴
مدت حکومت	۳
عمر	۵۲
	۳۸۳۴

شاہ اطالیہ

پیدائش	سنہ ۱۸۶۹ء
تخت نشینی	سنہ ۱۹۰۰ء
مدت حکومت	۱۷
عمر	۴۸
	۳۸۳۴

جاپان

پیدائش	سنہ ۱۸۷۹ء
تخت نشینی	سنہ ۱۹۱۲ء
مدت حکومت	۵
عمر	۳۸
	۳۸۳۴

شاہ مانٹی نگرو

پیدائش	سنہ ۱۸۴۱ء
تخت نشینی	سنہ ۱۹۱۰ء
حکومت	۷
عمر	۷۶
	۳۸۳۴

اسمیں سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ جب اس مجموعہ کو نصف کرتے ہیں تو ۱۹۱۷ حاصل ہوتا ہے جس سنہ میں یہ پیشینگوئی کی گئی تھی،

بظاہر یہ نہایت عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقتاً یہ صرف ریاضی کی ترکیب ہے، کیونکہ جب آپ کسی بادشاہ کا سنہ ولادت اور اسکی موجودہ عمر کو جمع کریں گے تو سنہ حاضر نکل آئیگا۔ اسی طرح تاریخ تخت نشینی اور مدت حکومت کا مجموعہ وہی ہوگا، پھر چونکہ سنہ ۱۹۱۷ میں ان دونوں کو یکجا کر دیا گیا اس لیئے مجموعہ ۳۸۳۴ ہوا جو سنہ ۱۹۱۷ کا دو چند ہے۔

ایک پیشینگوئی سنہ ۷۹۳ میں جاپان کے کسی شخص نے کی تھی کہ "جب انسان پرندوں کی طرح اڑنے لگے گا تو دس بادشاہ آپس میں برسر جنگ نظر آئیں گے اور تمام دنیا اس سے متاثر ہوگی۔

ٹالسٹائی کی پیشینگوئی بھی بہت مشہور ہے۔ لیکن وہ اسقدر صاف و صریح نہیں ہے کہ بغیر تاویل کئے ہوئے گذشتہ جنگ پر منطبق ہو سکے۔

(اڈیٹر)

"فکر جمیل"

یہ اشعار نتائج افکار ہیں ایک خاتون کے جن کا تعلق الہ آباد کے ایک معزز خاندان سے ہے۔ میں اس کا مخالف نہیں ہوں کہ ہمارے ہاں کی "بلبل ایران" بنکر نغمہ زن ہوں، لیکن بہتر یہی ہے کہ وہ اپنی مادری زبان میں فکر کریں اور نثر کے مضامین زیادہ لکھیں کیونکہ میرے نزدیک شاعری کا ذوق (اور وہ بھی "رنگ تغزل" کی صورت میں) خواتین ہند میں اسوقت پیدا ہونا چاہیئے جب صحیح تعلیم و تربیت کی فراوانی ملک کے "اخلاقیات" کی طرف سے ہمکو مطمئن کر دے۔ (اڈیٹر)

چنیں اشکم بہ داماں می فرستم
کہ گل سوئے گلستاں می فرستم

بہ یاد تابش روئے تو ہر دم
بہ گردوں آہ سوزاں می فرستم

دل پر داغ و صد پارہ کہ دارم
برائے نذر جاناں می فرستم

گل داغ دل سوزان خود را
برائے زلف پیچاں می فرستم

دُر معنی دریں کشتی قرطاس
برائے نکتہ سنجاں می فرستم

ز گلزار نکات خاص پنہاں
گلے چیدم بہ بستاں می فرستم

رابعہ خاتون پنہاں

کلامِ آزاد انصاری

(بسلسلۂ گذشتہ)

۴ - تصوف - یعنے جذبات عشق حقیقی - بقول مولوی عارف مسہوی (جیسا کہ انہوں نے کلام آسی پر تنقید کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے) "اُردو شاعری کلیتاً فارسی شاعری کی متبع ہے - اور اس باب میں اسقدر غلو کیا گیا ہے کہ عام طور پر وہی تشبیہات واستعارات اردو میں بھی لے لیئے گئے جو فارسی میں مروج ہیں - مگر نہایت تعجب انگیز امر ہے کہ جہاں فارسی کے تتبع و تقلید کی اسقدر کوشش کی گئی ہے وہیں دوسری طرف فارسی شاعری کی جو چیز جان تھی یعنے تصوف اُسکو عام طور سے ترک کر دیا گیا اور بہت کم اردو شعرا نے اس کی طرف اعتنا کیا" حضرت عارف نے بالکل درست فرمایا کہ فارسی شاعری کی کورانہ تقلید کے باوجود اردو شعرا نے باستثنائے درد و غالب وغیرہ تصوف کی طرف جس نے فارسی شاعری کو حقیقی شاعری بنا کر اس کا پایہ فلک الافلاک تک پہونچا دیا ہے بہت کم توجہ کی ہے - اور ضرورت ہے کہ اس کمی کو پورا کرنے کی خاص کوشش کرنی چاہیئے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر شاعر صرف تصوف ہی کو اوڑھنا بچھونا بنالے - کیونکہ تصوف بھی عام جذبات عالیہ کی ایک صنف ہے اور جسقدر اسکی اہمیت ہے اُسی قدر اُسکی طرف توجہ بھی کرنی چاہیئے - لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جذبات تصوف کو شعر میں جیسا کہ اُن کا حق ادا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے - اسطرف صرف انہیں لوگوں کو توجہ کرنی چاہیئے جو اسکے اہل ہوں - ہمارے خیال میں وہ شعرا جو ذوق شعر رکھنے کے ساتھ صاحب نسبت بھی ہوں اس کام کو زیادہ بہترین طریق سے انجام دے سکتے ہیں - باقی حضرات کو دیگر اصناف سخن پایۂ تکمیل کو پہنچانی چاہیئیں -

یہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت آزاد کے کلام کی بنیاد کسی خاص صنف جذبات پر نہیں بلکہ عام جذبات پر ہے - لیکن اسپر بھی آپ کے کلام میں تصوف کے گہرے رنگ میں ڈوبے ہوئے اشعار بکثرت پائے جاتے ہیں - ملاحظہ فرمائیے -

وہی ایک جلوۂ یار ہے کہیں نور ہے کہیں نار ہے
وہی ایک اصل بہار ہے - وہی پھول ہے وہی خار ہے

دیکھیئے مسئلہ وحدۃ الوجود پر کسقدر رنگین اور ترنم زا الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے کہ پڑھے جائیے

اور مزے لیئے جائیے اور "وہی ایک اصل بہار ہے" کی ترکیب نے تو شعر کو بلاغت کے اُس اوج کمال تک پہونچا دیا ہے جس کے بعد کوئی وجہ کمال نظر نہیں آتا۔ اسی حقیقت میں ڈوبے ہوئے اشعار ذیل ملاحظہ ہوں

جدھر دیکھو۔ وہ کافر گرم شغل دلستانی ہے ادھر ریشہ دوانی ہے اُدھر ریشہ دوانی ہے
جمالِ دوست کھلا ہر طرف جھلکتا ہے نگاہ شرط ہے اندھا بھی دیکھ سکتا ہے

یہی نہیں کہ یہ اشعار فنا فی الوحدت الوجود جذبات کی نادر ترین مثالیں ہیں۔ بلکہ دنیا بھر کو کھلی دعوت غور و فکر بھی دیگئی ہے کہ آنکھیں کھولو اور اُس جلوہ حقیقی کو جو ذرہ ذرہ سے آشکار ہے دیکھو۔ پھر انہیں جذبات کو دوسرے دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔

گل و سرو و صنوبر ہو۔ مہ و خورشید و اختر ہو ادھر بھی جلوہ گستر ہو ادھر بھی جلوہ گستر ہو
اب اس پردے سے کیا حاصل اٹھا بھی دو کہ لاحاصل تمہیں پردے کے باہر ہو تمہیں پردے کے اندر ہو

ان اشعار سے صرف ایک وحدۃ الوجود کی حقیقت کبریٰ ہی پر روشنی نہیں پڑتی۔ بلکہ اُس گفتگوئے راز و نیاز کا بھی پتہ چلتا ہے، جس کا حوصلہ مدارج قرب کی ترقیوں کے ساتھ بڑھتا رہتا ہے اور ایک غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔ جنمیں جذبات تصوف عجیب و دلکش پیرایہ میں پیش کیے گئے ہیں۔

مری پستی تری رفعت کا مظہر بن کے دم لیگی مری ہستی ترا راز نہاں معلوم ہوتی ہے
تمہاری ذات اب تک عقدۂ صد راز پاتا ہوں تمہاری بات اب تک چیستاں معلوم ہوتی ہے
وہ مرگِ عشق جسکو اہل ظاہر موت کہتے ہیں ہمیں شکلِ حیاتِ جاوداں معلوم ہوتی ہے
خدا چاہے تو اب سعیِ طلب انجام کو پہونچی مری گم گشتگی تیرا نشاں معلوم ہوتی ہے

یہ سب شعر تصوف کے جذبات عالیہ سے لبریز ہیں اور عشق حقیقی کی مختلف واردات قلبیہ کے بے مثل نمونے۔ اور ملاحظہ فرمائیے۔

میں ہوش کھو کے مالک دنیائے ہوش تھا یعنے ترے لیئے ہمہ تن چشم و گوش تھا
صرف اسقدر تو یاد ہے۔ اک برق سی گری بس اس کے بعد ہم کو خبر تھی نہ ہوش تھا

دونوں شعر اپنے رنگ میں لاجواب ہیں۔ اور خصوصاً مطلع کے علوی خیال کی تو داد ہی نہیں دیجا سکتی فرماتے ہیں کہ "میں ہوش کھو کر دنیا کا مالک بن گیا۔ اسلیئے کہ اسی کی بدولت تیرے لیئے ہمہ تن چشم و گوش ہونے کی دولت میسر آئی ہے، مطلب یہ ہے کہ تیرے لیئے ہوش کھو دینے کا حاصل یہ نکلتا ہے

کہ انسان دنیائے ہوش کا مالک بن جاتا ہے۔ اللہ اکبر کسقدر بلند خیالی ہے۔

شکر احسان دوست۔ دل بخشا　　اور وہ دل کہ درد سے ممتاز
سرمدی زندگی عطا کر دی　　اے غم دوست تیری عمر دراز
تم ہمارے ہو ہم تمہارے ہیں　　دل کی آواز غیب کی آواز

یہ اک شانِ خدا ہے۔ میں نہیں ہوں　　وہی جلوہ نما ہے۔ میں نہیں ہوں
صدائے نحن اقرب کہہ رہی ہے　　کہ تو مجھ سے جدا ہے۔ میں نہیں ہوں
کہاں میں اور کہاں خبط انا الحق　　کوئی میرے سوا ہے میں نہیں ہوں

کوئی دونوں جہاں سے ہاتھ اٹھا بیٹھا تو کیا پڑا　　تم ان مولوں بھی سستے ہو تم ان داموں بھی ارزاں ہو

ازل سے ربط حسن و عشق ہے اور جاودانی ہے　　نہ تیرا حسن حادث ہے، نہ میرا عشق فانی ہے

یہ تمام اشعار تصوف کے ایسے گہرے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں جس کا اندازہ صرف اہل دل حضرات کر سکتے ہیں۔ اور پھر اس کے ساتھ وہ رنگینی و حسن بیان ہے کہ جسکی کوئی تعریف نہیں کیجا سکتی۔

(۵) شوخی۔ گو متانت بیان خیالات عالیہ کے لیئے زیادہ موزون اور زیادہ مناسب ہے۔ لیکن کہیں کہیں شوخی کا پایا جانا بھی ضروری ہے تاکہ زندہ دلی کی روح فنا نہونے پاوے۔ مگر اس شوخی سے مراد عامیانہ اور سوقیانہ شوخی نہیں جو روحانیت شعر کے لیئے سم قاتل اور اخلاق انسانیہ کی جان دشمن ہے، بلکہ وہ شوخی جس کا قدم تہذیب و شائستگی کی حدود سے باہر نہ جانے پاوے۔ یعنے اگر مصلح اخلاق نہو تو کم سے کم مخرب اخلاق بھی نہو۔ حضرت آزاد کے کلام میں بھی کہیں کہیں شوخ جذبات سے معمور اشعار پائے جاتے ہیں۔ گو کم پائے جاتے ہیں مگر جتنے ہیں سب اپنے اپنے رنگ میں لاجواب ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

عطائے حق عطائے ناممکمل ہو نہیں سکتی　　بلائے غم بلائے جاوداں معلوم ہوتی ہے

دیکھیئے کسقدر شوخ جذبہ ہے اور انداز بیان کے لحاظ سے کسقدر حیرت ناک اور دلچسپ کہ بیساختہ احسنت و مرحبا کہنے کو جی چاہتا ہے۔

کہیں اہل طاعت کی پرستش نہیں　　جبینیں گھسانے سے کیا فائدہ

اس شعر کا جذبہ پہلے شعر سے بھی زیادہ شوخ ہے اور صرف شوخ ہی نہیں بلکہ سخت گستاخی آمیز۔ مگر حق یہ ہے

کہ حسن بیان کی دلچسپیوں نے تلافی کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔

رند ہوں اور نہ رند پاک نہاد — متقی۔ پارسا نہیں نہ سہی

سبحان اللہ۔ شعر ہے یا مناد تہذیب جو باوجود نہایت شوخ ہونے کے اخلاق حسنہ کی تعلیم دے رہا ہے۔

گا ہے گا ہے پر ملامت رائگاں — ورنہ پھر دن رات ڈھالی جائیگی

دیکھیئے کسقدر شوخ شعر ہے۔ کہتے ہیں کبھی کبھی پینے پر ملامت نہ کرنی چاہیئے۔ ورنہ ہمیں ضد آپڑ گی۔ اور ہم دن رات اس شغل کو جاری رکھنے پر مجبور ہوں گے۔ ثانی مصرعہ "ورنہ پھر دن رات ڈھالی جائیگی" کسقدر بلیغ واقعہ ہوا ہے

تاکید ترک بادہ ونقل وگزک عبث — تعمیل حکمہائے "کلوا واشربوا" نہ ہو؟

عجیب شوخ شعر ہے۔ دیکھیئے تو سہی کلام "کلوا واشربوا" کی تعمیل کیونکر ہو رہی ہے۔

آج وہ دن ہے کہ ساقی کے دست خاص سے — پی۔ اور اتنی پی کہ میں حقدار کوثر ہو گیا

یہ شعر بظاہر نہایت شوخ اور بالکل رندانہ معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت کامل جذبات عارفانہ سے معمور ہے غور تو فرمائیے حقدار کوثر بنا دینے والا سوائے مرشد کامل کے اور کون ہو سکتا ہے

ایک اور شعر ہے جسمیں قریب قریب یہی جذبۂ عالیہ زیادہ شوخ۔ زیادہ دلچسپ اور بہت زیادہ مکمل طریقے سے نظم کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اور عمر بھر اس کے مزے لوٹیئے۔

خدا شاہد ہم از خود بزم صہبا میں نہیں آئے — کوئی دامن پکڑ لایا کہ چل حقدار کوثر ہو

ہمارے خیال میں "خوب" "واہ" "بالا" "جواب و بینظیر" تعریفیہ الفاظ بالکل معمولی اور رسمی الفاظ ہیں۔ اور ہر گز ایسے اشعار کا حق تعریف ادا نہیں کر سکتے۔ لہذا خاموشی ہی بہتر ہے۔

اور ایک شعر میں حضرت ناصح کا خیر مقدم کیا گیا ہے اور جن شاندار الفاظ میں کیا گیا ہے اُن سے بہتر الفاظ خیر مقدم (خصوصاً حضرت ناصح کے لیئے) شاید زبان اُردو تو اسوقت تک نہیں پیدا کر سکی، ملاحظہ ہو۔

لیجئے۔ حضرت ناصح کی وہ تشریف آئی — اور اس انداز سے گویا کہ بلا آتی ہے

حضرت آزاد فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ناصح کی شان میں عمر بھر میں بھی ایک شعر ہو سکا ہے۔ لیکن

ہماری رائے میں جو اس ایک شعر نے حضرت ناصح کی عزت افزائی کی ہے وہ کئی کلیات بھی ملکر نہ کر سکتے۔

حضرت آزاد کے مقطع اکثر شوخ ہوتے ہیں جنمیں سے ہم یہاں صرف دو چار درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ملاحظہ ہوں

شغل شراب شرع سے ممنون ہے تو ہو — آزادیاں ہیں حضرت آزاد کے لئے
یہ ہو سکتا نہیں۔ آزاد سے میخانہ خالی ہو — وہ دیکھو۔ کون بیٹھا ہے۔ وہی سرکار بیٹھے ہیں
تمہیں آزاد! ہم اک باخبر سالک سمجھتے تھے — مگر یا پیر و مرشد۔ تم ہمارے بھی چچا نکلے
آزاد کی میخواری۔ آزاد کا حصہ تھی — جب تو نے یہ کہہ کر لی النادر کالمعدوم

دیکھئے۔ کسقدر عجیب وغریب شوخ و شنگ مقطع ہیں۔ اور خصوصاً دوسرے مقطع کی یہ پرکیف ترکیب۔ "وہ دیکھو کون بیٹھا ہے وہی سرکار بیٹھے ہیں" لطافت زبان اور ندرت بیان کی کیسی نادر الوجود مثال ہے اور چوتھا مقطع تو اسقدر کیف و سرور کا سرمایہ دار ہے کہ عمر بھر میں اُس کا نشہ ختم نہیں ہو سکتا۔

حضرت آزاد بعض مقطعوں میں اپنے موںھ میاں مٹھو بھی بنے ہیں۔ یعنے اپنے کو ایک صاحب باطن یا درویش کامل منوانا چاہا ہے۔ ہم کو اس سے کیا بحث کہ حضرت آزاد کے اس ادعا میں کوئی شائبہ واقعیت ہے یا نہیں ہم کو تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ وہ ادبی نقطہ نگاہ سے کس وقعت کے حقدار ہیں حقیقت یہ ہے کہ حضرت آزاد کے اس قسم کے تمام مقطع بے مثل اور عدیم النظیر ہیں۔ اور سب اس قابل ہیں کہ ادب اردو ہمیشہ اُن پر ناز کرے۔ ملاحظہ ہوں۔

غیر ممکن ہے کہ اس بزم میں آزاد ہو — کہ ہمیں بوئے نفوس فقرا آتی ہے
فیض اُٹھانا ہے تو چل خدمت آزاد میں چل — کہ فقیروں کی توجہ میں اثر ہوتا ہے
اگر آزاد سا درویش نظروں میں نہیں جچتا — تو جا۔ اور جا کے اہل اللہ کی پہچان پیدا کر

تینوں مقطع اپنی اپنی جگہ شوخی۔ علوئے خیال۔ قدرت زبان اور ندرت بیان کے ناممکن النظیر نمونے ہیں۔ اور تیسرا مقطع تو وہ مقطع ہے کہ جب بحالت اصلاح غزل مولانا حالی نے سنا تو تڑپ اُٹھے عرصہ تک بار بار سنتے اور سر دھنتے رہے۔ پھر غالب مرحوم کا مشہور مقطع "یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب۔ تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا" پڑھا اور فرمانے لگے کہ میاں آزاد! حقیقت یہ ہے کہ غالب کے بعد غالب کے رنگ میں غالب کے مقطع سے بہتر مقطع تم کو نصیب ہوا ہے۔ اس واقعہ کے بعد تین دن تک حضرت

آزاد کا قیام پانی پت میں رہا۔ مولانا موصوف کا یہ عالم تھا کہ ہر گھنٹہ آدھ گھنٹہ بعد فرماتے تھے کہ ہاں میاں آزاد۔ وہ اپنا مقطع تو پھر سنا دو" یہ سناتے اور مولانا مزے لیتے۔ پھر جب ذرا ذہن سے اتر جاتا تو پھر فرماتے "ہاں بھائی ذرا وہ اپنا مقطع پھر سنا دو" یہ پھر سناتے اور وہ پھر کیف اٹھاتے۔ غرض تین دن تک یہی عالم رہا۔ یہاں تک کہ چلتے وقت پھر سنا اور دعا دیکر رخصت کیا۔

محمد اکبر خاں حیدری

"بیا کہ عہدِ وفا نیست اُستوار بیا"

یہ کیا، کہ ہو گئے بیگانۂ سلوکِ وفا
یہ کیا، نباہ کے وعدے کی بھی نہ یاد رہی

کسی کی جان پہ بن آئیگی، نہ یہ سوچا
ذرا نہ رحم کیا تم نے، وائے بیدردی

بتاؤ تو کوئی میرا قصور، کوئی خطا
یہ بے گناہ کی بیکس کی کیوں دل آزاری

یہی کہ ہو کسی مجبور پہ ستم بے روا
چلو، طریقِ وفا سے تم آشنا نہ سہی

نہیں تھی خیر، نہیں تھی تمہیں مری پروا
مگر فریفتہ و رفتہ لازم تھا پاس خودداری

خیال چاہیئے تھا کچھ شکستِ پیماں کا
نہ تھا، پلا سے نہیں تھا لحاظِ دل شکنی

چہ اعتبار قرارِ ترا و عہدِ ترا
"زمانہ گسستی و با دیگراں گرو بستی"

تمہارا حال یہ ہے، اور مری یہ سادہ دلی
سوا تمہارے کوئی مدعا، نہ کوئی دعا

تمہارے قدموں میں دنیائے آرزو میری
تمہاری ایک نظر کائنات و ما فیہا

ہے غایتِ تپشِ قلب، شوقِ جانبازی
نہایتِ خلشِ مدعا ہے پاسِ وفا

میں چاہتا نہیں تم سے جزا محبت کی
مگر قرارِ وفا ہے جب اسقدر لو دا

تو اب اُدھر سے بھی پھیر و نگاہ مہر انگیز
مری طرف ہو وہی التفات پہلا سا

فروغ دیدہ ہو صورت تمہاری چاند ایسی
تمہارے جلوہ سے ہو دل کے آئینہ میں جلا

رسیدہ کار بجاں کے دگر بہ من آئی
"بیا کہ عہدِ وفا نیست استوار بیا"

مانی جائسی

"قتیلِ حسرت"

(۱)

فرزانہ، وہ فرزانہ، جو حسن وجمال کی دیوی، خوبصورتی اور نزاکت کی پتلی، دلفریبیوں اور رعنائیوں کا موقع اور غیرت وخودداری کی جیتی جاگتی تصویر تھی، اُس نے ایک غریب گھر میں جنم لیا تھا، ابھی وہ ان گنے برس ہی میں تھی کہ ماں کا سایہ ہمیشہ کے لیئے اُس کے سر سے اُٹھ گیا۔ یہ واقعہ ایسا تھا جسکو فرزانہ نے محسوس نہ کیا ہو! ایک بجلی تھی کہ اُسکے ننھے سے دل پر گری، ایک آسمان تھا کہ اُس کے سر پر ٹوٹ پڑا۔ اک تیر تھا کہ کلیجہ کے پار ہو گیا۔ آخر بچی تھی اور بچی بھی ہوش والی رو پیٹ کر خاموش ہو گئی۔

اس واقعہ کو کئی سال گزر گئے۔ نالک زنہ باپ نے درمیان ہی میں ایک نیک بخت بیوی سے نکاح کر لیا تھا، جو ایسی بد دماغ واقع ہوئی تھیں کہ اُنہوں پھر ہاتھ دھو کر غریب فرزانہ کے پیچھے پڑی رہتیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اُسکی سوتیلی انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی، باپ نے گھر میں قدم رکھا! اور انہوں نے لگائی بجھائی شروع کر دی۔ خاوند کی زبان سے بے زبان معصوم کو خوب صلواتیں سنوائیں، جب کہیں جا کر ان بیوی کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا۔

فرزانہ جس نے اپنی مرحوم والدہ کے مُنہ سے لاڈو، منیا۔ بیٹی۔ دُلاری وغیرہ ترحم ریز اور محبت آمیز الفاظ کے سوا کبھی ایسی تلخ باتیں نہ سنی تھیں، ان باتوں کی متحمل نہ ہوتی اور جب کوئی بس نہ چلتا تو پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیتی۔

(۲)

ابتلا و آزمائش کی کٹھن منزلیں اور مصائب و آلام کی حوصلہ شکن ساعتیں آخر ہمیشہ رہنے والی نہ تھیں ایک دن صبح کو جب فرزانہ خواب راحت سے بیدار ہو کر قرآن شریف کی تلاوت کر رہی تھی۔ دفعتًا کسی نے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائی۔ فرزانہ نے دبی زبان سے پوچھا۔ کون!

"میں ہوں۔ فیروز"

فیروز کا نام سنتے ہی فرزانہ گوناگوں خیالات کا مرجع بن گئی۔ آخر سوچتے سوچتے ہی دل میں کہنے لگی۔ اس نام کا ایک لڑکا بچپن میں میرے ساتھ کھیلا کرتا تھا، مگر آہ! اب وہ کہاں! اماں جان زندہ تھیں تو کبھی کبھار آٹھویں

بندرہ ہوں نہ بھی اپنی ماں کے ساتھ چلا آتا تھا۔ مدت ہوئی خالہ جان جب حج کے لیے تشریف لے گئیں تو اسکو اپنے کسی عزیز کے ہاں چھوڑ گئیں کہتے ہیں کہ ان کے جانے کے چند روز بعد ہی وہ طاعون کا شکار ہوگیا!

ابھی وہ اسی ادھیڑبن میں تھی کہ فیروز نے کڑک کر آواز دی۔ خالو جان دروازہ کھولیئے۔ سید صاحب بادل ناخواستہ لاحول پڑھتے ہوئے بستر سے اُٹھے، اور جھنجھلا کر دروازہ کھول باہر آکھڑے ہوئے۔ فیروز کو دیکھتے ہی ان کا ماتھا ٹھنکا، معمولی مزاج پرسی کے بعد انہوں نے فیروز کو اندر آنے کی اجازت دی۔

خدا کی شان! آج سے دس سال پیشتر فیروز آٹھ سال کا بچہ تھا، اور اب اٹھارہ برس کا کڑیل جوان، ادھر چشم بد دور، فرزانہ بھی سن شعور کو پہنچ چکی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا، اور ایک طویل مفارقت کے بعد کی ملاقات پر خوشی کے آنسو بہائے۔

دوسرے روز ناشتہ سے فارغ ہوکر فیروز نے سید صاحب کی خدمت میں گذارش کی کہ اماں جان کی آخری تمنا ہے کہ وہ ایک بار آپ سے اور اپنی بھانجی سے مل لیں۔ اسی لیئے میں حاضر خدمت ہوا ہوں۔ ہمیں جلدی چلنا چاہیئے نہیں معلوم کہ وہاں کیا حال ہے۔

سید صاحب تو اب تک یہی سمجھے ہوئے تھے کہ فیروز کی ماں بھی اُن کی اہلیہ کی طرح مرکھپ گئی ہوگی۔ مگر جب اُسکی زندگی کا حال معلوم ہوا تو ناک بھوں چڑھا کر بولے۔ کیا تمہاری اماں ابھی زندہ ہیں۔

"زندہ کیا! زندہ درگور ضرور ہیں کیونکہ میں عرض کر چکا ہوں کہ سخت بیمار ہیں"

"کیا بیماری ہے"

"حکیم تپ کہنہ قرار دیتے ہیں"

(۳)

الغرض بہزار دقت سید صاحب نے چلنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اور پھر دو پہر ڈھلے وہ تینوں وہاں سے چلے دوسرے تیسرے روز گھر پہونچے، فیروز کی نحیف و نزار والدہ نے جب فرزانہ کو دیکھا۔ بہن کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی، دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اور اسقدر روئیں کہ روتے روتے ہچکی بندھ گئی، تھوڑی دیر کے بعد طبیعت سنبھلی تو بہنوئی کو پاس بلا کر بٹھایا، اور کہا۔ بھائی جان مرنے والی مرگئی۔ اس میں شک نہیں کہ اُس کی باتیں اُسی کے ساتھ رخصت ہوگئیں مگر چونکہ مرحومہ نے میرے ساتھ عہد کیا تھا کہ میں فرزانہ کو فیروز کے ساتھ بیاہ دوں گی۔ افسوس! اُن کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی اور وہ قبل از وقت ہمیں

داغ مفارقت دے گئیں۔ یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ میرا ارادہ مکہ معظمہ سے واپس آنے کا نہ تھا، اور میں ہرگز نہ آتی اگر مرحومہ میرے خواب میں آکر مجھے اپنا عہد یاد نہ دلاتیں۔

خدا رکھے فیروز بھی اب اس قابل ہو گیا ہے کہ اُس کے سر سہرا باندھے۔ اسلیئے میں چاہتی ہوں کہ اسی ماہ میں اسکی شادی رچاؤں کیونکہ زندگی کا کچھ بھروسا نہیں۔ میں خود رشتہ خطمی ہو رہی ہوں۔ کہیئے آپ کی کیا مرضی ہے۔

سید صاحب جو فرزانہ کے ساتھ اپنی نئی بیوی کا برتاؤ دیکھ چکے تھے۔ اور آئے دن کے جھگڑوں سے خود ہی پریشان تھے، انہوں نے دیکھا کہ چلو بیگم صاحبہ کو خوش رکھنے کا اچھا نسخہ ہاتھ آگیا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ دھڑ سے کہدیا۔ بسم اللہ! میں بھی یہی چاہتا تھا کہ کسی بھلے مانس کے پلے باندھ دوں۔ فیروز سے بڑھ کر دوسرا کیا ہوگا! خاکم بدہن میں تو یہ سمجھے ہوئے تھا کہ خدا نخواستہ تم اور فیروز دونوں لقمۂ اجل ہو گئے۔ مگر میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی جب میں نے تمہیں زندہ و سلامت پایا۔

(۴)

شادی کے بعد کا زمانہ فرزانہ اور فیروز کے لیئے ایک نئی زندگی تھی۔ کسی کو یقین آئے یا نہ آئے۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ اگر وہ شمع تھی تو یہ پروانہ، وہ پھول تھا تو یہ بلبل۔ یہ شیریں تھی تو وہ فرہاد، یہ روح تھی تو وہ قالب مسرت و ابتہاج کی پرسکون راتیں ہوتیں اور یہ وابستگان محبت ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالکر اپنی گذشتہ مفارقت کی تلافی کر لیتے۔ نہ اُنہیں کوئی پوچھنے والا تھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا! فیروز کا گھر فرزانہ کے لیئے جنت سے کم نہ تھا۔ یہاں بد دماغ سوتیلی ماں کی طرح ذرا ذرا سی بات پر جھگڑنے والا تھا نہ طعن و تشنیع سے دل دکھانے والا۔

فرزانہ اپنی کل اُٹھتی اپنی کل بیٹھتی، مگر پھر بھی میاں کی ضرورت سے کبھی غافل نہ ہوتی۔ گھڑی نے دس بجائے اُس نے دسترخوان چنا کھانا کھلایا، گلوری پیش کی اور خدا حافظ کہہ کے رخصت کر دیا۔ ادھر چار بجے چائے طیار کی اور میاں کے انتظار میں دروازے پر ٹکٹکی لگائے بیٹھی رہی۔ میاں پرائمری اسکول کے مدرس تھے، چھٹی کے بعد سیدھے گھر آتے۔ بیوی کو دیکھکر اُن کی تمام تکان دور ہو جاتی۔ چائے پی کر وہ اپنی مختصر سی لائبریری میں جا بیٹھتے۔ اور مطالعہ میں مصروف ہو جاتے۔

سید صاحب کے محلے میں میر عاشق نامی ایک متمول تاجر (۵) رہتے تھے۔ سید صاحب کی نئی بیوی اُن کے ہاں ہمیشہ

آیا جایا کرتی تھیں۔ اور خصوصاً جب سے میر عاشق کی بیوی کو تپ دق کا عارضہ ہوگیا تھا، یہ صبح و شام عیادت کے لیے جا پہونچتی۔ ان کے دل کی خواہش تھی کہ میر صاحب کی اہلیہ کی آنکھ بند ہوتے ہی فرزانہ انکے گلے منڈھ دی جائے۔ تاکہ اس صورت میں عسرت و تنگدستی کا بھی ازالہ ہو اور جی بھر کر زیورات بھی پہننے کو ملیں۔ مگر اُن کی تمام آرزوئیں خاک میں مل گئیں، جب انھوں نے سید صاحب کو واپسی میں تنہا پایا اور سراسیمہ ہوکر پوچھا!

"فرزانہ کہاں ہے"

"بھرّائی ہوئی آواز میں۔ اپنی خالہ کے ہاں"

"وہاں کیوں چھوڑ آئے"

"فیروز کے ساتھ اُسکی شادی ہوگئی ہے۔ اس لیئے اب وہ وہیں رہیگی۔

بظاہر تو اس واقعہ کو سنکر بیگم صاحبہ نے خوشی کا اظہار کیا۔ لیکن یہ خلش ایسی نہ تھی جو جلد مٹ جاتی وہ سب کو چھوڑ چھاڑ، اسی فکر میں لگ گئی کہ اب کسی نہ کسی طرح فیروز کو فرزانہ سے علیحدہ کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ وہ سامنے ہوگا نہ وہ اُس کا دم بھریگی اور جب میدان صاف ہوجائیگا تو میں الٹی سیدھی پٹی پڑھا کر اُس کو رام کرلوں گی۔

(۶)

سید صاحب کی بیوی نے فیروز کے حق میں زہر بونے میں کوئی کمی نہ کی اور میر عاشق کو اُکسایا کہ اب کی بار ناظر تعلیمات ضلع (ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر) کا دورہ جب یہاں ہو تو تم اُن کی ایک شاندار دعوت کرنا اور ضلع کی تعلیمی حالت کے متعلق ذکر چھیڑ کر عام مدرسین کے حالات کے ضمن میں فیروز کا ذکر ایسے پیرایئے میں کرنا جس کے باعث انہیں فیروز کی طرف سے کافی بدگمانی پیدا ہو جائے اور وہ اُسے موقوف کرنے کی بجائے کسی ایسے کوہستانی مقام پر تبدیل کر دیں، جہاں فرزانہ کو ہمراہ لیجانا خالی از دقت نہ ہو۔

مقولہ واقعتہً ایسی عجیب چیزیں ہیں انسان دولت کے نشہ میں جو کچھ کر گذرتا ہے، اُسے سب جانتے ہیں۔ اب چونکہ میر صاحب کی بیوی بھی موت کے گھاٹ اتر چکی تھیں۔ اسلیئے انہیں اپنا گھر بسانے کی بہت فکر تھی فرزانہ کے حسن دلفریب کی داستان وہ اُسکی سوتیلی ماں کی زبانی سن چکے تھے، اور خواہ مخواہ نادیدہ عاشقی کا حق ادا کر رہے تھے، اتفاقاً انھیں ایام میں ناظر تعلیمات کا دورہ میر صاحب کے قصبہ میں ہوا۔ انہوں نے خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ اور اپنے آپ کو بہت بڑا حامی تعلیم بتا کر بعض تعلیمی اصلاحات کے تحت زمرۂ

مدرسین پر نظر ڈالتے ہوئے فیروز کا ذکر ایسے زہریلے فقروں میں کیا، جسکو سن کر ناظر صاحب کے چہرے پر تکدر و انقباض کے آثار نمایاں ہو گئے۔ وہ غصہ سے جھلا اُٹھے اور کہا۔ خدا کی قسم ہمیں ایسے سیاہ کار اور ایمان فروش ورس کی ضرورت نہیں۔ لاؤ آج ہی اُسکی قسمت کا فیصلہ کر دوں!

میر صاحب نے معاملہ کو بگڑتا دیکھ کر ناظر صاحب کا غصہ ٹھنڈا کیا، اور کہا میری رائے میں ایسے نالائق مدرس کو علیحدہ کرنے کے بجائے پاداش عمل کا مزا چکھایا جائے۔ تو بہتر ہوگا، اُس کا تبادلہ کسی ایسے مرطوب و ناخوشگوار مقام پر کر دیا جائے، جہاں اُسکی صحت ہمیشہ معرضِ خطر میں رہے۔ اور پھر وہ بھول کر بھی ان سیاہ کاریوں کی جرأت نہ کرے!

ناظر تعلیمات۔ بہت خوب ایسا ہی ہوگا۔

(۷)

برسات کا موسم تھا۔ بادل گھر گھر کر آتے اور اُمنڈ اُمنڈ کر برستے۔ بجلیاں کوندتیں اور بادلوں میں چھپ جاتیں، صبح سے یہی حالت تھی، فرزانہ کئی بار دروازے تک گئی اور ناکام لوٹی، چار کی جگہ ۷ بج گئے، مگر فیروز کا کہیں پتہ نہ تھا، خدا خدا کر کے بارش تھمی۔ فیروز بھیگتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔ اُسکی آہٹ پاکر۔ فرزانہ دروازہ کی طرف لپکی، اور اُسکو دیکھ کر بے تحاشا لپٹ گئی اور جب مطمئن ہو گئی تو شرما کر الگ جا کھڑی ہوئی، کپڑے بدلوائے چائے پلائی، اور اپنی اضطراب انگیں کیفیت بیان کرنا شروع کی، فیروز ہمہ تن گوش بنا ہوا اُسکی پیاری پیاری باتیں سن رہا تھا۔ یکایک اُس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، اس نے بہت کچھ کوشش کی کہ فرزانہ اُسکی غم انگیز حالت نہ دیکھے۔ مگر جب وہ رومال لینے کے لیے مسہری پر سے اٹھا تو آنسو ڈھلک ڈھلک کر اُس کے رخساروں پر آ گئے تھے، فرزانہ جو بار بار اُسکی صورت دیکھنے کی عادی تھی۔ فیروز کی یہ کیفیت دیکھکر قریب آئی! شانے پر ہاتھ رکھکر آنسو پونچھنے لگی اور گھبرا کر بول اُٹھی!

"واری! یہ آج دشمنوں کو کیا ہو گیا ہے کہیں سر میں درد تو نہیں ہے!"

"نہیں یہ کوئی بات نہیں۔ یوں ہی کچھ خیال آ گیا تھا"

"قربان گئی۔ وہ کیا خیال تھا!"

"فیروز نے ایک گہرا سانس لیا اور محبت آمیز لہجے میں رُک رُک کر کہا۔ میری جان، تمھاری جدائی!!!"

"کیوں! اور یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"تم جانتی ہو کہ ہمیں صرف آجاکر اسی ملازمت کا سہارا ہے۔"

"ہاں! پھر!!"

"شومئی قسمت سے میرا تبادلہ بعض کڑی شرائط کے ساتھ یا بجرو یہ کے اضافہ سے ایک خراب آب و ہوا کے مقام پر ہو گیا ہے۔ ناظر تعلیمات ضلع کا حکم ہے کہ میں کل ہی یہاں سے روانہ ہو کر اپنے مستقر پر چلا جاؤں ساتھ ہی حکم میں یہ بھی صراحت ہے کہ اگر تم نے تعمیل حکم سے گریز کیا تو سختی کے ساتھ باز پرس کی جائیگی، اور کہ دو ماہ تک تمہیں کسی قسم کی رخصت بھی نہیں دیجا سکتی۔"

"آخر تبادلے کا باعث"

کیا کہوں! میر عاشق نامی کوئی صاحب دفتر لوکل بورڈ ضلع کے ممبر ہیں۔ انہوں نے ناحق ناروا میرے سر بعض خودساختہ اتہامات تھوپ کر ناظر تعلیمات کو رپورٹ کی ہے۔ خدا ناظر صاحب کا بھلا کرے کہ انہوں نے اُن کے ایک ایک لفظ کو وحیٔ آسمانی سمجھکر معاملہ کی تفتیش کئے بغیر اپنی سہل انکاری سے مجھے اس آفت میں مبتلا کر دیا۔ اکیا کروں عجیب خلجان میں ہوں اگر جانے سے انکار کردوں تو رہا سہا ٹکڑے کا سہارا بھی کھو بیٹھوں۔ میرا ارادہ کل یہاں سے تنہا جانے کا ہے۔ کیونکہ راستہ دشوار گذار اور ناہموار ہے۔ بارش کی وجہ سے ندی نالے اُٹھے ہوئے ہیں۔ سر دست کوئی معقول سواری کا انتظام بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تمہیں ساتھ لے چلنا قرین مصلحت نہیں۔ اور سفر کی صعوبتوں کو تم برداشت بھی نہیں کر سکتیں۔ آہ! تمہاری مفارقت کا مجھے بڑا رنج ہے۔

"اے ہے! کیا غضب ہے۔ میں ایک لحہ بھر بھی آپ کو تنہا نہ چھوڑوں گی صعوبتوں کی اچھی کہی، جھونپڑی بھگت لونگی! آپ کی ہمراہی میں خواہ کتنی ہی تکلیف ہو۔ میں اُسے راحت سے بڑھکر سمجھونگی، آرزو ہے کہ فرزانہ کا سر مرتے دم تک ان قدموں سے جدا نہ ہو۔ اچھے! خدا کے لئے کہیں ایسا نہ کرنا۔"

"بیگم! خدا شاہد ہے۔ میری ہرگز یہ خواہش نہیں کہ تمہیں عمداً یہاں چھوڑ کر چلا جاؤں! تم خود عقلمند ہو دو ماہ کی مدت باتوں باتوں میں گذر جائیگی۔ خدا نے چاہا تو بہت جلد تم سے آملوں گا۔ اس وقت تمہارا ساتھ لیجانا خالی از دقت نہیں۔ کاش! میں ملازم نہ ہوتا تو آج کا روز بد مجھے کیوں دیکھنا پڑتا!"

"میرے دل و جان کے مالک آپ کا حکم میرے سر آنکھوں پر۔ مگر آہ کیا کروں کمبخت دل نہیں مانتا! خیر! اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو نہیں آؤں گی۔ دیکھو وہاں جا کر کہیں غریب فرزانہ کو بھول نہ جانا۔ ورنہ یہ

بپتا کی ماری تڑپ تڑپ کر جان دیدیگی"۔

"پیاری! تم یہ کیا کہہ رہی ہو! یہ ممکن ہے کہ سورج بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہو، لیکن یہ غیر ممکن ہے کہ تمھاری محبت میرے دل سے دور ہو جائے، اب کوئی طاقت مجھے تمھاری طرف سے بدگمانی نہیں ہو سکتی"

"ہاں خوب یاد آیا۔ ہفتہ میں دو بار ضرور خط لکھا کرنا، ورنہ آپ کی کنیز بہت پریشان رہیگی"۔

"یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ صبح اٹھکر میرا پہلا کام خط لکھنا ہوگا۔ آخر دیہاتی مدرسے میں کام ہی کیا ہے روزانہ دو تین خط لکھکر رکھ چھوڑوں گا! اور یکے بعد دیگرے بھیجتا رہوں گا! تم خط ملتے ہی اُس کا جواب لکھدیا کرو۔ تاکہ تسکین خاطر اور طمانیتِ قلب نصیب ہو جایا کرے، تم پریشان کیوں ہوتی ہو۔ اماں جان تو تمہارے پاس ہی رہیں گی"۔

اس گفتگو میں رات کا بڑا حصہ گذر چکا تھا، فیروز چونکہ تھکا ہارا تھا۔ اس لیئے بستر پر پڑتے ہی سو رہا مگر فرزانہ کو کسی کل چین نہ آتا تھا! آنکھ بند ہوئی اور بیسیوں خیال پرا باندھے سامنے آکھڑے ہوئے! اُٹھ اُٹھ کر بار بار فیروز کی بلائیں لیتی اور اُس کے سر کو اپنے زانو پر رکھکر کہتی۔ کل اس بدنصیب کو یہ موہنی صورت کہاں دکھائی دیگی۔ افسردگی اور پریشانی کی حالت میں کون میری دلدہی کریگا، افسوس! اس نرم بستر پر سونے والا کل مجھے کوسوں دور ہوگا! تنہائی میں اسکی لبریز محبت باتیں مجھے یاد آئیں گی تو میرے دل پر سانپ سا لوٹ جائیگا۔ غرض! اسی کشمکش میں صبح ہو گئی۔ وہ اب تک انہیں خیالات میں محو تھی، پرندوں کی طرب آمیز نغمہ پیرائیوں سے چونک پڑی! اُٹھی وضو کر کے نماز ادا کی اور خاوند کے زادِ راہ کے بندوبست میں لگ گئی!۔

(۸)

فیروز کی روانگی کا دن فرزانہ کے واسطے قیامت سے کم نہ تھا۔ اُسکی نرگسی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا امڈا چلا آ رہا تھا اُس نے اپنے دل کو بہت کچھ ڈھارس دینی چاہی۔ مگر بیہودہ ثابت ہوئی۔ فیروز صبح کا گیا گیا کوئی نو بجے واپس آیا اور رقت آمیز آواز میں کہنے لگا۔ افسوس! کوئی سواری بھی نہ ملی۔ بارش کی وجہ سے کوئی چلنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ فرطِ غم سے پہلے ہی نڈھال ہو رہا تھا۔ فرزانہ کے اصرار سے جوں توں کر کے دو چار نوالے زہر مار کیئے۔ جب کھا چکا تو اٹھا۔ ماں کی خدمت میں گیا، رخصت چاہی، ماں نے دعائیں دیں! امام ضامن باندھے اور بلائیں لیکر رخصت کیا۔ فرزانہ کی سیماب نواز آنکھیں پھر ایک بار اُس کو دیکھنا چاہتی

کہ وہ بھی اُس کے پاس آگیا۔ طمانیت کی، بغلگیر ہوا۔ معذرت چاہی اور گٹھری اٹھا کر بصد حسرت و یاس وہاں سے چل پڑا۔ قریب تھا کہ فرزانہ بیتاب ہو کر گر پڑے۔ مگر ساس نے دوڑ کر تھام لیا، اور کہا بیٹی! کیا غضب کرتی ہو۔ کیا مرد دیس پردیس نہیں جاتے۔ خدا دشمنوں سے سمجھے جنہوں نے بیٹھے بٹھائے۔ ہم غریبوں کو اس مصیبت میں پھنسا دیا۔ جاؤ دعا کرو کہ وہ خیریت سے پہونچ جائیں۔ رونے دھونے سے کیا فائدہ! ساس کی باتیں سنکر فرزانہ اٹھی، بالاخانے پر گئی اور کھڑکی کھول کر سڑک پر نظر دوڑا دوڑا کر فیروز کو دیکھتی رہی۔ وہ بھی مڑ مڑ کر اُس کو دیکھتا جاتا تھا۔ آخر اُس وقت جب وہ ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل ہونے والے تھے، فیروز نے ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا، جس کا جواب معاً فرزانہ نے بھی ویسا ہی دیا، ایک چیخ ماری اور کلیجہ مسوس کر رہ گئی،

خدا خدا کر کے فیروز گرتا پڑتا کئی روز کی زہرہ گداز مشقت کے بعد منزل مقصود پر پہونچا۔ یہاں آکر سب سے پہلے اُس نے ڈاکخانہ کی کیفیت پوچھی۔ مگر اُس کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ یہاں سے صرف ہفتہ میں ایک بار ڈاک چلتی ہے، اور ڈاک کا ہرکارہ ساتویں روز آکر بکس میں سے جمع شدہ لے جاتا ہے، اُس نے اُسی وقت دو تین خط اپنی پیاری بیوی کے نام لکھے، اور مجبوراً اُسی بکس میں ڈال دیئے۔

میر عاشق کو جب یہ معلوم ہوا کہ فیروز اپنے مستقر پر چلا گیا ہے۔ اب فرزانہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا یہ اچھا موقع ہے یہ سمجھ کر وہ بھی چند روز کے لیئے یہیں آرہے، اور فرزانہ کے مکان کے بمقابل ایک مکان کرایہ پر لیکر فرش و فروش سے آراستہ کر کے اُسی میں رہنے لگے، اُن کا خیال تھا کہ فرزانہ ضرور کسی نہ کسی وقت بالاخانے پر تفریحاً آیا کرتی ہوگی! اس ترکیب سے جب وہ مجھے دیکھ پائیگی تو میری وجاہت وتمول سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہیگی۔ مگر فرزانہ اور وہ عصمت و عفت کی ملکہ فرزانہ خاوند کی روانگی کے بعد سے پھر کبھی بالاخانے پر نہ گئی، اور اُس نے کبھی بھول کر بھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ یہاں کون حضرت فروکش ہیں۔ اور کہاں سے آئے ہیں۔

کئی روز گذر گئے مگر فیروز کی کوئی کیفیت معلوم نہ ہوئی۔ انتظار کرتے کرتے فرزانہ کی آنکھیں پتھرا گئیں، وہ صبح و شام خط کا انتظار کرتی۔ اور ڈاک کا وقت ٹل جانے پر کف افسوس مل کر رہجاتی۔

ایک دن دوپہر کے وقت وہ معمول سے زیادہ منتظر تھی کہ اتنے میں ڈاکیہ نے دروازے پر آواز دی!

اور ایک ساتھ تین خط پیش کئے۔ نامہ ہائے محبت لیکر فرزانہ خوشی سے پھولے نہ سمائی۔ تکیہ کے نیچے سے ایک آنہ نکال کر ڈاکیہ کو دیا اور تاکید کی کہ جب کبھی ادہر سے کوئی خط آئے تو مہربانی کرکے جلد دے جایا کرو۔

ڈاکیہ (شکریہ ادا کرتا ہوا) اچھا بیگم صاحبہ کہکر ہنستا ہوا باہر نکلا اور جب محلے کے نکڑ پر پہنچا تو میر عاشق بھی اُس کے پیچھے ہو لیئے۔ اور ٹھیرا کر پوچھا۔ کیوں بھئی ہمارا ابھی کوئی خط ہے۔

"نہیں صاحب! کوئی خط وط نہیں"

"آج تم بہت خوش خوش نظر آرہے ہو! کہو تو سہی بات کیا ہے"،

"صاحب! بات کیا ہوگی۔ میاں فیروز جو یہاں مدرس تھے، اور جن کا تبادلہ اب یہاں سے کسی موضع پر ہوگیا ہے اُن کے ہاں سے تین خط آئے تھے، جو اُن کی بیوی کو جاکر پہونچا دیئے۔ انھوں نے خوش ہوکر مجھے ایک آنہ انعام دیا! ہم غریبوں کو یہی بس ہے کچھ نہیں تو بال بچوں کے لیئے بھاجی ترکاری آجائیگی!"

"اچھا اگر تم ہمارا بھی کوئی کام کرو تو ہم بھی ایک آنہ کے بجائے تمھیں ایک روپیہ دیں، مگر شرط یہ ہے کہ راز فاش نہو!"

"ہمیں کام کرنے سے غرض ہے، دوسری باتوں سے کیا مطلب"!

"سنو! ابکی بار جب فیروز کا کوئی خط آئے تو تم ہمیں لاکر دیدینا۔ ہم ہر خط کے عوض تمھیں ایک روپیہ دیا کریں گے، اور ہاں یہاں سے بھی جب کوئی خط ڈاک میں پڑے تو وہ بھی ڈھونڈھ کر ہمیں کو دے جانا، یہ لو! یہ دو روپے پیشگی لے لو! یاد رکھو! کام بہت ہوشیاری سے کرنا۔

"اچھا حضور! ایسا ہی کریں گے"!

میر عاشق یہ نئی چال چلے کہ اس ترکیب سے فرزانہ کو معلوم ہوگی اور نہ اُسکی اس کو! اسی طرح چند روز گذر جانے پر وہ خود بخود ہی ایک دوسرے سے بدگمان ہوجائیں گے! اور مجھے فرزانہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا خاصا موقع مل جائیگا، مگر افسوس وہ یہ نہ سمجھے کہ فرزانہ کی سی عصمت مآب خاتون کا دامن استقلال ان غاصبانہ دست درازیوں سے کبھی چاک نہیں ہوسکتا!

فرزانہ کو امید تھی کہ خدا نے چاہا تو ایک دو روز آڑ اب ضرور خط آیا کریگا! مگر اُن تین خطوں کے سوا دوسرا کوئی خط اس قسمت کی ماری کو نہ ملا، وہ روز ڈاکیہ سے پوچھواتی، مگر جواب نفی میں ملتا! ایک دن ذرا سختی کی تو کہا، بھئی ہم کیا کریں، اُس گاؤں کے راستے میں بیسیوں ندی نالے ہیں۔ جو بارش کے سبب اکثر چڑھے رہتے

ہیں، یا تو ڈاک بہہ گئی ہوگی یا فی الحال راستہ صاف نہ ہوگا، جب خط آئیگا تو ہم خود ہی دے جائیں گے!

یہ بات فرزانہ کی سمجھ میں آگئی، اُس نے آدمی بھیجنا چاہا، مگر تقدیر کی ایسی ہیٹی تھی کہ کسی نے جانے کی حامی نہ بھری ناچار کئی خط لکھے، مگر نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔

اب تو یاس و قنوط نے اُس کے ہوش کھو دیئے! ساری ساری رات آنکھوں میں کاٹ دیتی، دن بھر اُداس رہتی، دو مہینے دیکھتے دیکھتے گذر گئے، مگر خط نہ آنا تھا نہ آیا! فیروز غریب بھی کیا کرتا۔ متعدد درخواستیں تبادلہ کی نسبت کیں لیکن تبادلہ ہوا نہ رخصت ملی۔ گھر سے خط نہ آنے کی وجہ سے الگ پریشان تھا! اُسے خبر ہی نہ تھی کہ دنیا و مافیہا میں کیا ہو رہا ہے۔ اب تو فرزانہ کی یہ حالت ہوگئی کہ دن کو چین تھا نہ رات کو آرام! کھانا پینا پہلے ہی کم ہو چلا تھا اب وہ بالکل ہی بند ہو کر رہ گیا۔ بڑی بڑی سیاہ چمکدار آنکھوں میں حلقے پڑ چکے تھے، گوری گوری نرم و گداز کلائیوں پر سوائے چمڑے کے گوشت کا نام تک نہ تھا! اختلاج قلب کے ساتھ ساتھ خفیف بخار بھی آنا شروع ہو گیا تھا! اُس کو امید تھی کہ دو مہینے ختم ہوئے اور میں اپنے آقا سے ملی۔ لیکن دو کی بجائے ڈھائی مہینے گذر گئے اور میاں کی صورت نظر نہ آئی! جب حالت بہت بگڑ گئی اور اُسے اپنی زیست کی امید نہ رہی تو اُس نے چاہا کہ ایک آخری خط اپنے شوہر کے نام لکھ کر اپنی ساس کے پاس دیدے دوات قلم منگوائی! ضعف کی وجہ سے سیدھا بیٹھ بھی نہ سکتی تھی، تکیہ کا سہارا لگا کر بیٹھی اور اپنے تھرتھراتے ہوئے قلم سے اس طرح لکھنا شروع کیا۔

پیارے آقا! آرزو تھی کہ آپ کی موہنی صورت ایک بار اور صرف ایکبار نظر آجاتی! افسوس کہ اس بدنصیب کو آخری وقت بھی آپ کے درشن نہ ہوئے، آپ ایسے گئے کہ اپنی چاہنے والی کو بھول کر بھی یاد نہ کیا۔ آج یہ بیکس آپ کی یاد دل میں لیئے ہوئے ہمیشہ کے لیئے آپ سے رخصت ہوتی ہے! پیارے مجھ ناشاد کی تمام خطائیں معاف کر دینا! میری جدائی پر حتی الامکان صبر سے کام لینا! ہائے میں اچھی طرح اپنے مالک کی خدمت بھی کرنے نہ پائی۔ اور پیغام اجل آگیا۔ خیر قسمت میں یہی بدا تھا کہ مرتے دم آپ سے کوسوں دور رہوں!

فرزانہ اُن نیک نہاد ہستیوں کو جانتی ہے جنہوں نے اپنے آقا کی غلامی سے اُسے علیحدہ کیا! فردائے قیامت میں میں ہوں گی اور اُن کے دامن! الہ العالمین تو سب کچھ دیکھ رہا ہے! فرزانہ کا فیصلہ تیرے ہی ہاتھ ہے!

اچھے اگر تکلیف نہ ہو تو اس غمزدہ کی قبر پر فاتحہ پڑھکر اشک خونین کے پھول ضرور چڑھا دینا۔ ورنہ میری روح مضطرب رہیگی۔ بس اب طاقت نہیں رہی! یہ کہا اور وفا شعار خاتون ابدی نیند سو گئی!

قدیر

استفسار و جواب

معاد و خلود طبعیات کے زاویۂ نگاہ سے

(محمد زکریا۔ برہانپور)

مذہب کے مہمات مسائل میں سے ایک مسئلہ معاد و خلود کا بھی ہے، جسے آخرت یا روز جزا بھی کہتے ہیں، اور غالباً تمام مذاہب میں اسکو تسلیم کیا گیا ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ علوم عقلیہ کے نقطۂ نظر سے اسپر بحث کی جائے، کیا آپ تکلیف فرمائیں گے۔؟

(نگار) یہ عجیب اتفاق ہے کہ آپ کا استفسار اس مسئلہ کے متعلق اسوقت پہونچا جب میں عرصہ تک اسی مسئلہ پر غور کرنے کے بعد کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی سعی کر رہا تھا اور اس باب میں آخری مرتبہ افادات جرجی زیدان کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ چنانچہ ملخصاً و مختصراً عرض کرتا ہوں۔

معاد سے بحث کرنا اسقدر قدیم بات ہے کہ اگر ہم چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ سب سے پہلا وہ مسئلہ جسپر انسان نے غور کیا، یہی تھا، دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے اپنے ادراکات کی ترقی کے ساتھ "عالم مابعد الموت" پر غور نہ کیا ہو اور اُن میں سے اکثر افراد اس نتیجہ پر نہ پہونچے ہوں کہ اس عالم کے علاوہ ایک عالم اور بھی ہے جہاں اس دنیا کے رہنے والے منتقل ہوجاتے ہیں اور عذاب و ثواب سے متاذی یا مسرور ہوتے ہیں۔

پھر یہ ان کا صرف قیاس ہی قیاس نہ تھا بلکہ وہ اس وقت کے علوم رائجہ کے ماتحت براہین و دلائل بھی رکھتے تھے جن کا سمجھنا اس لئے دشوار ہے کہ اب اس عہد کے قواعد و مصطلحات علمیہ بعید الفہم ہوگئے ہیں اور علاوہ اس کے ان کے دلائل علم کلام کے قبیل سے تھے۔ جن کا مدار زیادہ تر تاویل الفاظ پر تھا اور اب اس نوع کا اثبات و تفہیم ساقط الاعتبار ہے۔

اس زمانہ کے علوم چونکہ محسوسات پر مبنی ہیں اور اُن کا مرجع وہ علوم طبیعی ہیں جو اپنے تجارب کے بنا پر ریب و شک کو بالکل دور کردیتے ہیں۔ اسلئے کسی مسئلہ پر نہ تو قدیم علوم کے اصول سے بحث کی جاسکتی ہے اور نہ منقولات کو پیش کیا جاسکتا ہے، لیکن چونکہ علوم طبیعی ابھی ابتدائی حالت میں ہیں اور غالباً انہیں فطرت کی کثرت کو دیکھتے ہوئے وہ ہمیشہ ابتدائی حالت ہی میں رہیں گے۔ اس لئے معاد ایسے مہتم بالشان مسئلہ پر طبعیات کے نقطۂ نظر سے بحث کرنا کسی برہان صریح کی طرف تو منجر نہیں ہوسکتا، لیکن ایک علمی دلچسپ شغلہ ضرور ہے۔

[redacted]

جسوقت مسئلہ معاد و خلود پر غور کیا جاتا ہے تو نوامیس طبیعت کے لحاظ سے اسکے وجود کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ خلود و دوام بھی مادہ کا خاصہ طبعی ہے اور علم الکیمیا و طبیعیات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مادہ و قوت دونوں اساس موجودات ہیں، جو کبھی فنا نہیں ہوتے اور ترکیب و تحلیل کے اختلاف سے مختلف صورتوں میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جماد، نبات، اور حیوان میں سے کوئی ذرہ یا جزو ایسا نہیں ہے جو اسی تحول یا تغیر کا نتیجہ نہ ہو۔ ابتدائے آفرینش سے اسوقت تک مادہ و قوت کی مقدار وہی ایک ہے اور ابد تک وہی رہیگی نہ اسمیں ایک ذرہ کی کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔ پھر جب خلود بھی مادہ کی خصوصیت ہے تو کیا یہ ناممکن ہے کہ بعض صورتوں میں وہ اس کے لیئے لازم ہو جائے؟

اب سوال یہ ہے کہ آیا کوئی ایسا عالم موجود ہے جہاں عذاب و ثواب جاری ہوتا ہے اور نظام موجودات پر غور کرنے سے ہمیں دوسرے عالم کے وجود کو ماننا پڑتا ہے کیونکہ یہ "عالم آب و گل" جسمیں ہم زندگی بسر کرتے ہیں حد درجہ ناقص و نامکمل ہے اور جب تک کوئی دوسرا عالم اسکی تکمیل کرنے والا تسلیم نہ کریں۔ اسوقت تک وہ اصول اس عالم پر منطبق نہیں ہو سکتے جو دیگر موجودات کے مطالعہ سے مستنبط ہوتے ہیں۔

جسوقت آپ حوادث طبیعی پر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ وہ مقررہ قواعد اور معین حدود کے ساتھ رونما ہوتے ہیں۔ گردش سیارات کو دیکھیئے کہ ان کی گردش اور مسافت اسقدر مکمل اصول کے ساتھ جکڑی ہوئی ہے کہ ہم اسوقت ایک ایک ہزار برس قبل و بعد کا حال ان کا بتا سکتے ہیں اور اسمیں ایک دقیقہ کی بھی غلطی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اوقات کسوف و خسوف کا (دقیقہ، ثانیہ بلکہ ثالثہ کی قید سے) متعین کرنا۔ اور فصول اربعہ کا اک نظام مقررہ پر معین اوقات سے ظاہر ہونا اسی اصول کی بنا پر ہے، دوسری مثال بارش کی ہے کہ حرارت آفتاب سے سمندروں کے پانی کا بخار میں تبدیل ہونا، اس بخار کا جو سماء کی برودت سے متکاثف ہو کر آب آب ہو جانا، مینہ کے پانی کا دریاؤں کے ذریعہ سے سمندروں میں آنا اور پھر اسی طرح اُس کا بخار بنکر بادل بننا۔ یہ خدا معلوم کتنی مدت سے ہوتا چلا آرہا ہے اور آج تک اسمیں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

جب موم بتی جلکر ختم ہو جاتی ہے تو ہم سمجھ جاتے ہیں وہ گیس کی صورت میں ہوا کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ جب آفتاب کی شعاع کو موشور (مثلثی شیشے) کے ذریعہ سے دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ وہ سات رنگوں سے مرکب ہے جب حامض کبریت (   ) کو کربونات کلس (   ) پر ڈالتے ہیں تو اس سے کبریتات کلس حاصل ہوتے ہیں اور حامض کربونیک (   ) کے متعلق ہم کو یقین ہوتا ہے کہ وہ ہوا میں ملگیا اسی طرح کے تمام کیمیاوی مظاہر و تفاعلات ہیں جن کی ترکیب و تحلیل کے نوامیس بالکل منضبط ہیں اور ان میں کبھی کوئی فرق نہیں پیدا ہو سکتا۔

اب مظاہر حیات کو لیجیے تو وہاں بھی یہی مکمل نظام نظر آئیگا، گیہوں کے دانہ سے ہمیشہ گیہوں اور زیتوں کے تخم سے ہمیشہ زیتون ہی پیدا ہوگا، یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی نبات سے حیوان یا حیوان سے نبات پیدا ہونے لگے۔ اسی طرح اصول پیدائش مقرر ہیں اور ان میں کوئی انحراف نہیں ہو سکتا۔ کائنات کا ہر نظام اسباب و نتائج کی زنجیر سے جکڑا ہوا ہے۔ اور عقل انسانی اس کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے، ایک آدمی دیوار سے دب کر مر جاتا ہے۔ بادی النظر میں یہ ناگہانی واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ دنیا کا کوئی حادثہ اتفاقی یا ناگہانی نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ دیوار برسوں سے حرارت آفتاب ہوا اور بارش کے اثرات سے متاثر ہو رہی ہوگی اور اس کا گرنا طبعی اصول کی بنا پر ہوا ہوگا۔ رہا آدمی کا اس طرف سے گذرنا سو وہ بھی بعض اسباب کی بنا پر ہوا ہوگا جنہیں ہم اتفاقات سے تعبیر کرتے ہیں۔

چونکہ کائنات کے تمام حوادث مادی ایک قانون کے ماتحت صادر ہوتے ہیں اور ہم اس قانون کی بنا پر تمام اسباب و نتائج کو سمجھ لیتے ہیں۔ اسلیئے اقتضائے عقل فطرت یہی ہے کہ حوادث نفس یا حوادث ادبیہ بھی ایک نظام کے ساتھ ظہور پذیر ہوں، لیکن چونکہ ان کا نظام کوئی مقرر نہیں ہے اسلیئے ہم کہتے ہیں کہ یہ دنیا ناقص و نامکمل ہے جسکی تکمیل کے لیئے دوسرے عالم کا ہونا ضروری ہے۔

ہم نے ابھی حوادث کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ ایک حوادث مادی اور دوسری حوادث معنوی یا حوادث ادبی۔ لیکن ان دونوں قسموں کے سمجھانے کے لیئے ہم ذرا وضاحت سے کام لینا چاہتے ہیں۔ حوادث مادی سے وہ حوادث مراد ہیں جو مادہ اور قوت کے تفاعل سے ظہور پذیر ہوتے ہیں جیسے حوادث فلکی، افعال کیمیاوی، نو امیں نشو و نما وغیرہ اور حوادث ادبی سے مراد انفعال نفس ہے مثلاً ہمیں یہ خبر معلوم ہوتی ہے کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کو مار ڈالا اور فوراً جذبہ انتقام ہمارے دل میں پیدا ہوتا ہے یا کوئی شخص کسی مظلوم کی اعانت کرتا ہے، اور ہم یہ سنکر مدد کرنے والے کی طرف سے اپنے دل میں محبت کی کیفیت محسوس کرتے ہیں۔ یہ دونوں حوادث معنوی یا ادبی ہیں جن کا تعلق نفس انسانی سے ہے اور جن کو سننے کے بعد ہم ان کی اچھائی یا برائی پر حکم لگاتے ہیں۔

ان دونوں قسم کے حوادث پر جب آپ قانون فطرت منطبق کرینگے تو حوادث مادی کا صدور بالکل اک مقررہ نظام کے ماتحت پائیں گے۔ لیکن حوادث ادبیہ کا کوئی اصول نظر نہ آئیگا اور مطلقاً سمجھ میں نہ آئیگا کہ کس قاعدہ کے ماتحت ان کا ظہور ہوتا ہے۔ ایک شخص نے اپنی ساری عمر احسان و تقوے میں بسر کی، ہمیشہ غریبوں کا ساتھ دیا اور ہر وقت اس نے لوگوں کی مصیبت پر دل دکھایا، لیکن اس کی زندگی ہمیشہ عسرت و افلاس میں بسر ہوئی اور رنج والم نے کبھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ایک دوسرا آدمی ہے جسنے سوائے مظالم کے کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ لیکن اس نے اپنی زندگی نہایت

مسرت و اطمینان سے بسر کی اور تنگدستی کی کبھی شکایت اسکو نہیں ہوئی۔

ایک نوجوان نہایت ذہین و ذکی ہے، ملک کو اس کی طرف سے بہت سی توقعات قائم ہیں۔ ملک و قوم کی خدمت کے لئے جذبات وہ اپنے دل میں پرورش کر رہا ہے۔ اس کے والدین متوقع ہیں کہ جسقدر محنت انہوں نے اسکی تعلیم میں صرف کی ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا زمانہ قریب آگیا ہے، لیکن عین اسوقت جبکہ وہ دنیائے عمل میں قدم رکھتا ہے۔ موت کا شکار ہو جاتا ہے اور اسکی ساری محنت غارت ہو جاتی ہے۔

اسکے مقابلہ میں ایک دوسرے نوجوان کو دیکھئے جو منکرات کا عادی ہے۔ لوگوں کو ہر وقت ایذا پہونچاتا ہے اور ہر شخص اس کی موت کی فکر کیا کرتا ہے، لیکن وہ اپنی عمر طبعی کو پہونچتا ہے اور دنیا سے خوب فائدہ اٹھاتا ہے۔

ایک بچہ ہے جو اپنے والدین کی طرف سے ورثہ میں بیماری لیکر پیدا ہوا ہے اور چند دن تک سخت تکلیف اٹھانے کے بعد مر جاتا ہے حالانکہ اس کا کوئی قصور نہ تھا، اور باپ جس کا قصور تھا وہ زندہ رہتا ہے۔ دوسرا بچہ اپنے باپ کی طرف سے ورثہ میں دولت و ثروت، صحت و عافیت لیکر آتا ہے، مدت تک زندہ رہتا ہے اور ساری دولت لوگوں کی ایذا رسانی میں صرف کر دیتا ہے۔ تیسرا بچہ اپنے والدین کی طرف سے قرض لیکر آتا ہے اور ساری عمر اس کے اس قرض کے ادا کرنے میں بسر ہو جاتی ہے جو اس کے والد کے ذمہ واجب تھا، یہاں تک کہ شدت محنت سے مر جاتا ہے۔

ایک بیوہ ہے جس کے پاس کوئی دولت سوائے ایک بیٹے کے نہیں ہے جس کی پرورش اسنے غیر معمولی محنت و جفاکشی کے ساتھ کی ہے جب وہ جوان ہوتا ہے تو اسکی شادی کا سامان کرتی ہے اور عین اسوقت جبکہ اس بیوہ کی مسرتیں معراج پر ہوتی ہیں وہ نوجوان مر جاتا ہے اور بیوہ ماں کی ساری امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔

کولمبس امریکہ دریافت کر کے دنیا کی غیر معمولی خدمت انجام دیتا ہے، لیکن اسکی ساری عمر خطرہ و مشقت میں بسر ہوتی ہے اور وہ مایوس و حزیں حالت میں مر جاتا ہے، درآنحالیکہ دوسرے لوگ جنہوں نے سوائے نقصان کے قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا مسرور و کامران زندگی بسر کرتے ہیں۔ الغرض اس قسم کے ہزاروں واقعات روزانہ ظاہر ہوتے رہتے ہیں کہ احکام عقل و شعور نفس سے منطبق نہیں ہوتے اور ہمیں ان کا کوئی سبب، کوئی رابطہ اور کوئی نتیجہ معلوم نہیں ہوتا، عقل کا اقتضا یہ ہے کہ اچھے کام کا نتیجہ اچھا اور برے کام کا انجام برا ہو، لیکن یہاں اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے اسلئے معنوی حوادث کے لحاظ سے نظام عالم بالکل ناقص ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نظام عالم کے پیدا کرنے والے کا یہی مقصود تھا کہ وہ اس عالم کو ناقص پیدا کرے تو اسکو عقل باور نہیں کرتی، کیونکہ کامل سے کامل ہی کا ظہور ہوتا ہے اس لئے ہم اسکے تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ اس عالم کا کوئی تتمہ ضروری ہے جو یہاں کی کمی اور نقص کو پورا کرنے والا ہے اور وہی معاد یا عالم آخرت ہے۔

نباتات کی دنیا

فطرت کی حیرت انگیز مخلوقات میں بعض وہ درخت ہیں جو دنیا کے مختلف حصوں میں پیدا ہوتے ہیں اور صرف ندرت خواص کے لحاظ سے مشہور ہیں۔

(۱) حال کا واقعہ ہے کہ کولمبیہ (امریکہ) کے جنگلوں میں ایک قسم کا درخت ملا ہے جس کا طول تقریباً ۵۰ فٹ ہے، اور جس کے حصہ زیرین کا قطر ۳ فٹ ہے، اس کا نام "نخل باراں" ہے اسکی خاصیت ہے کہ زمین اور ہوا سے کثیر مقدار میں رطوبت جذب کرکے اپنے اندر پانی جمع کر لیتا ہے اور بعد کو یہی جمع شدہ پانی پتوں سے بارش کی صورت میں اس کثرت کے ساتھ خارج کرتا ہے کہ قرب و جوار کی زمین دلدل ہو جاتی ہے گرم موسم میں یہ درخت اپنا کام زیادہ خوبی کے ساتھ انجام دے سکتا ہے۔ تجویز یہ ہو رہی ہے کہ اس کے پودے پیرو (Peru) میں لیجا کر لگا دیئے جائیں جہاں کی زمین بالکل ریگستان ہے۔

(۲) ویسٹ انڈیز ([illegible]) میں ایک اور قسم کا درخت پایا گیا ہے جو "گانے والا درخت" کہلاتا ہے، اس کے برگ و بار کی ساخت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ جب ہوا انکے سے ہو کر گذرتی ہے تو ایک قسم کا غنا پیدا ہوتا ہے۔ سوڈان ([illegible]) میں بھی ایک اسی طرح کا شجر مغیلاں ہوتا ہے۔ ایک خاص قسم کا کیڑا اسکی پتیوں کو سمیٹ کر کرہ کی شکل بنا دیتا ہے۔ جب ہوا انمیں داخل ہوتی ہے تو بانسری کی دلکش آواز آتی ہے۔

(۳) ایک جرمن سیاح نے یہ خبر دی ہے کہ امریکہ میں ایک درخت دیکھا گیا ہے جسمیں برقی خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔ اسکی پتیاں بہت ہی ذکی الحس ہوتی ہیں اگر کوئی اسکی ایک پتی کو بھی چھوئے تو اس کے تمام جسم میں برقی رو دوڑ جاتی ہے، مقناطیسی سوئیوں پر اس درخت کا اثر ستر فٹ کے فاصلہ سے بھی ہوتا ہے۔ دوپہر کے وقت اسکی برقی قوت درجہ کمال کو پہونچ جاتی ہے، رات کے وقت بہت کم ہو جاتی ہے اور ایام بارش میں بالکل زائل ہو جاتی ہے پرند اور کیڑے اس درخت پر نہیں رہتے۔

(۴) شمالی مغربی اڈاہو ([illegible]) میں ایک درخت دیکھا گیا ہے جو سب سے زیادہ حیرت آفریں ہے، اسکی بلندی ۸۰ فٹ ہے۔ جب یہ بڑھکر پورا درخت ہو جاتا ہے تو روز شام کے وقت اپنی پتیوں کو سمیٹ کر گیند کے مانند کر لیتا ہے اور اپنی شاخوں کو بھی لپیٹ لیتا ہے اسطرح گویا راحت شب

کا سامان کرتا ہے، اگر اس حالت میں کوئی آدمی ہاتھ لگا دے تو درخت ہلنے لگتا ہے، اور پتیاں بکھر جاتی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی راحت میں خلل پڑ جانے کی وجہ سے غصہ میں یہ حرکتیں کر رہا ہے جسقدر اسکو چھوتے رہو گے، درخت کا ہلنا اور پتیوں کا انتشار بڑھتا رہیگا آخر میں درخت سے ایک قسم کی عفونت پیدا ہوتی ہے جس کو چند ہی منٹ سونگھنے سے شدید درد سر ہونے لگتا ہے، اول اول مسافروں کے ایک گروہ نے اس کا پتہ لگایا جو اتفاقاً اس قسم کے ایک درخت کے زیر سایہ قیام پذیر ہوئے تھے، انہوں نے اپنے خیمہ کا ایک گوشہ اسکی ایک شاخ سے باندھ دیا تھا درخت میں جنبش شروع ہوئی اور پتیاں منتشر ہونے لگیں، اور آخر میں وہ عفونت شروع ہوئی۔ مسافروں نے دریافت کرنے کی غرض سے درخت کو اکھاڑ کر پھینک دیا اسپر اس کے ہلنے اور پتیوں کے انتشار کی حد نہ رہی مگر تھوڑی دیر بعد یہ حالت جاتی رہی، صبح کو دیکھا تو درخت اسیطرح کھڑا تھا اور اسکی خصوصیات اسیطرح باقی تھیں۔

(۵) سیرالیون (Sierra Leone) میں بالائی کا درخت پیدا ہوتا ہے جس کے پھل بالائی کی لذت رکھتے ہیں۔

(۶) لنکا میں ایک درخت ہوتا ہے جسے "شجر ممنوع" کہتے ہیں یعنی وہ درخت جس کا پھل کھانے کی حضرت آدم کو ممانعت تھی، پھلوں پر دانتوں کے نشان ہوتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ان کو کاٹ کر کھایا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت حوا و حضرت آدم کے دانتوں کے نشان ہیں۔ یہ پھل جو باہر سے نارنجی مگر اندر سے سرخ ہوتے ہیں۔ سم قاتل ثابت ہوئے ہیں۔

(۷) امریکہ کے قدیم جنگلوں کے "دیو قامت" درخت بھی کچھ کم ششدر کرنے والے نہیں ہیں، جنوبی کیلی فورنیا (California) میں ابھی حال میں ایک درخت کاٹ کر گرایا گیا ہے جس کا طول ۳۰۰ فٹ ہے اور زیرین حصہ کا قطر ۹۰ فٹ ہے۔ اس درخت کا قد سنہ ۱۴۹۲ء میں جب کلمبس (Columbus) امریکہ پہونچا تھا۔ صرف ۳۱ فٹ تھا۔ اس جنگل میں بعض درخت ۵۰۰ برس اور بعض ۸۰۰۰ برس کی عمر پا چکے ہیں۔ (Santa Rosa) سانتا روسا میں جو کیلی فورنیا میں واقع ہے ایک کلیسا ہے جو اس قسم کے صرف ایک درخت کی لکڑیوں سے بنا ہوا ہے اندر کی چھت۔ شہتیریں اور بہت سے حصے لکڑی ہی کے ہیں اس کلیسا میں ۲۰۰ آدمیوں کی کافی گنجائش ہے، جب کلیسا تیار ہو چکا تو اسکے بعد بھی ۶۰۰۰ شہتیریں بچ رہی ہیں اس سے درخت کی جسامت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مجنون

معلومات

یورپ کی دنیائے لہو ولعب

حال ہی میں ولایت کی سنیما کمپنیوں پر ٹیکس عائد کرنے کا مسئلہ زیر بحث تھا اس سلسلہ میں سر جوائنس ہکس نے جو بیان پیش کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کا ذوق تفریح کس خطرناک حد تک پہونچ گیا ہے اور دنیائے اقتصاد کس حد تک اس سے متاثر ہے۔

سر ہکس نے ظاہر کیا ہے کہ اپریل سنہ ۲۲ء سے اپریل سنہ ۲۳ء تک تماشا گاہوں میں چھ لاکھ ۶۵ ہزار جگہیں بڑھانی پڑی ہیں۔ اور ہر ہفتہ چار کروڑ آدمی تماشہ دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ تجارتی انحطاط اور اقتصادی مشکلات کی وجہ سے آمدنی کم ہو گئی ہے۔ کام کرنے والوں کی اُجرت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے اور امریکہ کی فلم بنانے والی کمپنیوں کو بڑی رقم ادا کرنی پڑتی ہے سر ہکس نے بیان کیا کہ حال ہی میں ان کو ایک ایسے ایکٹر (ممثل) کا حال معلوم ہوا ہے جس کی خدمات سات سو پونڈ (دس ہزار پانسو روپیہ) فی ہفتہ کے حساب سے دس سال کے لیے حاصل کی گئیں۔ اس استدلال کی بناء پر مسٹر ہکس نے اعادۂ ٹیکس کی مخالفت کی ہے۔ لیکن دنیا میں ایک قوم ایسی بھی ہے جو اس حجت و برہان کے سمجھنے سے بالکل عاری ہے، کیونکہ وہ بغیر کسی حیلہ و عذر کے اپنی اُن ضروریات زندگی پر بھی ٹیکس ادا کرتی ہے جن کے ترک کرنے کے بعد وہ بقدر لذت کام و دہن "بھی" اپنی زندگی بسر نہیں کر سکتی، چہ جائیکہ لطف و تفریح اور عیش و نشاط کی وہ مسکر زندگی جو آج یورپ اور صرف یورپ کا حصہ ہے،

امریکہ کی عورت

اس سے قبل دنیا میں، نوع انسانی دو جنسوں میں منقسم تھی، ایک کو جنس لطیف یا نازک یا صنف کمزور کہتے تھے اور دوسرے کو جنس کرخت و خشن یا صنف قوی سے تعبیر کرتے تھے، لیکن اب ہم اس دور سے گذر رہے ہیں جس نے اس تفریق کو مٹا دیا ہے اور ممکن ہے کہ آئندہ ایسا زمانہ آئے جب ان دونوں جنسوں کی تعبیر بالکل مخالف مفہوم کو ظاہر کرنے لگے۔

اس میں شک نہیں کہ بظاہر عورت کی جسمانی ساخت بہ نسبت مرد کے بہت نحیف و ضعیف واقع ہوئی ہے۔ اور بعض نے اس کے دماغ کو بھی ایسا ہی ظاہر کیا ہے لیکن واقعات و مشاہدات (جو بہترین دلائل سمجھے جاتے ہیں) اس کے خلاف ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ امریکہ میں کوئی پیشہ ایسا نہیں ہے

جو عورتوں نے اختیار نہ کیا ہو اور ہر کام (خواہ وہ قوائے ذہنی سے متعلق ہو یا قوائے جسمانی سے) ان کے دسترس کے اندر ہے۔

وہاں کی عورت اگر ایک وقت اپنی نازک انگلیوں سے پیانو پر کام کر رہی ہے تو تم دیکھو گے کہ دوسرے وقت اسی کے ہاتھ نجاری و حدادی میں بھی مصروف ہیں، اور اگر صبح کو وہ نقاشی میں مصروف ہے تو شام کو وہ انجن چلا رہی ہے۔ الغرض دنیا کا کوئی پیشہ ایسا نہیں ہے جس سے وہ عاری ہو۔

اس وقت وہاں کی عورتوں میں ۸۳۰۷ اقونن پیشہ، ۷۸۷۱۱ اہل کلیسا، ۶۱۷۴۱ اصناع ۲۱۹۷ ڈاکٹر ۸۲۹ دنداں ساز، ۱۱۱۷ ماہر فن تعمیر، اور ... ہیں، کچھ یہی نہیں کہ ان کے اکتسابات معمولی یا ناقابل اعتناء ہوں بلکہ وہ ہر فن میں ایسی ہی مہارت رکھتی ہیں جسقدر مرد اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت ۱۱۵۹۴۸۵ عورتیں حکومت کی ملازم ہیں، یعنے ۸۷۶ پیشوں میں سے صرف ۳۲ پیشے ایسے ہیں جن پر اسوقت تک عورت نے توجہ نہیں کی، باقی ہر جگہ عورت ہی کی حکومت نظر آتی ہے۔

لاسلکی کے ذریعہ سے دیکھنا اور سننا

لندن کی جنرل ریڈیو کمپنی نے حال ہی میں ایک اختراع پیٹنٹ کرائی ہے جس کے ذریعہ سے آواز کے ساتھ صورت (یا تصویر) بھی منتقل ہو سکے گی۔ ہر وہ شخص جس کے مکان میں آلہ لاسلکی موجود ہو، وہ یہ جدید آلہ نصب کرکے نہ صرف تقریریں اور موسیقی دور دور کی سن سکتا ہے، بلکہ مقرر اور گانے والے کی صورت اور اس کے اعضا اور خط و خال کی جنبش کو بھی دیکھ سکتا ہے۔

مسٹر اسٹفنسن اس کمپنی کا جنرل منیجر چند ماہ سے اس کا تجربہ کر رہا ہے اور وہ متحرک اشیاء کی تصویریں بھی لاسلکی کے ذریعہ سے منتقل کر سکتا ہے، اسی کے ساتھ اس میں یہ خوبی بھی ہے کہ تمام اشیاء کی تصویر اپنے اصلی رنگ کے ساتھ منتقل ہوتی ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اختراع تصویر کشی اور سنما کی دنیا پر بہت موثر ہوگی اور ایک زمانہ آئیگا جب ہر شخص اپنی جگہ متحرک تصاویر کا تماشہ دیکھ سکے گا۔

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی مجرب و آزمودہ دوائیں

چالیس سال سے تمام ہندوستان میں مشہور ہیں

وہ زندگی ہی کیا

جس سے ایک دوسرے کو فائدہ پہونچ سکے، اسی خیال کو مدنظر رکھکر دوائیں بنی ہیں اور باوجود انمول فائدے کے سستی بکتی ہیں ——

	نام دوا معہ قیمت	
اصلی عرق کافور	ہیضہ کے لیئے ایک ہی دوا ہے۔ قیمت	ہر
دمہ کی دوا	ایک ہی خوراک میں دمہ کو دبا دیتی ہے "	عہ ر
کونین کی گولیاں	چار گرین کی ۲۵ گولیاں .. "	عہ ر
کولاٹانک	کمزوری کا دشمن	عہ ر
فصلی بخار طحال کی دوا	چار پانچ ہی خوراک میں بخار کا آنا بند ہوجاتا ہے قیمت فی شیشی کلاں عہ خورد	۶ر
مقوی باہ گولیاں	جیسا نام ویسا فائدہ .... قیمت	عہ ر
پین ہیلر	اندرونی و بیرونی درد کی دوا	عاّر
سارسہ	خون صاف کرنے کی دوا	عہ ر
سنی لائن	خونی بواسیر و خون بند کرنے کی دوا	عہ ر
پرانے سوزاک کی دوا	پرانے سے پرانا سوزاک ایک شیشی میں آرام ہوتا ہے، قیمت	عاّر
گرمی آتشک کی دوا	یہ گرمی کے زہر کو نکال دیتی ہے ... "	عاّر
دانت کے درد کی دوا	لگاتے ہی درد مٹتا ہے۔	۶ر
دردسر کی دوا	سر کے درد کے لیئے نہایت اکسیر ہے	۱۲ر
جلاب کی گولیاں	آسانی سے پیٹ صاف کرتی ہے	۹ر
داد کا مرہم	ایک ڈبیہ میں کیسا ہی داد ہو آرام ہوجائیگا	۶ر
کلورڈائن	پیچش کی حکمی دوا۔	۸ر
کھانسی کی دوا	کف اور کھانسی کے لیئے مفید ہے کلاں عہ خورد	۱۰ر
پرانے ملیریا بخار کی دوا	ان گولیوں میں کونین نہیں ہے	عہ ر
روغن پیپرمنٹ	بدہضمی اور ریاحی درد کے لیئے مفید ہے	
کان بہنے کی دوا	کان کا بہنا اس سے بند ہوجاتا ہے	۶ر

	نام دوا مع قیمت	
زخم کا مرہم	یہ ہر قسم کے زخم کے لیئے مفید ہے قیمت	عہ ر
لال شربت	ایک شیشی پلانے سے بچے لال لال ہوجاتے ہیں	عہ ر
خارش کھجلی کی دوا	یہ ہر قسم کے جلدی امراض کے لیئے مفید ہے	۱۲ر
امراض مستورات کی دوا	یہ حیض کی خرابی کے لیئے مفید ہے	عہ ر
عرق پودینہ	یہ پودینہ کی ہری پتیوں سے بنا ہے بدہضمی کے لیئے مفید ہے	۱۴ر
نمونہ کا بکس	پسیلیں ڈاکٹر ایس کے برمن کی چند مشہور دوائیں ملتی ہیں۔ قیمت	عاّر
مشہور سینٹ	یہ خوشبوؤں کا بادشاہ ہے۔	عہ ر
کسراج تیل	یہ تیلوں کا سرتاج ہے دیسی اور ولایتی خوشبوؤں کی آمیزش سے بنایا گیا ہے اور خوشبو کے علاوہ دماغ کے لیئے نہایت درجہ مفید ہے۔ قیمت	عہ ر
مل یک تجہیر برنی	زخم چوٹ ہر ایک کے لیئے حکمی دوا ہے	۱۰ر
مکردھج	یہ سونے کا کشتہ سات ہی خوراک میں آدمی کو اپنے رنگ پر لے آتا ہے۔ قیمت ۷ خوراک	عہ
آلوکا	یعنے رقیق التا یہ بنگالے کا خاص تحفہ ہے کسی حسین معشوق کے گورے گورے پیروں پر لگائیے اگر جی لوٹ پوٹ نہ ہوجائے تو ہمارا ذمہ	۸ر
تھرمامیٹر	انگریزی، ہندی، اور اردو تھرمامیٹر یہ ڈاکٹر ایس کے برمن کی خاص فرمائش سے ولایت کے ایک نامی کارخانہ سے بنکر آیا ہے اور بخار پہچاننے کی لکیر بہت صاف ہے قیمت فی تھرمامیٹر	سے ر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴

تار کا پتہ۔ کمفر

یہ کارخانہ سنہ ۱۸۸۴ء سے جاری ہے

ایجنٹ - درگا پرشاد داؤ دیال اوت پاڑہ آگرہ

راستی موجب رضائے خداست

بزرگوں کا قول ہے کہ سیدھے راستے پر چلنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا اور نہ ادھر ادھر بھٹکتا ہے خصوصاً جنگل بیابان میں وہ اپنے علاوہ دوسروں کو بھی غلط راستہ نہیں بتلاتا برخلاف اس کے ٹیڑھی چالیں چلنے والا خود بھی منزل مقصود پر شاذونادر ہی پہنچتا ہے اور دوسروں کی بھی رہبری نہیں کر سکتا آجکل اشتہار بازوں نے اپنی شمع کی آڑ میں شکار کھیلنے والی عادت سے جہاں پبلک کا مذاق بگاڑ کر پنجاب کی اشتہار بازی کو بالکل بدنام کر رکھا ہے، وہاں خود بھی ان کا یہی حال ہے کہ اپنی چند روزہ زندگی میں چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات کے مصداق معدودے چند مریضوں سے روپیہ بٹور کر برساتی مینڈکوں کی طرح بہتر ٹرٹرا کر پھر ایسے لاپتہ اور معدوم ہوتے ہیں کہ اخبارات میں ان کا نام تک نہیں ملتا ہم نے دس سالہ اشتہاری زندگی میں سینکڑوں ایسے اصحاب کو بیدا ہوتے بنتے بگڑتے دیکھا ہے اہل غرض مجنون چونکہ بڑی بڑی قیمتیں لے کر عیاروں اور گمنام شخصیتوں کے بیجا ناموں کے دام فریب میں پھنس کر بیجا بے حد خراب ہوتے رہتے ہیں اور پھر جب حالت بگڑ جاتی ہے تو بڑی قیمتوں کی چیزیں خریدنے اور صحت حاصل کرنے کا حوصلہ ان میں نہیں ہوتا یہی سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ویسا ہی ہوگا اور زندگی بھر تباہ و خستہ حال رہتے ہیں برعکس اس کے اگر پہلے ہی از راہ علت اگر اس حکمت کے اصول اور اشتہار دینے والوں کی شخصیتوں اور حیثیتوں کو مدنظر رکھا جائے تو تضیع اوقات بیجا اسراف اور فضول سردردی سے بہت حد تک نجات مل سکے،

علاج بذریعہ ادویات و آلات

میں زمین آسمان کا فرق ہے ادویات کا بود اپنی تمام دنیا پر ثابت ہو چکا ہے طبائع مختلف افرنہ مختلف ادویات کا یکساں اثر تمام انسانوں پر ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا اسی واسطے اشتہاری دوا فروشوں سے جو صفراوی، سوداوی، بلغمی، بادی سب مزاجوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں لازمی طور پر پرہیز کرنا چاہیے نیز ادویات کی ایک بھاری زحمت یہ ہوتی ہے کہ کہیں موسم کا لحاظ کہیں کھانے پینے ہاتھ کا پرہیز کہیں نام نہاد سنیاسی، ڈاکٹروں حکیموں وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ نیم حکیم خطرہ جان کی مصداق۔ مریض کی جان کے لالے پڑ جانے کا فکر۔ مغربی دنیا کے نامور سائنس دان تو آجکل ہر مرض کا علاج بذریعہ آلات دریافت کرنے کی فکر میں رہتے ہیں چنانچہ ہندوستان میں علاج بذریعہ آلات کی ابتدا ۱۹۱۲ء میں ہم نے ہی ڈالی اور آج تک ہزارہا مایوس العلاج مریض ہمارے ذریعہ اپنے مختلف آلام سے نجات حاصل کر چکے ہیں اور بیشمار زندہ مثالیں اس امر کی موجود ہیں کہ ہمارے شہرۂ آفاق تینوں آلات

(۱) ایریکٹرس (۲) ایکٹینا (۳) مانع احتلام

ہندوستانی بھائیوں کے واسطے نعمت ہائے غیر مترقبہ ثابت ہو چکے ہیں، اگرچہ ناظرین نگار سے یہ ہماری پہلی ملاقات ہے لیکن اندک نوشتہ بسیار دانند (۱) ایریکٹرس مسرز سمسن برادر کمپنی شکاگو امریکہ کی ساخت، امریکن پیٹنٹ جرمنی کے مشہور ڈاکٹر بیئر کے اختراع کردہ طریقہ علاج ہائی پر اٹیمک ٹریٹمنٹ کا بہترین نمونہ اور کیمیاوی علوم کے مقبول عام اصولوں کا عملی نمونہ ہے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ مادرزاد نامردی کے سوا ہر قسم کی مرض نامردی اور اس نامراد قاطع نسل انسانی و مانع حظ زندگانی بیماری کی جملہ ابتدائی تزایدی اور انتہائی صورتیں تمام و کمال اس آلہ کے چند ہفتوں کے استعمال سے جڑ سے دور ہوتی ہیں قیمت فی آلہ صرف ... علاوہ محصول وغیرہ۔ مفصل تشریحی کتاب موت کے بعد نئی زندگی، ہر درخواست کنندہ بیمار کو بحوالہ اخبار مفت (۲) آلہ ایکٹینا، پروفیسر ڈاکٹر ولسن صاحب کی ایجاد مسرز ایکٹینا اپلائنس کمپنی کی ساخت امریکن پیٹنٹ، آنکھ کان، ناک حلق اور سر کی تمام معلومہ امراض کا مکمل بے دوا علاج آنکھ کی سرخی سے لیکر موتیا بند تک تمام مختلف بیماریاں کان کا بہرہ پن ثقل سماعت، درد، شاں شاں کی آوازیں شور و غل حلق کے ورم نزلہ زکام سر درد کھانسی دمہ انقباض نیز ادھوری بخار وغیرہ وغیرہ تمام ... بیماریاں اس کے استعمال سے کافور ہو جاتی ہیں قیمت فی آلہ صرف ... روپیہ علاوہ محصول ڈاک نیز مفصل مشرح کتاب پروفیسر ولسن کا رسالہ مرض ہر درخواست کنندہ کو بلا قیمت (۳) مانع احتلام جرمن سائنسدانوں کی تازہ دریافت احتلام کا شافی علاج اور ادویات سے جو کام برسوں میں نہ ہو وہ ایک ہفتہ میں پورا کر دکھاتا ہے والا فاسق فاجر پرہیزگار، مولوی بچے جوان بوڑھے شادی شدہ کنوارے رنڈوؤں کا یکساں دوست خواب میں ناپاک ہونے کا قطعی خوف ... صرف بالکل مجربیہ۔ المشتہر رائے بی ایس بھنڈاری ایم اے مالک ایریکٹرس کمپنی ایکٹینا ہاؤس مقام بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب

انجمن ترقی اردو کی کتابیں

فلسفۂ تعلیم، اسپنسر کی مشہور کتاب کا ترجمہ ۲ نپولین اعظم پانچ جلدیں للعہ رہنمایان ہند۔ سری کرشن جی اور گوتم بدھ وغیرہ کی سیر اور فلسفۂ تعلیم عہ امرائے ہنود۔ حصہ اول سے، حصہ دوم ۲ تاریخ تمدن ٹامس بکل کی مشہور کتاب کا ترجمہ حصہ اول عہ حصہ دوم ۲ مقدمات الطبیعات کیملے کی کتاب کا ترجمہ ۲ البیرونی ابوریحان بیرونی کے مفصل حالات ۲ دریائے لطافت۔ انشاء اللہ خاں مشہور شاعر کی مشہور کتاب عہ طبقات الارض ۲۔ القمر، مشاہیر یونان و روم جلد اول سے، جلد دوم عہ مبادی سائنس ۲ تاریخ یونان قدیم ۲ انتخاب کلام میر عہ رسالہ نباتات عہ مکالمات برکلے قسم اول عہ قسم دوم عہ

جامعہ ملیہ کی کتابیں

تاریخ الامت اسلام کی بہترین تاریخ حصہ اول عہ حصہ دوم ۲ حصہ سوم عہ مبادی معاشیات عہ انتخاب مضامین جوہر ۲ تقویر عہ ترکوں کی کہانیاں ۸ر

تصانیف علیا حضرت بیگم صاحبہ فرمانروائے بھوپال

معیشت و معاشرت امور خانہ داری پر مفصل بحث عہ ۲ دینیات علی الترتیب فرائض النساء ۲ ہدیۃ الزوجین ۸ر مقصد ازدواج ۸ر بدایۃ تیمارداری ۲ر تربیت اطفال ۸ر حفظ صحت ۲ر بچوں کی پرورش ہندوستانی گھروں میں تیمارداری عہ تندرستی عہ سبیل الجنان مذہبی تقریروں کا مجموعہ ۲ عفت المسلمات پردہ پر مدلل بحث عہ مدارج الفرقان ۸ر سیرت مصطفےٰ عہ باغ عجیب عجیب کہانیوں کا مجموعہ تین حصوں میں ۸ر ۲، علی الترتیب۔ اخلاقی سلسلہ چار حصوں میں ۸ر ۱۲ر تہذیب نسواں عہ مہذب زندگی ہماری روح کا گھر عہ التربیت ۲ر افضال رحمانی ۸ر باغبانی تین حصوں میں ۲ر حصہ سوم عہ

تصانیف جناب میمونہ سلطان شاہ بانو صاحبہ

آغاز اسلام مولانا شبلی کی کتاب بدء الاسلام کا ترجمہ ۸ر ذکر مبارک یعنی تاریخ اسلام کا پہلا حصہ ۵ر خلافت راشدہ ۱۲ر سلک مروارید حصہ اول و دوم، سوم ۱۲ر ۷ر ۹ر فرائض مادری ۱۲ر

دار الاشاعت سیاسیات مشرقیہ

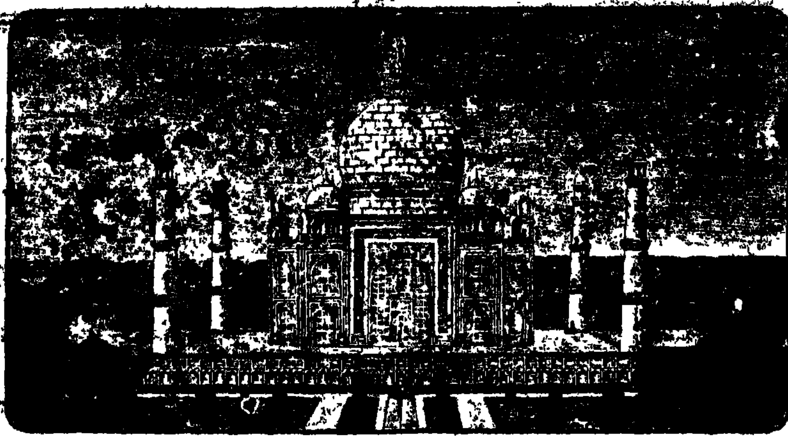
خلافت عثمانیہ مصنفہ سید سلیمان ندوی عہ سمرنا میں یونانی مظالم عہ ترکی میں عیسائیوں کی حالت ۵ر حادثۂ سمرنا ۱۲ر

تصانیف جناب خواجہ کمال الدین صاحب

مطالعہ اسلام عہ راز حیات عہ توحید فی الاسلام عہ براہین نیرہ ۱۲ر ام الالسنہ ۱۲ر اسوہ حسنہ ۸ر سلک مروارید عہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ۱۲ر خطبات عزیزیہ ۱۲ر مکالمات ملیہ ۳ر ذرات عالم کا مذہب ۸ر مسیح کی الوہیت ۸ر ضرورت الہام ۱۲ر کرشن اوتار ۱۲ر سیرت نبوی ۵ر

دیگر مصنفین

ازواج الانبیاء عہ رموز فطرت عہ بصائر القرآن عہ النسان ۸ر الصالحات ۸ر عقد القرآن ۸ر بنات طیبات ۸ر رہبر اخلاق ۸ر رہبر صحت ۸ر



نگار

مجلہ علمیہ و ادبیہ

رئیس التحریر

نیاز فتحپوری

اعلان

(۱) ہم کوشش کر رہے ہیں کہ نگار ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہو جایا کرے۔ لیکن رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ہم کو ۲۰ کے بعد دینا چاہیئے۔ کیونکہ مقررہ تاریخ اشاعت ہر ماہ کی ۲۰ ہے۔

(۲) جون کے صفحہ فہرست پر شمار (۵) غلطی سے لکھا گیا۔ بجائے ۶ ہونا چاہیئے۔

(۳) نگار کا مقام اشاعت "بھوپال" ہے۔ بعض حضرات اب بھی آگرہ کے پتہ سے خط و کتابت کرتے ہیں اور خط ہمیں دیر میں موصول ہوتا ہے۔

(۴) باوجود مکرر اعلان کے اب بھی بعض حضرات تین ماہ سے کم کے لیئے تبدیلی پتہ کی اطلاع دیتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ہم اسکی تعمیل نہیں کرسکتے اور نہ اس صورت میں رسالہ پہونچنے کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔

(۵) بعض رسالوں کے گم ہو جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ پتہ لکھنے میں سخت بے پرواہی کرتے ہیں براہ کرم خط و کتابت، درخواست خریداری، ارسال زر وغیرہ کے وقت ڈاکخانہ کا نام ضرور انگریزی میں لکھا کیجئے اس سے بڑی حد تک سہولت پیدا ہو جائیگی۔

مینجر "نگار" بھوپال

اجرت نامہ اشتہارات

رسالہ "نگار"

تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
۱۲	۶۰؍	سے؍	عنہ
۶	۳۵؍	۲۰؍	۱۲؍
۳	۲۰؍	۱۵؍	۹؍
۱	۸؍	۵؍	۳؍

اُجرت ہر حال میں پیشگی آنا چاہیئے۔ ٹائیٹل کی اجرت ۲۵ فیصدی زائد

زیب النسا بیگم کی تصویر

یہ تصویر صنعت نقاشی کا ایک نادر نمونہ ہے اور یقیناً ایک کمرے کی زیبائش کا حسین موضوع۔ آپ کے شوق کی رعایت سے ہم نے اس تصویر کو جداگانہ فراہم کرنے کا انتظام کیا ہے۔ یہ تصویر رنگین آرٹ پیپر پر تیار کرائی گئی ہے۔ یہ وہی تصویر ہے جسکی اصل برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ قیمت علاوہ محصول ۸؍

مینجر "نگار" بھوپال

سید حسن اسمعیل نے آگرہ اخبار پریس میں چھپوا کر نور محل بھوپال سے شائع کیا۔

رجسٹرڈ نمبر ال-۲۸۸

فہرست مضامین اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء

(جعفری کاتب)

ملاحظات

(۱) میرے کشمیر کے دوران قیام میں صرف ایک پرچہ ستمبر کا شائع ہوا اور افسوس ہے کہ اُسی میں بعض نہایت فاحش غلطیاں رہگئیں۔ ہرچند اسکی ساری ذمہ داری مینیجر اور کاتب پر ہے، جنہوں نے کاپیوں کی صحت کا خیال نہیں کیا اور حددرجہ بے پروائی کے ساتھ اپنے فرائض ادا کئے، لیکن لطف یہ ہے کہ معذرت مجھے کرنی پڑتی ہے،

بعض صفحات پر عنوان مضمون نہیں لکھا گیا، بعض جگہ لکھا گیا تو غلط۔ کہیں قوسین میں انگریزی لفظ کتابت سے رہگیا، اور کہیں ایک آدھ لفظ ترک کرکے جملہ کے جملہ کو بے معنی کردیا، اور بعض مقام پر تصرف بھی فرمایا گیا ہے، مثلاً (۱) صفحہ ۱۶۹ پر عنوان مضمون کا اور رسالہ کا نام نہیں لکھا گیا۔ (۲) اسی صفحہ ۱۶۹ کی اٹھارویں سطر میں "چلا بدلکر" کی جگہ "چولا پہنکر" درج کیا گیا (۳) ۲۰۱ صفحہ پر عنوان مضمون غلط لکھا گیا "شاہان مغلیہ کے باغات کی جگہ" "انقلابات جنگ" لکھدیا گیا (۴) صفحہ ۲۱۶ میں تذکرہ جمیل کے نوٹ کو ملاحظہ کیجیئے، بلبل ایران سے پہلے لفظ خواتین حذف کردیا گیا، (۵) صفحہ ۱۹۱ بارہویں سطر میں کچھ جگہ چھوٹی ہوئی نظر آتی ہے، حالانکہ یہاں صرف لفظ "یہی" کی ضرورت تھی جسے چھوڑ کر ساری عبارت کو مہمل کردیا۔ (۶) صفحہ ۱۹۱ میں ذوق سلیم کے عنوان سے جو غزل درج ہوئی ہے اسکے تیسرے شعر کا مصرعہ غلط لکھا گیا یوں ہونا چاہیئے۔ دم کے رُک رُک کر نکلنے سے نہ جھنجھلا اسقدر اے (۷) صفحہ ۲۰۴ سطر ۱۳ و ۲۱ میں قوسین کے اندر انگریزی الفاظ رہگئے ہیں۔

الغرض اسی طرح کی اور بھی غلطیاں رہگئی ہیں جنکو ناظرین خود اپنی قوت تمیز سے کام لیکر درست فرمالیں

(۲) اگست کے پرچہ میں کلام علوی کے عنوان سے جو غزل شائع ہوئی ہے اس کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں "کشتگانش" کے بجائے "کشتگانت" پڑھنا چاہیئے۔

(۳) اس مہینہ میں ناظان کا حصہ اسلیئے نہیں دیا گیا کہ بہت سے استفسارات تعمیل طلب پڑے ہوئے تھے انہوں نے زیادہ جگہ لے لی۔

(۴) افسانہ "صبح شباب" کی اشاعت اسلیئے بند کردی گئی کہ اس کے مصنف اسکو علیحدہ کتابی صورت میں پیش کرنا چاہتے ہیں اور نگار کے اندر اس میں افسانہ کی حیثیت پیدا کرنے کے لیئے بہت زیادہ حذف کی ضرورت ہوتی اور یہ مناسب نہ تھا کہ اس میں اسقدر تصرف کیا جاتا۔

اڈیٹر

نگار

مجلد ۴	اکتوبر ۱۹۲۳ء	شمارہ ۴

اٹھارویں صدی میں یورپ کا انحطاط اور اصلاح کا آغاز

(۲)

فلاسفۂ فرانس | لوئی چاردہم اور لوئی پانزدہم کے عہد میں فرانس، کلیسا کا سخت مخالف تھا اور اسی کے ساتھ اسکو استبداد کے نام سے بھی نفرت تھی۔ چونکہ وہ نہ ابھی مذہبی بے تعصبی کے نام سے آشنا ہوا تھا، نہ سیاسی آزادی کو جانتا تھا، اس نے اس زبوں حالت کو خود بھی محسوس کیا اور اس سے نفرت کا عزم کر لیا، اٹھارویں صدی کے آغاز میں کہ یورپ کے لیے زمانہ رحمت تھا، ایک ایسا گروہ پیدا ہوا، جو کلیسا اور بادشاہ کی اطاعت کا سخت دشمن تھا، اس نے اپنے مواعظ و مساعی سے ان کے مقابلہ و مقاومت کی قوت اس درجہ پیدا کر دی، یہاں تک کہ لوئی چاردہم کے آخری زمانہ کے ارباب عقول میں [illegible] مذہبی احکام سے آزاد ہو چکی تھی، اور حکومت کے افعال پر کچھ تنقید بھی کرتی تھی لیکن قوم ابھی [illegible] لوئی پانزدہم کے زمانہ میں قوم کے خیالات بھی بدل گئے، اور حکومت کی طرف سے جذبات نفرت دلوں سے نکل کر زبانوں پر آنے لگے، فرانس کے اہل قلم نے بھی اس طرف توجہ کی، اور مختلف مضامین کے ذریعہ انگلستان کی پارلیمنٹری حکومت کے حالات، اس کے محاسن و فضائل لکھنے شروع کر دیئے [illegible] تمام ملک [illegible] صدائے بازگشت سے گونج اٹھا، ہر طرف "قومی حکومت" کی آواز بلند ہونے لگی، اور [illegible] نے دستوریت کا مطالعہ شروع کر کے ان اہم اصلاحات کو تیار کیا، جو اب تک انگلستان کے مدبرین کے ذہن میں بھی نہ تھیں۔

فرانس میں جدید فلاسفہ کے دو گروہ پیدا ہوئے، ایک اٹھارویں صدی کے نصف اول میں [illegible] آخر میں، اول گروہ میں مونٹسکیو اور والٹیر [illegible] آخر الذکر میں روسو، دیدرو اور علماء [illegible]

جامعین (Encyclopaedia) کے نام سے مشہور ہے

مونٹسکو اور وولٹیر دونوں طبقہ علیا سے تعلق رکھتے تھے، مونٹسکو، بورڈو کی پارلیمنٹ کا صدر تھا، اور ایک ممتاز علمی مجلس کا رکن ہو۔ وولٹیر پیرس کے ایک نامہ نگار کا لڑکا تھا، جس نے اپنے علم و تدبر سے اسقدر دولت جمع کی کہ فقروار نائی کو بھی خرید لیا، یہ دونوں اصلاح پسند تھے، نہ کہ انقلاب پسند، جب وولٹیر ایک امیر کی مخالفت کی وجہ سے فرانس چھوڑنے پر مجبور ہوا تو اس نے تین سال انگلستان ہی میں بسر کئے، جہاں اس نے انگریزی زبان میں کمال پیدا کیا، وہاں کے فضلا سے ملا، ان سے مراسم پیدا کئے، اور اپنی کتاب ہنریاد ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں پیش کی۔ ۱۷۳۱ء سے انگلستان کے ممتاز علمی رسالوں میں مضامین بھی لکھنے لگا، جن میں اکثر انگلستان ہی کے متعلق ہوتے تھے، اس نے اگرچہ مسائل سیاسی پر کافی غور کیا تھا، تاہم اس کے ساتھ کچھ کمزوریاں بھی تھیں، یعنے یہ مستبد بادشاہوں کو بھی پسند کرتا تھا، اور جابر حاکموں کا بھی ہم نوا بن جاتا تھا، وہ کہتا تھا کہ "ایسا انقلاب کافی ہے جو موجودہ زبون حالت کی اصلاح کردے، نہ کہ ایسا جیسے عہد لوتھر میں ہوا تھا، انقلاب کا اہم مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ اس کے ذریعہ سے آئندہ فرمانرواؤں کے خیالات بدل جائیں"

اسکی علمی زندگی، مذہب سے بالکل بیگانہ تھی، وہ تمام مذاہب کا مخالف تھا، سوائے مذہب طبعی کے، اس نے اپنی تمام عمر مذہب کے خلاف نکتہ چینی میں گذار دی، اسکی خواہش تھی کہ کاہنوں سے تمام مذہبی عہدے چھین لیئے جائیں، اپنی آخر عمر میں وہ مسیحیت کا سخت دشمن ہوگیا تھا، اور کہا کرتا تھا کہ "تم تمام معائب کو اپنے سے دور کردو، اگر فلاح چاہتے ہو، اور معائب کا مجموعہ مسیحیت ہے"، ہرچند وہ مطلق مذہب کا بالکل مخالف نہ تھا اور اس کا اعتقاد تھا کہ کسی قوم کو قانون کا پابند بنانے کے لیئے مذہب ایک ضروری چیز ہے، لیکن وہ ایسا مذہب چاہتا تھا، جو فضول عقائد سے پاک ہوتا۔ اس کی طرح اس کے تلامذہ بھی تمام معائب کی بنیاد مسیحیت کو قرار دیتے تھے

مونٹسکو کا مسلک وولٹیر کے مسلک کے بالکل برعکس تھا، اول اول جب وہ مسائل دینی میں مشغول ہوا تو اس کے دشمنوں نے اسے متہم کیا کہ وہ دین طبعی کا متبع ہے، حالانکہ اس میں صرف مذہبی بے تعصبی تھی، اور وہ محض ایک سیاسی اہل قلم تھا، جب وہ سب سے پہلے انگلستان گیا، تو یہاں کا نظام حکومت اسے پسند آیا، چنانچہ اس نے اپنی کتاب "روح الشرائع" لکھ کر ثابت کیا، کہ حکومت کا مقصد آزادی کی حفاظت ہے، اور اسکا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ حکومت کو بادشاہ، ارباب سیاست، اور قومی نمائندوں کی مجلس میں تقسیم کردینا چاہیئے۔ یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے تقسیم اختیارات کے مشہور اصول وضع کیے، اور بتلایا کہ نظام

حکومت کو قائم رکھنے اور ملک و قوم کی اصلاح کے لیئے تین جماعتوں کی ضرورت ہے، ایک جماعت متشرعہ (لیجسلیٹو کونسل) دوسری جماعت قضائیہ (جوڈیشل) تیسری جماعت تنفیذیہ (اگزیکٹیو کونسل) وولٹیر اور مونٹسکو صرف اصلاح کے حامی و علمبردار تھے، وہ چاہتے تھے کہ ایک تو نظام حکومت میں ترمیم ہو جائے، دوسرے کاہنوں کے اختیارات میں کمی کر دی جائے۔

مونٹسکو کا سیاسی عقیدہ یہ تھا کہ بغیر عقلاء کے مشورہ کے بادشاہ دولت صرف نہ کرے، اور استبداد سے کسی شخص کو قید نہ کرے، امراء و وزراء سب واجبی ٹکس ادا کریں، اپنی جاگیروں کو چھوڑ دیں، اور اپنے مقررہ حقوق سے دست بردار ہو جائیں، بادشاہ کسی شخص کو خوفناک سزا نہ دے، ٹیکس انصاف کے ساتھ تجویز کیا جائے جس کے ادا کرنے میں ہر شخص کو آسانی ہو۔ مونٹسکو پارلیمنٹ میں حزب الاحرار کا صدر بھی تھا،

دوسرے دور کے فلسفی، پہلے دور کے فلاسفہ سے باعتبار دولت و شرافت کم تھے، روسیو، اور دیدرو دونوں عوام میں سے تھے، ان میں سے ایک تو گھڑی ساز کا لڑکا تھا، اور دوسرا برتن ڈھالنے والے کا، یہ دونوں نہایت تنگی و عسرت سے پیرس میں رہے، لیکن پیرس کے نظام اجتماعی کو سخت ناپسند کرتے تھے، اسی کے ساتھ انھوں نے فلاسفۂ دور اول کے خلاف انگلستان کے نظام حکومت پر بھی بہت کم غور کیا تھا، اور اپنا زیادہ وقت عوام کی زندگی کے مطالعہ میں صرف کرتے تھے، انکی ضروریات، ان کی حالت اقتصادی، ان کے اصول معاشری، ان کی تعلیم اور نظام حکومت کی خرابیوں کو دیکھتے تھے، اسلیئے انہوں نے جو نظام مرتب کیا، ملک کے حالات کے مطابق تھا،

روسیو، اسوقت کی حکومت و مذہب کا بالکل مخالف تھا، اور اس کے فنا کر دینے کا متقاضی تھا، وہ کہتا تھا کہ انسانوں کے یہ خود ساختہ خیالات طبعی اصول کے مخالف ہیں، وہ کہتا تھا کہ "انسان طبعًا نیک ہے اور تربیت پسند واقع ہوا ہے، مگر حکومت اسکو صحیح راہ سے پھیرتی ہے، کیونکہ وہ اپنے انعامات سب پر برابر تقسیم نہیں کرتی، لہذا بغض و حسد، مخالفت و عداوت وغیرہ تمدنی امراض پیدا ہوتے ہیں، علاوہ اس کے حق تملک بھی جو حکومت نے اپنے لیئے مخصوص کر لیا ہے، صریح ظلم ہے"۔ وولٹیر کا اشتراکیئن کی طرح یہ خیال تھا کہ "تمام افراد انسانی برابر ہیں، اور حکومت سب سے زیادہ ظالم ہے، جو لڑکوں سے بوڑھوں پر حکومت کراتی ہے جو عاقلوں کو مجنونوں کا محکوم بناتی ہے، لہذا ضروری ہے کہ اس ہیئت اجتماعی۔ اور اس حق تملک کو برباد کر دیا جائے اور طبعی حالت کی طرف رجوع کیا جائے، تاکہ افراد خود بخود اک بہتر نظام اجتماعی پر متفق ہو کر مساوات

وحریت کے صحیح مفہوم سے آشنا ہوجائیں۔

روسیو نے مذہب عیسوی کو بھی ترک کردیا تھا، اور صرف ایک بالا و برتر خدا کی عبادت کا قائل تھا اس کے تلامذہ میں بعض تو طبیعین تھے، اور بعض مساوات پسند انقلاب کے طالب تھے"

دیدرو دیدرو اپنے عہد کا مشہور اہل قلم تھا، اس نے ابتدائی ایام پیرس میں نہایت عسرت سے گذارے، وہ پڑھتا بھی تھا، اور فکر معاش بھی کرتا تھا، اس زمانہ میں فلسفہ کا ہر طرف چرچا تھا چنانچہ اس نے بھی فلسفہ پر خامہ فرسائی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گرفتار ہوا، اور قید خانہ میں بند کردیا گیا، اسی قید خانہ میں اسے خیال پیدا ہوا کہ انسائکلوپیڈیا کے نام سے ایک کتاب لکھی جائے، جسمیں تمام معارف انسانی کا خلاصہ ہو، اور یا پھر ایک ایسی کتاب ہو جسمیں معارف انسانی، فنون، صنائع وغیرہ تمام علوم پر بحث ہو، جس کی تصنیف اہل علم کی ایک جماعت کے سپرد ہو، اور اس کا اڈیٹر یا مرتب وہ خود ہو، چنانچہ متعدد علماء جلیل اور فلاسفہ انسائیکلوپیڈیا کی تصنیف میں مشغول ہوگئے دیدرو تمام مقالات پر نظر ڈالتا تھا، اور تاریخ، سیاست، فلسفہ اور فنون آلات سازی کے متعلق کچھ مضامین بھی تحریر کرتا تھا،

اس کتاب کی تصنیف میں کامل بیس سال صرف ہوئے، اس کی ترتیب ۱۷۵۱ء سے شروع ہوئی اور ۱۷۷۲ء میں اٹھائیس جلدوں میں ختم کی گئی، دیدرو نے اپنی پوری ہمت اس کے ختم کرنے میں صرف کی، مراقب گورنمنٹ پریس رپورٹر نے ۱۷۵۲ء میں پہلی دو جلدوں کی اشاعت روک دی تھی، اور باقی جلدوں کی اشاعت میں بھی تقریباً ۸ مہینے تک ادھر ادھر پھرنا پڑا، مگر آخرکار دیدرو کامیاب ہوا اور اشاعت کی اجازت مل گئی، جتنی جلدیں زیر طبع تھیں تو پھر ممانعت کا حکم نافذ ہوا، جو بعد کو منسوخ ہوگیا

فرانس کے بعد یہ انسائیکلوپیڈیا تمام یورپ میں شائع ہوگئی، اور اس کے ساتھ فلاسفۂ فرانس کے افکار کی بھی اشاعت ہوئی، ان فلاسفہ کی رائیں اکثر مسائل میں باہم متضاد تھیں، اور جو رائیں زیادہ اہم اور دقیق تھیں وہ انسائیکلوپیڈیا کے آخری حصص میں بیان کی گئی تھیں، ان میں زیادہ شدید خیالات بافیتوس، ہلباخ جابلی اور رینال کی تھیں، جو انسائیکلوپیڈیا کے جامع اور اپنے امام دیدرو کی طرح دین طبعی کے قائل تھے، ان کا قول تھا کہ انسان فائدہ حاصل کرنے کے لیئے پیدا کیا گیا ہے، لہٰذا اس کا ہر کام ذاتی نفع کے لیئے ہونا چاہیئے اور مذاہب و قوانین حکومت، انسانی منافع کی راہ میں حائل ہیں، لہٰذا ان موانع کو صاف کردینا چاہیئے تاکہ انسان اپنی اصلی فطرت پر عود کرے، اسی بنا پر اس مذہب کے متبعین نے کلیسا اور حکومت کی سخت مخالفت کی، حقوق تملک، حقوق

اجتماعی، وجود باری، خلود نفس اور تمام سیاسی و مذہبی اصول سے انکار کر دیا،

افکار فرانس کی اثر پذیری | اس مادی فلسفہ کی تقویت و ترقی کا یہ سبب ہوا کہ فرانس کے فلاسفہ بہترین اہل قلم تھے اس لیے وہ اپنے خیالات کو نہایت وضاحت سے ظاہر کرتے تھے، وقیق مسائل کبھی ہجو، کبھی قصص و حکایات اور کبھی مراسلات کے پیرایہ میں نہایت سادہ طریق پر بیان کرتے تھے، اسطرح کہ ہر شخص بلا تکلف سمجھ جاتا تھا، اسلیئے ان فلاسفہ کی کتابیں بہت جلد اونچے طبقہ میں پہونچ گئیں، اور امرا ان فلاسفروں کو اپنے عالی شان ایوانوں میں مدعو کرنے لگے، بڑے بڑے لوگ حلقہ باندھ کر کسی ایک فلسفی کے چاروں طرف مودب بیٹھ جاتے تھے، اور فلسفہ اقتصاد و سیاست پر بحثیں ہوا کرتی تھیں،

رفتہ رفتہ یہ خیالات شاہی ایوانوں میں بھی پہونچ گئے، اور روس کی ملکہ کیتھرائن نے روسیو اور ویدرو کو خطوط لکھے، فریڈرک ثانی (شاہ جرمنی) نے بھی وولٹیر کو مدعو کیا، اب اخبارات میں روسیو اور وولٹیر کے مضامین اور زیادہ شوق سے پڑھے جانے لگے، حتی کہ جب وولٹیر ۱۷۷۸ء میں پیرس واپس آیا ہے تو لوگوں نے اسے اسطرح کاندھوں پر اٹھایا جیسے کسی فاتح کو اٹھاتے ہیں، الغرض اٹھارویں صدی میں فلسفہ تمام یورپ میں پھیل گیا، اور جب سیاسیئین اس جانب متوجہ ہوئے تو تمام یورپ میں اصلاح کی حرکت پیدا ہوگئی،

فرانس اور یورپ میں اصلاح کی کوشش | اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں جن ارباب سیاست کو تمام یورپ میں امتیاز خاص حاصل ہوا، اور جنہوں نے فلاسفہ کی رائے اور اقتصادیین کے اصول پر اعتماد کر کے انہیں رائج کرنے کی سعی کی، ان کی تعداد بہت کافی ہے، ان میں سلاطین بھی ہیں اور امرا بھی، سلاطین میں جوزف ثانی شاہ آسٹریا، لیوپولڈ شاہ ٹسکنی، فریڈرک ثانی شاہ پروشیا، کیتھرائن، ملکۂ روس، اور امرا میں بادوبمارا اور ہانیس مخصوص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان مصلحین میں چند وزرا تھے، جو اپنے آقاؤں کے نام سے حکومت کرتے تھے، اسپلنر کا، فانوش، پرتگال کا بومبال، ہسپانیہ کا ارندا اور کامیومانیس، ان ہی میں سے تھے، ان تمام سیاسیئین نے جدید طرز حکومت اختیار کیا اور بادشاہ کا وظیفہ ایک مقدار میں مقرر کر دیا، وہ بادشاہ کو صرف ایک منتظم کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اسے ملک کی دولت اپنی ذات پر صرف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے ارکان سلطنت کے مصارف میں بھی بہت تخفیف کر دی، اور نظام مملکت کو جدید طریق پر اسطرح مرتب کیا جس سے ملک کی ترقی مقصود تھی، لیکن بعض سیاسیئین ایسے بھی تھے جو سمجھتے تھے کہ تمام انسان ایک ہیں لہٰذا حکومت ہی کا یہ کام ہے کہ جس طرح چاہے انہیں ترقی دے کیونکہ لوگ حکومت کی اطاعت کے عادی ہیں پس ہیئت اجتماعی میں حکومت ہی کا تغیر کافی ہے

تاکہ مصلحت کے لحاظ سے وہ رعایا کے مشورہ بغیر اصلاحی احکام نافذ کرسکے،

جوزف ثانی شاہ آسٹریا

جوزف اس خیال کا سب سے بڑا حامی تھا، وہ صبح پانچ بجے اٹھکر کپڑے پہنتا، اور پھر اپنے دفتر میں داخل ہوکر دوپہر تک یہیں رہتا، اس نے ایک خاص کمرہ فریادیوں کے لیئے بنوا دیا تھا جسمیں وہ آکر جمع ہوجاتے، بعد دوپہر یہ اس کمرہ میں داخل ہوتا، اور سب کی عرضیاں خود اپنے ہاتھ سے لیتا تھا، تقریباً دو گھنٹہ اسمیں گذارتا، پھر کھانا کھاتا، اور کچھ دیر موسیقی سے دل بہلاتا، اس کے بعد پھر اپنے کام میں مصروف ہوجاتا، اور لوگوں کو حاضر ہونے کا حکم دیتا، ۷ بجے تک اسی طرح مشغول رہتا، گیارہ بجے لیٹ جاتا، اور سونے سے قبل اخبار و رسالے پڑھتا، سوائے خالص پانی کے اور کوئی چیز نہ پیتا، سر کے نیچے بکرے کی کھال کا تکیہ رکھتا تھا، اور گھاس بھرے ہوئے گدے پر سوتا تھا، اس کا گھوڑا ہمیشہ زین سے تیار رہتا، تاکہ جب ضرورت پیش آئے تو جانے میں تاخیر نہ ہو، وہ اکثر اپنے ملک کی سیر کرتا تھا اور خراب راستوں میں ڈاک کی گاڑی پر سفر کرتا، جب وہ کسی شہر میں جاتا تو ہوٹل میں ٹھہرتا، اور اس کے پڑھنے کے لیئے ایک میز بچھائی جاتی تھی، اور سفر ختم ہونے تک وہ اپنا نام ظاہر نہ کرتا تھا، اٹھارویں صدی کی حکومتوں کی طرح اس نے وائنا کے ندمائے حکومت کو نہایت عیش و آرام کی حالت میں پایا۔ ان کے اصطبل میں ۲۰۰۰ گھوڑے تھے، اور سونے کے ٹھوس برتنوں میں کھانا کھاتے تھے، اسطرح ۳۵ ملین فرانک ان کا سالانہ خرچ تھا، بادشاہ نے اس طرف توجہ کی اور یہ تمام عیش پسندیاں مسدود کردی گئیں،

فلاسفہ کے اصول مساوات کے مطابق جوزف نے کاشتکاروں کی غلامی کا رواج بالکل موقوف کردیا، اور قدیم دستور کے خلاف انہیں نکاح کرنے کا بھی حکم دیا، تمام زمین کی زراعت کے متعلق انہیں پوری آزادی عطا کی خواہ وہ کاشتکاری کریں یا نہ کریں، نیز قتل اور وحشیانہ سزا کا طریقہ بھی منسوخ کردیا، مطبوعات کی نگرانی بھی اٹھا دی، اور اس نے ایک اعلان کے ذریعہ سے ہر شخص کو تنقید کی عام اجازت دیدی، علاوہ ازیں اس نے مذہبی آزادی کو پھر رواج دیا، اور ہر جماعت اپنے اپنے معتقدات کے مطابق عبادت کرنے لگی۔ اہل آسٹریا باعتبار نسل و زبان کے باہم مختلف ہیں۔ لیکن جوزف کے عہد تک کوئی سبب ایسا پیدا نہ ہوا کہ وہ سب ایک شیرازہ میں منسلک ہوجاتے، تاہم اس نے ایک متحدہ نظام جدید مرتب کیا، اور سلطنت کو ہنگری اور بوہیمیا دو حصوں میں تقسیم کردینے سے انکار کردیا، اس نے ملک کو تیرہ صوبوں میں تقسیم کیا، اور تمام ہنگری میں جرمن زبان کو رائج کرنا چاہا، جو حکام جرمن زبان سے ناواقف تھے، ان کو معزول کردیا، ہنگری کی مجالس

اسپر اعتراض کیا، اور اس لئے جوزف اسمیں کامیاب نہ ہوا،

سنہ ۱۷۸۰ء میں اس نے کہا کہ مجھے یہ پسند نہیں آتا، کہ ہم میں سے وہ لوگ جو حیات اخروی کے قائل ہیں، وہی اس عالم میں بھی ہمارے عمال کا انتظام کریں، لہذا جوزف نے ایک انجمن مقرر کی جسنے ۲۶۶۳ کنیسوں میں سے (۶۲۴) بند کر دیئے، انکی جائدادیں ضبط کرلیں اور انکی عمارتوں کو شفاخانہ، مدرسہ، چھاؤنی، اور کارخانوں میں تبدیل کر دیا، آسٹریا کے گرجے نہایت شاندار اور مزین تھے، لیکن جوزف نے تمام مقدس تصویروں کا زیور اتار کر انہیں برہنہ کر دیا، اور اس خزانہ پر بھی قبضہ کرلیا جو زائرین کی زیارت سے جمع ہوا تھا، قیمتی سامان مثلاً برتن وغیرہ یہودیوں کے ہاتھ فروخت کر دیئے، اکتالیس کی قربانگاہوں کو مسمار کر دیا، گرجوں سے صلیبیں اور تصویریں علیحدہ کرا دیں، اور کلیسہ کی زیارت یا اس کے اندر اعتکاف کرنے کو قطعی بند کر دیا، اس کے بعد اس نے پادریوں کی ایک جماعت کے مشورہ سے ایک مدرسہ قائم کیا، تاکہ وہاں جوزف کے مقررہ اصول کے مطابق مذہب کی تعلیم دی جائے۔ جن مذاہب کو وہ برا سمجھتا تھا، ان کے معتقدین کو وہ سخت سزائیں دیتا تھا، ایک مرتبہ بوہیمیا کے کاشتکاروں میں ایک بدعت ظاہر ہوئی، اور وہ یہ کہ انہوں نے وجود الہی کا اقرار کیا، بادشاہ نے حکم دیا کہ جو شخص اپنی رائے سے یہ کہے اسکو پچیس کوڑوں کی سزا دیجائے، یہ سزا اقرار توحید کی نہ تھی، بلکہ اس وجہ سے تھی کہ وہ ایک ایسے عقیدہ کا اقرار کرتے ہیں جس کو سمجھتے نہیں، پھر صرف کوڑوں ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان موحدین کی گرفتاری کا حکم دیا، اور حدود عثمانیہ کی طرف جلاوطن کر دیا،

جوزف کی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے ملک کا بہترین انتظام کرے، اور تمام اہم اصلاحات کو دفعۃً نافذ کر دے، وہ اسی اصلاح میں مصروف تھا کہ اہل بلجیک اور ہنگری میں بغاوت ہو گئی، اور وہ آخر کار اپنے مقصد میں ناکامیاب رہا۔

(باقی)

اڈیٹر

نظریہ محبت کا انجام

جمالی اُن لوگوں میں سے تھا جو یہ سمجھتے ہیں کہ رومانیت نام ہے مجرد تخیل کا، اور جو ایک وجود خیالی سے متعلق ہوکر سرتاپا شوق اور یکسر جوش ہوجاتے ہیں؛ لیکن جب اشیائے مرئی یا مادی سے بحث ہو تو ان کے جذبات مطلق برانگیختہ نہیں ہوتے۔

عورت کی ہستی اُس کے لیے بیشمار دلچسپیوں کا مرکز تھی، لیکن یہ دلچسپیاں ولولہ انگیز نہ ہوتی تھیں، ہر عورت جس سے وہ ملتا اُسکی محبت میں مبتلا ہوجاتی تھی، مگر جس آسانی کے ساتھ وہ اسیر فریفتہ ہوتی، اُسی نسبت سے وہ جمالی کی گریز و اِبا کا سبب بھی بنجاتی تھی، اُس کا عقیدہ تھا کہ عورت وہ طلسمی پھول ہے جو ایک لمس شوق سے نہ صرف اپنی دلفریبی و نزہت گم کر دیتا ہے بلکہ اپنی حقیقت وجود سے بھی عاری ہوجاتا ہے، تاہم اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، کہ دنیا میں عورت سے زیادہ کسی شے میں یہ استعداد نہ تھی کہ جمالی کی دلچسپی کا باعث ہوسکے، لیکن پھر بھی وہ کبھی کسی کے لیے بے قرار و بیچین نہیں ہوا، اور نہ کبھی واقعتہً اُسنے کسی کی پروا کی۔

جب اور جہاں کہیں اُسے دلچسپی پیدا ہوجاتی، اُسکی گفتگو سننے کے قابل ہوتی، لیکن اگر کبھی اُسے کسی کی جانب محبت کا خیال ہوجاتا تو پھر وہ نا آشنائے تکلم، بیگانۂ نطق نظر آتا، اور سکوت کی صبح روشنی میں اپنے موضوع محبت کی گہوارہ جنبانی کیا کرتا۔

دنیا میں اُس کا ارتقاء طبعی کسیقدر تند و شدید واقع ہوا تھا، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اُس پر غلط فہمیوں کا ایک کثیف ابر چھایا رہتا تھا، وہ اپنے زعم باطل پر، ایک اعتبار و یقین پر، جو سخت ہالک تھا، غلط فہمی کے غلیظ مطلع میں حیات کی بلندیوں پر جست کرتا رہتا تھا، اُسے اپنے اوہام پر، جنہیں اُس نے "نظریات" کا پر رعب نام دے رکھا تھا، اُسنے کبھی غور نہیں کیا، کہ ایسا کرنے میں اُسکی دوستی کس کس کو ان گہرائیوں میں گرا تی جاتی ہے، تاہم ایسا بھی ہوتا، اور نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہ تھی، کہ اسکی طویل خموشیاں، اپنے موضوع محبت کے کے سامنے اعتراف عجز کا مفہوم ہوکر رہ جاتیں، اور وہ اظہار محبت کرنے لگتا، اسوقت اُس کی گفتگو اپنی تمام حلاوتوں کے ساتھ سننے کے قابل ہوتی، کیونکہ جو شے اُس کے احساس حسن کو بیدار کر سکتی تھی، اُس کے متعلق اُس کا حسن تکلم ایک طبعی چیز تھا، اُس کے اس انداز گفتگو سے ایک مخصوص اعتماد مترشح ہوتا، گویا وہ اپنے منتخب کو خوب سمجھتا ہے؛ اور عورت کے ساتھ ان کے تعلقات کا راز اس "خوب سمجھنے" ہی میں مرکوز تھا؛ عورتیں اُسپر

فریفتہ ہو جاتی تھیں، کیونکہ وہ جمالی کو سمجھ نہ سکتی تھیں، جمالی اُن سے محبت نہ کر سکتا تھا کیونکہ وہ انہیں اچھی طرح سمجھ سکتا تھا، لیکن اسپر بھی اُسے اپنے اندر جذبۂ محبت کے موجود ہونے کا یقین تھا، مگر اُس کا یہ یقین محبت بھی اُسے دہوکہ نہ دلیکتا تھا، کم از کم اُس کا یہ نقطۂ نظر ضرور تھا، اور وہ اپنے تئیں ہر جذبہ کا اہل تصور کرتا تھا اُس کا نظریہ "تصورِ محبت"، اگر دنیا کے لیئے کچھ بھی قابل قبول ہو سکتا تو اُسے بالکل تسلیم کر لینے کے لیئے بھی تاویل و توجیہہ پیدا کی جا سکتی تھی؛ لیکن صورت واقعہ یہ تھی، کیونکہ اُس کے خیال میں محبت کا مفہوم ایک خواہش غیر معروف، ابدیت غیر متناہی کی کارسازی اور قابل پرستش انکشاف کی کبھی طلوع نہ ہونے والی نمود صبح سے ذرا بھی کم و بیش نہ تھا،

اُس کا قول تھا کہ "یہ خیال کر لینا سخت حماقت ہے جو شخص محبت سے بے حجاب و بے محابا ہمکنار ہوتا ہے، ہلاک ہو جاتا ہے یا ہلاکت کے قریب پہونچ جاتا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ محبت خود مر جاتی ہے اور جس شخص کو قتیل محبت باور کر لیا جاتا ہے، وہ اپنے حواس کی غیر معتدل حالت اور ناقابل برداشت اثرات کا شکار ہوتا ہے، کتنی حیرت کی بات ہے کہ ایک ہلاکِ تجزیہ ہستی کو شہید محبت سمجھ لیا جاتا ہے، دنیا نہیں سمجھتی کہ جس طرح ایک پھول کسی عالم نباتات کے ہاتھ میں پہونچکر فنا ہو جاتا ہے اُسی طرح یہ شخص بھی جذبات و حسیات کی تحلیل و تجزیہ کے ہاتھوں فنا ہوا ہے، لوگ سائکی کے واقعہ کو کیوں فراموش کر دیتے ہیں؟ اور کیوں اس حقیقت کو اپنے ذہن سے محو کر دیتے ہیں کہ محبت کا حقیقی موضوع وہی شے ہو سکتی ہے، جو (وسیع معنی میں) دیکھی نہ جا سکی، یا جو ہمارے حواس کے ادراک سے باہر ہو؟ محبت تو ایک تیتری کی طرح ہے، اور تیتری بھی کسی عجیب و غریب دنیا کی، محبت کی تلاش اس عالم خاکی کی مادی روشنیوں میں فضول ہے، اُس کا مسکن تو قوس قزح کی وہ فریب نظر رنگینی ہے جو ہمیں نظر آتی اور غائب ہو جاتی ہے، اُس کا نشیمن تو شہاب ثاقب کی اس نوری صباحت میں ہے جو نگاہوں کو مسحور کر کے غائب ہو جاتی ہے اُسکی تشبیہ اُس گلاب کی حالت سے دیجا سکتی ہے جو صرف عالم رویا کے گلستاں زاروں میں شگفتہ ہو کر انہیں گلابی کر دیتا ہے؛ یا پھر وہ گل ہائے تخئیل کی منتشر پنکھڑیوں میں مشغول بازی دیکھی جا سکتی ہے، غبار اشک میں مستور و مرتعش نظر آ سکتی ہے، تبسم کے وقت ہونٹوں پر لرزاں پائی جا سکتی ہے؛ لیکن اُس کے چھو لینے کا تو خیال بھی مہلک ہے، وہ تیتری جیسے پکڑ لیا جائے، اُس کی حقیقت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ ایک غبار رنگیں! جس کا لمس ایک وہم ہے لیکن اُس کے وجود کا بطلان بھی نہیں کیا جا سکتا!.... بعرض

قابو تصرف ناسے ہے!"

وہ سمجھتا تھا کہ معمورۂ محبت کی نیلگوں ردائے شبنمی، نسائی زنانیت کی دسترس سے باہر، زور بلند و ارفع ہے، اور یہی باعث تھا کہ وہ بعض اوقات اس گہری دلچسپی کو، جو اسے جنس لطیف و نازک کے ساتھ تھی، نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھنے لگتا تھا،

جمالی پر ایک ایسی ہی شدید بیزاری کی کیفیت طاری تھی، جب وہ اُس عورت سے ملا جو کسی طرح اُس کے فہم وادراک میں نہ آسکی تھی، یہ ایک نازک عورت تھی، ایسی نازک جیسے کچے پارے اپنے عدم و وجود کے متعلق کسی یقین پر پہونچنے سے باز رکھتے ہیں، اُسکی آنکھیں انعکاس سیمیں اور زنوار تاریکی سے لبریز تھیں اُسکی آواز ایک ترانہ نواز صدائے آبشار سے مشابہ تھی، جو اپنے ابتزاز گر کر دفعتہ گردابی صورت اختیار کر لیتی اور اپنے وسعت کو پرورش گاہ امواج بنجانے دیتی ہے۔

ایک فلسفی کا دل بھی اپنے نظریوں سے اتنا ہی متاثر ہوتا ہے جتنا کہ اُس کا دماغ، اسلیئے جمالی بھی اپنے نظریہ کی تائید میں اُس سے محبت کرنے لگا، لیکن جس چیز نے اُسے متحیر کردیا وہ یہ تھی کہ وہ نازنین بھی اُسی کی طرح، ایک ہیولا خیالی کی پرستش میں مبتلا تھی، اور اُس کے اس عشق کا پروانہ وطریق وہی تھا جس کے متعلق جمالی نے یقین کر لیا تھا کہ اس قسم کی محبت عورت کے دل میں پیدا ہو ہی نہیں سکتی، وہ نازنین بھی اس سے محبت کرنے لگی، لیکن محبت کے اس نئے مشغلہ نے اُسکی پہلی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا،

نظریہ کے اثبات مزید میں یہ دونوں ہستیاں حیرت وخرمی کے زریں بادلوں کے اندر پرواز کر رہی تھیں ٹھیک اسی حالت میں جمالی کو اُس عورت سے ملنے کا اتفاق ہوا- اس خاتون کی شخصیت کچھ اُن تصاویر کی سی حیثیت رکھتی تھی، جو آثار انحطاط کی نہایت فریب دہ کیفیات میں ملفوف نظر آتی ہیں- ایک وقت اگر وہ برگہائے نورس کی خزاں رسیدگی کا پراسرار مرکز معلوم ہوتی تھی تو دوسرے لمحہ میں عجز وتسلیم کی سحر کار دلکشی کا مرقع نظر آتی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ اسکی نفسیات ایک قسم کی عریانی ہیں، لیکن یہ عریانی غیر شعوری نہ تھی بلکہ زنانیت وخودداری کے ساتھ تھی، اُسمیں فقدان ضمیر بے شک تھا مگر ملحدانہ نہ تھا، وہ قدیم و جدید تمدن کی آمیزش کا ایک طرفہ مظہر تھی، اُس کا وجود اس کلیہ کی بین دلیل تھا کہ ایک ذی اثر اور غیر معمولی شخصیت قائم کرنے کے لیئے اپنے عہد سے جدا ہو کر عہد ماضی یا زمان مستقبل کا صحیح نمونہ بنجانے کی اشد ضرورت ہے۔

صبح صادق کی لطیف روشنی میں برف پر گہرے سرخ رنگ کی شراب گر جانے سے جو رنگ پیدا ہو سکتا ہے وہ افق پر محیط تھا، نورس پودے منو صبح کے نورانی قدموں سے لپٹے ہوئے تھے، اور کائنات پر وہ عالم طاری تھا جب ہر شے اپنی حقیقت کے احساس صحیح سے قریب ترین ہو جاتی ہے، اُسوقت اس خاتون کے دل میں ایک احساس پیدا ہوا۔ اُس نے محسوس کیا کہ وہ اپنی کجروی پر کامیاب حکمرانی کرتی رہی ہے، اُس کا یہ احساس اس قسم کا احساس تھا، جیسے ایک پھول کھلی ہوا میں رہنے پر گرما خانہ کے اندر پرورش پانے کو ترجیح دے وہ ارادی غلطی اور باقاعدہ بے قاعدگی کو خوبصورت و قابل قبول بنا رہی تھی، وہ کسی ٹریجڈی میں غرق معلوم ہوتی تھی، اُس کا ہر غم انحطاط پذیر خوشیوں کا غم تھا،

وہ دلکشی و دلچسپی جو جمالی کے لیئے ایک عورت کے مطالعہ میں پنہاں ہوا کرتی تھی، اس خاتون میں بدرجہ کمال موجود تھی، جمالی چاہتا تھا کہ اُس کے خیالات و محسوسات کی توضیح کرکے اپنی صحت خیال پر فخر کرے، وہ ایک ساعت کے لیئے اُس کے مطالعہ میں محو ہو گیا، اور اس کے ذکی الحس دماغ نے اپنے اس معمول کے پیچیدہ نفسیات کو معلوم کر لیا، یہ ساعت مطالعہ ایک پوری زندگی کی ساعت تھی!

چند روز کے وقفے میں جمالی اپنے تئیں اُس کی عجیب و غریب کج نگاہیوں میں گم کر چکا تھا، اور اُس کے حسین و طرحدار وجود کی تصویر رنگیں نے جمالی کے مطلع حیات کو دھندلا بنا دیا تھا چند مہینے کے عرصہ میں جمالی کی عظمت و خودداری کے گلے میں اس عورت کے خندۂ بے پروا کے پھندے پڑ گئے تھے، اور اسکی تمام مسرتیں اُسکے قدموں میں پامال ہو رہی تھیں، باوجودیکہ وہ عورت کے سمجھ لینے پر متیقن تھا، اُس کی خوشیاں دم توڑ رہی تھیں۔

اب جمالی اپنی زندگی کے شکستہ غرفے میں سے مستقبل کے میدان کا نظارہ کر رہا تھا، اور وہ اس عورت کے ساتھ جو اسکے فلسفہ اور اسطرح اُسکی مسرت کی تباہی کا باعث ہوئی، شاہراہ زندگی کے اُس نقطہ پر تھا جہاں سے ان کے راستے علیحدہ ہوتے تھے، وہ ایک شدید اضمحلال و ماندگی کا آماجگاہ بنا ہوا تھا،

"تمھیں مجھ سے محبت نہیں ہے،، جمالی نے اس سے اس انداز میں کہا گویا وہ تمام عالم کی بناؤں کو از سر نو درستی کے ساتھ قائم کرنا چاہتا ہے۔

"ہے، مگر اُسی قدر جتنی تمھیں میرے ساتھ ہے" اُسنے ہنسکر جواب دیا۔

اس کے بعد ہی ایک قسم کی آسودگی ان دونوں پر طاری ہو گئی، جمالی کے افسردہ جذبات نے پھر ایک

پھر ایک دفعہ اُس کے اندر انگڑائی لی اور مضطرب ہو گئے۔

"تم نے مجھے اپنا گرویدہ صرف اس لیئے کیا کہ ـــــ" جمالی نے فقرہ پورا نہ کیا تھا کہ اُس کے مخاطب کے جھکے ہوئے ہونٹ سرعت کے ساتھ حرکت کرنے لگے، وہ تبسم ہوئی اور کہا:-

"تمہارے نظریہ کو صحیح ثابت کر دوں!"

ل - احمد

توبہ شکنی کی رت

بارش کیف سے توبہ شکنی کی رت ہے
غنچے کہتے ہیں یہ گل پیرہنی کی رت ہے
اب کے شاید کوئی کافر ہی مسلماں رہے
سبزہ گوں پوتھ کی ساری میں پریشاں رہیے

بادلوں میں تری زلفیں نظر آتی ہیں مجھے
نرگسی پھول میں آنکھیں نظر آتی ہیں مجھے
اور بجلی میں ترے جلوۂ رقصاں کی ادا
نہر کی لہر میں ہے تیری روانی پیدا

دیدۂ خشک میں ہے جانِ بصیرت سبزی
صاف چشموں میں ہے موتی سا مصفا پانی
ہے نم آلود ہواؤں کے لیے آبِ حیات
دامنِ خاک میں بھر دی ہے مئے نابِ حیات

جھوم کر غرب سے اٹھی ہے دل آویز گھٹا
مجھے دیوانہ بنا دے گی جنوں خیز گھٹا
برق بن بن کے چمکنے لگی کوئل کی صدا
پی کہاں! پی کہاں!! ظالم وہ پپیہا بولا

کشتیِ برگ میں رکھتی ہے کلی کی بوتل
لیکے انگڑائی پھر اٹھا ہے وہ کالا بادل
ہر طرف جام نما پھول ہیں پیمانہ بدست
ساغر لالہ میں ہر بوند ہے میخانہ بدست

مینہ کی بوندوں نے بکھیرے ہیں چمن میں موتی
شمع خاموش ہے پیدا ہیں لگن میں موتی
معدنِ لعل ہے یا صحنِ چمن کیا معلوم
قطرۂ آب ہے یا دُرِ عدن کیا معلوم

سبزہ نکھرا تو جہاں بول اٹھا یا اخضر
دیکھ، ان میں مری سبزی تو نہیں ہے ساغر
ہرنیاں آئیں تو مستی میں گیا منہ سے نکل
جسکی خاطر میں پریشاں ہوں جنگل جنگل

ساغر

عرضِ حال

لطف فرما جو کہیں رحمتِ یزداں ہو جائے
چاکِ دل کا مرے چاکِ گلِ خنداں ہو جائے

رنگ دکھلائے کلی دل کی شگفتہ ہو کر
نفسِ سرد، ہوائے چمنستاں ہو جائے

نالۂ نیم شبی میں مرے تاثیر آئے
شادمانی سے مبدل غمِ پنہاں ہو جائے

میرے مولا جو ترے فضل کی ہو ارزانی
جنسِ امید مرے واسطے ارزاں ہو جائے

بارشیں ابرِ کرم کی جو ہوں شاداب کناں
تو بیابان مرا ہمرنگِ گلستاں ہو جائے

ترے الطاف کے جھونکے جو ادھر آجائیں
تو خزاں میری بہارِ چمنستاں ہو جائے

مائلِ لطف تری چشمِ کرم ہو یا رب
زندگانی کا مرے واسطے ساماں ہو جائے

ہو مرے سوز میں ہمرنگیِ گلزارِ خلیلؑ
داغِ دل صورتِ خورشیدِ فروزاں ہو جائے

نوحۂ غم میں مرے نغمۂ شادی کی ہو لَے
دردِ دل اپنے لیے آپ ہی درماں ہو جائے

شورشِ غم میں نکل آئے خوشی کا پہلو
رنگ امید کا، حرماں سے نمایاں ہو جائے

دلِ رنجور رہے مالک مرے ہنگامہ طلب
گرمیِ بزم کا پھر غیب سے ساماں ہو جائے

کارفرمائی ترے لطف و عطا سے ہو مری
یہ نہ ہو مجھ پہ کسی اور کا احساں ہو جائے

چشمِ امید کسی سے نہ رکھوں تیرے سوا
دل ہی مستغنیِ الطافِ عزیزاں ہو جائے

عکس اُسی جلوۂ مستور کا آجائے نظر
میری، اُجڑی ہوئی آباد شبستاں ہو جائے

بخش دے مجھ کو نئے سر سے حیاتِ تازہ
تیری رحمت سے یہ اک کارِ نمایاں ہو جائے

فاروق (شاہپوری)

شہاب کی سرگزشت

(بسلسلۂ گزشتہ)

یہاں ان کا ایک دوست جو کچھ زمانہ سے بمبئی میں مقیم تھا انتظار کر رہا تھا اور اس لیئے وہ سکوت جو شہاب و محمود پر طاری تھا قائم نہ رہ سکا اور سب سے پہلے محمود ہی کو بولنا پڑا کیونکہ طفیل سے اس کے تعلقات دیرینہ تھے۔ شہاب نے کپڑے اتارے اور ایک کرسی پر لیٹ کر طفیل کو اور اس کے سراپا کو معہ اس کے ملبوس کے نہایت غور سے دیکھنے لگا۔ طفیل محمود کے اُن دوستوں میں سے تھا جو فیشن کے رکھ رکھاؤ کے لیے مشہور تھے حلقۂ احباب میں ہر فرد کو معلوم تھا کہ طفیل سے زیادہ خوش زندگی بسر کرنے والا اور اس سے زیادہ اپنے اوقات کو لطف و مسرت میں گزار دینے والا اور کوئی نہ تھا۔ اس کا دستور العمل یہ تھا کہ "جذبہ صرف اس لیئے پیدا ہوتا ہے کہ پورا کیا جائے اور اسی کا نام زندگی ہے" اس کے ہاں ماضی و مستقبل کا مفہوم کوئی نہ تھا وہ صرف حال کو دیکھتا اور چاہتا کہ ہر ممکن صورت سے اس کو کام میں لایا جائے، اس کے نزدیک اخلاق صرف اس کا نام تھا، کہ کسی کے واسطے دل تو نہ دکھایا جائے۔ لیکن جو کچھ خدمت کسی کی ہو سکے کر دینا چاہیئے۔ بلا لحاظ اس کے کہ یہ ہمدردی میں داخل ہے یا نہیں۔ چنانچہ بعض احباب کا خیال تھا کہ اس کا ایثار بھی بالکل فیشن کے لحاظ سے تھا اور اس میں تھوڑی سی نمود و نمائش بھی مقصود تھی۔ بہرحال طفیل عجیب و غریب اصول کا آدمی تھا، اور اس کی مرنجاں مرنج زندگی پر بعض احباب کو رشک بھی تھا۔

طفیل نے جو شب گذشتہ کسی خاص وجہ سے تھیٹر نہ جا سکا تھا۔ سب سے پہلے ہی گفتگو شروع کی اور محمود سے سوال کیا کہ — "اختر کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے؟"

محمود۔ "مجھ غریب سے کیا پوچھتے ہو (شہاب کی طرف اشارہ کر کے) ان سے پوچھو"

طفیل۔ "ہاں شہاب صاحب آپ فرمایئے"

شہاب۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسے اصول کا آدمی یہ سوال کرے۔ میں اگر آپ کی جگہ ہوتا اور اختر کی نسبت وہ خیال قائم کر لیتا جو آپ نے قائم کیا ہے تو میں کبھی کسی سے سوال نہ کرتا اس ڈر سے کہ مبادا وہ اختلاف کرے یا اس میں کوئی نقص بتائے اور پھر خواہ مخواہ ناگوار معلوم ہو۔ آپ انہیں اچھا سمجھتے ہیں یقیناً وہ اچھی ہوں گی۔ میں کیا

عرض کر سکتا ہوں جب کہ میں نے انھیں صرف ایکبار دیکھا ہے

طفیل۔ تاہم اسوقت تک جو رائے آپ نے اُن کے فن ایکٹنگ کے متعلق قائم کی ہے۔ میں وہی سننا چاہتا یقیناً میرا خیال اُن کی نسبت بہت اچھا ہے اور اسقدر یقین کے ساتھ کہ اگر آپ نہایت آزادی سے کام لیکر کوئی بُری رائے ظاہر کرینگے۔ تو بھی مجھ پر کوئی اثر نہ ہوگا"

شہاب۔ پھر آپ کا پوچھنا اور میرا جواب دینا دونوں بیکار ہیں۔ کیوں آپ مجھے ایسی گفتگو کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جس سے متاثر ہونے کے لیئے آپ آمادہ نہیں۔ شاید آپ کو یقین ہے کہ میں بھی آپ کا ہم آہنگ ہونگا اور اس لیئے آپ چاہتے ہیں کہ اپنی پسندیدگی و تحسین کی داد مجھ سے حاصل کریں۔ اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے تو لیجیئے میں بھی کہے دیتا ہوں کہ واقعی مس اختری ویسی ہی ہیں جیسی آپ کے ذہن میں مرتسم ہیں اور ان کا نظیر اسوقت دنیائے اسٹیج میں کوئی نہیں اور نہ شاید زمانہ آیندہ کوئی ایسی مثال پیش کر سکے۔

طفیل۔ کیا میں آپ کی اس رائے کا حوالہ اپنی گفتگو میں کسی دوسری جگہ دے سکتا ہوں؟

شہاب۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ رائے تو صرف آپ کے خوش کرنے کے لیئے تھی اور آزادانہ رائے تو میری محفوظ ہے جسے میں صرف اس شخص کے سامنے پیش کرونگا۔ جو اُس کو ذی قدر سمجھے اور اگر معقول ہو تو تسلیم کرے یہ نہیں کہ پہلے ہی ارادہ کر لیا جائے کہ کسی طرح اثر کو قبول نہ کیا جائیگا۔

طفیل۔ اچھا میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔ میں آپ کی رائے کو ذی وقعت سمجھوں گا۔ اور اس کے اثر کو بھی قبول کرونگا اگر قبول کر سکا"

شہاب (مسکرا کر) طفیل صاحب آپ کے اس سوال کا جواب دینا میرے لیئے نہایت مشکل ہے، کیونکہ مجھے ابھی تک یہی نہیں معلوم ہوا کہ دنیا کس ایکٹنگ کو بہتر سمجھتی ہے اور کس کو ناقص اور اس کے متعلق اصول تنقید کیا ہیں ایکٹنگ نام ہے اظہار جذبات کا جو اعضائے ظاہری کے ذریعہ سے اور چونکہ ہر شخص کے تاثرات ایک ہی چیز کی نسبت مختلف ہوتے ہیں اس لیئے ظاہر ہے کہ جذبات میں بھی اختلاف ہوگا۔ اور جذبات کا اختلاف ایکٹنگ کا اختلاف ہے، اس لیئے بالکل ممکن ہے کہ جن حرکات کو میں پسند کرتا ہوں آپ پسند نہ کریں اور جن کو میں برا سمجھتا ہوں وہ آپ کے نزدیک اچھے ہوں۔ ایکٹنگ حقیقتاً مصوری ہے اور مصوری کچھ نہیں ہے مگر حسن کے جزئیات کو ظاہر کر دینا (خواہ وہ حسن کسی قبیح ترین منظر و صورت سے کیوں نہ متعلق ہو) پھر جب نفس حسن کے متعلق مذاق انسانی میں باہم اسقدر تخالف ہے تو تصویر حسن کے متعلق کیوں نہ ہوگا۔ رہا یہ امر کہ میں نے کیا خیال قائم کیا ہے

یعنی اپنے جذبات و مذاق کے لحاظ سے مس اختر کے ایکٹنگ کو کیا سمجھتا ہوں۔ سو مجھے افسوس ہے کہ کل کی ایکٹنگ اُن کی تمام تر ٹریجڈی تھی، اور بدقسمتی سے میں اس کا قائل نہیں کہ ایک عورت واقعی کسی مرد کے لیئے ایسا دل دکھا سکتی ہے جیسا کل مس اختر نے اپنے فرضی و مصنوعی عاشق کے لیئے دکھایا۔ اور اس لیئے میرے نزدیک اُن کے سارے حرکات غیر فطری اور خلاف حقیقت تھے۔

طفیل۔ اس سے بحث نہیں کہ عورت مرد کے لیئے اس درجہ بیقرار و مضطر ہو سکتی ہے یا نہیں، لیکن تھوڑی دیر کے لیئے یہ تسلیم کر لیجیئے کہ ایسا ہو سکتا ہے اور پھر بتایئے کہ مس اختر نے کیا کیا۔ ہم حقیقت سے تو بحث کرتے ہی نہیں کیونکہ تھیٹر میں جو کچھ ہے نقل ہے، اس لیئے محض فن کے لحاظ سے تنقید کرنی چاہیئے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مس اختر نے جس مرد کے ساتھ تماشہ کے اندر اپنے جذبات کا اظہار کیا وہ اس کا محبوب نہ تھا اور اس لیئے یوں بھی جو کچھ ہوا خلاف حقیقت تھا، مگر ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں، ہم کو تو صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ جن جذبات کی نمائش کی گئی وہ ایک ایسی مثال فرض لینے کی صورت میں فطرتاً ظاہر ہوتے ہیں یا نہیں اور ہمارا فرض یہیں ختم ہو جاتا ہے۔

شہاب۔ اگر آپ مجھے اک خلاف حقیقت امر تسلیم کر لینے پر مجبور کرتے ہیں تو بیشک میری رائے یہ ہوگی کہ مس اختر کی ایکٹنگ غیر فطری ایکٹنگ کا ایک بہترین نمونہ تھی اور نہ صرف یہ بلکہ اگر حقیقتاً کوئی عورت کسی مرد کی طرف سے اپنے اندر ان جذبات کی پرورش کرے تو وہ قابل پرستش ہے"

محمود شہاب کے یہ الفاظ سنکر چونک پڑا۔ کیونکہ شہاب کے منھ سے یہ بالکل نئی بات اُس نے سنی تھی اور اسلیئے وہ دفعتہً اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور شہاب سے کہنے لگا۔ "شہاب کیا یہ سچ کہتے ہو کیا تمھارا یہ سچا خیال ہے کہ اگر کوئی عورت ایسی نظر آئے تو اسکی قدر کرنا چاہیئے اُسکی پرستش کرنی چاہیئے"

شہاب۔ یقیناً، لیکن ایسی عورت کا دستیاب ہونا میرے نزدیک محال ہے اور فطرت کے مقصود کے خلاف اور عورت کیا مرد بھی صحیح معنی میں کسی عورت سے الفت و محبت نہیں کر سکتا اور اس لیئے مجھے یقین ہے کہ اسوقت یا اس سے قبل جب کبھی کوئی واقعہ حسن و عشق پیش آیا ہے وہ صرف لٹریچر کے لیئے مواد تو ہو سکتا ہے، لیکن اس پر اعتماد کر کے مرد یا عورت کے جذبات کی سائکالوجی مرتب نہیں کی جا سکتی۔ مرد عورت کو چاہتا ہے اور اسمیں ایک خاص غرض شامل ہوتی ہے۔ عورت مرد سے محبت کرتی ہے، اسمیں اسکا ایک مقصود ہوتا ہے۔ لیکن ہم اسپر غور نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ غرض جسقدر قوی ہوتی ہے اسیقدر زیادہ سخت فریب ہم کو حقیقی عشق و

محبت کا دیا جاتا ہے اور ہم اُسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ آج صرف خود غرضی کا نام محبت ہے اور عشق کا مفہوم کچھ نہیں ہے مگر حد درجہ کی مدعا پرستی۔ سوال یہ ہے کہ مرد اور عورت شباب سے گذر جانے کے بعد اس جذبۂ محبت کو کیوں کھو دیتے ہیں۔ اسوقت اُن میں محبت کا مادہ کہاں چلا جاتا ہے؟ کیا سبب ہے کہ صرف جوانی کے زمانہ میں محبت کی جاتی ہے اسکی وجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ جوانی میں جو ہیجان پیدا ہوتا ہے وہ باہم ایک دوسرے کو کھینچ کر ملا دینا چاہتا ہے اور ہم صرف اس لیئے کہ ہمارے اخلاق کی طرف سے کوئی بُرا خیال نہ قائم کیا جائے اس کشمکش کو کشش محبت، جذب صدق وخلوص اور خدا جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ حالانکہ وہاں نہ محبت ہے نہ صدق وخلوص بلکہ صرف تولید خون کی زیادتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عشق ومحبت سے زیادہ مکمل مثال خود غرضی کی اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ صرف ایک ذلیل خواہش پوری کرنے کے لیئے انسان اپنی زندگی تک وقف کر دیتا ہے اور تاوقتیکہ وہ حاصل نہ ہو جائے چین نہیں ملتا۔ میرے خیال میں تو یورپ کے آدمیین و ماہرین فلسفہ وسائنس کو اس استقلال و استحکام سے درس لینا چاہیئے کہ وہ کبھی بڑے سے بڑے مسائل کی تحقیق وتفتیش میں اسقدر ایثار، ایسی جانکاہی، اسدرجہ شغف و انہماک سے کام نہیں لیتے جیسا ایشیا اور علی الخصوص ہندوستان کا عاشق کام لیتا ہے"

طفیل۔ اچھا تو اس نالائق محبت کا وجود کہیں ہے بھی یا یوں ہی اسکی دھوم مچی ہے؟"

شہاب۔ میرے نزدیک محبت کا وجود کہیں نہیں ہے اور اگر ہے تو ایسی جگہ جہاں ہر شخص کی رسائی ممکن نہیں"

طفیل "وہ جگہ عالم کے کس گوشہ میں ہے اُس جغرافیہ میں تلاش کرنے سے پتہ چلے گا؟"

شہاب۔ (ذرا چیں بہ جبیں ہو کر) کیا آپ کو بتا دوں؟ معاف کیجیئے جو شخص محبت کی توہین بلکہ اس کو غارت و برباد کر دینے کی اہلیت میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ آپ حضرت کے سامنے تو اس مقدس جگہ کا نام لینا بھی کفر ہے۔ کیونکہ آج اگر آپ کو معلوم ہو جائے تو کل شام ہونے سے پہلے ہی آپ اُس جگہ کی معصومیت کو خراب کر دیں! ورنہ اُسکی تربیت کیجئے اعتذار۔ طفیل صاحب خدا کے لیئے آپ کبھی محبت کی جستجو نہ کیجیئے گا، آپ کی جو زندگی گذر رہی ہے خوب ہے، آپ کیوں اپنے اس لطف کو ہاتھ سے دیتے ہیں جو ہمیشہ محبت سے جدا رہنے ہی کی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے۔ بلبل کی طرح صرف گلاب بلکہ صرف بہار کے عالم پر سر دھنتا کیا کوئی معقول بات ہے آج کل اُسے حماقت سے تعبیر کرتے ہیں۔ زندگی تو بھونرے کی ہے۔ کبھی اس گل پر بیٹھ گیا اور رس چوس

لیا کبھی اُس کلی سے لپٹ گیا اور اُسکی شیرینی سے لطف اٹھایا۔ جب جی چاہا اُڑ گیا، اور پھر جب موج آئی اپنی سیہ مستی سے غریب کلی کو آکر پھر آزار پہونچانے لگا۔ بھونرے کا یہی کام ہے کہ جسوقت وہ باغ میں بلبل کا نالہ و شیون سنے تو اسپر ہنسے اور بلبل کی یہی شان ہے کہ وہ یہ سب کچھ دیکھے اور اپنے غم میں آخرکار سوکھ کر کانٹا ہو جائے پھر اگر بھونرا آشیانۂ بلبل کا پتہ پوچھے تو میں کیا بتاؤں۔ طفیل صاحب اب میں آپ سے کیا کہوں کہ محبت کا نشیمن کہاں ہے۔ اور آپ اُس کو کہاں دیکھ سکتے ہیں اس ذکر کو جانے دیجئے آپ کیوں اپنی وضع کی توہین کرتے ہیں۔ کہاں یہ کالروٹائی اور کہاں خیال محبت آزمائی معاف فرمائیے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ نے کبھی مرنے محبت نہیں کیا اور نہ ایسا خیال کبھی قائم کیا۔ اس لیئے میں نے عرض کر دیا ورنہ شاید اس درجہ گستاخ آپ کی جناب میں نہ ہوتا میں تو واللہ خواہش کرتا تھا کہ کسی وقت آپ سے پوچھوں گا کہ آپ کی زندگی کی مسرتوں کا کیا راز ہے۔ اور میں بہت پسند کرتا ہوں ایسے شخص کو جو آپ کی طرح زندگی بسر کرے۔ کیونکہ میرے نزدیک دنیا کی لذتوں کو چھوڑ دینے سے زیادہ مشکل اُن کا حل کرنا ہے اور وہ شخص جو اس میں کامیاب ہو جائے یقیناً مرد ہے اور اس قابل ہے کہ یہ آجکل کے محبت کرنے والے، عورت کی ہر ہر تحریر پر مٹ جانے والے اُس سے درس لیں اور معلوم کریں کہ جس چیز کو وہ لذت سمجھکر حاصل کرنا چاہتے ہیں سخت عذاب ہے اور جس چیز کو وہ پانی سمجھ کر اپنی تشنگی رفع کرنا چاہتے ہیں صرف سراب ہے۔

(۸)

"جوانی، آہ یہ جوانی جسکی لذتوں، جسکی کیفیتوں کا بیان الفاظ سے ممکن نہیں، جسکی حقیقت کا اندازہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے، جب وہ کسی کو حاصل ہو، جس کے نشہ کا کیف وہی جان سکتا ہے جس نے اس شراب کو پیا ہو کسقدر جی چاہتا ہے کہ یہ اپنے قابو میں ہو۔ آئے جسوقت اس کا جی چاہے۔ لیکن جائے اسوقت جب ہم چاہیں جب بہار ڈھل جاتی ہے! کاش انسان کی زندگی تو اسی طرح ہوتی کہ اس میں سوائے جوانی کے کچھ نہ ہوتا ساری عمر شباب کے عالم میں صرف ہو جاتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا، اور بدقسمتی سے ہم اس راز کو کبھی نہیں سمجھتے کہ ہماری اس تقریباً نصف صدی کی حیات میں واقعی حیات کتنی ہے اور حقیقت معنی میں زندگی کے دن کتنے ہیں۔ اُسوقت سے کہ ہم دنیا میں آکر ایک بار آنکھ کھولتے ہیں اُسوقت تک کہ پھر وہ ہمیشہ کے لیئے بند ہو جاتی ہے، ہم یہی سمجھتے ہیں کہ اسقدر زمانہ زندگی کا تھا، حالانکہ زندگی تو اسوقت شروع ہوئی تھی، جب ہم نے اول اول کسی کو دیکھکر یہ محسوس کیا تھا کہ دل اسطرف کھنچا جا رہا ہے اور اُس کے اختتام کا لمحہ وہ تھا جب دل نے کہا کہ اس طرح بیباکانہ اپنی نگاہ کو آزاد کر دینا مناسب نہیں۔ دیکھو اور غور کرو کہ زندگی میں کتنے دن

ایسے گذرے کہ معصیت کو معصیت نہ سمجھا، گناہ کو گناہ نہ جانا اور جب یہ معلوم ہو جائے تو شمار کر کے کسی کاغذ پر لکھ کر حفاظت سے رکھ دو کہ اگر کوئی تمہاری عمر یا نسبت کے متعلق سوال کرے تو تم فوراً بتا سکو کہ ہم تو صرف اتنے دن دنیا میں زندہ رہے۔ سمندر کی زندگی یوں تو یکسر طوفان ہے، لیکن دنیا میں صرف وہی طوفان یادگار رہ جاتا ہے۔ جو ساحل کی پرواہ نہ کرے اور بستی کی بستی کو بہا لے جائے، برسات میں روز بادل اٹھتے ہیں اور برستے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ لیکن صبح کو جس ابر کے ٹکڑے کا ذکر ہر زبان پر ہوتا ہے وہی ہے جو تالابوں کو لبریز ندیوں کو طوفان خیز، مکانوں کو مسمار اور راستوں کو دشوار گذار بنا جائے، یوں تو وہ کون ہے جس پر شباب اور کیفیات شباب طاری نہیں ہوتیں، لیکن سچ پوچھیے تو جوانی اسی شخص کی ہے جسکو دیکھکر کم از کم دس آدمی تو سنتوں میں ایسے کہنے والے ہوں کہ اس نے بھی اپنی جوانی کس بری طرح ضائع کی ہے، دنیا میں اگر کوئی چیز صرف ضائع کرنے کی ہی تو وہ جوانی ہے اور یہی وہ بربادی ہے جس کے خیال میں بھی قریب قریب وہی لذت ہے، جیسی نفس بتاہی میں۔ لوگ کہتے ہیں کہ جوانی سے زیادہ قیمتی چیز کوئی نہیں اور اسلئے اسکی حفاظت ضروری ہے۔ میں کہتا ہوں یہ قیمتی ہی صرف اس لئے ہے کہ اسکی حفاظت نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی اسکو محفوظ رکھ سکے تو وہ جوانی نہیں ہے بلکہ اور کچھ بلا ہے۔ جسکی زمانہ قدر کرے لیکن کم از کم میری نگاہ میں تو اس کی کوئی عزت نہیں''

یہ تھی طفیل کی ایک تقریر جو دوران گفتگو میں اس نے مسئلہ شباب کے متعلق شہاب و محمود کے سامنے کی شہاب جو نہایت خاموشی سے سن رہا تھا اور کبھی کبھی مسکرا پڑتا تھا، "درست ہے" کہکر اس گفتگو کو ٹال دینا چاہتا تھا۔ لیکن یہ دیکھکر کہ محمود اس سے بہت متاثر ہو رہا ہے اور اس تقریر کی سمیت کو نہایت حرص کے ساتھ اپنے دل میں جگہ دینا چاہتا ہے، شہاب خاموش نہ رہ سکا اور بولا "طفیل صاحب آپ نے جو کچھ اسوقت جوانی کے متعلق کہا وہ وہی ہے جس پر دنیا عمل کرتی ہے، اور اس لئے کوئی نئی بات نہیں۔ فرق یہ ہے کہ لوگ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں اور آپ اسے کر دکھاتے ہیں افسوس ہے کہ آپ نے جوانی کی لذت کو کسقدر محدود کر دیا اور اسکی کیفیات کو کس درجہ تنگ۔ یہ تو آپ نے جو کچھ کہا اسکی وہ ادنیٰ لذت و کیفیت ہے جسکو ایک رذیل ترین حیوان بھی بغیر کہے ہوئے، بغیر بتائے ہوئے سمجھ لیتا ہے اور عمل کرنے لگتا ہے۔ پھر آپ اگر اپنے تئیں انسان کہنے کے بعد بھی جوانی کا مفہوم وہی کچھ سمجھتے ہیں جو سامنے اڑنے والا طائر تو میں مجبور ہوں کہ اس کو بھی انسان کہوں اگر آپ کو جوان نہیں کہہ سکتا۔ دیکھیے آپ نے خود جوانی کو لذت کہا ہے اور اس

لذت کا انحصار صرف اس کے ضائع کرنے پر رکھا ہے، لیکن آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ نفس مفہوم ضائع کرنے کا قاطع لذت ہے اور عدم وجود کا اجتماع محال پھر علاوہ اس کے آپ کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جوانی کی حفاظت میں کوئی کیفیت نہیں اگر آپ کبھی اس کی کوشش کرتے تو آپ دونوں حالتوں کا فرق معلوم کر سکتے تھے، ممکن ہو وہ شخص جو جوانی کو ضائع کرنے کی چیز نہیں سمجھتا وہ اُس کے قیام میں زیادہ لطف پاتا ہو۔ یقیناً جوانی انسانی زندگی کا بہترین زمانہ ہے لیکن اسکی خوبی اسکی محتاج نہیں کہ اس کے لیئے کسی دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہو اور اسلیئے میرے نزدیک صرف جوانی کا علم ایک جوان آدمی کے لیئے کافی ہے اور پھر اُس کوشش میں یہ بھی بھول جانا چاہیئے کہ وہ جوان ہے یا کیا، فطرت کا مقصود اصلی انسان کے پیدا کرنے سے صرف یہ ہے کہ وہ مناظر فطرت و مظاہر قدرت کو دیکھے اور اُن میں محو ہو جائے اور یہی مقصود پورا کرنے کے لیئے وہ ایک شخص کو جوان بناتی ہے لیکن آپ فرماتے ہیں کہ ...."

شہاب اپنی تقریر کو ختم نہ کر چکا تھا کہ باہر دروازہ پر کسی گاڑی کے ٹھہرنے کی آہٹ معلوم ہوئی اور طفیل گھبرا کر یہ کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا کہ مس اختر آگئیں۔ (باقی آیندہ)

شعرِ منثور

باغبان کی لڑکی جہاں پھول چنا کرتی ہے، میں روز جاتا ہوں اور نیبو کی جھاڑیوں میں چھپ کر اُسے دیکھا کرتا ہوں، وہ مجھے اسطرح چھپا ہوا دیکھتی ہے اور آپ ہی آپ ہنستی ہے۔

ایک روز وہ پھول چنتے چنتے بیٹھ گئی، میں چپکے سے اُس کے پیچھے جا کر کھڑا ہوا، اُسنے مجھے دیکھا اور آنکھیں نیچی کرلیں، میں نے کہا "میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔" اُس کے گال رہ رہ کر رنگ بدلنے لگے، مگر وہ کچھ نہ بولی میں نے پھر وہی کہا۔ اُس کا چمپئی رنگ زرد ہو گیا، مگر اب بھی چپ رہی۔ میں نے پھر وہی کہا۔ اُس نے نگاہیں اُٹھائیں، اُس کے ہونٹوں میں ایک تھرتھراہٹ آئی، مگر اُس نے مجھ سے کچھ نہ کہا۔

ایک روز میں نے اُس سے کہا "تجھے میری محبت نہیں" سینہ پر اُسکی اوڑھنی کا پلّو جلدی جلدی ہلنے لگا، مگر کچھ نہ بولی۔ میں نے پھر وہی کہا۔ اُسکی کنپٹی کے چمپئی رنگ میں ایک نیلا ڈورا اُبھر آیا، اور پھڑکنے لگا، لیکن وہ اب بھی چپ تھی، میں نے پھر وہی کہا، اُسنے میری طرف سے مُنہ پھیر لیا، لیکن اُسی طرح خاموش رہی،

ایک روز میں نے اُس سے کہا "تیری محبت میری جان لیکر چھوڑیگی" میں نے اُسکے سینہ کی دھڑکن تو سنی لیکن اُس کے مونہہ سے ایک لفظ نہ نکلا، میں نے پھر وہی کہا۔ اُس کا سارا بدن کانپنے لگا، مگر وہ بدستور خاموش تھی، میں نے پھر وہی کہا، اُسکی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے، مگر کچھ نہ بولی۔

اُس کے سامنے تو نہیں، لیکن جب میری رات کی تنہائیاں اُسکے مناظرِ سکوت سے معمور ہو جاتی ہیں، تو میں اس افسانۂ محبت کو یکجا مرتب کر دینا چاہتا ہوں، جسے اُس نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے صرف میری روح کو سنایا تھا۔

ل - احمد

نومِ طویل

جنگ عظیم کے دوران میں ایک مرتبہ شل گولہ فرانسیسی فوج کے قریب آکر گرا جس کے اجزائے منتشرہ سے بہت سی جانیں تلف ہو گئیں، اور مجروحین کو شفاخانوں میں علاج کی غرض سے بھیجا گیا، اُن میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس کے جسم پر کوئی زخم نہیں لگا تھا، مگر گولہ پھٹتے ہی وہ ایک گہری نیند سو گیا تھا،

طویل عرصہ تک سو جانا کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے پہلے صدہا واقعات نوم طویل کے گذر چکے ہیں، مگر اس سپاہی کی نیند نے بہت زیادہ طول کھینچا، کچھ دنوں بعد وہ سپاہی ایک ہسپتال میں لایا گیا، وہ برابر سو رہا تھا واقعہ مذکورہ کے اکیس ہفتہ کے بعد وہ بوردو کے شفاخانہ میں لایا گیا، جہاں عصبی امراض کا خاص طریقہ پر علاج ہوتا ہے، اس کے بعد جنوری کے مہینہ میں یعنے ۲۹ مہینہ کے بعد وہ پیرس بھیج دیا گیا، جہاں اُس سونے والے کا مکان تھا، اس طویل خواب کے زمانے میں اُس کی عورت اس کی خدمت کرتی رہی، اُس کے بعد اُس کا حال معلوم نہیں ہوا کہ وہ اپنے خواب راحت سے بیدار ہوا، یا ابھی اسکی نیند پوری نہیں ہوئی ہے، لیکن اتنا ضرور سنا گیا تھا کہ اب اس کی نیند پہلے کی طرح گہری نہیں رہی ہے۔

یہ سب سے آخری واقعہ ہے جو نوم طویل کے متعلق اس عہد میں مدون کیا گیا ہے اس سے پہلے اطبا نے متعدد واقعات گہری نیند کے بیان کئے ہیں، جس کے مقابلہ میں اس سپاہی کی نیند ایک خفیف سے قیلولہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، کیونکہ زمانۂ ماضی میں بہت سے ایسے سونے والے گذرے ہیں جو کئی سال تک محو خواب رہے، مرگریٹ ایک فرانسیسی عورت، ۲ سال تک سوتی رہی۔

ان خوفناک حوادث کا شکار اکثر عورتیں ہوتی ہیں جن کے عصبی نظام میں کوئی زبردست خلل پیدا ہو جاتا ہو طویل نیند سونے والوں کی تاریخ حیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب اعصاب کے کسی سخت مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان کے اعصاب میں اضطراب اور ہیجان پایا جاتا تھا، اور انھیں دماغی دورے ہوتے ہیں۔

بعض لوگ متعدد مرتبہ طویل نیند سوتے ہیں اور ہر مرتبہ بعد کی نیند پہلے سے زیادہ طویل ہوتی ہے، اکثر اوقات یہ کیفیت کسی خارجی واقعہ سے پیدا ہوتی ہے جس سے دماغ متاثر ہو جاتا ہے اور بعض صورتوں میں محض داخلی سبب کی بنا پر نوم طویل واقع ہو جاتی ہے۔

سب سے زیادہ عجیب تر یہ بات ہے کہ بعض لوگوں کو سالانہ ایک خاص زمانہ میں نوم طویل کا دورہ ہوتا ہے ماریا الیون جو اٹھارویں صدی کی ایک خاتون ہے اسی مرض میں مبتلا تھی، پہلی مارچ سے ۱۵ مارچ کی آدھی رات تک اُس کا دورہ رہتا تھا، چونکہ وہ اسکی عادی ہوگئی تھی اس لیئے ایک دن پہلے اس کا اہتمام کرلی تھی معمولی لباس اتار کر سفید کپڑے پہن لیتی تھی اور صلیب سینہ پر رکھ کر نوم طویل کے حملہ کے لیئے تیار ہوجاتی تھی اور وقت معین پر اُسے نیند آجاتی تھی

اس قسم کی طویل نیند سونے والوں کی حالت تقریباً یکساں ہوتی ہے، سب پر ایک مکمل سکون وجمود طاری ہوجاتا ہے، اور ہر خارجی شے سے متاثر نہیں ہوتے یہاں تک کہ اگر ان کی زبان پر تلخ ترین دوا رکھی جائے تو بھی اُنہیں خبر نہیں ہوتی۔ البتہ عضلات بعض وقت سخت اور کبھی نرم ہوجاتے ہیں —— کبھی جسم اسقدر زار اور لاغر ہوجاتا ہے کہ دیگر امراض اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔

طویل نیند سونے والوں کا غذا۔ انسانی حیات کی حفاظت کے لیئے کچھ نہ کچھ غذا کا ہونا لازم ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ طویل نیند والوں کو غذا کی ضرورت پیش نہیں آتی اور وہ بغیر کھائے پیئے مدتوں تک زندہ رہتے ہیں۔ بعض سونے والے اس قسم کے ہیں جنہیں کچھ نہ کچھ غذا دیجاتی ہے جو اکثر چند چمچے دودھ، یا انڈے کی زردی یا اسی قسم کی اور کوئی لطیف غذا ہوتی ہے، ان بیمار غذاؤں کو سونے والا اکثر اوقات نگل لیتا ہے اور یہی اُس کے تغذیہ کے لیئے کافی ہوتی ہیں۔ بعض صورتوں میں سونے والے کے معدہ میں خاص قسم کی نلکیوں کے ذریعہ سے غذا پہنچائی جاتی ہے، بعض مریض ایسے ہوتے ہیں کہ تیسرے چوتھے دن کھانا اُن کے لیئے کافی ہوتا ہے لیکن بعض سونے والوں کے عضلات میں تشنج ہونے کی وجہ سے اُن کا منہ نہیں کھل سکتا ایسے لوگوں کو غذا دینے میں سخت دشواری پیش آتی ہے، ایسی حالت میں ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ قوت سے اُن کا منہ کھولا جائے، چنانچہ ایک مریضہ کا منہ آلات کے ذریعہ سے کھولا گیا، مگر وہ پھر بند نہ ہوسکا

بعض سونے والے ایسے ہوتے ہیں جو مطلقاً غذا نہیں کھاتے، چنانچہ ماریا الیون جس کا ذکر اوپر کیا گیا، اسنے انیس دن کے دورہ خواب میں کوئی چیز نہ کھائی تھی، لیکن سب سے زیادہ تعجب خیز حالت ایک اسپینی عورت کی تھی اس کا نام لیتھیاف تھا، ابتدا میں اُسے ضعف عقلی کا مرض لاحق ہوا، اور بتدریجاً اُس کا مرض بڑھتا گیا پھر اُس پر ایک طویل سکون وجمود طاری ہوگیا، لیکن یہ سکون گہری نیند نہ تھی بلکہ وہ دیکھتی اور سنتی تھی اور جو کوئی اُس کے قریب جاتا تھا تو اپنا منہ چھپا لیتی تھی، تیس سال تک اُس کا یہی حال رہا، ابتدائی دس سال میں ہر روز اُس کے

گھر والے چند چمچ دودھ اُسے پلا دیا کرتے تھے، لیکن اس کے بیس سال کے عرصہ میں خالص پانی کے سوا اُس کے منہ میں کچھ نہ گیا جس کی روزانہ مقدار ایک سو پچیس گرام سے زیادہ نہ تھی۔

ان واقعات کی سوائے اس کے اور کچھ توجیہ نہیں ہو سکتی کہ جسمانی اور عقلی جمود عارض ہو جاتا ہے۔ اور اعضا کی حرکت بالکل سکون کے قریب ہو جاتی ہے، اس لیے انسان کی احتیاج غذا کی طرف بہت کم ہوتی ہے اور تغذیہ کے لیے وہ چربی کافی ہو سکتی ہے جو انسان کے بدن میں موجود ہے یہی سبب ہے کہ اس قسم کی نوم طویل کے بعد سونے والا کمزور ہو جاتا ہے۔

جاگنے کے بعد ان کی کیا حالت ہوتی ہے؟ جو لوگ تھوڑے عرصہ تک سو کر اٹھتے ہیں وہ بالکل اسی طرح بیدار ہوتے ہیں جس طرح معمولی نیند کے بعد انسان جاگ اٹھتا ہے، ماریان دولیون جو ۱۹ دن کے بعد بیدار ہوتی تھی اسے جاگتے وقت ایک چھینک آیا کرتی تھی لیکن اس طویل خواب کے بعد حد درجہ ضعف اُس پر طاری ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ اُس کی آواز مشکل سے سنائی دیتی تھی، سوتے وقت اُس کا منہ باندھ دیا جاتا تھا تاکہ خشک ہو جائے جاگنے کے بعد اُسے میوے اور مادام شیریں کو پلائے جاتے تھے اور چند روز کے بعد وہ پھر اچھی خاصی ہو جاتی تھی،

بعض وقت اس قسم کے سونے والے کسی خارجی آواز سے بیدار ہو جاتے ہیں ایک مرتبہ ایک عورت گھنٹوں کی آواز سے جاگ اٹھی جو اُس کے خاوند آتشزدگی کی اطلاع کے لیے بجائے جا رہے تھے۔

طویل نیند سونے والے بیدار ہونے کے بعد اکثر کسی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور نہایت شاذ صورتوں میں ان کی اصلی قوت واپس آسکتی ہے۔

وہ تمام وسائل جو ایک معمولی سونے والے کو بیدار کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، نوم طویل کے حق میں غیر مفید ثابت ہوتے ہیں۔

سب سے زیادہ عجیب تجربہ اس مقصد کے لیے ایک ڈاکٹر نے کیا تھا جو ایک حد تک کامیاب ثابت ہوا، اُس نے اس بات کی کوشش کی کہ اس غیر طبعی نوم کو نوم طبعی بنایا جائے۔ چنانچہ اس نے مریضہ کو نیند لانے والی دوائیاں سنگھانا شروع کیں، وہ چاہتا تھا کہ اس طریقہ سے اُس کے نفس پر اثر ڈالا جائے، چنانچہ اس کا عمل مفید ثابت ہوا اور سونے والی نیند سے اٹھ بیٹھی مگر وہ کھانا، پینا، بالکل بھول گئی تھی، بچوں کی طرح اسے اکل و شرب کی تعلیم دی گئی۔

نوم طویل کیا چیز ہے؟ اگر ہم نوم طویل کی یہ وجہ بیان کریں کہ اس قسم کی نیند کسی اعصابی خلل سے پیدا ہوتی

ہے، تو یہ تعلیل مجہول کی مجہول کے ساتھ ہوگی، کیونکہ جب تک اس عمل کی تشریح نہ کیجائے وہ بھی مجہول ہے، ڈاکٹر بریلو فرانسیسی نے اس کی ایک نئی توجیہ بیان کی ہے، وہ کہتا ہے کہ دماغ میں ایک مرکز ایسا ہے جو نیند کا مقابلہ کرتا ہے، اور انسان کو سونے سے باز رکھتا ہے، بعض مخصوص حالات میں وہ مرکز کسی سبب سے فاسد ہوکر اپنا فعل چھوڑ دیتا ہے، اور انسان سو جاتا ہے، پھر کوئی چیز اس کے بیدار کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔

لیکن ہمارے خیال میں نوم طویل کی تعلیل بیان کرنے سے پہلے نوم طویل اور معمولی سونے میں فرق کرنا ضروری ہے، اور چونکہ ابھی تک معمولی نیند کی حقیقت اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتی ہے، اس لیئے بجائے تعلیل اور توجیہ کے فی الحال نوم طویل کے واقعات جمع کردینا ہی کافی تھے۔

اڈیٹر

غزل

یہی جرأت رہی باقی جو شوق بے محابا میں　　تو اک دن اُن کا دامن آئیگا دست تمنا میں

خدا کی شان ہے، تکمیل ہے اب دلربائی کی　　شباب حسن کی رنگینیاں ہیں روئے زیبا میں

ذرا دیکھے تو کوئی میرے عشق کارفرما کو　　کہ خود منزل کھنچی آتی ہے پائے دشت پیما میں

ہماری خواہش دیدار پر وہ چیں بہ ابرو ہیں　　مگر رنگ تبسم بھی ہے اس تمکین بیجا میں

بجا ہے، میری رسوائی کو تجھ سے کیا تعلق ہو　　تری بے پردگی کو دخل کیا ہو عشق رسوا میں

ہمیں کیا عیش و عشرت سے کہ ہم واقف نہیں اس سے　　گذاری نوجوانی ہمنے ناکامی کی دنیا میں

وہ رسوائی، وہ چرچے عاشقی کے یاد آتے ہیں
ہمیں لاہور یاد آتا ہے عابد کوہ و صحرا میں

عابد

چند دن فضائے کشمیر میں

ہر چند میرا کشمیر جانا اس شعر کے حدود فلسفہ سے آگے نہیں بڑھتا کہ:-

ہوں میں بھی تماشائی نیرنگ تمنا   مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آئے

لیکن یہ واقعہ ہے کہ کشمیر سے واپس آنے کے بعد ہی مجھکو حقیقی معنے میں یہ معلوم ہو سکا کہ کسی کے "خیال" سے روح کیونکر "اہتزاز" کرسکتی ہے، گو میں اپنی نامرادی کے لحاظ سے بہ انداز غالب "جلوہ ریزی باد" اور "پرفشانی شمع" کی قسم تو نہیں کھا سکتا۔

ہر چند میری آلودۂ عصیاں زندگی اس کی اہل تو نہ تھی کہ اس "جنت ارضی" میں بھی بار پاسکوں، لیکن "بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم" خوش قسمتی سے چند پاک و مقدس ہستیوں کی شفاعت مجھے حاصل ہوگئی اور آخر کار میں اس جگہ پہونچ سکا، جس کی نسبت میں اسوقت تک فیصلہ نہیں کر سکا، کہ وہاں ایک انسان گناہ کرنا سیکھ سکتا ہے یا مرتاض بن جانا۔

میں نے تقریبًا ایک ماہ کے قیام میں وہاں کیا دیکھا اور کن تاثرات کو لیکر واپس آیا، اس کا حقیقی اظہار تو خیر میں کیا کرسکتا ہوں، لیکن یہ فرض کرنے کے بعد، کہ میرے دل میں بھی کوئی آرزو پیدا ہو سکتی ہے، میری نگاہیں بھی کسی نظارہ سے بیتاب ہو سکتی ہیں، مجھے کم از کم اس حقیقت کا اعتراف تو کرنا ہی چاہیئے کہ:-

تماشا کامیاب آیا، تمنا بیقرار آئی

انسان کی فطرت ہے کہ جب کسی غیر معلوم چیز کا ذکر اس کے سامنے کیا جاتا ہے، تو ذہن میں اس کی ایک تصویر قائم ہوجاتی ہے اور جب وہ چیز نظر آتی ہے، تو اسی خیال کے ماتحت اس کے حسن و قبح پر حکم لگاتا ہے، پھر اکثر صورتوں میں وہ خیالی تصویر بہ نسبت حقیقی صورت کے زیادہ دلکش ثابت ہوتی ہے، لیکن آپ یاد رکھیئے کہ کشمیر میری خیالی تصویر سے بھی زیادہ حسین نکلا، اور اسلیئے میں کہہ سکتا ہوں کہ سرزمین کشمیر کا حسن میری پرواز خیال سے بھی زیادہ ملبند ہے اور قدرت کی جمال آفرینیاں، انسان کے وہم و گمان اور تصور و قیاس سے بہت زیادہ ارفع و اعلیٰ ہیں ——— میں سنا کرتا تھا کہ سلسلۂ ہمالیہ اپنی آغوش میں خدا جانے کیسے کیسے مناظر جمیل لیئے ہوئے ہے، لیکن اس کا مشاہدہ اول بار مجھے اسی وقت ہوا جب میں نے حدود کشمیر میں قدم رکھا، اور نظارہ ہائے جمال کی فراوانی میں (جو ملا ظہیرالدین تفرشی کی زبان "ترفی رسۃ مبتوۃ"

جو اسکاٹ ہیں، مجھے گم کر دینا از بس آسان ہو گیا۔

یوں تو راولپنڈی سے چند میل طے کرنے کے بعد ہی ہمالیہ کے نشیب و فراز سے سروکار ہو جاتا ہے، لیکن کوہ مری کی بلندی پر پہونچکر ایک انسان پوری طرح محسوس کرنے لگتا ہے، کہ وہ کسی ایسی سرزمین میں آ گیا ہے، جو اپنی جائے وقوع، اپنے مناظر اور اپنے ماحول کے لحاظ سے بالکل نئی چیز ہے، مری، ہمالیہ کی نہایت حقیر سی چوٹی ہے، جو تقریباً ساڑھے چھ ہزار فٹ بلند اور اپنے موسم کے لحاظ سے نہایت دلکش چیز سمجھی جاتی ہے، موسم گرما میں راولپنڈی و دیگر ملحقہ اضلاع کے فرنگی پنجاب کی شدید گرمی سے گھبرا کر سر چھپانے یہاں آ جاتے ہیں، اور اوائل اکتوبر تک قیام کرتے ہیں، دن کے چھ گھنٹے اور ایک پوری بھیگی ہوئی رات یہاں کی ہمیں بھی میسر آئی، اور اس قلیل فرصت میں ایک سرسری "طیرانِ نگاہ" سے جو کچھ دیکھا جا سکتا ہے ہم نے بھی دیکھ لیا، اس سفر میں ہمارے ایک دوست کی "تاریخ جراحت پذیری" یہیں سے شروع ہوتی ہے، دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا۔

دوسرے دن دوپہر کے قریب مری کی بلندیوں سے رخصت ہوئے، اب ہم فراز سے پھر نشیب کی طرف جا رہے ہیں، ہمارے ایک طرف پہاڑ کی بلندیاں ہیں، اور دوسری طرف وادی کا ناقابل اندازہ عمق، سڑک پر پیچ و خم ہے اور راستہ تنگ، موٹر کا انجن ساکن ہے، لیکن اس کے پہیے متحرک، دو بجے کے قریب کوہالہ پہونچے، جہاں دریا جہلم کو عبور کر کے حدود کشمیر میں داخل ہونا پڑتا ہے،

کوہالہ سے پھر راستہ بلند ہونا شروع ہوتا ہے، اور پل سے نکلتے ہی فضا کی "کشمیریت" شروع ہو جاتی ہے بائیں ہاتھ پر سیکڑوں فٹ کے عمق وادی میں پر شور دریائے جہلم ہمارے ساتھ ساتھ ہے اور داہنے جانب زمردین سلسلۂ ہمالیہ کی حسین بلندیاں، ہوا خنک ہے، اور موسم حد درجہ خوشگوار، ابر پہاڑ کے شگافوں، اور چوٹیوں سے جا بجا اٹھ رہا ہے، دھانوں کے کھیت لہلہا رہے ہیں، اور سارا منظر یکسر طلسم بند نظر آ رہا ہے۔

شام کو ۴ بجے دومیل پہونچے، یہ وہ مقام ہے جہاں ایک اور دریا آ کر جہلم میں گرتا ہے، یہاں بھی ایک پل ہے، لیکن ان لوگوں کو عبور کرنا پڑتا ہے، جو ایبٹ آباد کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ نصف گھنٹہ سے زائد یہاں کسٹم کی چوکی پر صرف ہوا اور پھر آگے بڑھے، رات کو اڑی میں قیام کیا، اور زندگی میں پہلا موقعہ تھا کہ چودھویں کے چاند اسقدر حسین و جاذب نگاہ نظر آیا ہو،

تیسرے دن پھر سفر شروع ہوا، بارہ بجے بارہ مولا پہونچے، اور دو بجے سری نگر، بارہ مولا تک دریائے جہلم ہمارے ساتھ رہا اور بارہ مولا سے سفیدار کے درختوں نے ہماری پذیرائی کی جو ۳۴ میل تک دورویہ سڑک پر

قائم ہیں۔ سفیدار، کشمیر کا شمشاد ہے، جو سیدھا خطِ مستقیم میں سو ڈیڑھ سو فٹ تک بلند چلا جاتا ہے، اور اپنی رعنائی کے لحاظ سے حد درجہ حسین درخت ہے۔

غالباً دنیا میں سری نگر ہی ایک ایسا مقام ہے جس کا راستہ اسقدر جاذب قلب و نگاہ ہو۔ تقریباً سوا سو میل تک دریا کا ہمرکاب ہونا، سبز پوش کوہستان کا اپنے تمام مناظر جمیل کو نگاہوں کے سامنے بے نقاب کر دینا، قدرتی چشموں سے برف آب کا سبز جھاڑیوں کے اندر سے ہوکر بلندی سے قطرات مسلسل کی صورت میں گرنا، انار اور دوسرے متنوع الالوان پھولوں کی خوشنما جھاڑیوں کا دامن وادی میں حاشیہ کی صورت سے پھیلا ہوا ہونا، ایک ایک ذرہ سے طراوت و خرمی، تازگی و شادابی کا اُبل پڑنا، دریا کا اپنے ہر پیچ و خم پر ایک نیا لوچ دل میں پیدا کر جانا، کوہستان کے متعدد مخملی چوٹیوں کا زاویۂ نگاہ کی ہر تبدیلی پر ایک جدید جنت نگاہ پیش کرنا اور پھر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر سیہ چشمان کشمیری کا نظر سے گذرتے رہنا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہم کسی دوسری خدائی میں پہونچ گئے ہیں، اور یہاں کی ہر ہر چیز ہم سے خراجِ شباب طلب کر رہی ہے۔

سری نگر دریائے جھیلم اور ڈل جھیل کے سواحل پر واقع ہے، لیکن اسطرح کہ متعدد، رقیق و سیال سڑکیں نہریں جھیلم اور ڈل سے نکال کر ان پر دو رویہ دوکانات و مکانات بنا دیے گئے ہیں جن تک پہونچنے کے لیے ایک دنیا ہے کہ کشتیوں پر سفینۂ آب کو چیرتی ہوئی نظر آتی ہے، گویا سری نگر، ہندوستان کا وینس ہے، اور یہاں کی آبادی اس علم الاصنام کی یاد کو تازہ کرنے والی ہے جسکے صحیفے زوال روما کے بعد شاید کشمیر ہی میں منتقل کر دیے گئے تھے، اور جنہوں نے یہاں کی "حیات بخش" فضا میں آکر زندگی اختیار کر لی۔

خان بہادر سراج الدین احمد صاحب میر منشی رزیڈنسی نے ہمارے لیے پہلے ہی سے ایک خوشنما ہاؤس بوٹ مخصوص کر لی تھی، جو دریائے جھیلم کی ایک نہر میں پڑی ہوئی تھی اور ڈل کے دروازہ سے بالکل قریب تھی۔

سری نگر کا موسم زیادہ اچھا نہیں، لیکن ڈل کی دلچسپیوں نے کئی دن تک ہمارا دامن نہ چھوڑا، اور کسی طرح سمجھ میں نہ آیا کہ اس کے سرد و شفاف پانی، اس کے خوشنما و رنگین کنوئوں، کوہ و دامن کوہ کے سرسبز اور دل میں گھر کر لینے والے مناظر سے کیونکر آسودگی حاصل کی جا سکتی ہے۔ نسیم باغ، شالامار باغ اور نشاط باغ، جن کو دیکھ کر جہانگیر کی نشاط پرست زندگی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے، اسی جھیل کے کنارے واقع ہیں۔ نسیم باغ میں اب صرف چنار کے درخت نظر آتے ہیں اور سوائے اس کے کہ یہاں سے جھیل اور سامنے کے پہاڑوں کا منظر نہایت دلفریب ہے اور کوئی خصوصیت قابل ذکر نہیں ہے۔ شالامار باغ اور نشاط باغ میں اب بھی ہر اتوار کو آبشاریں جاری

کی جاتی ہیں اور فوارے زندہ ہوتے ہیں۔ اس سے قبل باغ کا جو مفہوم میرے دماغ میں تھا وہ یہاں آنے کے بعد بالکل بدل گیا، اور سب سے پہلے شالامار باغ و نشاط کو دیکھ کر سمجھ میں آیا کہ گلستان کا حقیقی مفہوم کیا ہو سکتا ہے اور طوفان بہار، سیلاب رنگ و بو، اور تراکم ریاحین و ازہار کسے کہتے ہیں، یہاں کا سبزہ اسقدر نرم، اور اتنا گھنا اور بڑا ہے کہ باوجود ترش جانے کے ٹخنوں تک پاؤں اندر غرق ہو جاتا ہے،

ایک اتوار ہم نے نشاط باغ میں صرف کیا، اور باور کیجئے کہ اتنی حسین صورتیں وقت واحد میں کبھی ہماری قوت متخیلہ بھی جمع نہیں کر سکی، شام کو جس وقت وہاں سے واپس آئے تو سر چکرا رہا تھا، اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دماغ دکھ رہا ہے اور اب اسمیں حسن کے کسی جزو لا یتجزے کے سمانے کی بھی گنجائش باقی نہیں رہی

سبزہ لہلہا رہا تھا، سیکڑوں فوارے (سرو رقیق کی طرح) بلند ہو رہے تھے، آبشاریں جاری تھیں متنوع الالوان پھولوں کے تختے قالینوں کی طرح بچھے ہوئے تھے۔ سیب جابجا بکھرے ہوئے تھے، سرو قدان پنجاب اور سیہ چشمان کشمیر کے جھرمٹ عقد پرویں کی طرح جابجا نظر آ رہے تھے، قوت انتخاب مجروح تھی، اور ہم میں سے ہر شخص اپنے کو بالکل کھویا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

کشمیر نام سری نگر کا نہیں، بلکہ اس کے مضافات و حوالی کا ہے، اس لیئے سری نگر جانا منزل مقصود تک پہونچ جانا نہیں ہے، بلکہ حقیقی سیاحت تو اس کے بعد شروع ہوتی ہے، چنانچہ آٹھ نو دن سری نگر میں بسر کرنے کے بعد ہم لوگ اسلام آباد پہونچے، یہ کشمیر کا ایک ضلع ہے اور سوائے اس کے کوئی خصوصیت اس میں نہیں ہے کہ یہاں گندھک کا چشمہ جاری ہے، اور یہیں سے لوگ دیگر مشہور مقامات کو جاتے ہیں، یہاں سے چلکر ہم نے جھیلم کا منبع دیکھا جسے ویری ناگ کہتے ہیں، اس چشمہ کو جہانگیر نے ایک ہشت پہل باؤلی میں تبدیل کر دیا تھا جسکا ہر پہلو سولہ گز کا ہے عمق کا حال معلوم نہیں، لیکن کہا جاتا ہے کہ ۸ گز تک تو خود باؤلی کا عمق ہے اور اس کے بعد نہیں کہا جا سکتا کہ سرچشمہ کسقدر عمیق ہے، اس کا پانی اسقدر سرد ہے کہ ایک سانس میں پوری گلاس کا پینا دشوار ہے اس حوض میں مچھلیاں کثرت سے موجود ہیں، ایک محراب میں پتھر کی کوئی مورت رکھ کر ہندوں نے اسے بھی تیرتھ کی جگہ قرار دیدیا ہے اور دو چار کشمیری پنڈت ہر سیاح کے سر پر طلب انعام کے لیئے مسلط ہو جاتے ہیں۔ اس حوض کے قریب قدیم شاہی باغ ہے اور متعدد عمارتوں کے منہدم آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ یہ عمارتیں جہانگیر نے بنوائی تھیں، چشمہ سے لیکر ان عمارتوں تک زمین دوز نل لائے گئے ہیں جن سے اب بھی کہیں کہیں پانی جاری ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ان عمارتوں سے حمام کا کام لیا جاتا تھا، ان عمارتوں کی تعمیر کو سوا تین سو سال

سے زائد زمانہ گذر چکا ہے، لیکن چونہ باقی رہ گئے ہیں ان کی مضبوطی کا بھی یہ عالم ہے کہ مشکل سے آپ ان کا کوئی ٹکڑا علیحدہ کر سکتے ہیں۔

دوسرے دن اچھابل دیکھا، یہاں بھی پہاڑ سے ایک چشمہ آبشار کی صورت میں گرتا ہے اور جہانگیر کا بنوایا ہوا اک باغ موجود ہے، ریاست کشمیر نے فرنگیوں کی خاطر سے انگریزی مچھلی ٹروٹ (Trout) کی ایک پرورش گاہ یہاں بنادی ہے، اس جگہ کا موسم نہایت ہی خوشگوار ہے، اور اکثر لوگ تبدیل آب و ہوا کے لیے یہاں آکر مہینوں قیام کرتے ہیں۔

اس کے بعد ہم مٹن اور عیش مقام ہوتے ہوئے پہلگام پہنچے، مٹن میں بھی ایک آبشار موجود ہے اور جہانگیر نے یہاں بھی ایک باغ بنوادیا تھا، جو اب معدوم ہے، اس گاؤں میں بالکل کشمیری پنڈتوں کی آبادی ہے،

حزیں یہاں نہیں آیا، ورنہ وہ بنارس کے متعلق کبھی نہ لکھتا کہ "ہر برہمن بچہ لچھمن و رام است اینجا" عیش مقام میں نہایت بلندی کے اوپر کسی بزرگ زین شاہ کا مزار ہے جو نہایت پرپیچ غار کے اندر پایا جاتا ہے، یہ گاؤں سارا کا سارا اچھا اور ہے اور ایک انسان کے لیے اسطرف کا رخ کرنا مشکل ہے۔

عیش مقام کے آگے کھٹ کوٹ تک ہم لوگ تانگوں پر گئے اور وہاں سے پہلگام تک گھوڑوں پر یہ راستہ ایک نہر کے کنارے کنارے واقع تھا، جو دریائے لیدر سے نکالی گئی ہے اور بہت دور تک پہاڑ کے اوپر ہی اوپر چلی گئی ہے۔ پہلگام، کشمیر کے حسین ترین وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔ دریائے لیدر اور ششیش ناگ دونوں اس جگہ ملے ہیں اور یہاں کا منظر اسقدر حسین و فرح بخش ہے کہ کسی طرح نگاہ سیر نہیں ہوتی۔

ایک دن قیام کرنے کے بعد ہم کولہائی گئے جہاں ایک برف پوش پہاڑ سے دریائے لیدر نکلتا ہے، ہرچند راستہ بارش کی وجہ سے خطرناک و دشوار گذار تھا، لیکن برف دیکھنے کا شوق کشاں کشاں ہم لوگوں کو لے گیا اور سفر کے تمام صعوبتیں دور ہوگئیں، جب پہاڑ کے اوپر برف کی چٹانوں کو جا کر ہم نے اپنے ہاتھوں سے چھولیا۔ دریائے لیدر ایک نہایت وسیع و عمیق برف سے لبریز وادی سے نکلتا ہے اور جس جگہ اسکی پہلی آبشار گرتی ہے، وہاں کا پانی اسقدر سرد ہے کہ ایک منٹ سے زائد ہاتھ پانی کے اندر رکھنا سخت دشوار تھا،

ایک دن قیام کرنے کے بعد ہم پھر اُسی راستہ سے واپس ہوئے جس راستہ سے آئے تھے، کیونکہ آگے، پہاڑ کی چڑھائیاں بارش کی وجہ سے بہت زیادہ خطرناک و دشوار گذار ہوگئی تھیں، سری نگر واپس آنے کے بعد ایک اتوار پھر اسی نشاط باغ میں صرف کیا اور وادی ہارون دیکھنے گئے جہاں سری نگر کا واٹر ورکس قائم ہے۔ یہاں بہت

بڑا حوض بنا ہوا ہے جس میں دو کوہستانی چشموں کا پانی جمع ہوتا ہے اور یہیں سے سری نگر کی آبادی کو پانی پہونچتا ہے، اور یہیں سے نشاط باغ اور شالامار باغ کی آبشاریں جاری کی جاتی ہیں۔

سری نگر میں پھر چار پانچ دن قیام کیا اور گاندربل دیکھ کر جو ڈل کا بعید ترین حصہ ہے، گلمرگ گئے، یہ پہاڑ چودہ ہزار فٹ سے بھی زیادہ بلند ہے، اور یہاں اگست کے آخر ہفتہ میں (جب ہم وہاں پہونچے ہیں) اسقدر شدید سردی تھی کہ رات کو بغیر آتشدان روشن کئے صبح کرنا دشوار ہو جاتا تھا، یہاں سے الپتر دیکھنے گئے جو اور چار ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے، یہاں برف کی ایک جھیل ہے اور لطافت ہوا دیکھنے کی بہترین جگہ، یہاں ہمارے بعض رفیق سفر برف پر پھسلے اور کشمیر کی اس جھیل کا نظارہ کیا جو ہندوستان کی سب سے بڑی جھیل ہے، اور وولر جھیل کے نام سے مشہور ہے، دریائے جھیلم بہتے اسمیں آکر فنا ہو جاتا ہے اور پھر یہیں سے مست ولاعبانہ انداز سے پیچ و خم کھاتا ہوا نکلتا ہے، اس کے بعد پھر راولپنڈی واپس آئے اور وہاں سے سب اپنے اپنے مستقر کو چلے گئے۔

یہ تھا نہایت ہی مختصر بیان سفر کشمیر کا، اور جسمیں ان تاثرات کو ظاہر نہیں کیا گیا جو وہاں کے ہر طلوع و غروب ہر صبح و شام اور وہاں کے ہر شب و روز اور ہر ہر لمحے کے ساتھ وابستہ تھے، اور یہ اظہار کیونکر ممکن ہے جب کہ سرزمین کشمیر میں قدم رکھنا گویا حسن کی قلمرو میں داخل ہونا اور اپنے تئیں رعنائی و جمال کی حکومت میں دیدینا ہے۔

کشمیر کی آبادی میں عنصر غالب مسلمانوں کا ہے، اور دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا طبقہ ہو جو اسدرجہ مفلس و پریشاں حال ہو۔ چونکہ یہاں کی حکومت ایک مستبد غیر ملکی حکومت ہے، اور ان لوگوں میں تعلیم مفقود ہے، اسلیئے وہ ہر غیر کشمیری ہستی کو دیکھکر اسطرح خائف ہو جاتے ہیں، جسطرح ہندوستان کے دیہاتی، فرنگیوں کو دیکھکر، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے افسران و عمال کا سلوک بھی ان لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں ہے، کیونکہ ہم نے دوران سفر میں کئی جگہ دیکھا کہ راستہ چلنے والی جوان لڑکیاں ہمکو دیکھکر ڈر گئیں اور دور ہی سے اپنے سر کا بار سڑک پر پھینک کر حد درجہ وحشت کے ساتھ آہوان رم خوردہ کی طرح کھیتوں میں جاکر چھپ گئیں۔

بعض مقامات میں ان کے مذہبی مدارس موجود ہیں۔ لیکن جب ہندوستان ہی میں اس نوع کے مدارس داعیات قومی کی پرواہ نہیں کرتے، تو یہاں کیا توقع قائم کی جاسکتی ہے، جب کہ ابھی تک یہ لوگ آمین بالجہر ہی کے نزاعات سے نہیں نکل سکے، ان لوگوں میں فی الجملہ مذہبی جوش پایا جاتا ہے، اور اپنے علماء کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، لیکن ان کے واعظین پر بھی ایک حالت جمود طاری ہے۔ اور وہ اب تک اس دائرہ بدعات سے نہیں نکل سکے، جسمیں عام طور سے یہ طبقہ مبتلا پایا جاتا ہے، ضرورت ہے کہ ہندوستان سے ایک جماعت مبلغین

کی جائے اور سب سے پہلے یہاں کے مسلمانوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کرے، کیونکہ فی الحال نہ سیاسیات کی طرف توجہ کرنے کی اُن میں اہلیت ہے اور نہ حکومت کشمیر (جس کی عصبیت کے افسانے بارہا اخباروں میں آچکے ہیں) اسکو روا رکھ سکتی ہے۔

سری نگر کے دوران قیام و اثنائے سیاحت میں ہمارے تمام تجربات حسن صورت کے متعلق اگر ایک طرف جذبات مردہ کو زندہ کرنے والے تھے۔ تو دوسری طرف "حزیں و ملول" بھی تھے، کیونکہ وہاں کی ہر عورت جو اپنے ملاحت و جمال کے لحاظ سے "ملکہ" بننے کے قابل ہے، اپنے افلاس کے اعتبار سے ذلیل ترین کنیز کی بھی حیثیت نہیں رکھتی اور کسی طرح یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ قدرت کیونکر حسن کی اس توہین کو گوارا کر سکی، اور یہ محرومی کس فلسفہ کے ماتحت جائز قرار دی گئی۔

افسوس ہے کہ جسوقت ہم لوگ وہاں پہونچے، وہ زمانہ "شگوفہ" کا نہ تھا، بلکہ پتیوں کا تھا، اور ہر چند ہمارے بعض احباب نے اس موسم کے ساتھ پورا انصاف کیا، لیکن میں تو فطرت کا وہ بند واپسیں دیکھنا چاہتا تھا جو "زمان گل" کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ اگر زندگی نے وفا کی تو "صحبت بہار" کا حصول ناممکن نہیں، ہر چند متعذر ضرور ہے۔

راولپنڈی میں ایم۔ عبد الحمید صاحب نعمانی، اور خلیل احمد صاحب، سری نگر میں خان صاحب سراج الدین احمد، پروفیسر محمد اسحاق صاحب اور لطیف احمد صاحب نے ہم لوگوں کے لئے جسقدر تکلیفیں برداشت کی ہیں، ان کا شکریہ ہم پر واجب ہے، گو الفاظ کی بے مائگی کو دیکھتے ہوئے اس فرض سے عہدہ برآ ہونا دشوار نظر آتا ہے۔

نیاز

نگار کی تاریخ اشاعت

ہر ماہ کی ۲۰۔ مقرر ہے جس کا بارہا ہم اعلان کر چکے ہیں، لیکن ناظرین اس سے قبل ہی تقاضہ کے خطوط بھیجنا شروع کر دیتے ہیں۔ براہ کرم ۲۵۔ سے قبل یاد دہانی نہ فرمایا کیجئے کہ اس میں آپ کا صرف دو پیسہ کا نقصان ہوتا ہے اور ہمارے لیئے اس نقصان کا احساس اسی قدر تکلیف دہ۔

منیجر نگار

فضائے برشگال

یہ سبز فرشِ گلشن! یہ دلفریب منظر — یہ دیدہ زیب ساماں، یہ لطفِ روح پرور
یہ رنگ تیتری کا! یہ اس کا رقص خوشتر — یہ نیم باز غنچے۔ یہ گل بہار پیکر
یہ شاخِ گل پہ طائر کا نغمہ سنج ہونا
یہ لال لال پھولوں کا ہر طرف بچھونا

یہ آبجو کا منظر! یہ آب کی روانی — یہ مچھلیوں کا پھرنا، یہ سبز سبز پانی!
ہر سمت رونما ہے سیلاب آسمانی — لو ہو چکی وہ رخصت گرمی کی حکمرانی!
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں
سبزہ لہک رہا ہے، جنگل ہرے بھرے ہیں

یہ شاہدِ تخیل کی دل ربا ادائیں — یہ دردمندِ فطرت کی سرد سرد آہیں
یہ قمریوں کی کوکو۔ یہ مور کی صدائیں — یہ چرخِ اخضری پر چھائی ہوئی گھٹائیں
پیہم سنا رہی ہیں مینہ کا پیامِ راحت!
ہے بادۂ طرب سے سرشار بزمِ الفت!

یہ دور سے پپیہے کی سامعہ فروزی — یہ دردناک لہجہ یہ اس کی قلب دوزی
یہ "پی کہاں" میں اس کے اعلانِ صبر سوزی — اُف رے جگر خراشی! اللہ رے سینہ دوزی
کس مایۂ طرب کا اس کو خیال آیا
یاد اس کو کون اس دم رنگیں جمال آیا

آلودۂ مسرت کوئل کی ہر صدا ہے — گلشن میں اب یہی اک بلبل کی ہمنوا ہے!
جُوہی مہک رہی ہے چمپا کھلا ہوا ہے — اس رت پہ قلبِ شاعر سو جان سے فدا ہے
کیا انبساط آگیں برسات کے ہیں ساماں
ہو بہرہ مند ان سے ہر ذی شعور انساں!

قدیر

فنون لطیفہ کا تعلق علم الاخلاق سے

مختلف نقطہ ہائے نظر سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ "کیوں نہ صنعت (آرٹ) کو اصول اخلاق کے تابع رکھا جائے" لیکن سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ ایسا ہو بھی سکتا ہے یا نہیں، جس حد تک تفکر و تدبر سے کام لیا جاتا ہے ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ ایسا ممکن ہی نہیں ہے" یہ درست ہے کہ کبھی کبھی صنعت اصول اخلاق پر بھی حاوی ہو جاتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ صنعت کا دائرہ اخلاق کے دائرہ سے بہت زیادہ وسیع ہے، کیونکہ اس کا تعلق بالکل فطرت سے ہے اور وہ کچھ نہیں ہے مگر اک نتیجہ مظاہر فطرت کا، مختلف نتائج و اثرات کا۔

اس لیئے یہ سوال خواہ کسی شکل میں کیا جائے، تاہم فنون لطیفہ اور علم الاخلاق کا باہمی تعلق نہایت دلچسپ گو اُلجھا ہوا مبحث ہے۔ صنعت، اک تخلیق ہے، اور اس لیئے کسی ایسی شے کا پیدا کرنا ہے جو جدید ہو، بے عیب ہو، جو اپنے اندر صناع کا کوئی نشان رکھتی ہو ۔ یعنی کچھ ایسی چیز جس سے یہ معلوم ہو کہ صناع نے اپنی روح کا کوئی جزو اسمیں چھوڑ دیا ہے لفظ "صناع" میں شاعر، مصور، سنگ تراش، افسانہ نگار وغیرہ سب شامل ہیں، وہ شخص جس نے کبھی کوئی چیز "تخلیق" نہیں کی، لیکن اپنے ذوق کے لحاظ سے اس کا اہل ہے، صناع کہلائے جانے کا مستحق ہے، علم الاخلاق کو جو تعلق "صنعت" سے ہے، یا جس حد تک اخلاقی احکام ایک صناع سے وابستہ ہو سکتے ہیں، اس کے متعلق غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ علم الاخلاق کا صحیح دائرہ صرف "حیات دنیا" ہے، لیکن وہ تصویر زندگی جسے فنون لطیفہ پیش کرتے ہیں کچھ اور چیز ہے، کیٹس نے اس حقیقت کو ذرا وسعت کے ساتھ یوں ظاہر کیا ہے:-

"اگر شاعر خود اک صالحانہ زندگی بسر کرتا ہو، تو اسکی نظموں میں کچھ آزادی ضرور جائز رکھی جا سکتی ہے:

تخیل اور عمل میں باہم ایک قسم کا عناد پایا جاتا ہے، ایک صاحب فن کے اصول نفسیات صرف اسی کے لیئے مخصوص ہوتے ہیں، اور اگر ہم صرف فن کا علم حاصل کرنا چاہیں تو ہمیں اک صناع کے صرف زائیدہ دماغ کو دیکھنا چاہیئے اور اس پر غور کرنا نہ چاہیئے کہ اس کے لیئے لازم کیا تھا،

کسی شخص نے کارلائل کے سامنے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ جرمنی کا سب سے بڑا شاعر گیوٹے، اخلاقی حالات میں ایک حد تک ملامت کے قابل تھا، کارلائل نے جواب دیا کہ یہ اعتراض ایسا ہی ہے جیسے اس بات کی شکایت کہ آفتاب ہمارے لیئے پائپ کے تمباکو کو نہیں سلگاتا۔ گیوٹے میں اس قسم کے معائب کی مثال ایسی ہے

جیسے آفتاب میں داغ۔

اگرچہ بعض ماہر صناع ایسے بھی تھے جو اخلاقی نقطۂ نظر سے بے عیب تھے، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ صرف صاحب فن ہونے کی وجہ سے اک شخص اکثر نیک خصلت بن جاتا ہے۔ ایک صناع کا مقصد زندگی کی تصویر کھینچنا ہے۔ اور اس حیثیت سے وہ اپنے کو صالح تر بنانے کی کوشش سے زیادہ قدرۃً اس بات کے معلوم کرنے کی جستجو کرتا ہے کہ زندگی کیا ہے اور اپنے سوا اُسے کوئی شخص ایسا نہیں ملتا جسکی حقیقت کا وہ مکمل طور سے مطالعہ کر سکے وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ انسان کیا ہے اور اپنے سوا اُسے کوئی شخص ایسا نہیں ملتا جسکی حقیقت کا وہ مکمل طور سے مطالعہ کر سکے اُسے اُن جذبات سے جو اُسکی فطرت میں پوشیدہ ہوتے ہیں اک دلچسپی ہوتی ہے اور اس دلچسپی کی وجہ سے وہ انہیں روکنے کی بجائے کامل آزادی دے دیتا ہے۔

ایک صناع بحیثیت صناع ہونے کے، واقعات زندگی سے بالکل علیحدہ ہو کر کام کرتا ہے، وہ انسانوں کو بغور دیکھتا ہے، وہ خود اپنا بھی مطالعہ کرتا ہے اور آخر کار اپنے آپ کو بھی اک دوسرا آدمی تصور کرنے لگتا ہے، جیسا والٹ وہٹمین کہتا ہے کہ:-

"میں اپنی شبیہ کے سایہ کو دیکھتا ہوں، جو حصول معاش کے لیے ادھر اُدھر ہرزہ سرائی کرتے ہوئے خرید و فروخت کرتی پھرتی ہے"

ایک صناع اُس کام کو جسے ہم سب کسی قدر کمی بیشی کے ساتھ کر سکتے ہیں، اعلیٰ پیمانہ پر کرتا ہے، تمام جلیل القدر شاعر اپنے گیتوں کی بنیاد جذبات اور کیفیات قلب پر رکھتے ہیں لیکن وہ اُسی وقت گیت تیار کر سکتے ہیں جب لمحۂ جذبات یعنے وفور جذبات کا نازک وقت گذر جائے۔ جب ہم کسی غم کے متعلق اشعار پڑھتے ہیں تو اُسوقت وہ غم ختم ہو گیا ہوتا ہے، یا اُسوقت تک ہم اُس غم کو خاموشی سے برداشت کرنا سیکھ لیتے ہیں۔

غرض ایک صناع اخلاق کے متعلق کسی قدر خاموش اور بے غرض ہوتا ہے۔ اُس کے لیئے یہ مشکل ہے کہ وہ مردوں اور عورتوں کے معائب سے بالکل ناراض ہو جائے کیونکہ اُسے معلوم ہے کہ یہی وہ چیزیں ہیں جو اُسے اپنے فن کے استعمال کا موقعہ دیتی ہیں، مثلاً ناول نگار اور ڈراما نویس بغیر بدکار لوگوں کے کیا کر سکیں گے؟ جس قصہ کے تمام اشخاص نیک خصلت ہوں گے، اُسے کون شوق سے پڑھیگا۔

مسٹر لنک نے اپنے اک بخیل و معنی خیز مضمون میں لکھا ہے کہ غمناک ڈراموں میں کبھی ایسی شخصیت نہیں پیش کی گئی، جو مکمل طور سے عاقل ہو، کیونکہ غمناک واقعات پیدا ہوتے ہیں صرف انسانی جذبات و نقائص سے

اور ڈراما میں اک عاقل شخص کی موجودگی اُن حالات کو جن سے غمناک نتائج پیدا ہونے والے ہوں روک دینے کے لیئے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈراما لکھنے والوں کے لیئے جسقدر مواد اخلاقی کمزوریوں سے ملتا ہے اتنا فطرت انسانی کی دانائیوں سے نہیں۔

ہرچند بعض قدیم ناول نویسوں نے جو حقیقتاً صناع نہ تھے اپنی تصانیف کو بالکل علم الاخلاق کے ماتحت مرتب کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اُن میں حقیقی روح حسن صنعت کی موجود نہیں ہے، اسی کے ساتھ صنعت کو ملاکر دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض مذاہب صنعت کے مطابق ہیں اور بعض مخالف، لیکن مطابق وہی ہیں جو ہر نوع کے حُسن کو پیدا کرنے اور ترقی دینے کی کافی آزادی دیتے ہیں، اور جن میں اصولِ اخلاق کا کوئی شدید ضابطہ موجود نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ بہ نسبت پروٹسٹنٹ مذہب کے، زمانۂ وسطیٰ کا کیتھولک مذہب اور بت پرستی فنون لطیفہ سے زیادہ موافقت کرتی ہے۔ جس مذہب میں افعال نیک و بد کی تقسیم نہایت سختی سے کی جاتی ہے، اُن سے صنعت بیزار ہوجاتی ہے

مسٹر والٹر اک ہوشیار نوجوان سے ملاقات تھی، جو اپنی ہوشیاری کی وجہ سے اکثر مشکلات میں مبتلا ہوجاتا تھا اُسے پیٹر ونی ٹس کی کتاب "سیٹری کون" کا مطالعہ نہایت مرغوب تھا، اُس نے روما کے اس قدیم و بدنام مصنف کو پسند کرنے کی وجہ یہ بیان کی کہ باوصف اس نکوہش و ملامت کے جو اس رند کے حالات زندگی پر عموماً کی جاتی ہے، اس کی تصانیف میں اک عظیم الشان بے خوف آزادی کا عالم نظر آتا ہے، اُس کے ناول میں شروع سے آخر تک کوئی خفیف سا اشارہ بھی یہ ظاہر نہیں کرتا کہ انسان پر اُس کے کسی فعل کی وجہ سے ملامت کی جاسکتی ہے

اگر دنیائے ادب میں بعض اوقات ہم اُن زنجیروں کو دور کردیں، جن سے "اندیشۂ ملامت" واقعی زندگی کو اک شدید قید میں مبتلا رکھتا ہے، تو کیا حرج ہے؟

زندگی میں ہم ہر شخص کو اس بات کا خطرناک اختیار دیا جاتا ہے کہ فرض یا آزادی میں سے ایک کو اپنے لیئے منتخب کرے، مجبوراً ہم فرض ہی کو منتخب کرتے ہیں اور فرض ہی انتخاب کرنے والوں کی تعریف، اگرچہ واقعی زندگی میں اُن شکستہ حال و پیرہن دریدہ آوارہ لوگوں کی صحبت جنہوں نے آزادی کی تلاش میں اپنی زندگی برباد کردی ہو، کسی معزز شخص کو بمشکل گوارا ہوتی ہے، تاہم فنون لطیفہ کی دنیا میں بعض وقت ایسی صحبت میں وقت گذار دینا بہت پرلطف مشغلہ ہوجاتا ہے

ایک ماہر صناع کے قلب کی نہایت اہم خصوصیت "حسن کی" محبت ہے، اور وہ اگر اخلاق تک پہونچ سکتا ہے تو صرف ذوقِ محبت کے ذریعہ سے۔ قدیم یونانیوں کے عقیدے کے مطابق ان کی زندگی کا نصب العین صرف

"حسن" تھا، ہر چند اس نصب العین میں "نیکی" بھی شامل تھی، تاہم وہ اُسے بھی حسن ہی کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اہل یونان اخلاقی مسائل کو بھی حقیقتاً اُس نظر سے دیکھتے تھے، جو شے مفید ہو اُسمیں اک نوع کا "حسن" ضرور ہونا چاہیئے، اور اسمیں شک نہیں کہ اخلاق کے اصول نہایت مفید ہیں، اسلیئے اخلاق میں اک مخصوص حسن ہونا چاہیئے۔ اک انسان کی باقاعدہ زندگی، جسمیں وہ اپنی ہی عقل و احتیاط سے کام لے حقیقتاً اک حسن ہے، لیکن وہ پابندی جو کوئی غیر قوت اُس پر عائد کرتی ہے، اک صناع کو ضرور قابل نفرت نظر آئیگی۔

لیکن اس کے باوجود ہر جلیل القدر موجد، شاعر اور صناع کو بہ مشکل دماغ سلیم رکھنے والا کہا جا سکتا ہے کیونکہ شاید کہ ہی صناع کا دماغ کسی ایسے راہب و مقدس شخص کے برابر نہیں پہونچا، جو اپنی زندگی کو عقل و تمیز کے ماتحت رکھ کر اپنے اقوال و نصائح کے مطابق زندگی بسر کر رہا ہے۔

ایک صناع کو اپنی زندگی کی لذتوں کا نہایت شدید احساس ہوتا ہے اور اُسکی طبیعت عموماً تغیر پذیر ہوتی ہے، وہ آزاد و بے تعصب جذبات کی پرورش کرتا ہے، جن کی وجہ سے وہ نیک و بد میں تمیز کر سکتا ہے، لیکن بہرحال وہ اُن نقائص سے آزاد نہیں ہوتا جو فطرت انسانی کے لیئے ضروری ہیں اور جو ایک غیر صناع مقدس آدمی میں بھی پائے جاتے ہیں۔

اک مثل ہے کہ اگر دو شخص گھوڑے پر سواری کر رہے ہوں تو ایک کو ضرور آگے ہو جانا چاہیئے، چنانچہ صناع ہمیشہ فنون لطیفہ کو علم الاخلاق سے آگے رکھنا چاہتا ہے، اور اک مصلح اخلاق، اخلاق کو پہلی جگہ دینے کا متمنی ہے، غرض اس طرح ان دونوں میں ایک ناگزیر مخالفت چلی آتی ہے، اور جب تک صنعت، اپنی حقیقی روح کو زائل نہ کرے اسوقت تک غالباً وہ اخلاق کے ماتحت کام نہیں کر سکتی۔ (ماخوذ)

محمد میر خاں غربت

فریب حسن

(ایک میخوار کی حیات معاشقت)

سیہ کار، سرمست، دائم الخمر، ان تمام توقعات سے عاری، جو ہیئت اجتماعی ایک فرد سے وابستہ رکھتی ہے، تمام مراعات سے بے پرواہ تمام پابندیوں سے بے نیاز، میری زندگی، ایک خود فراموشی کی زندگی ہے، اور اسی لئے مجھے لوگ اسی نام سے پکارتے ہیں، بیشک، ایک خطرناک، دیوانہ، پکارنے دو، بیوقوفوں کو سمجھ نہیں، سادہ لوح ہیں، اپنے خیالات کو راستی پر مبنی سمجھتے ہیں، اپنے منافق سینوں پر، مجھ سے بھی زیادہ عظیم گناہوں، داڑھیاں سنبھالے ہوئے، نیکی کی تلقین بہت شد و مد سے کرتے پھرتے ہیں، سطحی نظریں رکھنے والے، اجتماع کی بندشوں کے قائل، انہیں کیا حق ہے کہ مجھے کچھ کہہ سکیں، ایک قیدی، آزاد شخص کے جذبات کو کیا سمجھ سکتا ہے؟

آزاد، تمام قیود سے آزاد! یہ زندگی ہے، ایک سرگشتہ کشتی کی طرح جو، طوفانی امواج کے تھپیڑوں میں آکر، ریزہ ریزہ ہوگئی ہو اور جوش و خروش کے بعد، سمندر کے ساکن پانی پر، ہلکورے لے رہی ہو، اسیطرح، نہ رہزنی کا خوف نہ چوری کا ڈر، دامن ہی نہ ہو، تو خار الجھے گا کہاں؟ تمام جھگڑوں سے آزاد ہو کر، کائنات کی لغزشوں پر قہقہے لگانے والا، اور ان فلاسفروں کو دیکھنا، مادہ اور روح کی ناقابل فہم الجھنوں میں گرفتار، ہر شئے کی تخلیق کی نسبت کلیئے، وضع کرنے والے، باطنی کشف، اور اسرار و دقائق کی گتھیوں کو سلجھانے کے مدعی، ممکن کو ناممکن، اور ناممکن کو ممکن ثابت کر دینے والے، بیچارے بھولے بھالے انسانوں کو اپنے مرعوب کن استدلالات سے، واقفیت سے کوسوں دور، باتوں کو منوانے والے، کائنات کی نسبت کسی نتیجے پر پہونچے ہی نہیں، دین و اعتقاد کا خوشگوار زمانہ گذر گیا، جب جہالت اور سادہ لوحی کو فریب دیا جاتا تھا، جب معمولی عقل کا آدمی بھی مافوق الفطرت، کارناموں پر یقین رکھتا تھا، اب واقعیت اور ظاہری دنیا کا دور دورہ ہے، دماغ تھک گئے، عقلیں، دنگ رہ گئیں، نظام عالم اسقدر وسیع ہے کہ تمام فلاسفروں کی عمر کا مجموعہ بھی کسی اطمینان بخش، واقعہ کا ضامن نہیں،

ایشیا، جو اپنی روحانیت کے لئے شہرہ آفاق ہے، اور جس کا شاعرانہ تخیل، تمام دنیا کو انگشت بدنداں کر دیتا ہے، ایسے لوگوں کا بھی جائے پیدائش ہے، جو اس نکتے کو سمجھ تو چکے تھے جو صرف معدودے چند ہی خوش نصیب ہستیوں کے حصے میں آتا ہے، مگر خوف کے مارے کہہ نہ سکتے تھے، اسکے دو مشہور رند، دائم الخمر شاعروں کو ہی لے لو، ایک نے تو عشرت پرستی کی تعلیم دی، اور اسمیں اسقدر افراط سے کام لیا گیا کہ معاملہ یہاں تک آکر ختم ہو گیا، کہ شراب وہ آتش سیال، جس کا ایک جرعہ، دل و دماغ میں برقی

رو دوڑا دیتا ہے، تمام دنیاوی خوشیوں کا مخرج و منبع ہے، اور اسی بہ نسبت کو ہنسی میں کاٹنے کا انحصار ہے، اگرچہ نکتہ چین اصحاب کی خاطر سے اپنے قاعدے میں آخرکار، بادلِ ناخواستہ ذرا سی ترمیم کرنا پڑی تھی، یعنی "گہ گہ خور و کم کم خور و پنہاں مے خور" پھر بھی وہ بات، جو اس کے فلسفۂ التعیش کی روحِ رواں ہے، لاکھ اعتدال کے پردوں میں بھی نہیں چھپ سکتی،

دوسرے صاحب جنکی مستی کی نسبت بہت معرکۃ الآرا مباحث کے باوجود بھی فیصلہ نہ ہو سکا، کہ وہ شیرۂ شیراز سے ماخوذ ہے یا جام معرفت سے، دنیا کے بکھیڑوں اور دھندوں سے گھبرا گئے، انہوں نے یہ تعلیم دی کہ سیل حوادث ہمیں پرکاہ کی طرح گردش میں رکھتا ہے تقدیر اور تدبیر کی مخاصمت باہمی سراسر پریشانی کا باعث ہے، ہمارا انجام و آغاز غیر متیقن ہے، خبر نہیں کہ ہم کہاں سے آئیں گے اور کہاں جائیں گے، خارستانِ دہر کو گلستان بنانے کے لیئے ضروری ہے کہ ان اسرار کو چھیڑا ہی نہ جائے، مسند فقر ہو، اور ایک جام سفالیں، جو اپنی عشرت پروری میں جام جم کو بھی مات کرتا ہو، گوشۂ چمن ہو، فراغت نصیب ہو، اور کسی حور پیکر سے قرب، اگر اس کے بعد بھی انسان کو کسی اور شے کی خواہش رہے، تو سمجھ لے کہ انہیں دنیائے فانی میں اسکی آرزو بر آنی محال ہے، یہی شخص بیتاب ہو کر کہہ گیا ہے اور کیا خوب کہہ گیا ہے کہ

حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

ان تمام باتوں کے کہنے کے بعد، کیا اس بات کے ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ مجرم کا کوئی گناہ نہیں ہوتا، اور اسکو جبر و قدر کے مسئلہ سے بے نیاز ہو کر محض عدل و انصاف کے قوانین کی بنا پر سزا دینا، ایک اخلاقی عیب ہے، وہ تو جرم کے اقدام پر مجبور تھا، جرم اسکی جبلت اور سرشت میں داخل تھا، اگر کوئی ہستی فطرت انسانی کی تخلیق کا باعث ہے، تو اسی کو قصوروار ٹھہراؤ، ایک آلۂ وساطت کا کیا قصور ہے، کہ تلوار کاٹنے کیلئے اور آگ جلانے کے لیئے پیدا ہوئی ہے،

(۲)

کل ایک کباڑی کی دکان پر ایک شخص کھڑا، چند کتابیں خرید رہا تھا، میں بھی کھڑا ہو گیا، اتفاقاً میری نظر ایک کتاب پر جا پڑی جس کا دیدہ زیب حسن طباعت، جاذب نظر ہونے کے علاوہ، بہت کچھ معنوی خوبی کا بھی مدعی معلوم ہوتا تھا، دیکھا تو معلوم ہوا کہ کسی نوخیز مصنف کا ناول ہے، عبارت بہت شگفتہ، فقرے جچے تلے، خیالات پاکیزہ، طرز ادا میں جدت، لکھنے میں ایک نیا اسلوب، وہی حسن و عشق کا پرانا دکھڑا، جو اب اپنی قدامت کی وجہ سے اجیرن ہو گیا ہے، پست، احمقانہ، اور واقعیت سے کوسوں دور، واہیات قصے، وہی پہلے پہل، کی آشنائی، ایک طرف سے کچھ اجتناب، تو دوسری طرف سے احتمال، رفتہ رفتہ جذب صادق کا اثر ہونا، دونوں طرف محبت کی آگ کا بھڑکنا، آخرکار ملاقات کی سبیل، رقیب کی شاطرانہ چالیں، اور اس کی دراندازی، عورت کی

متلون طبیعت کی کارفرمائیاں، آخر انجام، حرمان و ناکامی، ہیروئن کا برضا و رغبت کسی اور سے بیاہ کر لینا، بچارے عاشق کے جذبات کو خوب نمایاں کیا گیا تھا، اور آخر میں اگر تو الفاظ سے اسقدر حسرت اور اندوہ ٹپکتا تھا کہ آپ بیتی کا شبہ ہونے لگتا تھا، جا بجا محاورات ضرب الامثال، غرضیکہ سب کچھ تھا، دریا کو کوزے میں بند کر دکھایا گیا تھا، ہاں آخری صفحہ پر یہ شعر بھی مندرج تھا کہ،

تم مجھ سے چھوٹ کر رہے سب کی نگاہ میں
میں تم سے چھوٹ کر کسی قابل نہیں رہا

یہ شعر پڑھکر مجھے بہت ہنسی آئی، یوں کہنے لگے کہ "کسی قابل نہیں رہا" کم بخت کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ نہ اٹھا، ایک موقعہ ملا تھا، اسے ہاتھ سے کھو دیا، وفا کا یہ عالم کہ معشوق کی صریح بے وفائی کے باوجود بھی اسی کا دم بھرتے رہے، اپنی دھن میں مگن رہے اتنی صلاحیت ہی کہاں تھی کہ اس واقعہ سے نتائج اخذ کرتے، اپنے ٹھنڈے دل سے غور کرتے، اپنے جذبات کی تحلیل کرتے، تاکہ انہیں معلوم ہوتا کہ وہ بہیمیت کا نام عشق اور حماقت کا نام وفا رکھے بیٹھے ہیں۔

مجھے اس قسم کی تمام کتابیں پڑھکر حیرت سی ہوتی ہے، "لفظ وفا" کو اگر کوئی "شرمندۂ معنی" کرنا چاہتا ہے تو مجھے اس کی حرکت پر صرف تعجب ہی نہیں ہوتا، اسمیں ایک افسوس کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے، عشق کا تو ایسے افراد کو، وجود ہی نہیں مل سکتا، باتیں ہی باتیں ہیں، اظہار ریاکاری اور ذوق نظر سے، بوس و کنار کا آغاز مقصود ہے اور بس، بیچاری سادہ اور دوشیزہ، لڑکیوں کو پھسلانے کے لیے، یہ تمام جال بچھائے جاتے ہیں، یہ تمام ترکیبیں کی جاتی ہیں، بدی، ان کتابوں میں روح رواں کی طرح جاری و ساری ہے، یہ تمام بدقماش اشخاص کی ان کوششوں کی فہرست ہیں، جو انہوں نے اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے میں برتیں، یا ان نسوانی شخصیتوں کا ایک مفصل و مشرح تذکرہ ہے، جو اپنے حسن عالم آشوب کو، عشق کی آمیزش کے ساتھ، وفا سے متصف ظاہر کرتی تھیں، اور جن کا کام صرف یہی تھا کہ نوجوان، جوشیلے، اشخاص کی زندگیاں، تباہ کیجائیں

(۳)

گھر آیا تو گویا سر پر ایک دھن سی سوار ہوگئی، اپنی حیات معاشقہ لکھنے کا خیال پیدا ہوگیا، میری حیات معاشقہ!! پہلے میں اس معاملہ پر بہت کچھ سوچتا رہا، سامنے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھا، تو عجیب بے ڈول سی صورت نظر آئی، منحوس شکل، بکھرے ہوئے بال، پھٹی، پھٹی آنکھیں، چیتھڑوں میں ملبوس، ایک بوسیدہ سے کمرے میں اقامت گزین، میں نہ رہ سکا، بے اختیار ہنس دیا، زمانے کی دورنگی بھی عجیب شے ہے، اب کون بھلا آدمی یقین کریگا کہ میں بھی کسی دوشیزہ کا منظور نظر رہا ہوں۔

میں اپنی کھڑکی میں سے باہر دیکھتا ہوں، تو ویسی ہی ہزاروں دوشیزہ، نظر آنے والی لڑکیاں، اپنے زرق برق کپڑوں میں ملبوس، میرے سامنے سے گذرتی ہیں، شاندار فٹنوں میں، خوبصورت ٹانگوں میں، اور ان کے چہرے سے کتنی معصومیت اور سادگی ٹپکتی ہے، گویا بھولے پن کی مجسم تصویر ہیں، مگر اب میں دھوکہ نہیں کھاتا، یہ تمام دہی اشیاء میری آنکھوں کے

سامنے بے حقیقت ہو جاتی ہیں، گویا، کوئی پوشیدہ قدرت مجھے غیر معمولی قوت بینائی بخش دیتی ہو، میں انھیں اپنی اصلی رنگ میں دیکھتا ہوں، بدکار، رذیل، جنھیں عیش کے چہرے پر ست، پست، سراپا لعنت ہی ہوتی، تمام دن ڈر ڈر کرکے کانپ کانپ کے گناہوں کا ارتکاب کرتی ہیں۔ اور رات کو اپنی بیوقوفی سے گناہوں کے اعتراف کرکے، اپنے دل کے بوجھ کو اور بھی بھاری کرلیتی ہیں۔

دراصل دنیا کی فضا ایسی تنگ ہے، کہ اگر اتنی وسیع آبادی میں سے اس کا ایک فرد بھی، اپنے تمام مقصدوں کی تکمیل بدرجۂ اتم کرے، اپنی چھوٹی سے چھوٹی خواہش کو پورا کرلے۔ تو عالم ایک لشکر مسرت سے لبریز ہو جائے، مگر ہم میں سے دلاور ترین فرد بھی اپنی تمام آرزوں کا خون کردیتا ہے، اسلیئے کہ وہ ان سے ڈرتا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق، اخلاقیات کو آدمی کی زندگی سے ایک گہرا تعلق ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ مگر ان آرزوں کے خون کردینے سے، روح گناہ کا سرچشمہ قرار پا جاتی ہے آزمائش و ابتلا کا باہم مقابلہ، روح کو سم آلود بنا دیتا ہے، اور ہر وقت اس کی خواہش، اقدام جرم کی نسبت محض اسلیئے بڑھتی جاتی ہے کہ کسی خاص شے سے احتراز، ایک امر لازمی ہے،

اس درجہ تک پہونچنے کے لیے ایک معمولی فرد گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مگر وہ، خدا کی درگاہ میں دعا کے وقت اس کا اعتراف کرکے، اپنے فعل کی تمام خوشی، تمام لطف، اور تمام وقعت کو ضائع کردیتا ہے، اسمیں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ جرم کرے اور پھر خاموشی سے اس کا خمیازہ بھگتے، کہ جرم کا اصلی اور حقیقی لطف تو اسی وقت سے شروع ہوتا ہے، جب اسکی نسبت یہ یقین پیدا ہونے لگے، کہ وہ کبیرہ و عظیم تھا، ایک معمولی فرد اس وقت احساس ذلت و غم سے کانپتا ہے، مگر کسی مجھ جیسے پرانے گنہگار پر اس وقت ایک فرحت و شادمانی انگیز مسرت طاری ہو جاتی ہے، روح کی تشنہ کامی کو صرف حواس ظاہری کی لذات سے سیراب کیا جا سکتا ہے، انھیں خیالات کی وجہ سے دنیا مجھ سے نفرت کرتی ہے، مگر مجھے اسبات کی سر مو پرواہ نہیں، دنیا کو مجھ سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی مجھ کو دنیا سے۔

(۴)

میری زندگی میں سوائے ایک نیم شعوری وجدان کے اور کچھ باقی نہیں رہا، ان تمام اشیاء کو جنھیں ممنوع قرار دیا گیا ہے میرا پتھر کا دل، اور آگ کا دماغ برغبت قبول کرتے ہیں، سحر و طلسم، مجذوبیت، ہپناٹزم، تمام خوفناک اور خطرناک علوم، میرے حلقۂ دسترس میں ہیں، ان میں، میں نے اپنی نکتہ آفریں طبیعت سے عجیب عجیب، اجتہادات سے کام لیا ہے، اور مجھے یقین ہے کہ اگر میں ایک مجبور نہ ہوتا تو یقیناً ان تمام علوم میں سے کسی ایک کا بید فاضل تسلیم کیا جاتا، شاید یہ میری دیوانگی ہو، اور اخلاق کے تمام خیالات کے متناقض، مگر اخلاق بذات خود کیا ہے، توہمات کا ایک ناقابل فہم مجموعہ جس کے ابتدائی اور ناگزیر

اصول ہی اسقدر متبائن اور متناقض ہیں کہ خدا کی پناہ۔ ضمیریت، اور افادیت، کے تعلق سے کون نہیں جانتا؟ اس کے طریق اسقدر متلون، اور عجیب ہیں کہ عقل باور نہیں کرتی۔ بعض نے اپنی طرف سے گویا کوزے میں دریا بند کر دیا، تو اسکی یہ تعریف کر دی کہ اپنی ذمہ داری کا کامل احساس اور یقین، یہ ارشاد ہوا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، ذمہ داری کیا شے ہے اور انسان کے لیے یہ کہاں تک فرض ہے، انسان اپنے افعال کا ذمہ دار بھی ہے یا نہیں؟ اور ایسے ٹیڑھے سوالات ہیں کہ آج تک کوئی تسلی بخش جواب ہی وضع نہیں کیا گیا۔ اپنی عمر کے ایک خاص حصے میں، میرے دماغ میں بھی یہی خیال چکر لگایا کرتا تھے، میں بھی عام لوگوں کی طرح اخلاق کی بندھنوں میں اسیر تھا، مگر جب مجھے حقیقت معلوم ہوئی، وہ تمام خیالات اسی طرح اڑ گئے، جیسے سورج کی حرارت شبنم کو پی لیتی ہے اس کی جگہ مجھے مسرت حقیقی نصیب ہو گئی، اور اس نیرنگ خیال کا باعث کیا ہے؟ وہ آتش سیال جس کا ایک قطرہ، خرمن ہوش وحواس کو مشتعل کر دینے کی قوت رکھتا ہے، جس کا ایک گھونٹ ہزاروں بوسہ ہائے دلبری سے زیادہ خوشگوار ہے جس کا تقیقیں رنگ اپنے اندر کی سرخی کو مات کرتا ہے جس کی تعریف میں شاعروں نے دفتر کے دفتر سیاہ کیئے ہیں، اس بات سے بحث نہیں کہ بعض مستثنیٰ حالتوں میں شراب شیراز کی ہے یا معرفت کی، غرض صرف مستی سے ہے، وہ دیکھو، موجود ہے یا نہیں، میں اسے غٹ غٹ پیتا ہوں، اور اس عالم میں پہونچ جاتا ہوں، جو مذہب کے سخت ترین اصول کے پابند انسان کو جنت النعیم کی بہترین خوبیوں میں بھی نصیب نہیں ہو سکتا، مجھے عجیب و غریب نظارے دکھائی دیتے ہیں، ۔۔۔ کی طرح ایسے موقعوں پر ان حور تمثال، برق پاش، نازنینوں کا خیال نہیں کرتا، جن کا جلوہ ماہ منور کو شرماتا ہو، جن کا حسن گویا چودھویں کا چاند ہو جنکے انداز و ادا میں وہ لطافت ہو کہ، قاصۂ فلک بھی رشک کھائے، جن کا خرام نازہ ایسا ایک ٹھوکر پر سو فتنے جگاتا ہو، جنکے لبہائے جاں بخش کی مسیحائی کا ادنیٰ سا کرشمہ یہ ہو کہ ان کا شیدا عاشق ۔۔۔ سو دفعہ مرے، اور ہزار بار جیئے، مجھے شاندار عمارت کے ساز و سامان کے خواب بھی نہیں دکھائی دیتے، اور نہ اونچی اونچی عمارت خوشنما پائیں باغ، خوشنما سنگ مرمر کی بارہ دریاں نفیس اور دلفریب فوارے، خوش رنگ پھول، بلند و بالا درخت، غرض یہ تمام اشیاء، الٹے میں، میرا عالم انوکھا عالم ہے، میں جہنمی چیزیں دیکھتا ہوں، قوی الجثہ ۔۔۔ کا مطالعہ کرتا ہوں، جہنم کے بلند شعلوں کی لپک ہے، عذاب کے فرشتے اپنی مہیب اور خوفناک صورتیں دکھا رہے ہیں، ۔۔۔ میں سانپ اور بچھوؤں کے کوڑے سیئے ہوئے، گنہگار، الحذر، الحذر، پکار رہے ہیں، سڑاک، سڑاک، ۔۔۔ ننگی پیٹھ پہ کوڑے برستے ہیں۔

یا شیطان کا لشکر ہے، اور وہ ۔۔۔ کا اجتماع، دنیا پر ۔۔۔ ہو رہی ہے

گھوڑوں کے سموں سے میدان کانپ رہا ہے، جھنڈیاں لہرا رہی ہیں، ہزاروں، بے سر لاشے، دھڑا دھڑ زمین پر گر رہے ہیں، بگل بج رہے ہیں، تلواریں اور توپیں اپنا کام بہت تیزی اور تندی سے بجا لا رہی ہیں، ہر طرف شور و غوغا ہے، کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی،

یا، میں ایک اڑن کھٹولے میں بیٹھا، تحت الثریٰ کی جانب غرق ہوا جا رہا ہوں، جس کے ریشمیں پردے بالکل سیاہ ہیں، زمین کے قعر تک پہونچکر، حیرت انگیز مشاہدات، دیکھنے میں آتے ہیں، کالی سیاہ صورتیں، آبنوس کے کندے کی طرح سرخ سرخ دیدے نکالے، میری طرف گھورتی ہیں، سرخ، سبز، نیلی، پیلی، سوسنی، کاہی، رنگ کی روشنیاں فضا میں پرواز کرتی پھرتی ہیں، آگ کے شعلے، حلقوں کی شکل میں ہر ایک شے کے گرد لپٹے ہوئے ہیں، تاریک خاموش مکان، ہر طرف خود فراموشی کا دور دورہ ہے، ذرا سی آواز بھی ایک ہیبت ناک گونج پیدا کرتی ہے، اس عالم ظل و اشباع عجائب منود، و غرائب مشہود، میں میرا حافظہ غیر معمولی طور پر تیز ہو جاتا ہے، اور میں ان واقعات کو یاد کرنے لگتا ہوں، جنکو عالم ہوش میں ذہن تک لاتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے، خدا کرے کہ موت کے بعد، اگر کوئی دوسری زندگی ہے، تو اسمیں حافظہ کی قوت نہ ہو، ورنہ ہم تو جیتے جی مر جائینگے۔ اس دنیا میں، تو یہ فائدہ ہے کہ میرے احساسات فنا ہوگئے، اس آتشیں مادے نے جو میری روح رواں ہے، تمام جسم کے قویٰ کو بیکار کر دیا، دل و دماغ تو بالکل مختل ہوگئے، پہلے، الفت، نفرت، حقارت، رنج و غصہ، محبت، ہر ایک جذبہ میرے عضلات پر طاری ہوتا تھا، اس شے کے عادی ہونے کے بعد حالت ہی بدل گئی، انعکاسی تموجات معدوم ہوگئے، نظم و ترتیب بگڑ گئی، مالیخولیا سا ہوگیا، بیرحمی میری فطرت میں داخل ہوگئی، اور اسمیں میرا کوئی قصور نہیں، جب مجھے دنیا کی تباہی تک متاثر نہیں کرسکتی، تو کسی فرد واحد کی بدقسمتی یا تکالیف سے مجھے کیا افسوس ہو سکتا ہے۔

(باقی)

سید عابد علی بی اے

غزل

ہوا پھر جوشِ سودا لب پر آہِ شعلہ بار آئی — ہرے ہونے لگے زخمِ کہن شاید بہار آئی
جہاں دل کو نہ آنا تھا وہاں بے اختیار آیا — طبیعت کو نہ آنا تھا جہاں دیوانہ وار آئی
اٹھو واثق چلو شاید وہیں کچھ دل بہل جائے — سنا ہے کوئی کہتا تھا چمن میں پھر بہار آئی

(واثق)

شاہان مغلیہ کے باغات

(۳)

برسات کے موسم میں بھی ایک دن یہ مصنفہ اس مشہور روضہ کی سیر کو گئی، چنانچہ وہ لکھتی ہے کہ "یہاں نقاش نے نرگس کے پھولوں پر بہت توجہ صرف کی ہے، مقبرہ کے اوپر جو پچی کاری کا کام ہے اور اس کے ہر چہار جانب جو سنگ مرمر کی منقش چادر بنائی گئی ہے اسمیں بھی نرگس کے پھول دکھلائے گئے ہیں، آگرہ کے قلعہ میں بھی شہنشاہ بیگم کے حمام میں ایسی ہی نقاشی کی گئی ہے اور پانی کے لحاظ سے یہ رعایت رکھی ہے کہ کنول کے پھول کو ڈال سمیت پانی کے نلوں میں منقش کیا ہے، گویا جب ان نلوں میں پانی بہے تو یہ معلوم ہو کہ ساتھ ہی ساتھ کنول کے پھول بھی پانی میں تیر رہے ہیں"

شاہجہاں کے خیالات کی حقیقت دریافت کرنے کے لیئے مصنفہ ایک دن دریا کے پار گئی اور وہاں سے اس نے روضہ کا نظارہ کیا۔ کہتی ہے کہ اُس جگہ سے اس عمارت کی پوری شان کا پتہ چلتا ہے، دریا کے اوپر ایک بہت بڑا چبوترہ، اور چبوترہ کے ہر گوشہ پر گلابی رنگ کے خوش منظر مینار، دونوں مساجد، پھر روضہ کی بلندی اور بڑی بڑی محرابیں اور سبھوں کے اوپر تاج کا گنبد، ان کا عکس دریا ئے جمن میں عجیب لطف دیتا تھا، باغ کے بنانے کے لیئے دو ہی مناسب مقام ہو سکتے ہیں یا تو کسی پہاڑ کا دامن مثلاً کشمیر میں نشاط باغ، یا دریا کا کنارہ جیسے آگرہ میں تاج گنج کا روضہ، یہ دونوں باغات اپنی مقامی حیثیت سے لاجواب طیار کرائے گئے ہیں۔ تاج گنج کے چبوترہ سے جہاں دونوں جانب ہشت پہل مینار کھڑے ہیں، دریا کی سیر نہایت پر لطف ہوتی ہے، ہر ہندوستانی باغ میں کنارے پر ایسی ہشت پہل عمارتیں طیار کرانے کا دستور رہا ہے، اور گرمیوں میں چبوترے سے قلعہ کا نظارہ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ شاہجہاں عہد آخر میں اسی قلعہ کے کسی بُرج یا بارہ دری میں بیٹھ کر صبح و شام اپنی محبوبہ کی خواب گاہ کا نظارہ کیا کرتا تھا،

انگوری باغ۔ قلعہ آگرہ کے اندر عہد مغلیہ میں دو بڑے باغ تھے، ایک کا نام مچھی بھون تھا، اور دوسرے کا انگوری باغ۔

منوچی اٹلی کا مشہور سیاح بھی فرانسیسی سیاح برنیر کی طرح مغلیہ زمانہ کی شان و شوکت دیکھ گیا ہے وہ لکھتا ہے کہ دہلی۔ آگرہ لاہور کے شاہی باغوں کے درمیان شاہی محلات تعمیر کرائے جاتے تھے، اور ان باغوں میں بڑی بڑی نہریں ہوتی تھیں جن کے ذریعہ سے پانی سنگ مرمر یا زبرجد کے حوضوں میں جمع ہوتا تھا، اور محل کے تمام کمرے دروازے سنگ مرمر یا زبرجد کے فواروں کے تناسبت سے تعمیر کرائے جاتے تھے، ان باغوں میں ہر موسم کے پھول ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔ اور چونکہ موسم گرما میں شام ہی کو باغ کی سیر ہوسکتی ہے، اسلئے چنبیلی۔ بیلا اور دوسرے سفید رنگ کے خوشبودار پھول پرورش کئے جاتے تھے محلوں کے اندر کے زنانہ باغوں میں بڑے درخت اسلئے نہیں لگائے جاتے تھے، کہ دور کے نظارہ میں حرج نہ واقع ہو، اکثر محلوں میں بارہ دریاں بہتے ہوئے پانی کے اوپر بنوائی گئی تھیں جسمیں رنگ برنگ کی مچھلیاں پھرا کرتی تھیں۔ جاٹوں نے مچھی بھون کا خاتمہ کر دیا اور زبرجد کے حوضوں کو توڑ کر لے گئے۔ مگر انگوری باغ کی قسمت اچھی تھی کہ بچ رہا۔ یہ باغ عین خاص محل کے مقابلہ میں واقع ہے، اور اس کے سامنے تینوں طرف محراب دار راستہ طیار کرائے گئے تھے، در اصل یہ خواتین شاہی کی سیرگاہ تھی، بیچ میں بارہ دری قائم تھی اور چاروں طرف سیدھی روشیں بنائی گئی تھیں جو ہر وقت پھولوں سے لبریز رہتی تھیں۔ بعض کا بیان ہے کہ شاہجہاں نے کیاریوں کے ارد گرد سنگ مرمر کی جعفری لگائی تھی اور اس پر انگوروں کی بیل چڑھائی گئی تھی بعض کا بیان ہے کہ اس باغ کی بارہ دری میں جو پچی کاری کا کام ہے وہ انگوری طرز کا ہے، اسمیں شہنشاہ نے اصلی نگینہ جڑوائے تھے یعنی ہیرے کے خوشہ ہائے انگور کے خوشہ ہائے سروارید لٹکے تھے، قلعہ آگرہ کی بھی عجیب قسمت ہے، کہ سیکڑوں بار اسکا محاصرہ ہوا ہزاروں مرتبہ اسکو لوٹا گیا، کبھی جاٹوں نے اس کو تباہ کیا، کبھی انگریزوں نے اپنے سپاہیوں کے رہنے کے واسطے اس کو منتخب کیا لیکن حیرت ہے کہ اس زنانہ باغ کی جانب کسی کا خیال مبذول نہیں ہوا اور اسی وجہ سے یہ باغ بہت کچھ اپنی اصلی حالت پر برقرار ہے۔ انگریزوں نے اس قطعہ زمین میں ایک فرن ہوس طیار کرایا تھا، کرزن نے اس بدنما فرن ہوس کو توڑوا ڈالا۔

ہندوستان میں اب بھی ہاتھ کی بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی تصویر پائی جاتی ہیں جن سے ان باغوں کی صوری و معنوی خوبیوں کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے ہر مغل خواہ وہ مصور ہو یا معمار اپنے خیال کے مطابق اپنی نقاشی میں فردوس کا منظر پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ باغ میں درختوں پر خوش رنگ چڑیوں کا

اڑنا، رنگ برنگ مچھلیوں کا لہروں میں تیرنا، پھولوں کا خوش قطع کیاریوں میں کھلا ہوا ہونا ان تمام مناظر سے اصل مقصد یہ ہوتا تھا کہ فردوس کا نقشہ پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک قسم کے ایرانی قالین کا نام فردوسی قالین ہے۔ اس قالین کی ساخت ایرانی فن باغبانی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ اگر انگوری باغ کے نقشہ کو دیکھا جائے۔ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک بہت بڑا فردوسی قالین بچھا دیا گیا ہے۔

مغلئی صنعت میں باغ کی رعایات

مغلئی صنعت کے تمام شعبوں میں فردوس اور لوازم فردوس کا بہت زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ چونکہ مذہب اسلام میں جاندار کی تصویر کھینچنے کو منع کیا گیا ہے، اس لیئے مستقیم و منحنی دوائر، اشکال مربع و مستطیل اور اقلیدس کی مختلف اشکال کے اختلاط سے ہزاروں طرح کی گلکاریاں کی جاتی ہیں اور پھول پتیوں سے اس کے حسن میں اور اضافہ ہو جاتا ہے مثلاً انگوری باغ کے مقابلہ میں جو دیوان خاص بنایا گیا ہے اس کے حصار کی دیوار کے حاشیہ پر نہایت کا کام ہے، اور غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بہاری دوشالہ کے حاشیہ کو کاٹ کر دیوار میں چسپاں کر دیا ہے اسی طرح کا کام تاج کی دیواروں کے نیچے حصوں میں کیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص بنظر غور اس پچی کاری کو دیکھیگا تو اسمیں ہندوستانی موسم بہار کے پھولوں کو منقش پائیگا سوتی اور ریشمی کپڑوں کے حاشیہ و زمین پر بھی، سونے چاندی کے زردوزی کام میں بھی، یہی صنعت نظر آئیگی کاشمیری دوشالوں میں بھی حاشیہ اور گوشوں پر جو سوزن کاری ہوتی ہے اُسمیں بھی باغ و متعلقات باغ ہی ظاہر کیئے جاتے ہیں اور طغرا دغیرہ میں بھی آپ یہی گل افشانی دیکھیں گے۔ مصوری میں بھی ہر جگہ یہی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ جب کسی بادشاہ کی تصویر کھینچی گئی ہے، اپس پشت ہمیشہ باغ دکھلایا گیا ہے

مکانات کے فرش بھی اُس رعایت کے تحت میں طیار ہوتے تھے اور اُسمیں صحن باغ کے حوض کی کیفیت پیدا کی جاتی تھی، حتیٰ کہ دروازوں کے پردوں پر بھی لہریا لکیریں نظر آتی تھیں گویا دروازہ پر پردہ نہیں ہوتا تھا بلکہ پانی کی چادر گرتی ہوتی تھی

اوپر فردوسی قالین کا ذکر کیا گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ قالین شاہ عباس شہنشاہ ایران کے لیئے طیار کرایا گیا تھا، یہ قالین بالکل ایک باغ کا نقشہ ہے۔ دو نہریں اس کے درمیان سیدھی آڑی جاری ہیں نہروں میں پانی کی لہریں دکھلائی گئی ہیں۔ وسط میں ایک خوشنما حوض کا نقشہ دکھلایا گیا ہے اور نہروں کے

کنارے پھولوں کی بڑی بڑی کیاریاں ہیں اور ان بڑی کیاریوں کو چھوٹے مربع قطعوں پر تقسیم کیا ہے اور ان میں بھی آڑی سیدھی نہریں بنا کر درمیان میں حوض بنایا ہے۔ نہروں کے کنارے پھول کی کیاریاں بنائی گئی ہیں اور مستقر [illegible] کی صنعت و حرفت صرف کی گئی ہے کہ قالین پر پیر رکھتے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں پھول نہ کچل جائیں۔ اس قالین پر بھی تاج کی طرح نرگس، پدم، گلاب اور دیگر رنگین پھولوں کا انبار لگا دیا گیا ہے۔

اگر اس انگوری باغ کو پھر اپنی اصلی حالت پر لایا جائے تو یقیناً ہندوستانی صنعت و حرفت کے مرجھائے ہوئے درخت میں جان ڈال دیا ہوگا، لیکن یہ آرزو بیکار ہے، اب وہ مذاق بدل گیا ہے اور نہ حکومت ان فنون کو زندہ رکھنا اپنے فرائض میں شامل کر سکتی ہے۔ (باقی آئندہ)

ڈی گھوشال - ایم اے

غزل

میں نے اک [illegible] — [illegible] رو دیا کیا

بند تھا کوزے میں دریا [illegible] — [illegible] راز دل افشا کیا

سامنے تھا آشیاں، [illegible] — [illegible] دور سے دیکھا کیا

حسن کا عالم وہ تھا اک محویت طاری [illegible] — [illegible] تری دیکھا کیا

عشق کا بھی کیا تصرف ہے کہ [illegible] — [illegible] ان اٹھا کیا

گر گئی کیا جانیے کیا اک نگاہ بے قرار — [illegible] اپنی جگہ دل کروٹیں بدلا کیا

پردہ در ہیں شوخیاں اک جلوہ مستور کی — اے دل بیتاب یہ تو نے [illegible] کیا

[illegible] کیا نشتر پہ گزری کچھ نہ پوچھ
چھٹ گیا ہاتھوں سے دل اور دیر تک تڑپا کیا

نشتر سندیلوی

تقدیر اور گردش کواکب
یا
جاذبیت عامہ اور علم نجوم

مصر کے ایک فاضل جناب اسعد فہمی نے ایک کتاب "علم التنجیم" کے عنوان سے عربی زبان میں لکھی ہے، جس کا ریویو نگار میں شائع ہوچکا ہے، کتاب مذکور کے مقدمہ میں فاضل مؤلف نے تقدیر و اسباب کے مسئلہ پر ایک نہایت دلچسپ بحث کے بعد یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ عالم کائنات کا ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک ہر واقعہ اسباب کے غیر قابل تغیر سلسلہ سے وابستہ ہے اور سارا نظام عالم، اسباب کے ماتحت واقع ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ فاضل مصنف نے استخراج نتائج میں کہیں غلطی نہیں کی ہے، لیکن جس خوبصورتی کے ساتھ اس نے اپنے مقصد کو ثابت کرنا چاہا ہے وہ یقیناً مستحق داد ہے، فاضل مصنف لکھتا ہے کہ:-

"اگر ہم تھوڑی دیر کے لیئے اُن واقعات و حوادث پر غور کریں، جو رات دن ہر شخص پر گذرتے رہتے ہیں تو بظاہر ہم کو یہ معلوم ہوگا کہ تمام افراد انسانی ایک ایسے زبردست اور غیر قابل تغیر قانون کے زیر اثر پائے جاتے ہیں جن سے وہ سرمو انحراف نہیں کرسکتے، یعنے وہ مجبور ہیں کہ اسی قانون تقدیر کے ماتحت وہ کوئی سعادت حاصل کرسکیں یا بدبختی و شقاوت کا شکار ہوجاویں، بعض لوگوں کی حالت دیکھکر ہم حکم لگاتے ہیں کہ ان کے حصہ میں سوائے مصیبت اور تکلیف کے کچھ نہیں ہے، قسام ازل نے سوائے مصائب کے ان کو کچھ نہیں دیا ہے اور باوجود اسکے کہ وہ مصیبت سے آزاد ہونے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، ان کی تمام مساعی بے سود اور اُن کی تمام کوششیں نقش بر آب ثابت ہوتی ہیں، کیونکہ تقدیر کا آہنی پنجہ نہایت سختی سے اُن پر اپنی گرفت جمائے ہوئے ہے۔

تم دیکھوگے کہ بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں، جو مسرت و راحت کے نام سے آشنا تک نہیں اور بعض ایسے خدا کے بندے بھی ہیں جو نہایت کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں اور وہ کیسی ہی غلطی کیوں نہ کریں مگر اس کا انجام اُن کے حق میں بہتر ہی نکلتا ہے۔

بولیقراطیس ایک شخص تھا، جس نے کبھی تکلیف، مصیبت اور نقصان کا منہ نہیں دیکھا تھا، ایک روز اس نے

چاہا کہ وہ اپنے کو خود نقصان پہونچائے، چنانچہ اس نے اپنی انگوٹھی جس میں لاکھوں روپے کے جواہرات جڑے ہوئے تھے، سمندر میں ڈالدی، تھوڑی دیر کے بعد مچھلیوں کے شکاری ایک مچھلی اس کے گھر لائے، نوکروں نے اُن سے مچھلی خریدلی، جب وہ مچھلی کو صاف کرنے لگے تو اس کے پیٹ میں انھیں اپنے آقا کی انگشتری مل گئی، کیونکہ جب اسنے انگشتری سمندر میں ڈالی تھی تو یہ مچھلی اسکو نگل گئی تھی، نوکروں نے وہ انگشتری فوراً آقا کی خدمت میں پیش کردی

ان مسائل کو سمجھنے سے پہلے یہ ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ مسرت و سعادت موقوف ہے صحت، دولت، شہرت اور لذائذ جسمانی وغیرہ پر، اور مشکل سے یہ تمام باتیں کسی ایک فرد میں جمع ہوتی ہیں، اس لیئے سعادتمند وہی شخص سمجھا جاتا ہے، جس کے پاس اسباب سعادت دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ پائے جائیں۔ مگر ایسے افراد دنیا میں کم ہیں جنھیں اسباب سعادت اسباب مصیبت سے زیادہ ملے ہوں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ زید کے پاس مال و دولت کی کچھ کمی نہیں، لیکن وہ ہر وقت رنجیدہ رہتا ہے، کیونکہ وہ ہر وقت خاندانی جھگڑوں میں مبتلا ہے، ایک شخص ہے جسکو سب لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نہایت ذلیل طبقہ میں شمار کرتے ہیں، مگر وہ اس قدر صحیح و توانا، ایسا مسرور و بے فکر ہے کہ سب کو اس کی حالت پر رشک آتا ہے اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک جاہل اور کمینہ شخص قوم کا سردار بن گیا ہے، اور ایک شریف عالم کی تمام عمر فاقہ کشی اور مصائب میں بسر ہوئی ہے۔

اس قسم کے تمام واقعات کو دیکھتے ہوئے ہم یہ حکم لگاتے ہیں کہ ایک غیبی موثر ضرور ہے جو ہر شخص کا مستقبل معین کرتا ہے، اسلیئے غور طلب امر یہ ہے کہ وہ موثر کیا ہو سکتا ہے، وہ لوگ جو اپنے مذہب پر نہایت رسوخ کے ساتھ قائم ہیں، اُن کو یقیناً اس اعتقاد سے تسلی ہوتی ہے کہ قدرت الہی ہمارے امور کی مدبر ہے، اور وہی مصلحت کے مطابق رنج و مسرت، راحت و مصیبت تقسیم کرتی ہے اور اس تقسیم میں استحقاق اور خداوندی مصلحت دونوں ممزوج ہوتے ہیں۔

ہم کسی دینی عقیدہ کا انکار نہیں کرتے، ہم عالم روحانی کے منکر نہیں ہیں اور نہ ہمیں عالم آخرت اور وہاں کے ثواب و عقاب میں شک ہے، لیکن ہم کو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جو واقعات انسان پر گذرتے ہیں اُسمیں عدالت کا بالکل دخل نہیں ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک کوشش کرنے والا اپنے نتیجۂ عمل سے محروم نہیں رہتا لیکن یہ کوئی عام قاعدہ نہیں ہے بلکہ بسا اوقات ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک محنتی شخص کو سوائے ناکامی اور محرومی کے کوئی ثمرہ نہیں

ملتا اور اسی کی محنت سے ایک سست و کاہل شخص فائدہ اٹھاتا ہے، چنانچہ تاریخ کے دیکھنے سے متعدد ایسے واقعات مل سکتے ہیں، کہ کسی مخترع نے عمر بھر کی کوششوں کے بعد ایک نہایت مفید چیز اختراع کی اور اس کے بعد ہی وہ فوراً مر گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا اور دوسرے لوگوں نے اس سے شہرت و دولت حاصل کی،

اکثر دولت و ثروت مستحقین کے پاس سے بھاگتی ہے، حالانکہ وہ دولت انکی کی سعی اور اجتہاد سے پیدا ہوئی ہے اور ایسے لوگوں کے پاس خود بخود پہونچ جاتی ہے جنہیں نہ اس دولت کی ضرورت ہے اور نہ انھیں اس سے فائدہ اٹھانے کا سلیقہ، یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ پاک دل اور نیک نیت افراد سے لوگ بغض رکھتے ہیں اور انہیں نقصان پہونچانے کے درپے ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ بعض وقت اُن کی جان تک نہایت بے رحمی سے لے لیتے ہیں اور بعض ایسے افراد جو خبث باطن اور نجاست اخلاق میں اپنی نظیر نہیں رکھتے نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور ان کی مجلس میں ایک لمحہ کے لئے بیٹھنا بھی سعادت دارین سمجھتے ہیں، یہ اُن لاکھوں اور کروڑوں واقعات میں سے چند مثالیں ہیں جو رات دن ہمارے سامنے گذرتے رہتے ہیں، کیا ان تمام حوادث کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کا ہر واقعہ عدالت اور مصلحت پر مبنی ہے ؟۔

نفوس عالیہ خیال کرتے ہیں کہ کامیابی ایک قوی ارادہ کے ماتحت قائم ہے یعنے حوادث اسی ارادہ کے تحت میں واقع ہوتے رہتے ہیں اور یہی ارادہ ہر شخص کو اس کا حصۂ خیر و شر تقسیم کرتا رہتا ہے، لیکن اس مسئلہ پر نظر تحقیق ڈالنے سے پہلے مختلف ارادوں میں فرق کرنا ضروری ہے،

یہ بالکل درست ہے کہ اصل چیز انسان کا ارادہ ہے کیونکہ اسکی بنیاد علم و ادراک پر ہے اور اسی کے ذریعہ سے انسان اپنے مستقبل کو سمجھ سکتا ہے اور اُن قوتوں کو پہچان سکتا ہے، جو اسکی سعادت مستقبلہ کی کفیل ہو سکتی ہیں، لیکن ارادہ بسا اوقات جہل پر مبنی ہوتا ہے اور اس لئے ایسے شخص کی مثال بالکل اس آدمی کی طرح ہے جو رات کی شدید تاریکی میں چل رہا ہو اور اس کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ اپنا قدم کہاں رکھ رہا ہے اور اس کا یہ سفر کس راحت یا مصیبت کی طرف لے جا رہا ہے، یا ایسا شخص اس بچہ کی طرح ہے جس کو ایک موٹر میں سوار کر دیا جائے اور وہ موٹر کے آلات سے بالکل ناواقف ہو اموٹر میں تمام پرزے موجود ہیں جن سے وہ آہستہ اور تیز کیا جا سکتا ہے، روکا جا سکتا ہے، لیکن اس بچہ کو اس کی کچھ خبر نہیں ہے

پھر کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بچہ اپنے ارادہ میں آزاد ہے اور اس نے اپنی عقل و ارادہ کی بنا پر اس پرزہ کو حرکت دی تھی جس سے وہ ہلاک ہو گیا، یا بچ گیا۔ بالکل یہی حال ہم لوگوں کا ہے، بظاہر ہم اپنے اعمال اور افعال میں آزاد نظر آتے ہیں، لیکن ان اعمال کے نتائج اور اثرات کیا ہوں گے، اسکی ہم کو مطلق خبر نہیں اس مسئلہ کی توضیح و تفصیل کے لیئے ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں:۔

(۱) ایک نوجوان نہایت بے فکری اور اطمینان سے اپنے دفتر کی طرف جا رہا ہے، راستہ میں ایک جگہ ایسی آئی ہے، جہاں دو راستہ ہو گئے ہیں اور دونوں اس کے دفتر تک پہونچتے ہیں، کبھی وہ داہنے راستہ سے جاتا ہے اور کبھی بائیں راستہ سے، آج وہ حسب معمول دفتر جا رہا ہے، بظاہر اس میں کوئی اہمیت نہیں کہ وہ کس راستہ کو اختیار کرے، مگر حقیقت میں آج اس کے مستقبل کا مدار اسی معمولی بات پر ہے کیونکہ اگر وہ داہنا راستہ اختیار کریگا۔ تو نہایت آرام سے دفتر پہونچ جائیگا اور راستہ میں کوئی مصیبت نہ پیش آئے گی، لیکن اگر وہ بائیں راستہ پر جائیگا تو اسے ایک نوجوان لڑکی ملیگی۔ جسکی ایک تبسم آمیز نگاہ اس کا شکار کرے گی، پہلے اس سے گفتگو ہوگی، پھر ملاقات کا مقام اور وقت مقرر کیا جائیگا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ ان دونوں میں محبت بڑھنے لگے گی، اُسے اپنی محبوبہ کی فرمائشیں پوری کرنے کے لیئے روپیہ کی ضرورت ہوگی، جب اُسے کوئی قرض نہ دیگا تو وہ مجبور ہو کر دفتر میں ایک جعل کر کے سرکاری روپیہ اپنی ضروریات میں صرف کریگا، تھوڑے دنوں میں اس کا جعل کھل جائیگا۔ وہ پکڑا جائیگا۔ اور وہ سزا کی رسوائی سے خودکشی کرلے گا۔

اسکے والدین کو اس کی ذات سے کسقدر توقعات وابستہ تھیں، انھوں نے اس کی تعلیم و تربیت میں کتنی دولت صرف کی تھی، لیکن یہ تمام کوششیں رائیگاں ثابت ہوئیں، تمام توقعات پر پانی پھر گیا، کیونکہ اس نے بجائے داہنی طرف کے بائیں طرف کا راستہ اختیار کیا تھا۔

(۲) ایک نوجوان مدرسہ میں تعلیم پاتا ہے اس کے والدین چاہتے ہیں کہ وہ علم ہندسہ میں کمال حاصل کرے اس کو کسی خاص فن سے ذوق نہ تھا، مگر اُس نے اپنے والدین کے منشا کے مطابق علم ہندسہ کو حاصل کرنا شروع کیا۔ ایک روز وہ قبل از وقت مدرسہ سے نکلا، چند دوستوں کے ساتھ اُسے تفریح کے لیئے کہیں جانا تھا، وہ راستہ پر چل رہا تھا اس نے دیکھا کہ ایک گاڑی آرہی ہے جس کو دو گھوڑے کھینچ رہے ہیں۔ گھوڑے نہایت دبلے ہیں اور گاڑی بہت وزنی ہے، وہ اُسے کھینچ نہیں سکتے اور آہستہ آہستہ چل رہے ہیں

گاڑی والے کو غصہ آیا اور اس نے گھوڑے کو کوڑا مارا گھوڑا کود کر اسی طرف آیا جس طرف وہ چل رہا تھا، وہ سڑک کی دوسری طرف ہو گیا، اس نے دیکھا کہ سامنے سے مدرسہ کا مہتمم آ رہا ہے چونکہ وہ مدرسہ کی مخصوص وردی میں نہ تھا، اس لیئے مہتمم کے خوف سے پاس کی ایک گلی میں چھپ گیا، وہاں دیکھا کہ اس کا باپ اپنے چند دوستوں کے ساتھ عدالت میں مقدمہ کی ایک کارروائی سننے کے لیئے جا رہا ہے، مجبوراً اسکو بھی باپ کے ساتھ عدالت جانا پڑا، چونکہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ نہ جا سکا، اسلیئے اسکو بڑا رنج ہوا، جب وہ عدالت میں پہونچا اور اس نے وکیلوں کی تقریریں سنیں تو فن خطابت اور تقریر کی سحرکاریاں دیکھ کر اسکو قانون سیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا، اور اس نے اسمیں اسقدر زبردست محنت کی کہ وہ وکیل ہو گیا، لاکھوں روپیہ اس نے کمائے اور بڑی عزت و شہرت حاصل کی، غور سے دیکھیئے تو اس کا سبب صرف گاڑی والے کا اپنے گھوڑے کو کوڑے مارنا تھا، نہ وہ کوڑا مارتا، نہ وہ نوجوان راستہ بدلتا، نہ اسکو مدرسہ کا مہتمم نظر آتا نہ وہ اس کے خوف سے گلی میں جاتا نہ اس کا باپ ملتا اور نہ وہ اسکے ساتھ عدالت میں جاتا نہ اس کے دل میں قانون کا شوق پیدا ہوتا اور نہ وہ قانون دانی میں یہ مرتبہ حاصل کرتا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص سے ایک فعل صادر ہوتا ہے، جس کا اثر صرف اُسی شخص کے مستقبل پر نہیں پڑتا بلکہ اچھے یا بُرے نتائج سے ایک عظیم الشان جماعت متاثر ہو جاتی ہے۔ مثلاً:-

راستہ پر ایک گاڑی جا رہی ہے جسمیں ایک نوجوان ایک عورت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، باہم محبت آمیز باتیں ہو رہی ہیں۔ یہ دونوں اپنی باتوں میں اسقدر منہمک ہیں کہ انھیں کسی کا خیال نہیں ہے، اتفاق سے اسی وقت سامنے سے اس عورت کا شوہر آ رہا ہے جو اسقدر بدمزاج ہے کہ اگر ان دونوں کو دیکھ لے تو فوراً ہلاک کر دے، ایک دوسرا شخص سڑک کے کنارے کنارے نارنگی چھیلتا ہوا آ رہا ہے اور اس عورت کے شوہر سے متصادم ہو جاتا ہے، یہ دونوں لڑنے لگتے ہیں اور گاڑی گذر جاتی ہے نہ وہ عورت اپنے شوہر کو دیکھتی ہے، نہ اس کا شوہر اپنی بیوی کو غیر کی معیت میں دیکھتا ہے، اور اسطرح یہ مجرم عورت نجات پا جاتی ہے، لیکن واقعہ اسی حد تک محدود نہیں رہتا، جہاں اس شخص نے نارنگی چھیلی تھی، اس کے سامنے سلطنت کے وزیر اعظم کا مکان تھا، وہ ایوان پارلیمنٹ میں جانے والا ہے، سواری اس کے لینے کے لیئے آتی ہے، وزیر اعظم کا دماغ ایک نہایت ہی اہم سیاسی مسئلہ کے سوچنے میں مصروف ہے اور رات بھر کے غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ بغیر جنگ کیئے ہوئے مقصد حاصل نہیں ہو سکتا اور چونکہ اس مسئلہ کا انحصار صرف اسکی رائے پر تھا، اس لیئے آج اعلان جنگ بالکل یقینی تھا، وہ اپنے خیال میں منہمک گھر سے باہر نکلتا ہے اور جب وہ اپنے موٹر کے قریب پہونچتا ہے تو اس کا

پاؤں اُسی نارنگی کے چھلکے پر پڑتا ہے، چونکہ سڑک پختہ ہے، اسلیئے اس کا پاؤں پھسل جاتا ہے اور وہ زمین پر گر کر بیہوش ہو جاتا ہے، اب بجائے ایوانِ حکومت کی طرف جانے کے، اُسے لوگ گھر لے جاتے ہیں، چونکہ سر میں سخت چوٹ آئی ہے، اس لیئے وہ عرصہ تک بیمار رہتا ہے، اور آخر میں وہ مر جاتا ہے۔ بظاہر نارنگی کا چھلکا نہایت بے حقیقت چیز ہے، لیکن محض اسی کی وجہ سے دنیا جنگ کے مصائب سے محفوظ رہی۔

اسی قسم کی صدہا مثالیں ہیں، جنمیں ایک معمولی سی بات کسی عظیم ترین واقعہ کا سبب بن گئی ہے پھر کیا ان واقعات کو بغیر بحث و تنقید کے ہم تقدیر کے سپرد کر سکتے ہیں اور کیا ہمیں ان کے اسباب پر غور نہ کرنا چاہیئے

ایک دوست اسکندریہ کا رہنے والا ہے اور دوسرا قاہرہ کا، دونوں نے مدت سے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا، لیکن ایک روز وہ بالکل اتفاق سے کسی تیسری جگہ مل جاتے ہیں اور اس ملاقات کو حسنِ اتفاق پر محمول کرتے ہیں، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حسنِ اتفاق کوئی چیز نہیں ہے، ان دونوں کا ملنا اسباب پر مبنی تھا جو اس طرح جمع ہو گئے کہ دونوں کا ایک مقام اور ایک وقت پر ملنا ممکن ہو گیا،

چونکہ خود انسان کا وجود چند حوادث سے مرکب ہے اور ہر حادثہ کے لیئے اسباب کا پایا جانا ضروری ہے اس لیئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر آنے والے موقعہ کے اسباب، زمانۂ ماضی میں پائے جاتے ہیں، اور ہر واقعہ کے اسباب کا سلسلہ حدِ نَشْ واقعہ سے لیکر ازل تک پہونچ سکتا ہے۔

جب ہم یہ ثابت کر چکے کہ تمام حوادث، تمام واقعات، تمام موجودات، تمام تغیرات و انقلابات نتیجہ ہیں اسباب کے، تو اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اسباب کا یہ سلسلہ کسی غیر متبدل قانون کے تحت میں آتا ہے یا نہیں، اگر ہم یہ کہیں کہ کسی قاعدہ کے ماتحت ہیں، تو تقدیر کا اعتراف کرنا پڑیگا۔ لیکن قانونِ فطرت جو تمام عالم کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس کے تسلیم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

دنیا میں ادنےٰ سے لیکر اعلیٰ تک کوئی واقعہ ایسا نہیں ہے، جو محض اتفاق سے بلا تاثیر اسباب پیدا ہو گیا ہو بلکہ کائنات کا ہر ذرہ ایک زبردست اور باقاعدہ نظام کے ماتحت واقع ہے جو تمام موجودات پر حاوی ہے اور انسان کی سعادت و بدبختی کا ضامن ہے،

قوموں کی حیات کا نشو و نما، غیر قابل تبدل اصول و قواعد کے ماتحت ہوا کرتا ہے اور ہر چند اس قوم کے ارباب سیاست کو اُن کا علم نہیں ہوتا، مگر وہ خود بخود اس کا اتباع کرتے ہیں۔ تمام افعال جو قصداً یا اضطراراً انسان سے سرزد ہوتے ہیں اور تمام متوقع و غیر متوقع حوادث جو دنیا میں رونما ہوتے ہیں سب ایک ہی زبردست نظام اسبابؔ

کے ماتحت ظہور پذیر ہوتے ہیں، جسے مذہب کی زبان میں تقدیر کہتے ہیں، اور علم تنجیم کی اصطلاح میں جاذبیت عامہ پھر چونکہ جاذبیت عامہ پر نظام شمسی منحصر ہے اور نظام شمسی کے تمام سیارے لامتناہی فضا میں ایک دوسرے پر اثرات ڈال کر حوادث کے اسباب پیدا کرتے رہتے ہیں، اس لیئے اگر ہم کواکب کے اثرات سے واقف ہو جائیں تو آسانی سے مستقبل کا راز معلوم کر سکتے ہیں اور یہی ہے علم نجوم کا موضوع۔

ثمر

حیات

آہ اک جادۂ سراب ہے تو — بزم ہستی کا ایک خواب ہے تو
موج لرزاں ہے، شمع گریاں ہے — اشک داماں ہے، آہ سوزاں ہے
برق تاباں ہے، باد صرصر ہے — تو شرر ہے، خرام دلبر ہے
تیر ہے اک کماں سے چھوٹا ہوا — یا ستارہ فلک سے ٹوٹا ہوا

اشک شبنم کی آب و تاب ہے تو — مرغ بسمل کا اضطراب ہے تو
صحن گلشن میں ہے تو گل کی مہک — نغمہ قمری کا، بلبلوں کی چہک
عارض یار کی جھلک میں عیاں — اور لبوں میں تبسم پنہاں
قہقہہ ہے گلوئے مینا میں — رقص مردم ہے چشم بینا میں

بحر جاوید کا حباب ہے تو — آہ! اک عارضی حجاب ہے تو

(محمود حسن۔ محمود اسرائیلی)

استفسار و جواب

اجرائے اخبارات کی تاریخ

۱۔ (زاہد علی - امروہہ) - سب سے پہلے اخبار کا رواج کس ملک میں ہوا، یورپ میں سب سے پہلے اخبار کہاں جاری ہوا اور عربی اخبارات کی تاریخ کب سے شروع ہوتی ہے۔ براہ کرم اس موضوع پر اک مختصر تبصرہ فرما کر ممنون کیجیئے۔

(**نگار**) بیان کیا جاتا ہے کہ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح، سب سے پہلے چین میں اخبار کی اشاعت ہوئی، اور مشرقی الاصل ہونے کی وجہ سے ہر چند میرا جی بھی یہی چاہتا ہے کہ اسے باور کر لوں، لیکن افسوس ہے کہ اس کے لیئے تاریخی شواہد موجود نہیں ہیں اسلیئے اگر اس روایت کو تسلیم نہ کیا جائے، تو پھر لازمی طور پر ہمیں یہ ماننا پڑیگا کہ سب سے پہلے جولیس قیصر روم نے ایک صدی قبل مسیح، روزانہ اخبار جاری کیا اس اخبار کا نام Acta diurna (یعنے اشغال یومیہ) تھا اسمیں علاوہ روز کے واقعات اور احکام حکومت کے، قومی حالات بھی درج کیئے جاتے تھے اور چوتھی صدی عیسوی (یعنی تقریباً ۵۰۰ سال) تک یہ اخبار جاری رہا، یہ تو آپ کے استفسار کے پہلے جزو کا جواب ہوگیا اب یورپ کا حال سنیئے، ہاں اس کی ابتدا پندرہویں صدی عیسوی سے ہوتی ہے اور سب سے پہلے جرمنی میں اوسبرگ، ونزبرگ اور راٹسبون سے اخبارات کا اجرا شروع ہوا جنمیں زیادہ تر مقامی حالات درج ہوگئے تھے۔

اس کے بعد زیادہ مہذب و ترقی یافتہ صورت میں وینس سے اخبار کا اجرا ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جب ۱۵۶۳ء میں سلطنت علیہ عثمانیہ، وینس کے خلاف جارحانہ کارروائی میں مصروف تھی، اس اخبار کا نام Gazetta رکھا گیا۔ گزیٹا ایک سکہ تھا جو تقریباً ایک پیسہ کے برابر ہوتا تھا، چونکہ اس اخبار کی قیمت صرف ایک گزیٹا (یا ایک پیسہ) تھی، اس لیئے اس کا نام گزیٹا رکھا گیا، پھر انگلستان نے اسکی پیروی کی اور ۱۶۲۲ء میں لندن سے ایک ہفتہ وار اخبار جاری ہوا، جس کا نام ویکلی نیوز (Weekly News) تھا۔

بعض کا خیال ہے کہ انگلستان میں سب سے پہلے ملکۂ الیزبتھ کے عہد (۱۵۸۸ء) میں ایک اخبار جاری ہوا، جس کا نام (The English Mercury) تھا، لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخبار ۱۵۸۸ء سے بہت بعد شائع ہوا تھا، اس کے چند نسخے متحف برطانیہ (برٹش میوزیم) میں محفوظ ہیں۔

اس کے بعد فرانسیسیوں نے ۱۶۳۲ء میں فرانسیسی گزٹ کے نام سے ایک اخبار جاری کیا اور حکومت نے اسقدر اسکی حوصلہ افزائی کی کہ لوئی سیزدہم نے خود اپنے قلم سے ایک مضمون اس کے لیئے تحریر کیا، یہ اخبار دو صدی سے زیادہ زندہ نہ رہا۔

بیان سابق سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ میں سب سے پہلے اہل وینس نے اس طرف توجہ کی، اس کے بعد انگریزوں نے اور پھر فرانسیسیوں نے

چونکہ انگریزوں کا ویکلی نیوز بہ نسبت اخبار ہونے کے رسالہ کہلائے جانے کا زیادہ مستحق تھا، اسلئے وینس کے بعد اہل فرانس ہی کو اولیت کا فخر حاصل ہے، انگریزی میں سب سے پہلا اخبار جسے صحیح معنی میں اخبار کہہ سکتے ہیں، لنڈن گزٹ تھا جو سنہ ۱۶۴۲ء میں جاری ہوا، اسکے بعد سنہ ۱۶۶۵ء میں آکسفورڈ گزٹ نکلا، لیکن کچھ عرصہ بعد یہ لندن میں منتقل کر دیا گیا اور اس کا نام بھی لندن گزٹ ہو گیا، امریکہ میں اخباروں کی اشاعت ۱۶۹۰ء سے شروع ہوتی ہے۔ اول اول اخباروں کو بڑی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا، اور موجودہ آزادی تحریر نہایت مصیبت کے بعد حاصل ہوئی ہے، انگلستان میں اول اول اخبار کے ایک پرچہ پر چار پنس سے زیادہ مصارف ہوتے تھے اور ہر اعلان پر ساڑھے تین شلنگ ٹیکس لگایا جاتا تھا، علاوہ اسکے حکومت کی طرف سے ایسا سخت احتساب قائم کیا گیا تھا کہ آزادی سے ایک لفظ بھی نہ لکھا جا سکتا تھا، ٹیکس سے بچنے کے لیئے انیسویں صدی کی ابتدا میں ایک انگریز نے اخبار کتاب کی صورت میں شائع کرنا شروع کیا اور اسکا نام "کتاب سیاسی" رکھا، اسکی اشاعت بہت بڑھ گئی لیکن چونکہ اسپر اخبار کی تعریف صادق نہ آتی تھی، اسلیئے حکومت کا دست تطاول اس تک قانوناً نہ پہونچ سکتا تھا، آخرکار حکومت نے اخبارات کی تعریف میں اور زیادہ وسعت پیدا کر کے اسکو بھی اخبارات میں شامل کر لیا اور ٹیکس عائد کیا۔ ایک انگریز مسٹر تھا مٹن اپنے اخبار کو رومالوں پر چھاپتا تھا اور اس اخبار کا نام اسنے "سیاسی رومال" رکھا لیکن جب اس کی اشاعت بھی بڑھنے لگی، تو اس کا بھی وہی حشر ہوا جو "سیاسی کتاب" کا ہو چکا تھا،

عربی میں سب سے پہلا اخبار محمد علی پاشا کے عہد حکومت میں (سنہ ۱۸۳۲ء) مصر سے شائع ہوا، اس کا نام "الوقائع المصریہ" تھا، یہ حکومت کا اخبار تھا، اس کے بعد سنہ ۱۸۵۸ء میں حکومت عثمانیہ نے بیروت سے "حدیقۃ الاخبار" جاری کیا، اور سنہ ۱۸۶۰ء میں تیونس سے، سب سے پہلا غیر سرکاری عربی اخبار الجوائب تھا جسے احمد فارس نے سنہ ۱۸۶۰ء میں قسطنطنیہ سے جاری کیا، اس کے بعد مصر سے سنہ ۱۸۶۷ء میں وادی النیل نکلا، اس کا رئیس التحریر ابوالسعود آفندی تھا، پھر بیروت سے بطرس بستانی نے مجلۃ الجنان جاری کیا، اسکے بعد مصر و شام سے بکثرت اخبارات جاری ہوئے جنمیں اسکندریہ کا روضۃ الاسکندریہ، اہرام، الکواکب الاسکندری، محروسہ، مصر کا وطن، اور بیروت کے ثمرات الفنون، مقتطف، اور لسان الحال مخصوص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جرمنی زبان یا جرمانی زبان

۲- (جعفر حسن - برلن) - ماہ اپریل سنہ ۲۳ء کے نگار میں ناطان کے ترجمہ پر چند تمہیدی فقرات کے سلسلہ میں آپنے دو مرتبہ جرمنی زبان بجائے جرمن زبان کے استعمال کیا ہے، یہ کتابت کی غلطی ہے یا آپ جرمنی زبان کہنا بہتر خیال فرماتے ہیں، کیا جرمانی زبان کہنا جیسا کہ ڈاکٹر عبدالستار پرنسپل جامعہ عثمانیہ کی رائے ہے، آپ کے خیال میں مناسب ہے یا نہیں؟

(نگار) میں ہمیشہ "جرمن زبان" لکھتا ہوں، اگر جرمنی زبان" لکھا گیا ہے، تو یقیناً کتابت کی غلطی ہے، "جرمانی زبان" کہنا اگر درست ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ "جرمنی زبان" کہنا نا درست ہو۔

تقدیر اور گردش کواکب

۴۳۔ (برکت علی۔ کانپور) براہ نوازش ذیل کے استفسارات کا جواب نگار میں شائع فرما کر ممنون فرمائیے، (۱) کیا اجرام فلکی کی گردش کا انسان کی قسمت پر اثر پڑتا ہے اور اگر ہے تو اس کا کیا سبب ہے (۲) جرمنی میں کونسا ایسا کارخانہ ہے جہاں سے ہر قسم کا اعلے سے اعلیٰ درجہ کا رنگ دستیاب ہو سکتا ہے،

(نگار) آپ اپنے پہلے سوال کے متعلق "تقدیر اور گردش کواکب" والا مضمون جو اسی اشاعت میں درج کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نہ نکالیے گا کہ "مقدرات انسانی" "حقیقتاً" اجرام فلکی کی گردش سے وابستہ ہیں، البتہ جس حد تک "حوادث طبعی" کسی امر کا سبب ہو سکتے ہیں، اس حد تک ضرور عالم کون اس سے متاثر ہوتا رہا، "انسانی تقدیر" کا بننا یا بگڑنا، سو یہ زیادہ تر خود انسان کے افعال پر منحصر ہے۔ دوسرا سوال ہمارے مقاصد سے علیحدہ ہے، تاہم مجھے امید ہے کہ نگار کے بعض خریدار جو جرمنی میں موجود ہیں اس کے متعلق بہترین اطلاعات بہم پہونچا سکیں گے، خصوصیت کے ساتھ میں جعفر حسن صاحب کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں

عالم جنان اور رشک رقابت

۴۴۔ (مرزا حبیب احمد۔ حیدرآباد دکن) ۔ دنیائے زہد پر بڑا احسان ہوگا، اگر استفسارات ذیل کے جواب بذریعہ نگار لطف فرمائے جائیں (۱) کیا عالم جناں میں رشک و رقابت ہوگی۔ اگر نہیں تو جنت کا کیا لطف، اسکے حصول کی آرزو اسقدر کیوں؟ ۔ (۲) سنا جاتا ہے کہ محشر میں انسان انھیں دنیاوی اعضا و جوارح سے اٹھایا جائیگا، کیونکہ ہر عضو پر قوت کے جواب دہی ہوگی، اگر واقعہ اثبات میں ہے تو زاہدان نے ہزاروں راتیں حور کے شوق میں آنکھوں میں کاٹی ہیں اور خدا جانے اس کے لیئے کیا کیا مشقتیں اٹھائی ہیں، ان دنیاوی خشک اور بے حس آنکھوں سے جو اپنی بد ذوقی کے لیئے دنیائے حسن میں مشہور ہیں، عقبےٰ میں حوروں کے حسن روح افروز سے کیا بہرہ اندوز ہوگا، اور کیا لطف اٹھا سکے گا؟۔

(نگار) چونکہ میں "حشر اجساد" کا قائل نہیں ہوں اور جنت کی حقیقت حسب ارشاد نبوی "مالا عین رات ولا اذن سمعت، ولا خطر علیٰ قلب بشر" سمجھتا ہوں، اس لیئے میرے نزدیک آپکے تمام خطرات بیکار ہیں، کیونکہ ان کا تعلق عالم مادہ سے ہے اور "دوزخ و جنت" نام ہے بالکل روحانی تاذی و تنعم کا، لیکن اگر عام واعظوں کے بیان کے مطابق جنت نام ہے صرف اس جگہ کا جہاں نفس کی تمام خواہشات پوری ہونگی، تو بھی تکمیل عشرت کے لیئے آپ کی روحوں سے لگاوٹ کرنے والے اللہ کے بندے وہاں بہت سے پیدا ہو جائیں گے تاکہ کسی طرح آپ کو جنت کا لطف تو حاصل ہو، رہے وہ زاہدان خشک جو صرف اسلیئے عبادت کرتے ہیں کہ "داعیاً انتقام عصبی" کو تسکین پہونچانے کیلئے (نعوذ باللہ) وہاں حوریں ملیں گی، سو انہیں نہ حوروں کے مطالعۂ حسن کی غرض اور نہ اسکی ضرورت، کیونکہ انہیں تو وہاں صرف اپنی "دنیاوی محرومی" کا انتقام لینا ہے، اور اس میدان میں "انتہائے بے ذوقی" "کمال لطف" ہے

خواتین ترکی اور تعلیم

۴۔ (ارتضیٰ احمد زاہدی ۔ الہ آباد) ۔ کیا عورتوں کے لیئے جدید تعلیم ضروری ہے، میں نے سنا ہے کہ ترکی میں عورتیں بہت ترقی کر رہی ہیں اس بات میں آپ کوئی تازہ ترین اطلاع بہم پہونچا سکتے ہیں ؟

(نگار) عہد ماضی میں ترقی کے جو اصول بھی رہے ہوں، لیکن اب بلاشبہ یہ امر قطعیات مسلمہ میں سے ہے کہ کوئی قوم اسوقت تک اپنی ترقی کی مدعی نہیں ہو سکتی جب تک اس کا حصۂ لطیف تعلیم و تربیت کے ضروری مدارج طے نہ کر چکا ہو، کیونکہ تدبیر منزل کے فرائض ادا کرنے میں اب وہی عورت کامیاب ہو سکتی ہے، جو جدید دور ترقی کو پیش نظر رکھ کر اولاد کی تربیت کا اہتمام کرے اور یہ اسوقت تک ممکن نہیں جب تک وہ تعلیم جدید سے آشنا نہ ہو۔ حال ہی میں نگار خانم (ترکی کی مشہور شاعرہ) اور ڈاکٹر اینک کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اسے "المقتطف" نے شائع کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکی کی عورت اب ترقی کے کئی منازل کو طے کر چکی ہے اور وہ کسقدر بے صبری کے ساتھ آگے بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے، خاتون مذکور کا بیان ہے کہ " اب ہمارے ہاں تعلیم نسواں کی کامل اصلاح ہو چکی ہے ۔ گذشتہ قرن ہمارے اوپر ایسا گذرا ہے کہ ہم مغربی تعلیم و تہذیب کے اصول سے بالکل نابلد تھے لڑکیوں کا اکثر حصۂ اوقات دینی تعلیم میں صرف ہوتا تھا، لیکن اب آستانہ اور تمام بڑے بڑے شہروں میں لڑکیوں کے مدارس ابتدائی و مدارس عالیہ کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں اور ہر مدرسہ کا نصاب نہایت بلند رکھا گیا ہے۔

تمام مدارس میں فرانسیسی زبان لازمی قرار دیگئی ہے اور بعض میں جرمن و انگریزی بھی ضروری ہے، ہمارے ہاں ایسے مدارس بھی ہیں، جہاں عورتوں کو فن تعلیم سکھایا جاتا ہے اور مختلف فنون کے مدارس بھی کافی تعداد میں موجود ہیں، جہاں فن تہذیب، علم صحت، تاریخ، علم الاجتماع علم الاقتصاد اور سیاسیات وغیرہ کی بھی تعلیم دیجاتی ہے، ہر سال سیکڑوں لڑکیاں یورپ روانہ کی جاتی ہیں تاکہ وہاں کسی خاص فن میں کمال حاصل کریں یہ لڑکیاں تکمیل کے بعد وہاں سے آتی ہیں اور ملک و قوم کی خدمت میں مصروف ہو جاتی ہیں، ایسی لڑکیوں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

ہمارے ہاں کے محکمۂ تعلیم اور "جمعیۃ تہذیب وطنیہ" نے رمضان میں لیکچروں کے سلسلہ کا انتظام کیا ہے جسمیں مرد و عورت سب شریک ہوتے ہیں اور عورتیں بھی لیکچر دیتی ہیں۔ اسوقت ہمارے ہاں تین زنانہ رسالے جاری ہیں جنمیں سے ایک ہفتہ وار ہے، اسکا نام "قادنلی دنیاسی" (عورت کی دنیا) ہے اسکی اشاعت بہت ہے، اور اسکی ادارت نہایت روشن خیال خواتین کے ہاتھ میں ہے چنانچہ اس کے حلقۂ ادارت کی ایک خاتون حال ہی میں طیارہ کے اندر بیٹھکر اڑی اور حکومت نے اس کی تصویر فوجی عجائب خانہ میں آویزاں کرادی۔

ہمارے ہاں عورتوں نے اعمال عمومی میں بھی حصہ لینا شروع کیا ہے سب سے پہلے محکمۂ ڈاک کی وزارت نے بجائے مرد کلرکوں کے عورتوں کی خدمات زیادہ حاصل کیں تاکہ عورتیں بھی وطن کی خدمت میں حصہ لیں، لیکن دوران جنگ میں ہر محکمہ کے اندر عورتیں پائی جاتی تھیں اور انمیں سے بعض مناصب جلیلہ پر ممتاز تھیں ۔

پھر لغات، علوم متداولہ اور اعمالِ عامہ کے سیکھنے ہی پر ہم نے اکتفا نہیں کیا، بلکہ موسیقی، آداب (لٹریچر) اور فنِ صحافت وغیرہ کو بھی حاصل کیا چنانچہ اب ہمارے ہاں کے ادب و شعر نے بہت ترقی کر لی ہے، اور خالدہ ادیب خانم کے معاشرتی افسانے اس کے ثبوت میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ترکی میں کثرت سے ایسی عورتیں موجود ہیں۔ جو فنِ مصوری، صحافت، موسیقی وغیرہ میں کمال رکھتی ہیں اور ہمارے ہاں متعدد ایسی انجمنیں قائم ہیں جن کا مقصد وحید خدمتِ عامہ، تعلیمِ غربا، اور امدادِ بیچارگان ہے الغرض ترکی عورت میں کامل احساس پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے اور اُن فرائض کو ادا کرے جو لطیف حصۂ قوم ہونے کے لحاظ سے ملک کی طرف سے اس پر عاید ہوتا ہے

(ا) نیستی سے ہستی کا امکان (ب) درسِ نظامی کی تاریخ

۵۔ (محمد ایوب منصفی۔ مالیگاؤں۔ ناسک)۔ (۱) محض نیستی سے ہستی ممکن ہے یا نہیں (۲) درسِ نظامی کی تاریخ کیا ہے، دورِ حاضر میں وہ قابلِ ترمیم ہے یا نہیں اگر ہے تو وہ ترمیمات کیا ہیں، مناسب ہوگا اگر آپ اس موضوع پر کوئی مفصل مقالہ سپردِ قلم فرمائیں (۳) جامع مسجد بمبئی کے کتب خانہ میں "علم الفصاحت" سے متعلق ایک کتاب "الاشارہ بالعبارۃ" کے نام سے موجود ہے، رسمِ خط بہت قدیم ہے یہ کتاب آخر سے ناقص ہے اور دیمک نے مصنف کا نام بھی کھا لیا ہے مہربانی فرما کر اس کتاب کے مصنف کا نام اور اس کے کسی دوسرے مکمل نسخہ کا پتہ بتائیے۔

(نگار) (۱) آپ کا پہلا سوال اُن مسائلِ دقیقہ اور ابحاثِ غامضہ سے متعلق ہے کہ اگر کوئی شخص دفتر کے دفتر لکھتا چلا جائے تو بھی کافی نہ ہو، اور لطف یہ ہے کہ حقیقت پھر بھی مستور رہے، کیونکہ علماء قدیم و جدید سب کے ہاں نہ صرف خیال آرائی۔ بلکہ نزاعِ لفظی کا بہترین معرکہ اسی مسئلہ وجود سے وابستہ نظر آتا ہے۔ کوئی اس کا "جزی حقیقی" کہتا ہے کوئی کلّی۔ کوئی واجب کہتا ہے کوئی ممکن، کسی نے اس کو عینِ ماہیت قرار دیا ہے اور کسی نے "زائد علی الماہیت"، کوئی مشترک کہتا ہے کوئی مشکک اور کوئی متواطی، الغرض ہر فلسفی کی جداگانہ رائے ہے اور اسی کے ثبوت میں وہ دلائل و براہین پیش کرتا ہے، اور اس سلسلہ میں عرض و جوہر، وجودِ خارجی و ذہنی، جعلِ بسیط و جعلِ مرکب وغیرہ کی بحثیں پیدا ہوتی ہیں، جن کا مختصر ذکر بھی بسلسلۂ استفسار و جواب ناممکن ہے، رہا کوئی علیحدہ مضمون اس کے متعلق لکھنا، سو وہ بھی مناسب نہیں کیونکہ اسمیں کثرت سے اصطلاحاتِ علمیہ استعمال کی جائینگی جن کے سمجھنے والے سو میں دو بھی مشکل سے نکلیں گے۔

بہر حال عدمِ محض سے وجود کا ظہور یوں تو ناممکن ہے اور اسی لیے مادیین، مادہ اور قوت کو قدیم مانتے ہیں، لیکن وہ لوگ جو خدا کو واجب الوجود اور قادرِ مطلق تسلیم کرتے ہوئے تمام کائنات کا سررشتہ ظہور اس "کنزِ مخفی" سے وابستہ سمجھتے ہیں جو یقیناً قدیم اور قائم بالذات ہے، اُن کے لیے یہ سمجھنا بہت آسان ہے کہ وجودِ محض خواہ وہ کتنی ہی صورتوں میں نمایاں ہو، ایک ہی چیز ہے، اور اس لیے ان کے سامنے یہ سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا کہ نیستی سے ہستی کا ظہور ممکن ہے یا نہیں۔

(۲) آپ کا دوسرا سوال "درسِ نظامی" کی بابت اس غلطی سے متعلق ہے جسمیں کثرت سے لوگ مبتلا ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ نظام الملک

طوسی نے بغداد میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد قائم کی، لیکن یہ خیال کرنا کہ موجودہ درس نظامی کا نصاب وہی ہے جو اسوقت اُس مدرسہ میں جاری تھا، سخت غلطی ہے. کیونکہ موجودہ درس نظامی کا نصاب مشتمل ہے معیّن و مخصوص کتابوں پر اور اُسوقت درس دینے کا قاعدہ یہ نہ تھا بلکہ ماہرین فن اپنے اپنے موضوع پر طلبہ کے سامنے اسی طرح خطبہ دیتے تھے جسطرح آج کل ولایت کی یونیورسٹیوں میں رائج ہے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کی ۸۰-۲ سال کی زندگی میں (جو ۴۵۹ھ سے شروع ہوئی تھی) ہزار عالم اس قابلیت و فضیلت کے نکلے کہ مشکل سے زمانہ ان کی نظیر پیش کر سکتا ہے چنانچہ سعدی شیرازی بھی اسی جامعہ کے طالب علم تھے،

موجودہ درس نظامی تو فرنگی محل لکھنؤ کے ایک عالم ملا نظام الدین کا جاری کیا ہوا ہے، اور یقیناً اسمیں سخت اصلاح کی ضرورت ہے اسمیں سب سے بڑا نقص ایک تو یہ ہے کہ صرف نحو کی تعلیم میں بہت فضول وقت ضائع ہو جاتا ہے، اور دوسرے یہ کہ ادب و لغت کی طرف کوئی توجہ نہیں کیجاتی، اسی کے ساتھ منطق الہیات کی جتنی کتابیں اسمیں شامل ہیں وہ بھی اب تقویم پارینہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں اسلیئے میری رائے میں صرف و نحو کی کتابوں کو کم کرکے زبانی خطبات کے ذریعہ سے سمجھانا چاہیئے اور مخصوص طور پر ایسی جامع کتابیں لکھنا چاہیئے کہ زیادہ سے زیادہ ۶ ماہ کے اندر قواعد پر عبور ہو جائے اور ایسی کتابیں مصر میں رائج ہیں، اسی طرح منطق و الہیات کی بھی بقدر ضرورت تعلیم دینی چاہیئے، فقہ و اصول فقہ، حدیث و اصول حدیث بیشک نہایت ضروری چیز ہے، لیکن افسوس ہے کہ ان فنون کے متعلق جو کتابیں رائج ہیں وہ موجودہ حالات کے لحاظ سے ناکافی ہیں، ان میں بھی ردو بدل ضروری ہے معانی و بیان، اور لغت و ادب، کے لیئے کتابوں کا معقول اضافہ کرنا چاہیئے اور ہندسہ و ہیئت کے ساتھ علم الکیمیا، طبیعیات، طبقات الارض، تاریخ، اقتصاد و سیاسیات کی تعلیم نہایت ضروری ہے۔ جسوقت میں ندوہ میں تھا اور مولانا فاروق چریا کوٹی اس کے پرنسپل تھے، اسوقت بھی مسئلہ نصاب پر غور کیا گیا تھا اور اس کے بعد مولانا شبلی نے بھی اس طرف توجہ کی تھی، لیکن افسوس ہے کہ اسوقت تک وہاں بھی کوئی مکمل نصاب جاری نہ ہو سکا۔ جامع ازہر مصر کا نصاب بعض حیثیات سے اچھا ہے، لیکن اگر ہندوستان میں اسکو رائج کیا جائے تو اُسمیں بھی تبدیلی کی ضرورت ہوگی۔

(۳) آپ نے جس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ کشف الظنون میں تو اس کا کہیں پتہ ہے نہیں اور نہ کبھی میری نگاہ سے یہ کتاب گذری یہاں کے کتب خانہ میں بھی میں نے تلاش کیا لیکن کامیابی نہیں ہوئی، اگر کسی وقت اس کا پتہ چلا تو عرض کرونگا۔

ایڈیٹر

معلومات

دنیا کا سب سے چھوٹا انسان

میجر کلیرنس اسوقت دنیا کا سب سے چھوٹا انسان ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ باوجود اسقدر حقیر و مختصر ہونے کے وہ کیونکر "دنیائے حیات" میں اپنی عملی زندگی بسر کر رہا ہے، اس کا قد صرف ۱۸ انچہ کا ہے اور اس کا وزن ۶ پونڈ (ساڑھے سات سیر، ۷ چھٹانک) ہے

دنیا میں حکومت جمہوریت کی اشاعت

گذشتہ جنگ دنیا، نے تجارت و اقتصاد کے لیئے خواہ کتنی ہی مضرت رساں ثابت ہوئی ہو، لیکن اسمیں کلام نہیں کہ "سیاسیات" کے نقطہ نظر سے وہ ایک نعمت و برکت تھی، جس نے دنیا میں "جمہوریت" کے خیال کو عام طور پر پھیلا دیا اور اب وہی یورپ جو باوجود دعائے حریت و مساوات کے استبداد کی لعنت میں گرفتار تھا، کسقدر جمہوریت طلب ہوتا جا رہا ہے۔ ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگا کہ اسوقت یورپ میں حکومت ملوکی کسقدر کم ہو گئی ہے اور آبادی کا کتنا حصہ آزاد ہو چکا ہے۔

نام	پیمائش مربع کلیومیٹر میں	آبادی	نام	پیمائش مربع کلیومیٹر میں	آبادی
استبدادی حکومت			جمہوری حکومت		
برطانیہ	۳۱۴۰۰۰	۴۶۰۰۰۰۰۰	روس	۳۸۳۴۰۰۰	۷۴۰۰۰۰۰۰
اسپین	۴۹۷۲۷۵	۲۰۰۰۰۰۰۰	جرمنی	۴۴۰۰۰۰	۶۰۰۰۰۰۰۰
رومانیہ	۲۹۰۰۰۰	۱۵۰۰۰۰۰۰	فرانس	۵۵۱۰۰۰	۳۹۲۰۰۰۰۰
یوگوسلافیا	۲۵۷۰۰۰	۱۳۰۰۰۰۰۰	پولینڈ	۴۵۵۰۰۰	۳۴۰۰۰۰۰۰
بلجیم	۳۰۴۰۰	۷۶۸۰۰۰۰	بوہیمیا	۱۳۰۰۰۰	۱۸۰۰۰۰۰۰
ہالینڈ	۳۴۲۰۰	۶۷۰۰۰۰۰	ہنگری	۹۳۰۰۰	۸۰۰۰۰۰۰
سویڈن	۴۴۸۰۰۰	۵۸۵۰۰۰۰	آسٹریا	۷۶۳۰۰	۶۶۰۰۰۰۰
ناروے	۳۲۲۹۰۰	۲۴۰۰۰۰۰	پرتگال	۸۸۷۴۰	۵۵۰۰۰۰۰
ڈنمارک	۴۳۵۰۰	۳۰۰۰۰۰۰	سوئیٹزرلینڈ	۴۱۰۰۰	۳۸۰۰۰۰۰

لکسمبرگ	۲۶۰۰	۲۶۰۰۰۰	فنلینڈ	۳۶۷۰۰۰	۳۳۰۰۰۰۰
اطالیہ	۳۰۸۰۰۰	۳۸۰۰۰۰۰۰	لتھوانیا	۴۸۰۰۰	۱۹۰۰۰۰۰
یونان	۱۵۵۰۰۰	۵۶۰۰۰۰۰	لتھونیا	۴۸۰۰۰	۱۲۰۰۰۰۰
بلغاریہ	۱۰۲۸۰۰	۴۳۰۰۰۰۰	استھونیا	۴۲۰۰۰	۱۲۰۰۰۰۰
میزان	۲۲۹۰۵۶۷۵	۱۶۷۸۹۰۰۰۰	میزان	۶۲۲۴۰۴۰	۲۵۶۸۰۰۰۰۰

ف۱ ایک کلیومیٹر برابر ہے ۶۲۱۳۷ء۰ میل کے

جدید آلہ کتابت بروایت سائنٹفک امریکن معلوم ہوتا ہے کہ حال ہی میں ایک ایسا آلہ ایجاد کیا گیا ہے جو ایک نقطہ کے برابر کسی معدنی چیز پر چار ہزار الفاظ کندہ کر سکتا ہے، اس آلہ کا مصرف زمانہ جنگ ہوگا جب مکتوبات وغیرہ کی سخت نگرانی ہوتی ہے، آلہ کے ذریعہ سے جوتہ کی کیل اور قمیص کے بٹن پر مفصل داستان درج ہو سکے گی جو بعد کو خردبین کے ذریعہ سے پڑھ لی جائیگی۔

جذام کا علاج سر لیونارڈ راجرس نے حال ہی میں ایک خطبہ کے دوران میں ظاہر کیا ہے کہ یقیناً جذام امراض متعدیہ میں سے ہے، لیکن اس کا تعدیہ عام نہیں ہے اور بیمار سے جدا رہنا کافی حفاظت سمجھی جاتی ہے، اس نے یہ بھی ظاہر کیا کہ اسوقت دنیا میں مجذوبین کی تعداد کم از کم تیس لاکھ ہے؛ اور اس کا بہترین علاج وہ مادہ ہے جو شولمغرا (chaul moogra) سے نکلتا ہے، اس کے ذریعہ سے جذام اور سِل کا علاج کرنا ہندوستان قدیم میں کثرت سے رائج تھا، اور اب بھی اس دوا سے کامل صحت ہو جاتی ہے اور کوئی نشان جذام کا باقی نہیں رہتا۔

طحال کا فائدہ گذشتہ چند دنوں سے مغرب کے علماء طب کے نزدیک یہ امر بحث طلب تھا کہ طحال سے کیا فائدہ ہے جب کہ اسکے نکالدیئے جانے سے صحت جسمانی کو کوئی مضرت نہیں پہونچتی، لیکن حال ہی میں ایک کتے کی طحال نکالکر تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اسکی خوراک بہت بڑھ جاتی ہے تاکہ اسکا وزن اپنے حال پر قائم رہے اسلیئے ثابت ہوا کہ طحال کا وجود جسم کو گھلنے سے باز رکھتا ہے

امریکہ میں صنعت کی ترقی سنہ ۱۸۴۹ء سے لیکر اسوقت تک امریکہ کی صنعت میں ۵۶ گنا اضافہ ہو گیا ہے سنہ ۱۸۴۹ء میں اسکے مصنوعات کی قیمت ۱۰۹۱ ملین ڈالر تھی، لیکن سنہ ۱۹۱۹ء میں ۶۲۴۱۸ ملین ڈالر تک پہونچگئی، سنہ ۱۸۶۹ء میں وہاں کے کارخانوں میں ۲۳۵۰۰۰۰ گھوڑوں کی قوت کام کرتی تھی، لیکن سنہ ۱۹۱۹ء میں یہ ۳۰۰۰۰۰۰ گھوڑوں تک پہونچگئی ہے،

انگلستان و ہند کے درمیان ہوائی سفر حکومت انگلستان نے ایک کمپنی سے معاملہ کیا ہے تاکہ انگلستان اور ہندوستان کے درمیان ہوائی سفر کے لیے بڑے بڑے جہاز طیار کیے جائیں، ہر جہاز میں ۱۵۰ مسافر آسکیں گے اور دس ٹن وزنی اسباب اور ڈاک آسکیگی۔ اسکی رفتار فی گھنٹہ ۸۰ میل ہوگی، اور ۷۴ گھنٹے کے اندر یہ سفر طے ہوسکے گا۔ سفر کی اجرت فی کس ۷۰ سے ۸۰ گنی تک لی جائیگی اور ایک وقت میں بغیر قیام کئے ہوئے ۵۲۰۰ میل کا راستہ طے ہوسکے گا، ان جہازوں میں ہالیوم گیس استعمال کی جائیگی جسمیں آگ نہیں لگ سکتی، اسلیئے یہ جہاز بہت محفوظ ہوں گے، ان کی تعمیر بیشک بہت مضبوط ہوگی تاکہ اگر راستہ میں ہوا اور طوفان سے تصادم ہوجائے تو ان کو نقصان نہ پہونچے۔

اعادۂ شباب حال ہی میں یورپ کے جراحین کا ایک جلسہ لندن میں منعقد ہوا تھا، اسمیں "ڈاکٹر سرج ورنوف" نے متعدد تصاویر پیش کیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ چھوٹی عمر کے جانوروں کے غدود بڑی عمر کے جانوروں میں اور بعض جانوروں کے غدود ضعیف انسانوں کے اندر منتقل کرنے سے کیونکر ان کا شباب عود کر آیا۔

ایک تصویر سے وہ عمل جراحی ظاہر ہوتا تھا جو غدود پر کیا گیا تھا، دوسری صورت میں انتقال غدود یا عمل پیوند کا نتیجہ ظاہر ہوتا تھا، بعض تصویریں اُن ضعیف بکریوں اور بھیڑوں کی بھی تھیں جو اس عمل کے بعد نہایت قوی و توانا ہوگئیں لیکن خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر تھیں، ضعیف انسانوں کی تصویریں تھیں جنمیں چمپینزی (بندر) کے غدود منتقل کرکے شباب واپس لایا گیا۔ ایک شخص کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ اسپر گذشتہ مارچ کے مہینہ میں عمل جراحی کیا گیا اور تصویر لی گئی، پھر چار ماہ کے بعد تصویر لی گئی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسکی عمر زیادہ سے زیادہ ۴۵ سال کی ہے، دوسری بھی ایسی ہی تھی، لیکن تیسری تصویر ایک ایسے شخص کی تھی جس کی عمر ۷۵ سال کی تھی اور جو بالکل بیکار ہوچکا تھا، سنہ ۱۹۲۱ء میں اسپر عمل جراحی کیا گیا، چنانچہ اب اس کا یہ حال ہے کہ گھوڑوں پر سوار ہوکر نہایت عمدہ پولو کھیلتا ہے اور مشکل سے اس کی عمر کا اندازہ ۴۵ سے زیادہ کیا جاتا ہے۔

انگلستان کے تعلیمی مصارف انگلستان کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے مصارف گذشتہ سال ۸،۲۶،۸۰،۵۳ پونڈ تھے، لیکن اسمیں آکسفورڈ اور کیمبرج کے مصارف شامل نہیں ہیں، ان مصارف کا فی صدی ۳۵،۳ حصہ حکومت ادا کرتی ہے، ۲۵،۷ تلامذہ سے وصول ہوتا ہے، ۱۱،۷ مجالس بلدیہ (میونسپلٹیوں) سے ۱۰،۳ اوقاف سے، ۷،۲ چندوں سے اور ۳،۴ دیگر ذرائع سے، آمدنی میں سے فیصدی ۱۱،۲ انتظام میں صرف ہوتا ہے، ۳،۹ ۱۴۹ اساتذہ کی تنخواہ میں اور باقی تعمیر و دیگر مصارف میں

انگلستان و امریکہ میں ٹیکس

قبل جنگ انگلستان میں ۴۶ ملین گنی ٹیکس وصول کیا گیا، یعنے اگر اس ٹیکس کو وہاں کی آبادی پر پھیلا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر شخص کو ایک گنی سالانہ ادا کرنا پڑا، گذشتہ سال ٹیکس کی مقدار ۳۰۰ ملین گنی تک پہونچ گئی حالانکہ آبادی میں بہت کم اضافہ ہوا ہے۔

امریکہ میں ۱۹۱۴ء میں ۸۰ ملین ڈالر ٹیکس وصول کیا گیا تھا، لیکن گذشتہ سال تقریباً ۳۲۰۰ ملین (۳۰۸۳،۴۵۱،۲۱۹) ڈالر وصول کئے گئے یعنے تقریباً ۳۶ گنا اضافہ ہوگیا۔

آگ بجھانے کی نئی گاڑی

امریکہ میں آگ بجھانے کے لئے ایک جدید قسم کی گاڑی بنائی گئی ہے جسمیں صرف ایک آدمی سوار ہو سکتا ہے، اسمیں پشت کی طرف ایک فوارہ لگا ہوا ہے جس سے پانی بلند ہوکر گرتا ہے اور آدمی کو چاروں طرف سے ڈھک لیتا ہے۔ اسمیں آگے کی طرف ایک نل لگا ہوا ہے، جس سے نہایت تیز دھار نکل کر آگ کو بجھاتی ہے، اس فوارہ سے یہ فائدہ ہے کہ آگ بجھانے والے آگ اس کے بالکل قریب جاکر آگ بجھا سکتا ہے، اور اسکو گزند نہیں پہونچتا۔

درخت سے چشمہ کا اجراء

سوئٹزرلینڈ میں مقام برن کے قریب ایک بڑا درخت ہے جس سے ہر وقت چشمہ جاری رہتا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چشمہ مصنوعی ہے، لیکن اسمیں صنعت انسانی کو حقیقتاً کوئی دخل نہیں ہے، جب تک یہ درخت پودا تھا اس چشمہ کی کوئی علامت اس سے ظاہر نہ ہوتی تھی لیکن جب وہ بڑا ہوگیا تو ایک شگاف سے چشمہ بہنے لگا، اور روز بروز اس میں زور ہوتا گیا حتیٰ کہ اب ایک پورے رقبہ کی زراعت کا کام اسی سے چلتا ہے، اس کا پانی نہایت صاف و شفاف ہے۔

اسکی وجہ سوائے اس کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتی کہ اس درخت کی جڑیں زیر زمین کسی چشمہ تک پہونچ گئی ہیں اور اس کے پانی کو جذب کرکے درخت کے شگاف سے باہر پھینکتی رہتی ہیں۔

تدبیر صلح بتانے کا انعام

اڈورڈ باک نے جو امریکہ کے ایک رسالہ لیڈیز ہوم جرنل کا اڈیٹر رہ چکا ہے اعلان کیا ہے کہ جو شخص بہترین "تدابیر صلح" بتائے گا اسکو ایک لاکھ ڈالر انعام میں دیا جائیگا لیکن شرط یہ ہے کہ یہ تدابیر ایسی ہونی چاہیئے جنمیں امریکہ آسانی سے شریک ہو سکے اور وہ قابل عمل ہوں۔ ایسی تدابیر موصول ہونے پر پچاس ہزار ڈالر فوراً ادا کر دیا جائینگے، اور باقی پچاس ہزار اسوقت دیئے جائینگے۔ جب ان پر عملدرآمد ہو جائیگا مسٹر اڈورڈ نے اس انعام کے لیئے ضمانت داخل کر دی ہے اور ایک جماعت فیصلہ کرنے والی منتخب ہوئی ہے اسوقت تک سیکڑوں تدابیر موصول ہوئی ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ کب تک اس کا فیصلہ ہو سکے گا۔

ایک عجیب و غریب جھیل آئرلینڈ میں ایک عجیب و غریب جھیل دریافت ہوئی ہے، اس کا پانی ہر اس چیز کو جو اسمیں ڈال دی جاتی ہے پتھر کا بنا دیتی ہے، یہ تجربہ اس قسم کا نہیں ہوتا کہ وہ چیز اندر سے بالکل پتھر کی ہو جائے، بلکہ اس کے اوپر حجری مادہ کی تہیں چڑھتی چلی جاتی ہیں، حتیٰ کہ آخر میں وہ بالکل پتھر نظر آتی ہے اور اس سے پتھر ہی کا سا کام لیا جاتا ہے۔

انگلستان کے ایک کارخانے نے، جو آلاتِ اوزار بناتا ہے یہ خبر سنکر اپنے ایک نمایندہ کو وہاں بھیجا، جس نے لکڑی کے چند ٹکڑے وزن باندھکر ڈبو دیئے۔ پندرہ دن بعد دو ٹکڑے نکالے گئے تو معلوم ہوا کہ ان پر کچھ حجری مادہ چڑھ گیا ہے، اسکے دو ہفتہ بعد باقی ٹکڑے نکالے گئے تو وہ بالکل پتھر کے معلوم ہوتے تھے، اور چقماق کی طرح سخت تھے، اس کے بعد کارخانہ نے متعدد تجربے کئے اور وہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ اک خاص مدت کے بعد اسقدر تحجر اشیاء میں پیدا ہو جاتا ہے کہ اسکی سِلّی استرے وغیرہ کے لیئے نہایت عمدہ طیار ہو سکتی ہے۔

ایک مردہ کا زندہ ہو جانا ۹ ستمبر کے بمبئی کرانکل میں ایک اطلاع شائع ہوئی ہے، کہ البنی (امریکہ) کے ایک سپتال میں کوئی عورت جس کا نام مارگرٹ کو برتھا مرگئی، اس کے تین دن بعد جب لاش دفن ہونے کے لیئے لیجائی جانے والی تھی، ایک عورت (الزبتھ اسمتھ) اندر آئی اور لاش کے سامنے کھڑی ہو کر روحانی توجہ دینے لگی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارگرٹ کو برنے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ بیٹھی، اس سے دریافت کیا گیا تو اسنے کہا کہ میں لائبریری میں مسٹر بنینگ کی کتاب جسمیں دماغی و روحانی طریق علاج سے بحث کی گئی ہے دیکھ کر آرہی تھی اور اس خیال میں حد درجہ مستغرق تھی کہ اسپتال کے سامنے سے گذری اور یہ معلوم کر کے کہ کوئی خاتون مرگئی ہے تجربہ کرنے اندر چلی گئی۔

اس واقعہ نے امریکہ میں ہر جگہ حیرت و تعجب کی لہر دوڑا دی ہے اور چاروں طرف سے اس خاتون کو دعوت دیجا رہی ہے کہ وہ مختلف مریضوں پر اپنے عمل کے کرشمے دکھائے، لیکن وہ اپنے ضعف کی وجہ سے ہر جگہ نہیں جا سکتی، اور اسنے اعلان کر دیا ہے، کہ میرے اندر کوئی خاص قوت موجود نہیں ہے اور ہر شخص اس کتاب کو دیکھکر آسانی سے یہی عمل کر سکتا ہے، اگر یہ بیان مسٹر بنینگ کی کتاب کا اشتہار نہیں ہے، تو حقیقتاً عجیب و غریب واقعہ ہے۔

چاند زمین سے کب جدا ہوا حال ہی میں "جمعیت جغرافی" کی ایک کانفرنس لندن میں منعقد ہوئی تھی، اس کے دوران میں پروفیسر اڈنگٹن نے جو فلکیات کا مشہور عالم ہے، بیان کیا ہے کہ زمین سے قمر کے جدا ہونے کے متعلق جو مباحث جدیدہ پیش نظر ہیں ان سے سر جارج ڈاردن کی رائے کا پورا ثبوت بہم پہونچتا ہے، یقیناً یہ انفصال اسوقت ہوا جب زمین اپنے محور پر تین چار گھنٹے کے اندر پورا دورہ ختم کر لیتی تھی، اسکے بعد یہ سرعت رفتار

آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی، یہاں تک کہ اب اسے پورے چوبیس گھنٹے اس گردش کے لیئے درکار ہوتے ہیں۔

قدیم سورج گرہنوں کا حساب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی حرکت اس کے محور پر ایک لاکھ سال کے بعد بمقدار ایک ثانیہ کے کم ہو جاتی ہے (یعنے ساٹھ لاکھ سال میں ایک منٹ)، اسلیئے چاند کی علیحدگی کا زمانہ زمین سے دس ارب سال ہونا چاہیئے، لیکن چونکہ پہلے چاند زمین سے بہت قریب تھا اسلیئے اسوقت کشش باہمی کی وجہ سے زمین کی حرکت میں بہت جلد اور زیادہ کمی پیدا ہوتی ہوگی۔ بنابران اندازہ کیا جاتا ہے کہ چاند کو زمین سے جدا ہوئے ایک ارب سال سے زیادہ زمانہ نہیں گذرا۔

عورتوں کے حقوق سیاسی

باوجود آزادی کے عورتوں کو "مجالس حکومت" میں حق نیابت حاصل نہیں ہوا تھا، لیکن اس کے لیئے ان کی جد وجہد بدستور جاری رکھا، حتی کہ ۱۹۱۱ء میں ان کو آسٹریلیا نیوزیلینڈ، فنلینڈ اور ناروے کے اندر حق نیابت مل گیا، اور ۱۹۲۰ء میں اور ۲۷ مقامات میں اس کا تتبع کیا گیا، چنانچہ بلاد انگلستان، ولایات متحدہ امریکہ وغیرہ بھی ان میں شامل ہیں۔ ۱۹۱۱ء میں صرف ۲۵ لاکھ عورتوں کو حق نیابت حاصل تھا اور ۱۹۲۱ء میں یہ تعداد ۱۲ کروڑ تک پہونچگئی،

امریکہ میں میخواری کا عروج وانحطاط

گذشتہ جنگ کا بہترین اثر جسے ولایات متحدہ امریکہ نے قبول کیا، استعمال مسکرات کی ممانعت ہے، ۱۸۵۰ء میں وہاں کا ہر شخص اوسطاً چار گیلن شراب پیتا تھا، اس کے بعد مذموم عادت بڑھتی گئی حتی کہ اوسط فی کس ۹ گیلن ہو گیا، اور ۱۸۹۰ء میں ۱۷ گیلن تک پہونچگیا اس کے بعد اسمیں انحطاط شروع ہوا حتی کہ ۱۹۱۱ء میں اوسطاً ۲۳ گیلن رہگیا، اور ۱۹۲۰ء میں صرف تین گیلن۔

امریکہ اور انگلستان کے ٹیلیفون

۳۱۔ دسمبر ۱۹۲۰ء کو انگلستان، اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ میں ۹۸۸۵۰۰ ٹیلیفون کام کرتے تھے یعنے ہر ۴۷ آدمیوں پر ایک ٹیلیفون قائم تھا، اس کے بعد ۱۹۲۳ء تک اسمیں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا، امریکہ میں صرف نیو یارک کے اندر ۱۹۲۳ء کی ابتدا میں ۱۷۴۸۰۰ ٹیلیفون کام کرتے تھے یعنے ہر آٹھ آدمی کے لیئے ایک ٹیلیفون قائم ہے، اسوقت نیو یارک میں ۴۶ دفاتر ٹیلی فون کے ہیں جنمیں ۳۴۰۰۰ آدمی ملازم ہیں۔

علم الکیمیا کا سب سے بڑی درسگاہ

امریکہ کے یایل یونیورسٹی میں علم الکیمیا کا سب سے بڑا معمل تیار کیا گیا ہے اسکی تعمیر و فراہمی آلات میں چار لاکھ گنی کی رقم صرف ہوئی ہے جو وہاں کے ایک متنفس مسٹر جون اسٹرلنگ نے پیش کی تھی، یہ درسگاہ ایک صدی قبل قائم کی گئی تھی اور اسمیں سب سے پہلے علم الکیمیا پر

پروفیسر بنیامن سالومن نے خطبہ دیا تھا، جس دن دوبارہ تجربہ گاہ کا افتتاح ہوا تو اس درسگاہ کے قیام کو پوری ایک صدی گزر چکی تھی۔

امریکہ میں تعلیم نسواں

فن تعلیم سکھانے کے لیئے امریکہ میں جسقدر مدارس قائم ہیں ان کا معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مدارس ابتدائی کے لیئے جسقدر مدرسوں کو تعلیم دیجاتی ہے ان میں عورتوں کی تعداد زاید ہے، یعنے سنہ ۱۹۲۰ء میں ۱۹۱۱۰ مرد ان میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور ۱۱۶۳۰۸ عورتیں۔ گویا ۸۶ فیصدی عورتیں ہیں اور ۱۴ فیصدی مرد، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں ابتدائی تعلیم کا انحصار زیادہ تر عورتوں پر ہے اور فطرت کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ چھوٹی عمر کے بچوں کی ترتیب عورتوں ہی کے سپرد کی جائے، یورپ میں عورتوں کی تعداد اس لحاظ سے کم ہے۔

ہندوستان میں حکومت برطانیہ سے قبل و بعد کے قحط

گیارہویں صدی میں دو قحط رونما ہوئے، تیرہویں صدی میں ایک قحط صرف دہلی کے قرب و جوار میں ہوا، چودہویں صدی میں تین قحط، پندرہویں صدی میں دو، سولہویں میں تین، سترہویں میں تین، اور اٹھارویں صدی میں سنہ ۱۷۴۵ء تک چار قحط رونما ہوئے لیکن یہ سب مقامی تھے۔

اٹھارویں صدی میں آخری تیس سالوں میں سنہ ۱۷۶۹ء سے سنہ ۱۸۰۰ء تک چار قحط بنگال، مدراس، بمبئی، اور جنوبی ہند میں رونما ہوئے۔ انیسویں صدی میں جس رفتار سے قحط بڑھا وہ حسب ذیل نقشہ سے واضح ہو سکتا ہے:-

سنہ ۱۸۰۰ - سنہ ۱۸۲۵	پانچ قحط	دس لاکھ جانوں کا نقصان
سنہ ۱۸۲۶ - ۱۸۵۰	دو قحط	۵۰ لاکھ " "
سنہ ۱۸۵۱ - ۱۸۷۵	۶ قحط	۵۰ لاکھ " "
سنہ ۱۸۷۶ - ۱۹۰۰	۱۸ قحط	۲ کروڑ ۶۰ لاکھ "

ہندوستان کی دولت کا انحطاط

حسب تحقیق مسٹر ڈگبی سنہ ۱۸۵۰ء میں ہندوستان کے ہر آدمی کی روزانہ آمدنی کا اوسط دو پینس یا دو آنہ تھا، اس کے تیس سال بعد سنہ ۱۸۸۰ء میں اوسط گھٹ کر ڈیڑھ پینس یا ڈیڑھ آنہ رہگیا، اور بیس سال بعد ¾ پینس یا صرف تین پیسے، بظاہر یہ انحطاط کی آخری حد نظر آتی ہے، لیکن نظام حکومت کے برکات کی ابھی انتہا نہیں ہوئی، کیونکہ سنہ ۲۲ء میں یہ اوسط ½ پنس یعنے صرف ۲ پائی رہگیا ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ بیس سال کے بعد ایک ریاضی داں اس اوسط کو کس اعشاری کسر کی صورت میں دکھانے پر مجبور ہوگا۔

حقائق!

آریہ جماعت کا "خدا" جس نے ہندوستان کے اندر آگ اور خون کے کھیل سے "آریہ ورت" کی زمین کو رنگین بنانے کی قسم کھائی ہے، بنارس میں اپنے بندوں کی جماعت کو باچشم گریاں مخاطب کرکے ارشاد فرماتا ہے کہ "اگر دشمن تمہاری محترم "ماتا" اور میری محبوب ترین بیٹی کو تمہاری نگاہوں کے سامنے بھی ذبح کریں، تو خاموش رہو" اگر یہ واقعہ ہے تو کیا "گریۂ تمساح" کی اس سے بہتر کوئی مثال نظر آسکتی ہے؟

عہد حاضر کا "انسانِ اعلےٰ" جو اس "دورِ عیسویت" میں انسان کو صرف "ایک گال پر تھپیڑ کھاکر دوسرا گال سامنے کردینے" والے نظریہ سے زیادہ "درس ایثار و نفس کشی" دینے سے عاجز تھا، اپنی تبلیغ پوری کرکے "محبس کے "خم افلاطون" میں "شانتی" حاصل کررہا ہے اور اسکے بعض ارادتمند جنکو "تعلیم الٰہی" نے "النفس بالنفس" کا درس دیا تھا، اب بھی اسی "فانوس خیال" کے تماشہ میں مصروف ہیں، پھر یہ ممکن ہے کہ ہندوستان کی آبادی پھولوں کے انبار سے ان کے سراپا کو چھپادے، یہ بھی محال نہیں کہ اپنی بہترین "دولت زر" ان پر نثار کردے لیکن اسکی پیشانی سے "لعنت غلامی" کا داغ دور ہونا اسوقت تک ممکن نہیں جب تک وہ "قصاص" میں "حیات" کا راز مضمر ہونے پر ایمان نہ لے آئے

تبلیغ و ارشاد کی خدمت، انسداد ارتداد کے لیئے سعی و کاوش اور کسی معنی میں مفید ہو یا نہ ہو، لیکن شمالی ہند کے ایک قدیم شہر میں، جسے ایک "مبلغ اعظم" کے وطن ہونے کا فخر حاصل ہے، ایک ذی شان و مرتبت، "ایوان بلند" کا اضافہ ضرور ہوجاتا ہے اور ایسا ہونا چاہیئے کیونکہ "رشد و ہدایت" کی کامیابی پر "اعلان شکر" ایسے ہی "قصر مرتفع" کا مقتضی ہے، تاکہ اس کے "کاخ و محراب" سے زیادہ بلند صدائے بازگشت پیدا ہوسکے،

اگر "مذہبیات" کا ایک ماہر خوش بیان مولوی اگر "اتحاد ہندو مسلم" کا جذبات غیرت و خودداری محو کردینے کی حد تک حمایت کرنے والا رہنما برہنہ سر، برہنہ پا صرف ایک ملبوس احرام کے اندر زندگی بسر کررہا ہے، تو اس سے یہ نتیجہ اخذ نہ کرو کہ اسنے "رہبانیت اختیار کرلی ہے، یا وہ "ترک لذات" کا مدعی ہے کیونکہ جب "گاندھی آشرم" میں کھانے کا وقت آتا ہے، تو سب سے پہلے اسی کو "مرغ پلاؤ" کی جستجو ہوتی ہے اور "ضروریات ستہ آشرم" میں جس چیز کو اہم ترین ضرورت قرار دیتا ہے، وہ ایک بہترین "ہوٹل" کا قیام ہے۔

موجودہ افتراق بہت جلد وہ انتشار کلی اختیار کرنا چاہتا ہے کہ ہندوستان کا ہر "ناطق و متحرک بالارادہ" لیڈر اپنی ایک تجویز علیحدہ پیش کریگا اور ہمارے "رہنماؤں" میں سے ہر ایک کی زبان دوسرے سے بالکل مختلف ہوگی، اسلیئے اگر مسئلہ "سوراج" مستقبل قریب میں وہی تاریخی اہمیت حاصل کرنے والا ہے، جو "برج بابل" کو حاصل تھی، تو بھی اسے ناکامیابی نہیں کہہ سکتے۔

۹

یارانِ نجد

اس سلسلہ میں ہمارے بعض احباب کا ذکر وہی حیثیت اختیار کرتا جاتا ہے، جو ایک محفل میں "چلا ہے کی پگڑی" کو حاصل تھی اسلیئے مجبوراً مجھے بھی کہنا پڑتا ہے کہ "ہمارے دوست تو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے وہی ہیں جو اس سے قبل نظر آتے تھے لیکن ہم اس کا ذکر نہیں کرتے"

کشمیر کے دوران قیام میں جن مناظر نے اپنے غیر فانی نقوش ہمارے دل و دماغ میں ثبت کر دیئے ہیں، انہیں میں سے ایک منظر وہ ہے جو ہمارے بوٹ ہاؤس کے اندر دو "انسانی بٹیر" پر تول کر رہ گئے۔

"گاندربل" چلنے کی دعوت دیدی جاتی ہے، لیکن جب "محرور المزاج" "عاشق ٹھیک وقت پر کشتیوں کی تلاش میں نکلتا ہے تو وہ اپنی محرومی کو گوارا کر لیتا ہے اور اُجرت میں ایک روپیہ کا اضافہ کسی طرح منظور نہیں کرتا، معلوم نہیں اس واقعہ سے "دنیائے عشق" میں کسی جدید نظریہ کا اضافہ ہوتا ہے یا "دنیائے اقتصاد" میں۔

ہمارے ایک دوست جو ہمیشہ اپنے کمالات کی تعریف خود ہی کیا کرتے ہیں، ایک دن میرے پاس آئے کہ "خدا کے لیئے کوئی منطقی دلیل اسکے جواز کی بتا دو" میں نے کہا کہ دلیل کھلی ہوئی ہے:۔

(صغریٰ) اپنے کمالات کا اظہار، حماقت و غلطی کا اظہار ہے ——— اور

(کبریٰ) حماقت و غلطی کا اظہار عین انصاف و دانشمندی اس لیئے

(نتیجہ) اپنے کمالات کا اظہار بالکل قرین انصاف و عقل ہے ——— لیکن لطف تو اس وقت آیا جب انہوں نے ایک بزم مشاعرہ میں کسی منکسر مزاج شاعر کے انکسار پر اس دلیل کو صرف کیا کہ حضرت، (۱) اپنی نا اہلیت کا اظہار، گویا قابلیت کا اظہار ہے — اور (۲) قابلیت کا اظہار سخت نالائق، اس لیئے (۳) انکسار نہ کیجیئے، شعر سنائیے۔

"انھوں نے مجھے دیکھا" — "میں نے دیکھا کہ انہوں نے مجھے دیکھا" "انہوں نے دیکھا کہ میں نے دیکھا کہ انہوں نے مجھے دیکھا" "میں نے دیکھا کہ انھوں نے دیکھا کہ میں نے دیکھا کہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا"۔ ایک عاشق زار و نزار اپنی خلوت میں "نظارہ" کی اس گردان میں مصروف تھا، کہ وہ شخص بھی جس نے ان سب باتوں کو دیکھا تھا، آگیا، اور بولا کہ "یہ بھی تو کہو کہ کسی اور نے دیکھا کہ تم نے دیکھا، اور انھوں نے تمھیں نہ دیکھا بلکہ اسی اور کو دیکھا"

نیاز

مشہور ٹسری اور ریشمی صافے

اعلیٰ درجہ کے ٹسری اور ریشمی صافے مختلف وضع موجودہ زمانہ کے خیال اور مذاق کے موافق تیار ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو ذیل کے پتہ سے طلب کریں۔

ملنے کا پتہ

مولوی کبیر احمد خاں برادرز بھاگلپور سٹی

اخبار الاندلس

مسلمانان اندلس کی بہترین اور مفصل ترین تاریخ ہے۔ اس وقت ایسی مستند تاریخ نہ عربی میں ہے نہ انگریزی میں۔ اردو تو کجا۔ ہر باب کے آخر میں تعلیقات ہیں جن میں اسماء و اعلام کی تصریح ہے ضخامت ڈھائی ہزار صفحات سے زیادہ۔ کتابت۔ طباعت۔ کاغذ اعلیٰ درجہ کا۔ ادب و انشاء اردو لٹریچر کا بہترین نمونہ، اردو، انگریزی اخبار اور رسائل نے اچھے اچھے ریویو کئے ہیں نگار کا ریویو اگست نمبر میں ملاحظہ فرمائیے کتاب کی خوبی دیکھنے سے معلوم ہوگی۔ قیمت ہر سہ جلد ۳؎ دس روپیہ محصول ڈاک بذمہ خریدار ہیں باقساط بھی دینے کو تیار ہوں۔ خط و کتابت کیجئے

سولہ ریت آخری دردناک داستان مسلمانان اندلس ہے مستند و معتبر حالات ایسے دردناک ہیں کہ اگر آپ کے آنسو نہ نکل آئیں تو تعجب ہوگا۔ یہ ناول نہیں ہے بلکہ ان مسلمانوں کے صحیح حالات ہیں۔ جو عیسائیوں کے اندلس فتح کر لینے کے بعد وہاں باقی رہ گئے، اور ہدف مصائب ہوئے۔ قیمت مع محصول ڈاک للعہ/

مقتدی کلیم الرحمن بی۔ اے مصیر کالج۔ ربانی روڈ لاہور

شاہی دواخانہ بھوپال کی مشہور دوائیں

خضاب شاہی۔ یقیناً اس وقت سینکڑوں خضاب ہندوستان میں رائج ہیں، لیکن ان میں سے بعض بالوں کو خراب کر دیتے ہیں۔ بعض کا رنگ اڑ جاتا ہے۔ اور بعض جلد کو صدمہ پہونچاتے ہیں۔ آپ یقین کیجئے کہ یہ خضاب تمام معائب سے پاک ہے اور دو منٹ میں بالوں کو قدرتی سیاہ رنگ سے رنگ دیتا ہے صرف ایک مرتبہ منگا کر تجربہ کیجئے۔ اس قدر شیشیاں عرق کی ہیں جو ایک مہینہ تک کے لئے کافی ہیں۔ قیمت ایک روپیہ

سوزاک کی گولیاں۔ سوزاک کا بدترین علاج داخلی علاج ہے۔ لیکن چونکہ لوگ اس پر مجبور ہوتے ہیں اس لئے پچکاری وغیرہ کے استعمال سے ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ یہ دوا صرف گولیوں کی صورت میں ہے۔ اور گیارہ گولیوں کے بعد پرانے سے پرانا مرض بالکل جاتا رہتا ہے۔ ہزاروں مرتبہ کا آزمایا ہوا ہے۔ قیمت۔ عمہ

مقوی گولیاں صرف چالیس گولیاں استعمال کر کے دیکھئے کہ کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں نہایت قیمتی اجزا شامل ہیں قیمت عـــہ

جریان کی گولیاں کیسا ہی پرانا جریان ہو۔ اکیس دن کے استعمال میں بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ تجربہ شرط ہے۔ قیمت عمہ

المشتہر

مینیجر شاہی دواخانہ۔ نور محل۔ بھوپال

نیرنگ ارض

یہ وہ کتاب ہے جسکی اشاعت کا ملک کو برسوں سے انتظار تھا۔ نہایت شان سے چھپکر شائع ہوئی ہے۔ میں دلی مسرت سے جناب مولوی سید راحت حسین صاحب بی۔ اے مولف کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اس کے قبل جناب ممدوح کی اور کتابیں القمر و النحل شائع ہو چکی ہیں جو ملک میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی ہیں۔ لیکن نیرنگ ارض آپ اپنی نظیر ہے۔ سید صاحب کی یہ تازہ تالیف اردو لٹریچر میں ایک نادر بیش بہا اضافہ ہے۔ طرز بیان کی سادگی، الفاظ کی موزونی زبان کی فصاحت اور بلاغت قابل رشک ہے۔ فاضل مولف نے زبان اردو کی لطافت اور پاکیزگی کا اس درجہ پاس کیا ہے کہ تمام مصطلحات کا نہایت فصیح ترجمہ لکھا ہے اور جہاں ممکن نہیں ہو سکا ہے تو نئے الفاظ اختراع کئے ہیں۔ جنکی تراش خراش نہایت پسندیدہ اور خوش اسلوب ہے۔ زمین کی گردش سے اس کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کے بعد کرہ ہوائی کی نیرنگیاں فضا دکھائی دیتی ہے۔ کہیں نسیم بحری کے ہلکے خوش گوار جھونکے چلتے ہیں۔ تو دوسرے پر سیاہ آندھی کا ڈراؤنا سماں نظر آتا ہے۔ اوس گرتی ہے کہر چھاتا ہے۔ کالے کالے بادل جھومتے نظر آتے ہیں اور مینہ برسا جاتے ہیں۔ بارش کا پانی دورہ کرتا ہے اور نیرنگ ارض کے صفحوں پر بڑے بڑے دریا جوش و خروش کرتے ہوئے موج زن نظر آتے ہیں۔ سمندر لہریں لیتا ہے۔ اور اپنے کام میں سرگرم رہتا ہے۔ سیل یخ ہزاروں لاکھوں من مٹی اور پتھر اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے پہاڑوں سے رینگتا ہوا اترتا ہے۔ اور دامن کوہ میں ان کو ڈال کر خود غائب ہو جاتا ہے جزر و مد کی پر آشوب موجیں تلاطم برپا کرتی ہیں۔ کوہ آتش فشاں پہاڑیوں کا ہولناک سماں دکھاتے ہیں۔ اور زمین کے اندرونی حالات کی خبر دیتے ہیں زمین کو زلزلہ آتا ہے۔ اور اسکے حیرت خیز نتائج کو دکھا کر کتاب تمام ہوتی ہے۔

رات جاتی ہے دن آتا ہے۔ ہوا چلتی ہے پانی برستا ہے۔ ان باتوں کو ایک بچہ تک جانتا ہے۔ لیکن رات کے بعد دن کس طرح آتا ہے؟ ہوا کیوں چلتی ہے؟ پانی کیوں برستا ہے؟ شاید ہمارے ملک کے فیصدی ۹۸ آدمی نہیں جانتے۔ اور اس طرح فطرت کے کھلے ہوئے اسرار سے بالکل بے خبر ہیں۔ کتاب نیرنگ ارض اس طرح کے بوقلموں انقلابات فطری کی وجہ کو بتاتی ہے۔ اور اس کو ایک بچہ تک سمجھ سکتا ہے۔ یہ کتاب بچوں کے لئے رموز فطرت کی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ جسکو پڑھکر وہ مسرور ہونگے۔ قادر الکلام مولف نے نہایت مشکل مسائل اور باریک نکات کو سمجھایا ہے۔ لیکن انداز بیان اتنا پیارا ہے کہ موضوع بحث کی دشواریاں مطلق محسوس نہیں ہوتی ہیں جس قدر پڑھئے شوق بڑھتا ہے۔

بچوں کی تعلیم کے لئے اس طرح کی کتابوں کی ہمارے دار العلوم کو اشد ضرورت ہے اردو نصاب کے لئے اس موضوع پر نیرنگ ارض سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے وہ اسکی مستحق اور سزاوار ہے کہ ہمارے دار العلوم کے نصاب میں داخل کیجائے امید کرتا ہوں کہ عثمانیہ یونیورسٹی جو زبان اردو کی بقائے روح ہے۔ قابل مولف کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی میں سبقت کرے گی۔

اس کتاب کی لکھائی چھپائی اور کاغذ وغیرہ نہایت خوشنما و دیدہ زیب ہے حجم ۱۰۰ صفحہ ہے چھوٹے سائز پر اس کا دلفریب ایڈیشن جو اشکال اور تصاویر سے مزین ہے۔ نہایت آب و تاب سے شائع ہوا ہے۔ ابتدا میں مولف نے خود اپنا فوٹو دیا ہے۔ جو کتاب کو روشناس کرنے میں ایک دلچسپی کا پہلو رکھتا ہے۔ یہ کتاب ایک روپیہ چار آنہ قیمت پر۔ منیجر آگرہ اخبار۔ آگرہ سے مل سکتی ہے۔

راستی موجب رضائے خدا است

بزرگوں کا قول ہے کہ سیدھے راستہ پر چلنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا اور نہ ادھر ادھر بھٹکتا ہے۔ خود صداقت کی پیروی کرنیوالا دوسروں کو کبھی غلط راستہ نہیں بتلاتا۔ برخلاف اس کے ٹیڑھی چالیں چلنے والا خود بھی منزل مقصود پر شاذ و نادر ہی پہونچتا ہے اور دوسروں کی بھی رہبری نہیں کرسکتا آج کل اشتہار بازوں نے اپنی ہستی کی آڑ میں شکار کھیلنے والی عادت سے جہاں پبلک کا مذاق بگاڑ کر پنجاب کی اشتہار بازی کو بالکل ہی بدنام کر رکھا ہے۔ وہاں خود بھی ان کا یہی حال ہے کہ اپنی چند روزہ زندگی میں چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات کے مصداق بمعدودے چند مخصوص روپیہ بٹور کر برساتی مینڈکوں کی طرح تھوڑے دن غرائیں غرائیں کرکے پھر ایسے لاپتہ اور معدوم ہوتے ہیں کہ اخبارات میں ان کا نام تک نہیں ملتا۔ ہم نے دس سالہ اشتہاری زندگی میں سینکڑوں ایسے اصحاب کو پیدا ہوتے بنتے بگڑتے دیکھا ہے۔ اہل غرض مجنوں ہوتا ہے۔ تھوڑی قیمتوں والے نادار عبارتوں اور گمنام شخصیتوں کے بیچارے ناموں کے دام فریب میں پھنسکر بیمار بیچارے خراب ہوتے رہتے ہیں اور پھر حالت بگڑ جاتی ہے۔ تو بڑی قیمتوں کی چیزیں خریدنے اور صحت حاصل کرنے کا حوصلہ ان میں نہیں ہوتا یہی سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ویسا ہی ہوگا۔ اور زندگی بھر تباہ و خستہ حال رہتے ہیں برعکس اس کے اگر پہلے ہی ارزاں بعلت گراں بحکمت کے اصول اور اشتہار دینے والوں کی شخصیتوں اور حیثیتوں کو مدنظر رکھا جائے۔ تو تضیع اوقات بیجا اسراف اور فضول سر دردی سے بہت حد تک نجات مل سکے

علاج بذریعہ ادویات و آلات

میں زمین آسمان کا فرق ہے ادویات کا بودا پن تمام دنیا پر ثابت ہو چکا ہے۔ طبائع مختلف امزجہ مختلف ادویات کا یکساں اثر تمام انسانوں پر ہرگز ہرگز نہیں پڑ سکتا۔ اسی واسطے اشتہاری دوا فروشوں سے جو صفراوی سوداوی۔ بلغمی بادی سب مزاجوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں لازمی طور پر پرہیز کرنا چاہئے نیز ادویات کی ایک بھاری زحمت یہ ہوتی ہے کہ کہیں موسم کا لحاظ کہیں کھانے پینے نہ ماننے کا پرہیز کہیں نام نہاد سنیاسی اکڑوں حکیموں وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ نیم حکیم خطرۂ جان کی مصداق مریض کی جان کے لالے پڑ جانے کا فکر۔ مغربی دنیا کے نامور سائینسدان تو آج کل ہر مرض کا علاج بذریعہ آلات دریافت کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں علاج بذریعہ آلات کی ابتداء ۱۹۱۲ء میں ہم نے ہی ڈالی اور آج تک ہزارہا مایوس العلاج مریض ہمارے ذریعہ اپنے مصائب آلام سے نجات حاصل کر چکے اور بیشمار زندہ مثالیں اس امر کی موجود ہیں۔ کہ ہمارے شہرۂ آفاق تینوں آلات۔

(۱) ایریکٹرس۔ (۲) ایکٹینا (۳) مانع احتلام

لاتعداد ہندوستانی بھائیوں کیلئے اسواسطے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئے ہیں اگر یہ ناظرین نگار سے یہ ہماری پہلی ملاقات ہے لیکن اندک نوشتہ بسیار خواند (۱) آلہ ایریکٹرس، مسرز ہسٹن برادر کمپنی چکاگو امریکہ کی ساخت۔ امریکن پیٹنٹ جرمنی کے مشہور ڈاکٹر ہیر کے اختراع کردہ طریقہ علاج ہائی پر ایک ٹریٹمنٹ کا نچوڑ، فزیالوجی اور کیمیا دی علوم کے مقبول عام اصولوں کا عملی نمونہ ہے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ مادرزاد نامردی کے سوا ہر قسم کی مرض نامردی اور اس کے ہمراہ قاطع نسل انسانی و مانع خط زندگانی بیماری کی جملہ ابتدائی تزایدی اور انتہائی صورتیں تمام و کمال اس آلہ کے چند ہفتوں کے استعمال سے جڑ سے دور ہوتی ہیں قیمت فی آلہ بیس روپیہ علاوہ محصول وغیرہ مفصل تشریحی کتاب موت کے بعد کی زندگی۔ ہر درخواست کنندہ بیمار کو بحوالہ اخبار مفت (۲) آلہ ایکٹینا۔ پروفیسر ڈاکٹر ولسن صاحب کی ایجاد مسرز ایکٹینا اپلائنس کمپنی کی ساخت امریکن پیٹنٹ۔ آنکھ، کان، ناک، حلق اور سر کی تمام معلومہ امراض کا مکمل بے دوا علاج آنکھ کی سرخی سے لیکر موتیا بند تک امراض چشم کانوں کا بہرہ پن ثقل سماعت، درد، شاں شاں آوازیں، شور و غل حلق کے ورم، نزلہ، زکام، سر درد۔ کھانسی دمہ۔ انفلوئنزا، نزلی بخار بخار وغیرہا تمام مجموعہ قسم تکالیف اس آلہ کے استعمال سے کافور ہو جاتی ہیں قیمت فی آلہ بیس روپیہ علاوہ محصول ڈاک وغیرہ مفصل شرح کتاب پروفیسر ولسن کا رسالہ امراض ہر درخواست کنندہ کو بحوالہ نگار مفت (۳) مانع احتلام۔ جرمن سائنسداں کی تازہ دریافت احتلام کا شافی علاج ادویات سے جو کام برسوں نہ ہو وہ ایک ہی دن میں کر دکھانیوالا فاسق، فاجر، پرہیزگار، پنڈت، مولوی، بچے، جوان، بوڑھے شادی شدہ، کنوارا رنڈوا کو یکساں دست بخواب میں ناپاک ہونے کا قطعی دفعیہ قیمت صرف پانچ روپیہ کے

المشتہر حکیم بی ایس بھنڈاری ایم اے مالک ایریکٹرس ایجنسی ایکٹینا ہاؤس مقام بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب۔

(مفصل فہرست طلب کیجیے) # نگار ایجنسی (یکمشت ۵ روپیہ کے خریدار کو محصول معاف)

انجمن ترقی اردو کی کتابیں

فلسفۂ تعلیم، اسپنسر کی مشہور کتاب کا ترجمہ ۱۲ر، نپولین اعظم پانچ جلدیں ۶ر، رہنمایان ہند۔ سری کرشن جی اور گوتم بدھ وغیرہ کی سیر ۱ر، فلسفۂ تعلیم ۱۲ر، امرائے ہنود۔ ۔ حصہ اول ۸ر، حصہ دوم ۱۲ر، تاریخ تمدن ٹامس بکل کی مشہور کتاب کا ترجمہ حصہ اول ۸ر، حصہ دوم ۱۲ر، مقدمات الطبیعات بکلے کی کتاب کا ترجمہ ۱۲ر، البیرونی ابوریحان بیرونی کے مفصل حالات ۱۲ر، دریائے لطافت۔ انشاء اللہ خاں مشہور شاعر کی مشہور کتاب ۸ر، طبقات الارض ۱۲ر، القمر ۱ر، مشاہیر یونان و روما جلد اول ۳ر، جلد دوم ۸ر، مبادی سائنس ۱۲ر، تاریخ یونان قدیم ۱۲ر، انتخاب کلام میر ۸ر، رسالہ نباتات ۸ر، مکالمات برکلے قسم اول ۸ر، قسم دوم ۸ر

جامعہ ملیہ کی کتابیں

تاریخ الامت اسلام کی بہترین تاریخ حصہ اول ۸ر، حصہ دوم ۱۲ر، حصہ سوم ۸ر، مبادی معاشیات ۸ر، انتخاب مضامین جوہر ۸ر، تقویم ۸ر، ترکوں کی کہانیاں ۸ر

تصانیف علیا حضرت بیگم صاحبہ فرمانروائے بھوپال

معیشت و معاشرت اسوۂ خانہ داری پر مفصل بحث ۸ر، ۱۲ر، درس علی الترتیب ۱۲ر، فرائض النساء ۱۲ر، ہدیۃ الزوجین ۸ر، مقصد ازدواج ۸ر، ہدایات تیمار داری ۸ر، تربیت اطفال ۸ر، حفظ صحت ۱۲ر، بچوں کی پرورش ۸ر، ہندوستانی گھروں میں تیمارداری ۸ر، تندرستی ۸ر، سبیل الجنان مذہبی تقریروں کا مجموعہ ۸ر، عفت المسلمات پردہ پر مدلل بحث ۸ر، مدارج الفرقان ۸ر، سیرت مصطفیٰ ۸ر، باغ عجیب دلچسپ کہانیوں کا مجموعہ تین حصوں میں ۸ر، ۱۲ر، ۸ر، علی الترتیب۔ اخلاقی سلسلہ چار حصوں میں ۸ر، ۱۲ر، ۱۲ر، ۱۲ر، تہذیب النسواں ۸ر، مہذب زندگی ۸ر، ہماری روح کا گھر ۸ر، التربیت ۸ر، افضال رحمانی ۸ر، باغبانی تین حصوں میں ۸ر، ۸ر، ۸ر

تصانیف جناب میمونہ سلطان شاہ بانو صاحبہ

آغاز اسلام مولانا شبلی کی کتاب بدء الاسلام کا ترجمہ ۸ر، ذکر مبارک یعنے تاریخ اسلام کا پہلا حصہ ۵ر، خلافت راشدہ ۱۴ر، سلک مروارید حصہ اول و دوم، سوم ۱۴ر، ۷ر، ۶ر، فرائض مادری ۱۲ر

دار الاشاعت سیاسیات مشرقیہ

خلافت عثمانیہ مصنفہ سید سلیمان ندوی ۸ر، سمرنا میں یونانی مظالم ۸ر، ترکی میں عیسائیوں کی حالت ۵ر، حوادث سمرنا ۲ر

تصانیف جناب خواجہ کمال الدین صاحب

مطالعہ اسلام ۸ر، راز حیات ۸ر، توحید فی الاسلام ۸ر، براہین نیرہ ۱۲ر، ام الالسنہ ۱۲ر، اسوۂ حسنہ ۸ر، سلک مروارید ۸ر، اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ۱۴ر، خطبات غربیہ ۱۲ر، مکالمات ملیہ ۱۳ر، ذرات عالم کا مذہب ۸ر، مسیح کی الوہیت ۸ر، ضرورت الہام ۱۲ر، کرشن اوتار ۱ر، سیرت نبوی ۵ر

دیگر مصنفین

ازواج الانبیاء ۸ر، رموز فطرت ۸ر، بصائر القرآن ۸ر، النساء ۸ر، الصالحات ۸ر، عقد القرآن ۸ر، بنات طیبات ۸ر، رہبر اخلاق ۸ر، رہبر صحت ۸ر

تربیت اخلاق ۱۲ر روح لیلیٰ ۱۲ عقد ثریا ۱۲
آغوش مادر ۱۲ر مناجات بیوہ ۱۲ ازہنوفی ۱۲ر
پہیلیاں ۱ر طواف زمین ۱۲ کلیات محسن ۱۲
زنانہ نصاب تعلیم - چار حصوں میں ۱۲
روح نظیر یعنے انتخاب کلام نظیر معہ ایک فاضلانہ مقدمہ
کے مرتبہ مخمور صاحب بی اے اکبرآبادی ۱۲ر
جواہر ریزے - کپڑوں کے داغ وغیرہ دور کرنے کی ترکیب ۱۲ر
نیرنگ زنانہ دستکاری مع نقشہ جات حصہ اول و دوم ۱۲ و ۱۲ر
قرآن اور جنگ از مولوی صدرالدین ۳ر
شہدائے ثلاثہ از مشیر حسین صاحب قدوائی ۱ر
میلاد النبی مسٹر پکتھال کی تقریر ۳ر
تفسیر سورہ فاتحہ از مولانا محمد علی ایم اے ۴ر
اسلام - مولانا محمد علی ایم اے کا ایک آرٹیکل ۸ر
لمعات انوار محمدیہ ۶ر
اسرار سلیمانی ۱۲ر نظام الملک طوسی از مولوی عبدالرزاق
صاحب مصنف البرامکہ قسم اول ۱۲ قسم دوم ۱۲ مجموعہ رسائل
چراغ علی ۱۲ تحقیق الجہاد ۱۲ اعظم الکلام حصہ اول ۱۲ر
حصہ دوم ۱۲ مشاہیر اسلام حصہ اول ۱۲ حصہ دوم ۱۲ر
مآثر الکرام ۱۲ گلشن ہند ۱۲ سرو آزاد ۱۲ تذکرہ شعرا ۱۲
شرح فصوص الحکم ۱۲ نظام اکبری ۱۲ مقالات
سرسید ۱۲ر حیات بعد الموت ۱۲ بیگمات بھوپال
از مولوی محمد امین صاحب ۱۲ حقائق اسلام مصنفہ
مفتی انوار الحق ایم اے ۱۲ تذکرۃ الحبیب مصنفہ مفتی صاحب

سیر یورپ بیگم صاحبہ جنجیرہ کا سفرنامہ باتصویر ۱۲ر
سرگذشت زہرا بیگم فیضی کے معاشرتی افسانے ۱۲ر
افراد کاسبہ از حشمت مولوی سید کرامت حسین مرحوم ۱۲ر
محاربات صلیبی ۱۲ میلاد ابن جوزی ۴ر
مسلمانان اندلس ۱۲ اساس التعلیم ۱۲ر

تصانیف مولانا نیاز فتحپوری

گہوارۂ تمدن اردو میں اپنے موضوع کی پہلی کتاب جس میں
عورت کے کارنامے ارتقاء تمدن میں ثابت کئے گئے ہیں ۱۲ر
کیوپڈ و سائکی - ادب لطیف کا بہترین نمونہ ۸ر
جذبات بھاشا ۸ر قربان گاہ حسن ۱۲ر تلاش راز ۸ر

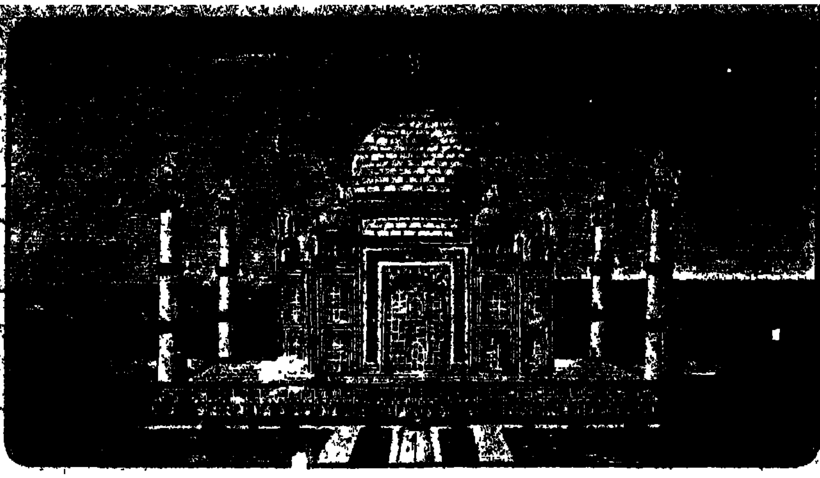
تصانیف مولوی راشد الخیری

منازل السائرہ ۱۲ سراب مغرب ۸ر الزہرا ۱۲ر

تصانیف پروفیسر سید نواب علی ایم اے

معارج الدین - جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف اور فلسفہ
جدید اور مذہب کی تطبیق پر بہترین تبصرہ ۱۲ر
تاریخ صحف سماوی - توراۃ، انجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب
کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات
دربارہ جمع قرآن کا جواب قسم اول ۱۲ قسم دوم ۱۲ر
ہمارے نبی - قیمت ۸ر

منیجر "نگار" بھوپال سے طلب کیجیے



نگار

مجلہ علمیہ و ادبیہ

رئیس التحریر

نیاز فتحپوری

شاہان مغلیہ کے باغات — مسعود علی

ڈرامی —

جستجو

غزل

اعلان

۱۔ نگار ہر ماہ کی ۲۰ کو بھوپال سے شائع ہوتا ہے۔ اس لیے رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ۲۵ تک کے بعد آنی چاہیئے۔

۲۔ نگار کی سالانہ قیمت پانچ روپیہ اور ششماہی تین روپیہ ہے۔ نمونہ مفت نہیں بھیجا جاسکتا اسکے لیے آٹھ آنہ کے ٹکٹ آنے چاہئیں۔

۳۔ خریداری کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بذریعہ منی آرڈر زر چندہ بھیجدیا جائے اور کوپن میں پورا پتہ اگر ہو لکھا جائے، لیکن ہم وی پی آرڈر کی بھی تعمیل کرسکتے ہیں۔

۴۔ تین ماہ سے کم مدت کے لیے تبدیلی پتہ کا انتظام اپنے اپنے مقامی ڈاک خانہ سے کیجیے۔

۵۔ خریداری کی درخواست، ارسال زر اور انتظامی شعبہ کے متعلق تمام خط وکتابت منیجر نگار بھوپال سے کی جائے۔ صرف مضامین اڈیٹر کے نام آنے چاہئیں۔

۶۔ جو مضامین درج نہ ہوں گے وہ واپس نہ کئے جائیں گے۔

۷۔ جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا ضروری ہے۔

۸۔ کسی خط میں جو خریدار کی طرف سے ہو۔ اگر حوالہ نمبر نہ ہوگا تو تعمیل نہ ہوگی

منیجر نگار

نرخنامہ اشتہارات رسالہ "نگار"			
تعداد طبع	ایک صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
۱۲ مرتبہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۶ مرتبہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۳ مرتبہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]
ایک مرتبہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]

اجرت پیشگی آنا لازمی ہے۔ ٹائیٹل کی اجرت ۵۰ فیصدی زائد

زیب النسا بیگم کی تصویر

ایک نادر نمونہ ہے، اور یقیناً ایک کمرے کی زیبائش کا حسین موضوع آپ کے شوق کی رعایت سے ہم نے اس تصویر کو جداگانہ فراہم کرنے کا انتظام کیا ہے، یہ تصویر رنگین آرٹ پیپر پر تیار کرائی گئی ہے یہ وہی تصویر ہے جسکی اصل برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ قیمت محصول ڈاک آٹھ آنہ ۔ ۸ر

منیجر نگار بھوپال

[Stray overprinted fragments in left margin:] ...نواب علی ایم... ایک محققانہ تصنیف اور فلسفہ ... کی جمع و ترتیب ... صفحات ... تعاشی کا اماب

فہرست مضامین رسالہ نگار ماہ نومبر سنہ ۱۹۲۳ء

استفسار و جواب:—

معلومات:—

(کتبہ جعفری)

ملاحظات

بہ لحاظ نظم و اشاعت اس تقریباً دو سال کے عرصہ میں نگار پر دو دور گذر چکے ہیں، پہلا دور تو وہ تھا، جب رسالہ آگرہ سے شائع ہوتا تھا، اور بدنظمی کا یہ عالم تھا کہ کبھی رسالہ مہینہ کے مہینہ شائع نہیں ہوا، دوسرا دور فروری ۱۹۲۳ء سے شروع ہوا ہے، جب رسالہ کا دفتر بھوپال منتقل کیا گیا اور اشاعت یہاں سے شروع ہوئی، اس تبدیلی سے الحمدللہ بدنظمی کا نقص جاتا رہا، اور اب رسالہ مہینہ کے مہینہ شائع ہوتا ہے، لیکن میں ابھی تک اس پر مطمئن نہیں ہوں اور جی چاہتا ہے کہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو نگار آپکی میز پر ہوا کرے۔ لیکن بظاہر کامیابی کی کوئی امید نہیں، کیونکہ تنگی طباعت کی دنیا کے جمود، بے حسی، اور بے پروائی کا یہ عالم ہے کہ باوجود اسکے کہ خواجہ صاحب مالک آگرہ اخبار پریس، نگار کو صرف اپنے شوق علم اور ذوق ادب کی بنا پر چھاپ رہے ہیں اور کوئی تجارتی منفعت انکے پیش نظر نہیں ہے، لیکن پھر بھی ایک ماہ سے پہلے وہ کسی طرح طباعت کے فقدوں سے فارغ نہیں ہو سکتے، اور شاید ہندوستان میں کوئی شہر سوائے لاہور کے ان دشواریوں کو رفع نہیں کر سکتا کیونکہ وہاں کاتبوں اور مطبعوں کی فراوانی و ارزانی نے بے انتہا آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔

بیشک ایک صورت یہ ہے کہ ہم خود اپنا پریس قائم کریں لیکن اسکے لیے جن اسباب کی ضرورت ہے، وہ ہماری دسترس سے ابھی بہت دور نظر آتے ہیں۔

مجھے سلسلۂ ملاحظات ظاہر کر دینے کی ضرورت اسلئے ہوئی کہ باوجود اسکے کہ نگار مہینہ کے مہینہ نکل رہا ہے لیکن اگر تاریخ مقررہ میں دو چار دن کی بھی دیر ہو جاتی ہے، تو ہمارے بعض ناظرین زیادہ اوہام میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس سے ان کی خفت خیال ظاہر ہوتی ہے۔ مقررہ تاریخ اشاعت ۲ ہے، اسکے اب یہ معنے ہیں کہ ۲ تک تو بہرحال آپ کو انتظار کرنا چاہئے، اسکے بعد البتہ آپ تقاضے کے مستحق ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ مجھے دوبارہ اس فضول موضوع پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہ ہوگی، دنیا محاسن کے مقابلہ میں غلطیاں زیادہ دیکھتی ہے آپ سے ہماری مجبوری بھی نظر انداز نہیں کی جاتی۔

نیاز

نگار

مجلد ۴ | ماہ نومبر سنہ ۱۹۲۳ء | شمارہ ۵

اٹھارویں صدی میں یورپ کا انحطاط اور اصلاح کا آغاز

(۳)

شاہ ٹسکنی | جب لیوپولڈ ٹسکنی میں تخت نشیں ہوا تو اسنے اپنی مختصر سلطنت کے مصارف گھٹانے شروع کئے، اور ندمائے سلطنت کو بھی کم کر دیا، وہ اپنے معمولی کمرہ کے اندر کاموں میں شب و روز مشغول رہتا، اس حال میں کہ صنوبر کی لکڑی کی صرف ایک معمولی میز اسکے سامنے رہتی جسپر ٹین کا شمعدان روشن کیا جاتا تھا۔

دیگر مصلحین امراء کی طرح اس نے بھی سزا کے قدیم طریقوں کو موقوف کر دیا، مجلس تفتیش کو توڑ دیا، کلیساؤں کی جاگیروں کو ضبط کر لیا، اور مریضوں کے لیئے شفاخانے قائم کئے، جہاں وہ خود عیادت کو جایا کرتا تھا، یہاں کے کلیساؤں کو زمانہ وسطی سے پناہ گزینوں کی حمایت کا حق حاصل تھا، یہاں تک کہ اگر کوئی مجرم ان میں داخل ہو جاتا تو حکومت اسکو گرفتار نہ کر سکتی، لہٰذا یہاں کے گرجے، چوروں، قاتلوں اور مجرموں کا ماویٰ و ملجا تھے، وہاں جاکر نہایت راحت و آرام سے زندگی بسر کرتے اور رہزنی کیا کرتے تھے، اسلیئے لیوپولڈ نے سنہ ۱۷۶۹ء میں ان سب کو گرفتار کر لیا، اور گرجا کے امتیازی حقوق کو یکسر محو کر دیا،

کیتھرائن ملکہ روس | یہ ایک جرمن شاہزادی تھی، جو اپنے شوہر کے قتل کئے جانے کے بعد روس کی ملکہ ہوئی، دیدرو کا قول ہے کہ "یہ کیلو پیٹرا کی صورت میں بروٹس کی روح ہے، یہ بلند حوصلہ، ذہین، خود پسند اور مردوں سے گفتگو کرنے کی بہت شائق تھی، یہ چاہتی تھی کہ اصلاح پسند بادشاہوں میں اس کا بھی شمار کیا جائے، مونٹسکو کی یہ بہت مداح تھی، اور کہا کرتی تھی کہ اسکی کتاب "روح الشرائع" بادشاہوں کے لیئے اسقدر ضروری ہے جسقدر پادریوں کے لیئے نماز کی کتاب، اگر میں پوپ کی جگہ ہوتی تو پادریوں میں اس کا یہی مرتبہ قرار دیتی"

سنہ ۱۷۶۶ء میں کیتھرائن نے قانون وضع کرنے کے لیئے ایک عام مجلس قائم کی اور اس نے اس مجلس کے لیئے اصول و مبادی خود طیار کئے ان مبادی کی طیاری میں اسنے مونٹسکو کی کتاب سے بھی بعض عبارتیں نقل کی تھیں، اور اس کے متعلق اس نے

ہا تھا کہ یہ میں نے ایسا مسودہ کیا ہے جو آئندہ زمانہ میں ۲ کروڑ انسانوں کے لیے مفید ہوگا، جب یہ قانون طیار ہوگیا تو اسے شاہ پروشیا کے پاس بطور نمونہ [illegible] کیا، اس کے بعد کیتھرائن نے اسکے توڑ دینے کا حکم بھی صادر کر دیا تھا، لیکن پھر فلاسفہ کے اصول و مبادی پر یہ قانون بنایا گیا، ان اصولوں میں ایک اصول یہ بھی تھا کہ "قوم بادشاہ کے لیے نہیں، بلکہ بادشاہ قوم کے لیے ہے، اور ایک گنہگار کے قتل سے، دس مجرموں کو معاف کر دینا زیادہ بہتر ہے" چنانچہ کیتھرائن نے قتل کی سزا موقوف کر دی تھی۔

یہ مذہب کی جانب سے بے پروا تھی، لہٰذا اُس نے کیتھولک اور تمام اہل مذاہب کو پوری آزادی عطا کی کہ وہ اپنے شعائر دینی ادا کریں، اس حکم کے بعد ان عیسائیوں کو بھی بلا لیا جو کیتھولک ممالک سے نکال دیئے گئے تھے، اس نے قتل کے بجائے سائبیریا کی طرف جلاوطن تجویز کی تھی، اور جب پولینڈ پر حملہ کیا تو تلوار سے بھی کام لیا، کیتھرائن نے ۱۷۸۱ء میں اپنے اہم کاموں کا ایک پروگرام طیار کیا، جس کو اس نے اپنے زمانہ مملکت میں ۱۹ سال کے اندر پورا کیا، اسکے کاموں کی مختصر فہرست حسب ذیل ہے۔

وہ حکومتیں جنکو جدید نظام پر مرتب کیا	۹
وہ شہر جنکی جدید طریقہ پر حد بندی کی گئی	۱۴۴
وہ معاہدے جو کیتھرائن کے عہد مملکت میں طے ہوئے	۳۰
وہ ریاستیں جنکی مدد کی گئی	۸۷
وہ احکام جو اخلاق یا سیاسی قانون کے متعلق صادر ہوئے	۸۸
وہ قوانین جو قوم کی خوشحالی سے متعلق تھے	۱۲۳

اکثر شہروں میں کیتھرائن کی یادگار میں ایک ستون قائم کیا گیا، جسپر لکھا تھا "وہ دنیا جو جلد جلد طیار کی جاتی ہے، جلد ہی خراب ہوتی ہے" کیتھرائن کی ان تمام خدمات کا نصب العین یہ تھا کہ لوگوں کی نگاہوں میں اسکی ہمت و شجاعت کی تعریف ہو، اور کچھ شک نہیں کہ کیتھرائن کی یہ آرزو پوری ہوگئی، چنانچہ فلاسفہ نے اسے "سمیرامیس شمالی" کا لقب عطا کیا ہے۔

پومبال | پومبال، پرتگال کا ایک شریف شخص تھا، جو ۱۶۹۹ء میں پیدا ہوا، جب یہ فوجی تعلیم ختم کر چکا تو تاریخ اور سیاست کی طرف متوجہ ہوا، انگلستان و آسٹریلیا میں کافی عرصہ تک رہنے کے بعد جب وہ پرتگال واپس آیا، تو جوزف خامس نے اسے وزیر خارجہ مقرر کر دیا، اور کچھ عرصہ بعد وزیر اعظم ہوگیا اور بادشاہ کی وفات ۱۷۷۷ء تک اسی عہدہ پر فائز رہا،

سترہویں صدی میں پرتگال میں ایک مجلس تفتیش قائم تھی، اور پیشوایان مذہبی حکومت کرتے تھے مقربان شاہی اور خاندان شاہی کے افراد جسطرح چاہتے تھے حکومت کرتے تھے جب پرتگال اور انگلستان کے درمیان معاہدہ ہوا تو تمام اقتصادی امور میں پرتگال، انگلستان

کا تابع ہوگیا، کیونکہ سنہ ۱۶۵۴ء کے معاہدہ کی رو سے پرتگال میں انگلستان کو کپڑا لانے کا حق حاصل ہوگیا تھا، اور سنہ ۱۷۰۳ء کے معاہدہ کے مطابق انگلستان میں پرتگالی شراب پر فرانسیسی شراب سے دو ثلث زیادہ محصول لیا جاتا تھا، یعنے اہل پرتگال عادی ہوگئے تھے کہ وہ انگلستان کا کپڑا خریدیں، اور اسکی قیمت شراب یا اس سونے کے ذریعہ سے ادا کریں جو برازیل کی نوآبادی سے حاصل کرتے تھے، اس سے قبل جب انگریزی جہاز بندرگاہ میں آتے تو لوگ انہیں برا بھلا کہتے، وہ انگریزی جہازوں کے ہاتھ ملکی پیداوار فروخت کرنے والوں کو بھی برا جانتے تھے، مگر رفتہ رفتہ انگریزوں کے جہاز آنے لگے، اور انگلستان پرتگال کی تجارت کا مالک ہوگیا، اور پرتگال کی [illegible] صنعتی و تجارتی بیچارگی سے فائدہ اٹھا کر انگلستان نے جبراً جا بجا پرتگال سے معاہدہ کر لیا، یہاں تک کہ انگریز پرتگالیوں کی شراب کو [illegible] لاکھ [illegible] [illegible] تھے اسکے ساتھ انگریزوں کے اس بیدردانہ سلوک سے مزدوروں [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] کام کرنا چھوڑ دیا، اور بہت سی زرعی زمینیں بنجر ہوگئیں، جب ملک کی حالت اسقدر نازک ہوگئی تو پومبال نے سنہ ۱۷۵۰ء میں حکومت انگلستان کو لکھا کہ:-

"تمام عالم اقتصادی میں میرے اس طرز عمل کیسے حماقت آمیز ہونے کی کوئی نظیر نہیں ملسکتی کہ آپ کے لباس اور تمام اسباب کو خرید کرکے انکی قیمت ادا کریں اور پایہ تخت انگلستان میں شاہ جارج کے پچاس ہزار صناع پرورش پائیں"

آخرکار پومبال نے پرتگال کو اس قید سے آزاد کرانے میں سرگرمی سے جدوجہد کی، اور اس غرض سے انگلستان کے خلاف ریشمی کپڑوں کی تربیت کے لیے ایک عام مبنی قائم کی، اور اہل پرتگال کی ہمتوں کو ابھارنے اور کارخانوں کے قیام پر آمادہ کرنے کے لیئے پومبال نے اصول حمایت کو رائج کیا، اور ممالک خارجہ کے لیئے روئی وغیرہ خام پیداوار کی برآمد کو روکدیا، علاوہ ازیں وطنی مصنوعات حریر، شکر وغیرہ کی برآمد کو محصول سے بالکل مستثنیٰ کر دیا، اسی کے ساتھ کلیسا کی شوکت کو توڑنے کے سخت ترین وسائل بھی پومبال نے اختیار کیئے، جس سے عیسائی اس کے مخالف ہوگئے، اور انہوں نے منصب وزارت سے علیحدہ کرنے کی سعی کی اسکے بعد پومبال عیسائیوں کا علانیہ دشمن ہوگیا، اور جو لوگ اکلیروس کے زیر اثر تھے ان کو سنہ ۱۷۵۷ء میں جلاوطن کردیا، یہاں تک کہ پیشوایان مذہبی کو بلا اجازت قصر شاہی میں داخل ہونے کی بھی ممانعت کردی، اتفاق سے اسی زمانہ میں ۳۰ ستمبر سنہ ۱۷۵۸ء کو بادشاہ کے قتل کا حادثہ پیش آیا اور پومبال نے اس سلسلہ میں بہت سے اہل کلیسا کو قید کیا، اور انکو خارج البلد کردیا۔

پرتگال کے تمام مدرس انہی مسیحیین کے زیر انتظام تھے، جب وہ جلاوطن ہوگئے، تو پومبال نے جدید اساتذہ اور منتظمین مقرر کیئے ان اساتذہ میں لاطینی، یونانی، بیان، منطق، وغیرہ کے بھی پروفیسر تھے، جنکی تنخواہیں سرکاری خزانہ سے ادا کیجاتی تھیں، پھر انکو علمی خطابات اور دیگر قسم کے امتیازات بھی عطا کیئے گئے، اور یہ حکم دیا کہ تعلیم مفت ہو، کوامبرکی یونیورسٹی میں طبیعیات و ریاضی کے

دو کالج قائم کئے، طب اور کیمیا کے متعلق ایک عجائب خانہ کی بنیاد ڈالی اور ایک رصدخانہ بھی قائم کیا، غرض ملکی زبان کی ترقی اور احیاء علوم میں کافی سعی کی،

اس نے سنہ ۱۷۶۶ء میں کوامبرا یونیورسٹی کی اصلاح کی، اور سنہ ۱۷۷۲ء میں [illegible] استاد مقرر کئے، ان میں سے (۲۳۶) لاطینی اور (۸۸) یونانی زبان کے مدرس تھے، باقی اور علوم و فنون سے تعلق رکھتے تھے، اسکی خواہش یہ تھی کہ پرتگال تعلیم و تہذیب میں اقوام یورپ کا ہم مقابل ہو جائے، مگر اس اصلاح کی عمر بہت ہی کم ثابت ہوئی، کیونکہ بادشاہ کے مرتے ہی پومبال اپنے عہدہ سے علیحدہ ہوگیا، اور پرتگال پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا،

ہسپانیہ میں چارلس سوم کے وزرا | تجارت و صنعت اور علوم و فنون کی ترقی کے لحاظ سے ہسپانیہ کی حالت بھی پرتگال ہی کے مانند تھی، چارلس سوم نے نیپلز کی حکومت کو سنہ ۱۷۵۹ء میں چھوڑا، اور اسپین کی حکومت ہاتھ میں لی، اسنے ملک کی اصلاح کرنے کے لیئے ان وزرا سے جنکو اٹلی سے ساتھ لایا تھا اور اسپین کے بعض وزرا (ارانڈا، فلوریڈا بلانکا وغیرہ) سے مدد لی، انہوں نے طریقہ حمایت (Protection) کے مطابق مصنوعات ملکی کو ترویج دی اور غیر ملکی مال پر محصول قائم کرکے بعض چیزوں کا داخلہ بھی بند کر دیا

تجارت کو ترقی دینے کے لیئے انہوں نے تجارت کو قطعاً آزاد کر دیا اور سنہ ۱۷۷۸ء میں اسپین والوں کو تمام نو آبادیوں کے ساتھ تجارت کی عام اجازت دیدی، علاوہ ازیں اقتصادی انجمنوں کے ذریعہ سے تمام ملک میں اقتصادیات کے متعلق نئی نئی اصلاحوں کو پھیلایا ان انجمنوں کی بنیاد سب سے پہلے باسک ([illegible]) میں ڈالی گئی، اور اس کے بعد ۵۴ شہروں سے اس قسم کی انجمنیں قائم کرنے کی اجازت طلب کی گئی، پھر میڈرڈ کی انجمن نے ایسے مدارس قائم کئے جن میں بغیر فیس کے لڑکوں کو بننا اور کاتنا سکھایا جاتا تھا۔

حکومت نے تعلیمی انتظام کا بھی تغیر کیا، اور کوشش کی کہ پادریوں کا اقتدار پست ہو جائے، مگر جامعہ سلامانکا نے انکار کر دیا کہ وہ کسی قسم کی اصلاح قبول نہیں کر سکتی، اور اپنے یہاں کا نصاب بھی بحال رکھا جو ارسطو کے فلسفہ پر مبنی تھا، اور یہ یونیورسٹی نیوٹن اور ڈیکارٹ کے فلسفہ حقیقت پر مبنی نہیں سمجھتی تھی، اس عہد میں تاریخ طبیعی کی بعض درسگاہیں اور لڑکیوں کے لیئے بھی بڑے بڑے مدارس قائم ہوئے، اسوقت اسپین میں بعض بڑے بڑے اہل کمال پیدا ہوئے، اور ترقی کا یہ سلسلہ نپولین کی جنگوں تک برابر جاری رہا۔

فرانس میں پہلی اصلاح | لوئی پانزدہم کے عہد تک فرانس میں بہت ہی معمولی اصلاح ہوئی تھی اور اس سے قبل سنہ ۱۷۷۱ء میں بعض ارکان سلطنت جس پارلیمنٹ کو توڑ چکے تھے، وہ اب پھر قائم ہوگئی تھی، جب لوئی شانزدہم تخت نشین ہوا تو اس نے اپنی

قوم کی اصلاح کا مصمم ارادہ کرلیا اور انتظام مملکت دو مشہور شخصوں کے سپرد کردیا جنمیں سے ایک مالیرپ تھا اور دوسرا تیرگو اور عام انتظام ماریپا کے ہاتھ میں دیا جو قدیم مقربان شاہی سے تھا، تیرگو مفتش عام یا کونٹرولر جنرل تھا مگر اب وزیر مال بنا دیا گیا، اسوقت اس نے اپنا پروگرام یہ قرار دیا کہ نہ ملک مفلس رہے، نہ قرض لینا پڑے، اور نہ ٹیکس زائد ہو، اس نے یہ ارادہ کرلیا کہ مصارف سلطنت کے بعد ۲۰ ملین سالانہ بچانے چاہئیں تاکہ میزانیہ کی کمی پوری ہوجائے، اور رفتہ رفتہ قرض ادا کرکے اس کمی کو پورا کردیا جائے، چنانچہ دو سال کی مدت میں تیرگو نے ۴۰ ملین قرض ادا کردیا اور میزانیہ کی کمی کو ۲۲ ملین سے ۵ ملین تک گھٹا دیا، اس نے جو اصلاحات نافذ کیں وہ یہ ہیں:

(۱) جو قیود گیہوں کی خرید و فروخت پر عاید تھیں، انکو یکقلم موقوف کردیا، اور غلہ کی تجارت کو بالکل آزاد کردیا (۲) پیشہ وروں کے امتیاز و خصوصیت کو بالکل مٹا دیا، اور عام آزادی عطا کردی تاکہ تمام اہل وطن جو پیشہ چاہیں اختیار کریں (۳) ٹیکس کے امتیاز کو رفع کیا اور تمام زمینداروں پر بحیثیت ایک شرح سے ٹیکس مقرر کیا، اس کا قول تھا کہ مصارف حکومت کا مقصد رعیت کا نفع ہے لہٰذا سب پر واجب ہے کہ وہ ٹیکس کی ادائی میں شریک ہوں کیونکہ ہیئت اجتماعی اور ملکی منافع سے سب فائدہ اٹھاتے ہیں، اسلیئے حسب ضرورت سلطنت کا خرچ پورا کرنے کے لیئے ٹیکس کی صورت میں وصول بھی کرنا چاہیئیں (۴) شہروں اور صوبوں میں زمینداروں کی مجلسیں قائم کیں تاکہ وہ انتظام میں عمال حکومت کا ہاتھ بٹائیں۔

تیرگو نے بادشاہ سے کہا کہ: آپ کی قوم کا کوئی نظام نہیں ہے اور وہ ایسے مختلف عناصر سے مرکب ہے، کہ مشکل سے باہم متحد ہو سکتے ہیں، لہٰذا بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ اپنے عمال کے ذریعہ سے ایک قول فیصل باہمی تعلقات کے متعلق اپنی رعایا کو سنائے تاکہ یہ تفریق و خودغرضی فنا ہوجائے۔ اصلاحات کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تیرگو نفرت و عقدہ کا نشانہ بن جائے، کیونکہ اسنے مقربان شاہ کے مصارف میں تخفیف کردی، شرفا و اراکین پر بھی عام رعایا کی طرح ایک ٹیکس مقرر کیا، اور صنعت و حرفت کو عام کرکے کاریگروں کو بھی اپنا دشمن بنا لیا، الغرض سوائے اہل قلم کے جن کا زیادہ اثر نہ تھا اس سے کوئی خوش نہ تھا، تیرگو نے بادشاہ کو تمام اصلاحات کی جانب دفعتہً توجہ نہیں دلائی، بلکہ وہ پہلے ایک اصلاح کو پیش کرتا، پھر دوسرے کی طرف توجہ دلاتا اور اسطرح رفتہ رفتہ وہ تیرگو نے لوئی شانزدہم کے سامنے انتظامی اصلاح کا بھی ایک دستور العمل پیش کیا، جسمیں تمام ولایات کے نمایندوں کی ایک مجلس کا مطالبہ کیا گیا تھا، مگر لوئی نے عام مخالفت کی وجہ سے اس طرف توجہ نہیں کی، بلکہ ۱۷۷۶ء کی اصلاحات پر عمل کرانے کے لیئے بھی کچھ زیادہ زور نہیں دیا، چونکہ عمائد سلطنت اور اکثر آدمی تیرگو کے مخالف ہوگئے تھے، اور بادشاہ سے کہا کرتے تھے کہ وہ ایک فلسفی شخص ہے، جو سلطنت کو برباد کردیگا، اسلیئے بادشاہ نے تیرگو کو وزارت کی خدمت سے سبکدوش کردیا، اور عنان وزارت ایسے شخص کے ہاتھ میں دی جو قدیم نظام کا شائق تھا، اسنے ایک

کونسل بنائی، جو کاہنوں، شرفا اور زمینداروں کے نمایندوں سے مرکب تھی، حکومت نے ان نمایندوں کے اختیارات بھی مقرر کر دیے، چنانچہ ٹیکس کا مقرر کرنا، اسکی وصولی، تجارت، زراعت اور عمال حکومت کو انتظام میں مدد دینا، ان نمایندوں کے فرائض میں داخل تھا، ۱۷۸۷ء میں، ہر ولایت کے صوبوں میں نیابتی کونسلیں قائم کی گئیں

عدالت اور پولیس کی اصلاح کا بھی ارادہ کیا گیا، لیکن اسمیں کچھ زیادہ اصلاح نہ ہو سکی، البتہ اس سزا کو موقوف کر دیا، جو نامعلوم جرم پر محض ذاتی خصومت کی وجہ سے دی جاتی تھی، آخر کار جو لوگ تیرگو کے مخالف تھے وہ اسکے بھی دشمن ہوگئے اور یہ بھی علیحدہ ہوگیا،

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوئی شانزدہم کے ابتدائی عہد حکومت میں جو اصلاحات نافذ ہوئی تھیں، وہ تقریبًا سب مٹ گئیں اور سلطنت قدیم طرز پر واپس ہوگئی، ۱۷۸۱ء میں وزیر جنگ نے یہ اعلان کیا کہ لشکری عہدے شرفا کے سوا کسی کو نہ ملیں گے، اور اسطرح کاہنوں اور پادریوں کے عہدے بھی اسی طبقہ کے لیئے مخصوص کر دیئے گئے، اسوجہ سے شرفا میں خوشامد سرایت کر گئی، اور وہ حصول مناصب کے لیئے عمال حکومت کے سامنے رشوتیں پیش کرنے لگے، اور بجٹ کی کمی اسی طرح پوری ہونے لگی۔

فرانس میں یہ حالت برابر جاری رہی، یہاں تک کہ آخر کار وہاں بغاوت ہوگئی اور انقلاب کے آثار چاروں طرف سے رونما ہونے لگے۔

اڈیٹر

افکار فانی

زندگی کا ہے امتحاں انجام
حذر اے آہ الاماں انجام

تیرے ٹھوکر کی زمیں ارے توبہ
ذرہ ذرہ ہے آسماں انجام

حسن ہے جاوداں بے آغاز
عشق آغاز جاوداں انجام

کم نہ تھی عمر اک نظر کے لیئے
عشق تھا مرگ ناگہاں انجام

طبع نازک پہ بار اک اک حرف
حال دل حرف داستاں انجام

اور جو جل جائے دل سے دل یارب
ایک دل کا ہے دو جہاں انجام

پوچھتے ہو نشان فانی کیا
وہ ہے اک قبر بے نشاں انجام

نغمۂ اشک

راجکماری کملا پتی اپنے باپ کی اکلوتی بیٹی، تمام رعایا کی دعاؤں کا بہترین ثمر، اور ملک کی امیدوں کا تنہا مرکز تھی، قدرت کے اکرام حد و غایت نہیں جانتے۔ چنانچہ کملا پتی انھیں ارمانوں اور تمناؤں کے مطابق، جو اسکی ذات سے وابستہ تھے، حد درجہ حسین و ذہین پیدا ہوئی تھی، ایسی صورت میں اسکی پرورش جس ناز و نعم کے ساتھ ہوئی کم تھی اور اسکی تعلیم و تربیت میں جو اہتمام ہوتا تھوڑا تھا

پنڈت اچل سین جو کملا پتی کا اتالیق مقرر ہوا فضل و کمال میں ریاست بھر میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا، اور فن موسیقی میں تو دنیا اس کا جواب نہ پیش کر سکتی تھی، پھر اگر کملا پتی کی تعلیم و تربیت میں مذاق موسیقی کو اعلیٰ ترین منصب ملا تو کیا عجب!

محل کا وہ حصہ جسمیں کملا پتی اچل سین کے ساتھ رہتی تھی ایک باغ سے گھرا ہوا تھا، یہاں شام کے وقت بے شمار پرند بسیرا لیا کرتے تھے، حسین فطرت کے اس حسین مسکن میں بہار رنگ و بو کے پورے جوش کے ساتھ جلوہ گر ہوتی تھی، ہر شاخ پر رامشگران فطرت کی محفلیں برپا ہوا کرتی تھیں، اور کملا پتی موسیقی میں آنکھ کھولتی تھی اور اسی میں سو جاتی تھی، خود اس کے گانے کا یہ عالم تھا کہ جسوقت وہ گنگنانے لگتی تو معلوم ہوتا کہ فرش مخمل پر موتی رول رہے ہیں، اور موتیوں کے رولنے میں جو خاص کیفیت دمک کی نظر آتی ہے، وہی عالم کملا پتی کی گٹکری سے پیدا ہوتا تھا۔

اس نوع کی تربیت نے اسکی سیرت کو کچھ ایسے سانچے میں ڈھال دیا تھا کہ اس کے لئے کسی ایسی شے کا سمجھنا مشکل ہو جاتا تھا، جو نغمہ و موسیقی سے متعلق نہو: وہ دنیا کے واقعات کا بھی تصور اگر کر سکتی تھی تو صرف موسیقی کے ذریعہ سے۔ نسیم سے جنبش میں آجانے والی پتیوں کی ہم آہنگی، چشمے کی روانی کا راگ، ہوا کی زمزمہ سرائی اور برگ زار پر بوندوں کے بول، غرض وہ ہر صدا و بیاں ترنم آمیزی کو اس طرح سنتی اور سمجھتی تھی گویا یہ اسی کی زبان ہے۔

اچل سین ہر چند استاد کامل تھا لیکن آخر آخر اس کے تاثر کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ جب کملا پتی گانے لگتی تو اس خوف سے کہ کہیں وہ خود بھی اپنے نغمے کے ساتھ نہ اڑ جائے، اس کا دامن پکڑ لیا کرتا تھا۔ کوئی شبہ نہیں کہ اس کا نغمہ جادو تھا جسے اس کے سادہ و معصوم حسن نے دوچند کر دیا تھا، جسوقت وہ اپنی سفید ساری میں گلاب کی کیاریاں سینچنے جاتی تو صرف ایک عریاں شانہ ہی وہ چیز تھا جو اس کے انسان ہونے کی دلیل ہو سکتا تھا، فن موسیقی کے ماہر آتے تھے اور اسکے پہلے ہی بول کے ساتھ اپنے سازوں کو توڑ دیتے تھے کہ ان کے تاروں میں اس کا نغمہ سما نہ سکتا تھا۔

کملاپتی کے حسنِ نغمہ زا نے کسی دل کو تمنا سے خالی نہ رہنے دیا تھا، اور بڑے بڑے راجکمار اُسکی دعوتِ امتحان کو لبیک کہہ بیٹھے تھے، لیکن وہ خود نہ صرف اپنے سحرِ حسن سے بے خبر تھی بلکہ کمالِ فن کی حد سے بھی آگاہ نہ تھی، وہ ایک ہی وقت میں بلبل بھی تھی، اور گلاب بھی: کہ نہ وہ اپنے نغمہ کو مشتبہ کر سکتی تھی اور نہ اپنے حسن کو۔

کملاپتی کی شادی کے پیغام کثرت سے آتے تھے، لیکن وہ کبھی پورے طور پر سنتی بھی نہ تھی: شاید فطرت نے اُس سے اپنی زبان میں کہدیا تھا کہ اُس کا حسن وہ نغمہ ہے جس کا حامل سازِ دوشیزگی ہی ہو سکتا ہے!

(۲)

آخر اُسکے باپ کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو کملاپتی نے یہ شرط پیش کی، وہ ایسے شخص کی بیوی بننا منظور کر لیگی جو گانے میں اُس کا ہمسر ہو یا اپنے ساز سے اُسکے نغموں کی محبت کر سکتا ہو، چنانچہ مقابلے تو بہت ہوئے مگر نتیجہ ہمیشہ ایک ہی نکلا: یعنے ہر شخص جو اُسے "گا لینے" کی تمنا لیکر آیا، اُس تمنا کو ساتھ ہی لے گیا۔

کملاپتی کا نغمۂ شباب اب اپنے انتہائی نقطے پر پہونچ رہا تھا، اور کوئی ساز ایسا نہ تھا جو اس کا ساتھ دلیکتا، آخرکار اُس کے نغموں کا عالم بدل گیا، چنانچہ جب آخر مرتبہ کسی بڑی ریاست کے ولی عہد کے مقابلے میں کملاپتی گا رہی تھی، تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر ہر بول کے ساتھ اُس کا دل باہر آجانا چاہتا تھا اور اُسکی ساری ہستی ساز کے تاروں کا اہتزار بنکر رہ گئی ہے!

اسکے بعد عرصہ تک کوئی مقابلہ کرنے والا نہ آیا اور کملاپتی کچھ ملول سی رہنے لگی، یہاں تک کہ مشق بھی ترک ہو گئی اور کوئی شغل تنہائی نہ رہگیا۔ ہاں، کبھی کبھی جب وہ اپنی تنہائی سے بالکل تنگ آجاتی تو اُن لمحات کو اُن نغمات سے آباد کرنا چاہتی، جو ایک مست شباب، وارفتہ موسیقی دل کے گوشے سے صرف اُسی وقت نکل سکتے ہیں، جب نہ تو کوئی اُن کا سراہنے والا ہو اور نہ سننے والا۔ وہ اب اپنے لیئے اپنے اس شوق کو بلا سے تعبیر کرنے لگتی تھی، یہ صحیح ہے کہ اب اُس کا فن مکمل و مجلا ہو گیا تھا، لیکن اس تکمیل و جلا میں اس کا پورا شباب صرف ہوا جاتا تھا، اُس کی ان تنہا نغمہ طرازیوں میں اُس کے التہاب سے رخساروں پر سرخ داغ نمایاں ہو جاتے تھے، اور جب وہ ختم کرتی تو نغمے کا اہتزاز ہونٹوں پر دیر تک قائم رہتا تھا، اور اُس پر تپ کی سی حالت طاری ہو جاتی تھی، اُس کے گانے میں خواب قطعًا اضطراری ہوتا تھا کچھ اس قسم کی سادگی آ گئی تھی، جو الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی:۔ اُسمیں سے اثرِ شباب زائل ہوتا ہوا معلوم ہوتا تھا اور نظر آتا تھا کہ ایک دن اُس کا نغمہ ہی اُسکے سازِ ہستی کی شکست بنجائیگی۔ کملاپتی خود اس سے بے خبر نہ تھی،

ایک شب جو اُسکی بے چین راتوں میں سے ایک تھی، کملاپتی اپنی بستر پر بے خواب پڑی تھی، دریچے میں سے

چاندنی کا دُھلا ہوا منظر پیش نگاہ تھا، اسوقت کی فضا کچھ اسدرجہ تاثر خیز تھی کہ وہ بہت متاثر ہوئی اور اُس کا گلا خود بخود متحرک ہوگیا، جو راگنی اُسنے چھیڑی سخت درد بھری تھی، اُس کا گانا گریہ و فریاد تھا، اور ہر چیز اسوقت روتی ہوئی معلوم ہوتی تھی ——— کملا پتی رو رہی تھی، اُسکی آواز میں ایک ایسا سوز و احتراق تھا جس سے اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں وہ اس سیلاب آتش میں غرق نہ ہوجائے!

وہ اپنا گانا مشکل سے ختم کر چکی تھی کہ کسی بانسری کی آواز نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرلیا، وہ دفعتہً خاموش ہوگئی، اور یہ دیکھکر کہ اس بانسری سے بھی وہی راگ نکل رہا تھا، سخت متحیر ہوئی، جسوقت وہ ندی کے کنارے پہونچی تو اُسنے دیکھا کہ ایک نوجوان چرواہا بانسری بجا رہا تھا، اُس نے جب ایک نور کی پتلی کو چاندنی رات میں اسطرح دیکھا تو ششدر رہگیا، اور بانسری اُس کے ہونٹوں سے جدا ہوگئی۔

کملا پتی نے اُس سے دریافت کیا کہ کیا وہ اسکے سوا کچھ اور بجا سکتا ہے اور اُس کا استاد کون ہے، اس سوال سے اُسکی حیرانی کم ہوئی اور چرواہے نے جواب میں کہا کہ "میں اور راگنیاں بھی بجا سکتا ہوں اور یہ میں نے راجکماری کملا پتی سے سیکھا ہے، کیونکہ میں اپنی گائیں بخنیہ راجکماری کی محل کے نیچے چرایا کرتا ہوں اور جو کچھ راجکماری گاتی ہے وہ بانسری پر مشق کرلیتا ہوں" کملا پتی نے اسپر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ خود راجکماری تھی، لیکن اُس کا جواب سنکر احساس ملال ضرور ہوا اور ساتھ ہی مسرت بھی، ملال اس خیال سے کہ اب وہ اپنے فن میں یکتا نہ رہی اور مسرت اس احساس سے کہ دنیا میں ایک ہستی اُسکی ہمصفیر ہوسکتی ہے، تاہم کملا پتی نے باوجود اس خیال کے اُسے زک دینے کا تہیہ کرلیا، نسوانی فطرت بھی عجیب و غریب مظہر اضداد ہے!

کملا پتی نے اُس نوجوان سے کہا "میں گاتی ہوں تم بانسری سے ساتھ دو!" اور جب وہ برابر ساتھ دیتا رہا تو اُسوقت بھی کملا پتی اپنی ہزیمت کے احساس کے ساتھ اپنی زندگی کمل ہوجانے کی تمنا سے خوش تھی! لیکن اسپر بھی اُسنے آخری تان اس شد و مد کے ساتھ لی اور سم کو اسقدر مشکل کردیا کہ نوجوان چرواہے نے نواز کی بانسری بند ہوگئی اور ادہر کملا پتی نے سم توڑی، اُدہر ندی کے پانی میں ایک آواز پیدا ہوئی ——— اور پھر چند بلبلے تیرتے ہوئے نظر آئے!

(۳)

کملا پتی نے جو چرواہے کی محبت میں مبتلا ہوچکی تھی محل کا رہنا ترک کرکے ندی کے کنارے ایک جھونپڑی میں رہنا اختیار کیا اور اپنی سفید ساری کو جوگیا رنگ لیا تھا، صبح شام ندی کے کنارے اُسی راگنی کی تکرار کیا کرتی تھی یہاں تک کہ جہاں وہ بانسری والا غرق ہوا تھا حباب پیدا ہوتے اور وہ گانا بند کرکے اُنسے باتیں کرنے لگتی۔ اس حال میں کہ اُسکی آنکھوں سے جھڑی لگی ہوتی تھی!

ل احمد

مغرب کا نظام تعلیم

(بہ سلسلۂ گذشتہ)

امریکہ کا قانون اساسی ولایات متحدہ امریکہ کے دستور یا قانون اساسی میں تعلیم کا کہیں ذکر نہیں ہے اور نہ اعلانِ استقلال کے وقت اس کا ذکر کیا گیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ واضعین دستوریت کا اعتقاد تھا کہ تعلیم کا انتظام حکومت مرکزی کے دائرۂ عمل میں داخل نہ ہونا چاہیئے بلکہ مقامی حکومت اور مجلس بلدیہ (میونسپلٹی) کے سپرد ہونا چاہیئے۔

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ حکومت مرکزی تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہے کیونکہ اسنے اپنے اعلانات کے ذریعہ سے اسکی اہمیت کو ثابت کرتے ہوئے تعلیم و تربیت کو ضروریات زندگی میں داخل کر دیا ہے اور ۱۸۶۷ء میں ایک اعلیٰ مجلس تعلیم قائم کر کے اُسے وزارت داخلی سے وابستہ کر کے ایک منشور کے ذریعہ سے ظاہر کیا ہو کہ "یہ مجلس تعلیمی اس لیئے قائم کی جاتی ہے کہ وہ تمام ولایات متحدہ امریکہ میں ترقی تعلیم کے متعلق اعداد و شمار اور دیگر معلومات حاصل کرتی رہے اور تعلیم کے فوائد سے لوگوں کو آگاہ کر کے اسلوب تعلیم اور انتظام مدارس کو اعلیٰ پیمانہ پر قائم کرے"

حکومت کی طرف سے فیاضی اس اعلان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انتظام تعلیم سے براہ راست اس مجلس کا کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن مرکزی حکومت وہاں کی تعلیمی حالت سے ہر وقت باخبر رہنا چاہتی ہے اور اس غرض کے لیئے وہ ہر قسم کے مصارف برداشت کر سکتی ہے، چنانچہ حکومت مرکزی نے مختلف ولایتوں کی مقامی حکومتوں کو قیام مدارس کے لیئے مفت زمینیں دیں جن کا مجموعی رقبہ ۱۲۴۵۹۱ مربع میل ہوتا ہے (یعنے پروشیا، برطانیہ، اور ہالینڈ کی مجموعی رقبہ سے بھی کچھ زیادہ) اور اعلان کیا کہ جو شخص ترقی زراعت کے متعلق کسی نئے تجربہ کو پیش کریگا اُسے ۱۵۰۰۰ ڈالر انعام دیا جائیگا۔ وہاں ہر صوبہ میں حکومت کی طرف سے زراعت کے کالج قائم ہیں اور ہر کالج کو حکومت کی طرف سے ۲۵۰۰۰ ڈالر سالانہ ملتا ہے۔

کثرت مدارس وہاں امراء، انجمنوں اور عام لوگوں کے عطیات اور چندے سے اسقدر مدارس اور کالج قائم ہیں کہ حکومت کے سر سے بڑا بار اُٹھ گیا ہے، چنانچہ ۱۹۲۱ء میں وہاں تین لاکھ مدرسے قائم تھے، کنڈر گارٹن اور بلند تعلیم کے مدارس ان کے علاوہ ہیں۔ امریکہ کے ہر صوبہ میں قائمقامی حالات کے لحاظ سے نظام تعلیم علیحدہ مقرر کیا گیا ہے لیکن چونکہ سارے ملک میں حریت و مساوات کا جذبہ عام ہو اسلیئے اصول اساسی ہر جگہ کے ایک ہی ہیں۔

مدت تعلیم وہاں سات اور سولہ سال کے درمیان ہر بچے کے لیئے تعلیم لازم اور مفت ہے اور تمام مدارس ابتدائی وثانوی میں یکساں تعلیم دیجاتی ہے، مدارس ابتدائی کا زمانہ تعلیم آٹھ سال، مدارس ثانوی کا چار سال مقرر ہے، اس کے بعد کالج کی تعلیم شروع ہوتی ہے اور اکثر کالجوں میں مدت تعلیم چار سال مقرر ہے۔

نظام مدارس ہر صوبہ میں محکمہ تعلیم کا ایک اعلیٰ منتظم ہوتا ہے جو کسی جگہ ذریعۂ انتخاب مقرر ہوتا ہے اور کہیں مجلس تعلیم یا مجلس صوبہ اس کا تقرر کرتی ہے اس کا تقرر دو سال سے ۵ سال تک کے لیئے ہوتا ہے، اس کا فرض ہے کہ صوبہ کی تعلیمی حالت پر کامل غور کرے، مدرسین کی حالت کو دیکھتا رہے اور تمام ان تدابیر کو پیش کرے جن سے صوبہ کی تعلیمی ترقی کو فائدہ پہونچ سکتا ہے، الغرض تمام جزئیات تعلیم پر (خواہ وہ اس کے کسی شعبہ سے متعلق ہوں) حاوی ہونا اس کا فرض ہے اور وہ تمام باتوں کا ذمہ دار ہوتا ہے،

ہر صوبہ انتظام تعلیم کے لحاظ سے مختلف پرگنوں میں منقسم ہوتا ہے اور ہر پرگنہ میں ایک انسپکٹر یا معائنہ کرنے والا مجلس تعلیم کے طرف سے یا ذریعۂ انتخاب مقرر کیا جاتا ہے جو تین سال تک اپنے خدمات انجام دیتا ہے، اس کے فرائض واختیارات اپنے پرگنہ کے اندر وہی ہیں جو مدیر معارف (یا اعلیٰ منتظم) کے اپنے صوبہ کے اندر مقرر ہیں۔ لیکن چونکہ ہر پرگنہ میں مدارس کثرت سے ہیں اور انسپکٹر کمی معاوضہ کی وجہ سے اپنا سارا وقت اس طرف صرف نہیں کرسکتا، اسلیئے معائنہ اور جانچ کے لحاظ سے وہاں کا انتظام ضرور اصلاح طلب ہے۔ اسی طرح ہر پرگنہ کے مختلف اضلاع میں نظام مقرر ہے جس کی ذمہ دار مجلس بلدیہ ہوتی ہے، جرمنی کی طرح یہاں تعطیل کا فقدان نہیں ہے اس لیئے بعض بچے لہو و لعب کی طرف بھی مائل نظر آتے ہیں۔

مدارس ابتدائی مدارس ابتدائی میں مدت تعلیم آٹھ سال ہے، اس زمانہ میں انگریزی لکھنا پڑھنا، حساب، جبر ومقابلہ جغرافیہ، امریکہ کی تاریخ، علم الصحت، ہندسہ، عملی طبیعیات، اور فزیالوجی (علم الابدان) کے مبادیات کی تعلیم دیجاتی ہے، ہفتہ میں سنیچر اور اتوار کو تعطیل ہوتی ہے۔ مدرسہ کے قوانین، استادوں کا اخلاق اور حسن سلوک طلبہ میں پابندی وقت، احترام مواعید، قوت انتظام اور تحقیق و تدقیق کی عادت پیدا کردیتا ہے، جس سے اُن کا اور قوم کا مستقبل وابستہ ہے، ان مدارس میں لڑکے اور لڑکیاں ساتھ تعلیم پاتی ہیں۔ اور یہ اصول وہاں اسقدر عام ہے کہ ۲۴۰ مدارس عالیہ میں سے ۲۰۳ مدارس میں دونوں ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

مدارس ثانوی مدارس ثانوی میں مدت تعلیم چار سال مقرر ہے، اسمیں لاطینی، یونانی، فرانسیسی اور جرمنی زبان سکھائی جاتی ہے اور علاوہ اس کے ہندسہ، طبیعیات، کیمیا، جغرافیہ طبعی، فزیالوجی، بیان و

تاریخ کی بھی انتہائی تعلیم دیجاتی ہے، چونکہ وہاں مختلف علوم وفنون کے لیئے علیحدہ علیحدہ کالج قائم ہیں، اسلیئے مدارس ثانوی میں تمام اُن ضروری علوم کی تعلیم دیجاتی ہے، جن کی تکمیل کالجوں میں ہوتی ہے، اس سے یہ فائدہ ہے کہ ہر وہ طالب علم جو کسی ثانوی مدرسہ سے فارغ ہو کر نکلتا ہے، ہر کالج میں داخل ہو سکتا ہے اور اسے کوئی دقت نہیں ہوتی۔

کالج کالجوں میں مدت تعلیم چار سال مقرر ہے اور ہر طالب علم اپنے ذوق کے لحاظ سے فن کا انتخاب کر سکتا ہے، وہ لوگ جو تجارت پیشہ ہیں اُن کے لڑکے تعلیم تجارت کو ترجیح دیتے ہیں، وہ لوگ جو انجینری اور علم الآلات کے شائق ہیں وہ اپنے بچوں کو اس قسم کی تعلیم دلاتے ہیں اور جو محض علمی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں وہ کسی خاص فن کی تحقیق و تفتیش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

یونیورسٹیاں یہاں کی یونیورسٹی عبارت ہے متعدد مختلف کالجوں کے مجموعہ سے، جنمیں مختلف علوم وفنون کی تعلیم دیجاتی ہے، چنانچہ تم دیکھو گے کہ وہاں کی یونیورسٹی میں فنون و آداب، طب، دواسازی، دندان سازی، الٰہیات، ہندسہ، تجارت، وغیرہ سکھانے کے علیحدہ علیحدہ کالج مقرر ہیں۔ نیویارک کی کولمبیا یونیورسٹی میں ایک کالج علم صحافت سکھانے کا بھی ہے۔

کسی طالب علم کو یونیورسٹی کے کسی کالج میں داخل ہونے کا حق حاصل نہیں ہے جب تک وہ فنون و آداب (آرٹ و لٹریچر) کے کالج میں دو سال تعلیم نہ حاصل کرے، وہاں ہر صوبہ میں ایک کالج قائم ہے، جس کے مصارف حکومت کی طرف سے ادا کیئے جاتے ہیں اور اہل امریکہ وہاں مفت تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ اجنبی ممالک کے لوگوں کے لیئے تھوڑی فیس مقرر ہے۔

معلمین ۱۹۲۱ء میں وہاں معلمین و مدرس کی تعداد ۵۹۳۳۰۰ تھی جنمیں سے ۱۷۷۵۱۶ مرد اور ۴۱۷۴۲۸۴ عورتیں ہیں عورتوں کی کثرت کا سبب یہ ہے کہ وہاں تعلیم ابتدائی بالکل عورتوں کے ذریعہ سے دیجاتی ہے۔

فن تعلیم سکھانے کے مدارس بھی یہاں موجود ہیں لیکن ضرورت کے لحاظ سے ناکافی ہیں، کیونکہ وہاں معلمی کا منصب مستقل نہ ہونے کی وجہ سے ہر سال تقریباً ایک لاکھ جدید مدرسوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لیئے ضرورت ہے کہ کثرت سے مدارس معلمین جاری کیئے جائیں، ہر چند ملک اس ضرورت کو محسوس کر رہا ہے لیکن جب تک حکومت اس طرف توجہ نہ کرے کامیابی متعذر ہے۔

ہندوستان کا تعلیمی انحطاط یہاں تک تو مغرب کے بعض ممالک کی تعلیمی حالت کا مختصر بیان ہوا جس سے ظاہر ہوتا

ہے، کہ دنیا کا کوئی مہذب ملک ایسا نہیں ہے جسنے اپنے ہاں تعلیم کو رواج دینے میں پوری کاوش سے کام نہ لیا ہو، برخلاف اسکے ہندوستان کی تعلیمی حالت اس حد تک گری ہوئی نظر آتی ہے کہ مشکل سے کوئی مدعی تہذیب حکومت اسکو گوارا کر سکتی ہے ہم ہندوستان کے نظام تعلیم کے متعلق کوئی مفصل بیان پیش کرنا نہیں چاہتے کہ اس سے تقریبًا یہاں کا ہر شخص واقف ہے لیکن دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں یہاں کی تعلیمی حالت کے متعلق صرف بعض اعداد و شمار پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں

امریکہ میں سالانہ تنخواہ ایک معلم کی کم سے کم ۷۲۰ سے لیکر ۱۵۰۰ ڈالر تک (ڈالر تین روپیہ کے برابر ہے) اس سے اونچے درجہ کے مدرس ۱۸۵۰ سے ۲۲۶۰ ڈالر تک پاتے ہیں، ہائی اسکول (مدارس عالیہ) میں ۹۰۰ سے لیکر ۲۱۵۰ ڈالر تک مشاہرہ مقرر ہے اور ٹریننگ اسکول (مدارس المعلمین) ۱۰۰۰ سے ۳۲۵۰ ڈالر تک۔ ہائی اسکول اور ٹریننگ اسکول کے پرنسپل ۵۰۰۰ ڈالر پاتے ہیں۔ نیویارک کے کمشنر تعلیمات کو ۷۵۰۰ ڈالر ملتے ہیں۔

جاپان میں وزیر تعلیمات چار ہزار ڈالر پاتا ہے اور کم سے کم تنخواہ ۸ سے ۹ ڈالر ماہانہ تک ہے، ہندوستان میں مدرسین کو جسقدر تنخواہیں ملتی ہیں وہ مقابلتًا نقشہ ذیل سے ظاہر ہوتی ہیں

نام ملک	سالانہ تنخواہ ابتدائی مدارس میں	
امریکہ	۴۶۸۰	روپیہ
انگلستان	۱۵۰۰	"
جاپان	۵۳۰	"
پرتگال	۳۰۰	"
ہندوستان	۱۵۰	"

بیان ماسبق سے معلوم ہو چکا ہے کہ مغرب کی حکومتیں قوم کی تعلیم پر نہایت بیدریغ روپیہ صرف کرتی ہیں، کیوں ان کے ہاں اساس ترقی یہی چیز ہے، لیکن ہندوستان میں حکومت جسقدر فیاضی سے کام لیتی ہے، اس کا حال ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔

مصارف تعلیم فی کس (ابتدائی مدارس میں)

نام ملک	شلنگ	پنس		شلنگ	پنس		شلنگ	پنس
امریکہ	۱۶	۰	سوئزرلینڈ	۱۳	۸	آسٹریا	۱۱	۳
انگلستان	۱۰	۰	کناڈا	۹	۹	اسکاٹلینڈ	۹	۷½

جرمنی	۶ - ۱۰	نیوزیلینڈ	۶ - ۴½	سویڈن	۵ - ۷
بلجیم	۵ - ۴	فرانس	۴ - ۱۰	آسٹریلیا	۳ - ۱½
اسپین	۱ - ۱۰	اٹلی	۱ - ۲½	جاپان	۱ - ۲
روس (قبل جنگ)	۰ - ۷½	ہندوستان	۰ ۲	(شلنگ ۱۲ ار کے برابر ہے اور پنس ایک آنے کے برابر)	

مدارس عالیہ

نام ملک	پنس	نام ملک	پنس	نام ملک	پنس
امریکہ	۱۱	سوئزرلینڈ	۱۱	ڈنمارک	۸
سویڈن	۶½	فرانس	۶	بلجیم	۶
آسٹریا	۶	ناروے	۵	روس	۲½
برطانیہ	۱۱	ہندوستان	½	—	—

سنہ ۲۰-۱۹۱۹ء میں ۱۴ کروڑ ۸۹ لاکھ روپیہ ہندوستان کی تعلیم میں صرف ہوا جس میں سے نصف سے کم یعنی ۶ کروڑ ۲۳ لاکھ خزانہ شاہی سے دیا گیا، ۳ کروڑ ۶۹ لاکھ فیس سے وصول ہوا، ۲ کروڑ ۷۶ لاکھ پبلک فنڈ سے ملا، لوکل فنڈ سے ایک کروڑ ۴۵ لاکھ کی امداد ملی اور میونسپلٹیوں سے ۵۹ لاکھ کی۔

چونکہ ہندوستان میں تعلیم مفت و لازمی نہیں ہے اور حکومت یہاں اشاعت تعلیم کو ضروری خیال نہیں کرتی اس لیے یہاں کا تعلیمی اوسط تمام دنیا سے کم ہے، اور باوجود اس کے کہ تقریباً ڈیڑھ صدی برطانیہ کو حکومت کرتے ہوئے یہاں ہو گیا ہے، تعلیم کے لحاظ سے یہاں کی حالت اب بھی نہایت پست ہے، درآنحالیکہ اسی حکومت نے خود اپنے ملک کو چالیس سال سے کم زمانہ میں تعلیم سے پوری طرح آشنا کر دیا۔ ذیل کے نقشے سے تعلیمی اوسط معلوم ہو سکتا ہے:۔

سوئٹزرلینڈ	۱۰۰ فیصدی	سویڈن و ناروے	۱۰۰ فیصدی
انگلستان	۹۵ "	امریکہ	۹۵ "
جاپان (۵۰ سال قبل)	۲۸ "	ہندوستان	۲۰ فیصدی
" (اب)	۹۶ "		

اگر آبادی پر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کی آبادی، انگلستان، امریکہ، فرانس، جرمنی اور اٹلی کی مجموعی آبادی سے بھی زیادہ ہے لیکن اگر اس حقیقت کو دیکھا جائے کہ مقابلتاً یہاں تعلیم کتنی ہے اور تعلیم

کے لیے کتنی یونیورسٹیاں قایم ہیں تو نتیجہ نہایت افسوسناک نکلتا ہے، ذیل کے نقشے سے اس کی وضاحت ہوسکتی ہے۔

ملک	آبادی	یونیورسٹیوں کی تعداد
۱- امریکہ	۸۵۱۰۰۰۰۰	۱۳۴
۲- انگلستان	۴۱۰۰۰۰۰۰	۱۸
۳- جرمنی	۶۴۵۰۰۰۰۰	۲۲
۴- فرانس	۳۹۰۰۰۰۰۰	۱۵
۵- اٹلی	۳۲۰۰۰۰۰۰	۲۱
۶- ہندوستان	۳۲۰۰۰۰۰۰	۱۵

ہندوستان میں تعلیم کا اسقدر انحطاط موجودہ نظام حکومت کا لازمی نتیجہ ہے کیونکہ اسی وقت جب کہ امریکہ میں آمدنی کا ۳۰ فیصدی تعلیم پر خرچ کیا جاتا ہے، ہندوستان کے حصہ میں بمشکل ۴ ½ فیصدی آتا ہے۔

(اڈیٹر)

ترانۂ ہستی

شوق نے آزمالیا، آئے نہ وہ قیاس میں
عجز کا رنگ آچلا آرزوئے سپاس میں

بیکسیٔ فراق نے دل کو تباہ کر دیا
راحتِ انتظار بھی ڈوب گئی ہے یاس میں

شوق جنوں طراز سے دست دراز یا کہاں
جراتِ عرض ہی نہیں عقل ادب شناس میں

جلوۂ جاں گداز نے خاک اگرچہ کر دیا
خواہش دید بڑھ گئی حیرت ناسپاس میں

میری لحد پر آگئے دامن گلفشاں لیئے
بوئے وفا سما گئی آپ کے اس لباس میں

عشق جنوں نواز نے سر کو نثار کر دیا
اہل ہوس تو رہ گئے کشمکش ہراس میں

حسن خیال نے ہمیں محوِ جمال کر دیا
آج ہمیں پتہ چلا لطف بھی ہے یہ آس میں

عابد جاں نثار نے لطف ستم اٹھا لیا
رنگ ہے انفعال کا غمزۂ حق شناس میں

عابد

شہاب کی سرگزشت

(بسلسلۂ گزشتہ)

آج طفیل نے اختر کو جس سے اُس کے مراسم دیرینہ تھے دعوت دی تھی اور صرف اسلیئے کہ شہاب و محمود کی معرفی کرا سکے۔ طفیل باہر گیا اور چند منٹ میں اختر کے ساتھ جو اسوقت غیر معمولی کیفیات اپنے قلب میں لیئے ہوئے آرہی تھی اندر داخل ہوا۔

مس اختر شہاب و محمود کو دیکھتے ہی (اُن شہاب و محمود کو جنہوں نے اب سے پندرہ روز قبل اُسی کے سامنے اُس کے متعلق ساحل (یا لو پرا) پر اپنا اپنا اظہار خیال کیا تھا) گھبرا گئی اور اُس کے خون نے چہرہ کو غیر معمولی رنگِ انفعال و اضطراب سے رنگ دینا چاہا، لیکن اس نے بہت ضبط کیا اور کوشش کر کے اُس غیر محسوس تبسم کے ساتھ جو صرف آنکھوں ہی میں پیدا ہو سکتا ہے، اس انداز مسرت کے پردہ میں جو صرف پیشانی ہی میں جاگزین ہو سکتا ہے اپنے تاثر کو ظاہر نہ ہونے دیا، وہ کسی نہ کسی طرح آگے بڑھی اور طفیل نے باہم دگر رسم تعارف ادا کر کے اختر کو زیادہ سمجھنے اور متاثر ہونے کا موقعہ نہ دیا۔

طفیل نے بیٹھتے ہی اختر سے مخاطب ہو کر کہا "میں نے اس کو محسوس کیا ہے کہ فرض معرفی مجھ سے اچھی طرح ادا نہیں ہو سکا اور غالباً میں اسکو بھول بھی جاتا، اگر پہلے ہی سے اسکا قصد نہ کر لیتا اور قصد کرنے کے بعد بار بار اپنے کو یاد دلا دلا کر اس مرحلہ سے گذر جانے کے لیئے آمادہ نہ رکھتا، کیونکہ میرے نزدیک تعارف وہی ہے جو آپ پیدا ہو جائے اور ایک شخص خود سمجھ لے کہ دوسرا کیا ہے، تاہم میں اُس کمی کی تلافی کچھ نہ کچھ اسوقت کرنا چاہتا ہوں اور اختر میں تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ محمود میرے نہایت عزیز دوست ہیں اور شہاب میرے نہایت محبوب دشمن (محمود کی طرف اشارہ کر کے) ان کی محبت میرے دل میں صرف اس لیئے ہے کہ مجھے ان سے کوئی خوف نہیں اور (شہاب کی طرف اشارہ کر کے) ان کو میں اس لیئے عزیز رکھتا ہوں کہ میں ان سے ڈرتا ہوں اسلیئے یوں سمجھو کہ محمود سے محبت کرنا میری خوشی ہے اور شہاب سے الفت رکھنا میری مجبوری۔ اس سے زیادہ نہ میں کہہ سکتا ہوں اور نہ ضرورت خود تھوڑے زمانہ میں اندازہ کر لوگی۔ رہا اب تمھارے متعلق کوئی بسیط گفتگو کرنا وہ بھی فضول ہے، کیونکہ یہاں روز تمھارا ذکر رہتا ہے اور اسلیئے ضرورت نہیں کہ محض رسم تعارف کی تکمیل کے لیئے اُس شناسائی کی نزاکت کو مجروح کر دوں، جو تمھاری غیبت میں شہاب و محمود کو حاصل ہو گئی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ جس ہستی کے متعلق محمود مجھ سے روز خدا جانے کیا کیا سوال کیا کرتے ہیں اور شہاب جسکے ذکر کو سن سن کر خاموش ہو جاتے ہیں، اُس کو ایک

کے جذبۂ بیتاب اور دوسرے کے شوق خاموش کے سامنے پیش کردوں اور اسطرح اپنی غائبانہ ترجمانی کی خدمت کو ہمیشہ کے لیے ختم "

شہاب: "لیکن افسوس ہے کہ جس خدمت سے آپ گھبراتے ہیں وہ ہی خدمت آپ ایسی ذات کے سپرد کرنا چاہتے ہیں جو آپ سے زیادہ نحیف وناتواں آپ سے زیادہ کمزور و نازک ہے"

طفیل" (مسکراکر) نہیں میرا مقصود تو یہ نہیں ہے اور شاید اسکی ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ ان کا یہاں آنا صرف اسی لئے تھا کہ آپ اپنے استفہام کے جواب کو بجائے سننے کے دیکھ لیں اور مجھے خدمت مدح سرائی سے آزاد "

شہاب۔ "ممکن ہے کہ آپ کا مقصود یہ نہ ہو لیکن ارتفاعِ مقصود، ارتفاعِ ضرورت نہیں، میرے نزدیک ایک شخص کا حال اُسکی غیبت میں بیان کرنا زیادہ سہل ہے بہ نسبت اس کے کہ خود اُس شخص کے سامنے لے آیا جائے کیونکہ اُسطرح تو صرف آپ کی زبان کو تکلیف جنبش ہوگی اور اس طرح اُس شخص کو سراپا نطق ہوجانا پڑیگا۔ آنکھوں کا یہ کام نہیں کہ وہ گفتگو کریں لیکن ہم چاہیں گے کہ وہ کچھ کہیں اور یقیناً انہیں اسوقت کچھ کہنا پڑیگا۔ چہرہ کا رنگ اس لئے وضع نہیں ہوا کہ وہ بات کرے، لیکن ہم سمجھیں گے کہ وہ کچھ کہہ رہا ہے اور واقعی اُسے کچھ نہ کچھ بتانا ہوگا، اعضاء کی حرکت کوئی تکلم نہیں ہے، لیکن ہم اُس سے کچھ سمجھنا چاہیں گے اور اُدھر ہر جنبش کو تکلم ہوجانا پڑیگا۔ پھر یہ اچھا تھا کہ آپ ہی صرف زبان کی جنبش سے مس اختر کا تعارف کرادیتے یا یہ کہ اب وہ ہمارے سامنے ہیں اور سر سے پانوں تک عرض حال بنی بیٹھی ہیں"

یہ کہتے ہی شہاب نے اور اُسی کے ساتھ محمود و طفیل نے اختر کی طرف دیکھا اور اس کا یہ عالم تھا گویا ایک تصویر حیا ہے جو اپنے نم انفعال کے ساتھ گھلی جارہی ہے، اس نے لجاتے ہوئے تبسم کے ساتھ پیشانی کا پسینہ رومال سے پوچھا اور قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی۔ شہاب نے خود ہی اسکو مخاطب کیا کہ "اختر صاحب، ہم لوگوں کو کیسی مسرت ہے کہ آپ سے آج آخرکار ملنا ہو ہی گیا، اور ہمیں یقین ہے کہ آپ اس اظہار مسرت کو اُس احسان کا اعتراف خیال فرمائیں گی، جو آپ نے یہاں آکر ہم لوگوں کے حال پر صرف فرمایا ہے"

اختر: "یہ آپ کیا فرماتے ہیں ممنون تو مجھے اور مسرور تو میرے دل کو ہونا چاہیئے کہ آپ نے میری طرف سے ایسی خواہش اپنے اندر پیدا کی اور مجھے ازلبس زیربار احسان کیا۔ طفیل صاحب نے بارہا آپ لوگوں کا ذکر مجھ سے کیا اور حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ میری تمناؤں کو میرے چہرہ سے معلوم کرکے مجھے دعوت نہ دیتے تو میں اُن سے کچھ خوش نہ ہوتی"

شہاب۔ خیر میں بغیر اس واقعہ پر اظہار تاسف کئے کہ طفیل صاحب نے کیوں نہ آپ کو کچھ ناخوش ہونے دیا، میں آپ

اور طفیل صاحب دونوں کا منت کش ہوں اور اسوقت سب سے پہلے آپ کو داد دیتا ہوں، اس تکمیل فن پر جسکی مثال اسوقت ہندوستان کا اسٹیج بہت کم پیش کر سکتا ہے۔ حیرت ہے کہ آپ نے اس تھوڑی سی عمر میں کیونکر اُن جذبات انسانی کا مطالعہ کر لیا، جو عام طور سے کہیں نظر بھی نہیں آتے"

اختر۔ "شہاب صاحب افسوس ہے کہ آپ بھی وہی خیال ظاہر کرتے ہیں جو میری نسبت عام طور سے ہر شخص نے قائم کر رکھا ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ کم از کم آپ تو مجھے نہ بنائیں گے، خاصکر اُسوقت جب آپ بھی سمجھتے ہیں کہ جو کچھ آپ کی زبان کہہ رہی ہے وہ کسقدر دل سے دور ہے اور جس کو آپ خلوص کے رنگ میں رنگ کر ظاہر فرمانے کی کوشش کر رہے ہیں اُسمیں گفتگو کی کتنی مصنوعی آب و تاب شامل ہے"

شہاب جو کبھی ایک عورت کی طرف سے اسقدر ذہین جواب کی توقع نہ رکھتا تھا چونک پڑا اور ایک خاص انداز سے جسمیں حیرت و مسرت دونوں ملی ہوئی تھیں بولا کہ "جو کچھ میں نے کہا ہے اُسکو واپس لینے کے لیئے آمادہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر (بقول آپ کے) اُسمیں کوئی حقیقت اور سچائی نہیں ہے تو حقیر و ذلیل چیز ہے اور اسلیئے مجھے اُسکی واپسی کی بھی پروا نہیں ہو سکتی۔ لیکن کم از کم میری وہ حیرت تو آپ کے جواب سے دور ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ اگر آپ نے اسقدر جلد یہ سب کچھ حاصل کر لیا تو جائے تعجب نہیں کیونکہ وہ ذہانت جو فطرت نے آپ کے دماغ میں ودیعت کی ہے ہمیشہ قبل از وقت پختگی تک پہونچا دیتی ہے اور اسی لیئے دیکھا جاتا ہے کہ بہت زیادہ حساس طبیعتیں بہت جلد مردہ ہو گئیں، لیکن خدا کرے میں آپ کی طبیعت کو اس کلیہ سے مستثنیٰ دیکھوں"

اختر۔ ہاں اس لیئے کہ میں اپنی زندگی سے بیزار اور اپنے آپ سے متنفر ہو جاؤں"

شہاب۔ "کیوں، خدا نہ کرے ایسا ہو"

اختر۔ "مگر ایسا تو ہونا ہے کیونکہ اگر ایک حساس دل پر موت جلد طاری نہیں ہوتی تو سمجھ لیجیئے کہ وہ خود غرض ہو چلا ہے اور دل کا ایسا ہو جانا میرے نزدیک لطیف و پاکیزہ جذبات سے محروم ہو جانا ہے اور شاید یہ کافی وجہ دل سے اور اپنے آپ سے بیزار ہو جانے کی ہے"

شہاب۔ "مگر شاید یہ کافی وجہ دوسروں کے لیئے آپ سے بیزار ہونے کی نہ ہو اس لیئے خدا کے لیئے اپنے دل پر موت طاری ہونے کی دعائیں نہ مانگیئے، اپنے لیئے نہ سہی دوسروں کے لیئے زندہ رہیئے، جذبۂ ایثار کی بدولت تو لوگوں کو مرجاتے دیکھا ہے آپ سے ذرا سا زندہ بھی نہیں رہ جاتا، اس سے زیادہ سہل طریقہ نمائش اخلاق کا اور کیا ہو سکتا ہے لیکن آپ اسپر بھی راضی نہیں"

اختر۔ (ذرا طعن کے ساتھ) کاش آپ کی ہر خواہش میری کوشش ہوسکتی لیکن تھوڑے ذوق کے ساتھ کیونکہ مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ اپنی کوشش پر اتنا ہی اختیار حاصل کروں، جتنا آپ کو اپنی خواہش پر ہے۔"

شہاب۔ کیا عرض کروں اک عمر اس آزادی میں گذر گئی ہے، اور بدقسمتی سے اس آزادی کی تکلیفیں بھی مجھے محبوب ہیں ورنہ شاید میں آپ کے اس طعن کو نہ سن سکتا اور اپنی خواہشوں سے اپنا اختیار، اپنی تمناؤں سے اپنا اقتدار اور اپنی آرزوں سے اپنی حکومت اسطرح اٹھا لیتا جسطرح آپ کبھی اسٹیج پر اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا لیتی ہیں ہر چند آپ پردہ دور کرکے وہ چیز دکھاتی ہیں جس کے دیکھتے رہنے کو کسی کا جی چاہ سکتا ہے، اور میں شاید اپنی خواہشات کو بے پردہ کرکے کوئی حسین منظر پیش نہ کرسکوں گا۔ لیکن خیر تخییل ختم تو ہوجاتی، آسکو دیکھکر لوگوں پر گریہ طاری ہوتا یا تو اسکو دیکھکر ہنس پڑتے۔ کچھ برا نہ تھا اگر دنیا کے اسٹیج پر عالم کے تماشہ گاہ میں آپ کی کوششوں کی ٹریجڈی اور میری خواہشوں کی کمیڈی، پہلو بہ پہلو رہا ہوکر اپنا اپنا فرض انجام دیتیں اور دیکھنے والوں کی سمجھ میں نہ آتا کہ وہ آپکے ساتھ روئیں یا میرے ساتھ ہنسیں۔ آپ کی خواہشیں چاہتیں کہ عالم میں کچھ نہ ہو مگر آپ کے لیے ایک طوفان اشک میری خواہشیں چاہتیں کہ دنیا میں کچھ نہ آئے مگر اک سیلاب خندہ اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوتا۔ خدا جانے آپ کی کوششیں میری خواہشوں کے آغوش میں آکر مسکرا پڑتیں یا میری خواہشیں آپ کی کوششوں کے حضور میں مصروف گریہ، آہ اختر صاحبہ، یہ کھیل کھیلنے کے لیے اب دل کہاں سے لاؤں۔ ایک تھا اسکا یہ حال ہے کہ اب تک بھی خبر نہیں کہ وہ ہے کہاں۔ آسمان کو دیکھتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ شاید اس نیل میں ڈوب کر رہ گیا ہے، سمندر کو دیکھتا ہوں اور خیال ہوتا ہے کہ شاید اس تلاطم امواج میں مل گیا ہوگا، شفق نظر آجاتی ہے تو گمان ہوتا ہے کہ کہیں اس رنگ میں نہ تحلیل ہوگیا ہو۔ چاند اپنی چاندنی پھیلا دیتا ہے، میں کوشش کرتا ہوں کہ کہیں اس فرش سیمیں میں کوئی شکن نظر آجائے تو سمجھوں کہ دل یہی ہے، بہار جب اپنی شگفتگی چاروں طرف منتشر کردیتی ہے تو خیال ہوتا ہے کہ ہر ہر پھول اور پھول کی ہر ہر پنکھڑی میں دل ملفوف ہے، تیتری اڑتی ہوئی گذر جاتی ہے تو میں تڑپ جاتا ہوں کہ یہ کہیں ٹھہرتی تو میں اسکے پروں کے غبار رنگ سے اس آوارہ ہوجانے والے کا پتہ پوچھتا۔ بھبھیری اک اضطراب بنی ہوئی آنکھوں سے اوجھل ہوجاتی ہے، میں کہتا ہوں ذرا بھی نگاہ قائم ہو تو اسکے رعشۂ پرواز سے جانے والے کا سراغ لگاؤں، ہائے اس دل خانہ خراب کا فسانۂ سرگشتگی کہاں تک سناؤں اور کس سے کہوں کہ وہ کیوں اسقدر آوارہ و برباد ہے کاش اسوقت آپ کو، آپ کی نگاہوں کو دیکھ کر یقین کرسکتا کہ وہ یہیں ہے، مگر یہ گوارا نہیں ہوتا کیونکہ معلوم ہے دل قدر ناشناس کے پاس نہیں ٹھہر سکتا اور شاید انسان اور انسان میں کبھی آپ کے طبقہ سے زیادہ دل کا

دشمن، اسکو تباہ و برباد کرکے لطف لینے والا کوئی نہیں، اسلیئے اگر آپ کو میری خواہشیں اسقدر خودسر، میری تمنائیں اس درجہ سرکش، میری آرزوئیں اتنی مغرور نظر آتی ہیں، تو ملامت نہ کیجیئے کہ یہ آپ ہی کی نوازش و الطاف کا نتیجہ ہے اور اب میں مجبور ہوں کہ انسان کے اس دلکش اخلاق کی یاد ہمیشہ اپنے سینہ سے لگائے رہوں کیونکہ دل کو اسطرف مائل نہ دیکھنے سے جو صدمہ مجھے ہو سکتا ہے اُسکی تلافی کچھ اسطرح ہوتی رہتی ہے، اور زندگی کی دشواریاں کچھ سہل ہوجاتی ہیں۔ دنیا میں ایسی ایسی مار رکھنے والی نگاہوں کے سامنے سے جان سلامت لے جانا کم از کم میرے بس کی بات تو تھی نہیں، اختر صاحب، باور کیجیئے، روئے سخن کسی خاص ذات کی طرف نہیں ہے، بلکہ یہ میرا تجربہ عام ہے اور اُسکی تلخی کا تعلق کسی مخصوص ہستی سے نہیں۔ تاہم اگر کوئی تکلیف آپ کو پہونچی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں اور نادم ہوں کہ میں نے آپ کا وقت اسقدر ضائع کیا حالانکہ وہ صرف میرا نہ تھا۔

اختر۔ "آپکی طرف سے اس خیال کا اظہار میری توقع کے خلاف نہ تھا طفیل صاحب نے آپ سے اور آپ کے اصول سے مجھے اسقدر باخبر کردیا تھا کہ میں اپنے تئیں آپ سے دیرینہ شناسائی رکھنے والی سمجھتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ میں دفعتہً اس درجہ آزاد و بے تکلف ہوگئی اور اس لیئے شہاب صاحب آپ بھی یقین کیجیئے کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں پہونچی اور آپ کا معافی چاہنا بے محل ہے، رہا اس امر پر اظہار ندامت کہ آپ نے اسقدر وقت ضائع فرمایا سو اگر یہ صحیح بھی ہو تو آپکی ندامت اُسکی تلافی کیا کرسکتی ہے، اسلیئے یہ بھی بیکار رہے، آپ نے ناحق اپنی تقریر کو اسقدر جلد ختم فرمایا میرے لیئے تو اسمیں بہت کچھ سامان دلچسپی تھا کیونکہ ہر وہ حقیقت، جسپر حقیقت نہ سمجھکر گفتگو کی جائے، بہت دلکش بحث ہوجاتی ہے اور شاعرانہ پرواز خیال کے لیئے وسیع جولانگاہ، کاش مجھے بھی یہ سلیقہ حاصل ہوتا، اور میں بھی اپنے مذاقِ ادب کی غایت یہی قرار دیسکتی کہ اپنے ہر قال کو حال دکھاؤں اور دوسروں کے حال کو اپنے قال سے لغو و دور از کار۔ اسمیں کلام نہیں کہ اگر کسی کو اپنا دل خون کرنے کی فرصت ہو تو شہاب صاحب آپ سے بہتر شخص گفتگو کے لیئے کوئی نہیں مل سکتا"

شہاب۔ اور اختر صاحب یقین کیجیئے کہ اگر آپ سا سمجھنے والا میسر آجائے تو میں بھی اپنا دل خون کرنے کے لیئے آمادہ ہوں، لیکن اس کا کیا علاج کہ نہ آپ کو اُسکی فرصت ہے اور نہ مجھے اسکی ضرورت۔ افسوس انسان کے دل میں بھی کیا کیا حسرتیں خون ہوکر رہجاتی ہیں، صرف اسلیئے کہ اُسکو اپنی فہم پر پندار ہوتا ہے اور وہ نہیں سمجھتا جو حقیقت ہے، حالانکہ ہر باطل خیال اُس کے نزدیک ایسی صداقت ہے جس سے انحراف کبھی ممکن ہی نہیں۔ میں ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے میری کمزوری پر آگاہ فرما دیا، یہ بھی بڑی نعمت ہے اگرچہ تکلیف دہ، اس لیئے کم از کم آپ تو کبھی

اسکی خواہش نہ کیجیے گا، ورنہ اگر آپ کا پندار کبھی آپ سے دور کردیا گیا، تو وہی حال ہوگا جو ایک آبگینہ کا اگر اُس سے نزاکت چھین لی جائے کہ یہ آبگینہ کی موت ہے، اور وہ حسن کی شکست اور جس طرح ایک آبگینہ صرف اس لیے عزیز ہے کہ اُسکی تعمیر نزاکت سے ہوئی ہے، اسی طرح حسن بھی محض اسوجہ سے محبوب ہے کہ اُس کا خمیر نخوت و پندار ہے"

اختر: "معاف کیجیے، آپ کو میں نے صدمہ پہونچایا، مجھے یہ خبر نہ تھی کہ آپ نے اپنے مذاق طبیعت کو اسقدر ناقابل فہم بنا رکھا ہے، ورنہ شاید میں سمجھ کر اُسکے بیان کرنے کی کوشش نہ کرتی، لیکن میں آپ سے عرض کرتی ہوں کہ آپ نے جس چیز کو میرے اندر پندار سمجھا ہے وہ حقیقتاً پندار نہیں ہے، معاف کیجیے گا، پندار تو آپ میں ہے کہ اپنے مطالعہ کے نتائج میں کہیں نکتہ چینی کی گنجائش نہیں پاتے۔ آبگینہ میں نہیں ہوں بلکہ آپ ہیں کہ ذرا سی ٹھیس کی تاب نہیں ہے۔ تھوڑی سی شرارت ضرور میری ہے، کہ آبگینہ کی نزاکت کو محسوس کرتی ہوں اور پھر اسکو ضرب پہونچاتی ہوں، حالانکہ یہ نامناسب ہے، اگر آپ معاف فرمائیں تو میں اب بھی یہ سب کچھ واپس لینے کے لیے آمادہ ہوں لیکن شرط یہی ہے کہ میرے سامنے نمائشی نزاکت نہو ورنہ پھر میں بے اختیار ہوجاؤں گی کہ اُسکو چھیڑوں اور اسکے صدائے شکست سے کچھ لطف اٹھاؤں"

شہاب: "ہاں آپ کو یہ گوارا نہ ہوگا کہیں اور نزاکت کا وجود پایا جائے، لیکن اختر صاحب یہ چیز چھیننے سے حاصل نہیں ہوسکتی، اسلیے آپ کی یہ کوشش بیکار ہے اور یوں بھی آپکو ڈرنا چاہیے کہ اگر نزاکت سے دشمنی کرنے کی رسم آپ نے رائج کردی تو پھر اب میں کیا کہوں کہ.........

طفیل نے شہاب کے اس جملہ کو پورا نہ ہونے دیا اور کھڑا ہوکر کہنے لگا کہ:۔

کیا میں اپنے معزز مقررین کو مطلع کرنے کی جرأت کرسکتا ہوں کہ بارہ بج چکے ہیں۔ غالباً خلوے معدہ دور کرنے کے بعد زیادہ جوش و لطف کے ساتھ تقریریں ہوسکیں گی"

اختر یہ سنکر ہنس پڑی اور سب کے سب اُٹھکر کھانے کے کمرہ میں چلے گئے۔

(باقی آیندہ) (اڈیٹر)

فلاسفہ قدیم کی روحوں کا اجتماع

اور

انقلاب ہیئت اجتماعی کا عظیم الشان مقدمہ

(۱)

مصر کے ایک مشہور عالم حنا خباز نے ہیئت اجتماعی کے نقائص و محاسن اور ضرورت انقلاب پر نہایت دلچسپ تبصرہ کیا ہے، اور حکماء و فلاسفہ قدیم کے خیالات کو ایک اسلوب بدیع کے ساتھ پیش کر کے نوع انسان کی ترقی کے حقیقی ذرائع پر روشنی ڈالی ہے امید ہے کہ ناظرین نگار اس کو دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے اور طوالت بحث سے منغص نہ ہوں گے، فاضل مقالہ نگار لکھتا ہے:-

ایک مشہور انگریز عالم سر اولیور لاڈج جو روحوں سے گفتگو کرنے کا مدعی ہے آخر اکتوبر ۱۹۱۶ء میں پیرس آیا اور علماء کے ایک جلسہ میں اُس نے اعلان کیا کہ وہ اُن روحوں کو بلا سکتا ہے جنہیں دنیا کو چھوڑے ہوئے ہزاروں برس گذر گئے ہیں اُس نے اپنے اور اپنے رفقا کی طرف سے یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر اجتماعی اصلاحات کے لیئے اس طریق عمل سے کام لیا جائے تو نوع انسان کو بہت سے فوائد پہونچ سکتے ہیں۔

اس مسئلہ پر ارباب سیاست و مذہب نے طویل بحثیں کیں اور آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ گذشتہ زمانہ کے چند مصلحین کی روحیں طلب کرنا چاہیے تاکہ اجتماع انسانی کے متعلق ان سے تبادلۂ خیالات کیا جائے۔

۱۷ر اکتوبر کی رات کو سر اولیور لاڈج نے گذشتہ زمانہ کے مشہور ماہرین طبیعیات اور علمائے اجتماعیات سے روحانی ملاقات کی، اور سات گھنٹہ تک یہ خلوت قائم رہی، سب سے پہلے سر اولیور لاڈج نے اہل جلسہ کے سامنے تقریر کی کہ:-

حضرات!

یہ ایک وہ جلسہ ہے جس کو بشریت کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی، کیونکہ یہ وہ نقطہ ہے جہاں سے تاریخ اور عمرانیات کی رفتار کا رخ بدلتا ہے، اور انسانیت کی آزادی کی طرف پہلا قدم اُٹھتا ہے۔ مورخین ارباب سیاست نہایت احترام سے اس جلسہ کا ذکر کیا کرینگے، کیونکہ آج رات کو تم اقطاب عالم سے ملاقات کرنے والے ہو،

یہ اقطاب وہ علما و فلاسفہ ہیں، جو اپنے اپنے زمانہ میں غیر معمولی احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور آج ہم انھیں کی مدد سے انسانیت کی بنائے مقدس کا سنگ بنیاد رکھتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ طلب حقیقت میں فلاسفہ کس خلوص و صداقت سے کام لیتے ہیں۔ حق کی محبت اور انسانیت پر شفقت کرنا اُن کا خاص نصب العین ہے، آپ کو معلوم ہے کہ میں نے انسانیت کی خدمت میں پچاس سال صرف کئے ہیں اور میرے تمام اکتشافات جو اس طویل مدت میں حاصل ہوئے ہیں آج اس جلسہ کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش ہونے والے ہیں، آج کی رات تم کنفوشیوس، زردشت، افلاطون، ابن سینا، ارسطو، دیکارت، بیکن، ہیگل، اور دیگر حکماء سے مکالمہ کروگے، اور موجودہ مصائب انسانی دور کرنے کے لیئے ان کی رائے معلوم کرسکوگے۔

آج! آج! فرانس کی فضا پر صحیح انسانیت طلوع ہونے والی ہے، اور اس رات کی تاریکی میں ایسا نور چمکنے والا ہے، جس کے بعد کبھی رات نہ آئے گی، اب ہم کو چاہیئے کہ نہایت سکون و احترام کے ساتھ دنیا کی ان عظیم ہستیوں کا خیر مقدم کریں؟

الیویر نے یہ کہکر ایک برقی بٹن دبایا جس سے بجلی کی روشنی گل ہوکر عکس ریز شعاعیں انتہائی درخشانی کے ساتھ چمکنے لگیں اور ان حکماء کی روحیں موجود ہوگئیں جن کا نام الیور لڈج نے اپنی تقریر میں لیا تھا، انھیں کے ساتھ ٹالسٹائی، اوکایاما، کوزین، ابن رشد، اکویناس، اموینوس صفاس، لنخنوس، ٹیولن نوابیلیبوس، اسکندر ہملٹن، کنٹ، دیدرو، گلیلو، سپنسر وغیرہ انکا حلقہ کئے ہوئے تھے، اس مجمع میں سے نہ کسی نے سلام کیا اور نہ کسی کو سلام کیا گیا بلکہ صرف تبادلۂ نظر سے کام لیا گیا، اس جماعت کا ترجمان، اولیور لڈج تھا، جس نے حسب ذیل تقریر کی:-

جملہ حکما اور متکلمین کا اتفاق ہے کہ تمام انسانی اعمال کا تعلق قطبین اور محور سے ہے، قطبین سے مراد عدالت و حکومت ہے، اور محور سے مذہب۔

پہلے قطب میں انسانیات کے تمام مسائل (مسئلہ ازدواج خاندان نسل، اور تربیت وغیرہ) داخل ہیں دوسرے قطب سے حکمراں طبقہ کا تعلق ہے، جس میں ہر قسم کی حکومتیں اور ہر نوع کا نظام حکومت شامل ہے دین یا مذہب ان دونوں کو آپس میں ملاتا ہے اور قدیم زمانہ سے ان دونوں کا فیصلہ ارباب مذہب ہی کے ہاتھ میں رہا ہے، خود بادشاہ مذہبی احکام کی رو سے متعین کیا جاتا تھا، مذہب ہی اسکو معزول کرتا تھا

دین ہی کے نام سے لڑائیاں ہوتی ہیں، اور دین ہی کے نام سے صلح کی جاتی ہے،
اسی طرح نکاح ہمیشہ سے ایک مذہبی چیز خیال کیا جاتا ہے اور مسائل نکاح، ولادت، میراث وغیرہ سب امور دینیہ میں داخل ہیں۔

لیکن اب اجتماع بشری دین سے آزاد ہوتا جاتا ہے پھر اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ دین سے اُسکو دشمنی ہے اور اُس کے احکام سے اُسکو نفرت ہے، بلکہ یہ نتیجہ ہے محض تقسیم عمل کا جو ارتقار اجتماعی سے پیدا ہوتا ہے اب تک دنیا کی بعض قومیں اجتماعیات میں خالص مذہب کی پابند ہیں لیکن عام طور پر اجتماعیات میں دینی مداخلت کم ہوتی جاتی ہے، اور اب سوادِ اعظم، دین اور اجتماعیات کو ایک دوسرے سے علیحدہ سمجھنے لگا ہے،

جو کچھ میں نے کہا ہے اس سے وہ تمام حکمار واقف ہیں جو اسوقت اجتماع انسانی کے عظیم الشان مسائل میں ہماری رہنمائی کرنے والے ہیں۔ اور سب سے پہلے ہم مشہور صینی فیلسوف کا خطبہ سنتے ہیں،

فیلسوف کنفسوشیوس | یہ باوقار فیلسوف نہایت متانت سے ایک پرسکون پہاڑ کی طرح کھڑا ہوا اُس کے چہرہ پر عظمت وجلال کے آثار نمایاں تھے، ذکاوت اور ذہانت کی شعاعیں اُسکی آنکھوں سے چمک رہی تھیں اُسکی پیشانی الماس کی تختی کی طرح درخشاں تھی، اور اُسکی زلفوں کے لمبے لمبے بال چمکتی ہوئی شعاعوں کی طرح نظر آتے تھے

ایک کہربائی بٹن دبایا گیا، سفید، زرد اور سبز روشنیاں آپس میں ملکر دیوار پر قوس و قزح کے سے دائرے بنانے لگیں، حاضرین اُن دوائر کی طرف نگاہ جمائے ہوئے تھے، کہ یکایک ان روشنیوں میں سے ایک محل نظر آیا جو تدریجاً بڑا ہوتا گیا، یہاں تک کہ وہ ایک وسیع دنیا بن گیا، اس محل میں اسقدر روشنی تھی کہ مہر نیمروز کی روشنی کو اس کے مقابلہ میں تارکی کہہ سکتے ہیں۔

اس وسیع منظر میں حاضرین کے سامنے سے پہاڑ، میدان، نشیب و فراز، دریا، درخت، اور پھول گذرتے جاتے تھے اور کنفوشیوس ایک بت کی طرح خاموش کھڑا تھا، اس حالت کو دیکھ کر حاضرین سمجھ گئے کہ کنفوشیوس ہمارے سامنے دنیا کا وہ نقشہ پیش کر رہا ہے جب کہ کرۂ زمین پر انسان کا وجود نہ تھا۔

اس کے بعد انسانوں کی کچھ جماعتیں نظر آئیں، جو وحشیانہ حالت میں تھے اور ننگے پھر رہے تھے، پھر مرد و عورت کے قریب گئے اور رفتہ رفتہ اُن میں الفت و محبت پیدا ہوئی، اور ایک نہایت سادہ صورت میں خاندان کا وجود۔ یہ وہ وقت تھا کہ مجمع بشری میں نہ کوئی کاہن تھا کہ ان کو دعائیں دیتا اور نہ کوئی حاکم تھا کہ اُن پر حکومت کرتا، صرف محبت اُن کا رابطہ تھی، اور تعاون ہی پر اُن کا اجتماعی وجود قائم تھا، زمین کے غاروں پہاڑوں کے سوراخوں

جھونپڑیوں میں اُن کی سکونت تھی، اور امن و سکون ہر طرف طاری تھا، اک زمانہ اسطرح گذر گیا حتیٰ کہ سب سے پہلے منازعت اور مخاصمت کی بنا عورت کی ذات سے قائم ہوئی، اس کمزور ہستی پر جب مرد ظلم کرتا تو وہ دوسرے مرد کے پاس پناہ گزین ہوتی تھی، جس کی بنا پر ظالم اور پناہ دینے والے کے درمیان دشمنی پیدا ہو جاتی تھی، اور آپس میں لڑائیاں ہونے لگتی تھیں، اس دور میں انسان لکڑی اور پتھر کے بعض سادے اور بھدے اوزار اور آلات بھی استعمال کرنے لگا تھا، یہی آلات و اسباب اُس کا مال و متاع تھا، اور عورت کی طرح یہ بھی منازعت کا ایک زبردست سبب تھا، قوی افراد ضعیف پر حملہ آور ہوکر اُس کا مال و متاع چھین لیتے تھے، ضعیف داد و فریاد کے لیے چیختا اور شور مچاتا تھا، اور اُس کی مدد کے لیے بعض دوسرے ہمدرد افراد اُٹھ کھڑے ہوتے تھے، یہیں سے تعاون اجتماعی کا آغاز ہوتا ہے جس کے بعد نہایت سادہ صورت میں حکومت کی بنا ہوئی۔

اس کے بعد افراد نے اُون، میووں، چمڑوں، غلاموں، اور دودھ وغیرہ کا تبادلہ شروع کیا، اور تجارت کی ابتدا ہوئی پھر حاضرین کو کاہن، اور ارباب سیاست نظر آئے جو افراد انسانی کی حیات اجتماعی میں انضباط پیدا کرتے تھے اور اجتماعیات کی تنظیم اور تدبیر اُن کے ہاتھ میں تھیں، یہیں سے تاریخی سلطنتوں کا آغاز ہوتا ہے۔

اس کے بعد حاضرین کے سامنے سے تاریخی سلطنتیں گذرنا شروع ہوئیں، چینی، مصری، کلدانی، بابلی، فارسی، یونانی، رومن، عربی، ترکی، یوروپین، امریکن، جاپانی، سلطنتیں اپنی اپنی ترتیب سے گذر گئیں۔

پھر اہل جلسہ نے عورت کی وہ تکلیفیں دیکھیں، جو ایام حمل، وقت ولادت، اور تربیت اولاد کے زمانہ میں اس نازک ہستی کو جھیلنا پڑتی ہیں، نیز یہ کہ ولادت کے وقت مرد کس طرح اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے، اور پھر بچہ کے پیدا ہونے پر خوش ہوکر کس طرح اُن کی راحت و آرام کی فکر کرتا ہے۔

اس کے بعد تقسیم اعمال کا منظر پیش ہوا، بعض لوگ مویشی پالنے لگے، بعض کاشتکاری میں مصروف ہوئے، بعض محاصل ارضی اور انسانی مصنوعات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے لگے،

جب بعض افراد کو مادی ترقی زیادہ حاصل ہوئی تو انہوں نے تنعم اور اسراف کی زندگی شروع کی، اور جو اس کے خلاف تھے اور جنہیں کچھ کھانے کو نہیں ملتا تھا، انہوں نے اپنی ضروریات پورا کرنے کے لیے جرائم شروع کیے اور لوگ ایسے افراد کو سزائیں دینے لگے، یہیں سے جرائم اور عقوبات کی تاریخ شروع ہوتی ہے، سزا دینا پہلے کاہنوں کے ذمہ تھا، پھر لوگ رفتہ رفتہ مذہبی سزاؤں سے آزاد ہوتے گئے، یہاں تک کہ قانون مدنیت اور مذہب کے درمیان پورا انفصال ہوگیا۔ اسی طرح حکومتوں کا بننا اور بگڑنا نظر آیا، علوم و فنون کی ترقی، مطابق ہونا، مواعظ

اور خطبے، مجالس اور اجتماعات وغیرہ کے مناظر دیکھنے میں آئے، رفتہ رفتہ ان تمام چیزوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی اور ان میں تنوع پیدا ہوتا جاتا تھا، ان مجامع میں بڑے بڑے قانون بنانے والے مشاہیر حمورابی سے لیکر باستقام تک نظر آئے اسی طرح جبارین حرب اور قائدین عساکر نمرود سے لیکر نپولین تک سامنے سے گذر گئے۔

معابد، محافل، اور امرا کے محلوں میں فنون جمیلہ کے مظاہر نظر آئے، صنعت وحرفت میں تنوع پیدا ہوا اور اعمال ومصالح میں کثرت، اختراعات جدیدہ کی ضرورتیں پیش آئیں، اور کثرت اختراعات کے ساتھ، دائرہ اعمال اور میدان صنعت بھی وسیع ہوتا چلا گیا، کثرتِ اشیا اور تنوع اعمال سے فسادات بھی زیادہ ہونے لگے، اس لیئے اس تنوع کے ساتھ حکومت اور مذہب کی طاقت بھی بڑھتی گئی تاکہ اجتماعی مصالح کا کامل انضباط ہو سکے۔

اس کے بعد تصاویر نے سرعت کے ساتھ حرکت شروع کی اور ایک عجیب ہنگامہ برپا ہوا، اور آپس میں لوگ اسکا سبب پوچھنے لگے، حاضرین کو مہلک امراض انسانی افراد میں پھیلتے ہوئے نظر آئے، اور لوگوں کو ان امراض کے اسباب معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئی، اور ان اسباب کے دریافت کرنے کی کوشش طب وجراحی کی ترقی یافتہ شکل میں نظر آئی، پھر اُن کے سامنے حروب قبائل، کے منظر پیش ہوئے اور تمام استعماری حملوں کی تصویر دکھائی گئی، اس کے بعد یوروپین تاریخ کا صفحہ سامنے آیا۔

سلطنت روما، فرانس، جرمنی، اسپین، انگلستان، روس، اور اٹلی کی سلطنتوں کا وجود فتح قسطنطنیہ کرومویل، پیٹر اعظم، اور نپولین کے کارنامے دکھائے گئے، پولینڈ کو آسٹریا، روس، اور پروشیا میں تقسیم ہوتے ہوئے دیکھا، اور کولمبس سا نشانہ بازیاب آبی جہاز پر بحر اٹلانٹک قطع کرتا ہوا نظر آیا، پھر یوحنا غوٹنبرگ کو دیکھا جو طباعت کا موجد ہے، پھر مطبوعات، اور اخبارات کی اشاعت نظر آئی، تمام اقسام کے آلہ ہائے بخاری کی کثرت صنعت وحرفت کی ترقی، اور اقتصادی کشمکش کا نقشہ کھینچا گیا، فقرا اور یتامیٰ ننگے اور بھوکے سڑکوں پر پھرتے ہوئے نظر آئے اور جب اُنھیں اپنی ضروریات پورا کرنے کے لیئے کچھ نہیں ملا تو انھوں نے چوری مکر اور فریب شروع کیا، اور جیلخانے اُن سے بھر گئے، اور بعض نے اپنا غم غلط کرنے کے لیئے مینوشی کی کثرت شروع کی، شراب اور مسکر مشروبات کی کثرت سے یورپ کا میدان جرائم ومعاصی کا جولانگاہ بن گیا۔

مصنوعات میں جب ضرورت سے زیادہ کثرت ہوئی تو تاجران کو باہر لیجانے پر مجبور ہوئے اور اسطرح تمام دنیا کے سمندروں میں تجارتی جہاز پھیل گئے، اور تجارت کی حفاظت قائم رکھنے کے لیئے جنگی بیڑے تیار کئے گئے، بظاہر تجارت لیکن بحقیقت میں ملک گیری کی غرض سے دور ودراز کی ضعیف اقوام کا حق آزادی چھین لیا گیا، اور

مسئلہ استعمار میں تصادم اغراض سے سخت خونریزیاں ہوئیں اور ارباب سیاست ان گتھیوں کے سلجھانے میں حیران رہ گئے۔

اس کے بعد کنفوشیوس نے اپنے آلہ کو دوبارہ گردش دی، اب صفحۂ تاریخی کے بجائے ایک صفحہ فلسفی نظر آیا جسمیں رموز اور اشارات کے ذریعہ سے حقائق اجتماعی سمجھانے کی کوشش کیگئی تھی، حاضرین نے ایک وسیع میدان دیکھا جسمیں بیشمار گاڑیاں، موٹریں، ریلوے ٹرین، گھوڑے گدھے، اور اونٹ جا رہے تھے، اور پیدل چلنے والے بھی شمار سے باہر تھے، لیکن ان سب کے خطوط رفتار باہم متقاطع تھے، جن سے معلوم ہوتا تھا کہ ان سب میں تصادم ہوا چاہتا ہے، یہ تمام سواریاں اور پیدل چلنے والے اسقدر سریع رفتار سے چل رہے تھے کہ دفعتہً اُن کا ٹھہرنا محال تھا، اور نہ وہ کسی طرح واپس ہو سکتے تھے، اُن کی رفتار ایک استمراری حرکت تھی، اور ہر پچھلا اپنے اگلے کو بغیر انتظار کئے ہوئے ڈھکیل دیتا تھا، حاضرین اس ہولناک منظر سے بہت خائف ہوئے اور انھیں یقین ہوگیا کہ عنقریب بشریت ایک عظیم ترین مصیبت میں مبتلا ہونے والی ہے، تھوڑے ہی عرصہ کے بعد تصادم شروع ہوگیا، آہ وزاری، چیخ پکار، داد وفریاد کے شور سے ساری کائنات گونج اٹھی، اور اس ہنگامہ سے جو غبار اٹھا وہ کالی گھٹاؤں کی طرح چھا گیا اور سارا منظر پوشیدہ ہوگیا۔

اس کے بعد دوسرا پردہ اٹھا اور اُس سے بھی زیادہ ہولناک منظر دکھائی دیا، وہ یہ تھا کہ متصادم قوتوں نے تصادم رفع کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے کامیاب ہونے کے لیے اور زیادہ طاقت سے کام لیا، سنہ ۱۹۱۴ء تک یہی حال رہا مجمع کو سخت انتظار تھا کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے وہ اسی انتظار میں تھے کہ یکایک ایک موٹر والا اپنا موٹر لیئے ہوئے آیا اس شخص کا نام ولیم ثانی تھا، اُس کے پیچھے اس کے متبعین کی ہزارہا آہن پوش موٹریں تھیں،، یہ سب ایک نہایت نازک موٹر چلانے والے کو کچلنا چاہتے تھے جس کا نام البرٹ بلجین تھا۔ البرٹ کی مدد کے لیئے پوانکارا اٹھا جو مشہور موٹر چلانے والا تھا اسی طرح سمندر پار سے ایک دوسرا شخص اُسکی مدد کےلیئے روانہ ہوا جس کا نام جارج سنودر تھا، یہ دونوں اپنی اپنی آہن پوش موٹریں لیئے ہوئے البرٹ کے پاس پہونچے، ولیم کے پہلو بہ پہلو ایک دوسرا موٹر والا تھا جس کا نام یوسف ہابسبرگ تھا، یہ نہایت بڑھا شخص تھا جس کے چہرہ پر نحوست کی جھریاں پڑی ہوئی تھیں

یہ بڑھا دانت پیستا ہوا نہایت سرعت سے موٹر چلا رہا تھا اور ایک شخص کو جس کا نام بطرس بتروفتش تھا کچل رہا تھا، اس شخص کی مدد کے لیئے ایک دوسرا موٹر والا آیا جس کا نام نیقولا رومانوف تھا اس کے پاس بہت سی

گاڑیاں تھیں مگر یہ اسنے طرز کی، یورپ، ایشیا، افریقہ، اور امریکہ اور آسٹریلیا کے بہت سے لوگ فریقین کی مدد کے لیئے شامل ہوگئے اور منظر نے نہایت ہولناک اور دہشت ناک صورت اختیار کی، ۹ کروڑ آدمی اس معرکہ میں شریک تھے، چیخ و پکار کی آواز سے فضائے کائنات گونج اٹھی اور سیاہ غبار کے بادل سارے آسمان پر چھاگئے، یورپ کا تاباں و درخشاں صفحہ جسپر صدیوں کے بعد یہ رونق آئی تھی بالکل سیاہ ہوگیا، ہزاروں حکماء، فلاسفہ، اور علماء ہلاک ہوگئے، اور دنیا کے لیئے یہ ایک ناقابل تلافی خسارہ تھا، اسی طرح کروڑوں آدمی عالم شباب میں موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ مگر کنفشیوس بالکل خاموش تھا اور اُس کی خاموشی بتا رہی تھی کہ مستقبل اس سے بھی زیادہ تاریک ہے۔

اس کے بعد اُنہیں لاکھوں یتیم بچے اور بیوہ عورتیں نظر آئیں جو سخت تاریکی میں ٹھوکریں کھاتی ہوئی جارہی تھیں پھر اُس تاریکی میں کچھ روشنی نظر آئی جو پہلے سرخ تھی، پھر زرد اور پھر سفید ہوگئی اور اُسمیں تقریباً تمام لوگ جل گئے یہ تھی یورپ کی مہذب دنیا جو اپنے کو تمدن و تہذیب کا مرکز سمجھتی تھی، تمام امیدیں خاک میں مل گئیں، اور روس کو اسقدر نقصان پہونچا کہ صدیوں تک اسکی تلافی نہیں ہوسکتی،

لیکن حاضرین سمجھ گئے کہ اسمیں ان لوگوں کا قصور بالکل نہیں، بلکہ اُس فاسد نظام اجتماعی کا قصور تھا جس کی بنیاد صحیح اصول پر نہیں تھی، اس نظام میں تصادم بالکل ناگزیر ہے۔

اب کنفیشوس نے اپنے آلہ کو ساکن کیا اور بھٹی ہوئی دیوار مل گئی اور اُسپر روشنی کے دوائر نمودار ہوئے جو سرعت سے حرکت کر رہے تھے، رفتہ رفتہ ان کی حرکت آہستہ ہوگئی، یہاں تک کہ سارا منظر نظروں سے غائب ہوگیا۔

اس کے بعد کنفشیوس نے مجمع سے خطاب کرکے کہا:-

برادران عزیز!

تم نے اجتماع بشری کے تمام مناظر ابتداسے لیکر اسوقت تک دیکھ لیئے، اور یہ بھی مشاہدہ کیا کہ اس نظام کی بدولت بشریت کو کیا کیا مصائب برداشت کرنا پڑے ہیں، اسکی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ صرف نظام فاسد پر یہ فاسد نظام وحشت و بربریت سے شروع ہوا ہے اور پھر وحشت اور بربریت پر ختم ہوگیا، اس فاسد نظام کی ہمارے آباد اجداد نے ناحق تقدیس کی تھی، اور ہم نے بھی بغیر تنقید کئے ہوئے اس نظام کو بطریق وراثت اپنے آباد اجداد سے حاصل کرلیا، اور اسکی نحوست سے ہم بھی بدبخت ہوگئے۔ کیونکہ یہ نظام، تعاون احیاء پر نہیں بلکہ تنازع لبقا پر مبنی ہے، پھر کوئی ہے جو خاندان بشریت کی مدد کرے، کون ہے جو امن و سکون قائم کرنے

بیڑہ اُٹھائیے، اے محترم حضرات، اگر تم اس فرض کو ادا نہ کروگے تو کون اسکے لیئے آمادہ ہوگا ؟

اسے بہادرانِ اقوام: اسے قائدینِ افکار دوشیزۂ بشریت تنور میں جل رہی ہے، وہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا پھیلا کر تم سے مدد چاہتی ہے، کیا تم اس نازنین کی مدد سے اعراض کروگے، اگر تم اسوقت اپنا فرض ادا نہ کروگے تو کوئی اس کی مدد نہ کریگا اور وہ اسی طرح آگ میں جلتی رہیگی اگر تم اٹھوگے تو دنیا تمھارے ساتھ اُٹھے گی، اور اگر تم بیٹھے رہوگے تو ساری دنیا بیٹھی رہے گی، دنیا اپنے مصائب برداشت کرتے کرتے تھک گئی ہے، اور جس چیز کو وہ کل مقدس سمجھتی تھی آج اُسی کا مذاق اُڑاتی ہے اُس کے تلخ تجربات نے اُس کے عقائد بدل دیئے ہیں، نظامِ اجتماعی میں جو قابل اصلاح چیزیں ہیں وہ اُس کی نظروں میں متعین ہو چکی ہیں، اب تم دنیا کو قدیم راستے پر نہ چلاؤ بلکہ بشریت کی سعادت اور عظمت کی بنیاد دوسرے اصول پر رکھو، قدیم تعلیمات اپنے زمانہ میں اچھی تھیں مگر اب اُن کی مضرت بالکل عیاں ہو چکی ہے۔

بشریت تم سے ایک عام اصلاح چاہتی ہے، تمام حکما، فلاسفہ، علما، اور ارباب سیاست کی توجہ صرف ایک نقطہ کی طرف ہونی چاہیئے، اور وہ "نجات بشریت" ہے۔

میرا خیال ہے کہ جو دہشت خیز اور الم انگیز مناظر تم نے رات کو دیکھے ہیں، تم اُنھیں عمر بھر نہیں بھول سکتے تمھارے بھائیوں بہنوں، بیواؤں، اور بچوں پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے، وہ ایسی نہیں ہے کہ تم اُسے ایک لمحہ کے لیئے بھی فراموش کرسکو، کنفیشیوسس نے یہ کہا اور زمین پر گر کر بیہوش ہوگیا۔

اڈیٹر

نگارستان

یعنے حضرت نیاز فتحپوری کے مخصوص ادبی رنگ کے مضامین کا مجموعہ زیر کتابت ہے انشاءاللہ جنوری میں شائع ہو جائیگا، قیمت کا اندازہ دو اور تین روپیہ کے درمیان کیا گیا ہے۔

فریبِ حسن

(بسلسلۂ گزشتہ)

(۵)

پھر بھی اس حالت میں صرف ایک خیال باقی ہے، انتقام، ان تمام صدمات کا انتقام جو مجھے ایک عورت کی ذات سے پہونچے، تمام نسوانی نسل سے انتقام، اسکی میں نے صرف ایک صورت سوچی ہے، کہ جہاں تک ہو، عورت کی نسبت تمام حالات، پوست کندہ زمانے کے آگے پیش کردوں، میری اپنی حیات معاشقہ سے، ان تمام باتوں کی ابتدا ہوگی، عورت، وہ کمزور اور ناتواں ہستی، جسے فطرت نے بدترین ہتھیار بخشے ہیں کہ وہ انہیں جسطرح چاہے اور جسپر چاہے، اپنی پوری قوت کے ساتھ استعمال کرے، ان کے مقابلے میں، مرد کی تمام مدافعانہ کوششیں بے سود ہیں، عورت کے جذبات کا سیلاب جب امنڈتا ہے، تو ہر ایک شے کو اپنے ساتھ بہالیجاتا ہے، اگر اس کی کارگزاریاں فطرت کے خوش نما چہرے کو مسخ نہ کرتی رہتیں، تو خدا جانے، اس عالم اسباب کو کسقدر ترقی ہوتی، شہد کیطرح شیریں اور حلاوت بخش، باتوں سے، مرد کو سہا لینے والی، اپنی آنکھوں کی پُر افسوں تبسم سازیوں سے، ہمارے کمزور دلوں پر بجلیاں گرانے والی، ہماری سرشت کو سمجھ کر اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتی ہے، دنیا میں جتنے ہنگامے ہوئے، انہیں کی ذات سے ہوئے اور ہیں ان باتوں سے کچھ شکایت بھی نہیں، کہ ان کے حسن کے لیے کھلم کھلا جنگ باعث ہیں، غضب تو یہ ہے کہ ہر ایک جگہ یہ اپنی وجہ سے ایسی آگ سلگاتی رہتی ہے کہ بیچارہ مرد، پوشیدہ جلتا رہتا ہے اور آخر کار اسطرح راکھ ہوجاتا ہے کہ اس ذراسی ٹریجڈی کی دنیا کو خبر بھی نہیں ہوتی، وہ سمجھتا ہے کہ اب میں دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا، اسی لیئے وہ اندر ہی اندر، بھنتا رہتا ہے، یہ اسکی فاش غلطی ہے، اگر وہ ایسے واقعہ کے بعد، دنیا کو بیانگ دہل اپنے تجربے سے مستفید کردیا کرے تو عبرت آموزی کے ساتھ ہی وہ ایک ناگزیر فرض کو بھی ادا کریگا۔ یہی میرا ارادہ ہے۔

ٹھہرو! مجھے اپنے حواس درست کرنے دو، دماغ پر ایک مستی کی کیفیت طاری ہے، تمام دنیا گھومتی دکھائی دے رہی ہے، ہر طرف سبزہ اگا ہوا ہے، طراوت ہے، رونق ہے، اور میں ہوں، درخت جھوم رہے ہیں، رنگارنگ کے پھول اُگے ہوئے ہیں، باد صبا ہر طرف اٹھکھیلیاں کرتی پھرتی ہے، یکایک بادِ سموم چلتی ہے، شگوفے مرجھاجاتے

ہیں۔ ٹہنیاں سوکھ جاتی ہیں، درخت خشک ہو کر لنڈ منڈ رہ جاتے ہیں، کالی کالی آندھیاں، اپنا زور و شور دکھاتی ہیں ہر جانب ہوا کا جھکڑ بڑی تندی اور تیزی سے طوفان برپا کرتا ہے، گویا خزاں آگئی،

اب ہر شے ایک رقص میں مصروف ہیں۔ میرا دماغ بھی چکر پر چکر کھا رہا ہے، بہت تیزی سے، بہت خاموشی سے، اب ذرا سکون نصیب ہوا۔ تمام مختلف اشکال غائب ہونا شروع ہوئیں۔ صرف ایک درماندگی اور کسل سی باقی رہ گئی۔

(۶)

ہاں! یاد آیا، مجھے اپنے شباب کا زمانہ یاد آیا، وہ سرمستی اور خوشی کا زمانہ، وہ طرب و نشاط کا عالم، وہ رندانہ ہوس پرستیاں وہ بانکپن کا انداز، جب زندگی میں کوئی خدشہ یا دغدغہ نہ تھا، جب روز و شب کے حوادث، سعی عیش کی ایک ناکام فہرست قرار دیئے جاتے تھے، جسمیں وہ تمام کارہائے نمایاں مندرج تھے، جو اس دور کا طرۂ امتیاز ہیں، حصول مقصد کی پیہم کوشش میں وہ لذت نصیب ہوتی تھی، جس کا اب سان و گمان بھی نہیں، بےفکری اور فارغ البالی میں ایک خلش کی آمیزش تھی، جو بعض دفعہ باعث کرب ہو کر، اضطراب میں تبدیل ہو جاتی تھی، جو کبھی ناکامی کا لقب پاتی تھی، کبھی قسمت سے خطاب کی جاتی تھی، مگر حسن کا پوشیدہ ہاتھ، ہر ایک شے کی تہ میں کام ضرور کر رہا تھا، وہ کامیابیاں اور کامرانیاں، جو اب حماقت آمیز، ہوس پرستی معلوم ہوتی ہیں، کتنی پرلطف تھیں، وہ تمناؤں اور آرزوں کا جمگھٹ جن کا غلبہ اور ہجوم، چین سے بیٹھنے نہ دیتا تھا، جب زمانہ یاد آتا ہے، تو دل پر گویا نشتر کے چرکے لگتے ہیں، اس ادعائے اتقا کے باوجود، وہ راہ و رسم آشنائی، کی یاد بہت بیکل کرنے والی ہے، جب صرف ایک ہستی کا وابستہ دامن ہو جانا امین زندگی تھا، اب تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے، کہ اس زمانے میں ہم عشق کی حقیقت سے ناواقف تھے، کسی ایک کو اپنے لیئے مخصوص کر لینا، اور تمام عمر، اپنی زندگی کو خوئے وخاص صرف کرنا، نہ صرف ابتذال کا مترادف ہے، بلکہ اپنے مذاقِ سلیم کا بھی خون کرنا ہے، سطحی محبت، تمام عمر باقی رہتی ہے، مگر حقیقی عشق، خود اپنی قوت میں، یا تو، عشق کرنے والے کو فنا کر دیتا ہے، یا خود فنا ہو جاتا ہے، اگر محبت میں یہ بات نہیں تو دراصل وہ محبت نہیں، اسوقت یہ بھی کتنا لایعنی خیال تھا کہ محبت صرف ایک ہستی سے کی جا سکتی ہے، یہ درست ہے کہ محبت انسان کو ایک دفعہ ہوتی ہے، مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ صرف ایک ہی وجود سے بھی ہو۔ خیالات کے اظہار کے گوناگوں طریقے ہیں، مگر ان سے جذبے کی انفرادی حیثیت پر کوئی اثر مترتب نہیں ہو سکتا۔ جذبہ، ایک ہی رہتا ہے، اس کے لوازمات کی نوعیت تبدیل ہوتی رہتی ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو زندگی وبال جان ہو جائے، روش کا یکساں ہونا، عمر کی تمام خوبیوں کو ضائع کر دیتا ہے، مذاق کا نہ بدلنا، مذاق کی صلاحیت کے فنا ہو جانے کی دلیل ہے

جو یہ سمجھتے ہیں کہ اتصال و قرب، محبوب پر متصرف ہونے کے بہترین وسائل ہیں، انھوں نے شاید غور نہیں کیا، کہ تمام خواہشات کی تکمیل کے بعد افسردگی لازمی ہے، حصولِ مقصد کی کوشش میں جو کچھ خاص لطف ہے، وہ حصولِ مقصد میں نہیں۔

آہ! سادگی اور ناواقفیت، اس جہان کے بہترین تحائف میں سے ہیں۔ اسوقت، عین جوانی کے آغاز میں، انسان، ان دونوں خصوصیات سے متصف ہوتا ہے، وہ ایام جب حسن و عشق کی پاکیزانہ لگاوٹوں پر یقین ہوتا ہے جب ہر ٹیس میں، ایک پر درد لذت ہوتی ہے، رنگارنگ کی بوقلموں امیدیں، اپنے متلون جلووں سے، گلستانِ خیال کی آبیاری کیا کرتی ہیں۔ یہاں عمر کی پرورش رحیقِ عشق سے کی جاتی ہے، گلبنِ امید کا ہر ایک بوٹا، خونِ دل سے سینچا جاتا ہے، تانک جھانک کے لیئے آنکھیں ہر وقت تیار رہتی ہیں "دیر و حرم" سے کچھ مدعا ہی نہیں ہوتا، اور اگر ہوتا بھی ہے، تو وہی "جز حبیب نیست" مجھے یاد ہے کہ انھیں ایام میں، ایک دفعہ جب میں حد سے گذر گیا تھا، تو ایک ناصحِ مشفق نے، اپنی تمام تمکنت و غرور کے ساتھ، کچھ ایسے مرعوب کن، الفاظ میں، کفر، الحاد دوزخ، جنت، اور ان کے تعلقات ما بین، کی نسبت تقریر کی تھی، کہ باوجود، ان کی سحر انگیز ہیئت کذائی کے، میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا، اس کے بعد میں نے ہر ممکن صورت میں نیک رہنے کا ارادہ کر لیا تھا، اور خدا جانے میری یہ حالت کب تک قائم رہتی، اگر میں اس کے دوسرے دن ہی اتفاقاً کسی کتاب میں یہ شعر نہ پڑھ لیتا۔

فرصت از کف مدہ و وقت غنیمت پندار نیست گر صبحِ بہاری، شب ماہے دریاب

اس شعر کو پڑھتے ہی خیالات کا سلسلہ شروع ہو گیا، زندگی میں، وہ تمام اشخاص جو ایک مشین کی طرح اضطراری حرکات کر رہے ہیں اور جن کے لیئے اب مسرت، کا انعکاسی پرتو تک باقی نہیں رہا، ذرا ان سے پوچھا تو جائے کہ اے نامرادو، جب تم نے ہوش سنبھالا تھا، تو امیدیں کس طرح زرق برق لباس میں، مختلف زیوروں سے آراستہ" پرے باندھ کر تمھارے سامنے ہاتھ جوڑے حاضر ہوئی تھیں، ہاں! اس کے بعد جب واقعات کی ترشی اور کسیلے پن نے وہ تمام نشہ دور کر دیا، تو اپیر، گویا ایک انحطاط آفریں، برودت سی چھا گئی، وہ دنیا سے بے نیاز ہو گئے، کتنا بھونڈا طرزِ عمل ہے، اسی کو جہنم کا ساتواں طبقہ کہتے ہیں کہ خواہ مخواہ اپنے آپ پر، حسرت، ناامیدی، حرماں، کی تمام کیفیات مجتمع طور پر طاری کر لی جائیں، اس بات کو نہ سمجھا جائے کہ یہ فطرت کی طرف سے ایک ہلکی سی سرزنش ہے کہ تمام مواقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے، ہر ممکن الحصول مسرت کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑ جانا چاہیئے، یہی وہ فلسفہ ہے، جسے شاعر نے صرف دو مصرعوں میں ادا کر دیا ہے۔

(۷)

اس زمانے میں، مجھے اچھی خاصی قبول صورتی نصیب ہوئی تھی، جوانی، دیوانی سے متاثر، متناسب الاعضا، گدرایا ہوا بدن، کشیدہ قامتی میں انگشت نما، چہرے پر تازگی اور شگفتگی، ہنس مکھ، آنکھ کی پتلی سیاہ، کالی گھنی بھویں، فراست اور ذہانت بشرے سے ٹپکتی تھی، بھورے رنگ کے سنہری مائل بال، ہمیشہ زرق برق کپڑوں میں ملبوس، دولت کی طرف سے اطمینان تھا، روپیہ بہت فراوانی میں نصیب تھا، سوائے کھانے اور پہننے کے اور کچھ کام ہی نہ تھا، طرح طرح کے نوایجاد، ملبوس تیار کرواتا، اور بہت ٹھاٹھ سے نکلا کرتا تھا، ترچھی ٹوپی رکھی ہوئی، پھندنے دار، علیگڈھ کی سلوار، سیاہ فران کوٹ مجھے بہت پھبتا تھا، بالاخانوں میں سے عورتیں مجھے جھک جھک کے دیکھا کرتیں، مگر مجھے اس قسم کے حسن سے نفرت تھی،

ان دنوں میں شاعر تھا، مناظر قدرت کا پرستار، غیر متمدن حسن کا دلدادہ، ہر خوبصورت، وحشی، شے کو بہ نظر پسندیدگی دیکھنے والا، میرا کلام ایک عجیب سوز و گداز سے معمور ہوتا تھا، ترکیبوں کی چستی، بندش کی نفاست، تخیل کی بلندی، الفاظ کا در و بست، اور سونے پر سہاگہ تھا، میرے شعروں میں ایک خصوصیت بھی تھی، ان میں ایک تجسس، ایک تلاش، ایک سعی ناکام کی روح سرایت کئے ہوئے تھی، یوں معلوم ہوتا تھا گویا کوئی بہت ہی حساس ہستی، کسی خاص شے کی تلاش میں نکلتی ہے، ہر طرح کی تکالیف جھیل کر، ہر طرح کے صدمات اٹھاکر، منزل مقصود کا نشان پالیتی ہے، مگر راستے کی درازی اور پائے شکستہ کی تھکن کی وجہ سے مجبور ہوکر بیٹھ جاتی ہے اور بے اختیار اپنے تمام حسیات کو ایک دلدوز اضطراری چیخ کی صورت میں تبدیل کر دیتی ہے۔

ان میں ایک درد تھا، ایک ٹیس تھی، جو ہر سننے والے کو بیچین کر دیتی تھی، در اصل وہ شعر میرے اپنے جذبات کی تصویر تھے، میرے دل و دماغ اسوقت، ایسے ہی خیالات کی آماجگاہ بنے رہتے تھے، میرے شعروں کا واحد حسن ان کی واقعیت تھی،

مجھے ایک مبہم سی جستجو دیوانہ رکھتی تھی، شہری زندگی مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتی پھرتی تھی، مگر ان تمام قیود کی وجہ سے لاچار ہوکر جو ہماری خلاف فطرت معاشرت، نے ہر خاندانی امیرزادے کے لئے تراش کر رکھی ہیں، مجھے علم و فضل کی طرف متوجہ ہونا پڑا اتفاق، یا خوش قسمتی، کہئے کہ مجھے ایک خلاف معمول قابل اتالیق میسر ہوگیا جس نے نہایت غور و پرداخت سے میری ذہنی اور جسمانی قوتوں کی نشو و نما کی، اور میں نہایت ہی جلدی فارغ التحصیل ہوگیا۔ علوم متداولہ کی نسبت کافی مہارت پیدا ہوگئی، اگرچہ اس زمانہ میں وہی شخص صاحب علم خیال کیاجاتا تھا

جو تمام ضروری اور غیر ضروری اشیاء کی نسبت یہ علم رکھے، کہ وہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ میں مندرج ہیں، کہ زمانے بھر کے علوم حیطۂ تحریر میں آچکے ہیں، لیکن جب میرا عہد شباب تھا، تو معیار علم اس سے کہیں بلند تھا، ایک عالم کے لیئے ضروری تھا کہ وہ ایک خاص فن میں غیر معمولی تحقیق کے ساتھ، اپنے خیالات کا اظہار کر سکے۔ یہی نہیں، یہ بات بھی لازمی تھی کہ اسے ایک نہ ایک ہنر میں بھی پورا پورا ملکہ حاصل ہو، علوم میں سے فلسفہ کی طرف میرا میلان طبیعت جنون کی حد تک پہونچا ہوا تھا، اور میں نے قدیم و جدید فلسفی کی تمام تصنیف کا اس وقت نظر سے مطالعہ کیا تھا، کہ بلا غور و فکر ان کی تمام غلطیوں پر گرفت کر سکتا تھا، ہنروں میں سے، مشہور جرمن فلسفی کی طرح موسیقی سے نہایت الفت تھی، میں کائنات کی بہترین تخلیق، اسی کو تصور کرتا تھا، ہر وقت فرصت میں، رباب بجانا، میرا مرغوب ترین شغلہ تھا، تھوڑے ہی عرصہ میں، ہر طرح کی تال اور سر پر مجھے قدرت حاصل ہوگئی۔ میرا گانا اور بجانا، مست کن تھا، ایک تو سوز آشنا دل، دوسرے، جوانی کی مدھ بھری، مصفا، آواز گویا سونے پر سہاگہ تھی، بعض دفعہ رباب بجاتے وقت مجھ پر ایک وحشت سوار ہو جاتی، میں شہری زندگی کے تکلف اور تصنع سے گھبرا جاتا، ان کا ملمع آمیز بناؤ، ان کا سجا سجایا حسن، جس کے نیچے بدکاری موجیں مار رہی تھی، ان کی وہ ادائیں جنکو عمداً دلربا، و دلفریب بنایا جاتا تھا، تمام مجھے ایک نفرت انگیز کراہت سے لبریز نظر آتی تھیں، ایسے اوقات میں، میرا قاعدہ تھا کہ کسی سنسان اور غیر آباد جنگل میں نکل جاتا، جسے بنی نوع انسان کے ناپاک قدموں نے آلودہ نہ کیا ہو، اور رباب بجا کے اپنا غم غلط کرتا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں ایک خاموش اور تاریک وادی میں جا پہونچا، دریا، ایک عجیب رواں ترنم سے بہہ رہا تھا، کنارے پر سرو قد، بلند درختوں کی قطار کی قطار، پرا باندھے کھڑی تھی، ہزاروں خوشرنگ پھول، ہزاروں خودرو نونہال گنجان ایک دوسرے کے ساتھ کھچڑی شاخیں، زمردیں دامن کوہ، اور زمردیں ٹیلوں پر، میلوں تک گویا جنت کے دروازے کھلے ہوئے تھے، بادل، افق کے قریب، ایک بھیانک تاریکی میں مبدل ہو رہے تھے، مگر عین وسط آسمان میں، سرخ قرمزی شعاعیں، ابر کے باریک، شفاف، جالیدار، لباس میں سے چھن چھن کر پڑ رہی تھیں ہوا میں ایک گرانی اور بوجھ سا پایا جاتا تھا، گویا مینہ برسنے والا ہے، زمین، بارش کی تند اور تیز بوچھاڑ کا انتظار کر رہی تھی، دور، دریا کے افق کے قریب، ایک گم کردہ کشتی کے، مستول، اونچے بلند مستول نظر آرہے تھے، لہروں میں تموج اور حرکت پیدا ہوگئی تھی، گویا ایک دوسرے کو آغوش میں لینے کے لیئے بیقرار تھیں، بلند بالا سرو کے درختوں کا سایہ، پانی کے ارتعاش کے ساتھ متہیج ہوتا تھا، گویا دیو قامت انسان تھے، جو پانی کی سطح پر کھیل رہے تھے، میرا دل اسوقت غمگین تھا، سینے میں کوئی جگہ خالی سی محسوس ہوتی تھی۔ میں خاموش کنارے پر بیٹھا گھاس

کی پتیوں کو مسل مسل کر ان سے کھیل رہا تھا، میرے دل کے عمیق ترین گوشے میں سے گویا افسردگی کی رو پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھی، یکایک تمام سطح دریا پر اندھیرا چھا گیا، ان علاقوں میں شام بہت تیزی سے ہوتی ہے، دور، مشرق کی طرف سے ایک ننھا سا، سرخ ستارہ طلوع ہوا، اور ساتھ ہی اصلیت اور واقعیت کا، آفتاب اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ میرے دل میں روشن ہو گیا

مجھے محسوس ہوا کہ میرے دل کو ایک ایسی ہستی کی تلاش اور ضرورت ہے جو روز ابر و شب ماہ کو زینت بخش سکے جو میرے اضطراب آمیز لمحات کو سکون میں تبدیل کیا کرے، جس سے میں صرف محبت ہی نہ کروں، بلکہ اس کی پرستش بھی کروں، وہ دیوی ہو، وہ نازک ہو، وہ حسین ہو، وہ مترنم ہو، وہ موسیقی نواز ہو، اور یہ کہ ایک الفت کرنے والی عورت ہو!!

اس کے بعد میرا شہر میں رہنا نا ممکن تھا، کچھ تو آگے ہی طبیعت بھری ہوئی تھی دوسرے اسطرح کا واقعہ پیش آیا، اونگھتے کو ٹھیلے کا بہانہ ہوا، میں نے فوراً اپنے وطن کو چھوڑا، اور ملک بہ ملک پھرنا شروع کیا، سیاحت بذات خود ایک دلچسپ و دلفریب مشغلہ ہے، مگر جب اسمیں، جستجو کا عنصر شامل ہو جائے، تو باعث کرب و اذیت بھی ہے، شہری زندگی کا میں شائق ہی نہ تھا، اسلیئے زیادہ تر افغانستان کے گاؤں میری وارفتگی کے جولانگاہ بنے رہے، مگر کبھی اس معصوم، غیر متمدن حسن سے سامنا نہ ہوا، جو ہمیشہ سے مطمح نظر تھا۔

ایک دن شام کا وقت تھا، میں ــــــ کی معتدل آب و ہوا، فطرت پرور مناظر، اور دیہاتی زندگی کے مطالعہ میں اسقدر منہمک ہوا تھا کہ پاؤں کا چکر جا آ رہا تھا، گاؤں سے باہر نکل کر، میں نے ٹہلنا شروع کیا، مشرق کی طرف سرخ، ہیبتناک، بلند، پہاڑ دور تک پھیلے ہوئے تھے، جنیرہ ہری مخمل کا فرش، نظر کو طراوت پہونچا رہا تھا، شمال و مغرب کی طرف، گھنا، گنجان جنگل تھا، جہاں تاریکی، مہیب تاریکی، پوری طرح مسلط تھی، ڈوبتے ہوئے سورج کی ہلکی سے ہلکی کرن بھی شاخوں میں سے گذر نہ سکتی تھی، ہوا سائیں، سائیں، کرتی چل رہی تھی میں اس نظارے کی آرام پروری سے متاثر ہو کر ایک رواں چشمے کے قریب بیٹھ گیا، جس کی سیال موسیقی اپنا زیر و بم، ہزاروں وحشی طیور کی آواز کے ساتھ ملا رہی تھی،

بیٹھتے ہی مجھ پر کچھ غنودگی سی طاری ہو چلی تھی، کہ پاؤں کی آہٹ نے مجھے چونکا دیا، میں نے آہستہ سے مڑ کر دیکھا ایک کمسن، دہقانی دوشیزہ اپنے کولے پر گھڑا رکھے آ رہی تھی، جس کا میدے اور شہاب سے گوندھا ہوا بدن، اسکے، کرخت اور خشن لباس میں سے بھی ضو دے رہا تھا، وہ مجھے غیر متوقع طور پر پہلے تو دیکھ کر جھجکی،

چہرے پر گلابی رنگ اور بھی گہرا ہو گیا تھا، پھر نسوانی وقار، نے اُسے سنبھالا، اُس نے میری طرف سے نگاہیں موڑ لیں اور میرے قریب ہی بیٹھ کر چشمے سے پانی بھرنے لگی۔

وہ پانی بھر رہی تھی، مگر میری مشتاق نگاہیں، اس کے برتن سے زیادہ سیراب ہو رہی تھیں، اس کے انداز کی ایک با حجاب عریانی، اس کی آنکھوں کی ایک بیباک معصومیت، اور اس کے اندازِ نشست کی ایک فطرتی آزادی، ایسی اشیا تھیں، جنکی، مستی، جدت، اور خوشگواری سے، اس کا ناآشنائے حسن، دل، بالکل بے خبر تھا، اسنے پانی بھرتے بھرتے، میری طرف ایک دزدیدہ نگاہ کی، گویا، اس بات پر تعجب کر رہی تھی کہ میں وہاں کیسے پہونچ گیا، آخر، جب بھر چکی تو، گھڑے کو سنبھالا، اور اُٹھ کر چلدی۔

میرے سامنے سے گذری تو مجھ سے نہ رہا گیا، میں پوچھ ہی بیٹھا "تمھارا نام کیا ہے"

اُس نے مجھے سر سے لیکر پاؤں تک دیکھا، پھر آہستہ سے کہا "سیدہ"

"سیدہ" میں نے یہ نام دل میں کئی دفعہ دُہرایا، کتنا پیارا، اور اچھا نام تھا، جس سے، معصومیت گویا ٹپک رہی تھی، میں نے پھر جرأت کی، وہ ابھی کھڑی، اپنے، ننگے، گورے پاؤں کے انگوٹھے کو دیکھ رہی تھی۔

(باقی)

سید عابد علی عابدؔ بی اے

غزل

شورشِ خاموش ہی عشرت نوازِ زندگی
اک سکوتِ شوق میں مضمر ہے رازِ زندگی

اس سے آتی ہے شکستِ شیشۂ دل کی صدا
نغمۂ اندوہ زا ہے میرا سازِ زندگی

سعیِ لاحاصل ہے میرے واسطے وجہِ نشاط
دل کی بیتابی ہے یعنی اہتزازِ زندگی

التفاتِ یار کا مجھ کو سکون آیا نہ راس
یعنی دل تھا آشنائے اہتزازِ زندگی

میری ناکامی میں بھی پنہاں ہے سامانِ نشاط
تشنۂ مضرابِ غم ہے میرا سازِ زندگی

اضطرابِ درد ہے ذوقیؔ کو پیغامِ حیات
بیخودیِ درد ہے مہماں نوازِ زندگی

مسعود علی (ذوقی) علیگ

شاہان مغلیہ کے باغات

(۴)

دہلی کے باغات

دنیا کا کوئی دار السلطنت دہلی سے زیادہ قدیم ہونے کا مدعی نہیں ہو سکتا، مہا بھارت کے وقت سے اب تک یہ شہر آباد ہے اور کہا جاتا ہے کہ "پانڈو" اور "کورو" کی لڑائی اسی کے قریب پانی پت میں ہوئی تھی؛

مقبرۂ ہمایوں

اس مقبرہ کے باغ کا رقبہ ۱۳ ایکڑ زمین بتایا جاتا ہے اور عہد مغلیہ کے اُن باغوں میں اس کا شمار ہے جس کے اصلی ڈھانچے اپنی اصلی حالت پر قائم ہیں، حکومت برطانیہ نے یہاں کی نہروں اور فواروں کو تو درست کرا دیا ہے مگر درخت نہ ہونے سے یہ باغ بالکل ویران معلوم ہوتا ہے اس باغ میں جابجا نہریں بکثرت بنوائی گئی تھیں اور ہر چوراہے پر چھوٹے حوض بنوائے گئے تھے، ہندوستان میں بمقابلہ ایران وترکستان کے نہروں کی ضرورت بہت کم ہے، دریا اور کنوئیں سے آب پاشی کا کام لیا جاتا ہے۔ مگر مغلیہ باغات کی نہروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ جب اول اول یہاں آئے تو ہندوستان کی شادابی سے واقف نہ تھے، اسی لیئے ایرانی باغات کی تقلید میں چھوٹی چھوٹی نہریں آبپاشی کے لیئے اپنے باغات میں تیار کرائیں،

جب مغل بادشاہوں نے دہلی کو اپنا مستقل پایۂ تخت بنایا تو یہاں کے موسم گرما سے بچنے کے لیئے باغات کی نہروں کو زیادہ چوڑا کر دیا اور حوض بھی بڑے بڑے بنوائے۔ اور ہندوستان کی آب وہوا کے مطابق مکانات بنوانے پڑے، اگر آپ کسی پُرانے مغلیہ باغ کی سیر کو تشریف لیجائیں تو اُسمیں آپ چھوٹی چھوٹی نہریں پائیے گا، گویا نہر کی تنگی باغ کی قدامت کا ثبوت ہے، اگر باغ بہت پرانا ہے (یعنے بابر اور ہمایوں کے زمانہ کا) تو نہریں چھوٹی اور تنگ ہوں گی، اگر باغ جہانگیر کے زمانہ کا بنا ہوا ہے مثلاً شالامار باغ تو یہ مصنوعی نہریں بہت چوڑی ہوں گی، اور نہروں میں فوارے بھی ہوں گے۔

باغ نواب صفدر جنگ

دہلی میں صفدر جنگ وزیر اودھ کا مقبرہ بھی باغ کے اندر واقع ہے، دو بڑی نہریں آڑی ترچھی بنی ہوئی ہیں اور ان کے کنارے چار مکان ہیں۔ جنمیں

ایک پھاٹک کا کام دیتا ہے، باقی تین بارہ دریاں ہیں۔ کسی زمانہ میں اس باغ میں پھل کے درخت بہت تھے زمانہ کے انقلاب نے اس باغ کی اصلی صورت کو تبدیل کر دیا ہے، تاہم اب بھی سیر کے قابل ہے، یہ بھی ایک قابل غور بات ہے کہ وہ باغ جنمیں کسی شاہزادہ یا امیر کا مقبرہ پایا جاتا ہے انقلاب زمانہ سے کم متاثر ہوئے ہیں، پرانے سیاحوں میں سے اکثر نے دہلی کے ایک اور شاہی باغ کا تذکرہ کیا ہے اور یہ وہ باغ ہے جس کو شاہجہاں کی بیگم اعزالنسا اکبر آبادی نے تیار کرایا تھا، شاہجہاں نامہ میں محمد صالح مورخ نے لکھا ہے :-

"یہ باغ تین سو گز مربع زمین پر بنایا گیا تھا، اور اس باغ کے دو حصہ کئے گئے تھے، اوپر کا حصہ نیچے کے حصہ سے نو فٹ کی بلندی پر تھا، اور دونوں حصوں پر ایک مصنوعی نہر ۲۰ فٹ چوڑی بنوائی گئی تھی اور اس سے چھوٹی چھوٹی نہریں ساڑھے پانچ فٹ چوڑی مکان کے اردگرد نکالی گئی تھیں اور ان چھوٹی نہروں کا پانی بڑے بڑے حوضوں میں چادر کی طرح گرایا تھا، بڑے حوضوں میں متعدد گہر بار فوارے جاری تھے، باغ کے او نیچے حصہ پر ایک حوض ۲۰ گز لانبا، اٹھارہ گز چوڑا تیار کرایا گیا تھا اور اس کے چاروں طرف نہایت خوبصورت بارہ دریاں قائم کی گئی تھیں۔ اسی باغ میں ایک اور ہشت پہل حوض تھا جسمیں اکیس فوارے جاری تھے، اس حوض کا پانی باغ کے باہر ایک بڑے تالاب میں جاکر گرتا تھا، یہ تالاب دو سو چالیس گز لانبا اور ایک سو سات گز چوڑا تھا، اس باغ کی تعمیر میں چار سال لگے تھے، اور اس زمانہ کے حساب سے دو لاکھ روپیہ صرف ہوئے تھے، مچھی بھون کا باغ جسکی تقلید میں یہ باغ دہلی میں بنایا گیا تھا، کشمیر میں واقع ہے اور وہ خود آگرہ کے ایک باغ کی نقل میں طیار کرایا گیا تھا

دہلی کا شالامار باغ

دہلی کا شالامار باغ شہر سے ۶ میل جانب شمال واقع تھا، برنیر سیاح ۱۶۶۴ء میں اورنگ زیب کے ہمراہ کشمیر گیا تھا، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ پہلا پڑاؤ بادشاہ کا اسی باغ میں ہوا تھا، ۱۷۹۳ء میں شاہ عالم بادشاہ کے زمانہ میں ایک انگریزی سیاح لفٹنٹ فرانکلن نے اس باغ کا حال لکھا ہے کہ "اسکی عمارت میں جو قیمتی پتھر لگے ہوئے تھے انہیں لوگ لے گئے، مگر حرم سرا کی دیواروں پر جو نقاشی کی گئی تھی وہ اپنے حال پر قائم ہے کیونکہ اس کا پلاستر سنگ مرمر کے چونے کا نہایت مضبوط تھا، ۱۸۰۳ء میں یہ باغ انگریزی رزیڈنٹ کے رہنے کے لئے دیا گیا تھا مگر اس کے بعد سے اس باغ کی حالت خراب ہوتی گئی حتیٰ کہ ۱۸۲۵ء میں یہ باغ بالکل ہی بگڑ گیا اور ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد یہ باغ ضبط ہوکر فروخت کر ڈالا گیا، موجودہ حالت اس باغ کی یہ ہے کہ آدھا حصہ کچھ باغ سا معلوم ہوتا ہے اور نصف حصہ میں کھیتی ہوتی ہے،

سنہ ۱۹۰۴ء میں آثار قدیمہ کا ایک افسر اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ سو پچاس برس میں اس باغ کا نشان تک مٹ جائیگا۔

مبارک باغ شاہی زمانہ کا ایک اور باغ مبارک باغ تھا، اس باغ کو کسی مغل بادشاہ نے اودھ کے کسی نواب کو اس شرط پر عطا فرمایا تھا کہ اس باغ سے روزانہ پھل پھول اور سبزی کی ڈالیاں محلات میں بھیجی جایا کریں، یہ باغ ابھی تک [illegible] ی خاندان میں چلا آتا ہے، لیکن اب نئی دہلی کے باغات کے لیئے اس کو وقف کردیا گیا ہے

باغ روشن آرا بیگم شہر سے قریب سبزی منڈی کے مغرب میں روشن آرا بیگم کا باغ ہے۔ روشن آرا بیگم نے اورنگ زیب کے زمانہ میں بڑا عروج حاصل کیا تھا، روشن آرا بیگم کا مقبرہ بہت بڑی سنگ مرمر کی بارہ دری میں اسی باغ کے اندر پایا جاتا ہے اس بارہ دری سے باغ کے پھاٹک تک بہت بڑی نہر بنائی گئی ہے، جس کے ہر دو جانب پھولوں کے تختے لگائے گئے ہیں اور جسمیں بے شمار فوارے جاری ہوتے ہیں، اس نہر کا پانی اب تک جاری ہے، باغ کے دونوں جانب کی دیواریں گر گئی ہیں اور بڑے تالاب کے کنارے کی تین بارہ دریاں مسمار ہوگئی ہیں اور ہر چہار جانب گاڑیوں کے لیئے سڑک نکالنے سے یہ باغ اور بھی بدنما ہوگیا ہے۔

باغ تال کٹورہ یہ باغ بھی دہلی میں جانب جنوب واقع ہے، اس باغ کی دیوار قائم ہے اور وسط دیوار کا پھاٹک اور کناروں کے ہشت پہلو مینار بھی موجود ہیں، مگر اندر سے اسکی حالت بہت خراب ہوگئی ہے، اور وسط کی بارہ دری بالکل ٹوٹ گئی ہے، یہی حالت اس باغ کے حماموں کی ہے اب بھی کچھ نشانات اس باغ کی اصلی حالت کے موجود ہیں۔ اس باغ کو دو قطعوں پر تقسیم کیا ہے، اوپر کا حصہ حصہ زیریں سے ۲۰ فٹ اونچا ہے اور اس اونچے حصہ کے کنارے ایک جانب سے دوسری جانب تک چھوٹی منڈیر بنائی گئی ہے۔ اور منڈیر کے نیچے ٹہلنے کے لیئے ایک چوڑی سڑک ہے اور اس سڑک کے شروع اور اختتام پر مکانات بنوائے گئے ہیں اور ان مکانات کے قریب زینہ واقع ہے جس پر چڑھکر باغ کے اوپر کے حصہ میں لوگ پہونچتے ہیں، یہ حصہ چالیس فٹ چوڑا ہے اور اس قطعۂ زمین کے مابین ایک بہت بڑی عمارت بنوائی گئی ہے، اور دونوں جانب گوشوں پر ہشت پہل عمارات ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ باغ شاہی بیگمات کے لیئے تیار کرایا گیا تھا، اس باغ سے قلعہ کے برج نظر آتے ہیں۔ نواب صفدر جنگ اور ہمایوں کے

مقبرہ کا نظارہ بھی ہو سکتا ہے، اس باغ کا تالاب بالکل سوکھ گیا ہے اور اب اسمیں کھیتی ہوتی ہے۔ باغ کے باہر کے کنوئیں بھی جنسے کسی زمانہ میں پانی کھینچکر باغ کو شاداب رکھتے تھے، سوکھ گئے ہیں، چونکہ اس باغ کے دو حصہ تھے، لہٰذا قیاس کیا جاتا ہے کہ اوپر کے حصہ پر کسی موزوں مقام سے بہت بڑی پانی کی چادر نیچے کے بڑے نل میں گرائی جاتی ہوگی یہ باغ اپنی اجڑی ہوئی حالت میں بھی اپنی گزشتہ بہار کا پتہ دیتا ہے

مصنفہ نے ایک قدیم تصویر اپنی کتاب میں دی ہے، جسمیں اس اوپر کے سقفی باغ کا عکس کھینچا ہے، شام کا وقت ہے یا یوں کہیئے کہ چاندنی رات ہے مکلف فرش پر شاہنشاہ سریر آرا ہیں، اور دو عورتیں شاہ کے سامنے مجرا کر رہی ہیں اردگرد نہایت قرینہ سے خواتین کھڑی ہیں، مردنگ اور ستار عورتوں کے ہاتھ میں ہے۔ شمع دانوں میں شمع کافوری چاروں طرف روشن ہیں۔ شاہ کی تلوار کو ایک خواص لیئے ہوئے قرینہ سے پیچھے کھڑی ہے اور دیگر خواصیں خوشبودار پھولوں کا مالا، پھولوں کی ڈالیاں لیئے ہوئے ہیں۔ درمیان میں ایک مربع قطعہ پھلواری کا اور بیچ میں فوارہ دکھلایا ہے۔ اس چھوٹے باغ کی دوسری جانب ایک بارہ دری واقع ہے، اور بارہ دری کے بیچ میں ایک چھوٹا تخت رکھا ہوا ہے بارہ دری میں تین محرابیں اور دو دروازے دکھلائے ہیں اور بارہ دری کی چھت کی منڈیر منقش سنگ مرمر کی ہے، ممکن ہے کہ تال کٹورے کے باغ کو بھی ایسا ہی سقفی باغ بنایا ہو، کیونکہ ایک حصہ اس باغ کا دوسرے حصہ سے ۲ فٹ اونچا ہے۔

دہلی کے قلعہ کے باغات

قلعۂ دہلی کے باغات قلعہ آگرہ کے باغات سے بھی زیادہ بدتر حالت میں ہیں۔ حال ہی میں کچھ مرمت اس باغ کی کرائی گئی ہے جو بالکل ناکافی ہے، قلعہ کی مغربی دیوار اور باہر والے نل کے مابین کسی زمانہ میں ایک بہت بڑا مربع حصہ زمین کا باغ کی صورت میں تھا محلات کے اندرونی کمروں میں جانے کے لیئے دیوان عام کے اندرونی کمروں میں جانے کے لیئے دیوان عام کے عقب میں بیگمات کے سیر و تفریح کے لیئے کئی باغ طیار کرائے گئے تھے، برنیر نامی سیاح نے ایک وقت جب بادشاہ دہلی سے باہر مع محلات کے تشریف لے گئے تھے، قلعہ کے محلسرا کے کمروں کو دیکھا، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ہر کمرہ کے سامنے فوارے جاری تھے اور چاروں طرف خوشبودار درخت سایہ کئے ہوئے تھے، نہریں بہہ رہی تھیں، گرمی سے بچنے کے لیئے بڑے بڑے تہ خانے بنوائے گئے تھے اور بالاخانوں پر رات کو چاندنی اور خشک ہوا عجب لطف دیتی تھی۔ یہ سیاح کہتا ہے کہ قلعہ کے اندر آتے ہی دھوپ کی تمازت جاتی رہتی تھی، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ کشمیر کے کسی خطہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔" علاوہ چھوٹے چھوٹے

باغات کے دو بڑے باغ اس قلعہ میں بنوائے گئے تھے، جنکا نام حیات بخش باغ اور مہتاب باغ تھا، یہ دونوں باغ ایک ہی طرز پر جدا جدا طیار کرائے گئے تھے، ان میں سے ایک باغ پانچسو فٹ مربع اور دوسرا باغ پانچسو فٹ لانبا اور تین سو پچاس فٹ چوڑا تھا، بڑے باغ میں غسل کرنے کے لیے بہت بڑا تالاب بنوایا گیا تھا اور اس تالاب سے چاروں طرف نہروں میں پانی جاری ہوتا تھا۔ تالاب کے قریب ایک بارہ دری بنی ہوئی تھی، اور برآمدوں میں ہر چہار جانب فوارے جاری تھے، اس تالاب کی دو نہریں دو عمارتوں کے جانب لے گئے ہیں ان کا نام ساون بھادوں تھا، جنہیں ساون بھادوں کی برسات کا سماں دکھلایا ہے۔ قلعہ کی دیوار کے عقب میں ایک سڑک بنائی گئی ہے، اور اس سڑک کے پہلو میں پانی کا نل جاری ہے، اور نل میں ہر جگہ فوارے لگے ہوئے ہیں، جانب شمال شاہ برج واقع ہے، یہاں ایک نہایت خوبصورت سفید سنگ مرمر کا حوض بنایا ہے، مہتاب باغ اب بالکل ہی غائب ہو گیا ہے اور حیات بخش باغ کا آدھا حصہ خراب ہو گیا ہے اس باغ کے آخری حصوں میں ساون بھادوں کے مکانات کے عقب، انگریزی سپاہیوں کے رہنے کے لیے بدنما بارکیں بنوائی گئی ہیں۔ مہتاب باغ کے سامنے جو سپاہیوں کی بارگ بنوائی گئی ہے، وہ باغ کی خوبی کے لیے سخت بدنما داغ ہے، قلعہ کے اندر باغوں کے درخت، ان کی روشیں اور سرو کی قطاریں سب غائب ہو گئی ہیں اور بجائے اُن کے مورم کے راستے نظر آتے ہیں، یا خالی گھاس۔

(باقی آئندہ)

بی۔ گھوشال۔ ایم اے

"کیوپڈ و سائکی"

ڈانٹی

۱۲۶۵ء ــــ ۱۳۲۱ء

ڈانٹی ۱۴۔ مئی ۱۲۶۵ء کو اٹلی کے ایک شریف خاندان میں بمقام فلورنس پیدا ہوا، پہلے اس کا نام دورانتی تھا جو کثرت استعمال سے مخفف ہوکر بعد کو ڈانٹی رہ گیا۔ ڈانٹی ہنوز عہد طفلی کے مراحل سے گذرنے بھی نہ پایا تھا کہ باپ کی شفقت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگیا باپ کی وفات کے بعد اُس کی تربیت اُسکے کسی عزیز نے اپنے ذمہ لے لی، اور ایک حد تک اسکو بھی پورا کیا، ڈانٹی نے اُن تمام علوم و فنون میں کمال حاصل کیا جو اُس زمانہ میں رائج تھے، مذہبی تعلیم ارسطو کی منطق، اور بعض کتابیں ختم کرلینا اُس زمانہ میں عالم بننے کے لیے کافی تھا، چونکہ ڈانٹی غیر معمولی ذہانت اور خداداد ذکاوت کا مالک تھا، اس لیے اُسکو فنون متداولہ حاصل کرنے میں کچھ زیادہ کاوش کی ضرورت پیش نہ آئی، اور بہت جلد اس میں مہارت حاصل کرلی بلکہ ان کے علاوہ اور فنون بھی اس نے سیکھے جن کا حاصل کرنا طباعت کی ایجاد نہ ہونے سے اس زمانہ میں سخت دشوار تھا، یہاں تک کہ ڈانٹی کے تبحر اور جامعیت کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوگیا کہ اس نے پولینڈ کے مشہور مدرسہ میں تعلیم پائی ہے۔

ڈانٹی تعلیم سے فارغ ہوکر میدان عمل میں قدم رکھنے بھی نہ پایا تھا کہ اُس پر ایک ایسی مصیبت نازل ہوئی جو نفس آخرین تک اسکی رفیق رہی، یعنے وہ اک نہایت بلند طبقہ کی ایک لڑکی پر فریفتہ ہوگیا جس کی عمر مشکل سے دس برس کی ہوگی، لڑکی کا نام بیٹریس تھا جس سے اسکی محبت روز بروز بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ دانتی کے لیے سوائے بیٹریس کی محبت کے اور کوئی شغل باقی نہیں رہا، حالانکہ اُس نے صرف چند مرتبہ دیکھا تھا، اُسے کبھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اپنے دلی راز کو اُس پر ظاہر کرے، اُس کے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہ گذرا کہ بیٹریس کو اپنی رفیق حیات بنانے کی کوشش کرے کیونکہ وہ ڈانٹی سے بہت زیادہ بلند طبقہ کی تھی، بیٹریس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کون اُس کے لیے بیقرار ہے، کسکو اُس کے خیال میں رات بھر نیند نہیں آتی،

ڈانٹی کو بیٹریس سے نہایت شدید محبت تھی وہ اُس کے دیکھنے کے لیے ہر وقت بیقرار رہتا تھا، مگر افسوس کہ اس محبت کے جواب میں بیٹریس کا دل بالکل خاموش تھا۔

جب بیٹریس کی عمر شادی کے قابل ہوئی تو اٹلی کے کسی سردار کے ساتھ اُس کی نسبت قرار پائی اور چند

روز بعد شادی بھی ہوگئی، شادی کی خبر سننے سے بھی ڈانٹی کے جذبات میں کسی قسم کا ضعف پیدا نہ ہوا بلکہ اُسکی محبت اُسی طرح روز افزوں ترقی کرتی رہی، کیونکہ ڈانٹی کا مقصد حیات صرف یہ تھا کہ اُسے بیٹرس کا دیدار نصیب ہو لیکن تقدیر نے ڈانٹی کے لیے تنہا اسی مصیبت کو کافی نہیں سمجھا بلکہ تھوڑے عرصہ کے بعد ڈانٹی کو بیٹرس کے لیئے بھی ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا۔

بیٹرس کے مرنے کے بعد ڈانٹی کی جو کچھ حالت ہوئی اُس کا اندازہ اُس کے دکھے ہوئے دل کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، رات دن بیٹرس کی صورت اسکی آنکھوں کے سامنے پھرتی تھی، گریہ و بکا آہ و زاری کے علاوہ اُس کا کوئی مشغلہ نہ تھا اور اُس کا افسانۂ محبت اٹلی کے ہر شخص کی زبان پر تھا۔

بیٹرس کے مرنے سے پہلے ڈانٹی نے ایک قصیدہ نظم کیا تھا جسکو ہم اُس کے جذباتِ صادقہ کی حقیقی تصویر کہہ سکتے ہیں علاوہ جذبات محبت کے یہ قصیدہ فلسفۂ محبت کے بہت سے دقیق مسائل سے بحث کرتا ہے، اور یہ دانتی کا پہلا قصیدہ ہے جو محبت کے جذبات سے متاثر ہو کر اُس کی زبان سے نکلا تھا۔

اس اطالوی شاعر کے واقعات زندگی لکھنے سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ اٹلی کی اُس عہد کی حالت پر روشنی ڈالی جائے اس زمانہ میں اٹلی کے اندر دو سیاسی جماعتیں تھیں، ایک جماعت کو جلیف کہتے تھے اور دوسرے کا نام جبلین تھا۔ یہ دونوں جماعتیں بارھویں صدی کے آغاز میں پیدا ہوئی تھیں جلیف شاہی خاندان کی مخالف تھی، اور جبلین اُسکی موافق و معاون تھی، دونوں جماعتوں کی مخاصمت اور سلسلہ جنگ و جدل نے اٹلی میں سخت بدامنی پیدا کر رکھی تھی ۱۲۶۷ء میں جبلین جماعت کے تمام افراد بایائے روم کے ایما سے ملک سے نکال دیئے گئے تھے، اور جلیف کا اقتدار مستحکم ہو گیا تھا، فلورنسا میں جبلین جماعت کا کوئی شخص نہ تھا، ان دونوں گروہوں کے درمیان ہمیشہ سلسلۂ جنگ و مخاصمت جاری رہتا تھا، اگر کچھ دنوں کے لیئے عارضی صلح بھی ہو جاتی تھی تو چند روز بعد پھر وہی کشت و خون کا بازار گرم ہوتا جاتا تھا۔ ۱۲۸۹ء میں فلورنسا کے طبقہ جلیف میں اور ارسیتو کے طبقہ جبلن میں جنگ ہوئی، جلیف کو فتح ہوئی۔ دانتی بھی فاتحین کے ساتھ تھا، اور عمر میں پہلی مرتبہ اُس نے جنگ میں حصہ لیا تھا، جب معرکہ سے واپس ہوا جلیف جماعت کی ایک لڑکی سے شادی کی جس کا نام جُما دوناتی تھا، لیکن شادی کرنے سے اُس کی زندگی اور تلخ ہو گئی، اور اُسے کبھی اطمینان نصیب نہیں ہوا۔ البتہ شادی کے بعد وہ حکومت میں بڑے عہدوں پر مقرر ہوتا رہا فلورنسا کے لوگ اُس زمانہ میں تین جماعتوں میں منقسم تھے، ایک سرداروں اور شریف لوگوں کی جماعت تھی، دوسرا طبقہ تاجداروں اور مالداروں

کا تھا۔ تیسرا گروہ عام لوگوں کا تھا، تاجر اور عام لوگ سخت مصیبت میں رہتے تھے، اور ہر وقت مظالم کا شکار ہوا کرتے تھے، اسی زمانہ میں ایک مصلح پیدا ہوا جس کا نام دینو کومپانی تھا، اُس نے ۱۲۸۲ء میں ایک قانون وضع کیا، جس کے رو سے فلورنسا کے لوگ مختلف طبقات میں تقسیم کردیئے گئے، اور یہ تقسیم تجارت، صنعت و حرفت وغیرہ کے لحاظ سے تھی، ان مختلف جماعتوں کی ایک مجلس قائم کی گئی، جسمیں چھ ممبر نمایندگی کرتے تھے ان مختلف جماعتوں کے عام انتظامات اور تجدید انتخاب مجلس کے ہاتھ میں تھی، اکثر دو مہینہ کے بعد نیا انتخاب ہوتا تھا، اور انتخاب صرف اُن ہی لوگوں میں ہوتا تھا جن کے نام کسی خاص پیشہ کی فہرست میں درج ہوتے تھے، دانتی کا نام طبیبوں اور دوا سازوں کی فہرست میں درج تھا، حالانکہ اُس نے نہ کبھی طبابت کی تھی اور نہ کبھی دوا سازی،

لیکن یہ ترتیب ارباب سیاست کے نفوذ اور اقتدار کو نہ روک سکی، یہاں تک کہ اس مجلس کے ممبر بھی کسی نہ کسی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، یہ نظام دس بارہ سال سے زیادہ نہ چل سکا، اور وہی قدیم طرز قائم ہوگیا اور ملک میں دو جماعتیں بن گئیں ایک جماعت اسود (نیرد) تھی جو اصل میں جلیف تھی اور دوسری سفید جماعت (بیانکی) تھی جو اصل میں جبلین تھی، دانتی جلیف جماعت سے تھا جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، اس نے سیاہ جماعت کے ایک سردار کی لڑکی سے شادی کی جس سے جلیف طبقہ کے ساتھ اس کے روابط اور زیادہ مستحکم ہوگئے، لیکن دوسری جماعت سے بھی وہ دوستانہ تعلقات رکھتا تھا، اور غالباً اس کا یہ ارتباط صداقت پر مبنی تھا کیونکہ وہ اسی جماعت کو حق پر سمجھتا تھا۔

جولائی سنہ ۱۳۰۰ء میں دانتی مجلس مذکورہ میں بطور نمایندہ کے منتخب ہوا۔ اس سے قبل سیاہ اور سفید دونوں جماعتوں کو فلورنسا سے باہر چلے جانے کا حکم ہوچکا تھا، لیکن دانتی نے سفید جماعت کے ساتھ تساہل کیا اور اُنہیں واپس بلا لیا، اُس کے مخالفین میں سیاہ جماعت کو یہ سخت ناگوار ہوا انہوں نے پوپ بونیفاشیوس ہشتم کے پاس پناہ لی، اُس نے ان کی مدد کی اور اُن کے ساتھ شارل دی فالو کو روانہ کیا۔ شارل نومبر ۱۳۰۱ء میں فلورنس پہونچا اس کے ساتھ ایک فوج بھی تھی اس نے وہاں پہونچکر سیاہ جماعت کو بھی واپس بلا لیا اور مجلس کو توڑ کر ایک دوسری مجلس ترتیب دی جسکے عام ممبر سیاہ جماعت کے تھے، اب سیاہ جماعت کا اقتدار بڑھ گیا اور سفید جماعت ضعیف ہوگئی، مجلس نے سفید جماعت کو ملک سے نکال دیا، اور نہایت بیرحمی سے انہیں قتل کیا، مکانات جلائے، سامان لوٹ لیا، یہ غریب نہایت بے رحمی کے ساتھ بازاروں اور

گلیوں میں قتل کئے جاتے تھے، جب کبھی شارل کسی جگہ آگ کے شعلے اُٹھتے ہوئے دیکھتا تھا تو پوچھتا کہ یہ کون سا مکان جل رہا ہے اور لوگ اسکو جواب دیتے تھے کہ یہ ایک چھوٹا سا مکان ہے حالانکہ حقیقت میں وہ ایک شاندار محل ہوتا تھا۔ اس ہنگامہ میں دانتی کا مکان بھی جلا دیا گیا۔ ڈانٹی اُسوقت رومہ میں تھا، اور سفید جماعت کی طرف سے پوپ کے پاس فریاد لیکر گیا ہوا تھا، جب وہاں سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ اُس کے متعلق جلاوطنی کا حکم دیدیا گیا ہے۔

جنوری ۱۳۰۲ء میں خاص اُس کے متعلق دو سال کی جلاوطنی اور آٹھ ہزار فلورین کے جرمانہ کا حکم ہوا اور یہ کہ اگر وہ جرمانہ ادا کرنے میں تاخیر کرے تو اس کی املاک ضبط کر لی جائے گی، اس کے بعد اُس کے متعلق حکم ہوا کہ وہ زندہ جلادیا جائے، اور الزام یہ لگایا گیا کہ وہ راشی، چور اور دھوکہ باز تھے۔ اب مجبوراً اُس کو ملک چھوڑنا پڑا، سفید جماعت کے ساتھ اُس کے تعلقات بہت مستحکم ہوگئے تھے، اسلیئے اب اُس نے ملک میں پھرنا اور لوگوں کو جلیف کے خلاف برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد وہ فیرونا گیا اور وہاں سے توسکانا چلا گیا۔

ستمبر ۱۳۰۳ء میں پوپ بونیفاشیوس کا انتقال ہوگیا، اور اُسکی جگہ بنڈکٹوس پوپ مقرر ہوا، نئے پوپ نے دونوں جماعتوں کے درمیان صلح کرانی چاہی، مگر اُسکی کوشش بیکار ثابت ہوئی، اور فلورنس بدستور بغاوت اور کشت و خون کا آماجگاہ بنا رہا، اسی زمانہ میں فلورنس میں آگ لگ گئی اور تقریباً (۱۹۰۰) مکانات جل کر خاکستر ہوگئے، فلورنس کی آگ بجھنے بھی نہ پائی تھی کہ سفید جماعت نے حملہ کر دیا، اور شہر میں ایسا کشت و خون ہوا کہ شاید ہی تاریخ اٹلی میں اُس کی نظیر مل سکے۔

دانتی اٹلی میں ادھر ادھر پھر رہا تھا اور اپنے وطن واپس جانے کا موقع تلاش کر رہا تھا، لیکن اُسے کوئی موقع ہاتھ نہ آیا جب ہنری ہفتم جرمنی کے تخت پر بیٹھا تو اُس کی امیدیں تازہ ہوگئیں ہنری اپنے اسلاف کے حقوق طلب کرنے کے لیئے اٹلی میں آنے کا عزم کیا، جبلین جماعت نے اُس کی مدد کرنے کی تیاریاں شروع کیں، اور دانتی نے ۱۳۱۰ء میں ایک اعلان لکھا اور تمام بادشاہوں، اور سرداروں کے پاس بھیجا، اور سب کو آنے والی سعادت کی خوشخبری سنائی، اسی سال ہنری اٹلی میں آیا اور اُس نے میلان میں لومبارڈیا کی شاہی کا تاج پہنا، دانتی نہایت بے چینی سے توسکانا میں اُس کا انتظار کر رہا تھا، تاکہ جلیف کا خاتمہ کر دیا جائے، اور فتنہ فرو ہو جائے، اور اس نے اس کے متعلق ہنری سے بھی خط و کتابت کی، چنانچہ ہنری توسکانا میں آیا، پھر فلورنس میں پہونچا، لیکن وہاں اُس کو کچھ فائدہ نہ ہوا پھر وہاں سے اُس نے رومہ کا قصد کیا، اور وہاں اُسکو تاج شاہی پہنایا گیا، جب وہاں سے واپس ہوا تو راستہ میں دفعتہً اُس کا انتقال ہوگیا، اُس کی موت سے دانتی کو سخت صدمہ ہوا۔ اب وہاں سے اُس نے فیرونا میں پناہ لی، اور آخر میں افنا

کی طرف چلدیا، اور وہاں جیدو دا بولنا کی پناہ میں اپنی باقی عمر ختم کردی، جیدو را فنا کا سردار تھا بڑا علم دوست شخص تھا، شاعری سے اُسکو بڑا ذوق تھا اور خود بھی شاعر تھا، دانتی سے وہ بہت خوش تھا، دانتی کا جب دل گھبراتا تھا تو سیر و تفریح کی غرض سے ادہر اُدہر پھر آتا تھا، اُسکو اپنے وطن واپس جانے کا بڑا اشتیاق تھا لیکن کسی طرح وہاں نہیں جاسکتا تھا، آخر وہیں ۱۳۲۱ء میں اُس کا انتقال ہوگیا اور اُس نے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑی، مرتے وقت اسکو اپنی اولاد کو دیکھنے کی بڑی تمنا تھی، کیونکہ جب سے اُس نے فلورنسا چھوڑا تھا اُنہیں نہیں دیکھا تھا، بچوں کی پرورش کا فرض ان کی ماں بڑی محنت سے انجام دیتی تھی، اُس نے نہایت اچھی طرح اُن کی پرورش کی لیکن ساتھ ہی اس کے اسمیں ایک زبردست عیب یہ تھا، کہ وہ نہایت تندمزاج اور بدخلق تھی، اور یہ ایک شریف عورت کے لیے سخت عیب ہے جس کا نہایت خراب اثر خاندان پر پڑتا ہے۔

ڈانٹی کی قدر اٹلی والوں نے نہیں کی۔ کردینال بوجیتو نے پولینڈ میں حکم دیدیا کہ اُس کی لاش قبر سے نکال ڈالی جائے اور اُسکی ہڈیاں جلادی جائیں، اس انتقام پر دو سال گزرنے کے بعد اٹلی والوں نے دانتی کی حقیقت کو پہچانا۔ سنہ ۱۳۵۰ء میں فلورنس کی جمہوریت نے حکم دیا، کہ دانتی کی بیٹی بیٹرس کو جو راہبہ ہوگئی تھی، ایک معقول رقم دیجائے، سنہ ۱۲۹۶ء میں جمہوریت مذکورہ نے حکم دیا کہ ڈانٹی کی قبر بنوائی جائے اور فلورنس میں اسکی ایک یادگار قائم کیجائے لیکن راونا کب اس کی اجازت دیتا تھا کہ اُس کی ہڈیاں اُس سرزمین سے منتقل کی جائیں جو اُسے سینے سے لگائے ہوئے ہے، اور اپنے کو اس فضیلت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتی ہے، مگر آخر کار فلورنس والوں کے مساعی کامیاب ہوئیں اور سنہ ۱۸۲۹ء میں یعنے اس کی ولادت چھ سو برس بعد فلورنس میں اُسکی قبر بنائی گئی، اور ایک یادگار بھی قائم کی گئی۔

دانتی کے صفات اور اخلاق

دانتی ایک متوسط القامت شخص تھا، آخر عمر میں اس کا قد ذرا جھک گیا تھا، اُس کے چہرہ پر متانت اور سنجیدگی نمایاں تھی، اُس نے ہمیشہ اپنی عمر کے مطابق لباس پہنا، اُس کا چہرہ لمبا، آنکھیں بڑی، اوپر کا ہونٹ موٹا، گندم گوں رنگ، بال گھونگروالے تھے، اُسکی صورت سے ہر وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی سخت رنج میں مبتلا ہے اور سخت فکر میں ہے۔

البتہ عہد شباب میں جبکہ اُسے اپنی محبوبہ بیٹرس کا دیدار نصیب ہوجایا کرتا تھا تو اسقدر افسردہ صورت نہ رہتا تھا بلکہ بعض وقت تو اس کے چہرہ پر نہایت رونق و شگفتگی ہوا کرتی تھی، اور شباب کا نور چمکتا رہتا تھا، بیٹرس کی وفات کے بعد دو مصیبتیں اُس پر آپڑیں، ایک تو بیٹرس کا غم، دوسرے اُس عہد کی سیاسی مشکلات

علاوہ اس کے چونکہ اس نے ایک ایسی عورت سے شادی کر لی تھی جس نے کسی طرح بھی اُسے آرام نہ پہونچایا،

ایک روز دانتی راستہ سے گذر رہا تھا، چند عورتوں نے اُسے دیکھا، تو اُن میں سے ایک عورت نے کہا کہ کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو، یہ شخص روزانہ دوزخ میں پہونچتا ہے اور وہاں کے انواع و اقسام کے عذاب، گنہگاروں کے حالات معلوم کر کے آتا ہے اور ہم لوگوں کو اسکی خبر دیتا ہے، دوسری عورت نے کہا شاید اسی وجہ سے اُس کا رنگ سیاہ ہو گیا ہے، اور بال بھی گھونگر والے ہو گئے ہیں، یہ سب آتش دوزخ کا اثر معلوم ہوتا ہے، اور چونکہ یہ روزانہ عذاب کے ہولناک مناظر دیکھتا ہے، اسلئے کبھی خندہ پیشانی نظر نہیں آتا،

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ دانتی افسانہ اور ناول لکھا کرتا تھا اور اُن میں زیادہ تر دوزخ اور جنت کے حالات ہوتے تھے،

دانتی ہر وقت ہموم و افکار کے سمندروں میں غرق رہتا تھا، اُس کے دل میں اپنے رفیقوں اور ہمنشینوں کی کچھ زیادہ وقعت نہیں تھی، یہاں تک کہ بعض وقت ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ وہ اپنے مخاطب کی توہین کر رہا ہے، وہ اکثر خاموش رہتا تھا، مگر جب کچھ کہتا تھا تو اس کا کلام نہایت پر مغز اور حقیقت پر مبنی ہوتا تھا، وہ مصیبت کے وقت انتہائی صبر و استقلال سے کام لیتا تھا، البتہ جب اُسے وطن سے نکالا گیا تو اسکی بیچینی کی بھی کوئی حد نہ تھی، جب کوئی شخص اُس کی مخالف جماعت کے متعلق اُس کا ہمخیال نہ ہوتا تھا، تو اُس سے نہایت سخت بحث کرتا تھا، اور مباحثہ کے اثنا میں اُسے بہت غصہ آتا تھا اور اپنے مخالفین کو بُرا کہنے اور گالیاں دینے سے بھی باز نہ رہتا تھا، اور یہی اُس کے اخلاق میں ایک بڑی کمی تھی،

دانتی کی تصنیفات

تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ دانتی اٹلی کا سب سے پہلا شاعر ہے، فن نظم، تصویر جذبات، اور وصف حوادث میں اُن کو کمال تھا، قرون مظلمہ کا کوئی تصور اور کوئی خیال ایسا نہیں ہے جسکو اُس نے نظم نہ کیا ہو، اُس کے اشعار پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم خود اُس زمانہ میں موجود ہیں یا اُس عہد کے تمام مردے زندہ ہو کر ہمارے سامنے آگئے ہیں، اُس زمانہ کے اخلاق و عادت، رسوم و رواج خیالات اور معتقدات سب کا نقشہ اس نے اپنے اشعار میں کھینچا ہے، دانتی کے تین تصانیف مشہور ہیں۔

(۱) (Vita Nova) یعنے حیات جدید۔ کتاب بیٹرس کی محبت کا افسانہ ہے، اس کتاب کے لکھتے وقت وہ تصورات میں اسقدر محو ہو جاتا تھا کہ اُسے اپنے پاس والوں کا بھی علم نہ ہوتا تھا، چنانچہ وہ خود اسکے متعلق ایک موقع پر لکھتا ہے، "میری محبوبہ کو ابنائے ابدیت میں داخل ہوئے، جبکہ پورے ایک سال کا عرصہ گذر چکا تو میں اُسوقت تنہائی میں بیٹھا ہوا اُس کے تصور میں غرق تھا اور اُس کی صورت میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی، اُس وقت میرے دل میں آیا کہ میں اُس کی تصویر کھینچوں اور اُسے ایک فرشتہ کی صورت بناؤں، چنانچہ میں نے لوح کو اٹھایا اور

تصویر کھینچنا شروع کیا، میں اپنی خیالات میں تھا کہ دفعتہً میری نظر آئی اور بہت سے آدمی میرے پاس کھڑے ہوئے نظر آئے، معلوم ہوا کہ یہ لوگ بڑی دیر سے کھڑے ہیں، مگر مجھے مطلق ان کا علم نہ ہوا تھا۔

(۲) (Convito) یعنی "دعوت" یہ ایک طویل قصیدہ ہے، جسمیں اس نے مختصراً اپنی سوانح حیات کا تذکرہ کیا ہے، اور ابتدا سے آخر تک تمام حالات زندگی لکھے ہیں، اس کتاب کا لکھنا اس نے بیٹرس کے مرنے کے بعد شروع کیا تھا، اور وہ چاہتا تھا کہ اس کے ذریعہ سے کچھ اپنا غم غلط کرے۔

(۳) (Divina Comedia) یہ اس کا سب سے مشہور ناول ہے، اس ناول کے بعض مقامات ایسے ہیں کہ دانتی سے پہلے اور نہ اس کے بعد کوئی ایسا کہہ سکا ہے، دانتی کے فضل و کمال ظاہر کرنے کے لیے صرف اتنا کہدینا کافی ہے، کہ وہ اس ناول کا لکھنے والا ہے، یہ ناول بھی اس کی تمام تالیفات کی طرح ایک افسانۂ شعری ہے، جو سوال و جواب کے طریقہ پر لکھا گیا ہے، اس میں وعظ و نصیحت ہے، اور اس زمانہ کی دینی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اور اسکو ایک خواب کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے دوزخ و جنت کے حالات سزا و جزا کی تفصیلات، عالم روحانی کی کیفیات نہایت اچھے انداز میں بیان کیگئی ہے، یہ اس زمانہ کی تصنیف ہے جبکہ وہ جلاوطن کر دیا گیا تھا، اس کتاب میں اس نے اپنے مخالفین کو دوزخ میں پہونچا دیا ہے۔ اور موافق لوگوں کو جنت میں جگہ دی ہے، اور غیر جانبدار لوگوں کو اعراف میں چھوڑ دیا ہے، یہ ناول اسکی زندگی میں شائع نہ ہو سکا، کیونکہ اسمیں بہت سی ایسی باتیں تھیں، جن سے مخالفین کے برانگیختہ ہونے اور نقصان پہونچانے کا اندیشہ تھا۔

اس ناول میں خاص امتیاز یہ ہے کہ اس کا ہیرو خود مولف ہے، یہ ناول سو قصیدوں پر ختم ہوتا ہے، فن طباعت کے اختراع سے اسکی کافی اشاعت ہو چکی ہے، اس زمانہ میں یورپ کے کتبخانوں میں مقابلہ اور کتابوں کے قلمی نسخوں کے اسکے قلمی نسخے کثرت سے پائے جاتے ہیں، چھپنے سے پہلے اسپینی زبان میں اس کا ترجمہ ہو گیا تھا، اور یہ سب سے پہلا ترجمہ تھا، اس کے بعد ۱۵۹۶ء میں فرانسیسی میں ترجمہ ہوا، یہ ناول پہلی بار ۱۴۷۲ء میں چھپا تھا اب تقریباً تمام یورپین زبانوں میں اس کے ترجمے موجود ہیں، مگر غالباً السنہ مشرقیہ ابھی تک اس سے محروم ہے

ادیٹر

"جستجو"

عالم سوز و ساز میں مہر کمال کون ہے؟
محفل حسن و ناز میں شمع جمال کون ہے؟

آئینۂ مثال میں محوِ خیال کون ہے؟
جلوہ گہِ کمال میں محوِ جمال کون ہے؟

کون یہ بے نقاب ہے رنگِ رخ گلاب میں؟
کس کا یہ انتخاب ہے پیکر لاجواب میں؟

پیکرِ حسن صوت میں نغمۂ دلربا ہے کون؟
نغمہ سرا چمن چمن طائرِ خوش نوا ہے کون؟

محوِ جمال کون ہے آئینۂ ظہور میں؟
برق و شرار کون ہے جلوۂ نار و نور میں؟

غنچۂ صبح خیز میں شکلِ شمیم کون ہے؟
نکہت عطر بیز میں روحِ نسیم کون ہے؟

کس کی شراب عشق کا جوش و خروش دل میں ہے؟
کون برنگ نامیہ شعلۂ آب و گل میں ہے؟

ساقی و جام و مے ہے کون ابر و بہار و ماہ میں
سوز و غم و الم ہے کون شیون و اشک و آہ میں؟

چشم خیال سے نہاں محفل راز کس کی ہے؟
محفل عالم خیال، محفل ناز کس کی ہے؟

تار و اخموش کیوں ہو تم ڈوبے ہو کس خیال میں
بھولے ہوئے ہو آپ کو محو ہو کس جمال میں؟

پوچھے یہ طور سے کوئی، کس نے تجھے جلا دیا!
کس کے شرار حسن نے شعلہ فشاں بنا دیا!

پھول میں رنگ و بو ہے کون چشم میں جستجو ہے کون!
آئینہ ہائے شش جہت دیکھئے خوبرو ہے کون!

جھوم رہا ہے ہر شجر کیف مے طہور میں!
وجد میں آ رہے ہیں گل کیفیت سرور میں!

آئینہ بہار میں روئے نگار دیکھئے؟
اور رخِ نگار میں حسن بہار دیکھئے؟

ایک ہی ہے بہار حسن کوئی بہار دیکھئے؟
ایک ہی ہے نگار حسن، کوئی نگار دیکھئے؟

آئینۂ ہلال میں اور کوئی ہلال ہے؟
آئینہ جمال میں جلوۂ لایزال ہے؟

ہالۂ ماہتاب کیا؟ ایک ضیائے مہ جبیں!
حلقۂ آفتاب کیا؟ ایک شعاعِ نازنیں؟

پیکر صد حجاب ناز؟ ایک نگاہ شرمگیں
ناوک نازِ جاں ستاں؟ ایک ادائے دلنشیں

دشمن عقل و ہوش و دیں آفت جان بیدلاں
برق نگاہ بے پناہ، تیغ ادائے بے اماں

جنبش ابر بفصل گل موج نسیم گلستاں!
حشر خرامیِ جہاں! کوئی اشارہ نہاں

شوقِ نگاہ آئینۂ عکسِ نگاہِ ناز ہے ہالۂ حسنِ نازنیں، پرتوِ ماہِ ناز ہے،
حسن ہے اور حجاب ہے مہر ہے اور سحاب ہے جوشِ تموّجِ خودی، مانعِ التہاب ہے
رفعِ حجاب کا خیال آپ ہی پردہ ساز ہے ورنہ وہ حسن بے نقاب پردے سے بے نیاز ہے
حسنِ وجود آب ہے، شیشۂ دل حباب ہے سعیِ فنا میں دل اگر ٹوٹے تو کامیاب ہے"
حسن بہ طرزِ بے شمار گرمِ ادائے ناز ہے عشق برنگِ صد ہزار پیکرِ سوز و ساز ہے
خال و خط و شبیہِ دوست میں نئے ہر نگاہ میں رنگِ جمال ہے نیا ہر نئی جلوہ گاہ میں"
دیدۂ شوق میں کوئی جلوہ بے مثال ہے قطرۂ اشکِ خونِ دل آئینۂ جمال ہے
چشمِ جنوں سے دیکھیے لیلیِ قیس کا جمال چشمِ خرد سے ہے نہاں عکسِ جمالِ بے مثال
رنگ برنگ ہے وہی، ہے وہی ایک روشنی شرح ہے وہ گلاب میں، شاخِ گلاب میں ہری
اصل میں نور ایک ہی باعثِ ہر ظہور ہے اور ظہورِ نور ہی وجہِ شعورِ نور ہے

گویا

غزل

دلم از مستیِ آں نرگسِ مستانہ می رقصد کہ از ذوقِ سرورش کعبہ و بتخانہ می رقصد
نہ تنہا از نشاطِ مے ہمیں پیمانہ می رقصد برقصِ آئینہ چوں ساغرکشاں میخانہ می رقصد
کدامی گیسوئے برہم سر آراستن دارد کہ یا رب در کفِ مشاطہ امشب شانہ می رقصد
چو از حد بگزرد سوزِ محبت، رشک وا سوزد بہ بزمِ سوختن پروانہ با پروانہ می رقصد
ہمانا شوخیِ نازش مرا تعلیم فرما شد تپد در سینہ دل گوئی کہ بیتابانہ می رقصد
خوش آں محفل کہ روشن می کند شمعِ جمالِ او
سپند آسا دراں جا وحشتِ دیوانہ می رقصد

رضا علی وحشت

بیمہ کی عجیب و غریب صورتیں

آج کل دنیا میں بیمہ کرنے کی متعدد کمپنیاں ہیں، زندگی کا بیمہ کیا جاتا ہے، جلنے اور ڈوبنے کا بیمہ ہوتا ہے، ہر ایک مصیبت جو حیات انسانی میں پیش آتی ہے اس کا بیمہ کرایا جا سکتا ہے ماہرین موسیقی اپنی انگلیاں بیمہ کراتے ہیں، آواز کی بھی ضمانت ہوتی ہے، غرض ہر چیز کا بیمہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک شوہر نے اپنی بیوی کا بیمہ اس غرض سے کرایا تھا کہ اس کے دو توام بچے یعنی بچے ایک مرتبہ پیدا نہ ہوں، ایک شخص نے اس بات کا بیمہ کرایا تھا کہ وہ اپنی خوشدامن پر ظلم و تعدی نہ کریگا، صورت اصلی یہ تھی کہ ساس نے اپنے داماد کے لیئے ۵ ہزار گنی کی وصیت کی تھی، اور وصیت میں یہ شرط تھی کہ اگر داماد نے مجھ پر کسی قسم کی تعدی و ظلم کیا تو رقم اسکو ہرگز نہ دیجائے گی، داماد نے چاہا کہ رقم اسکو وقت سے پہلے مل جائے، چنانچہ اس نے ایک متمول شخص کے ہاتھ ۵ ہزار پونڈ کی رقم ۲ ہزار پونڈ میں فروخت کردی، مشتری نے ایک بیمہ کرنے والی کمپنی سے اس بات کا بیمہ کرایا، کہ داماد خوشدامن کے مرنے تک اسپر کبھی ظلم و تعدی نہ کریگا۔

بیمہ کرنے والی کمپنیاں نہایت غور و تحقیق کے بعد معاملہ کرتی ہیں، جس شخص کے لیئے اس نے بیمہ کیا تھا کہ اسکی بیوی سے توام بچے پیدا نہ ہوں گے، یہ بیمہ اسوقت کیا گیا، جبکہ خاندان کی کئی پشت کی تاریخ کو نہایت صحت کے ساتھ معلوم کیا گیا کہ کب کب اس خاندان میں توام بچے پیدا ہوئے ہیں، جب پورا اطمینان ہوگیا اس کے بعد معاملہ کیا گیا، اور جسقدر خطرات کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے، اسی قدر بیمہ کرانے والے سے زیادہ فیس لی جاتی ہے۔

زمانۂ جنگ میں جب جرمن آبدوزوں کی وجہ سے تجارتی جہازات بھی سمندر کی نذر ہوجاتے تھے، تو بیمہ کرنیوالی کمپنیاں ایک رقم خطیر لیکر جہاز کا بیمہ کرتی تھیں، کیونکہ ہر وقت جہاز کے تباہ ہوجانے کا اندیشہ لگا رہتا تھا اور جس سمندر میں غرق ہونے کا اندیشہ ہوتا تھا وہاں کے لیئے فیس بھی زیادہ ہوتی تھی

جس طرح گھوڑوں کی ریس پر جوا کھیلا جاتا ہے، اسی طرح امریکہ میں انتخابات کے وقت قمار بازی ہوتی ہے، اور اگر کسی وقت قمار باز کو نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے تو وہ فوراً اپنی رقم کا بیمہ کرا لیتا ہے، بیمہ کرنے والی کمپنی ہر روز انتخابات کی کیفیت معلوم کرتی رہتی ہے، اور حسب ضرورت بیمہ کا نرخ کم اور زیادہ کر دیتی ہے،

ایک شخص نے ایک تیل ایجاد کیا تھا، جسکو عورتیں اپنے منہ پر خوبصورتی حاصل کرنے کے لیئے ملتی تھیں، اُس کو خیال پیدا ہوا کہ کہیں یہ تیل بجائے خوبصورتی پیدا کرنے کی بدصورتی کا باعث نہ ہو اور عورتیں اپنے حسن کا دعوی عدالت میں پیش کرکے حسن کی قیمت طلب کرنا چاہیں، اس لیئے اُس نے ایک بیمہ والی کمپنی سے اس تیل کا بیمہ کرانا چاہا، مگر حرمتِ تجارت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کمپنی نے بیمہ کرنے سے انکار کر دیا۔

بعض ایکٹرس اور گانے والیاں اپنی آواز اور حسن کا بیمہ کراتی ہیں میڈم بالی نے اپنی آواز آٹھ ہزار گنی میں بیمہ کرائی تھی، آٹھ ہزار کا بیمہ اُس صورت میں تھا جبکہ وہ بالکل گانے کے قابل نہ رہے، اور اگر ہر جلسہ میں شریک نہ ہو سکے تو اُس کے لیئے ایک ہزار گنی کا بیمہ اُس نے کرایا

بادرشکی جو پیانو بجانے میں غیر معمولی کمال رکھتا تھا اُس نے اپنی انگلیاں آٹھ سو گنی سالانہ قسط پر بیمہ کرائی تھیں۔

سینما کی ایک کمپنی نے افریقہ کے مناظر اور وہاں کی وحشی اقوام کے متعلق فلم تیار کرانے کے لیئے کچھ لوگ افریقہ روانہ کیئے اور اس کا بیمہ کرایا کہ تصویریں بالکل صحیح و سالم امریکہ پہونچائی جائینگی۔ جس رقم کا بیمہ کرایا گیا تھا اُسکی مقدار ایک لاکھ پچاس ہزار گنی تھی، اس رقم میں سے سالانہ پانچ فیصدی بیمہ کرنے والی کمپنی کو دیا جاتا تھا۔ ایک دوسری سینما کی کمپنی نے قیصر ولیم کی زندگی کو بیمہ کرانا چاہا تھا کیونکہ وہ کمپنی ایک ناول کی تمثیل کر رہی تھی جسمیں ایک شخصیت قیصر ولیم کی بھی تھی، کمپنی کو خیال ہوا کہ اگر اثنائے تمثیل میں قیصر مر گیا تو لوگوں کی توجہ کم ہو جائیگی اسلیئے اس نے قیصر کی زندگی کا بیمہ کرانا چاہا مگر کمپنی نے اسکو منظور نہیں کیا،

شاہ ایران جب لندن گئے تو انہوں نے ایک تاجر سے کچھ جواہرات خریدے، جن کی قیمت ایک لاکھ پونڈ تھی شاہ نے ایک سال کے بعد قیمت دینے کا وعدہ کیا، تاجر نے سوء ادب سمجھا، کہ اس کے متعلق شاہ سے ضمانت طلب کرے، مگر اُس نے دوسرے طریقہ سے اپنی رقم محفوظ کر دی، یعنے اُس نے ایک بیمہ کی کمپنی سے شاہ کی زندگی اور اُسکی شاہی کا بیمہ کرا لیا۔

بہت سے لوگ عجیب و غریب جانوروں کو پالتے ہیں اور مختلف شہروں میں کھیل کرتے ہیں چونکہ یہ جانور اپنے اصلی ملکوں سے دور ہو جاتے ہیں، جہاں کی آب و ہوا شاذ و نادر ہی اُن کے مزاج کے موافق ہو سکتی ہے ہر وقت اُن کے بیمار رہنے اور مر جانے کا خطرہ لگا رہتا ہے اسلیئے انکی زندگی اور بیماری کا بھی بیمہ کرا لیا جاتا ہے ایک بازی گر نے اپنے بندر کا بیمہ پانچہزار گنی میں کرا دیا تھا، اور ایک شخص نے اپنے گھوڑوں کا بیمہ دس ہزار گنی میں کیا تھا

اس شرط پر کہ وہ تمام خطرات سے محفوظ ہے۔

لندن میں ایک تاجر مردہ فروش کرتا ہے، چونکہ لندن میں یہ دستور نہیں ہے کہ جس گھر میں کوئی مرگیا ہو وہ اپنے دروازہ پر کچھ نشان کردے، اسلیئے لبا اوقات یہ غلطی ہوجاتی تھی کہ اُس تاجر کے کارندہ غلطی سے کسی دوسرے مکان میں داخل ہوجاتے تھے، چونکہ اُن کا کام مردہ خریدنا ہوتا ہے اسلیئے بعض وقت اُن کے ساتھ کوئی نعش بھی ہوتی تھی، جب وہ نعش لیئے ہوئے غلطی سے کسی دوسرے گھر میں گھس جاتے تھے تو گھر والے مردہ کو دیکھکر ڈر جاتے، اور بعض نازک دل خواتین کے دل پر سخت صدمہ پہونچتا تھا جس کے متعلق انہوں نے کئی دفعہ دعوے کرکے رقم بھی وصول کرلی، آخر تاجر نے مجبور ہوکر اس غلطی کا بیمہ کرالیا،

لوئیڈ نامی ایک شخص کسی قہوہ خانہ کا مالک تھا اور اسکے قہوہ خانے میں اکثر بحری سپاہی آیا کرتے تھے، اور مے نوشی وغیرہ کرتے تھے، کبھی کبھی تجارتی جہازات کے غرق ہوجانے اور لاتعداد مال و دولت کے تلف ہوجانے کے واقعات بھی بیان کیا کرتے تھے رفتہ رفتہ نہایت معمولی طریقہ سے بیمہ کا آغاز ہوا لوگ اک معمولی رقم لیکر بیمہ کرنے لگے، لوئیڈ جہازوں کی خبریں لاتا تھا، اور کہدیتا تھا کہ یہ جہاز غرق ہوجائیگا، اور فلاں جہاز پر کوئی خطرہ نہیں ہے، اسمیں اُسکو اسقدر مہارت حاصل ہوگئی کہ مشکل ہی سے اُس کا خیال غلط ہوتا تھا۔ سنہ ۱۶۹۰ میں اُس نے ایک اخبار جاری کیا جس کا نام " اخبار لوئیڈ تھا" یہ اخبار اب تک زندہ ہے آج کل اُس کا نام فہرست لوئیڈ ہے۔

آج لوئیڈ دنیا کی سب سے بڑی بیمہ کرنے والی کمپنی ہے، جس کے ہاں بہت سے انجینیر، اور ڈاکٹر وغیرہ ملازم ہیں، اسی طرح بہت سے ماہرین فن جہاز سازی میں نوکر ہیں جب کوئی نیا جہاز تیار ہوتا ہے تو کمپنی کی طرف سے ایک نمائندہ جاتا ہے، اور اسکی حالت کو غور سے دیکھتا ہے، اس کے بعد جہاز والے اُس کا بیمہ کراتے ہیں۔

اڈیٹر

شعر منثور

(۱)

میں اور وہ باغ میں، رنگ و نکہت کی موجوں کے اندر تیر رہے تھے۔ وہ اسطرح جھکی جیسے کوئی نازک شاخ لچک جائے، اور گلاب کا ایک پھول توڑ لیا،

وہ اُس پھول کو سونگھتی رہی؛ شاید وہ اُسکی خوشبو کو اپنی نکہت میں ملا لینا چاہتی تھی: کہ وہ تو اُسی کی ہستی کی ایک جزو تھی؛ مگر میں نے دیکھا کہ پھول اُسکی سانسوں سے اور زیادہ رنگین ہو گیا، وہ اُس پھول کو اپنے مخملیں رخساروں سے چھو رہی تھی، شاید وہ اُسکی نرمی کو اپنی نزاکت میں ملا لینا چاہتی تھی، کہ وہ تو اُسی کی ہستی کا ایک جزو تھا، مگر میں نے دیکھا کہ اُسکے حریری لمس سے اس پھول کی نکہت و نرمی ذی روح ہو گئی!

اُسنے وہ پھول مجھے دیدیا۔ میں نے اُسے ایک خزینۂ حُسن سمجھ کر اپنے قلب کے متصل رکھ لیا۔

(۲)

میں اور وہ باغ میں، رنگ و نکہت کی موجوں کے اندر تیر رہے تھے، اُسکی آنکھیں انفعال بنکر جھپک گئیں، کہ وہ جس بات کی صراحت کرنا چاہتی تھیں، وہ وجود اپنے وسیع تر ہو جانے کے بھی اُنہیں نہ سما سکتی تھی؛ اُسکے ہونٹھ ارتعاش بنکر رہ گئے، کہ وہ جس بات کی شرح کرنا چاہتے تھے، وہ باوجود اپنے تمام شیوا بیانیوں کے بھی اسکو ادا نہ کر سکتے تھے؛ اُسکی آنکھوں میں اُسکی روح متمکن تھی، اُسکے ہونٹوں پر اُسکا دل لرز رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اُسکی آنکھیں کچھ نہ کہتی تھیں، اُسکے ہونٹھ کچھ نہ کہتے تھے، مگر وہاں خود اُسکی جان تھرتھرا رہی تھی۔

اُسنے اپنی محبت مجھے دیدی۔ میں نے اُسے ایک ہدیۂ لطیف سمجھ کر اپنے دل کے اندر رکھ لیا!

(۳)

آج اس پھول کی نکہت بے کیف ہے اور اُسکی رنگینی مضمحل، آج وہ میرے پاس نہیں ہے، اور میری محبت اُس کے دل میں افسردہ ہے، لیکن میرے پاس اُسکی محبت اسوقت بھی اس پھول میں نکہت و رنگینی پیدا کر رہی ہے، جو میرے دھڑکتے ہوئے دل کا سکون ہے۔

ل احمد

ادائے فرض

(۱)

ایک طرف شام اپنی تمام ممکن ملاحتوں اور شفقی رنگینیوں کے ساتھ، دوسری طرف آسمان اپنی تمام پاکیزہ زمردآگینیوں کے ساتھ، سرزمین دمشق میں ایک سحرکارانہ کیفیت پیدا کر رہا تھا، اور وہ موج نشاط جو غروب آفتاب کے بعد ہی ہوا کے پہلے ٹھنڈے جھونکے سے پیدا ہو جاتی ہے، اپنی پوری انبساط کے ساتھ چاروں طرف فضا میں کھیل رہی تھی

احمد کا محل جو نہایت سفید سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا تھا، ایک وسیع باغ کے اندر، آسمان کے سائیوں فضا میں جاذب قلب و نگاہ نظر آتا تھا، اور چاروں طرف کی فصیل پر بلند گلینوں سے پیدا ہونے والے گلاب اور چنبلی کے پھول سڑک پر چلنے والوں کو اسطرح نظر آتے تھے، جیسے شام و دمشق کی دراز قامت اور بلند بالا حسین لڑکیاں جھانک رہی ہوں فوارہ کے قطرات حوض کے پانی میں گر گر کر اک سیمیں آواز پیدا کر رہے تھے، اور نارنج و ترنج کے کنجوں کی خوشبو سے مست ہو ہو کر چڑیاں یکسر نغمہ و اہتزاز بنی ہوئی تھیں۔

اس شام کو آفتاب کی شعاعوں نے آسمان پر ایک صدف کے سے مختلف رنگ پیدا کر رکھے تھے، باغ پر اک سکون طاری تھا اور اگر کبھی کوئی آواز آتی بھی تھی تو فاختہ کی یا کسی کے ہلکے قدموں کی جو تاک کی جھاڑیوں میں ایک روش پر مصروف خرام تھا۔

سلمہ - جو احمد کی حرم سرا میں سب سے زیادہ حسین لڑکی تھی، اسوقت باغ میں محو گلگشت تھی، سپید ریشمی نقاب الٹ کر سر کے اوپر ڈال دیا گیا تھا، اور اسکے سرخ ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم، ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے نسیم گلاب کی پنکھڑی کو جنبش میں لے آئی ہو، جب اُسے کوئی حسین کلی یا پھول نظر آجاتا تو جھک کر اُسے توڑ لی اور سر و سینہ میں ٹکا اُس کے حسن کو اور دوبالا کر دیتی، وہ اسوقت بہت مسرور تھی ــ دمشق کا موسم بہار، سترہ سال کی نوجوانی اور پھر نشۂ محبت کی مستی - اُسے مسرور ہونا چاہیئے تھا، شباب و محبت کی وہ آگ جو اس کے خون کے ایک ایک قطرہ میں دوڑ گئی تھی - چہرہ میں شباب، اعضاء میں شوخی اور آنکھوں میں چمک بنی ہوئی دمک رہی تھی، وہ پھول توڑتی تھی اور گاتی جاتی تھی، گاتی تھی اور اس کے گیت کا ہر ہر بول جسم کی شوخی میں تبدیل ہوتا جاتا تھا - وہ شام کے اُس حصہ کی رہنے والی تھی، جہاں فطرت تقسیم حسن کے لحاظ سے اپنا دامن خالی کر چکی ہے اور جہاں کی ایک ایک لڑکی اپنی گرمی حسن سے دنیا میں آگ لگا سکتی ہے۔

اس کے جسم کا کھلا ہوا حصہ، آفتاب کی شعاعوں کو جذب کر کے ایک تابش زرین بن گیا تھا اور ملبوس میں چھپا رہنے

والا حصہ جب کھل جاتا تھا تو محسوس ہوتا تھا کہ جلد کے نیچے چاندنی مسکرا رہی ہے، اس کے بالوں کے ہلکے ہلکے گھونگر والے بال: گویا سیاہ ریشم کے لچھے تھے جو ابھی ابھی سلجھا کر چھوڑ دئیے گئے تھے۔ اسکی حسین آنکھوں کے سرخ سرخ ڈورے، معلوم ہوتا تھا کہ جوانی کی شراب کو کشید کر کے پلکوں سے ٹپکا دینا چاہتے ہیں۔ اسکی پیدائش، بیروت کے گرم و خشک پہاڑوں میں ہوئی تھی اور بہت کم سنی میں غنیمت کی صورت میں احمد کے پاس پہونچی تھی، جو دمشق کا نہایت دولتمند تاجر و زمیندار تھا۔

احمد ایک ترک سردار تھا اور وہ تمام صفات جو ایک ترک میں فطرتاً پائی جاتی ہیں، اسمیں بھی موجود تھیں وہ ان لوگوں کے ساتھ جو اس سے متعلق تھے حد درجہ لطف و نرمی سے پیش آتا تھا اور حبشی غلاموں سے لیکر خواتین حرم تک سب کے لیئے سراپا رحمت و شفقت تھا۔ کسی ترک کا حکومت کرنا گویا امن و سکون کا حکومت کرنا ہے، اسلیئے احمد کا قصر بھی اک تماشا گاہ مسرت و نشاط، اک جولا نگاہ فرحت و انبساط تھا۔ یوں تو ہر ترک فطرت کی طرف سے عطیہ حسن لیکر آیا تھا، لیکن احمد خصوصیت کے ساتھ بہت زیادہ حسین تھا۔ اور منجملہ اسکی دیگر خصوصیات کے جس کا ذکر ہر محفل و مجلس میں ہوتا تھا ایک خاص موضوع گفتگو اسکے ظاہری حسن و جمال کا بھی تھا۔

سلمہ ہر چند کہ ایک وحشی قبیلہ کی لڑکی تھی اور ابتدا سے اسکو وہ تربیت میسر نہیں آئی تھی جو ترک خواتین میں عام طور سے رائج ہے، اسلیئے وہ احمد کی حرم سرا میں آکر "مربیات حرم" کے سپرد کر دی گئی، اور انکی تربیت میں نشو و نما پانے لگی۔ حتیٰ کہ اب جبکہ اس کی عمر سترہ سال کی ہو چکی تھی وہ ایک ایسی مہذب و شائستہ لڑکی بنگئی تھی کہ مشکل سے احمد اپنے تئیں اسکے سحر سے بچا سکتا تھا۔ آخرکار اسنے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کے ساتھ شادی کر کے نہ صرف اپنی دولت بلکہ اپنی روح بھی اسکی سپردگی میں دیدیگا۔ ہر چند حرم کا ہر شخص اس حقیقت سے آشنا ہو چکا تھا اور سب کو یقین تھا کہ کسی نہ کسی دن احمد کے یہ مخفی جذبات بر روئے کار آنے والے ہیں۔ لیکن سلمہ ابھی تک اس سے بیخبر تھی اور وہ احمد کی بیوی، حرم سرا کی ملکہ بنجانے کو اتنی بڑی خوش بختی سمجھتی تھی کہ اگر کبھی اس کا خیال بھی آتا تھا تو فوراً مایوس سانس کے ساتھ اس خیال کو دور کر دیتی تھی۔ وہ ایک سنہری تیتری کی طرح فضائے گلشن میں نشو و نما پا کر ادھر ادھر آزادی سے پھرتی رہتی تھی، لیکن اس سے آگاہ نہ تھی کہ کنجوں کے اندر ایک ہات اسکو گرفتار کرنے کے لیئے بیتاب ہے۔

چاندنی رات تھی، اور سلمہ جس کے جذبات میں ہر طلوع ماہ کے ساتھ ناقابل ضبط ہیجان پیدا ہو جاتا تھا، اپنے شباب کی خواہشوں، اپنی جوانی کی تمناؤں سے مجبور ہو کر فصیل کے پاس ایک روش پر مضطربانہ ٹہل رہی تھی، کہ ایکنارنگی اس کے سینہ پر آکر لگی، اسنے گھبرا کر گردن اٹھائی تو دیکھا کہ نوجوان جو اپنی صورت کے لحاظ سے ایک فرشتہ معلوم ہوتا تھا، فصیل پر بیٹھا ہوا مسکرا رہا تھا۔ سلمہ ڈری اور چیخ مار کر بھاگنا چاہتی تھی کہ وہ نوجوان اترا اور دوزانو ہو کر اس کا ہات

اپنے ہاتھ میں لیا اور بولا "اے سلمہ، میں انسان ہوں اور اس زمانہ سے تیرا فریفتہ، جبکہ تو اول اول اس باغ میں تفریح کے لیئے آئی تھی۔ میں روز تجھے اس باغ میں مصروف خرام دیکھتا ہوں اور روز اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ تیرا خیال اپنے دل سے نکالدوں، لیکن میں کامیاب نہیں ہوا اور آخرکار مجبور ہوکر مجھے تیرے قدموں تک پہونچنا پڑا۔ اسمیں شک نہیں کہ تو حسن کی دیوی ہے اور دمشق کے سب سے بڑے دولتمند شخص کی حرم سرا میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ لیکن میں باوجود مفلس و غریب ہونے کے بھی تجھ پر ایک حق رکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں اسی بستی کا رہنے والا ہوں، جہاں تو پیدا ہوئی اور مجھے بھی اسی قوم کا ایک فرد ہونے کی عزت حاصل ہے، جس کا خون تیری رگوں میں دوڑ رہا ہے"

سلمہ جو اس سے قبل آگاہ نہ تھی کہ کسی مرد کا محبت بھرا ہات جسم سے مس ہوجانے کے بعد دل میں کیا کیفیت پیدا ہوسکتی ہے، جو اس حقیقت سے بالکل ناآشنا تھی کہ ایک مرد کا اظہار محبت کیونکر رگوں میں بجلی دوڑا سکتا ہے، مسحور سی ہوگئی اور دیر تک مخمورانہ کیفیت میں مبتلا رہی، اسکی حالت اسوقت ایسی تھی جیسے کوئی بھنور میں پھنس جائے اور گھبرا کر ہاتھ پانوں بے قابو ہوجائیں۔

اجنبی نوجوان دیر تک اظہار محبت کرتا رہا اور سلمہ خاموشی یا بے ہستی کے عالم میں اسے سنتی رہی شاید وہ ابھی کچھ دیر اور اس حالت میں مبتلا رہتی، لیکن صحن باغ کی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی اور وہ دفعتہً چونک پڑی۔ اسنے اپنا ہات اس کے ہات سے جدا کیا اور بولی کہ "تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ، کیونکہ تمھارا یہاں ٹھہرنا تمھارے لیئے موت ہے، اسنے جواب دیا کہ "اے سلمہ، صرف ایک لمحہ تجھکو دیکھ لینا ایک انسان کے لیئے اتنی طویل زندگی ہے کہ اس کے حصول کے بعد موت کا خطرہ ضعیف ہوجاتا ہے اور اسلیئے میں اب دنیا میں کسی چیز سے نہیں ڈر سکتا، مگر اسوقت سے کہ تو مجھے ٹھکرا دے، میری محبتوں کو رد کردے" سلمہ اس کا جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ محل سرا سے نوحہ و شیون کی آواز بلند ہوئی اور سلمہ سمجھ گئی کہ اس کے آقا کی بیوی جو عرصہ سے علیل تھی مرگئی ہے۔ وہ پھر گھبرا گئی، محلسرا کی طرف بھاگ جانے کے لیئے آمادہ ہوئی، لیکن اس نوجوان نے اس کا دامن پکڑ لیا اور چونکہ سلمہ کا جسم بالکل بے قابو تھا اس لیئے وہ اس کے آغوش میں گر پڑی اور اسطرح عشق کی پہلی منزل طے ہوگئی۔

(۳)

اس واقعہ کے پانچ دن بعد سلمہ حوض پر بیٹھی ہوئی فانوسی فاختاؤں سے کھیل رہی تھی اور اس نوجوان کی یاد جس کا نام مراد تھا اس کے دماغ کو مسحور کیئے ہوئے تھی، وہ سوچ رہی تھی کہ جب وعدہ کے مطابق، دو ہفتہ کے گذر جانے کے بعد وہ مجھے لینے آئیگا تو میں کیونکر نکل سکونگی۔ جس کاروان کے ساتھ وہ مجھے لیجانا چاہتا ہے، کیوں نہیں

اسی ہفتہ میں کوچ کرتا، میرے بھاگ جانے پر میرا مالک احمد کیا کہیگا۔ یقیناً میری ناشکری ہے کہ میں اسکو اس طرح چھوڑ کر چلی جاؤنگی، لیکن میں اسطرح کی زندگی جو باوجو تمام اسباب عیش و مسرت کے ویران و غیر آباد ہے کب تک بسر کیئے جاؤنگی۔ الغرض وہ اسی قسم کے مختلف خیالات میں مستغرق تھی کہ ایک کنیز آئی اور اسنے نہایت ادب سے دست لستہ عرض کی کہ "آقا نے یاد فرمایا ہے"

سلمہ کے لیئے یہ پہلا موقعہ تھا کہ احمد نے اُسے بلایا ہو، اسلیئے وہ اس غیر متوقع خبر سے چونک پڑی؛ اور اک عجیب قسم کا خوف وہراس لیئے ہوئے وہ کنیز کے پیچھے پیچھے ہولی، جب محلسرا کے اندر پہونچی تو احمد کے کمرہ کی طرف اس کی رہنمائی کردیگئی، **احمد** - فرش پر تکیہ لگائے نیلگوں زرکا قبا پہنے ہوئے مضمحل بیٹھا ہوا تھا، اور اس کے چہرہ سے ایک شاہانہ انداز پیدا تھا سلمہ جسکو اسوقت تک احمد کے روبرو آنے یا گفتگو کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ سامنے آتے ہی کانپ گئی اور فرط رعب سے مغلوب ہوکر سجدہ میں گر پڑی - احمد نے جلدی سے اُسے اٹھایا اور نہایت ہی شفقت کے ساتھ اسکو پاس بیٹھنے کی اجازت دی، سلمہ بیٹھی ہوئی تھی اور یہ محسوس کررہی تھی کہ احمد کی ہر نگاہ کے ساتھ تحلیل ہوئی جاتی ہے اور اس کا ضمیر ملامت کررہا تھا کہ کیوں اس نے مراد کے ساتھ جانے پر رضامندی ظاہر کرکے اپنے مالک کو دہوکہ دینے پر آمادگی ظاہر کی، اس کا فیروزی رنگ کا ریشمی ملبوس شانہ و گردن کے بلور و گلاب سے مل کر عجیب کیفیت پیدا کررہا تھا، چہرہ کا رنگ غیر معمولی طور پر رخساروں میں جمع ہوکر آگ بنا ہوا دہک رہا تھا اور احمد نہایت غور سے کام لیکر اُس کے جذبات سمجھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ تھوڑی دیر گزر جانے کے بعد احمد نے کہا "مجھے امید ہے کہ تمھیں میرے گھر میں کوئی تکلیف نہ پہونچی ہوگی"

سلمہ - "تکلیف! نہیں تکلیف تو مجھے کوئی نہیں ہوئی" وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی اور اضطراری طور پر اس کے منہ سے یہ الفاظ نکل رہے تھے۔ احمد نے اس سے کچھ گانے کی فرمائش کی، اور اُسنے عود لیکر اپنی کانپتی ہوئی آواز سے تھوڑی دیر تک ناکام سعی کی، احمد، اسوقت سلمہ کی اس حیا آمیز ادا سے اسدرجہ متاثر ہوا کہ بیتاب ہوکر اسنے اپنا ہات اس کے شانہ پر رکھدیا اور زیادہ قریب ہوکر اس کا مطالعہ کرنا چاہا، لیکن سلمہ جس کے دل میں اسوقت تک مراد کی محبت کی آگ روشن تھی جھجک کر علیحدہ ہوگئی، اور احمد کو چند لمحات کے لیئے متحیر کردیا، چونکہ وہ ایک لمحہ کے لیئے بھی یہ نہ خیال کرسکتا تھا کہ حرم سرا کی کوئی عورت اس سے احتراز و اجتناب کرسکتی ہے، اسلیئے اسنے خیال کیا کہ شاید وہ نکاح پر راضی نہیں ہے اور اسنے نہایت فراخدلی سے کہا کہ "سلمہ، ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ میں نے تمھیں یہاں اسلیئے نہیں بلایا ہے کہ تم کو محبت کرنے پر مجبور کروں، کیونکہ اس کا تعلق جبر و اکراہ سے نہیں ہے، چونکہ اب میں بالکل تنہا ہوں اور میرا جی چاہتا ہے کہ کوئی میری تنہائی کو دور کرے۔ اسلیئے میں نے تمہیں بلایا ہے - اگر تم مجھ پر اسقدر مہربانی روا نہیں رکھ سکتیں،

تو میں تمھیں مجبور نہ کرونگا۔ تم آزاد ہو۔"

یہ سننے کے بعد سلمہ اسقدر متاثر ہوئی کہ اس نے اپنا سارا راز ظاہر کر دینا چاہا، لیکن پھر اس خیال سے کہ احمد اتنی بڑی غلطی کو معاف نہ کریگا، اس نے ضبط کیا اور اس کا یہ ضبط گریۂ بے اختیار میں تبدیل ہو گیا۔

(۴)

ایک ہفتہ گذر چکا ہے اور سلمہ بالکل آزاد اپنے حال پر چھوڑ دی گئی ہے، نہ احمد نے اسے بلایا اور نہ مراد نے منہ دکھایا۔ اسکے لیئے اب دنیا بالکل ویران تھی اور کسی تفریح میں اسکا جی نہ لگتا تھا، رات کو آسمان کا ایک ایک تارا جو اس سے قبل اس سے گفتگو کرتا ہوا معلوم ہوتا تھا، اب اسے برہم نظر آتا تھا، باغ میں بلبل کا لحن جو اس سے پہلے اس کے اندر ایک لذت پیدا کرتا تھا، اب اسکو صرف ایک کراہ معلوم ہوتا تھا، محل کی فضا جو پہلے اسکے لیئے نشاط گاہ کا حکم رکھتی تھی، اب اسکو ماتم کدہ دکھائی دیتی تھی غرضکہ وہ ہر چیز کو اپنے سے متنفر دیکھتی تھی، اور دمشق کا ایک ایک ذرہ اُسے دیوانہ بنائے دیتا تھا، کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ اسنے احمد کی محبت کو رد کرکے ایسا معمولی گناہ نہیں کیا ہے جسکو فطرت معاف کر دیگی۔

ایک شام جب کہ افق کا قرمزی رنگ ہلکا ہو چلا تھا اس کے مقابل پورا چاند اپنا سوگوار چہرہ لیکر نمودار ہوا، سلمہ بیتاب ہو گئی اور اسنے فیصلہ کر لیا کہ اس زندگی سے مرجانا بہتر ہے، کیونکہ اگر وہ احمد کو چھوڑ کر مراد کے ساتھ چلی گئی تو بھی اسکا ضمیر چین سے نہ بیٹھنے دیگا، اسلیئے وہ فرش پر گر کر رونے لگی اور بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا کہ "اے خدا مجھے اٹھا لے کیونکہ میں اپنے مالک و آقا کی برہمی کو برداشت نہیں کر سکتی۔"

ایک کنیز جو باہر پردہ کے پاس بیٹھی ہوئی سُن رہی تھی، فوراً اُٹھکر احمد کے پاس گئی اور اس سے سارا حال بیان کر دیا۔

(۵)

تمام حرم سرا میں ہر جگہ چہل پہل نظر آ رہی ہے، ذرہ ذرہ سے مسرت و نشاط پیدا ہے، کیونکہ سلمہ آج دولہن بنائی جا رہی ہے۔ وہ گلاب سے نہلائی گئی۔ صحرائے شام کے جنگلی خوشبودار پھولوں سے اس کے بال سنوارے گئے، زرکار لباس سے اُسے آراستہ کیا گیا اور ایک کنیز عطریات لینے کے لیئے بازار دوڑی گئی۔

لیکن عین اُسوقت جب کہ وہ کنیز، عطار سے احمد اور سلمہ کے باہم نکاح کا قصہ بیان کر رہی تھی، مراد بھی کسی غرض سے اُسکی دوکان پر آیا تھا اور یہ حال سنتے ہی غائب ہو گیا۔

سلمہ ایک منور کمرہ میں سونے کی زنجیر گلے میں ڈالے، آئینہ دیکھ رہی تھی، اسکے سیاہ بالوں میں ذرات افشاں، تاریک رات کے ستاروں کی طرح چمک رہے تھے، ابرو کا وسمہ اس کے گورے گورے رنگ میں ان تلواروں کے خم کو

پوری طرح نمایاں کررہا تھا، وہ پوری طرح آراستہ ہوچکی تھی، اور صرف کنیز کا انتظار کررہی تھی کہ عطر گلاب لاکر اسکے جسم میں ملادے۔ کہ وہ کنیز بھی آگئی اور سلمہ خوابگاہ عروسی کی طرف لیجائی گئی

(۶)

احمد کا کمرہ روشنی سے جگمگا رہا تھا اور چاند کی روشنی نے اسے سیلاب نور سے لبریز کردیا تھا، کھڑکیاں جن پر ہر وقت پردہ پڑا رہتا تھا، اسوقت ہوا آنے کے لیئے کھولدی گئی تھیں۔ گلاب و یاسمین کے خوشبو نیچے باغ سے آآکر سارے مکان کو معطر بنائے ہوئے تھی اور احمد فرش پر تکیہ کے سہارے سے خاموش بیٹھا ہوا نظر آرہا تھا۔

سلمہ۔ آہستہ آہستہ شرمائے ہوئے قدموں کے ساتھ اسکی طرف بڑھ رہی تھی اور منتظر تھی کہ وہ اسکی پذیرائی کے لیئے اُٹھ کھڑا ہوگا، لیکن احمد نے بالکل پروا نہ کی اور وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔ چونکہ روشنی بہت تیز تھی اور اُسے احمد کی صورت اچھی طرح نظر نہ آتی تھی، اسلیئے سلمہ نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ کرلیا اور پھر آہستہ آہستہ بڑھی۔ وہ قریب پہونچگئی، اور اسنے جھک کر اس کے قدموں کو بوسہ دیا، لیکن پھر بھی اس میں حرکت نہ پیدا ہوئی۔

احمد کا چہرہ اسوقت ایسا نظر آتا تھا جیسے کسی پتھر میں تراشا گیا ہے اور اس کا رنگ بالکل نچوڑ دیا گیا ہے اسکی کھلی ہوئی آنکھیں سلمہ کی طرف جمی ہوئی تھیں اور اسی حال پر قائم تھیں، وہ اسکے قدموں میں تھی، لیکن اس کا شوہر اسکی طرف سے بے نیاز تھا اور کسی تمنا کا اظہار نہ کرتا تھا۔ سلمہ متحیرانہ طریقہ سے اسے دیکھ رہی تھی کہ اسکی نگاہ سینہ پر پڑی جہاں ایک سرخ دھبہ نظر آرہا تھا اور نیچے فرش پر خون بہ بہ کر جم گیا تھا، زیادہ غور کرنے سے اسنے اس خنجر کو بھی دیکھ لیا جو اس کے سینہ میں پیوست تھا اور پھر بیہوش ہوکر وہیں گر پڑی۔

(۷)

سلمہ۔ "مراد، تم یہاں کیسے آئے اور کیوں؟"

مراد۔ "میں ان کھڑکیوں سے چڑھکر یہاں آیا تاکہ تمہیں لیجاؤں اور اس شخص کو ہلاک کردوں، جو تمکو چھین لینا چاہتا تھا۔"

سلمہ۔ "شاباش، مرد ایسا ہی کیا کرتے ہیں اور میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیئے آمادہ ہوں، لیکن چونکہ احمد نے میرے ساتھ بہت سے احسانات کئے ہیں، اسلیئے مجھے اتنی اجازت دو کہ ایک بار قریب سے اسکی لاش کو اور دیکھ لوں۔

مراد۔ "اجازت ہے، لیکن جلدی کرو، مبادا کوئی آجائے اور پھر ہم تم دونوں مار ڈالے جائیں۔"

مراد نے یہ کہکر دروازہ کی طرف منہ پھیرا ہی تھا کہ وہی خنجر جو احمد کے سینہ میں پیوست تھا، اب مراد کی پشت سے گذر کر اسکے دل کا خون پی رہا تھا اور سلمہ ایک بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اسکے تڑپنے کا تماشہ دیکھ رہی تھی۔

قمر

شہر بابل

اولادِ سام کی زبان میں شہر بابل کا اصل نام باب ایلی تھا جس کے معنی ہیں "دیوتاؤں کا دروازہ" بعض کتبوں میں باب ایلو یعنی خدا کا دروازہ بھی لکھا ہے، اس سے قدیم تر نام اسکا تورانی قوم کی زبان میں جو خطۂ شومیر میں آباد تھی (جنوبی مشرقی حصہ بابل جو خلیج فارس کے گرد اور اسکی جانب واقع تھا) کادِنگرا یا کانیمیررا تھا اور اُسکے معنی بھی وہی ہیں۔ اہل اکد (یعنے وہ لوگ جو شمالی مشرقی حصہ بابل میں آباد تھے) کی زبان میں تن ترکی تھا جس کے معنی "مقام حیات" کے ہیں۔ توریت کے باب ۱۱۔ آیت ۲ سے واضح ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد نے طوفان سے ایک مدت بعد جانب مشرق سفر کیا اور جب ملک شنعار کے وسیع میدان میں پہونچی تو وہاں آباد ہوگئی۔ چنانچہ انھوں نے بموجب توریت سنہ ۲۲۴۷ قبل مسیح شہر بابل آباد کیا اور نوح علیہ السلام کے پرپوتے نمرود نے سنہ ۲۰۰۰ قبل مسیح اُسکو رونق اور وسعت دی پادری نیوٹن براؤن کا قول ہے کہ سنہ ۱۲۰۰ قبل مسیح ملک اسیریا کی مشہور شاہزادی سیمی رامس نے از سرنو اسکی تعمیر کی۔ بادشاہ بابل نبوپولیسر نے سنہ ۶۲۵-۶۰۴ قبل مسیح اور اس کے لڑکے بخت نصر ثانی نے سنہ ۶۰۴-۵۶۱ قبل مسیح اسکو نہایت مستحکم وخوبصورت بنا کر رشک ارم کردیا تھا۔ شہر بابل کی قدامت کے متعلق اصل میں یہودیوں کو مغالطہ ہوا۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ ملک شنعار (ملک بابل) میں اولاد نوح کے پہونچنے سے بہت پہلے بنی آدم وہاں آباد تھے وہ لوگ حقیقت میں تورانی قوم کی ایک شاخ تھے جو مدت مدید سے خطہ شومیر میں آباد ہونے کے باعث اہل شومیر کے نام سے مشہور ہوگئے تھے، اہل شومیر کے اعتقاد کے موافق شہر بابل کا وجود پیدائش عالم کے ساتھ اور پیدائش انسان سے قبل ہوا تھا۔ بہرحال شہر بابل کی قدامت میں کچھ شک نہیں اگرچہ بادشاہ حامورابی (ہمعصر حضرت ابراہیم خلیل اللہ) سے پیشتر کے اکثر تاریخی واقعات ہنوز پنہاں ہیں، لیکن اسمیں شک نہیں کہ اس نے عہد عتیق ہی میں اپنی فوجی قوت، تعجب خیز بلند میناروں، عالیشان مندروں، نہروں اور کرشمہ ہائے نجوم و ریاضی سے دنیا پر ایسا سکہ بٹھایا تھا۔ کہ آج تک اُسکے متعلق مبالغہ آمیز روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ گو خاندان سلیوسڈ اور شاہان پارتھیا کے عہد میں شہر بابل کی ہستی رفتہ رفتہ مٹ گئی تھی، لیکن اسکا نام قائم رکھنے کے واسطے اُسکے قدیم شہرت کافی ثابت ہوئی اور عام روایتوں کی بنا پر اسکا اصلی موقع باشندگان گردونواح کے دلوں پر منقوش رہا۔ یہ بیان ہوچکا ہے کہ قدیم نام اُسکا باب ایلی تھا اور فی زمانہ وہ ٹیلہ جو گویا مدفن شہر ہے اور بالکل شمال میں واقع ہے بابل کے نام سے مشہور ہے۔ عام روایت

کی رو سے بخت نصر ثانی کا قلعہ آج تک اُسی کے نام سے منسوب ہے، جسکو عرب قصر بخت نصر یا القصر کہتے ہیں۔

بارہویں صدی عیسوی میں جبکہ ایک یہودی رہبان بنجامن (ساکن ٹیوڈیلہ ضلع نوار) شہر بغداد میں وارد ہوا تو اُس سے وہاں کے یہودیوں نے بیان کیا کہ مقام حلہ کے آس پاس کھنڈروں میں اب بھی بادشاہ بخت نصر کا محل اُس گلخن کے قریب پایا جاتا ہے، جسمیں حنانیا۔ مشائیل اور ازاریہ ڈالدیئے گئے تھے،

مسٹر راجرز کا قول ہے کہ رہبان مذکور کے بیان سے ثابت ہے کہ اسکا اودھر کبھی گذر ہوا ہی نہیں اور جسقدر حالات اسنے قلمبند کیئے ہیں وہ سنی سنائی روایتوں پر مبنی ہیں۔

بہر حال بنجامن مذکور کو مغالطہ ہوا کہ بیرس نمرود کو مینار بابل سمجھا، اُس کا بیان ہے کہ بجلی کے صدمہ سے مینار مذکور بنیاد تک شق ہوگیا ہے، دراصل مندر بورسپ بابل کی جو البیرس یا بیرس نمرود میں واقع ہے اسکی ایسی ہی صورت ہے۔

سولہویں صدی عیسوی میں ایک انگریز سوداگر جان الڈرڈ کا تین دفعہ شہر بغداد میں گذر ہوا جس کا اُس نے جدید بابل کے نام سے ذکر کیا ہے۔ اسکا بیان ہے کہ تیسری مرتبہ جب وہ حلب سے سوار ہوکر مقام فلوجہ پہونچا، تو بغداد جانے کے لیئے بجائے اونٹوں کے گدہے کرایہ کیئے۔ حسب معمول اُس کا گذر اُس مقام پر ہوا جہاں کسی زمانہ میں عظیم شہر بابل آباد تھا، جس کے متعدد کھنڈر دور دور تک اُس بیابان میں پھیلے ہوئے نظر آتے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ "اکثر مینے فرصت کے وقت انکی سیر کی ہے"،

سنہ ۱۵۹۹-۱۶۰۰ء میں انٹی شرلی کا اودھر سے گذر ہوا اور کچھ زمانہ کے بعد (سنہ ۱۶۱۶ء میں) پیٹرو ڈیلاوال وہاں پہونچا اُسنے قدرے صحت کے ساتھ مینار بابل کی تحقیق کی اور مینار بابل کا مقام اُس ٹیلہ کو قرار دیا جہاں شہر بابل واقع تھا اور جہاں سے چند روغنی چوکے بخت نصر ثانی کے عہد کے (جنپر بادشاہ مذکور کا نام لکھا ہوا تھا) روم (اٹلی) لے گیا غالباً یہ

بعد فتح بیت المقدس سنہ ۶۰۶ قبل مسیح یہ تینوں شاہزادہ بخت نصر ثانی کے سامنے قید ہوکر آئے۔ اس نے اور قیدیوں کے ساتھ انکو بھی بابل بھیجدیا۔ لیکن بعد تعلیم و تربیت بادشاہ مذکور نے اپنی روبکاری میں متعین کیا، حنانیا کا نام تبدیل ہوکر سدراخ۔ ازاریہ کا نام عبید نیگو اور مشائیل کا نام میشاخ ہوگیا، جب بخت نصر ثانی نے ساٹھ کیوبٹ کا طلائی بت رکھکر حکم دیا کہ ہر فرد و بشر اسکی پرستش کرے تو ان تینوں نے انکار کر دیا۔ آخر کار بقول یہود وہ گلخن میں ڈالدیئے گئے لیکن آگ نے اُن پر کچھ اثر نہیں۔ بخت نصر نے متعجب ہوکر حکم دیا کہ کوئی شخص اُسدن سے یہود کے خدا کو برا نہ کہے ورنہ گردن ماری جائیگی۔

(کتاب حضرت دانیال ۱-۱۱ و ۳-۴)

آثار قدیمہ کا سب سے پہلا مجموعہ تھا جو ملک بابل سے یورپ پہونچا۔ مسٹر رِش نے ۱۸۱۱ء میں مسٹر لے یارڈ نے ۱۸۵۰ء میں، مسٹر اوپرٹ نے ۱۸۲۵-۴۵ء میں اور ہرمز رسیم نے ۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۹ء میں شہر بابل کے مختلف کھنڈروں کو کھودا لیکن تحقیقات کچھ زیادہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر کالڈیوی نے ۱۸۸۷ء اور ۱۸۸۹ء میں قصر بختنصر کے مشرقی حصہ سے کچھ روغنی چوکے نکال کر جرمنی روانہ کئے جنکو معتمد عجائب خانہ شاہی ڈاکٹر ریچرڈ شون نے نہایت وقعت کی نظر سے دیکھا اور ۱۸۹۹ء میں زیر نگرانی ڈاکٹر کالڈیوی باقاعدہ تحقیقات شروع کی جو سولہ سال مسلسل جاری رہی۔ ڈاکٹر مذکور کا بیان ہے کہ سیناحیرب بادشاہ اسیریا نے اپنے کتبہ میں شہر بابل کی تباہی کے متعلق مبالغہ نہیں کیا تھا۔ بادشاہ مذکور کا بیان ہے "جب میں اہل بابل کی متواتر یورش اور غدر سے عاجز ہوگیا تو میں نے دیگر شہروں کی رعایا کو عبرت دلانے کی غرض سے بابل کی تمام عمارتیں مسمار کردیں دریا کا بند توڑدیا اور شہر کو غرقاب کرکے اُس کا نام ونشان مٹادیا" یہ عبرتناک واقعہ ۶۸۹ء قبل مسیح ظہور میں آیا۔

اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اُس شہر بابل کا حال قلمبند کرتے ہیں جو حقیقت میں بادشاہ نیبوپلسیر کا تعمیر کردہ تھا لیکن جسکو وسعت اور رونق دیکر اُسکے بیٹے بختنصر ثانی نے غیرت بہشت بنادیا تھا

مشہور سیاح وقدیم یونانی مورخ ہراڈوٹس وحکیم ٹی سیاس نے بابل کے متعلق جو حالات لکھے ہیں وہ قابل وقعت ہیں۔ اول الذکر نے شہر بابل کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا اور اسکی خوب سیر کی تھی اور آخر الذکر شاہ ایران داراب ثانی کا طبیب تھا اکثر اسکو بابل کی سیر کا اتفاق ہوتا تھا۔ لیکن باوجود اسکے انکے بیانات متعلق عرض وطول شہر ومکانات وغیرہ مبالغہ آمیز ہیں جسکی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اُس قدیم زمانہ میں تحقیق حال کی طرف میلان طبع کم تھا اور روایتوں پر بالکد و کاوش زیادہ اعتماد کرلیا جاتا تھا۔

دوران تحقیقات میں زیادہ توجہ اُس ٹیلہ کی طرف مبذول کی گئی جو قصر کے نام سے مشہور تھا اور ہے، دراصل یہاں کسی زمانہ میں بادشاہ نیبوپلسیر کا محل تھا جسکو اُسکے لڑکے بختنصر ثانی نے وسعت ورونق دی تھی ہراڈوٹس کا قول ہے کہ رونق وعظمت اور شان وشوکت میں دنیا کا کوئی شہر اسکا ثانی نہ تھا۔

شہر بابل ایک مربع قطع پر واقع تھا، اسکا دور ۵۳ میل تھا۔ اُسکی فصیل، ۸۰ فٹ چوڑی اور ۳۵۰ فٹ بلند تھی، یہ فصیل دنیا کے ہفت عجائبات میں شمار کی گئی ہے،

تمام شہر کے گرد عمیق اور چوڑی خندق تھی جو دریائے فرات کے پانی سے لبریز رہتی تھی۔ اس کا فرش خندق کی مٹی سے بنائی ہوئی پختہ اینٹ کے ٹھیکرے کا تھا جسمیں چونہ کی جگہ قیر کو گرم گرم استعمال کیا تھا خندق کی مٹی سے اینٹیں پکاکر فصیل

شہر تعمیر کیا گیا تھی جسکے کناروں پر جابجا آمنے سامنے برج اور سپاہیوں کے واسطے حجرے بنے ہوئے تھے، حجروں کے درمیان اسقدر جگہ چھوڑی گئی تھی کہ ایک چوکڑی آسانی سے گھوم سکے، اسکی چنائی بھی پتھر اور چونہ کے بجائے خشت و قیر سے کیگئی تھی، اور ہر تیس ردوں کے بعد ایک تہ نرسل کی دیکر پہلوؤں کو مضبوط کیا گیا تھا، اس فصیل میں ایک سو عالیشان دروازے بنے ہوئے تھے جن سے شہر میں داخل ہوتے تھے، اور ان کے کواڑ اور چوکھٹ پیتل کے تھے، ان کواڑوں کا ذکر یسعیاہ پیغمبر یعنے اشعیا علیہ السلام نے اپنی کتاب کے چودھویں باب میں کیا ہے۔ اصل میں شہر بابل کی دوہری فصیل تھی۔ ایک شالخو یعنے فصیل بیرونی جو نہایت مستحکم اور نی مت تی بعل کے نام سے موسوم تھی جس کے معنی ہیں "دیوتا بعل میری بنیاد ہے" دوسری فصیل اندرونی دورو کہلاتی تھی جس کا لقب اگر بعل تھا یعنے دیوتا بعل کا کرم ہے۔ استحکام میں یہ بھی بیرونی فصیل سے کچھ کم نہ تھی، شہر کے ہر کوچہ میں ایک مستحکم قلعہ بنا ہوا تھا۔ دریائے فرات وسط شہر میں موجزن تھا، جسکے کناروں پر دورویہ بلند دیواریں کھینچی ہوئی تھیں، ان میں چھوٹے چھوٹے دروازے دریا کی طرف کھلے ہوئے تھے، گھاٹ کی سیڑھیاں سطح آب کے نیچے تک تعمیر کی گئی تھیں، ہر دو عالیشان دروازوں کے وسط میں تین برج فصیل سے دس فٹ بلند محافظین شہر کے لیئے اور چاروں کونوں پر بڑے بڑے گنبد نہایت خوبصورت و خوشنما بنے ہوئے تھے، کل برج تعداد میں دو سو پچاس تھے۔

ہراڈوٹس کا بیان ہے کہ شہر پناہ کی ہر دیوار طول میں ایکسو بیس اسٹیڈیا تھی اور چونکہ شہر ایک مربع قطع پر واقع تھا لہذا چاروں دیواروں کے طول کا مجموعہ چار سو اسی اسٹیڈیا یا ۵۳ میل انگریزی ہوا۔ لیکن حکیم ٹی سیاس کا بیان ہے کہ ہر دیوار کا طول اسٹیڈیا تھا جسکی رو سے شہر کا دور چالیس میل انگریزی سے کچھ زائد تھا۔

ڈاکٹر کالڈیوی کا خیال ہے کہ شہر پناہ کا اسقدر طویل ہونا کچھ تعجب خیز نہیں ہے کیونکہ ہم کو علم ہے کہ چین کی مشہور دیوار پندرہ سو میل ہے، ڈاکٹر کنگ اس تمثیل کی تردید میں بیان کرتے ہیں کہ چین کی دیوار دراصل مملکت چین کی سرحد ہے، شہر پناہ نہیں۔ اگر مقابلہ کیا جائے تو شہر ننکن واقع چین سے جسکی فصیل کا دور چوبیس میل سے کم ہے ڈاکٹر اوپرٹ نے ہراڈوٹس کی پیمائش کی تائید کی ہے، ڈاکٹر موصوف نے اپنے مرتبہ نقشہ میں فصیل کو شہر بابل سے بیرسس نمرود تک دکھایا ہے اور فصیل کا یہ سلسلہ ہر کھنڈر اور ٹیلہ کے کھودنے سے برآمد ہوا ہے۔ قریہ سنجار کے متصل کچھ فصیلوں کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ولیباش نے ان کو بھی اپنے مرتبہ نقشہ شہر بابل میں دکھایا

(۱) ایک اسٹیڈیا برابر ہے ۶۰۶ فٹ اور ۹ انچ انگریزی کے

مگر اُن کے شامل کرنے سے مغربی حصہ شہر مشرقی حصہ سے بہت چھوٹا ہوگیا ہے چونکہ ہر مورخ کے نقشہ میں اختلاف ہو لہٰذا سب کا اسپر اتفاق ہوگیا ہو کہ کوئی قطعی رائے فصیل کے طول کی نسبت اُسوقت تک قائم نہیں کی جاسکتی جب تک کہ خاص توجہ کے ساتھ اُسکی کامل تحقیقات نہ کیجائے۔

شہر بابل

ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ شہر بابل ایک مربع قطع پر واقع تھا، انگریزی میلوں سے ۵۲ میل میں اسکا دور تھا، شہر پناہ کی ہر دیوار میں پچیس دروازے تھے، شہر کے مربع کلاں میں ۲۵ بازار تھے اور ہر ایک دوسرے کو اسطرح قطع کرتا تھا کہ تمام شہر چھ سو چھیتر مربعوں میں تقسیم ہوگیا تھا، ہر بازار ایک دروازہ سے شروع ہوکر اپنے مقابل کے دروازہ پر ختم ہوتا تھا، اسطرح چوبڑے پچاس بازار بن گئے تھے اور اُن کی درمیانی زمین میں پائین باغ لگے ہوئے تھے، شارع عام کی تعداد پچاس تھی جو ایک دوسرے کو زاویہ قائمہ میں قطع کرتے تھے، ہر بازار کا طول پندرہ میل کا اور ہر مربع کا دور دو میل کا تھا، چار سڑکیں فصیل کے متصل دو سو فیٹ عرض میں تھیں اور باقی ایک سو پچاس فیٹ چوڑی تھیں۔ ان کے علاوہ اور چھوٹے چھوٹے بازار تھے، اسلیے شہر ۶۷۶ مربعوں پر تقسیم ہوگیا تھا جس کا ہر ضلع طول میں کم و بیش آٹھ سو اسی گز تھا، ان چھ سو چھیتر مربعوں میں تین تین چار چار منزل کے مکان تعمیر کیے گئے تھے، اور بقول کرٹیس درمیانی نصف حصہ باغوں اور سیرگاہوں کے لیے مخصوص تھا

قدیم حصہ شہر دریا کے داہنے کنارہ پر اور جدید شہر تعمیر کردہ بخت نصر ثانی بائیں کنارہ پر آباد تھا۔ بیچ میں دریائے فرات موجزن تھا جسپر بخت نصر ثانی نے رعایا کے آرام کی غرض سے پل تعمیر کیا تھا، بادشاہ جاموراپی نیز اُسکے جانشینوں کے زمانہ میں دریا کو کشتی کے ذریعہ سے عبور کیا جاتا تھا لیکن بادشاہ بخت نصر ثانی نے اُسپر بائیس گز طویل اور دس گز عریض ایک ایسا پل بنایا تھا جو شب کو بند اور دن کو کھول دیا جاتا تھا، دریائے فرات کو ایسی خوبی کے ساتھ قابو میں کیا گیا تھا کہ پل بناتے وقت اُس کا پانی نہ تک نکال کر خشک کر دیا گیا تھا تاکہ کاریگر آہستہ کے وزنی اور بڑے بڑے پتھر گڑھ کر بآسانی لوہے کے پتھروں سے جڑ کر اُنھیں سیسہ پلا دیں اور کنارے کنارے سرتاسر اعلیٰ قسم کے گھاٹ پختہ اینٹوں سے تعمیر کرسکیں۔

سخنوران عالم ہمیشہ شہر بابل کی رونق و جلال۔ عظمت و کمال میں رطب اللسان رہے ہیں مگر افسوس کہ اب اس جگہ صرف پتھر اور مٹی کے ڈھیر نظر آتے ہیں

دریائے فرات جو کبھی اسمیں موجیں مارتا تھا اس پریشان حالی میں اسکا ساتھ نہ دے سکا اور اپنا راستہ بدل کر جدا ہوگیا ایک وہ زمانہ تھا کہ مال و اسباب سے لدے پھندے خوبصورت جہاز یہاں آکر لنگر انداز ہوتے تھے یا اب کوسوں پانی

نظر نہیں آیا۔

کیانی شاہ ایران کے عہد میں شہر بابل کچھ زیادہ بے رونق و زوال پذیر حالت میں نہ تھا بلکہ دارا ب ثانی نے سنگ مرمر کی ایک خوشنا عمارت قصر میں تعمیر کرکے اپنی یادگار چھوڑی تھی

مورخ کرمیٹس کا قول ہے کہ سکندر اعظم کے زمانہ میں شہر بابل کی آبادی صرف گیارہ میل میں رہگئی تھی باقی حصہ پر زراعت ہونے لگی تھی، سکندر اعظم نے شہر کی صفائی کے واسطے دس ہزار مزدور مقرر کئے تھے اور اُسکو دوبارہ معمور کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر عمر نے وفا نہیں کی۔

سکندر اعظم کی وفات کے بعد شہر بابل بالکل تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ ۲۹۴ سنہ قبل مسیح سلیوکس نائی کیٹر بادشاہ نے شہر بابل کے متصل دوسرا شہر سلیوسی کے نام سے بنایا اور شہر بابل کے باشندوں سے زیادہ تر اُسکو آباد کیا نیز عہد پارتھیا میں اُسکو نہایت بے وقعتی رہی جو اُسکی تباہی کا اور زیادہ باعث ہوا

شہر بابل کے زوال اور تباہی کے متعلق مورخ ڈائڈورس سائکیوس نے سنہ ۴۲ ق.م میں اسٹربو نے سنہ ۳۰ ق.م میں پاسانیاس نے سنہ ۱۵۰ء میں اور بقول یوسی بیس، سکیسی مس ٹائرس اور کانسٹنٹائن اعظم نے سنہ ۳۲۵ء میں اسکی تباہی اور بربادی کی شہادت دی ہے، انتہائی تباہی و بربادی کے متعلق آخر بیان مورخ جروم کا ہے جو لکھتا ہے کہ: سنہ ۳۸۰ء میں شاہان ایران نے بابل کی دوہری فصیل کے سالم حصوں میں شکار کھیلنے کے لیئے وحوش اور درندے پالے تھے۔"

آن قصر کہ بہرام در و جام گرفت
روبہ بچہ کرد و شیر آرام گرفت

(باقی)

محمد حامد (دہلوی)

"جذبات بھاشا"

ناطان

(بسلسلۂ گزشتہ)

دوسرا سین

حافی، صلاح الدین، اور ستّہ

حافی۔ غالباً مصر سے روپیہ آچکا ہے، اور صحیح سلامت پہونچ چکا ہے!

صلاح الدین۔ کیا تمھیں اسکی خبر مل چکی ہے؟

حافی۔ مجھے؟ جی نہیں، مجھے خبر نہیں۔ میرا خیال تھا کہ آگیا ہوگا، اور اسی واسطے حضور نے مجھے یاد فرمایا ہے۔

صلاح الدین۔ بہرحال تم ستّہ کو ایک ہزار دینار ادا کردو۔

[کچھ متفکر ہوکر ادہر اُدہر ٹہلنے لگتا ہے۔

حافی۔ حضور، ادا کروں یا وصول؟ یہ تو کچھ نہ لینے سے بھی بدتر ہوا۔ —— اور ستّہ کو؟ —— ستّہ کو کس لیئے؟ پھر شکست ہوئی؟ —— اب کے پھر شطرنج میں ہار گئے؟ —— اخاہ! بساط تو یہیں رکھی ہے۔

ستّہ۔ تمھیں مجھ سے حسد ہوتا ہے، کیوں؟

حافی۔ (بساط کو غور سے دیکھ کر) کیا فرمایا، حسد ہی؟ حالانکہ —— آپ کو خوب معلوم ہو کہ......

ستّہ۔ (اشارہ کرکے) ہونہ —— حافی —— ہونہ!

حافی۔ (بساط کو اچھی طرح دیکھ کے) آپ کو خود ہی حسد ہے سرکار!

ستّہ۔ حافی، بہشت!

حافی۔ (ستّہ سے) یہ سفید مُہرے آپ کے تھے؟ آپ ہی نے شہ دی تھی؟

ستّہ۔ (علیحدہ) شکر ہے بھائی نے نہیں سُنا۔

حافی۔ یہ ان کی چال ہے؟

ستّہ۔ (حافی کے قریب ہوکر) ان سے کہہ دو کہ مجھے روپیہ ادا کیا جا سکتا ہے۔

حافی۔ (بساط پر جھکے ہوئے) جی ہاں، جیسا آپ ہمیشہ لیا کرتی ہیں اب کے بھی مل جائیگا۔

ستّہ۔ کیا واہیات۔ دیوانے ہوئے ہو کیا؟

حافی۔ ابھی کھیل ختم تھوڑا ہی ہوا ہے۔ حضور، آپ تو اب بھی جیت سکتے ہیں!

صلاح الدین۔ (لاپروائی سے) خیر، خیر! تم روپیہ دیدو۔ دے دو۔

حافی۔ دے دوں، حضور؟ دے دوں؟ حضور

کافرزین تو یہ رکھا ہے!

صلاح الدین۔ (اُسی طرح) ارے میاں اس کا شمار نہیں ہوتا۔ اس کی چال ہی نہیں ہے۔

ستّہ (علیحدہ، حافی سے) بس رہنے دو، تم کہہ دو کہ میں روپیہ منگا سکتی ہوں۔

حافی۔ (بساط کے معائنہ میں غرق) جی سرکار، بجا ہے۔ ہمیشہ یوں ہی ہوتا ہے۔ ـــــ فرزین کی چال نہ سہی۔ وہ پٹ ہی گیا سہی۔ پھر بھی تو کسی طرح مات نہیں ہے!

صلاح الدین (آگے بڑھ کے، اور بساط کو زمین پر پٹخ کے) ہاں مجھے، مات ہے، میں یوں ہی چلتا ہوں، بس!

حافی۔ بہت خوب! ـــــ حضور کا کھیل اور شرط کا ادا کرنا دونوں ماشاء اللہ ایک ہی سے ہیں

صلاح الدین۔ (ستّہ سے) یہ کیا کہہ رہا ہے! کیا بک رہا ہے؟

ستّہ۔ (بار بار حافی کو اشارہ کرکے) بھائی تم تو اسے خوب جانتے ہو، بس یوں ہی ناحق بھڑک اٹھتا ہے۔ کچھ وصول کرنا چاہتا ہے۔ جل مرنا تو وہ ہے ہی۔

صلاح الدین۔ تم سے جلتا ہے؟ نہیں بہن تم سے نہیں جلتا ہوگا۔ حافی! میں یہ کیا سن رہا ہوں؟ تم اور حاسد؟ کیوں؟ ـــــ

حافی۔ جی حضور، شاید! ہو تو سکتا ہے! ـــــ میں ان کے دماغ کا تو ایک طرف، دل کا بھی مالک ہو سکتا ہوں

ستّہ۔ مگر آج تک تو بھائی نے میری شرطیں ہمیشہ پوری پوری ادا کی ہیں، اور آج بھی پوری ہی ادا کرینگے، اب تم ان کو ورغلاؤ مت! ـــــ لے اب جاؤ، میاں حافی، جاؤ! میں ابھی ابھی روپیہ منگانا چاہتی ہوں۔

حافی۔ جی نہیں، اب میں کبھی ایسی احمقوں کی سی باتیں نہ کرونگا۔ کسی نہ کسی دن وہ ضرور پکڑ پائینگے۔

صلاح الدین۔ کیسے؟ کیا؟

ستّہ۔ حافی، تمھارا یہی وعدہ تھا؟ تم نے جو مجھے قول دیا تھا وہ یوں ہی پورا ہوگا؟

حافی۔ مجھے کیا معلوم تھا سرکار کہ بات اتنی دور تک پہونچے گی۔

صلاح الدین۔ وہ ہے کیا آخر؟ میں تو خاک سمجھا

ستّہ۔ حافی، ذرا مہربانی کرکے سوچ سمجھ کے بات کرو

صلاح الدین۔ یہ تو کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے! وہ کیا بات ہے جس کے لیئے یہ اس طرح بگڑ رہی ہے، اور ایک اجنبی آدمی اس شدومد سے التجائیں کر رہی ہے۔ اور تو اور، ایک ذرا سے درویش سے۔ میں آخر اس کا بھائی ہوں، مجھ سے

کیوں نہیں کہتی! ــــ حافی، دیکھو میں تم کو حکم دیتا ہوں، بولو وہ کیا بات ہے!

ستّہ۔ بھائی جان، تمھیں، ایک ذرا سی بات سے اتنا پریشان نہ ہونا چاہیئے۔ بھلا ایسا بھی کیا ہر ناحق کو گھبرائے جاتے ہو، تمھیں خوب معلوم ہے میں پہلے بھی کئی دفعہ شطرنج ہی میں تم سے ایسی ایسی رقمیں جیت چکی ہوں۔ اب اسوقت نہ مجھے روپے کی فوراً ضرورت ہے، اور نہ حافی کے خزانے ہی میں اتنا روپیہ ہے، اس لیئے میں فی الحال اسے تمھارے ذمے لکھا رہنے دیتی ہوں، مگر بھائی جان، میرا ہرگز یہ ارادہ نہیں ہے کہ اپنا یہ روپیہ تمھیں دے ڈالوں یا حافی کے خزانے کی نذر کردوں، ہاں!

حافی۔ مگر اتنی ہی سی بات ہوتی تب بھی غنیمت تھا!

ستّہ۔ اور ایسی ایسی اور رقمیں بھی تو ہیں جنھیں میں نے امانت کے طور پر خزانے کے صندوق ہی میں چھوڑ رکھا ہے۔ اچھا، اور وہ جو تم نے مجھے چند مہینے تک وظیفہ دیا تھا وہ بھی ابھی باقی پڑا ہے!

حافی۔ ابھی معاملہ ختم تھوڑا ہی ہوا ہے۔

صلاح الدین۔ ابھی ختم نہیں ہوا! ــــ بتاؤ پھر اور کیا ہے؟

حافی۔ ہم تو ابھی مصر سے روپے کے آنے کے انتظار میں تھے۔ انہوں نے ....

ستّہ۔ (صلاح الدین) بھائی اس کی بک بک کیوں سن رہے ہو!

حافی۔ صرف یہی نہیں کہ انہوں نے مجھ سے کچھ نہیں لیا بلکہ ....

صلاح الدین۔ یہ کیسی اچھی آدمی ہیں! ــــ ہاں تو یوں کہو کہ انھوں نے پیشگی بھی دیا ہے، ہے نا؟

حافی۔ حضور، انہوں نے آپ کے دربار کا تمام خرچ ادا کیا ہے، اور ہمیشہ سے آپ کے تمام خرچ کو اسی طرح بغیر امداد کے پورا کرتی رہی ہیں۔

صلاح الدین۔ (ستّہ کو سینے سے لگا کے) ہاں بیشک میری بہن ایسی ہی ہے!

ستّہ۔ مگر مجھے ایسے کام کرنے کے لئے اتنا امیر کس نے بنایا؟ میرے بھائی نے ہی نہ؟

حافی۔ انہیں وہ بھی عنقریب ایسا ہی کنگال کر دینگے جیسے خود ہیں۔

صلاح الدین۔ میں کنگال ہوں؟ ستہ کا بھائی کیا کنگال ہے؟ اسوقت میرے پاس جتنا مال وزر ہے، تم ہی بتاؤ، کہ اُس سے کب زیادہ تھا اور کب کم؛ ایک لباس، ایک تلوار، ایک گھوڑا، ــــ اور ایک اللہ! اور چیز چاہت ہی کیا؟ اور یہ مجھ سے تم بھی کیا کہہ سکتے ہیں؟

پھر بھی حافی، دیکھو میں تمھیں خبردار کئے دیتا
ہوں۔
ستّہ۔ نہیں بھائی، اس بچارے کو دھمکائیے مت
میں تو یہ چاہتی ہوں کہ کسی طرح اسی ذریعہ
سے اباجان فکر سے بچے رہیں تو اچھا ہے!
صلاح الدین۔ آہ! تم نے پھر میری خوشی کو برباد کر دیا
۔۔۔ نہ مجھے کسی چیز کی حاجت ہے، نہ ہو سکتی
ہے۔ مگر ان کو ہر چیز کی حاجت ہے، اور ہم سب
ان کے ساتھ شامل ہیں، اب بتاؤ میں کیا کروں
ممکن ہے مصر سے روپیہ آنے میں ابھی دیر ہو
اب خدا ہی کو معلوم ہے کہ یہ دیر کیوں ہو رہی ہے
آخر وہاں تو ہر طرح کا امن و امان ہے۔۔۔۔
میں روپیہ واپس لے سکتا ہوں، خرچ کم کر سکتا
ہوں، روپیہ بچا سکتا ہوں، اور خصوصاً اگر
صرف میرا ہی معاملہ ہو، اور میرے دوستوں
سے تعلق نہ ہو، تو میں بڑی خوشی سے ایسا
کروں۔۔۔ مگر اس سے بھی کیا حاصل؟
ایک گھوڑا، ایک ردا، ایک تلوار، یہ چیزیں
تو میرے پاس اب بھی ہونی چاہیئیں، اور
اللہ سے کسی چیز کو دریغ نہیں رکھنا چاہیئے۔
وہ اس تھوڑے سے سامان ہی سے راضی ہے۔
مجھے قسم ہے اپنی جان کی حافی، مجھے تمھارے
خزانے کی بچت پر بڑا بھروسہ تھا!

حافی۔ بچت؟ ۔۔۔ حضور خود ہی فرمائیں کہ اگر میں کچھ
بچت دکھاتا تو حضور مجھے سُولی پر لٹکا دیتے یا
نہیں؟ یا کم سے کم میرا گلا تو ضرور گھونٹ دیا جاتا
اس سے تو روپیہ کا غبن ہی کر لینا بہتر تھا،
صلاح الدین۔ خیر، تو اب بتاؤ کیا کیا جائے، کیا تم
پہلے ہی یہ نہیں کر سکتے تھے، کہ ستّہ کے سوا کسی
اور سے قرض لیتے؟
ستّہ۔ بھائی، تم سمجھتے ہو کہ میں اپنا اتنا بڑا حق
چھوڑ دونگی، اور وہ بھی اس کے ہاتھ میں؟ میں
تو اب بھی اپنے اس حق کی دعویدار ہوں۔ میں
ابھی سے کنگال تھوڑا ہی ہو گئی ہوں۔
صلاح الدین۔ اب تک نہیں ہوئیں؟ ہاں اسی کی
ضرورت تھی، حافی، جاؤ جلدی جاکے انتظام
کرو۔ جس سے اور جس طرح بنے روپیہ جمع کر کے
لاؤ، جاؤ، قرض کے وعدے پر لاؤ۔ بس اتنا خیال
رکھنا کہ اُن لوگوں سے قرض نہ لینا جن کو خود میں نے
دولت مند بنایا ہے۔ ان سے قرض لینا تو ایسا ہی
ہے کہ گویا میں اُن سے اپنے انعامات واپس لیے
لیتا ہوں۔ جو لوگ سب سے زیادہ لالچی ہوں،
اُن ہی کے پاس جاؤ۔ ایسے ہی لوگ جلدی سے
روپیہ دینگے بھی؛ وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کا
روپیہ میرے پاس کتنا پھلتا پھولتا ہے، (باقی)

محمد نعیم الرحمٰن ایم اے

استفسار و جواب

طبقۂ نسواں اور غزل گوئی

۱- (رابعہ پنہاں- الہ آباد) میں نے اپنی غزل ستمبر کے نگار میں دیکھی، لیکن یہ دیکھ کر بیحد رنج ہے کہ جناب نے اس کے کئی شعر حذف کرکے اُسے عشق حقیقی سے عشق مجازی میں تبدیل فرما دیا، اسی کے ساتھ جناب کا یہ اعتراض فرمانا کہ "شاعری کا ذوق (وہ بھی رنگ تغزل کی صورت میں) خواتین ہند میں اسوقت پیدا ہونا چاہیئے جب صحیح تعلیم و تربیت کی فراوانی ملک کے اخلاقیات کی طرف سے ہم کو مطمئن کردے،، (گستاخی معاف) نہیں معلوم کہاں تک بجا ہو سکتا ہے، میری عقل ناقص میں نہیں آیا کہ جب میرا مطلب ہی یہ نہ تھا تو میں کسطرح قصوروار ہو سکتی ہوں، کیا عشق الٰہی میں بھی کوئی شعر کہنا خواتین ہند کے اخلاقیات پر دھبہ کا باعث ہو؟ بہتر ہو کہ جناب یہ عریضہ نگار میں شائع فرما دیں تاکہ ناظرین کی بدگمانی رفع ہو جائے۔ امید ہے کہ جناب میرے ملال کا خیال فرمائیں گے۔

نگار- آپ کی نظم، جسے آپ نے غزل کا عنوان دیا تھا، یقیناً طویل تھی اور میں نے اس کے بہت سے ایسے اشعار حذف کردیئے تھے جنکو آپ عشق حقیقی سے منسوب کرتی ہیں۔ میں یہاں اس مسئلہ پر گفتگو نہ کرونگا کہ دنیا جسے عشق حقیقی سے تعبیر کرتی ہے، وہ ایک "کیفیت مجہول" سے زیادہ نہیں اور منجملہ اُن بدعات مہلکہ کے ہے جنہیں متصوفین رند منش نے محض اپنی کمزوریاں چھپانے کے لیئے دنیا میں رائج کیا ہے، لیکن اسقدر ضرور عرض کرونگا کہ میرے نزدیک تمام ایسے اشعار، جن کا تعلق تاویل بعید کے بعد بھی کسی مذہبی مسلک یا ملت سے ہو سکتا ہے یا جو کسی نہج سے طبیعیات یا مابعد الطبیعیت سے وابستہ ہو سکتے ہیں، احاطۂ تغزل سے باہر ہیں اور اسی لیئے میں کبھی ایسی نظموں کو غزل کا عنوان دینا پسند نہیں کرتا۔ چونکہ آپ کی نظم میں مختلف جذبات کے اشعار موجود تھے اور آپ نے اسکو غزل کا عنوان دیا تھا، اسلیئے میں نے صرف وہی اشعار باقی رکھے جو حدود غزل کے اندر آسکتے ہیں۔

میں یقیناً اس کا مخالف ہوں کہ خواتین ہند غزل گوئی کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ ان کے عشق حقیقی کو بھی میں نے مجاز میں بہت جلد بدل جاتے ہوئے دیکھا ہے اور اس سے دنیا ناآشنا نہیں کہ وہ عورت جو محبت کرنا سیکھ جاتی ہے اسوسائٹی کے لیئے کچھ مفید چیز نہیں۔ اول تو ہندوستان میں بہت کم عورتیں ایسی ہیں جو واقعی نظم و نثر لکھنے پر قادر ہیں اور اگر کوئی ہے تو اُس کا یہ فرض نہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی قدرت تحریر کو اُن جذبات کے اظہار میں صرف کرے، جن کا چھپانا ہی عورت کے حسن میں داخل ہے۔ سب سے پہلا وہ مسئلہ جو ہمارے ہاں طبقۂ نسواں کی توجہ کا مستحق ہے، مسئلہ تدبیر منزل ہے، کیا آپ کا اولین فرض؟

نہیں ہے کہ اپنی بہنوں کو انکی معاشرتی نقائص کی طرف متوجہ کریں جن سے ہندوستان کا کوئی گھر خالی نہیں اور کیا آپ کا زورِ قلم کو اسطرف توجہ نہ کرنی چاہیئے ! آپ اگر نثر لکھیں تو اسی رنگ کی اور نظم میں طبع آزمائی فرمائیں تو اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر کیونکہ اسوقت ہمکو "عشق حقیقی" کرنے والی خواتین کی ضرورت نہیں، بلکہ اُن ماؤں کی ضرورت ہے جو بچوں کی تربیت اچھی طرح کرسکیں اور اصلاح معاشرت کے ساتھ عشق رکھیں۔ آپ باور کیجیے کہ مجھے روحانی تکلیف ہوتی ہے جب میں کسی عورت کو غزل گوئی کی طرف مائل دیکھتا ہوں، اور میرا اعتقاد ہے کہ وہ رسائل و جرائد جو ایسی غزلوں کی اشاعت کو جائز رکھتے ہیں، ہیئت اجتماعی کو سخت نقصان پہونچا رہے ہیں اور سوسائٹی کے بدترین مجرم ہیں۔ افسوس ہے کہ میں اپنے اس خیال سے کسیطرح نہیں ہٹ سکتا، اور بغیر اس کے کہ میں کوئی طویل بحث اس موضوع پر کروں۔ قاطبتہً اس کا مخالف ہوں

بمبئی کے اخبارات

۲۔ (سید محمد اطہر۔ کوسکائی) بمبئی سے اُردو، گجراتی اور انگریزی زبان کے کون کون سے اخبار شائع ہوتے ہیں۔

(نگار) بمبئی سے جو اخبار شائع ہوتے ہیں، ان کی فہرست ذیل میں درج ہے:۔

(انگریزی) بمبئی کرانکل، وائس آف انڈیا، ٹائمس آف انڈیا، ایڈوکیٹ آف انڈیا، انڈین سوشل رفارمر، مسلم ہیرلڈ

(اُردو) روزنامۂ خلافت، سلطان الاخبار (ہفتہ وار) اخبار الاسلام

(گجراتی) بمبئی سماچار، سانج ورتمان، پرجامتر و پارسی، گجراتی، جام جمشید

ایران کے جرائد و رسائل

۳۔ (سید محمد محسن عابدی۔ وصولہ پرتاب گڈھ) (۱) اخبار حبل المتین اب جاری ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس پتہ سے ملسکتا ہے (۲) ایران سے جاری ہونے والے جرائد و رسائل کون کون سے ہیں اور کیونکر جاری کرائے جاسکتے ہیں (۳) فغان ایران کہاں سے مل سکتی ہے، (۴) جدید فارسی کی کوئی جامع لغت موجود ہے یا نہیں اور کہاں سے ملسکتی ہے (۵) ملک ایران کے کسی فارسی سفرنامہ کا نام تحریر فرمائیے۔

نگار (۱) حبل المتین بند ہوگیا (۲) فارسی زبان کے بعض مشہور جرائد کی فہرست یہ ہے:۔ عصر آزادی (شیراز) ایران شہر (برلن) مصور، بہارستان (طہران) زبانِ زنان، آزادی شرق (برلن) مصور، صنائع آسمان و شرق (برلن) مصور ان کی خریداری کے متعلق حسب ذیل اصحاب سے گفتگو کیجیے:۔ آقا محمد اردکانی، بلاسیس روڈ، بائی کلہ، بمبئی (۸)

آقایان شستری، رام پارٹ روڈ بمبئی، آقا دہشتی، فریر روڈ - فورٹ بمبئی (۳) فغان ایران اب نہیں ملسکتی - (۴) اہل ایران نے کوئی لغت نہیں لکھا، انگریزی میں (Stingeen) نے جدید فارسی الفاظ کا مکمل لغت مرتب کیا ہے تھیکر وغیرہ سے خط و کتابت کیجیئے (۵) ملک ایران کا جدید سفرنامہ مطلوب ہے یا قدیم - پہلے اس سے آگاہ فرمائیے -

حسن و عشق کی حقیقت

۴ - (ابو النظر سید طفیل حسن - امروہہ) حسن و عشق کی حقیقت کیا ہے، کن کن کتابوں میں ان مسائل پر گہری نظر ڈالی گئی ہے، زبان کی کوئی قید نہیں -

نگار - اگر آپ علمی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ پر غور کرنا چاہتے ہیں تو انگریزی کی (   ) اور (   ) کا مطالعہ کیجیئے - افسوس ہے کہ میں "نگار" میں اس موضوع کے لیئے کوئی جگہ نہیں نکال سکتا -

کیا تقدیر بدل سکتی ہے؟

۵ - (ام - عبد الحمید - راولپنڈی) سے کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زور بازو کا ٭ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر مجھے بہت پسند ہے، لیکن ایک صاحب کا عقیدہ ہے کہ تقدیر کسی طرح نہیں بدل سکتی. مسئلہ تقدیر پر نسے دیر تک گرم بحث رہی، مگر میری تسلی نہ ہوئی براہ کرم اپنے خیالات مسئلہ تقدیر پر ظاہر کیجیئے کیا تقدیر کا لکھا ہوا بدل سکتا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو اس شعر کی تصریح کیجیئے، کیونکہ شاعر نے صاف صاف یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے ترکی کی تقدیر کو بدل دیا -

نگار - تقدیر کا مسئلہ نہایت صاف ہے لیکن افسوس ہے کہ عام مسلمانوں نے اسے بہت الجھا دیا ہے، عموماً تقدیر کا یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ دنیا کے تمام واقعات و حوادث، ایک ایک متنفس کے تمام حالات پہلے سے کسی جگہ لکھ دیئے گئے ہیں یا مقرر ہو چکے ہیں اور ان میں فرق نہیں آسکتا لیکن یہ عقیدہ بالکل لغو و نادرست ہے اور نہ مذہب نے ہمیں اس اعتقاد پر مجبور کیا ہے، مقدرات الہیہ سے مراد ہیں وہ نتائج جو اسباب فطری کے ماتحت ظہور پذیر ہوتے ہیں، یا وہ اسباب و علل جو قدرتاً پہلے سے پائے جاتے ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، مثلاً مرکز زمین کی کشش کرۂ ارض کی گردش، آفتاب کی حرارت، حرارت سے اجسام کا پھیلنا، برودت سے سکڑنا، آگ کا جلانا، پانی کا بہا لیجانا، وغیرہ وغیرہ ہزاروں نوامیس فطرت ایسے ہیں جو مقدرات الہی میں داخل ہیں، اسی طرح ہمارا آگ میں ہاتھ ڈالنا اور اس کا جلنا، زہر کا پینا اور مر جانا، کسی مجسم شے کا اوپر پھینکنا اور اس کا نیچے گر پڑنا، وغیرہ وغیرہ یہ بھی سب مقدرات میں شامل ہیں۔ تغیر چونکہ عالم کون میں کوئی حادثہ بغیر کسی سبب کے رونما نہیں ہوتا اسلیئے اسباب و نتائج کا باہمی تعلق اصل تقدیر ہے، اور یہی ہے حقیقی تعلیم ہمارے مذہب کی "نگاہ مرد مومن"

سے مراد اسکا عزم و ارادہ ہی، اور تقدیروں سے مراد وہ حالت سالقہ ہے جسے انسانی عزم و ارادہ بدلدیتا ہی، چونکہ ترکی کا انحطاط بھی اس باب کے ماتحت تھا اسلیئے مقدرات الہیہ میں سے تھا، اور جب مصطفےٰ کمال پاشا نے اپنے عزم و استقلال سے ان اسباب کو دور کر دیا تو ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ اسنے ترکی کی تقدیر بدل دی، یعنے سالقہ اسباب انحطاط کو دور کرکے اسکو عروج و ترقی کی طرف مائل کر دیا، کلام مجید میں خود صاف صاف ظاہر کر دیا گیا ہو کہ "ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتےٰ یغیر وا بانفسہم" یعنے اللہ اسوقت تک کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہ کرے، یعنے اگر کسی قوم نے اسباب ترقی پیدا کئے ہیں تو وہ ترقی حاصل کریگی اور اگر اسنے اسباب انحطاط سے اپنے کو وابستہ کر دیا ہے تو وہ قعر ذلت میں گر جائیگی۔

برج بابل

۶۔ (احمد ذکی۔ میرٹھ) برج بابل کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اسکے بنانے والوں کی زبانیں بدل گئی تھیں۔ اصل قصہ کیا ہی، یہ برج کہاں کب اور کن لوگوں نے بنایا تھا اور اسکی تعمیر کا مقصود کیا تھا۔

(نگار) برج بابل کے متعلق علمار کا اختلاف ہی، بعض کا بیان ہو کہ وہ بعل بت کا ہیکل تھا (جس کا ذکر ہیروڈوٹس نے کیا ہی) بعض کہتے ہیں کہ وہ قصر نمرود کا ایک حصہ تھا، اسکے جاء وقوع میں بیشک اختلاف نہیں ہے اور سب اس امر پر متفق ہیں کہ وہ ارض شنعار میں بنایا گیا تھا، اسکی تعمیر کی وجہ میں بھی اختلاف ہی، کوئی کہتا ہی کہ آسمان پر چڑھنے کی غرض سے اسکو بنایا گیا، کوئی معتقد ہی کہ طوفان سے بچنے کے لیئے تعمیر کیا گیا تھا لیکن حقیقت یہ ہی کہ یہ اس زمانہ کا معبد تھا اور کسی بت کی پرستش گاہ

جسطرح وادی نیل میں اہرام کا شمار قدیم ترین آثار میں سے ہے اسی طرح ارض بابل اس برج کا مرتبہ قرار دیا جاتا ہے لیکن فرق یہ ہی کہ اہرام مصر باقی ہیں اور یہ فنا ہو گیا، رہا زبانوں کا بدل جانا یہ بیان بطور مجاز کے ہی کہ طوفان سے قبل سب کی زبان ایک تھی اور پھر جب طوفان کے بعد لوگ مختلف ممالک میں پھیلے تو ان کی زبانیں بدل گئیں۔

طبقہ فاسسٹ کی وجہ تسمیہ

۷۔ (اکرام علی۔ پٹنہ) اس زمانہ میں اٹلی کے فاسسٹ (Fascisti) کا کثرت سے ذکر آیا ہی۔ لیکن یہ کسی نے نہیں بتایا کہ اس جماعت کا یہ نام کیوں قرار دیا گیا، براہ کرم اس سے مطلع فرمایئے اور نیز اس سے کہ اسکی بنیاد کس نے قائم کی۔

(نگار) اس طبقہ کا مونس موسیولینی ہے جو پہلے اشتراکی تھا لیکن اب اس کا مقصود متطرف (Radical) جماعت کو شکست دینا ہے، جسوقت موسیولینی نے اس جماعت کو قایم کیا تو اس کا نام (Fasci Di Combattimento) رکھا، جس کے معنی رومانی زبان میں " آمادگی جنگ" کے ہیں۔ کثرت استعمال سے آخر کے دو لفظ متروک ہو گئے اور صرف لفظ (Fasci) سے نسبت دیکر " Fascisti " بنا دیا گیا۔

معلومات

درازی عمر کا ایک سبب | یورپ کا ایک ڈاکٹر حال ہی میں مرا ہے جسکی عمر ۱۰۹ سال کی تھی۔ جب لوگوں نے اس سے درازی عمر کا سبب دریافت کیا تو اسنے کہا کہ وہ ہمیشہ سر شمال کی طرف اور پاؤں جنوب کی طرف کرکے سویا کرتا تھا اور اس کا اعتقاد تھا کہ اسطرح سونے سے انسان کی عمر دراز ہوتی ہے، ہمارے ہاں بھی بزرگوں کا یہی شعار ہے، لیکن اسکی توجیہ مذہبی رنگ میں کیجاتی ہے، ممکن ہے کہ اسکی حقیقی علت یہی ہو اور پابندی کا خیال پیدا کرنے کیلئے مذہب سے مدد لیگئی ہو۔

امریکہ کے موٹروں کی قوت | ولایات متحدہ امریکہ میں جسقدر موٹریں پائی جاتی ہیں ان کی مجموعی قوت کا اندازہ ۳۰ کروڑ گھوڑوں کی قوت سے زیادہ کیا جاتا ہے، درآنحالیکہ وہاں خچر اور گھوڑے سب ملا کے ۳ کروڑ سے زائد نہیں ہیں۔ بالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اہل امریکہ نے سائنس کی مدد سے اپنے مرکبوں کی قوت کو دہ چند سے زائد کر لیا

امریکہ میں خط و کتابت کی کثرت | امریکہ کے محکمۂ ڈاک نے سال گذشتہ کی جو رپورٹ شائع کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اندرون سال .....۵۲۳۱۴۱۱ خطوط ڈاک میں ڈالے گئے، جس کا اوسط فی کس ۱۱۲ ہوتا ہے، برطانیہ میں یہ اوسط ۸۴، جرمنی میں ۲۵ اٹلی میں ۲۴ ہے،

پانی کے اندر روشنی | حال ہی میں اسٹیلین کا ایک ایسا لیمپ ایجاد کیا گیا ہے، جو پانی کے نیچے روشن رہتا ہے اور اسکی حرارت اسقدر قوی ہوتی ہے کہ دبیز لوہے کی تختی کو شق کر دیتی ہے، زیر آب چلنے والی کشتیوں کو اس لیمپ سے بڑی مدد ملیگی اور ان کی اصلاح ترقی میں اسوجہ سے عظیم الشان اضافہ ہو سکے گا۔

سب سے بڑا انجن | امریکہ کے مشہور انجن ساز کمپنی "نیویارک سنٹرل لینیز" نے ایک ایسا انجن طیار کیا ہے، جو دنیا میں سب سے بڑا انجن خیال کیا جاتا ہے، وہ ریل کے سو ڈبوں کو جو نہایت وزنی چیز سے لدے ہوتے ہیں گھسیٹ کر لیجاتا ہے، اور ۱۴۰ ڈبوں کی گاڑی کو جسمیں ...۹ ٹن سے زیادہ کوئلہ لدا ہوتا ہے نہایت آسانی سے لیجا سکتا ہے، کیونکہ اس میں بارہ ہزار ٹن کا وزن کھینچنے کی قوت موجود ہے۔

عجیب و غریب حافظہ | جرمنی میں ایک شخص اوتو شریڈ عجیب و غریب حافظہ رکھتا ہے۔ جرمنی کی جمعیت میتورولوجی نے اس کا امتحان لیا اور دریافت کیا کہ ۲۶ نومبر ۱۸۹۰ء کو موسم کی حالت کیسی تھی تو اسنے بیان کیا کہ فضا صبح کے وقت صاف تھی، ظہر کے بعد کچھ بادل آگئے اور حرارت دو درجے کم ہو گئی تھی۔ جب انہوں نے موسمی نقشے دیکھے۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا بیان حرف بحرف صحیح تھا۔

یورپ اور لوہا | ساری دنیا میں ولایات متحدہ سے زیادہ لوہا کہیں پیدا نہیں ہوتا، اس کے بعد فرانس ہے جس کا مقابلہ یورپ کا کوئی ملک نہیں کر سکتا۔ فرانس میں ......۶۹۶۳۴ ٹن پایا جاتا ہے جو تمام یورپ کی پیداوار آہن کے ایک ثلث سے زائد ہے فرانس

کے بعد جزائر برطانیہ کا نمبر ہے جہاں پیداوار یورپ کا ۸ء۲ فیصد لوہا پیدا ہوتا ہی، سوئڈن میں یہ اوسط ۱۲،۵ ہے، جرمنی میں ۱۱،۱ روس میں ۸ء۳ اور اسپین میں ۵ فیصدی

دنیا کی آبادی انیسویں صدی کی ابتدا میں دنیا کی آبادی ۷۰۰ ملین (ستر کروڑ) تھی، ۱۸۵۰ء میں بڑھکر یہ ۱۱۷۵ ملین تک ہوگئی، اب وہ ۱۷۰۰ ملین کے قریب ہے۔ یعنی ۱۲۰ سال کے اندر تقریباً دوچند ہوگئی، اٹھارویں صدی کے نصف آخر حصہ میں بہ نسبت وسط صدی کی آبادی زیادہ بڑھی اور آخری ۲۰ سال میں کم

اگر آبادی اسی طرح بڑھتی رہی تو ۱۹۸۰ء میں اور دوچند ہوجائیگی اور دو ہزار سال بعد زمین پر صرف اتنی جگہ باقی رہیگی کہ انسان کھڑے کھڑے زندگی بسر کرے،

۱۸۵۱ء میں امریکہ کی آبادی ۲ کروڑ ۴۸ لاکھ تھی، لیکن اب وہ گیارہ کرور ہی، اس کا سبب صرف یہ ہی کہ وہاں حفظان صحت کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے بچوں کی حفاظت بیماروں کے علاج اور دیگر مسائل صحت کی طرف حکومت بہت زیادہ متوجہ ہی۔

ذوق موسیقی معلوم کرنے کا طریقہ امریکہ کا پروفیسر سیشور بعض ایسے آلات و تجربات رکھتا ہے جن کے ذریعہ سے اسے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک انسان میں موسیقی سیکھنے کی قابلیت کہاں تک ہی، اسی آلہ سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہی کہ ایک انسان کا دماغ کس فن کے لیے موزوں ہے، چنانچہ اکثر ایسے خاندان جن کے ہاں موسیقی بطور پیشہ کے چلی آتی ہے، اپنے بچوں کا امتحان کراتے ہیں اور اگر اُن کی فطرت اسطرف مائل ہوتی ہے تو موسیقی سکھاتے ہیں، ورنہ کسی دوسرے پیشہ میں لگا دیتے ہیں۔ امریکہ میں سالانہ ۴ کروڑ ڈالر تعلیم موسیقی پر صرف ہوتا ہے اتنی رقم مدارس عالیہ و مدارس فنون پر بھی صرف نہیں ہوتی۔

لاسلکی ٹیلیفون میں جدید اضافہ لاسلکی ٹیلیفون نے اسقدر ترقی کی ہے کہ لندن و نیویارک کے درمیان یہ سلسلہ بہت جلد قائم ہونے والا ہے، لیکن اسمیں ایک یہ خرابی بھی ہے کہ ایک وقت میں ایک خط پر صرف ایک شخص گفتگو کر سکتا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشکال بھی دور ہو جائیگا، کیونکہ فرانس کے محکمہ ڈاک نے ایک طریقہ ٹلی ملٹافون کے نام سے اختراع کیا ہی جس کے ذریعہ سے چھ آدمی ایک ہی وقت میں گفتگو کر سکیں گے

سنما کی ترقی ۱۹۲۱ء میں ۶۵ کروڑ فٹ فلم طیار کیا گیا اور ۱۹۲۲ء میں اس سے بھی زیادہ، اگر تمام فلم باہم جوڑ کر پھیلائے جائیں تو کرۂ زمین کے گرد خط استوا پر پانچ مرتبہ لپیٹے جا سکتے ہیں، اور اگر سنما مشین کے اندر سے بحساب فی ثانیہ ایک فٹ اسکو نکالا جائے تو اس کے لیے بیس سال سات مہینے درکار ہوں گے۔ اس مقدار فلم میں اسقدر گن کاٹن موجود ہوتی ہے کہ چودہ جہاز اس سے تباہ کئے جا سکتے ہیں، اور اگر یہ فلم مشتعل کیا جائے تو نصف میل کا قطر رکھنے والے حوض کا پانی جوش میں آ سکتا ہے چونکہ ایک فٹ فلم میں ۱۶ تصویریں ہوتی ہیں اسلیئے سارے فلم .... ۱۰۴۰ تصویریں ہوئیں۔

دنیا کا سب سے بڑا برقی لمپ | حال ہی میں امریکہ کی ایک برقی کمپنی کا جلسہ منعقد ہوا اور اسمیں ایک برقی لمپ لگایا گیا جس کی روشنی ۶۰ ہزار بتیوں کے برابر تھی، یعنے اسطرح کے تین لمپوں میں اتنی برقی قوت صرف ہوتی ہے جتنی ایک بڑا موٹر گاڑی کے چلانے میں۔ اس کے قمقمہ کا قطر ایک فٹ تھا اور لمبائی ۱۸½ انچہ، اسمیں جو تار روشن ہوتا تھا اسکی موٹائی ½ انچہ کے برابر تھی اور لمبائی ۱۱۸ انچہ یہ تار اگر اتنا ہی باریک بنایا جاتا، جتنا معمولی چھوٹے قمقموں میں استعمال ہوتا ہے۔ تو اس سے ۵۵۰۰۰ قمقمے روشن ہو سکتے تھے،

اس قسم کے تیرہ لمپ اور بنائے گئے ہیں جو امریکہ کے ایک سینما کمپنی کے ہال میں روشن کئے جائیں گے، ان کی روشنی بالکل آفتاب کی روشنی کی طرح نظر آئیگی اور فی گھنٹہ ۳ ڈالر ان کی روشنی میں صرف ہونگے۔

آسٹریلیا کی ترقی | آسٹریلیا حیرتناک طریقہ سے ترقی کر رہا ہے، سنہ ۱۹۱۰ء میں اسکی معدنی، صنعتی اور زرعی پیداوار کی قیمت ۱۸۸ ملین گنی تھی، سنہ ۱۹۲۰ء تک اسمیں اسقدر اضافہ ہوا کہ ۳۴۸ ملین گنی تک پہونچگئی، حالانکہ اسکی آبادی ۵۰ لاکھ سے زائد نہیں ہے۔

سنہ ۱۹۱۰ء میں اس نے ۳۴ ملین گنی کا مال باہر بھیجا اور سنہ ۱۹۲۰ء میں ۲۴۷ گنی کا۔

مجرمین مغرب کی ہوشیاری | انگلیوں کے نشانات سے مجرمین کا سراغ لگانا ہندوستان میں بھی رائج ہے، لیکن یورپ میں انکشاف جرائم کا انحصار زیادہ تر اسی پر ہے، اسلیئے اب وہاں کے مجرمین ارتکاب جرم کے وقت اپنی انگلیوں پر کولوڈین لپیٹ لیتے ہیں، تاکہ جن اشیاء کو وہ مس کریں، ان پر انگلیوں کا نشان نہ رہجائے۔

مصنوعی سونا۔ فرانس کے ایک نوجوان ماہر علم الکیمیا نے کوئی معدنی مرکب طیار کیا ہے جو رنگ، نرمی اور وزن وغیرہ میں بالکل سونے کی طرح ہے اور اس کے زیور بالکل سونے کے معلوم ہوتے ہیں۔ وہاں کے جوہری اس ایجاد سے سخت مضطرب ہیں کیونکہ اُن کے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے اس مصنوعی سونے کو اصلی سونے سے جدا کر سکیں اور نہ اسوقت تک باوجود کوشش کے یہ معلوم ہو سکا ہے کہ اس نوجوان نے کن اشیاء کو ترکیب دیکر یہ سونا طیار کیا ہے۔

امریکہ کی مالی مرکزیت | قبل جنگ امریکہ یورپ کا قرضدار تھا اور اُسے ۴۵۰۰ ملین گنی ادا کرنی تھی، لیکن بعد جنگ حالت بالکل بدل گئی اور اب یورپ ۱۳۰۰۰ ملین ڈالر کا مقروض ہے، یعنے یورپ اپنا قرض وصول کر لینے کے بعد بھی ۷۵۰۰ ملین [illegible] کا مقروض ہوگیا، یعنے [illegible] ہم کہہ سکتے ہیں کہ یورپ کا ہر متنفس ۲ گنی کا مقروض ہوگیا اور اسلیئے اگر اسوقت امریکہ ساری دنیا [illegible] بن گیا ہے تو حیرت نہ کرنی چاہیئے۔

چونکہ ناموس توازن نہایت ضروری چیز ہے، اسلیئے ظاہر ہے کہ ایک جگہ مال کا کم ہونا دوسری جگہ اس کے زیادہ

ہوتا ہے یعنے امریکہ کا دائن ہوتا یورپ کا مدیون ہوتا ہے، علی الخصوص انگلستان کہ قبل جنگ اسپر بمقدار ۸۰۰ ملین گنی قرض کا بار تھا اور بعد جنگ اسکی مقدار ۸۰۰۰ ملین گنی تک پہونچگئی ہے، ٹیکس کے ذریعہ سے اس کے پورا کرنے کے لئے ۱۹۱۲ء میں انگلستان صرف ۴۵ ملین گنی حاصل کرسکا اور ۱۹۲۰ء میں ۳۵۹ ملین گنی، یعنے باوجود اس کے کہ ٹیکس اٹھ گنا ہوگیا، تاہم نصف قرض بھی ادا نہ ہوسکا

مرض نوم کا علاج - جرمنی کے ایک عالم نے مرض نوم کے عجیب وغریب دوا دریافت کی ہے، اس کا نام اس نے بیئر ۲۰۵ (Bayer 205) رکھا ہے، ڈاکٹر انڈر ووڈ لکھتا ہے کہ اس سے قبل مرض نوم کا علاج ایسی دواؤں سے ہوتا تھا جنمیں ہرتال اور انتیمون کا مادہ پایا جاتا ہے، لیکن اب اس جرمن طریق علاج میں نہ ہرتال کی ضرورت ہے نہ انتیمون کی، بلکہ وہ ایک قسم کا سفید سفوف ہے جو بنزلین سے طیار ہوتا ہے، پانی میں آسانی سے حل ہوجاتا ہے نہ اسمیں کوئی بو ہے، اور نہ کوئی مزہ۔ اور مرض نوم کے جراثیم دفع کرنے کی قوت اسمیں نہایت زبردست ہے،

جاپان جنگ کے بعد - اس جنگ سے جاپان نے جسقدر فائدہ حاصل کیا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے، کہ ۱۹۱۳ء میں اس نے ۱۳۶ ملین گنی کا مال باہر بھیجا، ۱۹۲۰ء میں برآمد کی قیمت ۳۸۴ ملین گنی تک پہونچگئی، ۱۹۱۴ء میں اس نے ۱۲ ملین گنی سے کم کے سوتی کپڑے باہر بھیجے ہیں، ۱۹۲۰ء میں یہ مقدار ۵۳ ملین گنی تک پہونچگئی۔

اڈیٹر

اس کو ضرور پڑھ لیجئے

جن حضرات کی خریداری دسمبر کے رسالے کے ساتھ ختم ہوجاتی ہے، ہم ابھی سے اُن کی خدمت میں استدعا کرتے ہیں کہ براہ کرم جسقدر جلد ممکن ہو آئندہ کے لیئے اپنے ارادے سے مطلع فرمائیں، خریدار رہنے کی صورت میں زیادہ مناسب یہی ہے کہ وہ سال آئندہ کا چندہ وسط دسمبر تک ہمارے پاس بھیجدیں، یا ایک کارڈ کے ذریعہ سے اپنے انکار سے مطلع فرمادیں۔ ورنہ بشرط سکوت ہم جنوری کا پرچہ آپ کے نام وی پی بھیجنے پر مجبور ہوں گے جس سے ہمارا بیجا نقصان ہوگا۔ امید ہے کہ آپ اس التجا کو قبول فرمائیں گے۔ منی آرڈر کے کوپن اور خطوط میں۔ خریداری نمبر کا حوالہ ازبس ضروری ہے۔

منیجر نگار بھوپال

راستی موجب رضائے خدا است

بزرگوں کا قول ہے کہ سیدھے راستہ پر چلنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا اور نہ اِدھر اُدھر بھٹکتا ہے۔ خود صداقت کی پیروی کرنیوالا دوسروں کو کبھی غلط راستہ نہیں بتلاتا برخلاف اس کے ٹیڑھی چال چلنے والا خود بھی منزل مقصود پر شاذ و نادر ہی پہنچتا ہے اور دوسروں کی بھی رہبری نہیں کر سکتا آج کل اشتہار بازوں نے اپنی غلطی کی آڑ میں شکار کھیلنے والی عادت سے جہاں پبلک کا مذاق بگاڑ کر پنجاب کی اشتہار بازی کو بالکل ہی بدنام کر رکھا ہے۔ وہاں خود بھی ان کا یہی حال ہے کہ اپنی چند روزہ زندگی میں چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات کے مصداق بمصداق دوسرے چند مفلوک روپیہ بٹور کر برساتی مینڈکوں کی طرح تھوڑے دن غرائیں غرائیں کر کے پھر ایسے لاپتہ اور معدوم ہوتے ہیں کہ اخبارات میں ان کا نام تک نہیں ملتا۔ ہم نے دس سال اشتہاری زندگی میں سینکڑوں ایسے اصحاب کو پیدا ہوتے بنتے بگڑتے دیکھا ہے۔ الغرض جنوں ہوتا ہے تھوڑی قیمتیں لچھے دار عبارتوں اور گمنام شخصیتوں کے بیہودہ ناموں کے دام فریب میں پھنس کر بیمار بیچارے خراب ہوتے رہتے ہیں اور پھر حالت بگڑ جاتی ہے۔ تو بھی یتیموں کی چیزیں خریدنے اور صحت حاصل کرنے کا حوصلہ ان میں نہیں ہوتا یہی سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ویسا ہی ہوگا۔ اور زندگی بھر تباہ و خستہ حال رہتے ہیں برعکس اس کے اگر پہلے ہی ارزاں بعلت گراں حکمت کے اصول اور اشتہار دینے والوں کی شخصیتوں اور حیثیتوں کو مدنظر رکھا جائے۔ تو تضیع اوقات بیجا اسراف اور فضول سر دردی سے بہت حد تک نجات مل سکے

علاج بذریعہ ادویات و آلات

میں زمین آسمان کا فرق ہے ادویات کا بودا پن تمام دنیا پر ثابت ہو چکا ہے۔ طبائع مختلف امزجہ مختلف ادویات کا یکساں اثر تمام انسانوں پر ہرگز ہرگز نہیں پڑ سکتا اسی واسطے اشتہاری دوا فروشوں سے جو صفراوی سوداوی۔ بلغمی بادی سب مزاجوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں لازمی طور پر پرہیز کرنا چاہئیے نیز ادویات کی ایک بھاری زحمت یہ ہوتی ہے کہ کہیں موسم کا لحاظ کہیں کھانے پینے نہانے کا پرہیز کہیں نام نہاد سنیاسی ڈاکٹر دیں۔ حکیم وغیرہ دھوکہ دے کر نیم حکیم خطرہ جان کی مصداق مریض کی جان کے لالے پڑ جانے کا فکر۔ مغربی دنیا کے نامور سائنس دان تو آج کل ہر مرض کا علاج بذریعہ آلات دریافت کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں علاج بذریعہ آلات کی ابتدا سنہ ۱۹۱۲ء میں ہم نے ہی ڈالی اور آج تک ہزار ہا مایوس العلاج مریض ہمارے ذریعہ سے مصائب آلام سے نجات حاصل کر چکے، اور بیشمار زندہ مثالیں اس امر کی موجود ہیں۔ کہ ہمارے شہرۂ آفاق تینوں آلات۔

(۱) ایریکٹرس۔ (۲) ایکٹینا (۳) مانع احتلام

لاتعداد ہندوستانی بھائیوں کیلئے اسی واسطے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئے ہیں، اگرچہ ناظرین کرام سے یہ ہماری پہلی ملاقات ہے، لیکن اندک نوشتہ بسیار دانند (۱) آلہ ایریکٹرس، مسٹر ہیملٹن برادر کمپنی شکاگو امریکہ کی ساخت امریکن پیٹنٹ جرمنی کے مشہور ڈاکٹر بیبر کے اختراع کردہ طریقہ علاج ہائی پر ایگ ٹریٹمنٹ کا نچوڑ، فزیالوجی اور کیمیاوی علوم کے مقبول عام اصولوں کا عملی نمونہ ہے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ مادرزاد نامردی کے سوا ہر قسم کی مرض نامردی و اس کے ہمراہ قاطع نسل انسانی و مانع حظ زندگانی بیماری کی جڑ ابتدائی تنزلی اور انتہائی صورتیں تمام و کمال اس آلہ کے چند ہفتہ کے استعمال سے جڑ سے دور ہو جاتی ہیں قیمت فی آلہ بیس روپیہ علاوہ محصول وغیرہ مفصل تشریحی کتاب موت کے بعد نئی زندگی مفت درخواست کنندہ بیمار کو بھیجا جاتا مفت (۲) آلہ ایکٹینا پروفیسر ولسن کی ایجاد مسٹر ایکٹینا ایپالٹس کمپنی کی ساخت امریکن پیٹنٹ۔ آنکھ، کان، ناک، حلق اور سر کی تمام معلومہ امراض کا مکمل بے دوا علاج آنکھ کی سرخی سے لیکر موتیا بند تک امراض چشم کا نور [illegible] نشان شان آواز، ہوں، شور و غل حلق کے ورم، نزلہ، زکام، سر درد، کھانسی دمہ۔ انفلوئنزا، نزلی بخار، بخار وغیرہ تمام ہر قسم [illegible] جاتی ہیں قیمت [illegible] محصول ڈاک وغیرہ مفصل شرح کتاب پیدائشی بہرے پن کا رسالہ امراض ہر درخواست کنندہ کو بھیجا جاتا مفت (۳) مانع احتلام۔ جرمن سائنسدانوں کی [illegible] انسانی علاج اور ادویات سے جو کام برسوں نہیں ہو سکتا [illegible] کر دکھا دیتا ہے فاسق و فاجر پرہیزگار پنڈت، مولوی، بچے، جوان، بوڑھے شادی [illegible] شدہ کو یکساں دست بجواب میں ناپاک ہونے کا قطعی دفعیہ قیمت [illegible] علاوہ محصول

المشتہر ڈاکٹر بی ایس بھنڈاری ایم اے مالک ایریکٹرس ایجنسی ایکٹینا ہاؤس مقام بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب۔

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی مجرب و آزمودہ دوائیں

چالیس سال سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو رہی ہیں

وہ زندگی ہی کیا

جس سے ایک دوسرے کو فائدہ نہ پہونچ سکے اسی خیال کو مدنظر رکھکر دوائیں بنی ہیں اور باوجود انمول فائدہ کے سستی بکتی ہیں

نام دوا مع قیمت

- اصلی عرق کافور۔ ہیضہ کے لئے ایک ہی دوا ہے
- دمہ کی دوا۔ ایک ہی خوراک میں دمہ کو دبا دیتی ہے
- کونین کی گولیاں۔ چار گرین کی ۲۵ گولیاں
- کولا ٹانک۔ کمزوری کا دشمن۔
- فصلی بخار و جھال کی دوا۔ چار پانچ ہی خوراک میں بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ قیمت فی شیشی کلاں ، خورد
- مقوی باہ گولیاں۔ جیسا نام ویسا فائدہ
- پین ہیلر۔ اندرونی و بیرونی درد کی دوا۔
- سالسہ۔ خون صاف کرنے کی دوا۔
- سنی لائن۔ خونی بواسیر و خون بند کرنے کی دوا
- پرانے سوزاک کی دوا۔ پرانے سے پرانا سوزاک ایک شیشی میں آرام ہوتا ہے۔
- گرمی آتشک کی دوا۔ یہ گرمی کے زہر کو نکال دیتی ہے
- دانت کے درد کی دوا۔ لگاتے ہی درد مٹتی ہے۔
- سر درد کی دوا۔ سر کے درد کے لئے نہایت اکسیر ہے۔
- جلاب کی گولیاں۔ آسانی سے پیٹ صاف کرتی ہیں۔
- داد کا مرہم۔ ایک ڈبیہ میں کیسا ہی داد ہو آرام ہو جائیگا۔
- کلوروڈائن۔ ہیضہ کی عمدہ دوا۔
- کھانسی کی دوا۔ کف اور کھانسی کے لئے مفید ہے کلاں ، خورد
- پھانسے ملیریا بخار کی گولیاں۔ ان گولیوں میں کونین نہیں ہے
- روغن [illegible]۔ [illegible] اور دماغی درد کے لئے مفید ہے
- کان بہنے کی دوا۔ کان کا بہنا اس سے بند ہو جاتا ہے۔

نام دوا مع قیمت

- زخم کا مرہم۔ یہ ہر قسم کے زخم کے لئے مفید ہے
- لال شربت۔ ایک شیشی میں بچے لال لال ہو جاتے ہیں
- خارش کھجلی کی دوا۔ ہر قسم کی جلدی امراض کے لئے مفید ہے
- امراض مستورات کی دوا۔ حیض کی خرابی کے لئے مفید ہے
- عرق پودینہ۔ یہ پودینہ کی ہری پتیوں سے بنا ہے بدہضمی کے لئے مفید ہے۔
- نمونہ ۵ بکس۔ اس میں ڈاکٹر ایس کے برمن کی چند مشہور دوائیں ہوتی ہیں۔
- منہرہ سینٹ۔ یہ خوشبوؤں کا بادشاہ ہے۔
- کسراج تیل۔ یہ تیلوں کا سرتاج ہے دیسی اور ولایتی خوشبوؤں کی آمیزش سے بنایا گیا ہے۔ اور خوشبو کے علاوہ دماغ کے لئے نہایت درجہ مفید ہے۔
- ہیل ٹک (بچھو پرہنی)۔ زخم چوٹ ہر ایک کے لئے لگنی دوا ہے
- نگر وائج۔ یہ مونے کو کشتہ سات ہی خوراک میں آدمی کو اپنے رنگ پر لے آتا ہے۔ ۷ خوراک
- آلوکا یعنی رقیق التا یہ بنگالہ کا خاص تحفہ ہے۔ کسی معشوق کے گورے گورے پیروں پر لگائے۔ اگر جی لوٹ پوٹ نہ ہو جائے۔ تو ہمارا ذمہ
- انگریزی۔ [illegible] ڈاکٹر ایس کے برمن کی خاص [illegible] سے بنکر آیا ہے۔ اور بخار پہچاننے کی لکیر بہت صاف ہے۔ قیمت فی تھرمامیٹر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

[redacted]

نگار ایجنسی کی کتابیں

انجمن ترقی اردو کی کتابیں

فلسفۂ تعلیم - سپنسر کی مشہور کتاب کا ترجمہ، حیات نپولین اعظم پنج جلدیں، مقالات رہنمایان ہند - سری کرشن جی اور گوتم بدھ وغیرہ کی سیرت اور فلسفۂ تعلیم، افزائش پیداوار درجہ اول، درجہ دوم

تاریخ تمدن ٹامس بکل کی مشہور کتاب کا ترجمہ حصہ اول، حصہ دوم

مقدمات الطبیعات - ہکسلے کی کتاب کا ترجمہ، البیرونی ابوریحان بیرونی کے مفصل حالات، دریائے لطافت - انشاء اللہ خاں مشہور شاعر کی مشہور کتاب، طبقات الارض، القمر

مشاہیر یونان و روما جلد اول، جلد دوم، مبادی سائنس، تاریخ یونان قدیم، انتخاب کلام میر

رسالہ نباتات، مکالمات برکلے قسم اول، قسم دوم

جامعہ ملیہ کی کتابیں

تاریخ الامت - اسلام کی بہترین تاریخ حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم، مبادی سیاسیات، انتخاب مضامین حالی، تصویر بزرگوں کی کہانیاں

تصانیف علیا حضرت بیگم صاحبہ تاجدار بھوپال

معیشت و معاشرت [illegible] مفصل [illegible]

[illegible] مقصد زندگی [illegible]

[illegible]

[illegible]

تقریروں کا مجموعہ، عفت المسلمات پردہ پر مدلل بحث، درۃ الفرقان، سیرت مصطفےٰ، باغ عجیب دلچسپ کہانیوں کا مجموعہ تین حصوں میں، علی الترتیب اخلاقی سلسلہ چار حصوں میں، تہذیب نسواں، مہذب زندگی، ہماری روح کا گھر، التربیت، افضال رحمانی، رباعیات تین حصوں میں

تصانیف جناب میمونہ سلطان شاہ بانو صاحبہ

آغاز اسلام مولانا شبلی کی کتاب بدء الاسلام کا ترجمہ

ذکر مبارک - یعنی تاریخ اسلام کا پہلا حصہ، خلافت راشدہ

سلک مروارید حصہ اول و دوم، سوم، فرائض مادری

دار الاشاعت سیاسیات مشرقیہ

خلافت عثمانیہ مصنفہ سید سلیمان ندوی، سمرنا میں یونانی مظالم، ترکی میں عیسائیوں کی حالت، حوادث سمرنا

تصانیف مولانا نیاز فتحپوری

گہوارۂ تمدن اردو میں اپنے موضوع کی پہلی کتاب جس میں عورت کے کارنامے ارتقاء تمدن میں ثابت کیے گئے ہیں

کیوپڈ و سائکی - ادب لطیف کا بہترین نمونہ

جذبات بھاشا

قربان گاہ حسن

[illegible]

تصانیف مولوی راشد الخیری

منازل السائرہ، سراب مغرب، آفتاب دمشق، شب زندگی، تائید غیبی، زینت الوقت، نوحۂ زندگی، ورثۂ شہوار

تصانیف پروفیسر سید نواب علی ایم اے

معارج الدین - جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف اور فلسفۂ جدید اور مذہب کی تطبیق پر بہترین تبصرہ

تاریخ صحف سماوی - توراۃ، انجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات دربارہ جمع قرآن کا جواب قسم اول قسم دوم، ہمارے نبی

دیگر مصنفین

اسوۃ الانبیا، رموز فطرت، بصائر القرآن، انسان، الصالحات، عقد القرآن، بنات طیبات، رہبر اخلاق، رہبر صحت، تربیت اخلاق، روح لیلیٰ، عقد ثریا، آغوش مادر، مناجات بیوہ، زینونی تمار، سیلیان، طواف زمین، کلیات محسن، نصاب تعلیم - چار حصوں میں، روح نظیر یعنی انتخاب کلام نظیر مع ایک فاضلانہ مقدمہ

کے ... اکبر آبادی

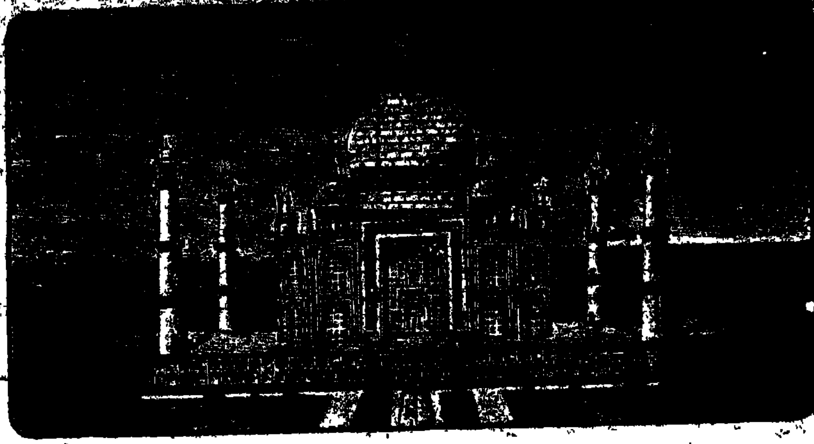
جواہر ... کپڑوں کے ... وغیرہ ... رنگنے کی ترکیب

... نمانہ دستکاری مع تصاویر حصہ اول دوم

نظام الملک طوسی از مولوی عبد الرزاق صاحب مصنف البرامکہ قسم اول قسم دوم، مجموعہ رسائل چراغ علی، تحقیق الجہاد، اعظم الکلام حصہ اول، حصہ دوم، مشاہیر اسلام حصہ اول، حصہ دوم، ماثر الکرام، گلشن ہند، سرو آزاد، تذکرہ شعرا، شرح فصوص الحکم، نظام اکبری، مقالات سرسید، حیات بعد الموت، حقائق اسلام مصنفہ مفتی انوار الحق صاحب ایم اے، سیر یورپ بیگم صاحبہ جنجیرہ کا سفر نامہ با تصویر، سرگذشت زہرا بیگم فیضی کے معاشرتی افسانے، محاربات صلیبی، میلاد ابن جوزی، مسلمانان اندلس، اساس التعلیم، نافع السوال مصنفہ منشی محمد خلیل صاحب بخاری، سرور انبیا - مولوی الف دین صاحب، مشاہیر مشائخ ہند چشتی اور سہروردی خاندان کے مشہور مشائخ کا تذکرہ از محمد سراج الدین صاحب، مرزا حیرت سیاح کی ڈائری از مولانا ابو المعانی، اخلاق سلطانی سید ظفر احسن علوی، اصنام العرب، رواۃ الامہات، حسین بیتی حکیم سید ناصر علی فراق، اجداد النبی سید ظفر احسن

(شیر نگار بھوپال)

مولوی محمد الحسن نے آگرہ اخبار پریس میں چھپوا کر نور محل بھوپال سے شائع کیا



نگار

مجلہ علمیّہ و ادبیّہ

رئیس التحریر

نیاز فتحپوری

اعلان

۱ — نگار بھوپال ۔۔۔ سے شائع ہوتا ہے۔ اس لیے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۔۔۔ کے بعد آنی چاہیے۔

۲ — نگار کی سالانہ قیمت پانچ روپیہ اور ششماہی تین روپیہ ہے۔ نمونہ مفت نہیں بھیجا جا سکتا اس کے لیے ۔۔۔ آنہ کے ٹکٹ آنے چاہئیں۔

۳ — خریداری کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بذریعہ منی آرڈر زرِ چندہ بھیج دیا جائے اور کوپن میں پورا پتہ انگریزی میں لکھا جائے، لیکن ہم وی پی آرڈر کی بھی تعمیل کر سکتے ہیں۔

۴ — تین ماہ سے کم مدت کے لیے تبدیلی پتہ کا انتظام اپنے اپنے مقامی ڈاک خانہ سے کیجیے۔

۵ — خریداری کی درخواست، ارسال زر اور انتظامی شعبہ کے متعلق تمام خط و کتابت مینیجر نگار بھوپال کے پتہ سے کی جائے۔ صرف مضامین اڈیٹر کے نام آنے چاہئیں۔

۶ — جو مضامین درج نہ ہوں گے وہ واپس نہ کیے جائیں گے۔

۷ — جواب طلب امور کے لیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا ضروری ہے۔

۸ — کسی خط میں جو خریدار کی طرف سے ہو۔ اگر حوالہ نمبر نہ ہوگا تو تعمیل نہ ہوگی

مینیجر "نگار" بھوپال

رجسٹرڈ نمبر ل ۳۸۲ جلد ۴۔ شمارہ ۶

فہرست مضامین دسمبر ۱۹۲۳ء

ایک غلطی کی صحت

نومبر کے مہینے میں صفحہ ۳۹۵ پر سلسلۂ استفسار "حسن و عشق کی حقیقت" کتابوں کے نام کتابت سے رہ گئے وہ یہ ہیں:-
(1) Theory of Beauty (2) Sense of Beauty

(رقم زدہ جعفری)

اعلان

جن حضرات کا چندہ اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے (اور ایسے حضرات بہت ہیں) ان کی خدمت میں التماس ہے کہ براہ کرم آیندہ سال کا چندہ ذریعۂ منی آرڈر اولین فرصت میں بھیجکر ممنون فرمائیں۔ ورنہ سکوت کی صورت میں ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے، کہ آپ نے جنوری کا رسالہ ذریعۂ وی پی بھیجنے کی اجازت دی ہے،

بعض حضرات وی پی پہونچنے پر اُسے امانت میں رکھوا دیتے ہیں اور دس دن کے بعد ڈاک خانہ اسے واپس کر دیتا ہے اسلئے براہ کرم اس میعاد کا بھی لحاظ رکھا جائے۔

اگر رسالہ کی خریداری منظور نہیں ہے تو صرف ایک کارڈ بھیجکر ہمیں مطلع فرما دیجئے، تاکہ محصول ڈاک کا نقصان ہمیں داشت نہ کرنا پڑے۔

منیجر نگار بھوپال

نگار

شمارہ ۶	ماہ دسمبر ۱۹۲۳ء	جلد ۴

تاجِ برطانیہ کا درخشندہ ترین الماس اور سیاسیاتِ عالم کے افق پر اسکی اثراتِ تابش

غالباً یہ حقیقت اب ہر شخص کے لیئے بے نقاب ہو چکی ہے کہ ہندوستان، تاجِ برطانیہ کا سب سے زیادہ روشن و تابناک گوہر ہے، لیکن عام طور سے اس کا مفہوم یہی سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان چونکہ بڑا ملک ہے اسلیئے اس پر قابض ہونے سے فرمانروائے برطانیہ کا شمار دنیا کے شاہنشاہانِ عظام میں ہونے لگا اور صحیح معنے ہیں ملکیت و قیصریت ہندوستان ہی کی وجہ سے اس کو حاصل ہوئی۔ ہر چند نتیجہ کے لحاظ سے یہ مفہوم غلط نہیں ہے، لیکن حقیقت کو دیکھتے ہوئے صرف اسی قدر سمجھنا معاملہ کی اہمیت کو کم اور ہندوستان کے حقیقی مرتبہ کو نظر انداز کر دینا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان جسمیں ۳۲ کروڑ سے زائد انسان سانس لیتے ہیں، (روس کو علیحدہ کر دینے کے بعد) سارے یورپ کے برابر ہے اور انگلستان ایسے حقیر و مختصر جزیرہ کے لیئے ایسے ملک پر قابض ہونا یقیناً اس کے لیئے باعثِ صد ہزار فخر و نازش ہو سکتا ہے، لیکن اگر اس مسئلہ کو نگاہ غائر سے دیکھا جائے اور جزئیات کا استقصاء کر کے ہندوستان کی سیاسی اہمیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کا قبضہ انگلستان ہی نہیں بلکہ ساری برطانیہ قوم کے لیئے زیست و موت کا مسئلہ ہے اور وہ سیاسی اقتدار جس کے حصول کے لیئے آج متمدن اقوام کا ایک ایک فرد اپنی ساری قوت صرف کرنے کے لیئے آمادہ نظر آتا ہے، اور وہ سیاسی اقتدار جس کے حصول کے لیئے آج متمدن اقوام کا ایک ایک فرد اپنی ساری قوت صرف کرنے کے لیئے آمادہ نظر آتا ہے، انگلستان کو صرف ہندوستان ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی اور اسی کے ساتھ اس کو رخصت ہو جاتا ہے

اسمیں شک نہیں کہ ہندوستان ایسا ملک جو اپنی جغرافی حیثیت اپنی پیداوار اور اہمیت کے لحاظ سے نظیر نہیں رکھتا کسی نہ کسی دن ضرور آزاد ہو کر رہیگا، اور باوجود اس کے کہ یورپین تجارت، یورپین اقتدار اور یورپین دست درازیوں نے اسے بالکل خستہ و مضمحل بنا دیا ہے، لیکن بہر نوع ایک دن وہ آنے والا ہے جب بقول ولیم سیورڈ (سکرٹری آف اسٹیٹ امریکہ) "یہ سارا تسلط و اقتدار خاک میں مل جائیگا اور بحر پاسفک کے سواحل، اس کے جزائر اور اس کے ممالک دنیا کے نہایت ہی پُر انہماک کارگاہ اور نوع انسان کے اعمالِ ترقی کے نمایاں ترین مظاہر و مناظر نظر آئیں گے"

چونکہ آج کل آزادی ہند کا مسئلہ ہر دماغ میں گونج رہا ہے، اسلیئے سب سے پہلے ہمارا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ ان موانع کو بھی اچھی طرح سمجھ لیں، جو حصول آزادی میں حائل ہو سکتے ہیں اور ان موانع کا پورا علم اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جب ہم کو برطانیہ کے پورے اغراض کا علم ہو جائے اور ہم سمجھ لیں کہ ہندوستان کے ساتھ یورپ کی اس حکومت نے اپنے تعلقات کسقدر شدید قایم کیلیئے ہیں اور وہ اپنے بقار قومی کے لیئے کس حد تک تسلط ہندوستان کی محتاج ہے۔

ہندوستان کے بعض اعتدال پسند حضرات کا خیال ہے کہ برطانیہ کی لبرل جماعت اور وہاں کا مزدوری پیشہ طبقہ ہمارے ساتھ کسی وقت ضرور انصاف سے کام لے گا، لیکن یہ خیال علاوہ اظہار پست ہمتی کے یوں بھی بالکل غلط ہے کیونکہ وہاں آپس میں خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن ہندوستان پالیسی اور نوآبادی کے مسئلہ میں ادنے مزدور سے لے کر کرزن تک سب ہم آہنگ ہیں اور ان میں سے کوئی اسکو روا نہیں رکھ سکتا کہ سلطنت کا کوئی جزو آزاد ہو کر ان کے ملک کے سیاسی اقتدار کو کم کر دے، دنیا کا کون شخص ہے جو اس امر کا یقین کر سکتا ہے کہ برطانیہ اس ملک کو اپنے ہات سے نکل جانے دیگا، جس کے لیئے بقول جوس آرتھر "ہم نے امریکہ سے مقابلہ کیا، جس کی تجارت اپنے لیئے مخصوص کرنے کی غرض سے جنوبی افریقہ پر ہم نے قبضہ کیا، جس کے لیئے فرانس سے جنگ کر کے کناڈا، ہالینڈ، اور کیپ کالونی پر اپنا تسلط قائم کیا اور جس کا راستہ صاف رکھنے کے لیئے انگلستان سے لیکر سواحل ہند تک ہزاروں قلعے اور اسٹیشن جہازوں کے لیے ہم نے طیار کیے"۔ جس کی تصدیق اس سے زیادہ ذمہ دار زبان سے ہوتی ہے، اور کرزن اپنی مشہور تصنیف Problems of Far East میں صاف صاف کہتا ہے کہ "ہندوستان سلطنت برطانیہ کا بنیادی پتھر ہے اور انگلستان کا مستقبل خواہ کچھ ہو، لیکن اس حقیقت کی اہمیت کسی وقت کم نہیں ہو سکتی کہ سلطنت برطانیہ باوجود یورپین ہونے کے سب سے پہلے ایشیائی سلطنت ہے اور ہم کو ایشیا کی سب سے بڑی قوت بنکر زندگی بسر کرنا ہے"

تاریخ ہندوستان کے ابتدائی طالب علم کو بھی یہ حقیقت معلوم ہے کہ یورپین اقوام کا سواحل ہند پر آنا محض

تجارتی اغراض کی بنا پر تھا اور انہیں مقاصد کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اُن کی متنا ملنا ہوئی حتیٰ کہ آج ہندوستان کی اقتصادی حالت نہایت خراب ہوگئی ہے، اور وہ اپنی دولت سے پورا نفع نہیں اٹھاسکتا۔

یوروپین اقوام کی آمد سے پہلے ہندوستان میں جسقدر بادشاہ گزرے ہیں یقیناً وہ بھی غیر ملک کے تھے، لیکن ہندوستان میں آجانے کے بعد وہ اپنے تئیں یہیں کا باشندہ سمجھنے لگے تھے اور اُن کی ہمدردیاں اس ملک کے ساتھ وہی تھیں جو ایک ملکی فرمانروا کی ہونی چاہیئے۔ اُن کے دل میں ملک و اہل ملک کا درد تھا، یہاں کی دولت یہیں صرف ہوتی تھی اور ہندوستان اسقدر مفلس نہ تھا، لیکن یورپ کی نیت پہلے ہی سے صرف طلب زر تھی اور ملک کی طرف سے اُسے کوئی ہمدردی نہ ہوسکتی تھی، چنانچہ جسوقت ۲۷ جون ۱۸۵۳ء کو کابڈن نے "برٹش ہاؤس آف کامنس" میں برطانیہ و ہندوستان کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالی تو اس نے صاف صاف ظاہر کردیا کہ "انگریزی قوم کبھی ہندوستانی باشندہ ہونے کی حیثیت سے حکومت نہیں کرسکتی، ہماری قوم کا فائدہ اسی میں ہے کہ ایک اجنبی کی طرح رہکر صرف وہاں کی تجارت سے فائدہ حاصل کرے"

پھر چونکہ ایک طرف برطانیہ نے اور دوسری طرف فرانسیسیوں نے ہندوستان کو ایک ہی مقصود کے لیے منتخب کرلیا تھا اسلیئے ان دونوں میں رقابت کا ہونا ضروری تھا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو فنا کردینا چاہتا تھا۔ چنانچہ انقلاب فرانس کے دوران میں (مابین ۱۷۹۳ء و ۱۸۰۰ء) انگلستان و فرانس کے درمیان آتش جنگ کا زیادہ ملتہب ہوجانا صرف ہندوستان ہی کی وجہ سے تھا، کیونکہ ایک طرف برطانیہ بحر روم پر قابض ہوکر اپنے ہندوستان کے قبضہ کو زیادہ مستحکم بنانا چاہتا تھا، اور دوسری طرف نپولین چاہتا تھا کہ قسطنطنیہ اور مصر میں فرانسیسی حکومت قائم کرکے ہندوستان کا راستہ برطانیہ کے لیئے روک دے، چنانچہ بعد کو فرانس کا حصول آزادی میں امریکہ کی مدد کرنا بھی صرف اسی غرض سے تھا کہ برطانیہ ضعیف ہوجائے، لیکن آخر کار عہدنامہ پیرس نے ۱۷۶۳ء میں فیصلہ کردیا کہ برطانیہ کو دنیا کی سب سے زبردست سلطنت بننا ہے اور ہندوستان پر صرف اسی کا قبضہ ہوسکتا ہے،

جب برطانیہ کو فرانس کی طرف سے اطمینان ہوا تو دوسرا خطرہ اُسے روس کی طرف سے تھا، کیونکہ پیٹر اعظم نے جو تمنا قائم کی تھی وہ اب تک فرمانروایان روس کے دل میں جاگزیں تھی اور قسطنطنیہ پر قابض ہوجانے، ایران و وسط ایشیا میں اقتدار کامل پیدا کرنے، اور بحر اسود و بحر کاسپین کے ساتھ ہی ہندوستان کے مالک ہونے کا خواب اب بھی نذار روس کے محل میں دیکھا جارہا تھا، چنانچہ روس کا صوبۂ بلقان میں ہنگامہ پیدا کرنا صرف اسی بنا پر تھا کہ وہ اس بہانہ سے قسطنطنیہ میں داخل ہوجائے اور برطانیہ کا ترکی کی حمایت کرنا بھی اس لحاظ سے تھا کہ وہ روس کو کامیاب نہ ہونے دے

ورنہ برطانیہ کو ترکوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہ تھی، پھر چونکہ برطانیہ، انگلستان و ہندوستان کے راستہ کو بالکل محفوظ رکھنا چاہتا تھا اسلیئے ۱۸۷۵ء میں اس نے سویز کنال کمپنی کے بہت سے حصے خرید کے اپنا اثر وہاں قائم کیا اور گلیڈسٹون نے ۱۸۷۷ء میں اپنی پالیسی کو بالکل واضح کردیا کہ "مشرق میں برطانیہ کا اثر و اقتدار قائم رہنا اسی قدر ضروری ہے جسقدر ہماری قوم کا آزاد رہنا، چونکہ روس کے لیئے اس کا امکان ہے کہ کسی وقت وہ باسفورس پر قابض ہوجائے، اسلیئے ہمارا اولین فرض یہ ہے کہ ہندوستان کے راستہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور وہ راستہ نہر سویز ہے، جسپر قابض ہوجانے کے بعد ہم دفعتاً ہند پر متصرف ہوسکتے ہیں" یہی وجہ ہے کہ برطانیہ مصر کو تمام حقوق آزادی دینے کے لیئے آمادہ ہے لیکن وہ نہر سویز چھوڑنے کے لیئے طیار نہیں کیونکہ نہر سویز کو چھوڑنا گویا ہندوستان سے دست بردار ہوجانا ہے، اور یہ اُسے کسی طرح گوارا نہیں ہوسکتا۔

تحفظ ہندوستان کے لیئے ایران کے ساتھ جو پالیسی برطانیہ کو قائم کرنی پڑی اس کا حال اس مراسلہ سے معلوم ہوسکتا ہے جو ستمبر ۱۸۹۹ء میں حکومت ہند نے سکرٹری آف اسٹیٹ کے نام بھیجا تھا۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وسط ایشیا میں روس کی ترقی برطانیہ کے لیئے کسقدر تکلیف دہ ہے اور خلیج فارس میں بحری استحکامات قائم کرنا کس درجہ ضروری ہے، آخرکار ۱۹۰۷ء میں یہ خلش بھی دور ہوئی اور روس و برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوگیا جسکے رو سے ایران تین حصوں پر تقسیم کیا گیا۔ شمالی حصہ روس کے سپرد کیا گیا، جنوبی حصہ پر برطانیہ کا تصرف ہوا اور درمیانی حصہ ایران کے لیئے چھوڑ دیا گیا۔ برطانیہ اس سے قبل روس کی مخالفت میں جرمنی کا طرفدار ہوچکا تھا لیکن اب جب کہ روس کی طرف سے خطرہ جاتا رہا اور جرمنی کی روز افزوں بحری و اقتصادی ترقی سے اسے اندیشہ پیدا ہوا تو برطانیہ نے روس و فرانس کے ساتھ اتحاد قائم کرکے جرمنی کی مخالفت شروع کی۔

حال کی جنگ میں جو رقابت و عداوت جرمنی و انگلستان کے درمیان کام کر رہی تھی، اس کا سراغ حقیقتاً ۱۹۰۳ء سے لگتا ہے جب جرمنی خلیج فارس میں اپنا اقتدار آہستہ آہستہ قائم کر رہا تھا۔ کیونکہ خلیج فارس میں جرمنی ایسی سلطنت کا اثر پیدا کرلینا گویا برطانیہ کی تمام تجاویز کو درہم برہم کردینا تھا۔ اس سے قبل ۱۸۸۸ء میں ایشیائے کوچک کے اندر جرمنی کو ریلوے کمپنی قائم کرنے کا اجارہ حاصل ہوچکا تھا، اور قونیا تک ریل طیار ہوچکی تھی۔ جب ۱۸۹۸ء میں قیصر ولیم دوبارہ قسطنطنیہ گیا تو اس اجارہ میں اور توسیع ہوگئی حتی کہ ۱۹۰۳ء میں باب عالی کی طرف سے ایک فرمان بھی حاصل کرلیا جسنے بغداد ریلوے کمپنی کی بنیاد قائم کی۔ اس کا انتہائی اسٹیشن کویت قرار پایا جو خلیج فارس پر واقع ہے۔ جرمنی نے شیخ کویت سے بھی خفیہ معاہدہ کرلیا تھا کہ وہ اس باب میں مزاحم نہ ہوگا لیکن جب ۱۹۰۰ء میں

جرمن مشن تکمیل کار کے لیئے وہاں پہونچا تو اسنے انکار کردیا۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں جب ایک ترکی جہاز اس مزاحمت کے دور کرنے کے لیئے پہونچا تو برطانیہ کے بیڑہ نے شیخ کویت کی مدد کی اور جرمنی کو کامیابی نہ ہوئی۔

جب جرمنی کو اسطرف کامیابی نہ ہوئی تو اس نے ایک شاخ حلب سے بحر روم تک کھولی۔ اور الگزنڈریٹا کو قلعہ بند کرنے کی اجازت حاصل کرلی۔ جہاں سے جرمنی آٹھ گھنٹہ میں جزیرۂ سائپرس اور ۳۶ گھنٹہ میں نہر سویز تک پہونچ سکتا تھا۔ جرمنی کی یہ ریشہ دوانیاں دیکھ کر برطانیہ نے جرمنی سے ایک معاہدہ کرلیا جس کی بناء پر جرمنی کو ایشیاء کوچک میں اپنا کام کرنے کی آزادی دیدی گئی اور خلیج فارس کے سواحل اور اس کے قرب وجوار کے شہروں پر برطانیہ اپنا اثر قائم کرنے کے لیئے آزاد چھوڑ دیا گیا، اس واقعہ نے روس و فرانس میں پھر اضطراب پیدا کردیا، لیکن برطانیہ کی حکمت عملی ان دونوں کو اپنی اپنی جگہ مخفی رعایات سے مطمئن کرکے ہندوستان کے تحفظ کو علیٰ حالہ قائم رکھا۔

یہ تھی وہ پیچیدگیاں جو مسئلہ ہند میں یوروپین اقوام سے متعلق تھیں۔ لیکن خود ایشیا کے اندر بھی برطانیہ کو دو ملکوں سے معاملہ طے کرنا تھا۔ انگلستان و جاپان کے درمیان عرصہ سے نہایت گہری رقابت چلی آتی ہے، چنانچہ جب کوئی ذمہ دار جاپانی تاجر یا سیاح ہندوستان آتا ہے تو جاسوس اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ جاپان مشرق بعید میں سیاسی و تجارتی تفوق کے لحاظ سے برطانیہ کا نہایت ہی قوی حریف ہے اور موقعہ ملنے پر برطانیہ ایسی سخت سرکوبی جاپان کی کریگا کہ تمام معاہدے خاک میں مل جائیں گے۔ سنہ ۱۹۰۴ء سے لیکر سنہ ۱۹۱۳ء تک چین و ہندوستان کے اندر اسکی تجارت سہ چند ہوگئی اور ۱۹۱۷ء تک اسمیں اور دوچند اضافہ ہوگیا ہے، ظاہر ہے کہ برطانیہ اسکو گوارا نہیں کرسکتا کہ ایشیاء اور علی الخصوص ہندوستان کسی اور ملک کی منڈی بن جائے۔ پھر برطانیہ کا اسکو برداشت کرنا صرف اس مصلحت کی بناء پر ہے کہ اگر جاپان سے مخالفت پیدا کی گئی تو اس کا اثر نہ صرف ہندوستان پر پڑیگا۔ بلکہ اس کے دیگر مقبوضات ایشیاء بھی متاثر ہوں گے اور ممکن ہے کہ ایک عام بغاوت پھیل کر موجودہ نظام کو درہم برہم کردے لیکن اگر برطانیہ آج اس طرف سے مطمئن ہوجائے کہ جاپان ہندوستان کے کسی سیاسی انقلاب میں حصہ نہ لےگا تو اس اتحاد و دوستی کا بھرم اسوقت کھلا جاتا ہے۔

چین و انگلستان کے تعلقات بہت قدیم ہیں۔ سب سے پہلے سنہ ۱۷۹۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے ایک سفارت پیکنگ روانہ کی گئی تاکہ چین کے سواحل تجارت برطانیہ کے لیئے کھل جائیں۔ لیکن اسوقت اسمیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی، سنہ ۱۸۰۲ء میں پرتگال کی طرف سے فرانسیسی حملہ کے اندیشہ کا بہانہ پیدا کرکے انگریزوں نے مکاؤ پر قبضہ کرلیا اور سنہ ۱۸۴۰ء و سنہ ۱۸۵۶ء میں جنگ "افیون" عمل میں آئی اور برما و سکیم پر بھی اس لیئے قبضہ کرلیا گیا

کہ تحفظ ہندوستان کے لیئے ایسا کرنا ضروری تھا، اس وقت تک تبت آزاد تھا، لیکن جب ۱۹۱۵ء میں روس نے منگولیا کے اندر اپنے اثرات وسیع کرنا شروع کیئے تو اسی قسم کے حقوق برطانیہ نے تبت پر حاصل کر لیئے تھے کہ سویز سے لیکر ہانگ کانگ تک سارا راستہ صاف ہوگیا اور برطانیہ ہندوستان کی طرف سے مطمئن ہوگیا۔ لیکن اس کے لیئے کیا تدابیر عمل میں لائی گئیں، یہ معلوم کرنے کے لیئے تم ایران، مصر، افغانستان، بلوچستان، تبت، برما، سیام، چین عرب ترکی اور عراق کے حالات کا غائر مطالعہ کرو۔ اسوقت تمھیں حقیقت کا علم ہوگا اسی لیئے ہندوستان کا مسئلہ تمام ایشیا کا مسئلہ ہے اور چونکہ ہندوستان سے اتنے ملکوں کے سیاسی اغراض متاثر ہوئے ہیں اسلیئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اسکا بغور مطالعہ کریں اور خود اپنی حالت کا اندازہ کریں کہ اس کا اقتضا کیا ہو سکتا ہے۔

برطانیہ کی عسکریت اور بحریت وہ دو چیزیں ہیں جن پر تمام سلطنت برطانیہ کی بنیاد قائم ہے اور غالباً یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ان دونوں چیزوں کے حصول کا بڑا ذریعہ ہندوستان ہی ہے، آج برطانیہ اپنی پالیسی کے لحاظ سے انتہائے عروج پر ہے اور ساری دنیا اپنی اپنی غرض سے برطانیہ کی عسکریت کو مدد پہونچا رہی ہے، امریکہ اپنے تجارتی اغراض کی بنا پر برطانیہ کا ساتھ دینے پر مجبور رہے، اور جب تک بحر پیسفک کا تعلق ہے، جاپان اور فرانس بھی برطانیہ کی حمایت پر مجبور ہیں جرمنی اور اطالیہ کا سررشتہ بھی فرانس کیوجہ سے اس وقت برطانیہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور روس بھی باوجود ادعائے بالشیوزم، فرانس سے اپنے شرائط تسلیم کرانے کے لیئے برطانوی پالیسی کا منھ تک رہا ہے۔

پھر ظاہر ہے کہ ایسی شوکت وجبروت والی سلطنت جس نے صرف ہندوستان کے لیئے آسمان وزمین کو ایک کر رکھا ہے، وہ کیونکر ہندوستان سے دست بردار ہو سکتی ہے۔ علی الخصوص اسوقت جبکہ اس نے آئرلینڈ کے مطالبات بھی محض ہندوستان کی وجہ سے تسلیم کر لیئے۔ مصر کے ساتھ بھی رواداری اسی لیئے جائز رکھی کہ ہندوستان کی سیاسی حالت اسی کی مقتضی تھی، افغانستان کے ساتھ بھی مفاہمت اسی لیئے کی کہ ہندوستان اور زیادہ محفوظ ہو جائے اور جو عربوں کے ساتھ بھی لینت ونرمی اسی لیئے برت رہا ہے کہ سرزمین ہند پر کوئی آنچ نہ آئے

پھر اسکندریہ سے لیکر کراچی تک ہوائی جہازوں کے راستہ کا قیام، تبت پر اثرات کا روز بروز قوی کرنا، شمالی چین اور جزیرہ نمائے ملایا میں مداخلت کرکے سنگاپور وغیرہ میں بحری بیڑوں کے لیئے بندرگاہ بنانا، روس وایران، چین وجاپان سے معاہدوں کی تجدید کرنا، فوجوں میں ہر سال اضافہ ہوتا رہنا، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان ملوکانہ واسکندرانہ تدابیر کے مقابلہ میں، ہندوستانی آبادی جو اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتی اور جو اپنے اخلاقی پہلو کی کمزوریوں کو بھی حال ہی میں ہندومسلم نفاق کی صورت سے پیش کر چکی ہے، کبھی کامیاب ہو سکتی ہے اور کیا محض کانگرس کے بے معنی اجتماع سے

ہم اتنی بڑی زبردست سلطنت کے ایسے وسیع نظام کو درہم برہم کر سکتے ہیں

ہم کو معلوم ہے کہ ہندوستان کا اربوں روپیہ ہر سال ولایت کے تاجروں کے پاس چلا جاتا ہے، ہم اس سے بھی بےخبر نہیں کہ ہندوستان کی اقتصادی حالت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہے اور ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ حکومت برطانیہ کسی ایسی ہمدردی کے لیئے آمادہ نہیں ہو سکتی کہ وہ ملک چھوڑ کر چلی جائے لیکن سوال یہی ہے کہ ہمارے پاس اس کا مداوا کیا ہے؟ لیکن قبل اس کے کہ ہم علاج و مداوا کے مسئلہ پر غور کریں، پہلے یورپ اور خصوصیت کے ساتھ برطانیہ کے اُن عوامل خفیہ پر ایک نگاہ ڈالنی ضروری ہے جو دول مغرب کے موجودہ سیاسیات پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ برطانیہ اور تمام یورپ کے اصول حکمرانی صرف اصول تجارت کے لحاظ سے منضبط ہوتے ہیں اور چونکہ تجارت کا تعلق کثیر صناعات سے ہے، اسلیئے اب عنان حکومت وزراء اور ارباب سیاست کے ہات میں نہیں ہے، بلکہ اہل تجارت اور عمال (مزدوری پیشہ لوگ) کے دست اقتدار میں ہے: وہ جدھر چاہتے ہیں اس باگ کو موڑ دیتے ہیں۔

ہرچند یہ کیفیت سارے یورپ میں پائی جاتی ہے، لیکن انگلستان اس باب میں خصوصیت کے ساتھ بہت مجبور ہے کیونکہ اسکی حیات کا انحصار صرف خارجی تجارت پر ہے اور اگر آج باہر کی منڈیاں وہاں کے مال کو لینا بند کر دیں تو کل برطانیہ کی قلمرو میں بل چل مچ جائے۔ اسلیئے وہ ہر وقت اس فکر میں رہتا ہے کہ اسکی نوآبادیاں اور اسکے مقبوضہ ممالک صرف اسی کے مال کو قبول کریں اور اسلیئے وہ اپنی بحری سیادت قائم رکھنے پر بھی مجبور ہے تاکہ کوئی دوسری سلطنت اسکی منڈیوں پر قابض نہ ہو جائے اور اسی کے ساتھ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ تمام دنیا میں ہر جگہ امن و امان رہے کہ تجارت کا فروغ صرف اسی صورت سے ممکن ہے۔

آبزرور کا اڈیٹر جو انگلستان کا بڑا زبردست سیاست دان انسان سمجھا جاتا ہے لکھتا ہے کہ "دنیا کی جماعت بشری میں سوائے انگریزی قوم کے اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جسکی حیات و فلاح کا تعلق بالکل سیاست خارجیہ پر موقوف ہو۔ ہم اپنی اقتصادی و تجارتی تعلقات کی وجہ سے بالکل غیروں کے قبضہ میں ہیں اور اسلیئے ہماری ادنی سی سیاسی غلطی بھی ہمیں بہت متاثر کرتی ہے، مثلاً ہندوستان اور مشرق کا اضطراب ہمارے لیئے سخت نقصان رسان ہے کیونکہ اس سے انکا شائر اور وہاں کی مصنوعات و عمال کو حد درجہ مضرت پہونچنے کا اندیشہ ہے"

حقیقت یہ ہے کہ اب پارلیمنٹ کا دور حکومت ختم ہو چکا ہے اور اسکی جگہ تجارتی کمپنیوں نے لے لی ہے۔ آپ کو سنکر تعجب ہوگا کہ اسوقت صرف انگلستان میں ۷۵۰۰۰ سے زائد کمپنیاں ہیں جن کے مدیر (ڈائرکٹر) ہر ماہ ایک جلسہ

کرتے ہیں اور اپنی ضروریات کے لحاظ سے مختلف تجاویز مقرر کرکے حکومت کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ان پر کاربند ہوں۔

موسیو کایو، فرانس کے مشہور وزیر نے حال ہی میں ایک کتاب شائع کی ہے، اس میں دنیا کی موجودہ اقتصادی و سیاسی حالات سے بحث کرتے ہوئے دول مغرب کے متعلق لکھتا ہے کہ "ان کی حالت ایسے شہروں کی سی ہے جن میں ہر جگہ سر بفلک عمارتیں تو نظر آتی ہیں، لیکن ویرانی کا یہ عالم ہے کہ گویا ابھی ابھی یہاں سے کوئی لشکر تباہیاں پھیلاتا ہوا گذر گیا ہے۔ آبادی کا اکثر حصہ فقر و عسرت کا شکار ہے اور سرمایہ دار غریب مزدوروں کے نتیجۂ عمل سے بے اندازہ دولت جمع کرتے چلے جاتے ہیں"

جرمنی میں اسوقت اشتراکیت کا دور ہے لیکن وہاں کی باگ بھی صرف ایک تاجر ہوگو سٹینس کے ہات میں ہے جو نہ صرف جرمنی بلکہ آسٹریا، اٹلی اور سوئٹزرلینڈ وغیرہ تمام قریب کے ممالک پر اپنی قوی اثر اپنی دولت کا رکھتا ہے، تمام معدنیں۔ ہوٹل، قہوہ خانے، اخبارات، تیل اور چمڑے کا کاروبار، مشینیں اور برقی آلات بنانے کے کارخانے اس کے قبضہ میں ہیں اور اسطرح وہ ارباب سیاست سے جسطرح چاہتا ہے کام لیتا ہے۔

امریکہ جمہوریت کا مدعی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہاں بھی فورڈ، راکفلر اور اڈیسن ہی کی سیادت ہے اور وہاں کا نظام حکومت بھی انھیں کا منہ تکتا ہے، حال ہی میں وزارت برطانیہ کا یونان کی طرفداری کرنا اور سیاسیات عالم میں انقلاب عظیم برپا ہوجانا صرف یونان کے ایک دولت مند شخص باسیل زاہارف کے اثر کا نتیجہ تھا جو لائڈ جارج کے ذہن و خیال پر حکمرانی کر رہا تھا، الغرض اسوقت تمام دنیا میں حکومت ارباب تجارت کی ہے، اور انہیں کے اشارۂ ابرو پر سیاسیات عالم کا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ پھر چونکہ ان کے سامنے صرف ایک غرض ہے اور اسی کے حصول کے لیے دنیا میں استبداد و ظلم روا رکھا جاتا ہے، اس لیے حقیقتاً ہمیں اس ظلم کا مقابلہ ظلم سے نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اصل سررشتہ کو دیکھنا چاہیئے کہ حقیقی کامیابی اسی کے قطع کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے مرض کے دور کرنے کا بہترین طریقہ اس کے سبب کا دور کرنا ہے، اگر ہندوستان کی اقتصادی حالت خراب ہوتی جاتی ہے تو یہ قصور حکومت کا نہیں ہے، بلکہ اُن ارباب تجارت کا ہے جن کا اثر موجودہ نظام حکومت میں خون کی طرح جاری و ساری ہے۔ پھر تمھارا مقابلہ حکومت سے نہیں بلکہ صنعت و تجارت سے ہے اور اس مقابلہ میں صرف اُسی وقت کامیابی ہوسکتی ہے، جب تمھاری صنعت و تجارت زیادہ ترقی کرجائے یا تم خود اپنے طرز عمل سے غیر ملکی صنعت و تجارت کی ترقی میں کوئی مدد نہ کرو۔ اول صورت ممکن نہیں ہے، اسلیئے صرف دوسری صورت باقی رہجاتی ہے اور یہی ہے اصل مداوا۔

(اڈیٹر)

یونان کے عہدِ صنم پرستی کا ایک زرّین ورق

تاریخ یونان کے اُس عہدِ زرین اور دورِ جمیل میں جب اُس سرزمین کا ذرہ ذرہ عشق آباد اور چپہ چپہ معمورۂ حسن ہو رہا تھا، جب وینس اور کیوپڈ کے مندروں کی رونق اور چہل پہل نے باقی دیوتاؤں کے معبدوں کو ویران کر دیا تھا، ایک خاندان کی ساری مسرتوں اور تمام ارمانوں کو سنگِ مقدس کی پیشگوئی بجلی بنکر خاکستر کر گئی کہ "اٹلانٹا کی شادی کا دن اسکی تباہی کا دن ہوگا"

اس خبر نے اٹلانٹا کی طفلی کو لطف و شفقت سے یکسر محروم رکھا، اور جب وہ اُس دلفریب دورِ حیات میں داخل ہوئی جہاں طفلی اور شباب کی حدود ملتی ہیں تو اس کے گھر والے ہر وقت خائف و لرزاں رہنے لگے کیونکہ جوان ہو جانے پر اُس بلائے ناگہاں کے نازل ہونے کا ہر وقت امکان و احتمال تھا، کاش وہ سمجھ سکتے کہ اس پیشگوئی کا مقصود خود اٹلانٹا کا مہتابی حسن و شرابی شباب تھا، کیونکہ دنیا اسکی اس مستقل دعوتِ ابتلاو ہلاکت کو مسترد نہ کر سکتی تھی اور وہ جو اُس کے پہلو میں ایک شب گزار سکے کیونکر زندہ رہ سکتا تھا!

غرض اُسکی پرورش و تربیت رافت و محبت سے کچھ اسدرجہ بیگانہ رہی کہ اُسوقت بھی جب اُسکی جوانی کی شراب میں جوش و سکر پیدا ہو رہا تھا وہ انسانی محبت سے یکسر ناآشنا تھی ـــــ چونکہ گھر میں اُس کے لیئے کبھی کوئی دلچسپی نہ تھی اسلیئے وہ بچپن ہی سے تیر و کمان کی شوقین تھی اور دشت و صحرا میں پھرنا اُسکی فطرت ہوگئی تھی، یہاں تک کہ وہ اپنے تئیں بھی جنگل ہی کی ایک مخلوق باور کرتی تھی۔ بالآخر وہ وقت آگیا کہ جوشِ صہبا شکستِ مینا ثابت ہو

اٹلانٹا کا حسن و شباب ایسی چیزیں نہ تھیں کہ ان کی طرف سے نوجوانانِ یونان اپنی آنکھیں بند کر سکتے یا اپنے دلوں پر قابو رکھ سکتے؛ چنانچہ اسکی شادی کے پیغام آنا شروع ہوگئے، مگر خاندان والے اس پیشگوئی کو کیونکر بھلا سکتے تھے، اسلیئے ان پیغاموں کو مسترد کرنے کی زحمت سے بچنے کے لیئے یہ اعلان کیا گیا کہ اٹلانٹا کا شوہر وہی شخص ہو سکتا ہے جو دوڑنے میں اُس سے بازی لیجائے، لیکن اٹلانٹا کو اپنی کامیابی کی صورت میں اپنے مغلوب کی جان پر پورا اختیار حاصل ہوگا، چنانچہ جانبازانِ عشق اور سرفروشانِ محبت اس امتحان کے لیئے آمادہ ہوگئے۔

(۲)

رئیس شہر کا نوخیز لڑکا، جو وینس کی کرشمہ سازیوں اور کیوپڈ کی دل افگاریوں سے واقف نہ تھا، جو نہ جانتا تھا کہ حسن کیا بلا ہے اور عشق کیا مصیبت، حَکَم مقرر کیا گیا، جب وہ میدانِ مقابلہ میں پہونچا اور اٹلانٹا کی برقِ جمال

اور آتش شباب کے پروانوں کو دیکھا تو ایک ایسے تبسم کے ساتھ جسمیں کچھ تحقیر و تضحیک شامل تھی کہنے لگا "کیا ایک عورت کے لیئے لوگ ایسی احمقانہ شرط کو تسلیم کر سکتے ہیں؟"

لیکن جسوقت اٹلانٹا نے اپنے حسین جسم سے فرغل جدا کیا، اور شاہزادہ نے اسکے سڈول اعضا کو اور طوفان شباب کو بچشم خود دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھا، "نوجوانو میں غلطی پر تھا، مجھے تمہارے انجام کی حقیقت معلوم نہ تھی!"

اس نے عورت اور اُسکے حسن کو ابھی تک صرف کتابوں میں پڑھا تھا، مگر اسوقت وہ عورت کی طلسم آفرینیوں اور اُس کے حسن کی سحر کاریوں کو انکی پوری طاقت و شدت کے ساتھ محسوس بھی کر رہا تھا۔ اُسکو اسطرح دیکھ لینے کے بعد سے ملیتان صرف یہ سوچ رہا تھا کہ کاش مقابلہ کرنے والے سب ناکام رہیں؛ اس ہجوم میں جو شخص ذرا چست و چالاک نظر آیا اُسکی نظر و خیال میں کانٹا سا چبھا ابھی وہ اپنے خیالات و جذبات میں منہمک تھا کہ دوڑ کا وقت آ پہونچا اور سخت متنافی حسیات کے ساتھ ملیتان نے دوڑ کا حکم دیا، اٹلانٹا وہ مجسمۂ مرمرین جسکی حرکات اور عمل بالکل مکانکی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ اُن کے گوشت و خون کی ترکیب جذبات پیدا کرنے سے یکسر عاری ہے، اپنے شیدائیوں کے ہجوم میں ایک شمع رواں تھی جسپر پروانے ٹوٹے پڑتے تھے۔ وہ زمین پر چلتی معلوم نہ ہوتی تھی، اسکی گیسوئے عنبر گوں ہوا میں اسطرح بکھرے ہوئے تھے گویا کوئی پری مصروف پرواز تھی! اُس کے ڈھلے ہوئے اور صبیح جسم پر خون شباب کی سرخی چھنتی ہوئی معلوم ہوتی تھی، گویا کسی پیکر رخام کو قرمزی حریر کا چست ملبوس پہنا دیا گیا ہے!

ہونا یہی تھا کہ اٹلانٹا سے کوئی بازی نہ لیجا سکا اور ہمت خوردگان عشق نے شرط محبت کو خندہ روئی و مسرت کے ساتھ پورا کیا

شاہزادہ ملیتان، جس نے احساس شباب کا اولین درس اٹلانٹا کے حسن و جوانی کو دیکھ کر حاصل کیا تھا، خنجر کی روانی اور خون کے فواروں کو دیکھکر شوق شہادت سے مست ہو کر؛ برابر اٹلانٹا کے چہرہ کو دیکھتا رہا؛ اور جب وہ اُسکے قریب سے گزری تو کہنے لگا "جنگل کی ملکہ میں بھی تیرے آب خنجر کا پیاسا ہوں!" حسن فتحمند مسکرایا اور ملیتان پر اٹلانٹا کی تابناک نگاہیں قائم ہو گئیں، لیکن اُسکے چہرہ پر تاثر کی کوئی علامت نظر نہ آئی، چند لمحوں کے تامل و تذبذب کے بعد صبیح رخسارے گلرنگ ہو گئے اور وہ دل ہی دل میں کہنے لگی "آہ، وہ دیوتا جو ایسے خوشرو و رعنا جوان کو آمادۂ ہلاکت کر دے، بڑا ہی بے رحم ہے! مجھے اسپر ترس آتا ہے۔ حسین نوجوان تو بہت ہوتے ہیں۔ لیکن اسکا عنفوان کچھ اس نوع کا ہے کہ مجھے اُس کا زندہ رہنا زیادہ محبوب و عزیز ہے، اور اگر وہ اسی پر مصر ہے تو مجھے منظور ہے کہ وہ کامیاب ہو جائے!"

تاریخ مقرر ہو گئی اور لوگ اُس دن کا بےچینی کے ساتھ انتظار کرنے لگے۔

(۳)

ساحلِ ارگوس پر معبودۂ جمال کی خانقاہ حسین قائم تھی، اور شاہزادہ ملتیاں اُسمیں داخل ہو رہا تھا، سمندر کی کف آفریں موجیں اُس معبد کی قدمبوسی کرنے آتیں اور واپس جاتیں، گویا سمندر کا شوق بیکراں عبادت گاہ زہرہ میں داخل ہو رہا تھا،

ملکۂ حسن کی اس ہیکل میں وینس کے اس مجلّٔہ جمال میں جہاں اُسکا حسین ترین بت نصب تھا بحری ہوائیں زمزمۂ عبودیت بنکر داخل ہو رہی تھیں، شاہزادہ نے ہیکل کے اندر پہونچکر پہلے تو اپنی نذریں پیش کیں اور پھر خلوص دل کے ساتھ، سکوت فضا اور نغمات بحر کے ترنم میں اُس مجسمۂ قمر آفریں کے طواف میں مشغول ہو گیا، وہ عود دان میں بخور ڈالتا اور دعائیں مانگتا رہا:۔

"اے وہ، جو پر شباب لیکن غمزدہ دلوں کی تنہا دستگیر اور مایوس نوجوانوں کی واحد مددگار ہے، میری خطا سے چشم پوشی کر کہ میں اسوقت تک غافل و نافرمان رہا ہوں!

"اے معبودہ، تیرا تبسم نورافروز غمزۂ ناروا نہیں ہے، خوابِ محض نہیں ہے، تو دیوی ہے اور فانی انسان سے بہت بالاتر! کیونکر ہو سکتا ہے کہ تو اپنے پرستاروں کی مدد نہ کرے!

"اے پر عظمت ملکہ، تیرا نام لینے والوں میں ایسے بھی ہیں جنکی محبت اُنکی وجہ انفعال ہے اور باعث اضمحلال لیکن اے دیوی! میں اُنمیں سے نہیں ہوں جو تجھے الزام دیتے ہیں، بہرحال میں تیرا پرستار ہوں اور ہمیشہ تیرا ہی کلمہ پڑھونگا، مجھے اسکا بھی ملال نہیں کہ میں اپنی دنیا ایک تمنا ایک آرزو پر قربان کردوں اور تیرا نام لیتا ہوا فنا ہو جاؤں، لیکن کیا تو اسے گوارا کرے گی کہ تیرے آستان جمال کی جبہ سائی بھی میرے کام نہ آئے یہ الزام انسان اور دیوتاؤں کی نظر میں تیری عظمت و جلال کے لیئے اچھا نہیں ہے، سب یہی کہیں گے کہ وینس اپنے پرستاروں کی خبر نہیں لیتی۔ دیوی! مجھ سے قبل جو بھی تیری بارگاہ حسن کی آستان بوسی کو آیا ہے مجھ سے زیادہ پر عقیدت و خلوص مند دل لیکر نہ آیا ہوگا اور اُن کے دل اس خوف سے خالی نہ ہوں گے کہ مبادا اُنکی آنکھیں حقیقی جذبات کا اظہار کر دیں، مگر میری ملکہ! تجھ پر روشن ہے کہ میری آرزوئیں نامقدس نہیں ہیں۔ میری التجائیں اور دعائیں تو صرف اسلیئے ہیں کہ تیری نظر لطف و کرم سے ہم دونوں کو ایک ایسا گوشہ میسر آجائے جہاں کوئی انسانی آواز ہماری فردوس جنت میں مخل نہ ہو اور جہاں ہمارے نشانات قدم کو غیر کا قدم فنا نہ کرے۔

اے سب سے زیادہ حسین دیوی، میں تیرا پرستار ہوں اور اپنے پرستار کی اس دعا کو قبول کر کہ وہ

بیگانۂ محبت جسے محبت کے لیئے زندہ رہنا چاہیئے
زندگی کی مسرتیں اُس کا حصہ ہوجائیں کہ پھر ہم
دونوں تیرے ایسے پرستار ہوں گے جنکی پرستش
وعبودیت دوامی ہوگی۔

حسین دیوی، میں یہاں سے، تیرے آستانِ
جمیل سے اُسی وقت جاؤں گا کہ یا تو موت کا سرد
ہاتھ بے دست وپا کردے یا تیری نگاہ بخشش
وکرم میری التجاؤں کی قبولیت کا اشارہ کرے
تاکہ میں اُسکے ساتھ جو میری روحِ رواں ہے
اپنی مسرت عظیم کی تہنیت پیش کرنے پھر ایک مرتبہ
تیرے آستانہ پر حاضر ہوکر تیرے قدموں کو
ہم دونوں ایک ساتھ بوسہ دیں!"

ملیتان جب دعائیں مانگ چکا تو اُلٹے قدموں واپس ہوکر، ومیس کے پیکر سے کچھ فاصلہ پر، ایک ستون سے لگ کر کھڑا ہوگیا، اور اُس وقت تک کھڑا رہا کہ آسمان کا نیلمیں رنگ سرخ اور سنہرا ہونے لگا، اور شفاف سطح آب میں ہلکی ہلکی موجیں، کچھ گنگنانے لگیں۔

افق پر غروب کی زرپاشیوں کا منظر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دیوتاؤں کا استھان ہے، اور پھر رات کی اُمید سوز تاریکی پھیلنا شروع ہوگئی، لیکن ملیتان وہیں کھڑا تھا، ماہتاب بلند ہوا اور دیوی کے پیکر صبیح کا تبسم منور نظر آنے لگا، سکونِ بحر بے چینی سے بدل گیا اور خانقاہ کے مرمریں زینے یکے بعد دیگرے پانی میں ڈوب گئے مگر اُسے اب بھی کچھ خبر نہ تھی اور اسی طرح ساکت کھڑا تھا، ومیس کی پرستار کنواریوں کا جھرمٹ ہاتھوں میں شمعدان لیئے مندر میں داخل ہوا اور نغمۂ نیم شبی گاتا ہوا مندر کے طواف میں مصروف ہوگیا، لیکن ملیتان اس سے بھی متاثر نہ ہوا وہ رخصت ہوگئیں اور اُنکے چلے جانے کے بعد سکوت کی شدت بھی اسے محسوس نہ ہوئی۔

صبحدم سمندر کی موجیں جب ومیس کی پابوسی کو بڑھیں تو انھوں نے ملیتان کو فرش پر بے ہوش دیکھا؛ لیکن اس سے قبل کہ آفتاب اپنی نیرنگیِ الوان کو پیش کرے، وہ دفعتاً ہوش میں آیا۔ مگر اس بیداری کے بعد بھی وہ اُسی طرح حالت انتظار کی تصویر بنا ہوا تھا، کچھ دیر بعد اُس نے حرکت کی؛ لیکن اُسکا یہ اظہار احساس نہ تو نغمۂ طیور کے باعث تھا جو اُسکے چاروں طرف گلستانِ ومیس میں اپنے چہچہوں سے ایک شور زمزمہ وطوفانِ نغمہ بپا کئے ہوئے تھے، اور نہ نسیم صبحگاہی کے اثر سے تھا، بلکہ وہ اک عجیب وغریب تاثر کا نتیجہ تھا، ایک امید کے زندہ ہوجانے کی وجہ سے تھا۔

افق ایک ایسی دھندلی روشنی سے معمور ہوگیا جسے نہ تو ضیائے آفتاب سے تعبیر کیا جاسکتا تھا اور نہ اُسے نور ماہ باور کیا جاسکتا تھا۔ سحاب روشن کی صباحت تاریک موجوں کو نمایاں کرتی ہوئی قربانگاہ جمال پر محیط ہوگئی اور ملیتان نے اپنے تئیں اُس دھندلکے میں گھرا ہوا پایا۔ وہ اس غیر معمولی صباحت سے کچھ متاثر سا ہوگیا، اُسکا شامہ ایک ایسی خوشبو سے لذت کام ہورہا تھا جسکی صراحت ممکن نہ تھی، وہ اپنے دل میں اک ایسی مسرت کا احساس

کر رہا تھا جسکی توضیح نہ ہوسکتی تھی، اس کا سر جھک گیا اور آنکھیں پرنم ہوگئیں —— اور وہ پھر ایک مرتبہ فرش پر پڑا تھا۔ ماندگی اور اضمحلال کی اس حالت میں جو خواب و بیداری کے مابین تھی وہ متحیر تھا کہ اُس کے دل سے ہر شے کی طلب و خواہش کیوں محو ہوگئی ہے؛ وہ اپنے حافظے پر زور دے رہا تھا کہ آیا اُسنے کوئی ایسا خواب دیکھا ہے جو اس شادمانیِ غیر معلوم، اس فرحت عجیب کی وجہ ہو سکے، لیکن وہ کچھ نہ سمجھ سکا۔

یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی اور دھند لکا صاف ہونا شروع ہوگیا، ملیتان کی اشک مسرت سے لبریز آنکھوں نے الٰہتہ الجمال کے صنم رُخامی کو دیکھا، اس حال میں کہ اسکا ابتسام مستقل اُس کے نازک لبوں پر زندہ ہوگیا تھا اور اُسکے پیکر کی رعنائیاں، جیسے وہاں کی فضا اسوقت تک مسرور نظر آتی رہی تھی، رنگینی شباب سے معمور ہوگئی تھیں۔

تصویر بیم و رجا ملیتان بے تابانہ چیخ اٹھا، لیکن فوراً ہی اس گستاخی کے انفعال سے اُسکی آنکھیں بند ہوگئیں اور فضا کے سکوت مطلق میں وینس کی شیریں و زمزمہ ریز آواز سنائی دی۔

"ملیتان! مایوس و خوفزدہ نہ ہو۔ وینس اپنے پجاریوں کو کبھی محروم نہیں کرتی، اور ہمیشہ لطف کے ساتھ پیش آتی ہے، میرے قدموں میں جو تین سبز سیب پڑے ہیں یہ وہ پھل ہیں کہ درخت سے گلاب کی پنکھڑیوں کے انبار پر گرتے ہیں اور میرے مندر کی کنواریاں اپنے اچھوتے ہاتھوں سے چن کر لاتی ہیں۔ ان کے کندنی رنگ کو دیکھکر متحیر نہ ہو کہ انکی حقیقی خوبی یہ ہے کہ انکو دیکھ لینے سے ایک نا آشنائے محبت کے دل میں وہ جذبات عالی برانگیختہ ہوجاتے ہیں جسے محبت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ تو دیکھے گا کہ تیری صیاد پیشہ محبوبہ ساری دل آزاریاں فراموش کردیگی اور اپنی نازآفرینی کے ساتھ تیرے سامنے متبسم کھڑی ہوگی!

"جسوقت وہ تجھ سے آگے نکل جانے کو ہو ایک سیب گرا دینا، وہ ضرور رُک جائیگی کہ عورت کی رازجوئی کی حس نہایت قوی ہوتی ہے؛ اور جب وہ پھر تجھ سے آگے نکلنا چاہیئے تو دوسرا اور پھر تیسرا سیب گرا دینا۔

"لیکن جب وہ وقت آئے کہ وہ اپنے شکاری لباس کو خیرباد کہدے اور دنیا تیرے لیئے لذتوں اور برکتوں سے معمور ہوجائے، تو اے سراپا لرزش و یکسر اضطراب تو اُسوقت اِس حقیقت کو فراموش نہ کردینا کہ وینس ہی غمزدہ انسانوں کی تنہا مددگار ہے اور تیری مسرت حیات اُسی کی عنایت کی ممنون ہیں!"

معبودۂ حسن و جمال کے آخری الفاظ کے ساتھ شہزادے نے نگاہیں اٹھائیں، کیونکہ وینس کے حامل الطاف و کرم

الفاظ نے اُس کے دل سے وہ رعب و خوف زائل کر دیا تھا جو ایک دیوی کی حضوری میں طاری ہو جاتا ہے، لیکن اُسنے اپنے سامنے زہرہ کے ساکت و صامت مرمرین مجسمے کے سوا کچھ نہ دیکھا۔ البتہ تین سیب اُس کے قدموں میں رکھے ہوئے تھے، فرط مسرت سے اُسکے ہاتھ کانپ رہے تھے، جب اُسنے وہ حسین و خوش جمال پھل وہاں سے اُٹھائے، اور اس کا قلب خوف و ہراس میں مبتلا تھا کہ کہیں یہ سب کچھ خواب ہو کر نہ رہ جائے۔

ملیتان پر بہت سی محبت کی بے خواب و بے چین راتیں گذر چکی تھیں، اور گزشتہ شب اُسکی پلک تک نہ جھپکی تھی، چنانچہ لطف و کرم کے حاصل ہونے کی مسرت نے اُسے سلا دیا؛ اور سورج کی پہلی کرن جو سمندر سے گزر کر وینس کے معبد میں پہونچی تو وہ اُس کے محو خواب چہرے پر پڑ رہی تھی آفتاب نے اپنا نصف سفر طے نہ کیا تھا کہ وہ بیدار ہوا اور جو کچھ گذر چکا تھا اُسے ایک خواب سمجھا، لیکن اُس غیر معمولی شادمانی سے اُس کا دل اب بھی اُسی طرح متاثر تھا، اس کا اُسے احساس ہوا مگر وہ کچھ توجیہ نہ کر سکا، یہاں تک کہ جب اُسنے وہ زرین پھل اپنے پہلو میں رکھے ہوئے دیکھے تو حقیقت کا احساس ہوا اور وہ مسرورانہ انداز سے روانہ ہو گیا۔

(۴)

وہ دن آ گیا جس کے لئے ملیتان بے قرار تھا، اٹلانٹا پریشان اور خلقت منتظر تھی، اور میدان مقابلہ میں تماشائیوں کا ہجوم ہو گیا، تماشاگاہ کا منظر عام نظروں میں اسی افسوسناک انجام کی خبر دے رہا تھا، ملیتان اطمینان و سکون کی حالت میں کھڑا میدان کو غور کے ساتھ دیکھ رہا تھا، لیکن اٹلانٹا پر آج ایک ناقابلِ توضیح حالت طاری تھی؛ شاید وہ ملیتان کی صنوریز نظروں میں استہزا و حقارت کو پڑھ رہی تھی جو جلاد کے تیز خنجر کو دیکھکر اُنسے ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ غالباً یہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ ملیتان کے طرز و انداز سے فتح و نصرت کا عالم ہویدا تھا، حالانکہ اسوقت تک اُسکے جتنے شیدا و دلگرفتہ آئے وہ ہمہ تن التجا بنکر آئے کہ "اے صیاد جمیل! ایک دزدیدہ نظر سے سرفراز فرما یا ایک تبسم زیر لب سے شادکام کر اور اپنے خنجر کو کامیاب بنا کہ ہماری کامیابی تو تیرا صید بننے میں ہے!"

ملیتان کی نظریں جو اٹلانٹا پر پڑ رہی تھیں اُنمیں فاتحانہ انداز تھا، اس کے ہونٹوں پر سرخی و شگفتگی تھی، اسکا چہرہ دمک رہا تھا وہ اسوقت ایک دیوتا کا پیکر معلوم ہوتا تھا، یہ اور اسی ذیل کی بہت سی باتیں تھیں، جو اٹلانٹا کو پیکر استفسار و سوال بنائے ہوئے تھیں اسکی آنکھیں ملیتان کی جذبہ ریز نگاہوں سے ملیں اور ملتے ہی جھک گئیں اور اُسکا رنگ کندنی سے گلنار ہو گیا، اُسکے قلب و دماغ کی کیفیات میں انقلاب پیدا ہو گیا تھا اور وہ اسوقت ایسی باتوں کے خیال سے متاثر ہو رہی تھی جنپر اُسنے کبھی اعتنا بھی نہ کیا تھا

اٹلانٹا کے قلب میں جو خواہشات اسوقت زندہ ،

ہوگئی تھیں، اور جن محسوسات کا وہ معمول بنی ہوئی تھی اُنکی تعریف و تصریح علم النفس کی رسائی سے باہر ہے، اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اُس کے جذبات و حسیات نے کیونکر پلٹا کھایا، تلطف کا یہ اولین و نازک احساس اُس کے دل میں کیونکر پیدا ہوا؟ وہ دفعتہً اپنے ارادوں میں اضمحلال کیوں دیکھ رہی تھی؟ اُسے اپنی شہرت سے نفرت کیوں تھی؟ اُس کے حسیات میں اب یہ نرمی اور لوچ کسلیئے پیدا ہوگیا تھا؟ وہ اپنی کامیابی کی طرف سے مشکوک کیوں تھی؟ وقت کے قریب ہونے کے ساتھ ساتھ وہ کیوں رعشہ بر اندام ہوئی جا رہی تھی؟ اپنی شکست ناتواں اور کسی کی کامیابی محبت سے وہ خائف کیوں تھی؟ یہ تھے وہ سوالات جو اُٹلانٹا کے دماغ میں خود بخود پیدا ہو رہے تھے، اور یہ تھے وہ خیالات جنمیں وہ شدت کے ساتھ منہمک تھی!

اس حال میں کہ وہ خود اپنے ہی ضربات قلب سے خوفزدہ ہوئی جا رہی تھی قرنا نے صدائے معرکہ شروع ہو جانے کی اطلاع دی؛ اور اٹلانٹا پھر ایک دفعہ، عزم فتحمندی کرکے چل پڑی۔ اُسکے سرخ و سفید پاؤں اس سرعت کے ساتھ متحرک تھے کہ گویا اُسکے تمام خطرات بے معنی تھے اور اُسے اپنی نصرت میں کوئی شبہ نہ رہگیا تھا دیکھنے والوں کو یقین، تاسف آمیز یقین ہو گیا کہ شاہزادہ کی زندگی میں چند ساعتیں اور باقی ہیں۔ لیکن اس حالت کو زیادہ عرصہ نہ گزرنے پایا تھا کہ اس نے نہایت سرعت و چوستی کے ساتھ اپنا ایک ہاتھ بلند کیا جسکے ساتھ ہی لوگوں نے دیکھا کہ روشنی کی ایک شعاع سی پیدا ہوئی اور ہنرد آزمائے جمیل کے پاس سے گزرتی ہوئی ایک زرین گیند زمین پر لڑھکتی نظر آئی۔ اٹلانٹا اپنی شدید خواہش سے جو اسکے تجرد عجیب کا نتیجہ تھا، مجبور ہوگئی اور اُس گیند کے اُٹھا لینے کے لیے ٹھہر گئی؛ کیونکہ وہ سمجھی کہ یہ کوئی آسمانی تحفہ ہے جو کسی دیوتا کی طرف سے محض اُس کے لیے آیا ہے۔ اُسنے اُس سیب زرین کو اپنے معطر سینے میں رکھ لیا، لیکن اُس کا مقابل اس عرصہ میں بہت آگے نکل گیا تھا وہ اپنی شہرت و شان کو اسطرح برباد ہوتے دیکھکر سخت رنجیدہ اور اپنی حماقت پر متاسف ہوئی، انفعال ناکامی کے احساس نے اسکے پر لگا دیئے اور اُٹلانٹا بہت زیادہ حسین نظر آنے لگی، لیکن وہ بار بار اپنے سینے میں اُس سنہرے پھل کو چھو لیتی تھی اس خوف سے کہ کہیں گر نہ گیا ہو، بایں ہمہ وہ اُس کے برابر پہونچگئی اور شاہزادہ نے دوسرا سیب اُسکے راستے میں ڈال دیا، اُٹلانٹا پھر رکی اور اُس سیب کو بھی اُٹھا لیا، اس مرتبہ وہ زیادہ دور پہونچگیا تھا اور یہ دیکھکر اُٹلانٹا نہایت مضطرب و پریشان ہوئی، یہ سیب اُسنے اپنے دامن میں رکھا اور اُس کا ایک ہاتھ رُک گیا، دوڑنے میں اس تحفہ عزیز کی حفاظت میں اُسکے شانے پر سے وہ کمان گر گئی جو ہاتھی دانت اور صدف سے بنی تھی اور جو اُسے نہایت محبوب تھی، اور پھر اُسنے اپنا مرصع ترکش بھی گرا دیا، اور اُٹلانٹا دوبارہ شاہزادہ کے برابر پہونچگئی، نقطۂ کامیابی بہت دور نہ رہگیا تھا کہ اسنے وینس کو یاد کیا اور یہ کہکر "دیوی!

اب تیری آخری مدد کی ضرورت ہے" میتیر اسیب بھی گرا دیا اس مرتبہ وہ مطلق متوجہ نہ ہوئی، لیکن ابھی کچھ دور نہ جانے پائے تھے کہ اسکی رفتار نے تذبذب کا پتہ دیا اور بالآخر اُس نے میترے سیب کو بھی اٹھا لیا اب اسکا دم بھر گیا تھا اور آنکھوں کے سامنے ایک غبار سا نظر آرہا تھا کہ وہ نقطۂ کامیابی کو نہ دیکھ سکتی تھی۔ اُسکے ہاتھ کسی سہارے کی تلاش میں بڑھے کہ وہ گرنے لگی تھی، لیکن جب اُس نے آنکھ کھول کر دیکھا تو ایک قوی و توانا نوجوان اُسے اپنے حلقۂ آغوش میں لیئے ہوئے تھا۔

اٹلانٹا اب اُس کے بوسوں سے جھجک نہ رہی تھی اُس کا آذرستانی وجود اب جذبات رقیق اور حیات لطیف کا پیکر بنگیا تھا؛ اور وہ اپنے تئیں ایکنادر و عجیب برکت و لذت میں ڈوبا ہوا محسوس کر رہی تھی اُس کی پلکوں پر دو قطرے قائم تھے —— یہ مسرت کے آنسو تھے۔

ل احمد

غزل

اے گرد راہ تو ہی پتہ دے کہ کیا ہوا　　وہ دل جو تھا کسی کی نظر سے گرا ہوا

برق نگاہ میں وہ اثر تھا کہ الاماں　　پہروں کسی کا ہاتھ نہ دل سے جدا ہوا

جس کے نفس نفس میں قیامت کا طول تھا　　کیا جانے اُس مریض کا انجام کیا ہوا

گویا نشان منزل مقصود مل گیا　　دل ہے کسی کے نقش قدم پر مٹا ہوا

چمکی تھی برق طور کہ بیخود ہوئے کلیم　　پردہ حجاب کا جو اٹھا بھی تو کیا ہوا

دنیا بنائے کافر مطلق جو کچھ کہوں　　وہ شوخ بن سنور کے خدا جانے کیا ہوا

اے دل حدود بحر کے اندر حیات ہے
قطرہ حباب بن کے جو اُبھرا فنا ہوا

دل شاہجہانپوری

فلاسفۂ قدیم کی روحوں کا اجتماع

اور

انقلاب ہیئت اجتماعی کا عظیم الشان مقدمہ

(۲)

مقالۂ اولی میں اُس خیالی اجتماع کا ذکر کیا گیا تھا جسمیں انقلاب عالم جنگِ عظیم کے بعد انسان کی حالت اجتماعی پر غور کر رہے تھے اور سب سے پہلے کنفوشیوس نے آغاز کلام کیا تھا جس کا خطبہ انسان کی عام حالت اجتماعی سے تعلق رکھتا تھا اُس کے بعد زردشت کھڑا ہوا اور اُس نے اجتماع بشری میں عورت کی حالت پر روشنی ڈالی"

عورت اور اجتماع بشری زردشت خطبہ کے لیئے کھڑا ہوا اور اُس نے اپنا ہاتھ فضا کی طرف اُٹھایا گویا وہ ایک غیبی ہستی سے خطاب کرتا ہے تمام روشنیاں بجھ گئیں اور دیوار پر ایک سفید پردہ نظر آیا جس پر لاتجنی شعاعیں پڑ رہی تھیں پردہ پر یکے بعد دیگرے اجرام سماوی آنا شروع ہوئے اور آخر میں کرۂ زمین اپنے تمام ممالک کے ساتھ ظاہر ہوئی، پہلے امریکہ پھر یورپ اور افریقہ پھر بحر ہند نظر آیا اور اس کے بعد ہندوستان کا ملک سامنے آیا۔ زردشت نے اس ملک کے تمام علاقوں، پہاڑوں، دریاؤں، میدانوں، شہروں، مکانات، مردوں اور عورتوں کا بہت دیر تک معائنہ کرایا جس سے حاضرین سمجھ گئے کہ اس خطبہ کا موضوع "ہندوستانی عورت" ہے۔

پردہ پر ایک ہندوستانی خاندان نظر آیا، صاحب خاندان فوت ہوچکا تھا۔ یہ خاندان ذیل کے افراد سے مرکب ہوتا تھا۔

(۱) ایک بڑھیا جو مرنے والے کی بیوی تھی۔ (۲) زیب جس کی عمر چالیس سال کی تھی اور یہ مرنے والے کا سب سے بڑا لڑکا تھا، (۳) لمیا، زیب کی بیوی (۴) زون، فانی، کارو یہ تینوں زیب کی لڑکیاں تھیں (۵) ششند، زیب کا بھائی۔

کارو کو اپنے باپ سے بڑی محبت تھی، وہ اُس کے گلے میں ہاتھ ڈالتی تھی اور اُسے پیار کیا کرتی تھی، لیکن وہ آج رات سے اُسکی ملاقات سے روک دی گئی اور اُسکی ماں نے اُس کو "زنانہ" میں داخل کردیا وہ اپنے باپ کو بابا! بابا کر کے

پکارتی جاتی تھی، ماں نے اسکو اپنی گود میں لے لیا اور کہنے لگی اے عزیزہ! ہندوستانی لڑکی کے لیئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ پانچ سال کی عمر کے بعد اپنے باپ کے پاس جاسکے،

اس کے بعد کارو زندوں کے گورستان یا زنانہ میں رہنے لگی، زنانہ کمرہ کے اندر ایک کمرہ ہوتا ہے جسمیں عورت اپنا منہ چھپا لیتی ہے، دیوار کی طرف منہ، اور دروازے کی طرف سے پشت کیئے بیٹھی رہتی ہے،

اس کے بعد نوجوان شند سفر کی تیاریاں کرتا نظر آیا، شند بنارس جارہا تھا، مگر اُسکو اسکی بیوی سے ملنے کی اجازت نہیں دیجاتی۔ شند کی یہ خواہش تھی کہ وہ سفر سے پہلے اپنی بیوی کو وداعی نظروں سے دیکھے مگر اُسکی ماں نے نہایت نفرت کے لہجہ میں اسکو منع کیا اور اُس نے خیال کیا کہ وہ گمراہی کی باتیں ہیں جو شند نے مدرسہ میں یوروپین تعلیم کی بدولت سیکھی ہیں۔

کچھ دنوں بعد خبر آئی کہ شند راستہ میں مرگیا، اُس کی موت کا سبب یہ قرار دیا گیا کہ شند چونکہ جدید تعلیم کی وجہ سے گمراہ ہوگیا تھا اسلیئے مندروں کے معبودوں نے اسے ہلاک کردیا

اسکے بعد ایک خوبصورت لڑکی جسکی عمر بارہ سال کی تھی بیوہ عورتوں کے لباس میں ظاہر ہوئی، یہ .... کی بیوی جنگ تھی، عورتوں نے جنگ کو نہایت منحوس خیال کیا اور اُس ساعت پر ہزار لعنت بھیجی جبکہ جنگ کی شادی شنگ سے ہوئی تھی اب جنگ نہایت ذلت اور خواری سے بیوگی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔

ہندوستان میں تین کروڑ بیوہ عورتیں ہیں اور بہت سی ان میں کنواریاں ہیں، کیونکہ جس عورت کا شوہر مرجاتا ہے وہ بیوہ خیال کی جاتی ہے اور جب اُس کی عمر ۱۲ سال کی ہوتی ہے تو وہ بیوہ عورتوں کا لباس پہنتی ہے اور ساری عمر بیوگی میں گذار دیتی ہے، نہ اُسے اچھا کھانا ملتا ہے اور نہ اچھی طرح سو سکتی ہے، اور نہ اُسے آرام نصیب ہوتا ہے اگر وہ بیمار ہوتی ہے تو اس کے لیئے طبیب نہیں بلایا جاتا، نہ کوئی اُس پر رحم کرتا ہے، اور نہ ہمدردی رکھتا ہے

جنگ تاریک کوٹھڑی میں رہتی تھی، اس نے اپنی آنکھ آسمان کی طرف اٹھائی ہے گویا کہ وہ معبودوں سے پوچھنا چاہتی ہے کہ انھوں نے لڑکیوں کو کیوں اسقدر ذلیل بنایا ہے، مگر یکایک اُس پر خوف طاری ہوجاتا ہے، اس لیئے اسکو اپنے اس عزم کو پورا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی

ایک نوجوان، خوبصورت، پاکدامن، لڑکی بلا قصور چھوڑ دی گئی ہے، لیکن یہ ایسے معبودوں کے احکام ہیں جن سے کوئی باز پرس نہیں ہوسکتی، اگر ہم فرض کریں کہ یہ لوگوں کی گمراہی ہے تو وہ اسکو معبودوں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جو شخص اس سے انکار کرتا ہے اُسکو کافر اور ملحد بناتے ہیں۔ کیا واقعی معبود اسے جائز سمجھتے ہیں۔ اگر وہ اسے پسند

نہیں کرتے تو کس لیئے خاموش ہیں۔

لوگ خیال کرتے ہیں کہ جنگ چٹائی پر سو رہی ہے، لیکن حقیقت میں وہ رات بھر کروٹیں بدلتی ہے۔ اُسے نیند نہیں آتی کیونکہ وہ تنہا سونے کی عادی نہیں ہے اُسکی آنکھیں روتے روتے سُوج گئی ہیں۔ وہ خیال کرتی رہتی ہے کہ اُس کے شوہر کا طائر روح اُسکے اوپر بازو پھیلائے ہوئے ہے،

صبح ہوتی ہے اور کمرہ میں ایک عورت آتی ہے، وہ اُس کی چادر زور سے کھینچ لیتی ہے، اور کہتی ہے اے منحوس تو اب تک سو رہی ہے۔ یہ عورت کون ہے یہ جنگ کی دیورانی ہے، چونکہ جنگ اپنے خیالات میں مستغرق تھی اور دفعتاً اُس پر یہ بلا نازل ہوئی اسلیئے اس کا کمزور دل برداشت نہ کرسکا، اور وہ مارے خوف کے بیہوش ہو گئی، اسکی دیورانی کھڑی ہوئی گالیاں دے رہی ہے، اور لعنت کر رہی ہے، لیکن جنگ کا اس کے سوا کچھ قصور نہیں کہ وہ بیوہ ہے،

جنگ بیمار ہوتی ہے مگر اُس کے لیئے کوئی طبیب بلایا نہیں جاتا، تپ محرقہ اُسکی ہڈیاں جلائے ڈالتی ہے، لیکن اُسے ایک گلاس ٹھنڈا پانی نصیب نہیں ہے، آخر میا کو رحم آتا ہے اور وہ کسی کام کے بہانہ سے مطبخ میں جاتی ہے اور اپنی چادر کا ایک پلہ پانی میں تر کرکے جنگ کے پاس آتی ہے اور اُسے اُس کے منہ میں نچوڑ دیتی ہے، یہ اُس نے محض انسانی ہمدردی کے لیئے کیا تھا، مگر وہ اس کے نتائج سے سخت خائف تھی اور مارے خوف کے کانپ رہی تھی

واقعی اُسپر معبودوں کا غضب نازل ہوا، سب سے پہلے اُس کا بڑا لڑکا مر گیا، پھر کاہن نے حکم دیا کہ اُس کے چھوٹے بچے کی قربانی کردی جائے، شیرخوار بچے کا قربانی پر چڑھایا جانا ایک ماں کے لیئے جسقدر مصیبت خیز ہو سکتا ہے اُس کا اندازہ اُس کے دل کے سوا کائنات میں کوئی دوسری ہستی نہیں کر سکتی، لیکن مذہبی احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا لازمی تھا، رات کی تاریک خاموشی میں وہ معصوم بچہ اُسکی گود سے علیحدہ کیا گیا، اور جہالت کی قربانگاہ پر چڑھادیا گیا۔

یہ مصیبت صرف اُس کے بچے کے ذبح کیئے جانے تک محدود نہیں رہی بلکہ وہ بھی قتل کیجاتی ہے؛

ہندی عورت پر لازم تھا کہ وہ مردوں کے سامنے نہ آئے مگر اُن کے ہاں دستور تھا کہ عورت کو ڈولی میں بٹھا کر کاہن کے گھر لیجاتے تھے، چنانچہ ایک روز ڈولی آئی، میا نے اپنا سب سے اچھا لباس پہنا اور تمام زیورات سے آراستہ ہوئی کیونکہ وہ غریب بھی سمجھ رہی تھی کہ وہ کاہن کے گھر جا رہی ہے، مگر حقیقت میں یہ ایک دھوکہ تھا، تھوڑی دیر میں ڈولی ایک جگہ زمین پر اتاری گئی، اور ایک بے شرم بدمعاش نے زور سے پردہ کھینچ لیا اور حاضرین سے کہا دیکھو یہ ہے وہ رقاصہ جس کے دکھانے کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا، حاضرین میں اُس کا شوہر بھی تھا، میا نے شوہر کو پکارا اور فریاد کی اسنے فوراً ڈولی کو گھر واپس کردیا، اور نہایت متانت سے اُس شخص کا شکریہ ادا کیا۔

بمبا کی عام لوگوں کے سامنے پردہ دری کیوں کی گئی؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ زبیب اور ایک دوسرے شخص کے درمیان بعض اقتصادی اسباب کی بنا پر کچھ جھگڑا ہوگیا تھا، اور وہ شخص زبیب کا سخت دشمن ہوگیا۔ چونکہ عورت کا عام لوگوں کے سامنے آنا سخت عار کی بات تھی، اسلیئے اُس نے دھوکہ دیکر زبیب کی بیوی کو بلوایا اور عام مجمع کے سامنے اُسے بے نقاب کر دیا۔

بمبا گھر پہونچتی ہے مارے خوف کے وہ کانپ رہی ہے، اُس کا چہرہ زرد ہے اور وہ خیال کرتی ہے، کہ اب معبودوں کے غیظ و غضب کے ساتھ شوہر کا غصہ بھی شامل ہوگیا ہے، گھر میں سب جمع ہیں مگر ان کا اجتماع بمبا کے لیئے میدان حشر کے اجتماع سے کچھ کم نہیں ہے، بمبا کو کوئی قصور نہیں ہے، مگر کیا کرے اُسکو عام لوگوں نے دیکھ لیا اور یہ اُس کے شوہر کے لیئے سخت عار کی بات ہے۔

اسی حالت میں اُس کا شوہر داخل ہوا، یہ شخص سخت سیاہ فام تھا، غصہ کے مارے اُس کی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں جب بمبا نے اس عفریت کی صورت دیکھی، تو خوف سے کانپ اُٹھی، شوہر نے پہونچتے ہی اُس کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ زمین پر گر پڑی۔ کارو، اماں۔ اماں! کرتی ہوئی دوڑی مگر اُسے ایسے زور سے ایک مُکا رسید کیا کہ قریب تھا کہ وہ مر جائے زبیب برابر زد و کوب میں مشغول تھا، اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ گھر میں کسی درندے سے مقابلہ ہو رہا ہے یا کوئی شخص دیوار گرا رہا ہے، کارو نے اس کا سبب دریافت کیا تو کہا گیا کہ چونکہ تیری ماں کو عام لوگوں نے دیکھ لیا ہے اور اسکی وجہ سے سارا خاندان بخار میں مبتلا ہے، اسلیئے تمھارا باپ اس عار کو صاف کرنا چاہتا ہے اگرچہ اسمیں کسی کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے، زد و کوب برابر جاری تھی یہاں تک کہ اُس غریب کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا، کارو کو یہ سزا ملی کہ اسکی خواہش کے خلاف اُسکی شادی ایک برہمن سے کر دی گئی جو چند روز میں مرگیا، اور کارو کو بھی اسکے ساتھ زندہ جلا دیا گیا یہ تھا ایک ہندو خاندان کا انجام!

اس کے بعد تمام دنیا کے خاندان دکھائے گئے، افغانستان ایران، ترکی، مصر، اور یورپ کی عورتیں دکھائی گئیں مگر ہر جگہ کی عورت مصیبت ہی میں مبتلا نظر آئی، کہیں بھوکی، ننگی، بیمار نظر آئی، کہیں ذلیل مظلوم، اور حریص، غرض ہر جگہ مصیبت جھیلتی ہی نظر آئی، لیکن خطیب نے اس منظر کو زیادہ دیر تک نہیں دکھایا، کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ امریکن عورت کی حالت ذرا تفصیل سے دکھائے،

امریکہ عجائبات کا مخزن ہے، اور تمدن میں سب سے آگے، حاضرین کے سامنے ولایات متحدہ، وہاں کے پہاڑ، دریا، شہر کلیسے، کارخانے، اور مکانات دکھائے گئے، یہ سب مناظر نہایت دلچسپ تھے، اسی اثنا میں جبکہ حاضرین ان مصنوعی اور

قدرتی عجائبات کی سیر کر رہے تھے، ایک نوجوان نظر آیا جس کا نام تالج تھا، اور ایک لڑکی دکھائی دی جسے الیز کہتے تھے، نوجوان کو لڑکی سے محبت ہوگئی، اُس نے اس لڑکی سے معانقہ کیا لڑکی نے اپنا ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا اور اُس نے اُس کے ہاتھ کا بوسہ لیا، لڑکی کا چہرہ حیا سے سرخ ہوگیا، جس سے اُس کا حسن اور زیادہ ہوگیا تو جوان کی فریفتگی اور زیادہ بڑھ گئی، پھر الیز اپنے دل میں سوچنے لگی، گویا وہ آسمان کے "معبودوں" سے سوال کرنا چاہتی ہے کہ ایک نوجوان مرد کے لیئے یہ کیونکر جائز ہوسکتا ہے، کہ وہ ایک لڑکی سے تعشق کرے، اُس کا اعتقاد تھا کہ معبودوں کی ہستیاں پاک اور بلند ہیں لیکن معبودوں کے جواب دینے کی نوبت نہ آئی اور اُسے یاد آگیا کہ اُس نے لوگوں سے "حب طاہر" کے متعلق سنا ہے حقیقت میں جو کیفیت میں محسوس کر رہی ہوں یہ وہی حب طاہر ہے، جس کے بعد شادی کی رسم ہوتی ہے اور عمر بھر کے لیئے دونوں ایک دوسرے کے رفیق بن جاتے ہیں، اب اُس کا خوف جاتا رہا اور اُسے اطمینان ہوگیا، اور اُسے اطمینان کیوں نہ ہوتا اسلیئے کہ امریکہ کے معبود بھی وہی کرتے ہیں جو انسان کی ترقی اور سعادت کے لیئے ضروری ہے۔

تالج اور الیز کی محبت نے شہرت اختیار کی اور الیز کی بہت سی ہمجولیاں اُس سے حسد کرنے لگیں۔ الیز کو حیرت تھی کہ یہ مجھ سے کیوں حسد کرتی ہیں، تالج اور الیز کے تعلقات روز بروز بڑھتے جاتے تھے، یہاں تک کہ دونوں یک جان ہوگئے

اب مس الیز مسز تالج ہوگئی، اب وہ خوش خوش اپنے گھر میں کام کرتی ہے، اُس کے والدین کو بھی اپنے داماد پر فخر ہے کیونکہ ملک کے مشہور خطیبوں میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن شوہر کی شہرت ایک عورت کے لیئے اُسوقت تک مفید نہیں ہوسکتی جب تک کہ اُسکی روزانہ زندگی عورت کی نظر میں پسندیدہ نہ ہو۔

جب میاں بیوی کو رہتے ہوئے کچھ عرصہ ہوگیا، تو تالج کے جذبات محبت میں ضعف پیدا ہونے لگا، اور اب اُس کا اختلاط دوسری نوجوان لڑکیوں کے ساتھ بڑھنے لگا، ان جدید تعلقات کا احساس سب سے پہلے الیز کے دل میں پیدا ہوا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ اگر مرد کسی دوسری عورت کی طرف التفات رکھتا ہے، تو سب سے پہلے اس کا احساس اُسکی بیوی کو ہوتا ہے،

جب الیز کو اپنے شوہر کے انقلاب طبعیت کا پورا علم ہوگیا تو اُس نے اپنی ماں سے اُس کی شکایت کی ماں نے نہایت غصہ سے جواب دیا کہ تم کو تالج اور خدا کے درمیان حائل ہونے کا کوئی حق نہیں ہے، الیز کو اس جواب سے سخت صدمہ ہوا اور اُس نے کہا کہ افسوس ماں، اور خدا دونوں بے وفا شوہر کے ساتھ ہیں کیا خدا کو میرے شوہر کی یہ حرکت پسند ہے؟ اگر پسند نہیں تو وہ کسلیئے خاموش ہے،

دس سال کی طویل مدت اُس نے جس مصیبت سے کاٹی اُسے اُس کا دل ہی خوب جانتا ہے، اس عرصہ میں اُسکے

میں بچے ہوئے مگر تالیج کی نفرت بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ اس نے الیز کو بالکل چھوڑ دیا، تالیج اب راتوں کو بھی غائب رہتا ہے اور بہانہ صرف تعلیم اور قومی خدمت ہے، تالیج ایک حسین نوجوان تھا، عورتیں اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوتی ہیں۔ الیز بھی خوبصورت تھی، مگر عورتیں اُسے سخت ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ اگر وہ اپنی ماں سے شکایت کرتی تھی تو بجائے ہمدردی اور تسلی کے نہایت سخت جواب سنتی تھی، اب سوائے رنج اور مصیبت کے کوئی اُس کا جلیس اور انیس نہ تھا، اُس کے گرد چار بچے پھرتے تھے اور اگر اُس کے دل کو کچھ سکون ہو سکتا تھا تو انہی بچوں کی بدولت۔

ایک روز الیز (یا مسز الیز) کو بخار آیا بڑے بچے کو بھی حرارت ہو گئی، دوسرے کی آنکھیں دکھ رہی تھیں، تیسرے کے دانت نکل رہے تھے، چوتھا گود میں تھا، ایک طرف تو یہ منظر ہے دوسری طرف حاضرین کو مسٹر تالیج نظر آیا جو اپنے خاص کمرہ میں ایک مشہور گانے والی کا گانا سن رہا ہے، اس گانے والی کا نام کارمز ہے اور وہ اپنے حسن وجمال میں آپ ہی اپنی نظیر ہے، الیز کے بچے اس کے گرد روتے ہیں کراہتے ہیں، الیز خود بھی مریض ہے اور دوسرے کمرہ میں تالیج اُس مغنیہ کو اپنے سینے سے لگاتا ہے اور اُس کی محبت سے مست ہے، اور اسکے سامنے اپنے جذبات محبت اشعار کی صورت میں پیش کرتا ہے، اسی اثناء میں تالیج ایک رقعہ الیز کے پاس بھیجتا ہے جسمیں لکھتا ہے کہ وہ ہالسنبرگ میں ایک ادبی جلسہ میں شرکت کے لیئے جا رہا ہے، الیز فوراً سمجھ گئی کہ یہ کارمز کے ساتھ لطف صحبت اٹھانے کا ایک بہانہ ہے، شام کی ڈاک سے جو اخبار آئے ان میں لکھا تھا کہ خطیب تالیج کارمز مغنیہ کے ساتھ ہالسنبرگ روانہ ہوا ہے، وہاں تالیج اپنا ادبی خطبہ دے گا، اور کارمز اپنے گانے سے حاضرین کو محظوظ کریگی، اسلیئے لوگوں کو چاہیئے کہ بہت جلد تالیج کا خطبہ اور کارمز کا گانا سننے کے لیئے مقام مذکور کو روانہ ہو جائیں"

جب تالیج خطبہ دینے کے لیئے چلا گیا، تو الیز اُس کے کمرہ میں گئی، وہاں صبح کا آیا ہوا ایک اخبار پڑا تھا اُس نے اخبار اٹھایا اور اُسکی نظر اس عبارت پر پڑی،

„خطیب برنسٹن، مسز ہائی مغنیہ کے ساتھ فرار ہو گیا ہے، حکومت خطیب کی اس حرکت سے متاثر ہے کیونکہ مسز موصوف صاحب اولاد خاتون ہے،،

اس جملہ کے نیچے ایک سرخ خط کھنچا ہوا تھا پھر یہ عبارت لکھی تھی

„بڑی مضحکہ خیز بات ہے، اے عزیز تالیج کیا تم مجھے اسمیں شریک کروگے، ان کی معاشرت سے پرہیز کرو....."

تمہاری جاں نثار کارمز

اس عبارت کو پڑھتے ہی الیز کے ہوش اڑ گئے، اُس نے خیال کیا کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ہیئت اجتماعی (سوسائٹی) ایک ہی فعل کو ایک ہی وقت میں اچھا بھی سمجھتی ہے اور برا بھی، حکومت برنسٹن کی حرکت سے متاثر ہے اور تالچ کے اعمال کا احترام کرتی ہے، کیا یہ صحیح ہے کہ معبود ات سماوی بھی اسے پسند کرتے ہیں۔

اس کے بعد الیز پر غفلت طاری ہو جاتی ہے اور وہ عالم خواب میں پہونچتی ہے اُس نے دیکھا کہ فضا میں ایک ریلوے ٹرین اڑی چلی جا رہی ہے۔ جسمیں اُس کا شوہر سوار ہے، الیز ایک ڈبہ کے قریب جاتی ہے اور ریل کی کھڑکی سے جسمیں شیشہ جڑا ہوا ہے اندر جھانکتی ہے اور اُسے ایک دلخراش منظر دکھائی دیتا ہے، یعنے تالچ کارنز کو سینے سے لگائے ہوئے ہے۔

اس کے بعد اُسے اپنا گھر نظر آیا، جہاں وہ بیمار پڑی ہو۔ اور اُس کے بچے آس پاس پھر رہے ہیں، پھر وہ دیکھتی ہے کہ لوگ تالچ کا خطبہ سُن رہے ہیں۔ اور چیرز دے رہے ہیں، اور جب وہ خطبہ دے کر واپس ہوتا ہے تو لوگ اُس سے مصافحہ کرنے کی غرض سے اُس کی طرف جھپٹتے ہیں۔ اور ہر شخص چاہتا ہے کہ سب سے پہلے میں اس فضیلت کو حاصل کروں۔ جو لڑکیاں اپنے دلفریب حسن وجمال میں ممتاز ہیں وہ تالچ سے مصافحہ کرنا اپنے لیے بڑا فخر سمجھتی ہیں، یہ منظر دیکھ کر خون اُسکے عروق میں منجمد ہو گیا، اس کے بعد اُس نے کارنز کو گاتے ہوئے سنا۔

اس کے بعد ایک بڑھیا نظر آئی جو ٹالچ اور کارنز مغنیہ سے ملنا چاہتی تھی، لوگ اُسے اُن کے پاس لے گئے، بڑھیا نے ٹالچ سے کہا کہ میرا شوہر ڈاکٹر بارکر کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ بڑا دولتمند شخص تھا مگر آخر عمر میں بالکل مفلس ہو گیا، یہاں تک کہ مرتے وقت اُس نے ایک پیسہ نہیں چھوڑا اُس کے افلاس کا سبب محض عیاشی اور غیر عورتوں سے اختلاط تھا، اُس نے پانچ یتیم بچے چھوڑے ہیں اسوقت میری عمر تیس سال سے متجاوز تھی، اُس کے جنازہ میں شہر کے امرار اور سردار اور خاص طور پر مذہبی حضرات شریک تھے سب نے یہ فیصلہ کیا کہ مرنے والے پر جو قرض ہے اُسے میں ادا کروں اور اولاد کی تربیت بھی کروں!!

لیکن ان ظالم انسانوں نے یہ نہیں سوچا کہ غریب بڑھیا کسطرح یہ عظیم الشان بار اٹھا سکتی ہے، خیر جسطرح سے ہوا میں نے مصیبت اُٹھا کر قرض ادا کیا اور اولاد کی تعلیم اور تربیت کی، جب یہ بالکل جوان ہو گئے تو ایک ایک کر کے سب نے مجھے چھوڑ دیا، اور اب میں نہایت مصیبت اور افلاس سے اپنی زندگی کے بقیہ دن کاٹ رہی ہوں میری زندگی مصیبت کی دردناک داستان ہے لیکن یہ سب آلام اور مصائب گذر چکے ہیں اور اب مجھے ان کے واپس آنے کا خطرہ نہیں ہے، مگر مجھے خوف ہے کہ یہ نوجوان لڑکیاں جو میرے پیچھے آرہی ہیں کہیں یہ بھی مستقبل

میں ان مصائب کا شکار نہ ہوتی، پھر اُس نے تالیج سے کہا "آپ کی بیوی کہاں ہیں" تالیج نے جواب دیا کہ وہ اور ان کے بچے گھر میں ہیں۔ پھر بڑھیا نے کہا "بیشک تم نے اس سفر میں جو کچھ تکلیف برداشت کی ہے وہ حقیقت میں انسانیت کی ایک زبردست خدمت ہے۔ اگر تمھارے ساتھ یہ خوبصورت خاتون نہ ہوتیں تو میں آپ کو قدیسین میں سے سمجھتی" یہ کہکر وہ غائب ہوگئی

کارنر بڑھیا کی سرگذشت سے بہت متاثر تھی۔ اور تالیج پر بھی اثر تھا، اُس نے اپنی محبوبہ کارنر کو گلے سے لگایا اور اُس کا منہ چوم لیا۔

صبح کے وقت اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ "تالیج خطیب کی بیوی اپنے بستر پر مردہ پائی گئی"

دوسرے دن اخبارات میں اس مرد کے صبر و تحمل کے افسانے شائع ہوئے کہ اس نے اپنی بیوی کی وفات پر جزع فزع سے کام نہیں لیا، یعنے وہ غریب تو اجل کا شکار ہوئی اور سارا امتیاز انسانیت تالیج کے حصہ میں آیا۔

آئندہ ہفتہ اسکے بچے یتیم خانہ میں بھیجدیے گئے اور تالیج اپنی محبوبہ کے ساتھ عہد زفاف بسر کرنے کے لیئے باہر چلا گیا۔

اسکے بعد زردشت نے حاضرین سے مخاطب ہوکر کہا کہ کیا یہ واقعات سننے کے بعد بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ تمام کام یزداں کی مرضی کے مطابق ہیں، جو نور کا پیدا کرنے والا ہے، تم نے دیکھ لیا کہ دنیا میں ہر جگہ عورت کے ساتھ کسقدر بدسلوکی کی جاتی ہے اور اگر ہیئت اجتماعیہ کا یہی نظام قائم رہا تو اس غریب جنس کی تباہی و ہلاکت کی کوئی انتہا نہیں۔ یہی وہ عورت ہے جسنے مرد کی تکالیف پر اپنے آنسوؤں کے دریا بہادیئے اور آخرکار خود بھی اسی میں غرق ہوکر رہگئی

اڈیٹر

اقوال سقراط

وہ شخص جو کسی بات سے واقف نہیں ہے اگر خاموش رہے، تو دنیا سے اختلاف اٹھ جائے

تعجب ہے کہ وہ شخص جو دنیا کی بے ثباتی سے واقف ہے۔ کیونکر اسکی طرف مائل ہوکر غیر فانی چیزوں کی طرف سے غافل ہوجاتا ہے

فریب حسن

یا

ایک میخوار کی حیاتِ مُعاشقہ

(بسلسلۂ گزشتہ)

"کہاں رہتی ہو"

اسنے دور افق کے قریب درختوں کے ایک جھنڈ کیطرف اشارہ کیا۔ جہاں چند دیہاتی مکانات سے دہواں اٹھتا ہوا دکھائی دے رہا تھا، اور اس کے بعد میری طرف اس انداز سے دیکھ کر گویا خود اپنی رواداری پر منفعل ہے، تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چلی گئی۔ دوسرے دن میں گیا تو اسے عین اسی جگہ پایا، میرے قریب پہونچنے پر اسنے جہالت کی سی ندامت اور معصومیت کی سی بے تکلفی سے میری طرف دیکھا اور آنکھیں جھکالیں۔

میں نے اپنا سلسلۂ کلام وہیں سے شروع کیا جہاں سے کل چھوڑا تھا۔ لیکن آج وہ کل سے زیادہ بے تکلف ہوگئی کیونکہ میری نگاہوں کے بے ریا خلوص نے اس کے معصوم دل پر نقش کرنا شروع کیا۔ کونسی ناتجربہ کار دوشیزہ ہے، جو محبت کے آثار کو ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح نہ پڑھ سکے۔

وہ میرے پاس بیٹھ گئی۔ کچھ عرصہ ہم خاموش رہے، کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ وہ میرے جذبات کی نمائش اس سادہ لڑکی کے لیئے کوئی وقعت نہیں رکھتی، وہ شاید نسوانیت کے وقار سے خاموش تھی، بہر صورت یہ ناگوار خاموشی ناقابل برداشت ہوگئی لیکن اس کی فطرت نسوانی آخر کار خیالی بندشوں پر غالب آئی۔

اسنے میرے لباس کیطرف تعجب آمیز اشتیاق سے دیکھکر پوچھا۔ "تم کہاں سے آئے ہو"

میں نے جواب دیدیا "دور سے۔ بہت دور سے"

وہ ہمہ تن سوال ہوکر میری طرف دیکھتی رہی۔

"اتنی دور سے کہ تم اسکا تصور بھی نہیں کرسکتیں۔ میں اس جگہ سے آیا ہوں جہاں دولت کی فراوانی ہے، عیش کی کثرت ہے، اگر جہاں اس نام نہاد خوشی کے باوجود کلفت روتی رہتی ہے وہاں بدی اپنے زہریلے تبسم سے فضا کو مکدر کردیتی ہے اور عیش کے پاؤں کی جھنکار میں غم کی لرزش ہوتی ہے وہاں اونچے اونچے عظیم الشان مکان ہیں جنمیں

سنگ سیاہ اور سنگ مرمر کے فرش ہیں۔ ریشمی اور زرتار پردے کمرے کی آرائش کے کفیل ہیں۔ لیکن ان مکانوں میں بسنے والی روحیں مکانوں سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں وہ موسیقی سے زیادہ مترنم، آبِ رواں سے زیادہ لوچ رکھنے والی۔ قوس قزح سے زیادہ رنگین۔ اور عشق سے زیادہ دل افروز ہیں۔ لیکن ان کا باطن جو اقدامِ گناہ سے مکدر ہو چکا ہے، دنیا کی سب سے زیادہ بدصورت شے ہے۔ ان کا دل و دماغ ہمیشہ ہوس رانی کی نئی طرح ایجاد کرنے میں مصروف بیکار رہتا ہے ہر ممکن طریقہ سے عشرت کی بے پرواہ اور آزاد دیوی کو مقید کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر وہ ان کی مضبوط گرفت میں سے ایک لطیف لوچ کی طرح نکل جاتی ہے اور ان کی روحیں افسردہ ہو جاتی ہیں۔"

وہ جو میری اس تقریر کو بہت غور سے سن رہی تھی۔ میرے جوش و خروش کو دیکھکر مسکرائی، اگرچہ اس نے میرے مطلب کو سمجھ لیا مگر تغافل کی اُس ادا سے جو عورت کے لئے مخصوص ہے اُس نے ظاہری بھولے پن سے پوچھا "تم نے شادی ابھی نہیں کی تھی؟" میں نے دیوانہ وار اچھل کر کہا "شادی" اور پھر میں خاموش ہو گیا۔ میں سوچ رہا تھا۔ کہ اسے اپنی نفرت کے سمجھانے کا بہترین طریق کیا ہوگا۔ میں جو شادی کو ارتباطِ جسمی کی سب سے اعلیٰ معراج سمجھتا تھا کسطرح گوارا کر سکتا تھا کہ اپنے بدن کو ان خبیث روحوں کے بدن سے اتصالِ باہمی کی اجازت دوں جن کے حسن کی دعوتیں عام نظاروں سے بھی سیراب ہو سکتی تھیں۔

آخرکار میں نے سوچ سوچ کر کہا۔ "کیا تمہیں یقین آتا ہے کہ میں ایسی عورتوں میں شادی کرونگا۔ جن سے مجھے قلبی نفرت ہے، اور جن کا بناوٹی حسن میرے معیار سے اسقدر پست ہے کہ میں ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کر سکتا!"

لیکن وہ کچھ نہ سمجھی اور اسوقت تک نہ سمجھی جب تک اظہارِ محبت سے اس کے دل کو اپنی کیفیات سے آگاہ نہ کر دیا۔

(۷)

محبت کے اس اظہار کے بعد ہم تقریباً روز ملتے رہے اور کچھ عرصہ تک میرا مضطرب دل بھی ایک عارضی سکون میں ڈوب گیا مگر رفتہ رفتہ میرے خیالات ایک زہریلے شبہ سے آلودہ ہونے لگے، میں نے اپنی انتہائی کوششوں سے اس شبہ کو دبانا چاہا مگر میرے دل کی گہرائیوں میں سے ایک ہلکی سی آواز ہمیشہ اسکی تصدیق کرتی رہی، اسکی بے تکلف عریانی جذبات کے بین السطور میں مجھے لگاوٹ کا ایک مہیب عنصر بناؤ کا ایک خطرناک پہلو محسوس ہونے لگا اس ابتذالِ طبیعت کی وجہ سے میں شرم کے مارے اسکی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکتا تھا مگر بظاہر وہ میرے جذبات کی شورش سے بے خبر تھی۔ کیونکہ وہ مجھسے اسی خندہ پیشانی اور باخلوص سادگی سے ملتی تھی جسطرح اسکا معمول تھا

مگر میں بے چین ہوتا گیا۔ ایک نامعلوم سا خوف میرے دل پر طاری رہنے لگا، ایک مبہم اور تاریک آنے والے خطرے کا خوف میرے دل کو پریشان رکھنے لگا۔ پھر میں سوچتا، کہ اسے کیا ضرورت پڑی تھی، کہ مجھے دھوکا دے؟ شہری زندگی سے باہر بے وفائی کے واقعات بہت کم پیش آیا کرتے ہیں یہ محض میرا بیجا گمان ہے، جس کی وجہ سے میرا اضطراب لمحہ بہ لمحہ ترقی کر رہا ہے، مگر ان تمام تاویلوں سے میری تسلی نہ ہوتی، غالباً وہ بھی اب میری حالت کو سمجھ گئی تھی، کیونکہ اب وہ میری دلدہی میں ایک ایسے مبہم اور نمایاں استقلال سے معروف تھی، جس نے مجھے اور بھی پریشان کر دیا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میں اسی جگہ جہاں میری پہلی ملاقات ہوئی ہے، بیٹھا ستار بجا رہا تھا۔ میرا دل اندر سے ڈوبا جاتا تھا اور میں چاہتا تھا کہ موسیقی کی انبساط آفریں کیفیت سے دل کی عشرتِ خیال کو متحرک کر دوں مگر میرے دل میں ایک خلا پیدا ہو چکا تھا،

اردگرد کے مناظر کی دلفریبیاں مجھے اپنی پہلی ملاقات کا سماں یاد دلا رہی تھیں۔ نیم زرد درختوں کے نیچے موسمِ خزاں کی دستبرد سے تباہ شدہ پتے اور مرجھائے پھول بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ ؎

تمھیں نہیں ہو کچھ اے خشک پتیو برباد فریب خوردۂ رنگِ بہار ہم بھی ہیں

میں نے ستار چھیڑا۔ بہت آہستہ اور نغموں کے ترنم سے اس انقباض کو جو مجھے تنگ کر رہا تھا۔ کم کرنے کی کوشش کی، شروع شروع میں تو مجھے محسوس ہوا۔ گویا نغمے آبِ رواں کی طرح بہہ نکلے، بنفشہ اور سوسن کی کشت زاروں میں سے گذرتے ہوئے ہوا کی آوارہ خوشبو اور فضا کی رنگینی کو جذب کر کے میرے دماغ کے پردوں میں سما گئے۔ مجھے ایک روحانی خوشی محسوس ہونے لگی، مگر رفتہ رفتہ غیر معلوم طور پر میرے ہاتھ ستار کے نیچے اور دھیمے سروں پر پھرنے لگے، مدھم اور لطیف سُروں کا ایک سماں بندھ گیا، خیال کی ان خودرو موجوں نے غم کی ایک صورت اختیار کی اور مجھے اضطراری طور پر خیال پیدا ہوا۔ گویا میں ماتمی سُر نکال رہا ہوں۔ گویا کوئی فرقت زدہ مایوس، غمگین عاشق ٹھہر ٹھہر کے روتا ہے، سسکیاں بھرتا ہے، اور پھر خاموش ہو جاتا ہے۔ پھر ماتمی سُر اور بھی بلند ہو گئے، گویا کسی نامراد کا جنازہ جا رہا ہو، وہی خاموشی، وہی انجماد، وہی قدموں کی آہستگی، وہی غمگینی کا تاریک لبادہ، ہر ایک شے کو ملفوف کئے ہوئے تھا۔

میں حیران تھا، کہ آج خلافِ معمول میری کوششوں کے باوجود میرے ستار سے غمگین سُر کیوں نکل رہے ہیں، لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ مجھے آج اپنی تمام عمر میں پہلی دفعہ ایک عظیم صدمہ برداشت کرنا ہے، تھوڑے عرصہ کے بعد میں اٹھا اور اس پگڈنڈی پر جو گاؤں کی طرف جاتی تھی، چل پڑا۔ میرے دونوں طرف درختوں کی ایک

خوشنما قطار تھی۔ جنمیں سے ہوا سر سراتی ہوئی نکلتی تھی۔ تو معلوم ہوتا، گویا کوئی مسکین کراہ رہا ہے، تھوڑی دور چلکر ایک چھوٹا سا مرغزار آیا تھا جس کی رنگینیوں نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔

میں اک وارفتگی کے عالم میں چلا جارہا تھا، کہ مجھے ایک آشنا آواز سنائی دی، میرے قدم وہیں رک گئے، گویا کسی طلسمی قوت نے انہیں زمین میں نصب کردیا ہو، یہ آواز سعیدہ کی تھی، میں نے ذرا آگے بڑھ کر دیکھا درختوں کے گنجان جھنڈ میں سعیدہ اور ایک اجنبی کھڑے باتیں کر رہے تھے،

لیکن سعیدہ! وہ عجیب لباس میں تھی، سر سے پاؤں تک وہ ایک ریشمی ساری میں ملبوس تھی، جس کی شفاف تہوں میں سے اس کے بدن کا سرخی مائل سفید رنگ جھلک رہا تھا، اس کے بال کھلے تھے، اور خم کھاتے ہوئے کمر تک پہونچ رہے تھے، اس سادگی کی جگہ جس کا میں عادی تھا، اس کے انداز میں ایک عریانی تھی، اسکی آنکھیں شعلوں کی طرح چمک رہی تھیں، اسکے چہرے سے بجائے محبت کے شقاوت کے آثار ظاہر تھے، اس نے ساری کی شکنوں کو درست کرتے ہوئے اور اپنی آنکھوں کو زمین پر گاڑے ہوئے اجنبی کی طرف مخاطب ہوکر کہا "تم بے فکر رہو، شکار اب نہیں نکل سکتا، میرے حسن کے سنہرے پھندے اس کے گرد لپیٹے جاچکے ہیں اور اب وہ اس خوشنما جال سے بچکر کہیں نہیں جاسکتا"

میرے دل میں آیا کہ میں اسے آواز دوں، مگر خدا جانے وہ کونسی قوت تھی، جس نے مجھے روکے رکھا، مجھے احساس ہورہا تھا کہ آج میرے شبہات کی تصدیق ہوگئی سعیدہ کے فقرے کا مطلب نہ سمجھا، لیکن اتنا ضرور خیال ہوگیا کہ اس نے مجھے اب تک اپنی اصلی حالت کی نسبت دھوکے میں رکھا تھا، میں سوچ رہا تھا کہ اس انقلاب ہیئت کا کیا مطلب ہو سکتا ہے، وہ میرے سامنے کیوں دہقانی لباس میں آتی ہے؟ اسے اسقدر قیمتی لباس اس معمولی سے گاؤں میں کہاں سے میسر ہوگیا۔ میرے دماغ میں اس قسم کے مختلف سوالات پیدا ہو رہے تھے کہ یکایک حقیقت میرے دماغ میں بجلی کی طرح چمکی، اور لمحہ بہ لمحہ مجھے اپنے دماغ میں تقویت ہونے لگی، لیکن اجنبی کے جواب نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

"گلزار اسقدر مغرور نہ ہونا، اسکی دلدہی خوب اچھی کرتی رہو، حتے کہ وہ سب کچھ تمھارے حوالے کردے۔ تمھارے ہی بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی طبیعت کچھ عجیب قسم کی ہے"

گلزار! تو کیا سعیدہ کا نام گلزار تھا، اب تعجب کی جگہ میرے دل میں اشتیاق کے شعلے بھڑکنے لگے، اتنا تو میں سمجھ چکا تھا کہ مجھے دھوکا دیا گیا تھا، اور یہ عورت ان ہستیوں میں سے ایک تھی۔ جو عصمت فروشی کے بدلے دولت کی تمام

عشرتوں کو حاصل کرتی ہیں۔ اول اول تو میرا دماغ سن ہوگیا، میرے قوا میں عمل کی قابلیت ہی نہ رہی، طبیعت میں غصے کا ایک زخار سمندر موجیں مارنے لگا۔ میں نے چاہا، کہ اسی وقت ان دونوں کو قتل کردوں صرف اپنے ہاتھوں سے مار ڈالوں، کیونکہ دیوانگی سے مجھ میں اس وقت دس آدمیوں کی طاقت پیدا ہوگئی تھی مگر میں نے اپنے دانت اور مٹھیاں بھینچ لیں اور چپ چاپ کھڑا رہا۔

سعیدہ یا گلزار نے حقارت کی ایک ہنسی ہنسکر جواب دیا" وہ بے وقوف ہے، اب کہاں جاسکتا ہے، تھوڑے ہی دنوں میں دیکھ لینا وہ اپنی دولت کو میرے قدموں پر نچھاور کردیگا۔ میں نے تو پہلے ہی دن سے اُسے دیکھ کر سمجھ گئی کہ حضرت انتہا درجہ کے احمق واقع ہوئے ہیں۔ جیدن میں پہلی دفعہ دہقانی لڑکی کے لباس میں گئی ہوں، تو واللہ میں نے اپنا پارٹ اس خوبی سے ادا کیا تھا۔ کہ تم دیکھتے تو عش عش کر اٹھتے۔ اور وہ ــــــــ تو اس آسانی سے پھنس گیا، گویا تیار ہی تھا" میں اس سے زیادہ نہ سن سکا۔ اور وہاں سے پاگلوں کی طرح بھاگا۔

(۸)

میں بہت جلدی اپنی زندگی کے انقلاب خیز دور کیطرف آتا ہوں، ایک تاریک بارانی رات تھی، اور مختل الحواس احمقوں کی طرح ایک عجیب رفتار سے اپنے سست قدموں کو جو بے راہ پھرنے کے عادی ہوچکے تھے تیز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے چلا جارہا تھا، غم نے مجھے دیوانہ کردیا تھا، پیچیدہ گلیوں اور تنگ راستوں میں سے گذرتا ہوا میں خدا جانے کہاں نکلا جارہا تھا کہ مجھے سامنے ایک ہوٹل کی جگمگاتی ہوئی عمارت نظر پڑی، مجھے یاد آیا کہ میں بھوکا تھا، صبح سے بھوکا تھا، جبدن سے میں گلزار کو، نہیں، نہیں، میں ابھی تک اسے سعیدہ کہونگا، چھوڑ کر آیا تھا۔ زندگی میرے لیئے ایک مسلسل بے ربطی ایک طویل تکلیف ہورہی تھی نہ کھانے کا ہوش تھا، نہ پینے کا، میں ہوٹل میں اپنے معدے کے فطری عمل کو پورا کرنے کے لیئے داخل ہوا۔ میری اپنی خواہش کو اسمیں ذرہ بھر بھی دخل نہیں تھا۔

سنگ مرمر کی ایک خوشنما گول میز کے قریب بیٹھکر جسکی سفید اور سرد سطح میرے جلتے ہوئے ہاتھ کو بہت زیادہ ٹھنڈی محسوس ہوئی۔ میں نے سر اٹھاکر اپنے اردگرد دیکھا، کیا ایک ادھیڑ عمر کا ایک بلند بالا شخص جس کی صورت میں مجھے اسکی جوانی کی شکل ایک بھولے ہوئے پریشان خواب کی طرح دکھائی دے رہی تھی، جسطرح کہر میں سے افق کی دھندلی روشنی کسی عظیم الشان کھنڈر کو اور زیادہ مہیب کردے اور زیادہ بھیانک بنادے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ میں اسکو پہچاننے کی کوشش کررہا تھا کہ اس نے میرے قریب آکر میرے چہرے کی طرف بے اعتبار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پھر ایک مجوب وثوق سے کہا "ظہیر تم ہو"

میں نے کہا "نثار"

"ہاں نثار بچپن میں تمھارے ساتھ کھیلا ہوا نثار"

وہ میرے پاس بیٹھ گیا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھ کر سہن دیئے، غالباً دونوں کے دل میں ایک ہی طرح کے جذبات موجزن تھے، میں اسکی موجودہ کریہہ صورت کو خوبصورتی کے ان نشانات سے ملانے کی کوشش کر رہا تھا، جو اسے تمام لوگوں سے ممتاز اور مشخص کرتے تھے، غالباً وہ بھی اسیطرح کے خیالات میں غرق ہوگیا، آخر کار اس کی تمام حیرت تمام بے اعتنائی اور تمام اشتیاق نے ایک معنی خیز اشتیاق کی شکل اختیار کی،

"کیا بات ہے"؟

میں نے ٹال کر کہا "کچھ نہیں"

"دولت چلتی پھرتی چھاؤں نکلی"

"نہیں دولت تو میرے پاس اتنی ہے کہ تمام عمر خرچ کروں تو ختم نہ ہو"

"تو پھر کوئی صدمہ پہونچا"

میں نے جواب دیا "کیا کچھ مگر تمھاری میں کیا حالت دیکھ رہا ہوں تم بھی تو دولت مند گنے جاتے تھے، تمھیں کس چیز نے اتنا کریہہ المنظر کر دیا"

اسنے میرے سوال کا کچھ جواب نہیں دیا، کچھ توقف کے بعد بولا "اپنے صدمے کو کم کرنا چاہتے ہو"

میں نے بے اعتباری کی ایک گہری سانس لی۔ "کوئی چیز میرے صدمے کو کم نہیں کر سکتی"

اسکی آنکھوں میں ایک عجیب چمک مشتعل ہوئی، اور اسنے میری طرف شعلہ بار نگاہوں سے دیکھکر پھر آنکھیں جھپکالیں ہم خاموش رہے، نوکر کھانا لیکر آیا۔ کھانا بھی خاموشی ہی میں کھایا گیا۔ کھانا کھاچکے، تو اسنے سگار کیس نکال کر ایک سگار سلگایا، اور میرے آگے پیش کیا، ہم دونوں بیٹھے اپنے دھوئیں کی پیچیدگی میں اپنی پریشانیوں کا عکس دیکھتے رہے، تھوڑا عرصہ گذرنے کے بعد خادم نے دو گلاس لاکر میز پر رکھدیئے۔ جنمیں سے تیز سرخ رنگ کی شراب جھلک رہی تھی، میں نے پوچھا "یہ کیا ہے"

انہوں نے ایک گلاس کو اپنے ہاتھ میں لیا، اور اہتزازی تاثرات سے لبریز ہو کر اس کے خوشگوار رنگ کی طرف حریص نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے "پیو" یہ لعل گداختہ پیو، تمام رنج والم کو اسکا ایک جرعہ کافور کردیگا، تمھاری بجھی ہوئی آنکھوں میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑجائیگی، یہ افسردگی یہ کاہش، یہ پریشانی سب رفع ہوجائیگی"

میں نے جواب دیا "یہ تو میں نہیں پیونگا"

انھوں نے کہا "نہیں" بندۂ خدا، کیوں زندگی برباد کرتے ہو۔ میں تمھارے آگے ایک نئے منظر کے دروازے کھول رہا ہوں، میں تمھیں ایک نئی جنت کی سیر کرانا چاہتا ہوں"

میں نے اس سرخ تیز چیز کو غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "کیا یہ چیز میرے دل کے بوجھ کو کم کردیگی۔ کیا اس سے میرے حافظے کی ناخوشگوار قوت فنا ہوجائیگی۔ کیا اس سے میں بیخودی کے عالم میں پہونچ جاونگا"

اُس نے میرے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا "ہاں ہاں، یہ وہی چیز ہے"

میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گلاس اٹھایا پھر رکھدیا، پھر ایک دفعہ آنکھیں بند کرکے مونہہ تک لے گیا۔ اور آدھا ختم کرکے میز پر رکھدیا، جسم میں گرمی کی ایک تیز و تند لہر دوڑگئی، رگیں کھنچنے لگیں۔ طبیعت ذرا بشاش ہوگئی

اتنے عرصہ میں وہ اپنا گلاس ختم کرچکا تھا اور زیرلب گنگنا رہا تھا ے

نہیں ذریعۂ راحت جراحتِ پیکاں
وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہیے

میں نے باقی آدھا گلاس بھی ختم کردیا۔ اس طرح میں نے پہلی دفعہ شراب پی۔

اب میں کیا ہوں جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، میں ایک دائم الخمر مدہوش ہوں، اور مجھے بھی سرمستی کی زندگی اچھی معلوم ہوتی ہے، لوگ مجھے احمق بھی کہتے ہیں۔ دیوانے، انھیں کیا معلوم میں کون ہوں۔ جدہر آنکھ اٹھاتا ہوں دلکشا جنت کے دروازے کھلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ نہ اب سعیدہ ہے، نہ سعیدہ کی یاد۔ صرف ذہن میں اس دور کی ہلکی سی کیفیت باقی ہے، جب میں اس آتشِ سیال کو سامنے رکھکر بیٹھتا ہوں، تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ تمام دنیا کی تیزی، تندی، اور حدّت اسی میں جمع ہوگئی ہے۔ مگر ٹھہرو، میرا دماغ پھر پھٹنے لگا، توپیں گرج رہی ہیں میدان کارزار گرم ہے۔

مجھ پر پھر کسی خطرناک دیوانگی کا دورطاری ہونے لگا ہے۔"

عابد

قصر بابل

(۲)

پل کے قریب بادشاہ نبوپولیسر کا قدیم محل چار مساوی مربعوں پر تعمیر کیا گیا تھا، اُسکے مغرب میں بخت نصر ثانی نے ایک عالیشان قلعہ نو مساوی مربعوں پر بنایا تھا جسکی تین فصیلیں تھیں، اس قلعہ کے کھنڈر "القصر" کے نام سے مشہور ہیں۔ ڈاکٹر کالڈیوی سولہ سال اسکی تحقیقات کرتا رہا، یہ قلعہ جیسا کہ کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے ارست باب ایلی، یعنے وسط شہر بابل میں بنایا گیا تھا، چونکہ عہد عتیق سے خاص قلعہ کا مقام یہی چلا آتا تھا اور شہر کے دیوتا مردوخ کے مندر کو جانے والی سڑک اسی کے سامنے سے گذرتی تھی اسلیئے ڈاکٹر کنگ، ڈاکٹر کالڈیوی کی تائید میں بیان کرتے ہیں کہ شہر بابل کا نام باب ایلی یعنے "دیوتاؤں کا دروازہ" رکھنا کچھ بعید نہ تھا، قصر کے جنوبی شرقی گوشہ کے کھودنے سے بہت نیچے جاکر قدیم آبادی کے آثار نمودار ہوئے ہیں اور متعدد گلی ظروف، چقماق، پتھر کے ہتھیار اور مختلف اقسام کے اوزار وغیرہ بھی برآمد ہوئے ہیں، فتح کے بعد بخت نصر ثانی نے اس عالیشان قصر کی تعمیر شروع کی جب تک جدید قصر زیر تعمیر رہا بادشاہ مذکور کا قیام قدیم محل میں تھا، جدید قصر کی تکمیل ہوتے ہی قدیم محل گرا دیا گیا اور اسکی بنیاد پر دوسرا محل تعمیر کیا گیا اور قصر و محل کے درمیانی حصہ کو پُر کرا کے شرقی حصہ کے برابر کرا دیا۔

بخت نصر ثانی کا قول ہے "میں نے قصر کی بنیاد نہایت مضبوط قائم کی ہے اور اُسکو پختہ خشت و قیر سے پہاڑ کے برابر بلند بنایا ہے اُسکی چھت پر میں نے بڑے بڑے زبردست دیودار کے شہتیر ڈالے ہیں۔ اس کے کواڑوں پر جو دیودار کی لکڑی کے ہیں تانبہ کے پتر جڑوائے ہیں۔ انکی چوکھٹیں اور چولیں برنجی ہیں۔ چاندی، سونا، جواہرات اور تمام وہ بیش قیمت اشیاء جو شوکت و دولت اور ثروت کے لوازم ہیں بے قیاس جمع کر کے اس قصر کے شاہی خزانہ میں محفوظ رکھے ہیں"

قصر کا عالیشان صدر دروازہ مشرقی جانب تھا جس کے بیرونی حصہ پر گرگج بنے ہوئے تھے، اس شاندار اور وضعدار پھاٹک کے کواڑ وغیرہ کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، مندر دیوی ننماخ کے متصل ہونے کی وجہ سے اس دروازہ کا نام باب بعلتی یعنی بیگم کا دروازہ رکھا تھا، افسوس ہے کہ اس عالیشان دروازہ کا کوئی حصہ سالم برآمد نہیں ہوا۔ قصر کی تین ڈیوڑھیاں نہایت وسیع تھیں، انکے دونوں جانب محافظان محل کے لیئے خوبصورت صحنچیاں بنائی گئی تھیں، ڈیوڑھیوں کے دروازے شان اور وضع میں صدر دروازہ کی طرح تھے، ہر ڈیوڑھی کے بعد ایک ایک چوک تھا جس کے چاروں طرف دالان در دالان بنے ہوئے تھے، ہر صدر دالان جنوبی سمت میں بنایا تھا تاکہ تمازت آفتاب سے پناہ ملے۔ بعض دالان اور دروازوں کی صحنچیوں میں حکام کے اجلاس تھے سب سے زیادہ خوبصورت اور وسیع دالان در دالان صحن کے

جنوب کی طرف بنا ہوا تھا جسکو دربار عام کہتے تھے، اُسکی دیواروں کا عرض چھ میٹر کا تھا، جو دیگر کمروں کی دیواروں کے عرض سے زیادہ تھا اسلیئے قرین قیاس ہے کہ اسکی چھت ڈاٹ کی تھی اس دالان کے تین دروازے صحن کے رُخ کھلتے تھے، درمیانی دروازے کے سامنے دیوار کے آثار میں ایک دوہرا نہایت بلند اور وسیع طاق آراستہ و مزین تھا جس میں بخت نصر ثانی کا تخت بچھا رہتا تھا، اراکین دولت منصب و درجہ کے لحاظ سے دالانوں میں دست بستہ کھڑے ہوتے تھے اور عوام صحن قصر سے بادشاہ کی زیارت کرتے تھے، دالان کے برآمدہ کا کچھ حصہ سالم برآمد ہوا ہے، جسکے روکار میں نہایت خوش رنگ و خوشنما روغنی چوکے نصب تھے، ان کی آب و تاب میں اسوقت تک کچھ فرق نہیں آیا، اس برآمدہ کے ستون اور فیل پائے بسنتی رنگ کے اور اُن کے اوپری حصے نیلے تھے مگر ستون اور سر ستون کے اطراف سفید تھے۔ ستونوں کے سروں پر پیچ در پیچ رنگین تحریروں کا ایسا جال ہے کہ اسکو دیکھکر عقل حیران ہوتی ہے اس کام کو فن عمارت کی اصطلاح میں غالب کہتے ہیں۔ الغرض آرائش، آسمانی و بسنتی رنگوں میں کی گئی تھی، چوکوں کی رنگ آمیزی سے اور غلطاں اور مشبک اشکال بناکر ایسے جوڑ ملائے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ قصر کے لاتعداد کمروں کی تفصیل طوالت کے خیال سے نظرانداز کی جاتی ہے، بادشاہ حامورابی کے عہد سے داد و ستد کا تعلق شاہی محل سے چلا آتا تھا، تمام قضیے جھگڑے یہیں طے ہوتے تھے، عہد عتیق میں تو بادشاہ خود فیصلے کرتا تھا بعد میں حکام، بادشاہ کی نگرانی میں ہر قسم کے مقدمات فیصل کرتے تھے، تجارت خرید و فروخت لین دین اور تمام کی تکمیل قصر کی چار دیواری کے اندر ہی ہوتی تھی، خاص خاص اراکین دولت اور دیگر ملازموں کو بقدر حیثیت و خدمت قصر کے مکانات رہنے کے لیئے دیئے جاتے تھے، تمام شاہی کارخانے بھی قلعہ کے ایک حصہ میں تھے، اور جو اشیا بادشاہ کے استعمال میں آتی تھیں وہ بھی قلعہ ہی میں بنائی جاتی تھیں، قصر کی دیوار کے جنوبی غربی گوشہ کے کمرہ سے سنگ مرمر کے متعدد مرتبان برآمد ہوئے ہیں، ایسے مرتبانوں کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور شاہان سلف اکثر ایسے تحائف ہم عصر بادشاہوں کو بھیجا کرتے تھے۔ (خاندان کیانی کے مشہور بادشاہ بہمن دراز دست نے سنگ مرمر ہی کے مرتبانوں پر اپنا نام اور لقب کندہ کراکے فرعون مصر اور شہر یار ایشیائے کوچک کو تحفتہً بھیجے تھے)

مغرب کی جانب بادشاہ نبوپولیسر کے قدیم محل پر شاہی محلسرا تعمیر کیگئی تھی، اس محل شاہی میں تین مدور کنوئیں بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ہر کنواں ایک مختصر کمرہ میں تھا جسکی دیواریں سطح آب تک گئی تھیں۔ چاہ کے گرد گٹی کی بھرتی دیگئی تھی، تاکہ پانی ہمیشہ صاف اور ستھرا رہے، چھتوں کے پرنالوں کے دہانے نہایت خوبصورت اور خوشنما تھے، بارش، غسلخانوں اور روزمرہ کا مستعمل پانی نہایت عمدہ پختہ اور وسیع پٹی ہوئی موریوں اور نالیوں کے ذریعہ سے خارج ہوتا تھا۔

قصر کی دیواروں پر رزم و بزم، شکار و دربار وغیرہ کے مناظر تصاویر میں دکھائے گئے تھے،

یہودی مورخ جوزیفس کا قول ہے کہ بادشاہ بخت نصر ثانی نے اس عالیشان قصر کو پندرہ روز کے عرصہ میں تعمیر کرایا تھا۔ مورخ مذکور کا بیان مبالغہ آمیز تصور کیا جاتا تھا لیکن بادشاہ بخت نصر ثانی کا ایک کتبہ برآمد ہوا ہے جو لندن کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے اُس سے مورخ مذکور کے قول کی صداقت ہوتی ہے،

محمد حامد (دہلوی)

غزل

یہ تاثیر سخن اک چیز ہے جسکو خدا بخشے
نہیں بھی اُس بت کافر کی ہاں معلوم ہوتی ہے

عجب کچھ سوز پیدا کر دیا قید محبت نے
دعا بھی اب اسیروں کی فغاں معلوم ہوتی ہے

نفس کی آمد و شد ہے تمھاری ذات سے قائم
تمھیں سے رونق بازارِ جاں معلوم ہوتی ہے

خدا جانے یہ کوئی آرزو ہے یا کوئی حسرت
خلش سی ایک سینہ میں نہاں معلوم ہوتی ہے

ملی راحت نہ دنیا میں تو عقبیٰ کا یقیں کس کو
یہاں معلوم ہوتی تھی وہاں معلوم ہوتی ہے

جب اے تسنیم بڑھ جاتی ہے شدت رنج الفت کی
دو روزہ زیست عمر جاوداں معلوم ہوتی ہے

سید سرفراز حسین (بی اے)

شہاب کی سرگزشت

(سلسلۂ گزشتہ)

"محمود۔ اگر تمھاری تحریر سے مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ تم میری طرف سے ایک سخت غلطی میں مبتلا ہو، تو شاید میری فرصت تم کو مخاطب کرنے کے لیئے یا تمھاری کسی تحریر کا جواب دینے کے لیئے بہت تنگ نظر آتی، یہ تمھیں معلوم ہے کہ میرے نزدیک دنیا میں ہر نقصان کی تلافی ممکن ہے، اگر وہ نقصان جو روح کو پہونچ جائے اور اس عالم میں ہر شکست کے لیئے ایک پیوست ہے مگر وہ جو کسی دل کو پہونچائی جائے، خیر بہر حال اس تحریر کا مقصود صرف تمھاری اس غلط فہمی کو دور کرنا ہے تاکہ تم آیندہ اس اظہار خیال کی جسارت نہ کرو اور کم از کم یہ کہ مجھے تو ہمیشہ کے لیئے معاف ہی رکھو کہ "عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا"۔ تمھارا مجھ سے جدا ہونا مجھے معلوم تھا، دوسرے سے مل جانا ہے، اور اسلیئے اب مجھے وہ خبر کیا سناتے ہو جو میرا دل مجھے اب سے ایک ماہ قبل سنا چکا تھا، تم نے مجھے تکلیف پہونچائی، تم نے مجھے ایذا دی۔ مجھے اس کی بھی شکایت نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے دنیا میں ایک خود غرض شخص سب سے پہلے جن لوگوں کو اپنے حملہ کا مستحق سمجھتا ہے وہ اس کے احباب ہوتے ہیں اور اسلیئے اگر تم نے مجھے بہت زیادہ صدمہ پہونچایا تو کیا عجب کیونکہ میں تمھارے ساتھ بہت زیادہ محبت رکھنے کا مدعی تھا، تم نے مجھے تقریب عقد میں یاد کیا تھا اور واقعی مجھ سے غلطی ہوئی کہ تمھاری اس دلنوازی کا شکریہ برمحل نہ ادا کر سکا، لیکن اب جب کہ سب ہو چکا ہے کیا ضرور ہے کہ لذات مسرت سے تھک جانے کے بعد اپنی فرصت مضمحل میں نشتر چبھونے کے لیئے مجھی کو منتخب کرو، شاید اس لیئے کہ میں تمھارے عقد کے خلاف تھا، شاید اسلیئے کہ میں نکاح کو تمھارے لیئے مضرت رساں سمجھتا تھا اور اب تم مسرور ہو، کامیاب ہو گویا مجھ پر طعن کرتے ہو، خیر میں اس ذکر کو مختصر کرنا چاہتا ہوں اور تم کو اور تمھاری مسرت کو خیر المودین کے رحم پر چھوڑتا ہوں۔ خدا کرے وہ اپنے اصول تمھارے لیئے بدل دے اور تم کو اپنے زعم و پندار سے پشیمان نہ ہونا پڑے، ہاں تمھاری جس غلطی کا میں نے ذکر کیا وہ یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے دل کا کہنا کیا اور نہ یہ کہ تم مجھ سے جدا ہو گئے، بلکہ وہ غلطی یہ ہے کہ اب پھر مجھ سے ملنے کی تمنا رکھتے ہو اور یقین کرتے ہو کہ زمانہ اس صدمہ کو بھلا دیگا اور تم مجھ سے معافی چاہ کر اُس خلا کو پر کر دوگے جو میرے تمھارے مراسم محبت میں پیدا ہو گیا ہے، یہ ممکن ہے کہ زمانہ اس صدمہ میں کمی پیدا کر دے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تم . . . . مجھ سے طلب عفو کرو، لیکن، محمود، یہ قطعی ناممکن ہے کہ تم ایک شیشہ میں پڑ جانے والے بال کو دور کر سکو اس لیئے

مجھ سے مل کے کیا کروگے اور کیوں پھر اس تمنا کو زندہ کروگے جو حشر سے بے نیاز ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ میرے تعلقات تمھارے ساتھ نہ تھے، بلکہ تمھاری فطرت وطینت کے ساتھ تھے، میں تو تم سے اس لیئے محبت کرتا تھا کہ تمھاری طبیعت حسین تھی، تمھاری فطرت دلکش تھی اور یقین کرتا تھا کہ میں اُن کے حسن و دلکشی سے ہمیشہ لطف اٹھاتا رہوں گا، لیکن اب جبکہ تم میں وہ حسن وہ دلکشی باقی نہیں (اور کیوں نہیں اسکو میں بارہا تمھیں سمجھا چکا ہوں) مجھے تمھاری کیا پرواہ ہوسکتی ہے، اور میں اپنا وقت تمھارے لیئے کیوں ضائع کروں، جب کہ اس سے بہتر مصرف وقت کا موجود ہے، یعنے تم سے احتراز وگریز، تم سے نفرت واستکراہ، جسمیں اب میرے لیئے وہی لذت ہے جو اس سے قبل کبھی تمھاری طرف کھنچ جانے میں تھی، ممکن ہے کہ تم اسے میری خودغرضی خیال کرو، اور تمھارا یہ خیال صحیح ہوگا، کیونکہ ہر وہ امر جس میں تمھارا نفع مجھے نظر آتا تھا، میں اس کے حصول کوشش کو ہمیشہ اپنی ہی خودغرضی پر محمول کرتا تھا، اور اب جبکہ میرے تمام معاملات میں تمھارا سوال ہی اٹھ گیا ہے تمھارا وجود بالکل نظرانداز کردیا گیا ہے، یقیناً میں بہت زیادہ خودغرض ثابت ہونگا کیونکہ تم سے چھٹنے کے بعد میں خود اپنے آپ سے محبت کرنا سیکھونگا اور کوشش کرونگا کہ تم کیا ساری دنیا کو اس خودغرضانہ جذبہ پر قربان کردوں، تم نے اگر میری محبت کو ٹھکرا دینا سہل سمجھا، تو میں تمھاری طرف سے اپنی نگاہیں پھیر لینا اس سے زیادہ آسان قرار دونگا، اگر تم نے میرے خلوص وصداقت کا خون کردینا دشوار نہ جانا تو میں تمھاری التجاؤں اور زاریوں کو ٹھکرا دینا کیوں مشکل سمجھوں یہ باور کرد کہ جسکو میں خود بھلا دوں اسے پھر کبھی یاد نہیں کرتا اور اسلیئے اگر آئندہ اب مجھے کوئی خط بھیجو تو اس یقین کے ساتھ کہ اس کے پرزے ہوا کے کام آئنگے، اس حال میں کہ میری نگاہوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ لفافہ کے اندر کچھ تھا بھی یا نہیں"

"شہاب"

یہ تھا جواب اس تحریر کا جو شادی ہونے کے بعد محمود نے شہاب کے پاس بھیجی تھی، محمود نے جو کچھ لکھا وہ ایک اپیل تھی طلب عفو کے لیئے اور معذرت نامہ تھا جسمیں اُس نے اپنی مجبوریوں کا اظہار کیا تھا، لیکن شہاب نے جو فطرت کی طرف سے ایک نہایت عجیب وغریب دل ودماغ لیکر آیا تھا، محمود کی لجاجتوں اور التجاؤں کی مطلق پرواہ نہیں کی اور اس نے عہد کرلیا کہ محمود کی اس غلطی کو کبھی معاف نہیں کریگا، اور نہ کبھی اس سے سلسلۂ خط وکتابت جاری رکھے گا،

شہاب کو معلوم تھا کہ محمود پر اس تحریر کا کیا اثر ہوگا، لیکن وہ اپنی تمام عمر میں کسی سے برہم ہوکر پھر کبھی خوش نہیں ہوا اسلیئے وہ اس مسئلہ میں بھی اپنی طبیعت سے مجبور تھا۔

شہاب کو محمود کے ساتھ ایسی گہری محبت کیوں تھی، وہ کیا بات تھی جس نے شہاب میں محمود کی طرف سے اس درجہ گرویدگی وشگفتگی پیدا کردی تھی؟ اس کے متعلق اگر ہم شہاب کی گفتگو کو صحیح سمجھیں تو ماننا پڑیگا کہ وہ محمود کے اندر

نہایت بلند فطرت دیکھتا تھا اور چونکہ شہاب خود فطرتاً نہایت ارفع ہستی کا شخص تھا اسلیئے محمود کے ساتھ اسکا مانوس ہو جانا بھی فطری تقاضہ تھا، شہاب سمجھتا تھا کہ شادی ہو جانے کے بعد محمود کا یہ حسنِ فطرت جو صرف تجرد و بے تعلقی کی حالت میں قایم ہو سکتا ہے زائل ہو جائیگا، اور اسی لیئے وہ محمود کو اس سے بچانا چاہتا تھا، اسمیں کلام نہیں کہ محمود کو بھی کچھ کم وابستگی نہ تھی، وہ شہاب کی نہ صرف عزت کرتا تھا بلکہ اسکی پرستش کرتا تھا، اور ایسی عظمت اس کی اپنے دل میں رکھتا تھا کہ اکثر اوقات وہ اس جذبہ کی قوت سے کانپنے لگتا تھا اور یہ تو کبھی ہوا ہی نہیں کہ شہاب اس سے کسی بات پر برہم ہوا اور محمود نے پھر آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا ہو، لیکن سکینہ کے معاملہ میں وہ کچھ ایسا مجبور ہو گیا کہ باوجود سعی و کوشش کے اپنی طبیعت کو نہ سنبھال سکا اور آخر کار عقد کرنے کے سوا اس نے کوئی چارہ نہ دیکھا۔

(۱۰)

بمبئی میں ساحل اپالو پر ایک شام جب کہ ابر برس کر آسمان و زمین، ہوا و فضا میں ایک عجیب نکھار پیدا کر گیا تھا طفیل و اختر ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے سمندر کی تازہ تازہ ہوا اور پانی کے ہلکے ہلکے ہچکولوں کا لطف اٹھا رہے تھے، شاندار فٹنوں اور قیمتی موٹروں سے اتر اتر کر ساحل پر خرام ناز کی مشق کرنے والیاں، تصنعاتِ آرایش و لباس کو بدن کی ہر ہر جنبش سے نمایاں کرنے والی جوان جوان لڑکیاں یوں تو یہاں روز، ہر شام اپنے خرام سے ساحل کے ہر ہر ذرہ اور اپنے جلوۂ شباب سے فضا کے ہر ہر دائرہ کو بیقرار و مضطرب کر دینے کے لیئے جمع ہو جاتی ہیں۔ لیکن کئی دن کی مسلسل بارش کے بعد جو آسمان کھل گیا تھا تو معمول سے زیادہ ہجوم نظر آ رہا تھا، اور چونکہ دو چار روز تک ابر و باد کی وجہ سے نمائشِ حسن کا فرض ادا نہیں ہو سکا تھا، اسلیئے اس دن نہایت جوش اور بہت محنت سے اہتمام کیا گیا تا کہ چند ایام کی غیر حاضری سے جو سکون و جمود پیدا ہو گیا ہے اُسے آسانی سے دور کر سکیں اور اسطرح تلافی مافات جلد ہو جائے۔

طفیل جو اپنی زندگی کا ایک ناقابل فراموش فرض سمجھکر یہاں آیا کرتا تھا، آج بہت مسرور تھا یہ دیکھکر کہ بمبئی کے ایک ایک گوشہ کا حسن کھنچکر جمع ہو رہا ہے، اور اختر جو کبھی اتفاق سے ادھر آنکلتی تھی مضمحل تھی یہ معلوم کر کے کہ کبھی وہ ساحل کی خلوت سے لطف نہیں اٹھا سکتی علی الخصوص اسوقت جب موسم کے لحاظ سے اس کو سکون کی بہت ضرورت تھی وہ نہ آتی، اگر طفیل اسے اصرار کے ساتھ یہاں نہ لے آتا، اور چلی جاتی، اگر لے آنے کے بعد اسی اصرار سے روک نہ لیتا۔

اختر فطرتاً بہت خلوت پسند تھی اور باوصف اس کے کہ تھیٹر کے کھلے اسٹیج پر سینکڑوں نگاہوں کے سامنے ہر رات اپنے آپ کو ظاہر کرنا اسکا روز کا مشغلہ تھا، کبھی اس خیال سے خوش نہ ہوتی تھی کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ اس

کی طبیعت میں حیا تھی، اسمیں شرم تھی، اور وہ عرق عرق ہوجاتی تھی جب اُسے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بار بار اسکی طرف دیکھ رہا ہے، اور اسی لیئے وہ بسا اوقات بیزار ہوکر اسٹیج کو چھوڑ دینا چاہتی تھی، لیکن اسباب و موانع کے سامنے مجبور ہوکر کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی اس حال میں بسر کر رہی تھی۔

اسوقت وہ اپنی سپید ساری میں، جو اس کی محبوب وضع تھی، خاص محویت کے عالم میں سمندر کے اندر ہلکے ہلکے ہچکولے لینے والے جہازوں کو دیکھ رہی تھی اور متحیر تھی کہ کیونکر لوگ آسانی سے اپنی جانوں کو اس تعمیر انسانی پر اعتماد کرکے پانی کے مہیب دیوتا کی آغوش میں سپرد کردیتے ہیں اور اس سے زیادہ حیرت یہ ہے کہ سمندر انسان کے اس پندار و غرور پر برہم ہوکر ان لوگوں کو کیوں نہیں نگل جاتا، وہ طفیل سے اسی کے متعلق گفتگو کرکے تھوڑی دیر کے لیئے خاموش ہوئی تھی کہ شہاب بھی آگیا، اور اختر اک مسرور تحیر کے ساتھ اسکی پذیرائی کے لیئے کھڑی ہوگئی اور طفیل سے بولی کہ "ان سے دریافت کرنا چاہیئے"۔ شہاب جو محمود کے واقعہ شادی سے بہت متاثر تھا کچھ نہ بولا اور بنچ کے ایک گوشہ میں بیٹھکر کچھ سوچنے لگا۔ اختر تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد بولی:- "شہاب صاحب، میں آج آپ کو خلاف معمول اگر مضمحل نہ دیکھتی تو آپ سے شکایت کرتی اور کہتی کہ آپ کیوں ایک ہفتہ سے نہیں ملے اور اگر نہیں آسکتے تھے تو کیوں مجھے یاد نہیں کیا؟"

شہاب۔ "مضمحل تو ہوں، لیکن خلاف معمول نہیں، اسلیئے آپ شکایت کیجیئے۔ اگر میری طرف سے بجز اعتراف قصور کے کسی اور جواب کی توقع ہو۔

طفیل (شہاب سے) اختر نے شکایت نہ کرتے ہوئے شکایت کرلی اور آپ نے بھی جواب نہ دیتے ہوئے نہایت حسن سے اس کا جواب دیدیا اسلیئے اب اس کے متعلق گفتگو فضول ہے یہ بتایئے کہ محمود کی شادی کیسے ہوگئی جب کہ آپ اسقدر مخالف تھے، مجھے افسوس ہے کہ اس مسئلہ میں محمود نے بہت عجلت سے کام لیا۔ میرا خیال بھی ان کی نسبت یہی تھا کہ وہ اس کے اہل نہیں ہیں اور وہ اپنی زندگی خراب کرلیں گے،،

شہاب۔ "میں انکی شادی کا بالکل مخالف نہ تھا، بلکہ صرف یہ چاہتا تھا کہ وہ ابھی ایسا نہ کریں، رہا ان کے اس فعل پر تاسف سو یہ بھی فضول ہے، اب آپ کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ان کی زندگی زیادہ خراب و داغدار نہ ہو اور یہی بڑا احسان ان کے ساتھ ہے، زخمی ہوجانے کے بعد اندمال جراحت کی فکر کرنی چاہیئے نہ کہ اظہار افسوس و ملال۔"

طفیل "ہاں درست ہے، لیکن یہ کوشش بھی مفید نہیں ہوسکتی، اور اس نوع کے مساعی کو کامیاب دیکھنے کی تمنا کرنا بالکل ایسا ہی ہے، جیسے کسی ڈوبنے والے کو پانی سے نکالنا اور اس بات کی توقع رکھنا کہ اس کے کپڑے تر نہ ہوئے ہونگے۔ میرے نزدیک اب صرف اظہار افسوس و ملال ہی کا وقت رہگیا ہے۔"

شہاب نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور ایک منٹ خاموش رہنے کے بعد اختر سے مخاطب ہوا"

"کیوں اختر صاحب آج کیسا خوشگوار و دلکش موسم ہے۔ آپ کشتی پر سیر کرنا پسند نہیں فرمائیں؟

اختر۔"موسم ضرور دلکش ہے، لیکن یہ کشتی کا ذکر آپ نے کیا کیا، میری تو روح اس خیال سے کانپ اٹھتی ہے۔ بلکہ میں متحیر ہوں کہ لوگ کس طرح جہازوں اور کشتیوں میں سفر کرتے ہیں اور اس سے زیادہ حیرت یہ ہے کہ اپنی جانیں کیونکر بچا لاتے ہیں۔ میں اگر سمندر ہوتی تو ایک کو نہ چھوڑتی اور سب کو ڈبو دیتی صرف اس غصہ میں کہ لوگ ایسی جسارت کیوں کرتے ہیں حقیقتاً سمندر کے سینہ پر اس آزادی سے پھرنا سمندر کی توہین ہے، مجھکو میں تو کبھی برداشت نہ کرسکتی تھی"۔

شہاب۔"یہ آپ نے کیا فرمایا۔ آپ سمندر بننے کی خواہش کرتی ہیں، حالانکہ اگر کوئی سمندر سے پوچھے تو وہ کہے کہ میں عورت کیوں نہ ہوا، جس کی صرف ایک نگاہ کے عمق میں اُسکی تمام گہرائیاں ڈوب سکتیں۔ اختر صاحب، آپ کیوں اپنی توہین کرتی ہیں جب کہ محض ڈبو دینے کے معاملہ میں ایک عورت سمندر سے بہتر کام کرسکتی ہے، رہا یہ امر کہ پانی کی اس طغیانی سے لوگ جانیں کیونکر بچا لاتے ہیں۔ یقیناً حیرت ناک امر ہے لیکن اس سے زیادہ تعجب انگیز واقعہ یہ ہے کہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں۔ آپ سے ملتے ہیں اور پھر زندہ رہتے ہیں، اُسکی تاویل ممکن ہے، لیکن اِسکی تو کوئی توجیہ بھی نہیں ہوسکتی، سوائے اسکے کہ خدا نے ایسا نہیں چاہا"

اختر (سنجیدگی سے) آپ کی ذہانت جسقدر دلچسپ ہے کاش اتنی ہی بے ضرر بھی ہوتی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ آپ عورتوں کو اپنی جنس سے بہتر خیال کریں، لیکن اس قدر توہین بھی مناسب نہیں کہ آپ واقعات کی حد سے گذر جائیں۔ افسوس ہے کہ ہر شخص اپنے تئیں مظلوم ظاہر کرکے اپنی غلطیوں اور اپنے مظالم کو چھپانا چاہتا ہے لیکن سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ایک ستم کا مکر ہے، آپ عورتوں کو ملزم قرار دینے میں کسقدر جری ہیں اور خود اپنے جرائم و معاصی پر کبھی نگاہ نہیں کرتے، خود اپنے دستِ تطاول کے کارناموں کو یاد نہیں کرتے کہ غریب عورتوں کے دل کس کس طرح دکھائے جاتے ہیں۔ اور پھر کبھی فکرِ اندمال نہیں کی جاتی۔ آپ افعال سے گذر کر شخصیت سے بحث کرنے لگتے ہیں، کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ اسکے جواب میں ایک عورت آپ کی شخصیت سے بحث نہیں کرسکتی۔ آپ اس کمزوری سے یہ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں جب کہ وہ آپکی قوت کا ہمیشہ اعتراف کرنے کے لیئے آمادہ ہے، آپ کے نزدیک عورت کا وجود ہی تباہ کن ہے کیونکہ آپ اس کو دیکھکر اپنے جذبات پر قادر نہیں رہ سکتے، لیکن اگر انصاف کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اسمیں غلطی صرف آپ کی ہے اور کمزوری آپ کے نفس کی ورنہ اگر آپ نظامِ تہذیب و قانونِ مدنیت کے مطابق اپنی آزادی میں کچھ کمی پیدا کردیں تو نہ آپکو کوئی شکایت کا موقعہ مل سکتا ہے، اور نہ عورت کا وجود آپ کے لیئے تکلیف دہ ہوسکتا ہے، آپ کیوں وہ آرزو اپنے

دل میں پیدا کرستے ہیں جو پیدا نہ کرنی چاہیئے۔ آپ کیوں ایک چیز کو دیکھکر ایسی خواہش کی اپنے دل میں پرورش کرتے ہیں جو بے محل ہے۔ یہ کیسا ظلم ہے کہ آپ دیکھنے کی چیز کو ہاتھ سے چھونا چاہتے ہیں جب آپ اسمیں کامیاب نہیں ہوتے تو اس چیز کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر عورت کے ساتھ مردوں کی طرف سے وہی سلوک کیا جائے جسکی وہ مستحق ہیں، جس کی وہ اہل ہیں تو ایک طرف اگر عورتیں اپنی جگہ آرام سے رہ سکتی ہیں تو دوسری طرف مردوں کو بھی تکلیف نہیں پہونچ سکتی، مرد و عورت کا تعلق ایک فطری تعلق ہے، جس سے مجبور ہو جانا نہ صرف مرد بلکہ عورت کے لیئے بھی ناگزیر ہے اور اسلیئے اگر صرف مجبوری باعث شکوہ ہوسکتی ہے تو اس میں مرد و عورت دونوں برابر کے شریک ہیں۔ یہ جدا بات ہے کہ آپ اسکو ظاہر کر دیتے ہیں۔ ایک عورت ایسا نہیں کر سکتی اور اگر کرتی ہے تو اس قدر مخفی طریقہ سے کہ آپ سمجھ نہیں سکتے"

شہاب (مسکرا کر) آپ سے ملنے کے بعد غالباً یہ پہلا موقعہ ہے کہ میں نے آپ کو اسقدر مضطرب و متضاد گفتگو کرتے دیکھا ہو، معاف کیجیئے آپ نے میری پہلی تقریر کے سمجھنے میں غلطی کی، "آپ" سے میری مراد، آپ کی "جنس" تھی اور آپ نے اسے صرف اپنی ذات پر محمول کر کے مجھے "ذاتیات" سے بحث کرنے کا ملزم قرار دیا۔ ہر چند آپ کی اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے میرا دل دکھتا ہے کہ اس سے آپ کے غرور نسوانی کو صدمہ پہونچے گا، لیکن اس خیال سے کہ کہیں یہ غلطی مستحکم ہو کر آپ کی تمناؤں کو گمراہ نہ کر دے میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ کم از کم آپ میری طرف سے تو ہمیشہ مطمئن رہیئے، کیونکہ آپ کے جنس میں تو مجھے دیکھنے کی بھی کوئی چیز نظر نہیں آتی، چھونے کا کیا ذکر ہے، رہا مرد عورت کا وہ تعلق جسے آپ "فطری" کہتی ہیں، میرے نزدیک صرف "موسمی" چیز ہے اور آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں کسی عارضی و سطحی بات کو اک "قہقہہ" سے زیادہ اہمیت دینے کا عادی نہیں اور نہ کسی نوع کے جذبات ظاہر کر کے "عورت" کو ان کے جواب دینے کا موقعہ دیتا ہوں خواہ وہ "مخفی طریقہ" سے ہو یا "برافگندہ نقاب"

اختر، جو شہاب کی اس گفتگو سے "رو پڑنے" کی حد تک محجوب و منفعل ہو چکی تھی، مشکل سے جواب میں "درست ہے" کہہ سکی۔ اور پھر باوجود کوشش کے وہ وہاں ٹھہرنے میں کامیاب نہ ہوئی۔

(باقی)

(اڈیٹر)

بے خود ہوں تیرے آئینۂ رخ کے روبرو
پاتا ہوں تجھکو دیکھ کے اپنی خبر کو میں

اے برق طور دیکھ نشانِ جبیں مرا
اس سنگِ آستاں سے اٹھاتا ہوں سر کو میں

اصغر حسین خاں نظیر

نوامیس فطرت

تمام مادی چیزیں ہمارے سامنے تین مختلف حالتوں میں پائی جاتی ہیں، بعض کے اجزا اسمیں اتنی مضبوطی سے متصل ہیں کہ وہ خارجی اثرات سے جدا نہیں ہوتے، اور اپنی اصلی شکل پر قائم رہتے ہیں، ایسی ہر چیز ٹھوس کہلاتی ہے۔

بعض اشیار کے اجزا دباؤ یا حرکت کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں، اور نہایت آسانی سے اپنی صورت بدل دیتے ہیں، ایسی چیزوں کو سیال کہتے ہیں

تیسری قسم اس سے بھی زیادہ جلد اثر پذیر ہوتی ہے، یہ دبانے سے کم اور بڑھانے سے پھیل جاتی ہے اس کا نام "گیس" ہے

صفت جوہری کی تین حالتیں ہیں۔

ا۔ پھیلاؤ (۲) جگہ نہ دینا (۳) فنا نہ ہونا

پھیلاؤ سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہر مادی چیز (چاہے وہ کتنی ہی تعداد و وزن میں کیوں نہ ہو) ایک محدود جگہ (یا مقررہ فاصلہ) گھیر لیتی ہے، ہم اسکو تین حصوں میں ناپتے ہیں جیسے ہم (۱) لمبائی (۲) چوڑائی (۳) موٹائی کی صورت میں ناپ سکتے ہیں

جگہ نہ دینے والی صفت یہ بات بتاتی ہے کہ دو چیزیں ایک ہی وقت میں ایک ہی فاصلہ نہیں گھیر سکتیں،

اگر آپ لوہے کی ایک کیل "لکڑی" میں گاڑیں گے تو چوبی اجزا جدا جدا ہوتے جائیں گے، اور وہ اندر اترتی جائیگی، اگر وہی کیل "پانی" میں ڈالدی جائیگی تو اسوقت تک نیچے نہیں جا سکتی، جب تک پانی کے قطرے اپنی اصلی جگہ سے سٹ کر منتشر نہ ہو جائیں۔

فضائے ہوا کے اجزا میں بھی یہی کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ہم اس کے اندر سے ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں مگر ہم کو ذرا بھی احساس نہیں ہوتا،

ہر مادی چیز میں (چاہے وہ کسی شکل میں ہو) تین صفتیں ہوتی ہیں۔

(۱) صفات ممیزہ (۲) صفات جوہری (۳) صفات انفعالی

ریہ ایک صاف شفاف سفید مادی مٹی ہے، اسکی صفت ممیزہ یہ ہے کہ اگر چند ذرے اسکے سطح آب پر ڈالے جاتے تو پانی جوش میں آجاتا ہے، اور اسمیں ہلکے بنفشی رنگ کا ایک نظر فریب سوسنی شعلہ اٹھنے لگتا ہے، لیکن اگر سیسہ

کی گولی پانی میں پھینک دیجائے، تو ایسی کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی نہ اُس سے پانی میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے، نہ خود اسمیں پانی سے کوئی تغیر ہوتا ہے

ممیزہ صفت کا انکشاف صرف ماہرین علم الکیمیا کی تحقیق کا نتیجہ ہے، یہ انھیں لوگوں نے معلوم کیا ہے کہ بعض بسیط ہوائیں رنگ والی ہیں، اور بعض بے رنگ، بعض ایسی ہیں جو بھڑکتے ہوئے شعلوں کو مدد دیتی ہیں اور محض وہ ہیں جو جلتی ہوئی چیزوں کو بجھا دیتی ہیں۔یا یہ کہ کن کن سیال چیزوں کا، اصلی جوہر، برقی آلات کی مدد سے کھینچا جا سکتا ہے اور کن کن کا سرخ آنچ دکھانے سے۔یا یہ کہ کن طریقوں سے مادی چیزیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں اور اُن کے مل جانے سے، کیا کیا فائدے پہونچتے ہیں آپ چوڑے منہ کی بوتل نے، اسکے کاگ کے اندر ایک پتلی چونگی اور ایک جھکی ہوئی نلکی ڈال دیجیے جس کا دوسرا سرا پانی بھرے ہوئے گلاس کے اندر ڈوبا ہوا ہو، پھر چونگی کے اندر کوئی سیال چیز قطرہ قطرہ کرکے ڈالیے۔آپ دیکھیں گے کہ بوتل کے اندر کی ہوا، نلکی سے ہوتی ہوئی پانی بھرے ہوئے گلاس میں پہونچتی ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ گلاس کے ٹھہرے ہوئے پانی میں بلبلے اٹھنے لگیں گے۔

دوسری دلیل سنیئے۔ پانی بھرے ہوئے گلاس میں ایک پیمانہ الٹ کر رکھدیجئے، اگر پیمانہ کا پیندا کھلا ہوا ہے، تو ہوا اسکے اندر سے تیزی کے ساتھ نکل جائیگی، لیکن اگر آپ اس سوراخ کو انگلی یا ہاتھ سے اسطرح بند کرلیجئے اندر والی ہوا باہر نہ نکل سکی، تو ایسی صورت میں گلاس والا پانی پیمانہ کے اندر داخل نہ ہوسکے گا۔کیونکہ دو چیزیں ایک ہی وقت میں ایک ہی فاصلہ نہیں گھیر سکتیں۔اس بات کی ایک عملی مثال اور ملاحظہ فرمائیے۔

پانی بھرے گلاس میں سیسہ کی گولی ڈالدیجئے گولی جیسے ہی سطح پر پہونچے گی۔پانی پہلے سے زیادہ اونچا ہوجائیگا، نتیجہ یہ نکلا کہ جسطرح ہوا کے اجزا پانی سے متغیر نہیں ہوتے، اسی طرح پانی کے قطرے بھی ٹھوس چیزوں سے نہیں بدلتے بلکہ صرف انکی جگہ بدل جاتی ہے۔

مادہ کا ممیز (خاصہ) "اس کا بقا" ہے، اور یہی خاصیت علم کیمیا کی سب سے پہلی زبردست بنیاد ہے۔

اگرچہ ہم ہزاروں ایسی باتیں دیکھتے ہیں، جو بظاہر اس اصول کی مخالف معلوم ہوتی ہیں، لیکن اگر غور سے کام لیا جائے، تو معلوم ہوسکتا ہے، کہ مادی چیزیں، نہ تو پیدا کی جاسکتی ہیں نہ مٹائی جا سکتی ہیں اور انکی صفت ممیزہ ہمیشہ ویسی کی ویسی ہی قائم رہتی ہے،

جلتے ہوئے چراغ میں تیل کا غائب ہونا، کوئلہ کا روشن ہوکر انگارہ بن جانا، پانی کا گرم ہوکر "بھاپ" کی شکل اختیار کرلینا۔جب ان سب کی جانچ کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مادہ فنا نہیں ہوا بلکہ اسنے مختلف صورتیں اختیار کرلیں

صفت انفعالی کی مختلف حالتیں ہیں۔

۱۔ دب جانا۔

۲۔ پھیل جانا۔

۳۔ لچک جانا۔

۴۔ تقسیم ہو جانا۔

۵۔ سوراخ دار ہو جانا۔

۶۔ "وزن" رکھنا

یہ ثابت کرنا بہت آسان ہے کہ مادی چیزیں، دب جانے والی، خاصیت بھی رکھتی ہیں۔ سکہ بناتے وقت دھات، کے ٹکڑے مضبوط فولادی ٹھپوں کے بیچ میں رکھ کر، اس زور سے دبا دیئے جاتے ہیں کہ پہلے سے ان کا حجم بہت کم رہ جاتا ہے اور ان کا کھردرا جسم بالکل سڈول ہو جاتا ہے۔

اسی طرح "پانی" یا کوئی اور سیال چیز، کسی مضبوط برتن میں رکھدی جائے، اور اسپر فولادی چادر رکھ کر اندر کی طرف دبایا جائے تو، وہ بھی کچھ نیچا ضرور ہو جاتا ہے، بالکل یہی مثال گیس کی ہے، اگر ہوا ربڑ یا چمڑے کے تھیلے میں خوب بھر دی جائے، پھر بھی وہ ربڑ یا چمڑا ہاتھوں سے دبایا جا سکتا ہے دوسری حالت گرمی پہونچنے سے ہر مادی جسم کا پھیل جاتا ہے جس کا تجربہ ہر شخص آسانی سے کر سکتا ہے، سیال چیزوں کا پھیل جانا "حرارت پیما" کے ذریعہ سے ثابت ہو سکتا ہے اسی طرح "بادپیما" سے بھی، "بادبسیط، کے پھیلنے کا بدیہی ثبوت ملتا ہے۔

"لچیلی" صفت سے ہماری مراد وہ جدوجہد ہے، جو ہر مادی چیز اپنی اصلی شکل پر آنے کے لیے کرتی ہے، ہاتھی دانت اور ہندوستانی ربڑ زیادہ لچیلے ہیں، سیسہ اور کھریا مٹی اُن سے کم لچیلی ہیں۔ پوری لچیلی چیزیں اپنی اصلی حالت پر بغیر کسی کمی وبیشی کے آجاتی ہیں مثلاً اگر فضائی ہوا، کسی پیتل کے برتن میں بند کر دی جائے۔ تو کھلنے کے بعد ہی فوراً اپنی اصلی حالت پر اور پورے وزن کے ساتھ نکل آئے گی۔ محدود لچیلی چیزوں سے ہماری مراد اُن چیزوں سے ہے، کہ اگر اُن کا جسم اپنی مقررہ حد سے زیادہ دبا دیا جائے، تو اسمیں ایک مستقل تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔

جیسے لوہے کا تار کہ اگر آہستگی سے جھکایا جائے تو پھر اسی طرح سیدھا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر زور سے موڑ دیا جائے تو اسمیں ایک مستقل خم آجاتا ہے۔ کیونکہ اُس کے لچکنے کی فطری حد ختم ہو چکی ہوتی ہے یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ کوئی ٹھوس چیز "پوری لچیلی" نہیں ہے۔ مادی چیزوں کی لچک "علم جر ثقیل" کے رو سے بھی گھٹائی بڑھائی جا سکتی ہے

مثلاً ایک ہی چیز گرہ ھنے سے کم لچیلے اور گرمی یا سردی پہونچانے سے زیادہ لچیلے بن جاتی ہے،

مادہ کے تقسیم ہوجانے والی صفت مختلف طریقوں سے ثابت کی جا سکتی ہے، مکانکی طریقہ سے ہر قسم کی دہات اپنے انتہائی پتلے پن تک گھٹائی جا سکتی ہے، مثلاً سونے کی ایک اینٹ اس حد تک پیٹی جا سکتی ہے کہ اس کا آخری ورق ایک انچ کا صرف $\frac{1}{450000}$ حصہ رہ جائے۔ ماہرین علم الکیمیا کا تجربہ ہے کہ پیتل یا لوہے کا ایک جو کئی کروڑ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، بہت سے کاموں کے واسطے مشاق مصوروں نے شیشہ پر متوازی خطوط ہیرے کی نوک سے اتنے قریب قریب کھینچے ہیں کہ صرف ایک انچ میں دس ہزار خطوط کا شمار ہو سکتا ہے،

چونکہ ہر قسم کی مادی چیزیں، زور یا دباؤ ڈال کر چھوٹی کیجا سکتی ہیں، اور یہ ناممکن ہے کہ دو چیزیں ایک وقت میں ایک فاصلہ گھیر سکیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ ایک چیز، دوسری چیز کے گھیرے ہوئے فاصلہ میں مداخلت کر سکے، لہٰذا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر مادی چیز میں سوراخ یا مسام فطری طور سے موجود ہوتے ہیں

سوراخ سے ہماری مراد وہ ظاہری فاصلے ہیں جو آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں اور مسام سے مراد وہ باریک سوراخ ہیں جو ہر فردہ کو ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں۔

طالب

اعلان جنگ کی تاریخیں

سرویا	۲۸ جولائی ۱۹۱۴ء	امریکہ	۶ اپریل ۱۹۱۷ء
روس	یکم اگست ۱۹۱۴ء	کیوبا	۷ اپریل ۱۹۱۷ء
بلجیم و انگلستان	۴ اگست ۱۹۱۴ء	پناما	۱۰ اپریل ۱۹۱۷ء
جبل اسود	۷ اگست ۱۹۱۴ء	یونان	۲۱ جون ۱۹۱۷ء
جاپان	۲۳ اگست ۱۹۱۴ء	سیام	۲۲ جولائی ۱۹۱۷ء
اطالیہ	۲۴ مئی ۱۹۱۵ء	لیبریا	۷ اگست ۱۹۱۷ء
پرتگال	۱۰ مارچ ۱۹۱۵ء	چین	۱۴ اگست ۱۹۱۷ء
رومانیا	۲۸ اگست ۱۹۱۶ء	برازیل	۲۶ اکتوبر ۱۹۱۷ء

ناطان

(سلسلۂ گزشتہ)

حافی۔ میں تو کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا، حضور۔

ستہ۔ اے ہے مجھے ابھی یاد آیا۔ حافی، میں نے سنا ہے تمھارا دوست واپس آچکا ہے

حافی۔ (حیرت سے) دوست؟ میرا دوست؟ وہ کون؟

ستہ۔ وہی یہودی جس کی تم بڑی تعریفیں کیا کرتے ہو۔

حافی۔ یہودی کی تعریفیں کیا کرتا ہوں؟ میں تعریفیں کیا کرتا ہوں؟۔

ستہ۔ ہاں وہی جسے خدا نے ــــ دیکھو مجھے ٹھیک ٹھیک تمھارے ہی لفظ یاد آگئے ــــ جسے خدا نے دنیا کی بڑی سے بڑی اور ذلیل سے ذلیل سب طرح کی بے شمار نعمتیں دی ہیں۔

حافی۔ کیا میں نے ایسا عرض کیا تھا، سرکار! میرا اس سے کیا مطلب تھا؟

ستہ۔ سب سے ذلیل نعمت دولت، اور سب سے بڑی عقل۔

حافی۔ کیا سرکار؟ ایک یہودی کے بارے میں؟ میں نے یہودی کے بارے میں ایسا کہا تھا!

ستہ۔ اچھا تم نے اپنے دوست ناطان کے بارے میں ایسا نہیں کہا تھا؟

حافی۔ جی سرکار، بجا ہے اُس کے بارے میں ناطان کے بارے میں! ــــ مجھے اس کا خیال بھی نہیں آیا سرکار ــــ کیا یہ سچ ہے کہ وہ آخر اپنے گھر واپس آگیا؟ ہاں! تب تو، سرکار، وہ ایسا بھول کے آیا ہوگا کہ میں اب اسکے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ ــــ بہت خوب! اس کے گھر والے تو پہلے ہی سے اُسے عقلمند کہتے ہیں، اور دولت مند بھی۔

ستہ۔ اب تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایسا امیر ہوگیا ہے کہ پہلے کبھی نہ تھا، شہر بھر میں غل مچ رہا ہے کہ وہ بہت سی دولت اور بڑی بڑی قیمتی چیزیں لایا ہے،

حافی۔ خیر، اگر وہ پھر امیر ہوگیا ہے تب تو سمجھیے کہ وہ عقلمند بھی ضرور ہوگیا ہوگا۔

ستہ۔ حافی۔ تمھارا کیا خیال ہے؟ تم اسی کے پاس کیوں نہ جاؤ، آئیں؟

حافی۔ اس کے پاس کیوں جاؤں؟ قرض مانگنے؟ ــــ آپ اُسے کیا سمجھتی ہیں، سرکار؟ بھلا وہ قرض دینے والا ہے! اسکی عقلمندی اسی میں تو ہے کہ وہ کسی کو قرض نہیں دیتا۔

ستہ۔ تم نے تو پہلے میرے سامنے اس کا بالکل اور ہی نقشہ کھینچا تھا۔

حافی۔ سخت ضرورت کے وقت وہ آپ کو چیزیں قرض

دیدیگا مگر روپیہ، ہرگز نہیں۔ روپیہ تو وہ ہرگز نہ دیگا۔ پھر بھی، اور باتوں میں وہ اور یہودیوں کی طرح نہیں ہے اُسے عقل ہے، زندگی بسر کرنا جانتا ہے، اور شطرنج خوب کھیلتا ہے۔ غرض کہ بری باتیں ہوں چاہے اچھی ہوں، وہ باقی سب یہودیوں سے بڑھا ہوا ضرور ہے ــــ اپر کبھی بھروسہ نہ کیجیئے گا! ــــ یہ سچ ہے کہ وہ محتاجوں کو دیتا ہے، اور شاید اتنا ہی دیتا ہے جتنا ہمارے سرکار دیتے ہیں۔ یا خیر، اگر اتنا نہیں بھی دیتا تو اُسی طرح خوشی سے ضرور دیتا ہے۔ پھر وہ کسی میں فرق بھی تو نہیں سمجھتا۔ عیسائی، مسلمان، اور پارسی، اُس کے لیئے سب برابر ہیں۔

ستہ۔ وہ ایسا آدمی ہے تو پھر.......

صلاح الدین۔ مگر یہ کیا بات ہے کہ میں نے کبھی اس شخص کا حال نہیں سنا!.........

ستہ۔ کیا وہ بھائی جان کو بھی قرض نہ دیگا؟ صلاح الدین کو بھی نہ دیگا۔ یہ بچارے تو اوروں کے لیئے مانگتے ہیں، کچھ اپنے واسطے تھوڑا ہی لیتے ہیں۔

حافی۔ یہودیوں میں بھی تو بات ہے سرکار، اور وہ بھی ایسا کٹر یہودی! ــــ یقین جانیئے، سرکار، میں سچ سچ عرض کر رہا ہوں کہ جہاں فیاضی سے واسطہ پڑتا ہے، اُسے کبھی سے حسد ہوجاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جتنی دفعہ "خدا تیرا بھلا کرے" کہا جائے وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ سب اسی کے واسطے ہو اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی کسی کو قرض نہیں دیتا، اور اپنے پاس ہر وقت اتنا رکھنا چاہتا ہے کہ لوگوں کو خوب ستا سکے۔ خیرات کرنا تو اُس کی شریعت ہی کا حکم ہے ــــ خالی منہ کے میٹھے بول ہی نہیں، بلکہ خیرات ــــ اور اسی خیرات نے اس کمبخت کو دنیا میں سب سے زیادہ بخیل کر رکھا ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ کچھ دنوں سے میں اور وہ ذرا کم ہی ملتے ہیں مگر اس سے یہ نہ خیال فرمایئے کہ میں اُسے صرف اسی بات کی وجہ سے نقصان پہونچاؤنگا۔ اُس میں اور تو سب باتیں اچھی ہیں، بس ایک یہی اچھی نہیں کہ وہ قرض نہیں دیتا تو اب میں جا کے اوروں کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں... اہا ہا، خوب یاد آیا، مراکش کا ایک مسلمان ہے، وہ امیر بھی ہے، اور لالچی بھی۔ ــــ اب میں چلتا ہوں۔

ستہ۔ حافی، ایسی بھی کیا جلدی ہے!

صلاح الدین۔ جانے دو، جانے دو!

[حافی جاتا ہے۔]

تیسرا سین

ستہ اور صلاح الدین

ستہ (حافی کو جاتے ہوئے دیکھ کر) وہ تو ایسی جلدی جا رہا ہے جیسے بھاگنا ہی چاہتا تھا! آخر وہ کرنا کیا چاہتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ اُس نے ہم سے ناطان کی صحیح تعریف کی ہے، یا ہمیں دھوکا ہی دینا چاہتا ہے؟

صلاح الدین۔ یہ کیوں؟ مجھ سے کیوں پوچھتی ہو؟

مجھے اب تک بھی نہ معلوم ہوا کہ تم لوگ کس کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ اور نہ آج تک میں نے تمھارے اس یہودی ناطان کا نام سنا۔

ستہ۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تم ایسے شخص سے واقف نہو، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اُس نے حضرت سلیمان اور حضرت داؤد کی قبروں کو بھی تاراج کر ڈالا ہے۔ کہتے ہیں اس کے پاس اسم اعظم ہے، اور ایک خفیہ عمل ہے جس سے وہ ان کی مہریں توڑ سکتا ہے اور وہیں سے آئے دن ایسی ایسی قیمتی چیزیں نکال نکال کے لاتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہیں کی ہیں اور کہیں کی نہیں۔

صلاح الدین۔ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ اُس نے اپنی تمام دولت قبروں ہی میں سے کھود کھود کے نکالی ہے، تب بھی کم سے کم اتنا یقین ہونا چاہیئے کہ وہ حضرت داؤد یا حضرت سلیمان کی قبروں میں سے نکلی ہے یا ان قبروں سے نکلی ہے جنمیں بے وقوف گڑے ہوئے ہیں۔

ستہ۔ یا بدمعاش ہونگے! ——— بہرحال کہیں سے پیدا کی ہو، مگر اتنا ضرور ہے کہ اسکی دولت قارون کے خزانہ سے زیادہ زرخیز اور لاانتہا ہے،

صلاح الدین۔ تب تو بات صاف ہے۔ میں نے سنا ہے وہ سوداگر ہے،

ستہ۔ اُس کے باربردار جانور ہر راستے پر دکھائی دیتے ہیں، اور صحرا میں رواں رہتے ہیں، اور اسکی کشتیاں ہر بندر میں جمع رہتی ہیں۔ اسی حافی نے مجھ سے اکثر ایسا بیان کیا ہے کہ بلکہ وہ یہ بھی کہا کرتا ہے کہ اُس کا یہ یہودی دوست اپنی اس عقلمندی اور محنت سے کمائی ہوئی دولت کو نہایت شان و شوکت اور شرافت سے کام میں لاتا ہے، اس کا دل تعصب سے بالکل پاک ہے، نیکی کے اخذ کرنے پر آمادہ اور ہر نیک کام پر تلا رہتا ہے۔

صلاح الدین۔ مگر باوصف اس کے وہ ابھی اسقدر مشکوک لہجے میں اور ایسی سرد مہری سے اس کا ذکر کر رہا تھا،

ستہ۔ نہیں، سرد مہری تو نہیں تھی، اسے شاید یہ شک تھا کہ کہیں وہ اُسکی حد سے زیادہ تعریف تو نہیں کر رہا ہے، اور پھر یہ بھی ہوگا کہ اس بیچارے کو ناحق لزم بھی قرار نہ دے۔ ——— اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی قوم کا بہترین آدمی بھی اپنی قوم کی کمزوریوں سے بچا ہوا ہو، اور غالبًا یہ وجہ تھی کہ حافی کو بھی شرمندگی سی ہو رہی تھی۔ ——— خیر، خواہ کچھ ہو، وہ یہودیوں سے زیادہ ہو یا کم، امیر تو وہ ضرور ہے، اور ہمارے لیئے یہی کافی ہے۔

صلاح الدین۔ مگر بہن، یہ تو بتاؤ کہ تم اُس کی دولت جبر سے تو نہیں لوگی نہ؟

ستہ۔ خوب! جبر سے تمہاری کیا مراد ہے؟ آگ اور تلوار کے زور سے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ بھلا کمزور آدمیوں کے لیئے جبر کی کیا ضرورت ہے، خود اُن کی کمزوری ہی کافی ہے۔ ——— اچھا بھائی جان چلو حرم میں چلیں۔ میں نے ابھی کل ہی ایک مغنیہ خریدی ہے۔

تمہیں اُس کا گانا سناؤنگی، اور ہاں، میں نے ناطان کے
واسطے ایک تدبیر سوچی ہے۔ اتنی دیر میں اُسی پر غور
کرینگے۔ آؤ چلو۔

چوتھا سین

ناطان کے مکان کے سامنے جہاں کھجوروں کا جھنڈ ہے

ناطان اور ریشع باہر آتے ہیں
بعد میں دایہ آتی ہے

ریشع۔ ابا تم نے بڑی دیر کر دی۔ اب تو وہ نہیں مل سکتا۔
ناطان۔ خیر، جو وہ ان کھجوروں میں نہ ملا، تو ہم اُسے
کہیں اور ڈھونڈینگے۔ ذرا صبر کرو۔ اے وہ دیکھو! دایہ
ہماری ہی طرف آرہی ہے نہ؟
ریشع۔ اس نے اُسے کہیں بھی نہ پایا ہوگا۔
ناطان۔ ہاں، بھلا اُسے کہاں ملا ہوگا۔
ریشع۔ نہیں تو وہ ایسے آہستہ آہستہ تھوڑا ہی آتی
ناطان۔ اُس نے ہمیں اب تک نہیں دیکھا، اور....
ریشع۔ اب تو دیکھ لیا۔
ناطان۔ اور تیز بھی چلنے لگی ہے۔ دیکھو، وہ دیکھو! —
ذرا دم لو۔ ٹھیرو۔
ریشع۔ ابا تم ایسی بیٹی چاہتے ہو جو ایسے وقت میں بھی
صبر کرے۔ اور اس بیچارے کی پرواہ بھی نہ کرے جس نے
اُس کی جان بچائی ہے؟ — اور وہ بھی اسواسطے
کہ اسکی جان پہلے تمھاری ہی کام آنے چاہیئے تھی۔
ناطان۔ نہیں بیٹی، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم جیسی ہو
ویسی ہی رہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسوقت تمھاری روح کو
اور ہی طرح کے خیالوں نے بےچین کر رکھا ہے۔
ریشع۔ وہ کیا ابا جان؟
ناطان۔ مجھ سے پوچھتی ہو، اور اتنا شرما کے ایں؟
تمھارے دل میں جو کچھ گزر رہا ہے وہ سب فطری ہے،
پاک ہے، بے لوث ہے۔ اس فکر میں نہ پڑو۔ مجھے خود
تو کوئی فکر اندیشہ نہیں، مگر — مجھ سے اتنا وعدہ
کرو کہ جب تمھارا دل تم سے کچھ صاف صاف کہے تو تم اس
کی چھوٹی سے چھوٹی آرزو کو بھی مجھ سے نہیں چھپاؤگی۔
سمجھیں؟
ریشع۔ میں تو آپ ہی اس ڈر سے کانپ جاتی ہوں کہیں
ایسا نہ ہو میرا دل تم سے اپنی کوئی بات چھپائے۔
ناطان۔ خیر اب اس کا ذکر جانے دو۔ اس کا تو ہمیشہ کے
لیئے فیصلہ ہوگیا — یہ لو دایہ آپہونچی۔ ہاں؟
[دایہ آتی ہے۔
دایہ۔ وہ اب تک کھجوروں ہی کے تلے ٹہل رہا ہے، اور ابھی
تھوڑی دیر میں اس دیوار کے پاس سے گذریگا۔ — اے
وہ دیکھو، وہ آرہا!
ریشع۔ اہو، معلوم ہوتا ہے وہ اس سوچ میں ہے
کہ جاؤں کدھر، آگے بڑھوں کہ واپس چلا جاؤں۔ داہنی
طرف جاؤں کہ بائیں طرف۔

دایہ - نہیں، نہیں۔ وہ کبھی کبھی خانقاہ کے پاس سے ہو کے جایا کرتا ہے۔ خیر کبھی کبھی ہی سہی؛ پر جو وہ اُدھر سے گزرا تو اس طرف سے ضرور جائیگا۔ ——— شرط کرتی ہوں:

ریشع - ٹھیک! ٹھیک! تم نے اُس سے باتیں بھی کیں کہ نہیں؟ آج کیا حال ہے اُس کا؟

دایہ - جیسا ہمیشہ ہوتا ہے، اور کیسا ہوتا۔

ناطان - دیکھو وہ کہیں تمہیں دیکھ نہ لے۔ ذرا اور پیچھے کو ہو جاؤ۔ بلکہ اندر ہی چلی جاؤ تو اچھا ہے۔

ریشع - بس ایک دفعہ اور دیکھ لینے دو۔ ابا۔ ہے۔ تو بہ! اس کمبخت جھاڑی نے اُسے اوجھل کر دیا۔

دایہ - آؤ آؤ، تمہارے ابا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ جو اُس نے تمہیں دیکھ پایا تو وہ ابھی غائب ہو جائیگا۔

ریشع - یہ کمبخت منحوس جھاڑی!

ناطان - خرابی یہ ہے کہ تم ایسی جگہ کھڑی ہو کہ جو وہ ایک دم سے اس جھاڑی میں سے نکل آیا تو تمہیں ضرور دیکھ لیگا۔ تم چلی ہی جاؤ۔ فوراً چل دو

دایہ - آؤ آؤ، میں تمہیں ایک کھڑکی بتاؤں۔ ہم اسمیں سے اُسے دیکھیں گے۔ آؤ۔

ریشع - اچھا چلو۔

[دونوں اندر چلی جاتی ہیں

(باقی) نعیم الرحمٰن ایم اے

کرشن جی

کرشن جی ہندوستان کے بہت بڑے مصلح تھے جو تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح ہندوستان میں ظاہر ہوئے، تمام بت پرست ہندو بلا استثناء آپ کو نہ صرف عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، بلکہ آپ کی پرستش کرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہدایت خلق اور اصلاح عالم کے لیئے خدا کی روح آپ کے اندر کام کر رہی تھی.... ہر چند آپ کے واقعات زندگی میں بہت سی باتیں خلاف عقل نظر آتی ہیں۔ لیکن یہ فطرت انسانی ہے کہ جب وہ کسی ہستی کی غیر معمولی عظمت کرنے لگتی ہے تو رفتہ رفتہ اس کے حالات و واقعات میں اسی قسم کی ما فوق الفطرت باتیں شامل ہو جایا کرتی ہیں، لیکن ایک مطالعہ کرنے والا اس حقیقت کو سمجھتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ اسے کس حصہ سے سروکار رکھنا چاہیئے۔ اور کن اجزاء کو نظرانداز کر دینا چاہیئے۔

ہندوستان کے ان مخصوص قطعات میں سے جو اپنے جمال و زرخیزی کے لحاظ سے مشہور ہیں، ایک قطعۂ زمین وہ بھی ہے جسے ہندوؤں کے دو مقدس دریا گنگا و جمنا سیراب کرتے ہیں اور جسے وادی گنگ و جمن سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی وادی میں دریائے جمن کے ساحل پر ایک بلدۂ جمیل متھرا واقع ہے جسے کرشن جی کے مسقط الراس ہونے کا فخر حاصل ہے،

آپ کی ولادت کا قصہ عجیب و غریب ہے اور بہت سی باتوں میں حضرت موسی علیہ السلام کی ولادت سے مشابہ ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ اُسوقت شہر متھرا کا فرمانروا ایک نہایت ہی جبار و مستبد شخص تھا جسے کنس کہتے تھے۔ اہل نجوم نے پیشین گوئی کی تھی کہ اس کی بہن دیوکی کے ایک لڑکا ہوگا جو راجہ کنس کی ہلاکت کا قصد کریگا۔ راجہ نے یہ پیشین گوئی سنکر ارادہ کیا کہ اپنی بہن دیوکی اور اسکے شوہر باسدیو کو ہلاک کر ڈالے تاکہ ہمیشہ کے لیئے اس خطرہ سے نجات حاصل ہو جائے۔ لیکن جب یہ دونوں میاں بیوی سامنے آئے تو وہ سجدے میں گر پڑے اور قسم کھائی کہ "ہم اپنی اولاد کو حضور میں پیش کر دیا کرینگے" راجہ کنس نے اُن کی جان بخشی تو کر دی، لیکن حکم دیا کہ وہ قصر کے اندر ہی شاہی نگرانی میں رہیں۔

اس کے بعد متواتر ان کے سات اولادیں ہوئیں اور ساتوں قتل کر دی گئیں جب آٹھویں مرتبہ حمل قرار پایا تو میاں بیوی نے مشورہ کیا کہ اس مرتبہ راجہ کو خبر نہ کرنی چاہیئے۔ بارش کا زمانہ تھا، مینہ برس رہا تھا، رات سخت تاریک تھی کہ دیوکی کے ایک لڑکا پیدا ہوا جو اپنے حسن کے لحاظ سے فرشتہ معلوم ہوتا تھا، باپ نے اسکو ایک چادر میں لپیٹا اور جمنا کو عبور

عبور کرکے دوسرے ساحل پر ایک گانوں میں پہونچا جسے گوکل کہتے ہیں۔ یہاں اس کا ایک قدیم دوست نند رہا کرتا تھا جس کی بیوی کے بھی اتفاق سے اسی رات ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ باسدیو نے اپنا لڑکا اس کے سپرد کیا اور اس کی لڑکی لاکر اپنی بیوی دیوکی کو دیدی۔ جب صبح ہوئی تو راجہ کنس کو معلوم ہوا کہ دیوکی کے ایک لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ راجہ نے اُسے بھی لیکر قتل کرا ڈالا اور بہت مطمئن ہو گیا کیونکہ آٹھویں اولاد کی نسبت یہ پیشنگوئی کی گئی تھی کہ وہ راجہ کنس کو قتل کریگی۔

اسطرح کرشن جی، اپنے ظالم ماموں کے ہاتھ سے بچ رہے اور گوکل میں نشو و نما پانے لگے، گوکل اپنی آب وہوا اور حسنِ مناظر کے لحاظ سے بہت مشہور تھا، اور وہاں کی آبادی اُن لوگوں کی تھی جو مویشی پالتے ہیں اور ان کے دودھ پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہاں کے لوگ اپنے حسن اور ذوقِ موسیقی کے لحاظ سے بھی خاص شہرت رکھتے تھے۔ اور علم و حکمت کا کوئی حصہ انھیں نہ ملا تھا۔ چنانچہ کرشن جی کا نشو و نما بھی انھیں صفات کے ساتھ ہوا۔ آپ مویشی چرایا کرتے اور جنگل میں بانسری بجایا کرتے جس کے ساتھ انہیں بڑا اشتغف تھا، آپ کے بانسری بجانے کا یہ عالم تھا کہ گانوں کے بچے اور نوجوان لڑکیاں آپ کو گھیر لیتیں اور گھنٹوں دیوانہ وار آپ کی نے نوازی کا لطف اٹھایا کرتیں۔ کرشن جی کی حیات کا یہ دور، دورِ عشق و موسیقی اور دورِ محبت و جمال تھا، لیکن اسمیں ہوائے نفس کو کوئی دخل نہ تھا کیونکہ آپ کی عمر ابھی صرف گیارہ سال کی تھی۔

ہر چند گانوں کے لوگ آپ کے فہم و ذکا، سلامتِ ذوق، فراست و دانش پر تعجب کیا کرتے تھے، لیکن اس سے باخبر نہ تھے کہ انہیں اپنی عمر کا بہت بڑا انسان بننا ہے۔ سب سے پہلے اسکی علامت اسوقت ظاہر ہوئی جب گانوں میں مہینہ کے دیوتا اندر پر قربانیاں چڑھانے کا مذہبی میلہ منعقد ہوا۔ یہ میلہ بہت بڑا تھا اور ہزاروں مرد و عورت اسمیں شرکت کے لیے جمع ہوئے تھے۔ جب کرشن جی نے لوگوں کو اس اہتمام میں مصروف دیکھا تو اس کا سبب لوگوں سے دریافت کیا، ان کے باپ نے جواب دیا کہ:۔

"اُے میرے بیٹے، یہ اندر (مہینہ کے دیوتا) پر قربانیاں چڑھانے کی طیاریاں ہو رہی ہیں کیونکہ ہماری زندگی اسی کے رحم و کرم پر منحصر ہے"

یہ سنکر کرشن جی نے اس حال میں کہ ابھی آپ کی قوتِ ادراک پختہ نہ ہوئی تھی، اور علم و حکمت کی تعلیم آپنے کہیں حاصل نہیں کی تھی، کہا کہ "انسان کی زندگی خود اس کے عمل پر موقوف ہے، اور یہ اس کا عمل ہی ہے جو سعادت و شقاوت کا باعث ہوتا ہے، دنیا میں عمل ہی وہ چیز ہے جو انسان کو احترام و عظمت کا مستحق قرار دیتا ہے، اندر کی پرستش سے کیا فائدہ۔ اسکے اختیار میں کیا ہے۔ سارا عالم اللہ کی قدرت سے قائم ہے اور قدرت بھی اللہ کے اعمال میں سے ایک عمل

ہے، پس عمل ہی اللہ ہے، اور عمل ہی پر ہماری زندگی کا انحصار ہے۔ اگر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہم کو کام کرنا چاہیئے۔ ہم گایوں کے دودھ پر زندگی بسر کرتے ہیں، اور گائیں مرغزار پر، اسلیئے اگر قربانیاں چڑھاتے ہو تو ان چیزوں پر چڑھاؤ۔ نہ کہ اندر پر جسکی کوئی حقیقت نہیں ہے۔"

کرشن جی کی گفتگو سنا لوگوں کو بڑا تعجب ہوا اور ان میں سے اکثر ان کے ہم خیال ہوگئے، رفتہ رفتہ کرشن جی کی شہرت پھیلنے لگی، جب راجہ کنس کو یہ ساری کیفیت معلوم ہوئی تو اس نے تحقیق حال کے لیئے جاسوس مقرر کیئے اور آخرکار یہ حقیقت اسپر روشن ہوگئی کہ کرشن اس گوالے کا لڑکا نہیں ہے جس سے منسوب کیا جاتا ہے، بلکہ وہ اس کا بھانجہ ہے۔ یہ معلوم کرکے اس کی فکر بہت بڑھ گئی۔ لیکن اب وہ کرشن جی کو قتل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ لوگوں میں اضطراب و بغاوت پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔ اسلیئے اسنے کر سے کام لینا چاہا۔ اور ایک نوجوان بھیجکر متھرا آنے کی ترغیب دلائی۔ تاکہ یہاں دیگر امرا کی طرح اپنے ماموں راجہ کنس کے پاس لطف و مسرت کی زندگی بسر کریں۔ چنانچہ آپ متھرا آئے، راجہ کنس نے نہایت اہتمام سے آپ کا استقبال کیا تخت پر اپنے پہلو میں جگہ دی اور آپ کے لیئے اسنے لطف و تفریح کے جلسے بھی منعقد کیئے۔ اس زمانہ کی رسم تھی کہ جلسوں میں لوگ اپنی اپنی قوت کا مظاہرہ کیا کرتے تھے، اور اس میں اکابر و امرا بھی شریک ہوتے تھے، چنانچہ راجہ کنس نے ایک زبردست پہلوان کو اشارہ کیا کہ وہ قوت آزمائی کے لیئے کرشن کو دعوت دے اور اسطرح ہلاک کردے۔ کرشن جی اس چال کو سمجھ گئے اور اس پہلوان کے مبارزطلبی پر فوراً میدان میں اترے اور اسکو ہلاک کرکے اپنے ماموں کنس کو بھی مار ڈالا۔ چونکہ متھرا کے لوگ پہلے ہی سے کنس کی طرف سے بیزار تھے، اسلیئے سب نے ملکر کرشن جی کو تخت پر بٹھا دیا۔ اور ان کی حکومت کا اعلان ہوگیا

لیکن چونکہ آپ کو ملک گیری یا فرمانروائی کی خواہش نہ تھی اسلیئے کنس کے باپ کو (جسے کنس نے قید کرادیا تھا) زندان سے نکلوایا اور کہا کہ "ملک و سلطنت آپ کو مبارک ہو، میں نے آپ کے بیٹے کو اس کی جگہ چھیننے کے لیئے قتل نہیں کیا بلکہ اس کی ظلم و ستم سے دنیا کو پاک کرنے کے لیئے ایسا کیا ہے، اسلیئے آپ حکومت کیجیئے اور رعایا کے ساتھ انصاف سے کام لیجیئے" اور یہ کہکر آپ مطالعۂ فطرت اور طلب علم کے لیئے نکل کھڑے ہوئے، راستہ میں آپ کے بچپن کے دوست ملے، اور انہوں نے اصرار کیا کہ گاؤں چلیئے۔ آپ نے کہا کہ "اپنی اپنی جگہ واپس جاؤ اور آج سے مجھے اپنا دوست یا رفیق نہ سمجھو بلکہ اپنا سردار تسلیم کرو" اس طرح گاؤں کے جوان لڑکیاں ملیں جو آپ کے فراق میں رات دن رویا کرتی تھیں، انسے بھی آپ نے یہی کہا کہ "وہ عہد طفلی گزر گیا اب ہم تم جوان ہوگئے ہیں اپنے اپنے گاؤں جاؤ اور میرا خیال دل سے نکال کے اطمینان سے بیٹھو" وہ گوالا بھی معہ اپنی بیوی کے ملا جسنے آپ کی پرورش کی تھی۔ اسکو بھی آپ نے یہی جواب دیا کہ "آج سے تم مجھے اپنا بیٹا نہ سمجھو بلکہ اپنا سردار تسلیم کرو"

الغرض تمام لوگوں سے قطع تعلق کرکے آپ طلب علم کے لیئے روانہ ہوئے۔ آپ کا بھائی آپ کے ساتھ تھا، ان دونوں نے

خوب سیاحت کی اور علوم و معارف و فنونِ حرب میں خوب کمال حاصل کیا۔ آپ غالباً ابھی واپس نہ آئے تھے لیکن آپ کو معلوم ہوا کہ متھرا کے مقتول راجہ کے برادر نسبتی نے بالندیو سے انتقام لینے کے لیئے متھرا پر ہجوم کیا ہے، یہ ایک بڑی قوت والا راجہ تھا، لیکن کرشن جی نے اسکو شکست دیکر پسپا کردیا۔ اسکے بعد اس راجہ نے متعدد بار متھرا پر حملہ کیا اور ہمیشہ پسپا ہوا اٹھارویں مرتبہ یہ ایک عظیم الشان فوج لے کر آیا، اور کرشن جی اس کا مقابلہ نہ کرسکے، آخرکار آپ نے مع عورتوں بچوں اور اہالی شہر کے ہجرت کی اور دوارکا آباد کرکے اپنے عصر کی بہترین حکومت قائم کی۔

اب آپ کی شہرت و عظمت اسقدر عام ہوگئی کہ لوگ آپ کی ذات کو مظہرِ ذاتِ خداوندی سمجھنے لگے۔ پھر آپ کے متعلق یہ اعتقاد صرف عوام کا نہ تھا بلکہ ملوک و امرا اور چھتری قوم کے افراد بھی اسمیں شامل تھے، اسی طرح رفتہ رفتہ کرشن جی اپنے عہد کے سب سے بڑے انسان اور قوی ترین سردار بن گئے — پھر یہ سب کچھ عسکری قوت سے حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ یہ صرف آپ کی روحانی قوت تھی جو کسی کو بروئے کار نہ آنے دیتی تھی اور جس نے آپ کی عظمت و جبروت کا سکہ ہر دل میں بٹھا دیا تھا۔

آپ نے متعدد عورتوں سے شادی کی جو سب کے سب ملوک و امرا کی نسل سے تھیں، ایک مرتبہ آپ نے ایک بیوی سے کہا کہ "تو ہندوستان کے سب سے بڑے راجہ کی بیٹی ہے، اور تیرے لیئے بڑے بڑے امرا خواہشمند تھے لیکن تو نے سب کو رد کردیا اور مجھے پسند کیا، حالانکہ میرا شمار امرا و اغنیاء میں بھی نہیں ہے۔ میں دشمن کے خوف سے بھاگ کر یہاں آیا اور استنے دور دراز مقام پر آباد ہوا۔ میری سیرت بھی دوسرے لوگوں کی سیرت کی طرح نہیں ہے اور میرے اعتقادات بھی سب سے الگ ہیں۔ کوئی شخص میرے ضمیر سے آگاہ نہیں ہے اور نہ کوئی میرے مذہب و طبیعت سے واقف ہے، اسلیئے مجھ ایسے انسان کی بیوی کبھی آرام سے زندگی بسر نہیں کرسکتی کیونکہ خود مجھی کو اپنے آرام و آسائش کی پرواہ نہیں ہے، فقرا و مساکین کے ساتھ میری صحبت ہے، ضعفا و مظلومین کا انیس ہوں۔ اور ظالموں کے ہاتھ سے قتل ہونے کے لیئے ہر وقت آمادہ۔ صرف اپنے نفس پر اعتماد رکھتا ہوں اور محض اپنی قوت بازو پر بھروسہ ہے۔ اسلیئے بیشک تو نے میرا انتخاب کرنے میں غلطی کی"۔

کرشن جی ہمیشہ ضعیفوں کی حمایت اور ظالموں کا مقابلہ کیا کرتے تھے اسی مقصد کو لیکر آپ سیاحت کیا کرتے تھے لوگوں کو نصیحت کرتے تھے اور ظالموں کو کبھی قتل کرتے تھے اور کبھی وعظ و پند سے انکی اصلاح فرمایا کرتے تھے۔

آپ کے زمانہ کا نہایت مشہور واقعہ اور آپ کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ مہابھارت ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اس زمانہ میں نواحِ دہلی کا ایک راجہ تھا جو اندھا تھا۔ اسی سلطنت کے قریب ایک اور سلطنت تھی جہاں اس راجہ کے پانچ بھتیجے حکمراں تھے، دہلی کے راجہ کے ولی عہد نے ان کا ملک مکر و فریب سے غصب کرلیا اور نکال دیا۔ انہوں نے

کرشن جی سے شکایت کی۔ آپ سفیر بنکر وہاں گئے اور کہا کہ اپنے بھتیجوں کے لیئے پانچ ہی گانوں چھوڑ دے لیکن وہ نہیں مانا اور بولا کہ "اس کا فیصلہ صرف تلوار سے ہوگا۔ آخرکار دونوں فریق جنگ کی طیاریاں کرنے لگے، اور جب اہتمام ختم ہوا تو ہر ایک فریق کرشن جی کے پاس گیا آپ نے کہا کہ "میں تو تلوار اٹھاتا نہیں اور نہ کسی سے جنگ کرتا ہوں، البتہ صرف مشیر ہوسکتا ہوں میری فوج بے شک حاضر ہے، اب تم میں سے ہر فریق کو اختیار ہے، مجھے اختیار کرے یا میری فوج لیجائے" نابینا راجہ کے ولی عہد نے آپ کی فوج لے لی اور پانچوں بھائیوں نے کرشن جی کا انتخاب کیا، اس کے بعد دونوں کی فوجیں پانی پت کے میدان میں جمع ہوئیں جہاں اول عہد سے لیکر اسوقت تک ہمیشہ حکومت ہند کی قسمت کا فیصلہ ہوا ہے،

اس جنگ میں ہندوستان کے تمام راجہ شریک تھے اور یہ معرکہ اسقدر شدید تھا کہ تاریخ ہند میں دوسری نظیر نہیں ملتی جب صفیں آراستہ ہوگئیں، تو کرشن جی نے ارجن (پانچ بھائیوں میں سے ایک بھائی) کے گھوڑے کی باگ پکڑی اور باہر لائے، ارجن نے دیکھا کہ چاروں طرف اسی کے عزیز و قریب نظر آتے ہیں تو اس نے جنگ کرنے سے گریز کیا اور کہا کہ "میں ان لوگوں سے کیسے لڑ سکتا ہوں اگر وہ میرے ہاتھ سے مارے جائیں تو دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہوجائے"، کرشن جی نے اسے سمجھایا اور آپ کے یہی مواعظ بھگوت گیتا (مواعظ الہی) کے نام سے موسوم ہیں، آخرکار ارجن راضی ہوا اور یہ لڑائی عرصہ دراز تک قائم رہی اور اتنے آدمی فنا ہوئے کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ آخرکار کرشن جی کی مدد سے پانچوں بھائی کامیاب ہوئے، اور ان کی سلطنت نہایت وسیع و زبردست ہوگئی۔

اس کے بعد کرشن جی نے دیکھا کہ خود ان کے خاندان کے اخلاق خراب ہوگئے ہیں اور اسمیں ظلم و عدوان پھیلتا جاتا ہے، اسلیئے آپ نے ان کی تنبیہ کا بھی ارادہ کیا اور سب کو زیارت و عبادت کی غرض سے بلدۂ مقدسہ لے گئے لیکن جب رات کو ان لوگوں نے ایک مکان میں قیام کیا تو خوب شرابیں پیں اور باہم لڑنے لگے، کرشن جی نے اس فرصت کو غنیمت جان کر تلوار کھینچی اور سب کو تہ تیغ کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے ان پانچوں بھائیوں کے پاس قاصد روانہ کیا کہ تمام آدمی مارے گئے، اسلیئے آکر ان کے اہل و عیال کو لیجاؤ۔ اس کے بعد آپ خود ایک طرف نکل گئے اور تھک کر ایک درخت کے نیچے لیٹ کر سوگئے، اتفاق سے اسی وقت کوئی صیاد اسطرف سے گزرا اور آپ کو صید سمجھکر تیر چلایا۔ چونکہ وقت آگیا تھا اسلیئے اسیوقت آپ کی روح پرواز کرگئی۔

کرشن جی کے مذہب کا خلاصہ اگر کیا جائے تو اسے صرف "قیام بالواجب" سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ یعنے اپنے فرائض کو بلا لحاظ نتیجہ ادا کرنا۔ یہی بنیاد تھی ان کے مذہب کی جنپر ان کی تبلیغ و ارشاد کی عمارت قائم ہوئی۔ آپ کا قول ہے کہ "اپنے فرض کو ادا کرو اور نتیجہ کا خیال چھوڑ دو، نہ اس سے کسی نفع کی توقع کرو اور نہ ضرر کا اندیشہ،

فرض کو صرف اسلیئے ادا کرو کہ وہ فرض ہے۔ وہ لوگ جو اپنے اعتقاد کے مضبوط ہیں نہ زندگی سے خوش رہتے ہیں اور نہ موت سے ڈرتے ہیں۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ روح قاتل یا مقتول ہوتی ہے وہ دیوانے ہیں اور روح کی حقیقت سے واقف نہیں۔ نہ روح کسی کو مارتی ہے اور نہ اُسے کوئی اور فنا کر سکتا ہے نہ وہ پیدا ہوتی ہے، نہ مرتی ہے، وہ ازلی و ابدی ہے نہ اس کی ابتدا ہے نہ انتہا۔"

آپ کہا کرتے کہ "جسم ملبوس کی طرح ہے جسطرح انسان لباس بدلتا رہتا ہے اسی طرح روح اپنا جسم بدلتی رہتی ہے پھر جب روح کو فنا نہیں تو قتل و ہلاکت سے کیا ڈرنا اور ظالموں کی نکتہ چینی سے کیا خوف"

آپ نے اسی کے ساتھ ایک دوسرے اساس کی بھی تعلیم دی ہے کہ "انسان خالقِ افعال نہیں ہے، بلکہ روح یا خدا کی قدرت کاملہ خالق افعال ہے، وہ شخص جو کبر و عُجب کی وجہ سے اندھا ہو گیا ہے، خیال کرتا ہے کہ وہ خالقِ افعال ہے، حالانکہ تمام افعال طبیعی اسباب سے پیدا ہوتے ہیں جنمیں انسان کو کوئی دخل نہیں ہے، اللہ ہر قلب میں موجود ہے اور وہی محرک عمل ہوتا ہے اسلیئے انسان کا فرض ہے کہ اپنے ضمیر کے کہنے پر عمل کرے اور خیر و شر کی پرواہ نہ کرے کہ یہ اس کا کام نہیں ہے۔"

تحصیل یقین و معرفت تام کے لیئے چار طریقے آپ نے بتائے ہیں:- (۱) مراقبۂ النفس (۲) معاہدۂ روح و عبادات (۳) محبت خداوندی میں فنا ہوجانا اور (۴) فرض پر قائم ہونا

چوتھے طریقے پر آپ نے بہت زور دیا ہے کیونکہ وہ سب سے زیادہ سہل ہے، اور مقصود کو قریب تر کر دیتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ فرض کا ادا کرنا خلوص نیت کے ساتھ ہو اور اسمیں ذاتی غرض شامل نہ ہو۔

(ترجمہ از الجامعہ کلکتہ)

ایڈیٹر

غزل

ہمتِ عاشقِ بیدل یہ خدا کی رحمت — کوچۂ یار کی جانب جو رواں ہے گستاخ
کسقدر ہے نگہِ شوق بھی اپنی بیباک — چہرۂ یار میں کیا کیا نگراں ہے گستاخ
خوش کہ ناخوش ہو کوئی، جا ہی پہونچتا ہے وہاں — اُنکی خدمت میں مرا شورِ فغاں ہے گستاخ
کچھ غضب سے بھی ترے خوف نہیں ہے اسکو
کسقدر حسرتِ بےتاب و تواں ہے گستاخ

چشمۂ حیواں

اچانک ہوگئی اک دن ملاقات لبِ دریا تصور میں خضر سے
کہا میں نے "خیالِ آبِ حیواں اُلجھتا ہے دلِ شوریدہ سر سے
ہوئی جاتی ہیں بسمل آرزوئیں! بہی جاتی ہے حسرت چشمِ تر سے!
زن و فرزند سے بڑھتا نہیں اُنس! نہیں وابستگی کچھ سیم و زر سے!
وبالِ جاں ہوا جاتا ہے جینا! فنا کے خوف سے مٹنے کے ڈر سے!
مری جانِ حزیں ہے سخت بیزار! بشر کی اس حیاتِ مختصر سے!
خدارا قطرۂ از آبِ حیواں!
کہ نتواں زندگی کردن بدیں ساں!"

ہنسے اور ہنس کے فرمایا کہ "نادان ہے تیری ذات کا ہی نام ظلمات
ہے خود پہلو میں تیرے آبِ حیواں ہے خود سینے میں تیرے اک طلسمات
یوں ہی پھرتا ہے جسکی جستجو میں میسر ہے ازل سے تجھکو وہ بات
فنا کا ڈر نہیں ہے زندگی کو مگر تجھکو نہیں علمِ مقامات
ہے جب تک بے خبر، یوں ہی رہیگا ترا رونا ترے شکوے شکایات
علاجِ تشنہ کامی پیچ کہوں میں؟ آمیں ہے خضرِ القاں کی ملاقات
بہ گردوں فکر تو دارد رسائی
ولے از خویشتن نا آشنائی"

امین حزیں

مآلِ محبت

(۱)

اُس لمحہ میں جب غنچہ ایک جرعۂ صبا کے لیئے اپنا منہ کھول دیتا ہے۔ اُس ساعت میں جب پھول صحنِ باغ کی فضا کو نکہت آلود کردیتا ہے، اور اسوقت جب چاند کی آخری شعاعیں ستاروں کی چمک کو ماند کردیتی ہیں، تاج کا منظر بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی حسین گہری نیند میں انگڑائیاں لے رہا ہو۔ اس کے عقیق و زبرجد کے پھولوں کی ترتیب محرابوں اور طاقوں پر چاندنی کے انعکاس سے ایسی معلوم ہوتی ہے۔ جیسے کسی حسین کی پیشانی پر افشاں چن دیگئی ہو، اسکی جالیوں پر رنگین و بیش بہا پتھروں کی بیلیں سنہری ناگنوں کی طرح دوڑتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور تاج بجائے خود اسوقت ایک ایسی دلہن نظر آتا ہے جو چاند کے نور سے غسل کرکے، صحن باغ میں زلفیں کھول رہی ہو۔

صحنِ چمن میں گلہائے رنگیں کے قطعات، ہر دو جانب سرو کی قطار، فضا کا سکون، اور چاند کی ضیا ر باشی کا آخری نظارہ دیکھکر، کونسی آنکھ ہے جو غرق منظر نہ ہوجائے، اور کونسا دل ہے جو فطرت کے اس اعجاز مکمل سے مسحور نہ ہو۔ اس طلسمی فضا میں عزیز و نسیمہ تاج کے بالائی مرمریں فرش پر، مشرقی مینار کے قریب جو دریائے جمن کی طرف واقع ہے، تنہا دخاموش بیٹھے ہیں —— دفعتہً نسیمہ کے جسم میں جنبش ہوئی اور اسنے ایک انگڑائی لی، جسے دیکھکر عزیز کانپ گیا، تھرا گیا، اسی کے ساتھ جب اس نے نسیمہ کی سیاہ آنکھوں میں تبسم کی ایک ہلکی سی موج دیکھی تو یہ اسمیں غرق ہوگیا، اسوقت نسیمہ کی مسکراتی نگاہوں کا عزیز پر ایسا اثر ہورہا تھا جیسے اُسے شراب میں مشک حل کرکے دیا جارہا ہو

نمود صبح کے آثار ابھی پردۂ شب میں خوابیدہ تھے۔ نسیم کے ہلکے و خوشگوار جھونکے ابھی دامنِ گل سے مس نہونے پائے تھے اور آسمان کی طلائی کشتی فضائے مغرب کے سمندر میں ابھی ڈوبنے نہ پائی تھی کہ عزیز بولا:۔

"دیکھتی ہو اسوقت دریا کا سکون وہ دیکھو ملاح کا لڑکا جو اپنی کشتی میں بیٹھا ہوا کچھ گا رہا ہے، کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے آؤ اسوقت اس کشتی میں بیٹھکر سیر کریں"

ملاح کا لڑکا جو اس پرلطف منظر سے متاثر ہوکر گیت گا رہا تھا، عزیز و نسیمہ کو رات کے اس آخری حصہ میں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھکر متحیر ہوگیا۔ عزیز نے اس لڑکے سے کشتی قریب لانے کا اشارہ کیا، اور یہ دونوں اسمیں سوار ہوکر پانی کی سیر میں مصروف ہوگئے۔ لڑکا اپنی عادت کے موافق پھر گن گنانے لگا، مناظر فطرت کی ایک بیگانہ وشی کے ساتھ لڑکے کا گن گنانا کچھ ایسا دلکش

معلوم ہوا کہ نسیمہ کے نسوانی جذبات میں سخت جنبش پیدا ہوئی۔ اس نے کشتی کو دریا کے دوسرے کنارہ پر لیجانے کا اشارہ کیا۔ جہاں چاند نے دور تک دریا کی ریت میں اس کے بے شمار ذرات کو روشن کرکے ایک عجیب سماں پیدا کر رکھا تھا۔

یہ دونوں کشتی سے اتر کر ٹہلنے لگے۔ نسیمہ اس منظر سے اسقدر متاثر ہوئی کہ اس نے عزیز پر ایک متبسم نظر ڈال کر کہا۔ کہ "آؤ دیکھیں کون تیز چلتا ہے" چند قدم تیز چلنے کے بعد وہ تھک گئی اور اسنے اپنے دونوں ہاتھ عزیز کے شانہ پر رکھدیئے، اور بولی کہ "ذرا ٹھہرو جی، ہم تھک گئے ہیں" عزیز بھی ایک قہقہہ لگا کر کھڑا ہو گیا،

نسیمہ اسوقت اپنے تئیں بالکل بے خود و مدہوش پا رہی تھی، اسنے نظر اٹھائی، دیکھا کہ عزیز اسکی طرف دیکھ رہا ہے، نگاہیں ملتے ہی دونوں کی روحیں مسکرانے لگیں۔ لیکن پھر کچھ سوچکر یہ گھبرا گئی اور یہ ایک وحشی ہرنی کی طرح ادہر ادہر دوڑنے لگی، اسکے خون میں ایک گردش تھی، اسکی سانسوں میں ایک سوزش تھی، اور اسکی آنکھوں میں صہبائے تند کا نشہ تھا، یہ پھر عزیز کی طرف متوجہ ہوئی، عزیز کو خاموش دیکھکر غصہ سے بیتاب ہو گئی، بالآخر اسنے کہا "چلو، دن نکل آیا، اب مجھے نیند آ رہی ہے" دونوں کشتی میں سوار ہو گئے، کشتی کنارہ لگی اور یہ دونوں ایک موٹر میں سوار ہو کر روانہ ہو گئے،

عزیز۔ "نسیمہ! اسمیں شک نہیں کہ اسوقت شہر میں ہر جگہ تمہارا ہی چرچا ہے، میں نے جب پہلی بار تمھیں جوگن کا ایکٹ کرتے ہوئے دیکھا، تو یقین کرو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر شخص جو وہاں موجود ہے، جوگ کے لباس میں ملفوف ہے، بہت سے لوگ تھے جو سر دھن رہے تھے، میں خود بیتاب ہوا جاتا تھا، لیکن آج اگر کوئی مجھ سے پوچھے تو میں کہوں کہ وہ ایکٹ جو تم نے دکھایا تھا، حقیقت سے خالی تھا، آؤ نسیمہ کے اس ایکٹ کو دیکھو، جسکو آج ابھی ابھی میری نگاہیں دیکھ چکی ہیں"

"کیوں نسیمہ! کیا تم بھی کبھی ایکٹ کرتے وقت اس جذبہ سے متاثر ہوتی ہو، جیسے تم ظاہر کرتی ہو"

نسیمہ۔ "کبھی نہیں۔ مگر اس روز جب پہلی مرتبہ میں نے تمہیں دیکھا تھا، شاید تم نے محسوس کیا ہو کہ اسوقت میرے جسم میں لرزش تھی۔ میری زبان میں لکنت تھی، اور ستار جو میرے ہاتھ میں تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا ہر تار ساکت ہوا جا رہا ہے، پھر تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ جب گاتے گاتے مجھ سے ضبط نہ ہو سکا، اور میری آواز میں کپکپی پیدا ہونے لگی تو فوراً اسی حالت میں اندر چلی گئی۔ اور آہ، اس کے بعد تمھیں کیا معلوم کہ میں کتنے عرصہ تک بے ہوش پڑی رہی۔

میں سینکڑوں مرتبہ اسٹیج پر آئی لیکن میرا دماغ کبھی کسی جذبہ سے اتنا معطل نہیں ہوا، اور میری روح کبھی کسی نظر سے ایسی تحلیل نہیں کی جتنی اسوقت ہوئی، جبکہ تمہاری دلنشین نگاہ میرے ایکٹ کا تجزیہ کر رہی تھی"

موٹر ایک مکان کے قریب کھڑا ہوا اور عزیز "خدا حافظ" کہکر رخصت ہو گیا۔

(۲)

تھیٹر نے اگرچہ اسکے بعد صرف تین کھیل اور کیئے، لیکن اسٹیج پر نسیمہ کو کسی شخص نے پھر نہ دیکھا، چوتھے روز یہ کمپنی کلکتہ روانہ ہوگئی، یہاں پہونچکر وہ صرف چار مرتبہ مشکل اسٹیج پر آئی تھی کہ تمام کلکتہ کی فضا اسکی شہرت سے گونجنے لگی، ہر طبقہ کے لوگ پہونچنے لگے، کئی کئی روز پہلے سے کرسیاں ریزرو ہونے لگیں۔ بالآخر پانچویں روز سے اسنے اسٹیج پر آنا چھوڑ دیا اب اُسکے ارادہ میں استقلال پیدا ہوگیا کہ وہ اسٹیج پر کبھی نہ آئیگی اور اسنے انتہائی مجبوری کی وجہ سے عزیز کو ایک خط لکھا:۔

"میں جسروز سے کلکتہ آئی ہوں، کسی کام میں دل نہیں لگتا، اسٹیج پر آنے سے وحشت ہوتی ہے، اسلیئے کہ اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کہ محبت کے پاکیزہ جذبات میں تصنع پیدا کرکے اُسکی توہین کیا کروں۔ اسمیں شک نہیں کہ فن کے لحاظ سے میں اُسوقت تک اس آرٹ کو پسند کرتی تھی، جب تک کہ میں اسے ایک آرٹ سمجھتی تھی، لیکن اب اسکی حقیقت مجھ پر روشن ہوگئی ہے، اور اس روشنی میں مجھے اب وہ شاہراہ نظر آرہی ہے، جس سے آج تک میں بے خبر تھی، میرے لیئے اب اس سے زیادہ تکلیف دہ اور اذیت رساں کوئی خیال نہیں کہ مجھے ہر روز حقیقت پر صنعت کا رنگ چڑھا کر انسانوں کو فریب میں مبتلا کرنا پڑتا ہے، اور خصوصاً اُس ہستی کے لیئے میں مجسم وفا بنی ہوں جس سے میں ہر روز اسٹیج پر پیمان محبت کرکے، توڑ دیتی ہوں۔ میرے لیئے اب یہ دشوار ہے۔ محال ہے، بلکہ ناممکن ہے کہ میں اب اس فریب کاری میں مبتلا رہوں

تمنا ہے کہ ایک بار تم کلکتہ آؤ، اور میری تباہی و بربادی کو اپنی آنکھ سے دیکھ جاؤ۔"

"تمھاری نسیمہ"

(۳)

آج تھیٹر ہال معمول سے زیادہ آباد ہے، اور عزیز مع اپنے دوست رفیق کے ساتھ بمشکل اپنی مخصوص کرسی تک پہونچ سکا، لوگوں کی نگاہیں شام کے بعد ہی سے انتظار کر رہی تھیں کہ نسیمہ کب، اور کسوقت اسٹیج پر آئے، بالآخر گھنٹی بجی، پردہ اٹھا، اور سب سے پہلے جو چیز نظر آئی، وہ ایک سنگ مرمر کی سی مورت تھی، جو جوگیا رنگ کی ساری میں ملفوف ستار ہاتھ میں لیئے ساکت و بےحس کھڑی تھی، دفعتہً اس مورت میں ایک حرکت پیدا ہوئی اور ساتھ ہی اس کے گانے کی آواز آنے لگی۔ لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے محسوس کیا کہ یہ نسیمہ ہے۔

کئی منٹ تک تمام ہال تالیوں سے گونجتا رہا، دیکھنے والے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے اور بہت سی نگاہیں

یقین کرنے لگیں کہ نسیمہ کی نظریں اُن پر اور صرف اُنھیں پر پڑ رہی ہیں، بہت سے دلوں میں آرزوؤں کا طوفان برپا ہونے لگا، بہت سے دماغوں میں نسیمہ کی معیت کا خیال گردش کرنے لگا، لیکن یہ کسے خبر تھی کہ یہ جوگن حقیقت میں ایک سچا جوگ لیئے ہوئے ہے، یہ کسکو علم تھا کہ آج اس رقاصہ کی حرکاتِ رقصیہ، صرف ایک ہستی کے لیئے مخصوص ہیں، یہ کون جانتا تھا کہ آج اسکے نغموں میں سوزش والتہاب کیوں ہے، اس کے گیتوں میں ایک آتشیں سمندر کا سا جوش کس نے پیدا کیا؟

دفعتاً نسیمہ چیخ مار کر بیہوش ہو جاتی ہے، ستار ہاتھ سے چھوٹ پڑتا ہے، اور ستاروں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ایکٹ ہو رہا ہے، لیکن ایک عزیز ہے جو بیٹھے بیٹھے کانپنے لگتا ہے، یہ گھبرا کر اپنے دوست رفیق سے کہتا ہے کہ "مجھے اسٹیج پر لے چلو" رفیق اسکی اس حالت کو محسوس کر کے فوراً بجائے اسٹیج کے باہر لیجاتا ہے اور ایک تخلیہ میں عزیز و نسیمہ کو ملا دیتا ہے۔

"کیوں میں نے پہلے نہیں کہا تھا کہ اب میں اسٹیج پر آنے کے قابل نہیں رہی لیکن مجھے تو تمھارے حکم کی تعمیل کرنا"

عزیز - "معاف کرنا، مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ تم اسدرجہ نحیف و کمزور ہو گئی ہو"

یہ کہا اور چند لمحوں کے لیئے یہ دونوں ایک گہرے سکوت میں ڈوب گئے، خدا معلوم اس مختصر سکوت میں کتنے معمے تھے، جو دونوں طرف سے حل ہو رہے تھے، کتنے راز تھے جو الہامی طریقہ سے ایک دوسرے پر منکشف ہوتے جاتے تھے، اور کتنے عقدے تھے، جنکی گرہ کشائی کے لیئے دونوں کے دماغ مصروفِ کار تھے؟ بالآخر رفیق نے نہی دلچسپ گفتگو سے اس قفلِ خاموشی کو توڑا، اور اسکے بعد یہ دونوں ایک ہفتہ نسیمہ کے مہمان رہکر واپس آگئے۔

عزیز کے چلے جانے کے بعد نسیمہ نے اپنی کمپنی توڑ دی اور خود تنہا زندگی بسر کرنے لگی۔ اسکو تنہائی میں وہ لطف آنے لگا کہ کبھی اسٹیج پر نہ آیا تھا، سیر و تفریح سے اُسے اذیت ہونے لگی اور ہر وقت کی اُداسی اور غمگینی کا یہ اثر ہوا کہ اسکو روزانہ حرارت ہونے لگی

(۴)

نسیمہ بیمار ہے اور ایسی بیمار کہ ڈاکٹروں اور حکیموں نے اسے لاعلاج سمجھکر چھوڑ دیا ہے، دو ماہ سے تپ دق میں مبتلا ہے اور وہ محسوس کر چکی ہے کہ اب اس کا علاج دنیا میں ممکن نہیں۔

اس مایوس و نامراد ہستی نے، اس غم کی مورت نے، اپنی زندگی کے آخری لمحات قریب محسوس کر کے، عزیز کو ایک تار دیا، جسے پڑھکر یہ بیتابانہ کلکتہ پہونچا مگر اسوقت جبکہ محبت کا یہ تر و تازہ پھول کمھلا رہا تھا۔

عزیز نے جبوقت نسیمہ کا سر اپنے زانو پر رکھا، اور جب اس کے کھولتے ہوئے آنسو نسیمہ کے مرجھائے

ہوئے چہرہ پر پڑے تو اسنے ایک لمحہ کے لیئے آنکھیں کھولدیں۔ اور عزیز کو اپنے سرہانے بیٹھا ہوا دیکھکر کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی ساری داستان شکایت صرف اُس حسرت انگیز تبسم میں تبدیل ہوگئی تھی، جو مرنے کے بعد بھی اُس کے ہونٹوں سے جھلکا پڑتا تھا۔

امام اکبرآبادی

اقوال فیثاغورس

ایک شخص نہایت قیمتی ملبوس پہنے ہوئے گفتگو کر رہا تھا۔ فیثاغورس نے کہا کہ "یا تو گفتگو ایسی کرو جو تمہارے ملبوس کے لحاظ سے موزوں ہو یا لباس ایسا اختیار کرو جیسی تمہاری گفتگو ہے"

جس بات کا کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس کا خیال بھی دل میں نہ آنا چاہیئے۔

اس کی انگوٹھی پر یہ عبارت منقوش تھی:۔ "قائم نہ رہنے والی برائی اُس بھلائی سے اچھی ہے جو قائم رہنے والی نہیں"

"تصورات"

سنگِ حریم ناز ہو اور سرِ نیاز ہو — عالمِ بیخودی ہو اور جذبۂ سوز و ساز ہو
پھول کا پیرہن ہے چاک جوشِ جنوں تو دیکھیے — لالہ بھی داغ داغ ہے سوزِ دروں تو دیکھیے
پردۂ آسمان میں بھی دیکھیے کیا طلسم ہے — حدِ نظر کے اُس طرف کوئی نیا طلسم ہے

گل کی تلاش میں کوئی پھول نہ سمجھے خار کو — آگ لگا دی عشق نے نور سمجھ کے نار کو
دیکھا جو مہر و ماہ کو دل نے کہا کہ ہے "وہی" — کوئی جھلک نظر پڑی سمجھے اُسی کی روشنی
نور اُسی کا جان کر سجدے کیے جمال کو — مدتوں پوجتے رہے پیکرِ ہر مثال کو
ذوقِ نظر کا ہو بھلا نقش پرست ہو گئے — جتنے کبھی بلند تھے اُتنے ہی پست ہو گئے
ہر گلِ نوبہار میں اُسکی مہک ہے، وہ کہاں — جلوۂ ہر نگار میں اُسکی جھلک ہے، وہ کہاں
عکس تو ہے یہاں مگر دیکھیے ہے قمر کہاں — جلوے ہیں دیکھیے کہاں اور ہے جلوہ گر کہاں

پردۂ بزم اُٹھتے ہی محفلِ بیخودی تھے ہم — جسکی تلاش تھی ہمیں دیکھا تو آپ ہی تھے ہم
حیرتِ دل کی حد نہ تھی وقتِ نظارۂ جمال — شکل و شبیہ یار تھی اپنے خیال کی مثال
دیکھتے کیا ہیں چار سو جلوہ فگن ہیں آپ ہی — غنچہ و گل ہیں آپ ہی رنگِ چمن ہیں آپ ہی

آئینہ کی زبانِ حال اسطرح لب کشا ہوئی — رمزِ حقیقتِ نہاں اس طرح آئینہ ہوئی
خلق ہے میرا آئینہ، آئینہ خود نما نہیں — دعویٰ ہستی ہمہ، غیر کا ادعا نہیں
کیا ہے خودی کی اصلیت، میرا ہی اک خیال ہے — میرے خیالِ ذات کی وہم خودی مثال ہے
عکس صفات کا مرے، آئینہ جہاں میں ہے — میری تجلیوں کا نور انجمِ آسماں میں ہے

عالم کائنات کیا؟ آئینۂ صفات ہے — آدم مظہر اتم، جوہر کائنات ہے"
آدم و عقل کائنات، ہیں یہ تعینات ذات — مظہر ذات عقل ہے، مظہر عقل، کائنات
مظہر کائنات ہے آدم اکمل الصفات — جس کا وجود کیا ہے؟ ایک آئینۂ صفات ذات
اصل تعینات کیا؟ یعنی مراتب وجود — ورنہ ہے ایک بود ہی، اصل نمود ہر نمود

ایک ہے وہ ہزار میں، ہے وہی ہر شمار میں — قلزم بے کنار ہے، ہر دُرِ آبدار میں
نور ہے اور نظر سے دور، دور ہے اور نظر کا نور — وجہ شعور ہر ظہور، اصل ظہور ہر ظہور
اصل تو یہ کہ قول ہے جامع و مختصر یہی — اُس کے سوا نہیں کوئی، اُس کی طرح نہیں کوئی

محو و فنا اگرچہ ہے رنگ نمود و بود میں — پھر بھی ہے ایک امتیاز بود میں اور نمود میں
بود و نمود دو نہیں، ہیں مگر ایک بھی نہیں — پھول کی اصل ہے کلی، پھول مگر کلی نہیں

گویا

قوموں کے عالم شباب میں فنون حربیہ کی ترقی ہوتی ہے، کہولت کے زمانہ میں علم فروغ پاتا ہے اور ان کے عہد آخر میں صنعت و تجارت وسیع ہو جاتی ہے۔ (بیکن)

جو صغر سنی میں ایک جگہ نہیں بیٹھتا اسلیئے کہ بُرا معلوم ہوتا ہے، وہ بڑے ہونے پر بھی چین سے نہ بیٹھ سکے گا حالانکہ اسوقت وہ بھی چاہے گا۔ (اسمائلز)

امن کی فتحمندیاں، جنگ کی کامیابیوں سے کہیں زیادہ ذی وقعت ہیں (ملٹن)

ساکن چیز کو متحرک کرنا، متحرک کو ساکن کرنے سے زیادہ آسان ہے (افلاطون)

جنگ اور جاسوسی

جسوقت دو فریق مقابلہ میں ہوتے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک دوسرے کو شکست دینے کا آرزومند ہوتا ہے، تو پھر اسوقت تمام قوائے انسانی، اور تمام ادراکات نفس صرف ایک خیال کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور وہ خیال اپنی کامیابی کا ہوتا ہے پھر چونکہ یہ بالکل فطرت کا اقتضا رہے، اسلیئے غالبًا یہ کہنا نادرست نہ ہوگا، کہ عہد بدویت میں بھی وہی تمام ذرائع کامیابی کے اختیار کئے جاتے ہونگے، جو اسوقت نظر آتے ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ اُسوقت علم و حکمت کی ترقی نہ تھی، اسلئے یہ تدابیر ناقص، بھدی اور غیر مکمل ہوتی ہونگی، اِس وقت "ذہنیات و عقلیات" کی ترقی نے اور تمام علوم و فنون کے ساتھ فن حرب کو بھی درجۂ کمال تک پہونچا دیا ہے اور اب زیادہ کامیابی کے ساتھ تدابیر کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔

منجملہ دیگر تدابیر کے جو عہد حاضر میں جنگ کو کامیاب بنانے کے لئے اختیار کی جاتی ہیں، ایک تدبیر جاسوسی کی بھی ہے جس کا تعلق جارحانہ و مدافعانہ دونوں پہلوؤں سے ہے، دشمن کی تدابیر معلوم کرنا اور اپنے حالات کو پوشیدہ رکھنا، جنگ کا اولین فرض ہے اور پھر چونکہ علم کی ترقی نے راز کو پوشیدہ رکھنے کے لئے ہزاروں حیلے اور بہانے پیدا کر دیئے ہیں، اسی طرح اسکو پوشیدہ اور افشا رسے محفوظ رکھنے کے لیئے ویسی ہی احتیاطیں عمل میں لائی جاتی ہیں،

گزشتہ جنگ کی اگر کوئی تاریخ کبھی لکھی گئی تو اسکے نمایاں ابواب میں سے ایک باب جاسوسی کا بھی ہوگا، جس نے بعض اوقات بساط جنگ پر مہروں کا رُخ بدل دیا اور بعض اوقات بڑی بڑی مصیبتوں کو دور کر دیا، ہر چند یورپ کا کوئی ملک ایسا نہ تھا جہاں کے جاسوس دنیا میں نہ پھیل گئے ہوں، لیکن جرمنی نے جسقدر وسیع پیمانہ پر اس سے کام لیا اور تفتیش و تحقیق میں جو احتیاط اسکی طرف سے ظاہر ہوئی، وہ مخصوص طور پر قابل ذکر ہے۔

جو ممالک باہم برسرپیکار تھے، وہاں کے باشندے تو خیر کسی طرح دشمن کے ملک میں جا ہی نہیں سکتے تھے اور جو پہلے سے موجود بھی تھے وہ مقید کر لیئے گئے تھے، لیکن غیر جانبدار ملکوں کے رہنے والے بھی نہایت مشکل سے پہونچ سکتے تھے جس کا اندازہ ان کے بیانات سے ہوتا ہے۔ ایک سیاح نے لکھا ہے کہ "ہر شخص نہیں سمجھ سکتا کہ اہل جرمنی کے نزدیک تفتیش کا مفہوم دورانِ جنگ میں کیا تھا۔ میں جس وقت ہرسبتال کے اسٹیشن پر اُترا، تو مجھے ایک چھوٹے سے کمرہ میں لیگئے اس حال میں کہ سپاہیوں کا ایک دستہ مع اپنے کپتان کے مجھے گھیرے ہوئے تھا تاکہ میرے خلوص نیت کا امتحان کرے، چنانچہ خود کپتان نے میری تلاشی لینی شروع کی، اسنے میری جیبیں، کپڑے، استر، کاغذات، پاسپورٹ اور ر

ایک ایک چیز جو میرے پاس تھی نہایت غور سے دیکھا اور اس کے بعد حکم دیا کہ جسم برہنہ کر دیا جائے، جب اسکی تعمیل ہوگئی تو اسنے اسفنج کا ایک ٹکڑا لیکر کسی عرق میں بھگو کر میرے سارے جسم کو تر کیا اور تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد غور سے دیکھنے لگا کہ کوئی پوشیدہ تحریر تو جسم پر نمایاں نہیں ہوئی، لیکن جب وہ مطمئن ہوگیا تو مجھے کپڑے پہننے کی اجازت دی۔

ایک دوسرے سیاح نے لکھا ہے کہ "جنگ جسقدر طول پکڑتی جاتی تھی، جرمنی کی تفتیش و تحقیق اسی قدر بڑھتی جاتی تھی چنانچہ جب میں پہونچا تو میرے پاس کے تمام کاغذات لے لیے اور ان کو نہایت غور سے دیکھا اس کے بعد کسی عرق میں ان کو ڈبویا تاکہ اگر پوشیدہ تحریر لکھی ہو تو ظاہر ہو جائے، پھر میری پنسل، میرا قلم لیکر اسپر غور کرتے رہے، میرے بعض ساتھیوں کے کان اور ناک کی بھی تلاشی لیگئی"

انگلستان کی ایک خاتون جو "ایک جنگی انجمن امداد" کی صدر تھی، پیرس گئی، تاکہ یہاں سے ہالینڈ جائے، یہ وہ زمانہ تھا جب فرانسیسی فوجوں کا اجتماع ہو رہا تھا اور کوچ کے حکم کی ہر وقت توقع کی جاتی تھی، حکومتِ فرانس چاہتی تھی کہ اسکی خبر کسی طرح جرمنی کو نہ پہونچے، اور اُدھر جرمنی اُس کے ہر ہر راز کو معلوم کرلینے کے لیے بیتاب تھا،

یہ خاتون ایک ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی اور صبح و شام آتے جاتے وہاں کی خاکروب عورت کو جو فرانسیسی تھی مضمحل و ملول دیکھا کرتی تھی، لیکن چونکہ حزن و ملال اُسوقت ہر شخص کے چہرہ پر نمایاں تھا اسلیئے اُس خاتون نے کچھ خیال نہیں کیا،

سفر شروع کرنے سے ایک دن قبل وہ عورت انگریزی خاتون کے کمرے میں آئی اور بولی کہ میرا بیٹا بلجیم میں مقید ہے، اور میں اسکے لیئے کچھ نقد بھیجنا چاہتی ہوں۔ میں آپ کے پاس اسلیئے حاضر ہوئی ہوں کہ آپ امسٹرڈم کے ایک شخص کو میری امانت پہونچا دیجیئے، اور وہ ایک غیر جانبدار ملک کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے اس تک پہونچا سکیگا"

یہ کہکر اسنے آنسو بہاتے ہوئے پانچ پانچ فرانک کے تین سکے نکالے، اُن کو بوسہ دیا، اور خاتون کے حوالہ کرتے ہوئے کہا کہ "ایک مجبور ماں کی محبت کی طرف سے یہ ہدیہ اس کے بیٹے کو پہونچا دیجئے"، خاتون اس منظر سے بہت متاثر ہوئی اور امسٹرڈم پہونچکر وہ سکّے اس آدمی کو دیدیئے جس کا اس نے پتہ بتایا تھا۔

یہ بات بظاہر نہایت معمولی معلوم ہوتی ہے اور اس خاتون نے بھی خیال کیا ہوگا کہ اس نے کوئی بڑا اچھا کام کیا، حالانکہ اسی واقعہ نے فرانس کے تمام تدابیر کو جرمنی پر ظاہر کر دیا اور اسکی پہلی شکست کا باعث یہی واقعہ ہوا۔ ان تینوں سکوں پر مخصوص نشانات تھے جنسے فرانسیسی فوج کی تعداد، اور سمت و تاریخ روانگی کا حال جرمنی کو معلوم ہوگیا۔

فرانس نے بھی اپنے بعض جاسوسوں کے ذریعہ سے بڑا فائدہ حاصل کیا جس کی ایک مثال ذیل میں پیش کیجاتی ہے:-
سوئٹزرلینڈ کے بعض حصوں اور اُس کے جوار میں شہد کی مکھیاں پالنے کا بڑا رواج ہے، یہاں تک کہ اس فن کے متعلق اخبارات و رسائل بھی شائع ہوتے ہیں۔ ایک ضعیف شخص جو سوئٹزرلینڈ کے قریب جرمنی کے ایک صوبہ میں رہتا تھا، یہی کاروبار کرتا تھا، اور ایک رسالہ بھی اس فن کا شائع کرتا تھا، لیکن یہ حقیقتاً جرمنی کا بڑا دشمن تھا اور جنگ ہفتا و سالہ کے بعد سے اس جوار میں صرف اسلیئے مقیم تھا کہ کسی طرح جرمنی کو زک پہونچائے۔ اس رسالہ کا ٹائیٹل بظاہر معمولی چیز تھا، لیکن اسی میں سارا راز پنہاں تھا جس سے فرانس کی وزارت حربیہ کے مخصوص افراد واقف تھے۔ اس شخص نے دوران جنگ میں اسی ذریعہ سے جرمنی کے بہت سے راز فرانس پر افشا کیے اور فرانس بہت سی مصیبتوں سے بچ گیا۔

جب جنگ شروع ہوئی تو انگلستان اور امریکہ کے درمیان تاروں کی آمد و رفت بہت بڑھ گئی۔ یہاں کی خفیہ پولیس نے یہ معلوم کرکے تفتیش شروع کی اور ایک شخص پر اسے کچھ شبہ پیدا ہوا، لیکن اس کے تاروں میں بظاہر کوئی بات ایسی نہ ہوتی تھی جسکی گرفت ہوسکتی یا جس سے کوئی حال معلوم ہو سکتا۔ ایک مرتبہ اس آدمی نے کسی شخص کے پاس امریکہ تار بھیجا کہ "Father dead" (باپ مرگیا) اتفاق سے یہ تار قبل روانگی مُراقب (سنسر) کے ہاتھ پڑ گیا اس نے بجائے dead (مرگیا) کے (deceased) گذر گیا لکھدیا اور تار کی روانگی کی اجازت دیدی۔
تھوڑے عرصہ کے بعد اس کا جواب آیا کہ "باپ مرگیا یا گذر گیا" اور اسطرح پولیس کو اس جاسوس کا حال معلوم ہوگیا اور اُسے گرفتار کرلیا،

امریکہ کا ایک نوجوان اہل ثروت فرانسیسی محکمۂ طیران (ہوائی) میں داخل ہوگیا اور اس کی بہن نے صلیب احمر کے کسی اسپتال میں اپنی خدمات وقف کردیں، چند دن کے بعد اس خاتون کو بھی محکمۂ طیران میں داخل ہونے کا شوق پیدا ہوا، لیکن عورت ہونے کی وجہ سے وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکتی تھی،
ایک دن شام کو اس کا بھائی آیا اور کہا کہ جرمنی کی فوج نے اُس مکان پر قبضہ کرلیا ہے جسمیں ہم تم رہتے تھے اور اسکو ذخیرۂ رسد بنالیا ہے۔" یہ سنتے ہی وہ بولی کہ "آؤ اسمیں آگ لگادیں"۔ اس نے پوچھا "یہ کیونکر ممکن ہے؟" وہ بولی کہ "تم اپنے ہوائی جہاز میں مجھے وہاں لے چلو اور کچھ ادھر اُدھر اتار دو، میں مزدوروں کے لباس میں وہاں جاکر آگ لگادونگی تم بہت صبح اپنا ہوائی جہاز لیکر آجانا، میں پھر واپس آجاؤنگی۔"

ایک دن جب ابر بہت کثیف تھا، اسپر عمل کیا گیا اور وہ آگ لگانے میں کامیاب ہوگئی۔ لیکن آگ زیادہ مشتعل نہ ہوئی تھی کہ بجھا دی گئی، اب اسکی فکر ہوئی کہ آگ کا سبب دریافت کیا جائے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک مزدور نی شمع لیکر شراب کی بوتلیں لینے یہاں آئی تھی، اور اسی کی شمع سے یہ آگ لگی ہے، چنانچہ یہ بلائی گئی اور دریافت کیا گیا، اس نے جواب دیا کہ "شمع سے لکڑی کے جالے مشتعل ہوگئے، اور ان سے آگ پھیل گئی "

جب فوج کے سردار نے جو ہنگری کا رہنے والا تھا، اور آسٹریا کی فوج کے ساتھ آیا تھا، اس بات کو سنا تو فوراً واپس گیا اور تھوڑی دیر میں لکڑی کا جالا لیئے ہوئے آیا اور بولا کہ "یہ قصہ بالکل جھوٹ ہے، کیونکہ جالا شعلہ کو قبول نہیں کرتا" یہ کہکر اسنے شمع کے اوپر جالا رکھا اور اسپر بالکل کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد اسنے سپاہیوں کو رخصت کرکے کہا کہ "میں خود اس معاملہ کی جانچ کرونگا" جب سب چلے گئے تو اسنے اس عورت سے کہا کہ "میں تمھیں آزاد کرتا ہوں۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم فرانسیسی حدود کے اندر واپس جانے کی توقع کیسے کرتی ہو؟"

اسنے جواب دیا کہ "میرے ساتھ اس میدان میں آئے جو اس مکان کے جنوب میں واقع ہے "

افسر اس کے ساتھ چلا اس حال میں کہ پیچھے پیچھے تین سپاہی چلے آرہے تھے، اس مقام پر پہونچکر وہ کھڑا ہوگیا اور وہ خاتون ڈری کہ یقیناً یہاں مجھے گولی سے ماردیا جائیگا۔ اور پھر میرے بھائی کی بھی خیر نہیں۔ لیکن افسر نے اس سے کہا کہ:۔

"تم فرانس کی رہنے والی نہیں ہو، بلکہ تمھارا وطن امریکہ میں ہے۔ میں نے تمکو تمھارے بھائی کے ساتھ کرسبا دار نیس میں دیکھا تھا، اسلیئے تمھارے لیئے یہ عذر بھی نہیں کہ وطن پرستی کے خیال سے فرانس کی مدد کرو، میں بھی جرمن نہیں ہوں اور اسلیئے تمھیں رہا کرتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم یہاں سے سیدھی امریکہ جاؤ اور یہاں کی کوئی خبر کسی کو نہ پہونچاؤ۔"

خاتون نے اس کا وعدہ کیا اور ایک گھنٹہ کے بعد جب اس کا بھائی آیا تو اس کے ساتھ ہوائی جہاز پر بیٹھکر چلی گئی۔ لیکن وہاں پہونچکر اسنے کوئی بات کسی سے نہیں کی اور سیدھی پیرس پہونچکر وہاں سے امریکہ چلی گئی۔

ایڈیٹر

اقوال ارسطو

ایک شخص کا امتحان اسکے غصہ ہونے کی حالت میں کرو، سکون کے عالم میں نہیں، اس کے صاحب اقتدار ہونے پر کرو۔ ذلت کے وقت نہیں۔

بھلا ہوکر مرجانا، برے ہوکر جینے سے بدرجہا بہتر ہے۔

اِستفسار وجواب

آفتاب کے داغ

(علی اوسط۔ ماڑواڑ) میں نے کسی اخبار میں دیکھا تھا کہ آفتاب کے داغ بڑھتے جاتے ہیں، لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ داغ سے کیا مطلب ہے اور اس کا اثر کرۂ ارض پر کیا پڑ سکتا ہے، کیا آپ براہ کرم اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔

(نگار) یقیناً آفتاب میں داغ موجود ہیں اور ان میں اضافہ بھی ہوتا جاتا ہے، داغ سے مراد ہے آفتاب کے ایک حصہ کا بے نور ہو جانا سنہ ۱۹۲۰ء میں علماء ہیئت نے ان داغوں کی قیاسی پیمائش آٹھ ارب مربع میل قرار دی ہے، رہا ان داغوں کا تعلق کرۂ ارض سے سو اس سے قبل اس طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی تھی، لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ "کلف شمس" زمین کی مقناطیسیت میں اضطراب پیدا کر دیتا ہے اور بارش کی کمی بھی اسی کا نتیجہ ہے۔ یہ یقینی ہے کہ مستقبل بعید میں وہ زمانہ آنے والا ہے جب آفتاب اپنی درخشانی و حرارت کو بالکل کھو بیٹھے گا اور موجودہ نظامِ شمسی بالکل درہم برہم ہو جائیگا، لیکن اسکے لیئے ابھی اسقدر زمانہ درکار ہے کہ ہمارا کرۂ ارض اور اسی طرح کے بہت سے کُرے، اس سے بہت پہلے فنا ہو چکے ہوں گے اور اُن پر عہد قیامت گزر چکا ہوگا، اسلیئے آپ "آفتاب کے داغوں" کی طرف سے بے فکر رہیئے، ہماری آپ کے نظامِ زندگی میں اُن سے کوئی خلل پیدا ہونے والا نہیں ہے۔

سامری کون تھا؟

(سید نثار علی۔ راولپنڈی) کلام مجید میں بہ سلسلۂ قصہ حضرت موسیٰ سامری کا بھی ذکر آیا ہے جس نے بولنے والا بچھڑا بنایا تھا، براہ کرم مطلع فرمایئے کہ یہ سامری کون تھا اور اسنے بچھڑے میں کیسے جان ڈالدی تھی، کہا جاتا ہے کہ جبرئیل کے سُم اسب کی خاک اسنے بچھڑے میں ڈالدی تھی جس سے وہ بولنے لگا تھا، اسکی حقیقت کیا ہے؟

(نگار) آپ کا استفسار ایسے مسئلہ سے متعلق ہے جو زیادہ تفصیل کا محتاج ہے، اور بعض ایسے مذہبی مباحث کی طرف منجر ہوتا ہے جن کا ذکر میں نگار کے صفحات میں مناسب نہیں سمجھتا، تاہم آپ کو مطمئن کرنے کے لیئے اسقدر ضرور عرض کرونگا کہ سامری کسی خاص شخص کا نام نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد ہے "کوئی شخص جو اہل سامرہ میں سے تھا"۔ اس لفظ میں "ی" نسبت کی ہے، اگر کسی مخصوص شخص کا نام ہوتا تو کلام مجید میں السامری "ال" کے ساتھ نہ پایا جاتا۔ سامرہ، شامر، یا سمارتن ایک شہر کا نام تھا جو کوہ شومون کو اس کے مالک شمر سے خرید کرکے عمری بادشاہ نے بسایا تھا، اور یہاں کے لوگ، شامری یا سامری کہلاتے تھے، یہ لوگ پہلے سے سونے کا بچھڑا بناکر اسکی پرستش کیا کرتے تھے۔

رہا یہ امر کہ اہل سامرہ میں سے کسی شخص نے ایسا بچھڑا بنایا تھا جو بولتا تھا، اسکے متعلق ایک غلطی تو بعض مفسرین نے یہ کی ہے کہ اس کی آواز کو حقیقی معنی میں ایک زندہ بچھڑے کی سی آواز قرار دیا ہے، حالانکہ اس کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہے اور دوسری غلطی اس آواز کے تعین اسباب میں کیگئی ہے،

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اسمیں سے کوئی آواز پیدا ہوتی تھی، لیکن اس کا سبب یا تو صاحب تفسیر کبیر کے بیان کے مطابق یہ تھا کہ وہ بچھڑا کھوکھلا تھا، اور اس کے اندر کوئی آدمی چھپ کر بچھڑے کی سی آواز نکالتا تھا، یا تفسیر مجمع البیان کے قیاس کے مطابق اسکی ساخت اسطرح کی تھی کہ اندر سے ہوا پہونچکر کوئی آواز پیدا کرتی تھی۔ اس زمانہ میں ایسے کھلونے کثرت سے بنائے جاتے ہیں اور اس میں کوئی استبعاد عقلی نہیں ہے۔

جن مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ جبرئیل کے سُمِ اسپ کی خاک سامری نے اٹھائی تھی اور اسکے ڈالنے سے بچھڑا بولنے لگا تھا انہوں نے حقیقتاً غلطی کی ہے اور کلام مجید کی عبارت پر غور نہیں کیا، قرآن پاک کے الفاظ یہ ہیں:- قال فما خطبک یا سامری قال بصرت بما لم یبصروا بہ فقبضت قبضۃ من اثر الرسول فنبذتہا وکذلک سولت لی نفسی۔ یعنی موسیٰ نے کہا اے سامری تیرا کیا حال ہے، اس نے جواب دیا کہ مجھے ایک ایسی بات سوجھی جو کسی اور کو نہ سوجھی تھی، میں نے رسول کے نقشِ قدم سے ایک مٹھی مٹی لیکر بچھڑے میں ڈالدی اور اسطرح میرے نفس نے مجھے دھوکہ دیا۔

چنانچہ بعض مفسرین نے لفظ الرسول سے جبرئیل مراد لیکر دور از کار و خلافِ حقیقت باتیں پیدا کیں، حالانکہ الرسول سے مراد خود حضرت موسیٰ تھے، اور سامری کا مقصود یہ کہنا تھا کہ میں نے لوگوں کو دھوکا دینے کے لیئے آپ کے قدم کی خاک بچھڑے میں ڈالدی تھی تاکہ اسکی آواز کی علت یہ قرار دیکر صحیح اسباب کی طرف سے لوگوں کے خیال کو ہٹا دوں اور یہ حقیقتاً میرے نفس کا بڑا فریب تھا۔

کیا بدوح خدا کا نام ہے

(اولاد علی۔ الہ آباد) وہ لوگ جو عملیات میں مصروف رہتے ہیں، اُن کو معلوم ہے اور شاید آپ بھی جانتے ہوں کہ ایک عمل یا بدوح کا بھی ہے، لیکن معلوم نہیں یہ خدا کا نام ہے یا کیا۔ آپ براہ کرم اسپر کچھ روشنی ڈالیئے۔

(نگار) بدوح خدا کا نام نہیں ہے اور دنیا کی کسی زبان میں خدا کے ذاتی یا صفاتی اسمار میں سے کوئی اسم بدوح سے ظاہر نہیں کیا جاتا، وہ لوگ جو عملیات کے مزخرفات میں مبتلا ہیں وہی بتا سکتے ہیں کہ اسکی حقیقت کیا ہے، میرے نزدیک یہ بھی ایک ایسا ہی مہمل اور فریب دینے والا لفظ ہے، جیسے دردائیل، سرفائیل وغیرہ گھڑ لیے گئے ہیں، یہ الفاظ پیشہ ور عاملوں کے دماغ کا نتیجہ ہیں، جن سے مقصود صرف یہ ہے کہ جہلا کو مرعوب کرکے زر حاصل کیا جائے

نوٹ کے اجرار کا فائدہ

(امتیاز علی۔ سارن) آپ نے کسی مضمون میں ظاہر کیا تھا کہ حکومت اُسی قیمت کے نوٹ جاری کرتی ہے جس قیمت کا سونا یا سکّے اس کے پاس ہوتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ نوٹ جاری کرنے سے کیا فائدہ ہے جب کہ حکومت کو اس کے عوض پورا روپیہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

(نگار) فرض کیجئے کہ آپ نے کسی مزدور سے ایک مہینہ تک کام لیا اور اُجرت میں بجائے تیس روپیہ کے آپ نے صرف ایک تحریر دیدی کہ جس وقت تمھارا جی چاہے اس تحریر کو دکھا کر ہم سے روپیہ لیجانا، لیکن وہ مزدور ایک مہینہ یا سال بھر تک اس تحریر کے عوض روپیہ لینے نہیں آیا تو اب غور کیجئے کہ اتنی مدت میں اس تیس روپیہ کی الٹ پھیر سے آپ کو کسقدر فائدہ ہو سکتا تھا۔

جسطرح حکومت نے نوٹ جاری کئے ہیں اسیطرح انگلستان کے بنک نے بھی اپنے نوٹ جاری کئے ہیں، جو مختلف ہاتوں سے گذر کر آخر کار سال دو سال کے بعد واپس بہونچتے ہیں اور اُن کا روپیہ وصول کیا جاتا ہے۔ ایک نوٹ ۵ ۲ گنی کا اتفاق سے اکسیو گیارہ سال تک باہر ہی رہا اور بنک میں واپس نہیں آیا۔ آپ کے نزدیک یہ معمولی بات ہوگی، لیکن اس زمانہ میں صرف ایک ۵ ۲ گنی کے نوٹ کی وجہ سے بنک کو چھ ہزار گنی کا فائدہ ہوا۔

ممی کے پستہ قد محسوس ہونے کا سبب

(مسعود الرحمٰن ندوی۔ آگرہ) ہندوستان و بیرونی ممالک کے متعدد عجائب خانوں میں عام طور پر پستہ قد ممی دیکھنے کا اتفاق ہوا، میں نے ہر جگہ بہ نگاہ تجسس اس بات پر غور کیا مگر کسی نتیجہ تک نہیں پہونچا کہ یہ ممی پستہ قد کیوں ہیں، حالانکہ اُس زمانہ کے لوگ دراز قد ہوا کرتے تھے، کیا آپ اسپر روشنی ڈال سکیں گے؟

(نگار) آپ کا ممی کو پستہ قد محسوس کرنا صرف اس اعتقاد کی بنا پر ہے کہ اگلے زمانہ کے لوگ زیادہ دراز قد ہوتے تھے، حالانکہ یہ خیال صحیح نہیں۔ حال ہی میں جو انسانی ڈھانچے ہزاروں سال قبل مسیح کے برآمد ہوئے ہیں اُن کے جمجمے اور ہڈیاں بھی موجودہ انسان کی طرح ہیں اور جدید تحقیقات نے اس خیال کی بالکل تردید کر دی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ مومیائی شدہ لاش کچھ خشک ہو جاتی ہیں اور اس لحاظ سے ان کا جسم ضرور ذرا حقیر معلوم ہوتا ہے، یا پھر دانستہ وہ اسکو مختصر کر دیتے ہونگے جیسا کہ قدیم اہل امریکہ کے بعض قبائل میں پورے انسان کے سر و چہرہ کو مومیائی کر کے ایک نارنگی کے برابر بنا دیتے ہیں (معلومات میں ملاحظہ کیجئے)

چند الفاظ کی تحقیق

(عبد الرحمٰن۔ اٹاوہ) (۱) انگریزی میں لفظ سوڈان کہاں سے لیا گیا ہے، اور اس کی کیا اصلیت ہے (۲) لفظ زلیخا کا صحیح تلفظ کیا ہے (۳) انگریزی کا "Artaxerxes" کسی ایرانی بادشاہ کا نام ہے فارسی یا اُردو میں اسے کیا کہتے ہیں —

(۴) خسرو اور کسرے میں کیا فرق ہے

(نگار) (۱) لفظ سوڈان انگریزی زبان کا لفظ نہیں ہے، عربی میں اس ملک کو بلاد السودان (یعنے کالے آدمیوں کا ملک) کہتے ہیں۔ انگریزی زبان میں صرف لفظ سودان کو لیکر Soudan کہنے لگے۔ فرانس میں اسکو Soudan لکھتے ہیں (۲) صاحب قاموس نے زلیخا کا صحیح تلفظ، بفتح زا و کسرۂ لام (زَلِیخا) لکھا ہے۔ (۳) انگریزی کا Artaxerxes اردو یا فارسی کا اردشیر بابکان ہے، یہ وہ شخص تھا جسنے ۲۲۶ء میں ساسانی حکومت کی بنیاد ایران میں قائم کی تھی، (۴) ایران کے ساسانی خاندان کے بادشاہ کو فارسی میں خسرو اور عربی میں کسرےٰ کہتے ہیں۔ اس کی جمع اکاسرہ آتی ہے۔

باغ ارم کی حقیقت

(سلطان احمد۔ پٹنہ) داغ کا ایک شعر ہے ؎

کوچۂ دشمن کو وہ جنت کہیں
مٹ نہ گیا باغ ارم کی طرح

اور شعراء نے بھی اس باغ کا ذکر کیا ہے، ارم کس مقام کا نام ہے اور اس باغ کی کیا حقیقت ہے؟

(نگار) ارم کو مقام قرار دینے میں بعض مفسرین نے بھی غلطی کی ہے اور غالباً اسی غلطی کا اثر ہے کہ اکثر لوگ ارم کو کسی شہر یا مقام کا نام سمجھے ہوئے ہیں۔ کلام مجید کی آیت ہے :۔ الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلہا فی البلاد بعض مفسرین نے اسکے یہ معنے سمجھے ہیں: کیا نہیں دیکھا تو نے کہ کیا کیا تیرے رب نے ارم کی قوم عاد کے ساتھ۔ (اور وہ ارم کیسا تھا؟) ستونوں والا جس کا مثل (اسوقت کے) بلاد میں کوئی نہ تھا" حالانکہ ارم نام تھا سام کے بیٹے اور نوح کے پوتے کا اور عاد اسی ارم کا پوتا تھا، کلام مجید کی اس آیت میں عاد کو ارم کے ساتھ نسبت دیکر عاد اولےٰ کی تخصیص کی ہے تاکہ عاد ثانی سے ممتاز ہو جائے (ذات العماد) سے اُن کے خوش قد اور توانا ہونے کو ظاہر کیا گیا ہے اسلیئے آیت کا صحیح مفہوم یہ ہوا کہ: "کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ارم کی اولاد عاد اولےٰ کے ساتھ کیا کیا جو بڑے خوش قد و توانا تھے اور جن کا مثل اسوقت کسی ملک میں نہ پایا جاتا تھا"، ممکن ہے کہ ارم نے کوئی باغ بھی بنایا ہو اور وہ باغ خاص شہرت رکھتا ہو۔

معلومات

ایک خاتون کی خدمت علم

نارفوک کے ایک ڈاکٹر مارس بوایلا رفاہ عام میں بہت دلچسپی لیتے ہیں اور ان کے اکثر اوقات پبلک کی خدمت میں صرف ہوتے ہیں۔ ان کا یہ ذوق صرف انھیں تک محدود نہیں ہے بلکہ ان کے خاندان کے تمام افراد اس باب میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ حال ہی میں ان کی بہن لیوسی بوایلا، سرطان کے مرض میں مبتلا ہوئیں اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ زیست کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی۔ فطرتاً انسان ایسے وقت میں تمام دنیاوی یا رفاہی اغراض و مقاصد سے کنارہ کش ہو کر اک خاص حال میں مبتلا ہو جاتا ہے، لیکن اس خاتون نے اپنا وقت آخر بھی بیکار نہیں جانے دیا اور اپنے ایک ایک لمحہ کی حالت اور خفیف سے خفیف تغیر کو بھی ڈاکٹروں سے بتانا شروع کیا، تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھا کر دوسرے مریضوں کے لیے کوئی بہتر طریق علاج اختیار کر سکیں۔

اس خاتون کے آخری لمحات کا بیان بطور یادگار شائع کیا جانے والا ہے۔

ہندوستانی جیل

سر الگزنڈر کارڈو نے حال ہی میں ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن کے سامنے ایک لیکچر کے دوران میں ہندوستانی جیل کے متعلق اپنا خیال ظاہر کیا کہ "دنیا کے کسی مہذب ملک میں ایسے بدتر جیل نہیں پائے جاتے، عہد حاضر کا موجودہ نظریہ زندان خانوں کے متعلق یہ ہے کہ وہاں مجرموں کی طبیعت میں ارتکاب جرائم کی طرف سے جذبۂ احتراز پیدا کیا جائے۔ سزا سے مقصود انتقام لینا نہیں ہے، بلکہ اصلاح معاشرت کے اسباب فراہم کرنا ہے، لیکن ہندوستان کے جیلوں کی حالت ایسی ناقص ہے کہ اس سے بجائے کمی کے جرائم میں اور اضافہ ہونا چاہیئے۔"

جمہوریت ترکی اور تعلیم نسواں

جمہوریت ترکی کا لائحہ عمل جو فتحی بے نے پیش کیا ہے، اسمیں صراحت کے ساتھ تعلیم نسواں کے مسئلہ کا بھی ذکر ہے۔ فتحی بے نے بیان کیا کہ آیندہ سے لڑکیوں اور لڑکوں کی تعلیم کو برابر کی اہمیت دیجائیگی اور لڑکیوں کے لیے مختلف مقامات میں مدارس ثانوی قائم کئے جائیں گے، سادہ و سہل زبان میں ان کے لیے نصاب مرتب کیا جائیگا اور تمام ملک میں اسکی اشاعت کیجائیگی، ایک کمیٹی یورپ روانہ کیجائیگی تاکہ وہاں سے سائنس کی تجربہ گاہ قائم کرنے کے لیے آلات و اسباب فراہم کرے اور غیر ممالک کے ماہرین فنون کی خدمات اس سلسلہ میں حاصل کیجائیں گی۔

دنیائے عمل اور طبقۂ نسواں

رسالہ وومن سٹی زن کی تحقیق ہے کہ عورتیں نہایت سرعت کے ساتھ میدان عمل میں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کے لیئے بڑھ رہی ہیں، شارٹ ہینڈ، ٹائپ، ٹیلی فون، کلرکی، اور ترتیب حساب کے کاموں میں گذشتہ دس سال کے اندر عورتوں کی تعداد پچاس ہزار زیادہ ہوگئی ہے، مشینری، معماری، اور زرسازی، ڈھلائی اور لوہاری وغیرہ کے کاموں میں بھی وہ ترقی کررہی ہیں۔ سرکاری ملازمت میں تو انہوں نے ۶۰ فیصدی کے اندازہ سے ترقی کی ہے علاوہ اسکے فن طیران، انجینیری، علم الکیمیا، قانون، پروفیسری اور ورزش میں بھی سہ چند اضافہ ہوگیا ہے۔

چھتری میں روشنی

طوفانی تاریک راتوں میں پیادہ چلنے والوں کے لیئے بڑی دقت یہ ہوتی ہے کہ راستہ نظر نہیں آتا اور ہر وقت گرنے کا اندیشہ رہتا ہے اس مشکل کے دور کرنے کے لیئے، خاص قسم کی چھتریاں ولایت میں طیار کیگئی ہیں جن کے دستہ سے برقی روشنی پیدا ہوتی ہے اور انگلی کے ذرا اشارہ سے یہ روشنی تمام راستہ کو منور کردیتی ہے، چھتری بند کردینے کے بعد روشنی پیدا کرنے والا لمپ علیحدہ بھی ہوسکتا ہے، اور یوں بھی اس سے کام لیا جاسکتا ہے، یہ لمپ اسقدر مختصر ہے اور ایسی خوبی کے ساتھ لگایا گیا ہے کہ چھتری کے دستے میں اس سے کوئی بدنمائی پیدا نہیں ہوتی

زمین کے اندر عجائبات

زمین کے اندر ہزاروں فیٹ نیچے عجیب و غریب مناظر پائے جاتے ہیں جو حال ہی میں دریافت ہوئے ہیں، وہاں تاریکی کی دنیا ہے، مشتعل جھیلیں ہیں، سحر کار باغ ہیں، متلاطم دریا ہیں، زرین مینار ہیں اور نگاہوں کو خیرہ کردینے والی قوس قزحوں کا طوفان برپا ہے، یہ عجائب حال ہی میں ایک فرانسیسی سائنٹس داں نے دریافت کیئے ہیں جو ۱۴ سال سے زمین کے اندرونی حالات معلوم کرنے میں مصروف تھا، اس کا نام آلفرڈ ہارٹل ہے۔ اس کا سب سے خوفناک تجربہ وہ تھا جو اس نے رباتل کے غار میں کیا، اس سے قبل کسی انسان نے اس غار کے اندر جانے کی جرأت نہ کی تھی، جسوقت یہ غار کے اندر اترا تو اسکے ساتھ رسیاں سیڑھیاں، اور شمعیں بھی تھیں، علاوہ ان کے تھرامیٹر، بیرومیٹر، گیس کا نقاب، اور ایک مختصر سا ٹیلی فون بھی تھا تا کہ ضرورت کے وقت اپنے ساتھی کو اوپر اطلاع دیسکے۔

منجمد ہائیڈروجن

تمام گیسوں میں کوئی گیس ہائیڈروجن سے زیادہ ہلکی نہیں ہے اور چونکہ اس کے جواہر فردہ کے درمیان بہت بُعد ہے اسلیئے اسکو سیال بنانا بھی نہایت مشکل کام ہے، لیکن حال ہی میں امریکہ کے ایک ماہر فن نے دباؤ کے ذریعہ سے اسکے انجماد کو ممکن ثابت کردیا ہے، یہ گیس منجمد ہونے کے بعد اسقدر سرد ہوجاتی ہے کہ صفر سے بھی ۲۴۳ درجہ نیچے اسکی برودت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔

سب سے چھوٹی مچھلی

جزائر فلپائن کے ایک جزیرہ لوزان کے ساحل پر ایک مچھلی پائی جاتی ہے، جسکی لمبائی نصف انچ ہے اور وزن نصف گیہوں کے برابر ہے، خیال کیا جاتا ہے، ریڑھ کی ہڈی رکھنے والے حیوانات میں اس سے زیادہ چھوٹا جانور اسوقت تک دریافت نہیں ہوا

بازوں کے آخری کارنامے

فن طیران کے متعلق جو اطلاعات شائع ہوئی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص بارہ منٹ ۲۷ سکنڈ میں بیس ہزار فیٹ کی بلندی تک پہونچگیا، سطح زمین کے قریب اسکی رفتار ۱۸۹ میل فی گھنٹہ تھی، سطح پر اڑنے کے لیئے بعض جہازوں کی رفتار ۲۴۳ میل فی گھنٹہ سے زائد تھی اہل امریکہ زپلن کی قسم کا ایک جہاز تیار کر رہے ہیں جو برلن سے شکاگو تک بغیر کسی جگہ ٹھہرے ہوئے اڑ سکے گا۔

مرض سل کا علاج

پروفیسر ہابر یلودتش نے جو فنلینڈ میں سل کے شفاخانوں کے منتظم اعلیٰ ہیں، حال ہی میں اپنے تجربات کا بیان شائع کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اس مرض کے علاج میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اُنھوں نے جو جدید طریق علاج دریافت کیا ہے وہ انہیں اصول پر قائم ہے جو چیچک اور طاعون کے علاج کے لیئے اختیار کیا جاتا ہے پروفیسر مذکور کا بیان ہے کہ مرض سل کے جراثیم سے جو مواد حاصل ہوتا ہے اگر وہ مسلول کو استعمال کرایا جائے تو ہر قسم کے سل کو فائدہ ہوتا ہے، اس نے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ سل کے جراثیم کیونکر پیدا ہوتے ہیں، کسطرح وہ جسم میں بڑھتے ہیں اور ان کا اثر مسلول کے درجۂ حرارت اور اختلاف وزن پر کیوں پڑتا ہے، ان جراثیم سے جو دوا طیار کیجاتی ہے اس کا نام اسنے فاجولیسین (   ) رکھا ہے۔ یہ ایک عرق ہے سنہرے رنگ کا جو سل کے جراثیم سے بنایا جاتا ہے، اس عرق میں فولاد اور سنکھیا کے اجزا بھی شامل کئے گئے ہیں۔

لاسلکی کا سب سے بڑا اسٹیشن

لاسلکی کا سب سے بڑا اسٹیشن امریکہ میں ہے جس کا نام پورٹ جفرسون ہے اور جو نیویارک سے ستر میل پر واقع ہے یہاں سے ماورا بحر اٹلانٹک، انگلستان، فرانس، جرمنی اور ناروے تک اشارات لاسلکی روانہ کئے جاتے ہیں، لیکن نیویارک میں بمقام ریورہڈ جو اسٹیشن ہے وہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے بڑی چیز ہے، کیونکہ اس اسٹیشن پر تمام وہ اشارات لاسلکی جو انگلستان، فرانس، جرمنی اور ناروے سے موصول ہوتے ہیں التقاط کیئے جا سکتے ہیں اور یہیں سے بڑی اسٹیشن کو بیکار کیا جا سکتا ہے۔

رقص کا جنون

یورپ کے طبقۂ نسواں میں رقص کا ذوق جنون کی حد تک بڑھتا جاتا ہے، اور اسمیں مسابقت کے مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ آجکل وہاں معیار فضیلت یہ قرار دیا گیا ہے کہ زیادہ عرصہ تک بلا کسی وقفہ کے رقص کیا جائے، چنانچہ حال ہی میں وہاں کی ایک رقاصہ مسلسل ۸۰ گھنٹے تک رقص کیا کی حتی کہ اس کے جوتے کے تلے گھس گئے اور اُن میں سوراخ ہوگیا۔

ایک علمی معجزہ

آسٹریا کے ایک ڈاکٹر نے اپنی جراحی سے دنیائے طب کو حیرت میں ڈالدیا ہے، اس نے دو کیڑے لیئے۔ ان میں سے ایک کیڑا پتیاں چاٹنے والا تھا اور دوسرا حشرات کھانے والا۔ اس نے ایک کیڑے کا سر قطع کرکے دوسرے کیڑے میں پیوند کیا اور اس کا سر نکال کر اُسمیں لگایا اسمیں وہ اس حد تک کامیاب ہوا کہ کیڑے زندہ رہے اور اپنی حیات

طبعی تک پہونچے۔ اس سلسلہ میں جو تجربہ بہت زیادہ عجیب و غریب تھا۔ وہ یہ تھا کہ مرکی تبدیلی سے کیڑوں کی فطرت بدلگئی یعنے پتیاں چاٹنے والا کیڑا حشرات کھانے لگا اور حشرات کھانے والا پتیاں چاٹنے لگا۔

قدیم اہل امریکہ کی ایک عجیب صنعت

باوجود اس کے کہ سائینس کی ترقی نے موجودہ زمانہ میں کائنات کے ہر راز کو افشا کر دیا ہے، لیکن اب بھی بہت سی باتیں زمانۂ قدیم کی ایسی ہیں جن کی حقیقت پر اسوقت تک اطلاع حاصل نہیں ہوئی۔

امریکہ کے قدیم باشندوں کے بعض آثار اسقدر عجیب و غریب ہیں کہ ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، اور کسی طرح کوئی علمی تاویل اُن کی نہیں ہوسکتی۔ جنوبی امریکہ میں ایک جمہوریت اکواڈر ہے۔ یہاں کے پہاڑوں میں ایک قدیم قبیلہ جیبار کے نام سے آباد ہے، اس قبیلہ کو ممی یا حنوط کرنے کا عجیب و غریب راز معلوم ہے جسے وہ کسی پر ظاہر نہیں کرتے۔ ان کا حنوط مصر کے مومیائی شدہ لاشوں کی طرح نہیں ہوتا۔ بلکہ مرنے والے کے صرف سر کو علیحدہ کر کے حنوط کرتے ہیں اور اُسے اسقدر مختصر کر دیتے ہیں کہ پورا آدمی کا سر و چہرہ ایک نارنگی کے برابر ہو جاتا ہے، اور لطف یہ ہے کہ نقشہ میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی، چہرہ کی ہر چیز اسی نسبت سے مختصر ہو جاتی ہے۔

امریکہ کا ایک عجیب اخبار

امریکہ کی مسیحی جماعت نے ایک اخبار مونیٹر کے نام سے جاری کیا ہے جسمیں یہ التزام ہے کہ کوئی خبر موت، جرم، خودکشی، یا کسی مغموم و ملول بنا دینے والے واقعہ کے شائع نہیں کی جاتی۔ اسمیں جو اشتہار شائع کئے جاتے ہیں اُن میں بھی شراب، تمباکو، قہوہ یا چاء کا کوئی اشتہار نہیں ہوتا اور اسی طرح بیمہ کمپنیوں کے اعلانات کی اشاعت سے احتراز کیا جاتا ہے۔

حقایق!

شرکت یا عدم شرکتِ کونسل کے نزاع کے متعلق، ہندوستان کی عظیم ترین "جمعیت وطنیہ" نے جو مصالحانہ صورت اختیار کی ہے، وہ اپنے نتیجہ کے لحاظ سے خواہ کیسی ہی غیر اہم کیوں نہ ہو، لیکن اسمیں کلام نہیں کہ اسنے "سطحی سیاسیات" میں ہیجان پیدا کر کے بعض ہستیوں کو اسی طرح ابھار دیا ہے، جس طرح پانی کا تلاطم تہ نشین ذرات کو اوپر لے آتا ہے، اسلیئے اگر کوئی اور مدعا حاصل نہیں ہوتا تو مضایقہ نہیں کہ اسطرح کم از کم نفس کونسل کے اقتدار کو جو صدمہ پہونچا ہے، وہ بھی اپنی جگہ کم عبرت خیز نہیں ہے ـــــ صوبۂ متوسط کے اُن امیدواران کونسل کی فہرست جن کے انتخاب کی طرف پبلک مائل ہے، اسکی روشن شہادت ہے اور "کبر نا موت الکبراے" کی کھلی ہوئی دلیل۔

دہلی کا ایک خوش اندام و خوش صورت مولوی جسوقت "منصّۂ خطابت" پر جلوہ نما ہو کر اپنی نورانی صورت، دراز ریش، طویل و عریض عبا اور دیگر لوازم تقدس کی نمائش کرتا ہے، تو پبلک ـــــ وہ احمق پبلک جو صرف باصرہ و سامعہ کے ذریعہ سے اپنے قائد و رہنما کا انتخاب کر سکتی ہے۔ اس کے سامنے سربسجود ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ "محبسِ فرنگ" سے اپنے ایثار و قربانی اور اپنی دیانت و امانت کی زبردست سند حاصل کر چکا ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ جسوقت حقیقی معنے میں اس کے سیاسی "انسجۂ حیات" کا جائزہ لیا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اسی خاندان سے ہے، جسکی خصوصیت کبریٰ کے اظہار میں شیراز کا ایک شاعر عرصہ ہوا کہہ چکا ہے کہ:۔

"دراز دستیِ ایں کوتہ آستیناں بیں"

قوم کی تعلیم قوم کے ہات میں ہو۔ اُن مدارس و کلیات کو ترک کر دیا جائے جہاں حکومت صرف خصوصیاتِ غلامی کا درس دیتی ہو، اس سے کسکو اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن خدا کے لیئے، پہلے یہ تو بتایئے کہ یہ دعوائے قلب کے کن "اعماق" سے پیدا ہوتا ہے اور آپ کو "تنظیم و ترتیب" کا سلیقہ بھی فطرت کی طرف سے ملا ہے یا نہیں، آپ کے ابتدائی جوش و خروش کا تو یہ عالم ہے کہ گویا آپ میں ہر شخص "اسرافیل" ہو اور آپ کا ہر لفظ "نفخ صور" لیکن چند دن کے بعد جو منظر ہمارے سامنے رہ جاتا ہے اسکی حقیقت "ایک ساحل" کے اُن "نقوشِ امواج" سے زیادہ نہیں ہوتی، جنہیں دریا کا سیلاب ہوا کے سپرد کر جاتا ہے ـــــ "تم اپنی شکل تو پیدا کرو حیا کے لیئے"

اگر ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی جد و جہد سے اُس ہستی کے کارناموں کو علیحدہ کر دیا جائے، جسنے سب سے پہلے جیل کے مصائب برداشت کر کے شاہراہ آزادی کو متعین کیا، تو آج غیرت و خودداری کا کوئی صحیح واقعہ اس جماعت کی تاریخ میں تلاش کرنے سے دستیاب نہیں ہو سکتا، پھر حیرت نہ کرنی چاہیئے اگر "ترہات و مزخرفات" کے ہنگامہ میں اس کے مصائب پر کوئی دل دکھانے والا نہیں کہ احساسِ صحیح کا فقدان ہی "بدتمیزی" کا "طوفان" ہے۔

یارانِ نجد

"دنیائے محبت" میں یہ خبر غالباً حد درجہ مسرت و انبساط کے ساتھ سُنی جائیگی کہ اُس کا ایک گناہگار ـــــــ یعنی وہ مدعیِ محبت جو "تصنعات" کو "حقیقت" کا رنگ دیکر "سرزمینِ عشق" میں بدترین غارتگری کا مرتکب ہو رہا تھا ـــــــ پابزنجیر کر دیا گیا ہے ـــــــ پھر اب، جبکہ ایک طرف معاش کی پابندیاں سدِّ راہ ہیں اور دوسری طرف "مواعید خلوص و محبت" دامن کشاں، ہم کو سخت بے چینی سے اس وقت کا انتظار ہے، جب یہ "رامشگرِ عشق" مہارتِ فن کا ثبوت دیگا اور تمام "یاران نجد" اسے "بطلِ اعظم" کا خطاب دیں گے۔

تہذیب جدید کے دور میں ایک جماعت ایسی ہے جو عریاں تصویروں سے دلچسپی لینے کو "صنمیات" کے تحت میں لاکر "بالغ نظری و صنعت شناسی" سے تعبیر کرتی ہے، تہذیب قدیم کا انسان اسکو فاحش، شرمناک اور بے حیائی کہکر اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے، لیکن ہمیں کسقدر حیرت ہوتی ہے کہ تھوڑی دیر بعد اُسکی آنکھیں کھل جاتی ہیں، چہرہ فرطِ مسرت سے دمکنے لگتا ہے۔ کیوں؟ اسلیے کہ وہ سامنے سے ایک برہنہ انسان، ایک غیر مہذب وجود، ایک مادرزاد عریاں ہستی کو گزرتے ہوئے دیکھتا ہے، جب سوال کیا جاتا ہے تو ایک جاہلانہ ہیبت اعتقاد کی صورت بناکر جواب دیا جاتا ہے کہ "یہ مجذوب ہے، فقیر ہے، ولی ہے، جسقدر عریاں ہے اسی قدر واصل بحق ہے" لیکن اسکی وجہ ہمارے ایک دوست نے یوں ظاہر کی ہو کہ "عریاں تصویریں صرف ذوقِ نگاہ کو پورا کر سکتی ہیں اور اس برہنگی میں دیگر حواس کی رعایت بھی ملحوظ ہے"۔ معلوم نہیں آپ مجھے لائقِ مبارکباد سمجھیں گے یا مستحقِ تعزیت، کہ نگار کی "کتابت و نمایندگی" کا تعلق بھی ایسی ہی ہستیوں سے ہے۔

اس سے قبل میں نے تمھیں اسوقت دیکھا تھا جب تم "تارکِ موالات" تھے، کھادی کا موٹا لباس تمھارے جسم پر تھا، سر کے بال برابر کٹے ہوئے تھے، داڑھی کا نمو آزاد تھا، اب میں نے سنا ہے کہ علی گڈھ پہونچکر تمہارا کعبۂ مقصود بدل گیا، اور "وضعدارانِ" کالج میں تمھارا بھی شمار ہونے لگا،

ممکن ہے یہ صحیح ہو لیکن میرے دل سے تمھاری وہ وضع کبھی محو نہیں ہو سکتی جسمیں تمھاری رعنائیاں مجھے "سوگوار" نظر آتی تھیں اور تمھاری "فطرت" اسی حد تک بلند

مطبوعات جدیدہ

سیرۃ الغازی مصطفےٰ کمال پاشا مرتبہ مولوی آغا رفیق صاحب بلند شہری، ضخامت ۱۵۲ صفحات، تقطیع $\frac{18+22}{8}$ قیمت عہ ملنے کا پتہ نجات بک ایجنسی بجنور۔

اسوقت تک بطل اعظم مصطفےٰ کمال پاشا کے کارنامے و سوانح حیات مختلف حضرات نے مرتب کئے ہیں، لیکن ان سب میں آغا رفیق صاحب کی سعی نسبتاً زیادہ ممتاز نظر آتی ہے، آپ نے جمع واقعات، ترتیب سوانح اور حالات کے استقصاء میں پوری کاوش و محنت صرف کی ہے، اور غازی موصوف کے متعلق تمام مفید و کارآمد اطلاعات فراہم کرنے میں مورخانہ سلیقہ سے کام لیا ہے، سرورق پر غازی اعظم کی تصویر بھی دی گئی ہے اور طباعت و کتابت کی طرف سے بھی بے پروائی نہیں کی گئی ہے۔

ماہ نو رابندر ناتھ ٹگور کی مشہور تصنیف "ششو" کا اُردو ترجمہ جو حامد اللہ صاحب افسر بی اے کے دماغ کا نتیجہ ہے، ترجمہ کی زبان نہایت سلیس و بامحاورہ ہے، حامد اللہ صاحب افسر ملک کے ان نوجوانوں میں سے ہیں جو زبان کی خدمت کا خاص شغف رکھتے ہیں لیکن مجھے اسمیں کلام ہے کہ ٹگور کے افسانے یا اس کے دیگر افکار دماغ اردو ملبوس میں کوئی قابل لحاظ چیز ہو سکتے ہیں۔ ٹگور اور اسکے خیالات کی شہرت کا زمانہ ختم ہو چکا اور اسکو ختم ہو جانا چاہیئے کیونکہ وہ صرف ایک موسمی چیز تھی، اور وہ موسم اب گذر گیا ہے، یہ ترجمہ چھوٹی تقطیع کے ۹۶ صفحات کو محیط ہے اور ۱۲؍ میں انڈین بک ڈپو میرٹھ سے مل سکتا ہے۔

تاریخ الامت حصہ چہارم مصنفہ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری، ضخامت ۲۱۵ صفحات تقطیع $\frac{20+26}{8}$ قیمت عمر ملنے کا پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ علی گڈھ۔ اس حصہ میں خلفاء عباسیہ کے ضروری حالات مختصراً یکجا کر دیئے گئے ہیں اور وہ لوگ جو طویل تاریخوں کے مطالعہ سے گھبراتے ہیں انکے لیئے یہ کتاب ایک نعمت ہے، جن حضرات نے اس سلسلے کے پہلے تین حصوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے ان کے لیئے یہ حصہ بھی اسی قدر دلچسپ و مفید ہے، طباعت و کتابت کی دلکشی کا ذکر فضول ہے کہ جامعہ ملیہ اس باب میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔

حور ایک زنانہ رسالہ ہے جسے بیگم صدیق انصاری نے کلکتہ سے جاری کیا ہے، اسکا دوسرا نمبر (ماہ اکتوبر کا) ہمارے پاس ریویو کے لیئے آیا ہے اور اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ملک نے قدر کی تو اس کا وجود نسوانی طبقہ کے لیے مفید ثابت ہوگا۔ ضخامت ۴۰ صفحات قیمت سالانہ تین روپیہ

درویش بڑی تقطیع کا پندرہ روزہ رسالہ ہے جسے ملا محمد الواحدی صاحب نے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کی نگرانی میں دہلی سے جاری کیا ہے، اس رسالہ کی نمایاں ترین خصوصیت اسکی ارزانی ہے یعنے باوجود اسکے کہ ہر رسالہ باریک خط میں لکھا ہوا دو ڈہائی جزو کا ہوتا ہے لیکن سالانہ قیمت صرف دو روپیہ ہے اگرچہ ارزانی ایک طرف "تجارتی مسابقت" کا عجیب منظر پیش کرتی ہے تو دوسری طرف پبلک کے لیئے بھی مفید ہے۔ مضامین وغیرہ کے متعلق کوئی تبصرہ بیکار ہے کیونکہ خواجہ صاحب کی سرپرستی میں نکلنے والے رسالوں کا جو رنگ ہوا کرتا ہے وہ اسمیں بدرجۂ اتم نمایاں ہے۔

راستی موجب رضائے خدا است

بزرگوں کا قول ہے کہ سیدھے راستہ پر چلنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا اور نہ ادھر ادھر بھٹکتا ہے۔ خود صداقت کی پیروی کرنے والا دوسروں کو کبھی غلط راستہ نہیں بتلاتا۔ برخلاف اس کے ٹیڑھی چال چلنے والا خود بھی منزل مقصود پر شاذ و نادر ہی پہنچتا ہے اور دوسروں کی بھی رہبری نہیں کر سکتا۔ آج کل اشتہار بازوں نے اپنی ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے والی عادت سے جہاں پبلک کا مذاق بگاڑ کر پنجاب کی اشتہار بازی کو بالکل ہی بدنام کر رکھا ہے۔ وہاں خود بھی ان کا یہی حال ہے کہ اپنی چند روزہ زندگی میں چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات کا مصداق۔ معدودے چند مشغول روپیہ بٹور کر برساتی مینڈکوں کی طرح تھوڑے دن غرائیں غرائیں کر کے پھر ایسے لاپتہ اور معدوم ہوتے ہیں کہ اخبارات میں ان کا نام تک نہیں ملتا۔ ہم نے دس سالہ اشتہاری زندگی میں سینکڑوں ایسے اصحاب کو پیدا ہوتے بنتے بگڑتے دیکھا ہے۔ الغرض مجنوں ہوتا ہے تھوڑی قیمتوں کے دلدادہ عبارتوں اور گمنام شخصیتوں کے پیچیدہ ناموں کے دام فریب میں پھنسکر بیمار بیچارے خراب ہوتے رہتے ہیں اور پھر حالت بگڑ جاتی ہے۔ یا بڑی قیمتوں کی چیزیں خریدنے اور صحت حاصل کرنے کا حوصلہ ان میں نہیں ہوتا یہی سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ویسا ہی ہوگا۔ اور زندگی بھر تباہ و خستہ حال رہتے ہیں۔ برعکس اس کے اگر پہلے ہی ارزاں بعلت گراں حکمت کے اصول اور اشتہار دینے والوں کی شخصیتوں اور حیثیتوں کو مدنظر رکھا جائے تو تضیع اوقات بیجا اسراف اور فضول سردردی سے بہت حد تک نجات مل سکے

علاج بذریعہ ادویات و آلات

میں زمین آسمان کا فرق ہے ادویات کا بذات تمام دنیا پر ثابت ہو چکا ہے۔ طبائع مختلف امزجہ مختلف ادویات کا یکساں اثر تمام انسانوں پر ہرگز ہرگز نہیں پڑ سکتا۔ اسی واسطے اشتہاری دوا فروشوں سے جو صفرا وی سوداوی۔ بلغمی۔ بادی سب مزاجوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں لاعلاج بیر پرہیز کرنا چاہئے نیز ادویات کی ایک بھاری زحمت یہ ہوتی ہے کہ موسم کا لحاظ کہیں کھانے پینے۔ نہانے کا پرہیز کہیں نام نہاد سنیاسی ڈاکٹروں۔ حکیموں وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ نیم حکیم خطرۂ جان کی مصداق مریض کی جان کے لالے پڑ جانے کا خطرہ مغربی دنیا کے نامور سائنس داں تو آج کل ہر مرض کا علاج بذریعہ آلات دریافت کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان میں علاج بذریعہ آلات کی ابتدا ۱۹۱۲ء میں ہم نے ہی ڈالی اور آج تک ہزار ہا مایوس العلاج مریض ہمارے ذریعہ اپنے مصائب آلام سے نجات حاصل کر چکے، اور بے شمار زندہ مثالیں اس امر کی موجود ہیں۔ کہ ہمارے شہرۂ آفاق تینوں آلات۔

(۱) ایریکٹس۔ (۲) ایکٹینا (۳) مانع احتلام

لاتعداد ہندوستانی بھائیوں کیلئے اسی واسطے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئے ہیں اگرچہ ناظرین بلحاظ سے یہ ہماری پہلی ملاقات ہے۔ لیکن اندک نوشتہ بسیار خواند (۱) آلہ ایریکٹس، مسرز ہسٹن براڈ کمپنی شکاگو امریکہ کی ساخت۔ امریکن پیٹنٹ جرمنی کے مشہور ڈاکٹر بیئر کے اختراع کردہ طریقہ علاج ہائی پرانگ ٹریٹمنٹ کا نچوڑ، فزیالوجی اور کیمیا دی علوم کے مقبول عام اصولوں کا عملی نمونہ ہے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ مادر زاد نامردی کے سوا ہر قسم کی مرض نامردی اور اس کے ہمراہ نیچرل قاطع نسل انسانی و مانع خط زندگانی بیماری کی جڑ ابتدائی تنزلی اور انتہائی صورتیں تمام و کمال اس آلہ کے چند ہفتوں کے استعمال سے جڑ سے دور ہو جاتی ہے قیمت فی آلہ مبلغ پچاس روپیہ علاوہ محصول خیر مفصل تشریحی کتاب موت کے بعد نئی زندگی۔ مفت خواست کنندہ بیمار کو بھیجی جاتی ہے (۲) آلہ ایکٹینا جو ڈاکٹر کونس کی ایجاد مسرز ایکٹینا ایپلائنس کمپنی کی ساخت امریکن پیٹنٹ۔ آنکھ، کان، ناک حلق اور سر کی تمام معلومہ امراض کا مکمل بے دوا علاج آنکھ کی سرخی سے لیکر موتیا بند تک امراض چشم کانوں کا بہرہ پن ثقل سماعت، درد، شاں شاں آوازیں، شور و غل حلق کے ورم، نزلہ، زکام، سر درد۔ کھانسی دمہ۔ انفلوئنزا وغیرہ بخار وغیرہ تمام مختلف قسم تکالیف اس آلہ کے استعمال سے کافور ہو جاتی ہیں قیمت فی آلہ [illegible] روپیہ علاوہ محصول ڈاک وغیرہ مفصل مشرح کتاب بیماریاں اور اس کا رسالہ امراض ہر درخواست کنندہ کو بھیجا جاتا ہے مفت (۳) مانع احتلام۔ جرمن سائنسداں کی تازہ دریافت احتلام کا شافی علاج اور ادویات سے جو کام برسوں نہ ہو وہ ایک ہی دن میں کر دکھانے والا فاسق، فاجر، پرہیزگار، پنڈت، مولوی، بچے، جوان، بوڑھے، شادی شدہ، کنوارے، رنڈوے یکساں درست خواب میں ناپاک ہونے کا قطعی و یقینی علاج قیمت صرف پانچ روپیہ ہے

المشتہر [illegible] ایس بھنڈاری ایم اے مالک اریکٹر ۲ ایجنسی [illegible] مقام [illegible] ضلع گجرات پنجاب

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کی مجرب و آزمودہ دوائیں

چالیس سال سے تمام ہندوستان میں مشہور ہو رہی ہیں

وہ زندگی ہی کیا

جس سے ایک دوسرے کو فائدہ نہ پہونچ سکے اسی خیال کو مدنظر رکھکر دوائیں بنی ہیں اور باوجود انمول فائدے کے

سستی بکتی ہیں

نام دوا مع قیمت

قیمت	نام دوا
۶/	اصلی عرق کافور۔ ہیضہ کے لئے ایک ہی دوا ہے
[illegible]	دمہ کی دوا۔ ایک ہی خوراک میں دمہ کو دبا دیتی ہے
[illegible]	کونین کی گولیاں۔ چار گرین کی ۵۰ گولیاں
[illegible]	کولا ٹانک۔ کمزوری کا دشمن۔
[illegible]	فصلی بخار و جاڑے کی دوا۔ چار پانچ ہی خوراک میں بخار کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ قیمت فی شیشی کلاں [illegible] خورد ۱۰/
[illegible]	مقوی باہ گولیاں۔ جیسا نام ویسا فائدہ
[illegible]	پین ہیلر۔ اندرونی و بیرونی درد کی دوا۔
[illegible]	سالسہ۔ خون صاف کرنے کی دوا۔
[illegible]	سنٹی لائن۔ خونی بواسیر و خون بند کرنے کی دوا
[illegible]	پرانے سوزاک کی دوا۔ پرانے سے پرانا سوزاک ایک شیشی میں آرام ہوتا ہے۔
[illegible]	گرمی آتشک کی دوا۔ یہ گرمی کے زہر کو نکال دیتی ہے
۶/	دانت کے درد کی دوا۔ لگاتے ہی درد مٹتی ہے۔
۱۲/	سر درد کی دوا۔ سر کے درد کے لئے نہایت اکسیر ہے۔
۹/	جلاب کی گولیاں۔ آسانی سے پیٹ صاف کرتی ہیں۔
۶/	داد کا مرہم۔ ایک ڈبیہ میں کیسا ہی داد ہو آرام ہو جائیگا۔
۸/	کلوروڈائن۔ ہیضہ کی عمدہ دوا۔
خورد ۱۰/	کھانسی کی دوا۔ کف اور کھانسی کے لئے مفید ہے کلاں [illegible]
[illegible]	پرانے ملیریا بخار کی گولیاں۔ ان گولیوں میں کونین نہیں ہے
[illegible]	روغن سینٹ۔ یہ ہر قسم کی درد کے لئے مفید ہے
۶/	کان بہنے کی دوا۔ کان کا بہنا اس سے بند ہو جاتا ہے۔

نام دوا مع قیمت

قیمت	نام دوا
۱۰	زخم کا مرہم۔ یہ ہر قسم کے زخم کے لئے مفید ہے
[illegible]	لال شربت۔ ایک شیشی میں بچے لال لال ہو جاتے ہیں
۱۲/	خارش کھجلی کی دوا۔ ہر قسم کے جلدی امراض کے لئے مفید ہے
[illegible]	امراض مستورات کی دوا۔ حیض کی خرابی کے لئے مفید ہے
۱۴/	عرق پودینہ۔ یہ پودینہ کی ہری پتیوں سے بنا ہے۔ بدہضمی کے لئے مفید ہے۔
[illegible]	نمونہ کا بکس۔ اس میں ڈاکٹر ایس کے برمن کی چھ مشہور دوائیں ہوتی ہیں۔
[illegible]	سنہرہ سینٹ۔ یہ خوشبوؤں کا بادشاہ ہے۔
[illegible]	کسراج تیل۔ یہ تیلوں کا سرتاج ہے دیسی اور ولایتی خوشبوؤں کی آمیزش سے بنایا گیا ہے۔ اور خوشبو کے علاوہ دماغ کے لئے نہایت درجہ مفید ہے۔
۱۰/	ہیل یک تجھبو یہ مینی۔ زخم چوٹ ہر ایک کے لئے عمدہ دوا ہے
[illegible]	مکرودھج۔ یہ سونے کا کشتہ سات ہی خوراک میں آدمی کو اپنے رنگ پر لے آتا ہے۔ ۷ خوراک
۸/	آلوکا یعنی رقیق السایہ یہ بنگالہ کا خاص تحفہ ہے۔ کسی معشوق کے گورے گورے پیروں میں لگائے۔ اگر جی لوٹ پوٹ نہ ہو جائے۔ تو ہمارا ذمہ
[illegible]	انگریزی۔ ہندی اور اردو تھرمامیٹر۔ یہ ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کی خاص فرمائش سے ولایت کے ایک نامی کارخانہ سے بنکر آیا ہے۔ اور بخار ناپنے کی لکیر بہت صاف ہے۔ قیمت فی تھرمامیٹر

نگار ایجنسی کی کتابیں

انجمن ترقی اردو کی کتابیں

فلسفۂ تعلیم۔ اسپنسر کی مشہور کتاب کا ترجمہ ۱۲ نو بین لعلم پانچ
جلدیں ۱۲ رہنمایان ہند۔ سری کرشن جی اور گوتم بدھ وغیرہ
کی سیرت اور فلسفۂ تعلیم ۱۲ امرائے ہنود۔ درجہ اول ۱۲ درجہ دوم ۱۲
تاریخ تمدن ٹامس بکل کی مشہور کتاب کا ترجمہ حصہ اول ۱۲ حصہ دوم ۱۲
مقدمات الطبیعات۔ ہکسلے کی کتاب کا ترجمہ ۱۲ البیرونی ابو ریحان
بیرونی کے مفصل حالات ۱۲ دریائے لطافت۔ انشاء اللہ
خاں مشہور شاعر کی مشہور کتاب ۱۲ طبقات الارض ۱۲ القمر ۱۲
مشاہیر یونان و روما جلد اول ۱۲ جلد دوم ۱۲ مبادی
سائنس ۱۲ تاریخ یونان قدیم ۱۲ انتخاب کلام میر ۱۲
رسالہ نباتات ۱۲ مکالمات برکلے قسم اول ۱۲ قسم دوم ۱۲

جامعہ ملیہ کی کتابیں

تاریخ الامت۔ اسلام کی بہترین تاریخ حصہ اول ۱۲ حصہ دوم ۱۲
حصہ سوم ۱۲ مبادی معاشیات ۱۲ انتخاب مضامین ۱۲
مع تصویر ۱۲ ترکوں کی کہانیاں ۱۲

تصانیف اعلیٰ حضرت بیگم صاحبہ فرمانروائے بھوپال

معیشت و معاشرت [illegible]
فرائض [illegible]
[illegible] تربیت اطفال [illegible] صحت [illegible]
[illegible]

تقریروں کا مجموعہ ۱۲ عفت المسلمات پردہ پر مدلل بحث ۱۲
مدارج الفرقان ۱۲ سیرت مصطفیٰ ۱۲ باغ عجیب و غریب
کہانیوں کا مجموعہ تین حصوں میں ۱۲ علی الترتیب اخلاقی سلسلہ
چار حصوں میں ۱۲ ، ۱۲ ، ۱۲ ، ۱۲ تہذیب نسواں ۱۲
مہذب زندگی ۱۲ ہماری روح کا گھر ۱۲ تربیت ۱۲
افضال رحمانی ۱۲ باغبانی تین حصوں میں ۱۲

تصانیف جناب میمونہ سلطان [illegible] صاحبہ

آغاز اسلام مولانا شبلی کی کتاب بدء الاسلام کا ترجمہ ۱۲
ذکر مبارک یعنی تاریخ اسلام کا پہلا حصہ ۱۲ خلافت راشدہ
سلک مروارید حصہ اول و دوم ۱۲ سوم ۱۲ فرائض [illegible]

دار الاشاعت سیاسیات مشرقیہ

خلافت عثمانیہ مصنفہ سید سلیمان ندوی ۱۲ ترکی میں یونانی
مظالم ۱۲ ترکی میں عیسائیوں کی حالت ۱۲ [illegible]

تصانیف مولانا نیاز فتحپوری

گہوارۂ تمدن اردو میں اپنے موضوع کی پہلی کتاب جس میں
عورت کے کارنامے دور تمدن میں ثابت کئے گئے ہیں ۱۲
کیوپڈ و سائکی۔ ادب لطیف کا بہترین نمونہ ۱۲
جذبات بھاشا ۱۲
قربان گاہ حسن ۱۲
[illegible] راز ۱۲

[illegible]

ایک محققانہ تصنیف اور ... پر بہترین تبصرہ ...

آسمانی صحیفوں تورات، انجیل اور قرآن مجید کی ... تاریخ ... اور مخالفین اسلام

کے اعتراضات ... قرآن کا جواب قسم اول ... قسم دوم ... ہمارے ہاں سے بھی ...

دیگر مصنفین

معراج الانبیاء ... رموز فطرت ... القرآن ... الصالحات ... معتقد القرآن ... طیبات ... اخلاق ... تحریک اخلاق ... [illegible]

[illegible]

نظام ... تصنیف ... صاحب ... قسم اول ... قسم دوم ... مجموعہ رسائل ... تحقیق الجہاد ... الکلام حصہ اول ... حصہ دوم ... مشاہیر اسلام حصہ اول ... حصہ دوم ... مآثر الکرام ... گلشن ہند ... میر و آزاد ... تذکرہ شعراء ... شرح فصوص الحکم ... نظام اکبری ... مقالات سرسید ... حیات بعد الموت ... حقائق اسلام مصنفہ مفتی ... صاحب ایم اے ... سیر یورپ بیگم صاحبہ جنجیرہ کا سفر نامہ ... سرگذشت ... فیضی کے معاشرتی افسانے ... محاربات ... میلاد ابن جوزی ... مسلمانان اندلس ... اساس التعلیم ... نافع السوال مصنفہ منشی محمد خلیل صاحب ... سیرۃ انبیاء ... مولوی الف دین صاحب ... مشاہیر مشائخ ... مشہور مشائخ ... تذکرہ ... صاحب ... سیاحت کی ڈائری ... [illegible]

[illegible]